وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں ڈاون لوڈ کرنے کے ٹیلگرام پر ان چینل و گروپ کو جوائن کریں

https://telegram.me/Tehqiqat

https://telegram.me/faizanealahazrat

https://telegram.me/FiqaHanfiBooks

https://t.me/misbahilibrary

آرکایو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://archive.org/details/@muhammad_tariq_hanafi_sunni_lahori

بلوگسپوٹ لنک

http://ataunnabi.blogspot.in

شرح صحیح البخاری کے نام "**نِعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام بھی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۱۴: ۳۴)

نِعَمُ البَارِی فِی شَرْحِ صَحِیْحِ البُخَارِی

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی۔ ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء ثالث عاشر

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد ثالث عاشر (۱۳)

الاحادیث: ۶۲۲۷ ـــــ ۶۴۸۱

کتاب الاستئذان، کتاب الدعوات

کتاب الرقاق (۵۳ ابواب)

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثالث عاشر (۱۳)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	باراول اکتوبر 2013ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS26

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (ثالث عاشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين، الذى جعلنا من المسلمين، ووصفنا بخير امة من الأمم الماضين، و انعم علينا بتنزيل القرآن الكريم و هدانا به الى الصراط المستقيم، و الصلوة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين قائد الغر المحجلين، الذى شرح الفرقان باحاديثه و بيانه القويم. و كشف عن اسراره و غوامضه لهداية الناس اجمعين، و انقذنا بحسن سيرته من الظلمات والضلال المبين. و على اله الطيبين واصحابه الطاهرين الذين قاموا باشاعة الدين المتين مع كمال الخلوص والجهد العظيم. و على ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين، و على جميع الائمة التابعين من المفسرين والمحدثين المخلصين الكاملين الى يوم الدين۔

و بعد فيقول العبد الفقير الى مولاه القدير غلام رسول السعيدى دائم الاحتياج الى كرم ربه السرمدى انى بعد الفراغ من التفسير قد شرعت فى شرح الصحيح للامام البخارى (عليه نعم البارى) توكلا على رحمة الله و فضله العميم۔ ولا يكون تحريره و تقريره و تكميله الا نعمته العظمى۔ فلذا سميته بنعمة البارى فى شرح الصحيح للبخارى۔ (تقبله الله بلطفه و تغمدنى بغفرانه بمحض فضله)

اشهدان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسى و من سيئات اعمالى۔ من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له۔ اللهم ارنى الحق حقاً وارزقنى اتباعه۔ اللهم ارنى الباطل باطلاً وارزقنى اجتنابه۔ اللهم اجعلنى فى تصنيف هذا الكتاب على صراط مستقيم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار و الحاسدين۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الكريم و مقبولاً عندك وعند رسولك الرؤف الرحيم واجعله شائعاً و مستفيضاً و مفيضاً و مرغوباً فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ولجميع من انتسب الى من المسلمين صدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى الكريم صلى الله عليه وسلم فى الدنيا و شفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة و امتنى على الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبى فاغفرلى فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنى ان اشكر نعمتك التى انعمت على و على والدى وان اعمل صالحاً ترضه۔ آمين يا رب العالمين بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قوی اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دار و مدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندوں ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

۷۹۔ کِتَابُ الْاِسْتِئْذَانِ

اجازت لینے کا بیان

''استئذان'' کا لغوی معنی

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

لغت میں استئذان کا معنی ہے: اجازت طلب کرنا، اور اس کا مادہ اذن ہے، اور اذن دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے: (اول) ہر اس شخص سے اجازت طلب کرنا جو اجازت دینے کا اہل اور مالک ہو، (ثانی) علم اور اعلام یعنی کسی چیز کا جاننا اور کسی چیز کے معنی پر مطلع کرنا، عرب کہتے ہیں: ''قد اذنت بھذا الامر'' یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا، اور کہتے ہیں: ''آذننی فلان'' یعنی مجھے فلاں نے اس چیز کا علم دے دیا، اور اسی باب سے لفظِ اذان ہے جس کا معنی ہے: وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا، قرآن مجید میں ہے:

فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (البقرہ: ۲۷۹) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔

یعنی تم کو اس چیز پر مطلع کیا جاتا ہے کہ سود نہ چھوڑنے کی بناء پر تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کو قبول کر لو۔

اور حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو کسی چیز کے متعلق اتنی اجازت نہیں دی جتنی قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ (غریب الحدیث لابی عبید ج ۲ ص ۱۴۰ طبع ہند)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ کے ساتھ نہیں سنتا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کو سنتا ہے۔

لفظِ استئذان قرآن مجید میں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝

(النور: ۲۷۔۲۸)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ، یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ○

محمود استئذان

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور:۶۲)

مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

مذموم استئذان

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝ (التوبہ:۸۳)

(اے رسول مکرم!) اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جاسکو گے، اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے، تم پہلی بار بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے، سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O

وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِیْنَ ۝ (التوبہ:۸۶)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں: ہم کو چھوڑ دیجئے ہم بیٹھے والوں کے ساتھ رہ جائیں O

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ (الاحزاب:۱۳)

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ، اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے، وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھے O

لفظ استئذان کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا: میرے نسب کا کیا کرو گے؟ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو ان میں سے اس طرح کھینچ لوں گا جس طرح بال کو گوندھے ہوئے آٹے سے کھینچا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۳۱، صحیح مسلم: ۲۴۸۷، مسند احمد: ۲۴۹۱۶)

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور اس وقت آپ کے پاس قریش کی خواتین بیٹھی ہوئی تھیں جو آپ سے باتیں کر رہی تھیں اور ان کی آواز آپ کی آواز پر بلند ہو رہی تھی، پس جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو وہ کھڑی ہو کر جلدی سے پردہ میں چلی گئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے یا رسول اللہ! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو میرے پاس تھیں، جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو یہ جلدی سے حجاب میں چلی گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ آپ سے ڈریں یا رسول اللہ!، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اپنی جان کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں؟ تو ان عورتوں نے کہا: ہاں! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تند مزاج اور سخت ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن الخطاب! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! جب بھی شیطان کسی راستہ میں تم سے ملتا ہے تو وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۹۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۷، مسند احمد: ۱۴۷۵)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سے تمہاری بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو تم اس کو منع نہ کرو۔ (صحیح البخاری: ۸۶۵، صحیح مسلم: ۴۴۲)

(۴) ربعی بن حراش بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بنو عامر کے ایک مرد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اپنے گھر میں تھے تو آپ سے ایک شخص نے اجازت طلب کی اور کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اور اس کو استئذان کی تعلیم دو، اس سے کہو کہ تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس مرد نے یہ سن لیا، پس اس نے کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ (سنن ابوداؤد: ۵۱۷۷)

(۵) حضرت کلدہ بن الحنبلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے دودھ اور کچھ سبزیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں، اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی کی بلندی پر تھے، وہ آپ کے پاس داخل ہوا اور اس نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس جاؤ، پھر کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اور یہ صفوان کے اسلام لانے کے بعد کا واقعہ ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۷۱۰، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۶، الادب المفرد: ۱۰۹۱)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مومنین قیامت کے دن جمع ہوں گے، پس وہ کہیں گے: اگر ہم کسی کو اپنے رب کے پاس شفاعت کرنے والا بنائیں، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس وہ کہیں گے: آپ تمام لوگوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ کے لیے فرشتوں کو سجدہ ریز کیا، اور آپ کو تمام

کے نام سکھائے، پس آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں حتیٰ کہ ہم کو اس جگہ سے وہ راحت میں لے آئے، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں اور وہ اپنی ظاہری خطا کو یاد کر کے حیا فرمائیں گے، تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا، پس لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں اور وہ یاد کریں گے کہ انہوں نے اپنے رب سے اس چیز کا سوال کیا تھا جس کا انہیں علم نہ تھا، پس وہ حیا فرمائیں گے، سو وہ کہیں گے: تم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، وہ ان کے پاس جائیں گے، تو وہ بھی کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں، تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور ان کو تورات عطا فرمائی ہے، وہ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں اور وہ یاد کریں گے کہ انہوں نے ایک جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ قتل کیا تھا، سو وہ اپنے رب سے حیا فرمائیں گے، پس وہ کہیں گے: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں اور اس کی روح ہیں، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں، تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام اگلی اور پچھلی ظاہری خطائیں معاف فرمادی ہیں، سو وہ میرے پاس آئیں گے، پس میں چلوں گا حتیٰ کہ اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، سو مجھے اجازت دی جائے گی۔ پھر میں اپنے رب کو دیکھوں گا اور میں سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ مجھے جب تک چاہے گا سجدہ میں چھوڑے گا، پھر فرمائے گا: اپنا سر اٹھائیں، آپ سوال کریں آپ کو دیا جائے گا، آپ بات کریں آپ کی بات سنی جائے گی، آپ شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں ان لوگوں کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر دوبارہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹوں گا، پس جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں ان کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں تیسری مرتبہ جاؤں گا، پھر چوتھی مرتبہ جاؤں گا، پس میں کہوں گا کہ دوزخ میں صرف وہی ہیں جن کو قرآن نے روک لیا ہے اور جن کے اوپر خلود اور دوام کو واجب کردیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۷۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۳۱۵۰)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کے لیے استغفار کروں تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، پھر میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی۔ (صحیح مسلم: ۹۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ دینے کی توجیہ

جب غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جاتا ہے تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کوئی کبیرہ گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے استغفار ہو رہا ہے، تو اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے لیے استغفار کرتے تو یہ شبہ ہوتا کہ شاید آپ کی والدہ نے کوئی گناہِ کبیرہ کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے استغفار کی اجازت نہ دے کر یہ واضح فرمادیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ مومنہ کاملہ تھیں اور ان سے کوئی گناہِ کبیرہ سرزد نہیں ہوا تھا۔

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سلام کرنے سے پہلے اجازت طلب کرے، اس کو اجازت نہ دی جائے حتیٰ

کہ وہ پہلے سلام کرے۔(الادب المفرد:۱۰۷۰)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ النور: ۲۷۔۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل ہونے کی اجازت نہیں دی حتیٰ کہ گھر والوں کو وہ سلام کریں اور ان سے اجازت طلب کریں، یہ آدابِ شرعیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کسی کے گھر میں داخل ہونے کا ادب سکھایا ہے اور یہ استئذان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوں حتیٰ کہ داخل ہونے سے پہلے ان سے اجازت طلب کریں اور اس کے بعد سلام کریں اور لائق ہے کہ تین مرتبہ اجازت طلب کریں، جب انہیں اجازت مل جائے تو آجائیں ورنہ واپس چلے جائیں۔ اور اجازت طلب کرنے والے کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی گھر کے دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو، اسے چاہیے کہ دروازہ کے دائیں جانب یا بائیں جانب کھڑا ہو، اور جب اس سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ یہ نہ کہے کہ میں ہوں، کیونکہ ایسا کہنا مکروہ ہے، اور یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس لفظ سے اجازت طلب کرنے والے کی پہچان نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ اپنے نام کو یا اپنی کنیت کو ظاہر کرے، ورنہ جو شخص اپنے آپ کو میں سے تعبیر کرتا ہے تو اس سے وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا جو استئذان سے مطلوب ہے اور جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر زیرِ آیت النور: ۲۷۔۲۹)

علامہ الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر اجازت طلب کرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ گھر والوں نے اس کی اجازت طلب کرنے کو سن لیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ تیسری بار اجازت طلب کرنے کے بعد چلا جائے، کیونکہ جب گھر والوں نے اس کی آواز سن لی اور اس کو اجازت نہیں دی تو یہ اس پر دلیل ہے کہ انہوں نے اس کو اجازت نہیں دی، اور سنتِ صحیحہ میں تین سے زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرنے کی تصریح نہیں ہے، اس لیے اس پر لازم ہے کہ تیسری مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد واپس چلا جائے۔

(اضواء البیان ج ۶ ص ۱۷۵۔۱۶۷)

استئذان کے فوائد

(۱) اگر استئذان یعنی اجازت طلب کر کے کسی کے گھر میں جانا مشروع نہ ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ کوئی اجنبی انسان کسی شخص کے گھر کی پردہ دار عورتوں کو دیکھے یا اور ایسی چیزوں کو دیکھے جن کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) استئذان کے مشروع ہونے کی وجہ سے انسان کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہے اپنے گھر میں آنے دے اور جس کو چاہے اپنے گھر میں آنے سے روک دے۔

(۳) استئذان انس اور محبت کی طرف پہنچاتا ہے اور ڈر اور خوف سے روکتا ہے۔

(۴) استئذان کی وجہ سے گھر کے مالک کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ جس چیز کو چھپانا چاہتا ہو وہ چھپا لے اور جس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا ہو، ظاہر کر لے۔

ا۔ بَابُ: بَدْءِ السَّلَامِ — سلام کی ابتداء کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا عنوان سلام کے ساتھ قائم کیا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی جو سلام نہیں کرے گا۔

امام ابوداؤد از ربعی بن حراش روایت کرتے ہیں کہ ہمیں بنو عامر کے ایک مرد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت اپنے گھر میں تھے تو آپ سے ایک شخص نے اجازت طلب کی اور کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اور اس کو استئذان کی تعلیم دو، اس سے کہو کہ تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس مرد نے یہ سن لیا، پس اس نے کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ (سنن ابوداؤد: ۵۱۷۷)

٦٢٢٧۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ النَّفَرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللهِ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الْآنَ۔

(صحیح بخاری: ۳۳۲۶، ۶۲۲۷، صحیح مسلم: ۲۸۴۱، مسند احمد: ۲۷۳۸۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، ان کا طول ساٹھ ہاتھ تھا، پس جب ان کو پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ! فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہوئی ہے ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔ پس وہی تمہارا سلام ہوگا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: السلام علیکم! تو فرشتوں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو انہوں نے رحمت کا اضافہ کیا، پس ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا۔ پھر مسلسل مخلوق اس کے بعد (اپنی قامت میں) کم ہوتی رہی حتیٰ کہ اب تک۔

صحیح البخاری: ۶۲۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سلام کی ابتداء کا بیان'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

جاؤ! فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور دیکھو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں، پس وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ اس حدیث سے سلام کی ابتداء کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن جعفر بن اعین ابوزکریا البخاری البیکندی، ان کا ۲۴۳ ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرزاق، یہ عبدالرزاق بن ہمام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، یہ ابن منبہ الصنعانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

''صورتہ'' میں صورت کی ضمیر کا مرجع اور اس کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی صورتہ'': ''علی صورتہ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر آدم کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اول امر میں ایک بشر کو پیدا کیا جو مستقیم تھا اور اس کی خلقت کامل تھی اور اس کی قامت کا طول ساٹھ ہاتھ تھا۔ اور دوسروں کا معاملہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ انسان پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر جما ہوا خون ہوتا ہے، پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، پھر پیٹ میں بچہ بن جاتا ہے، پھر وہ طفل ہوتا ہے، پھر وہ مرد ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کا طول قامت مکمل ہو جاتا ہے، تو دوسرے انسانوں کی تخلیق مختلف اطوار میں ہوتی ہے۔

علامہ ابن بطال نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے دہریہ کے قول کو باطل فرمایا ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ پہلے نطفہ ہوتا ہے اور جو بھی نطفہ ہو وہ انسان سے حاصل ہوتا ہے، تو گویا کہ ہر انسان سے پہلے ایک انسان ہے۔ اور قدریہ کے قول کو باطل فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی صفات دو قسموں پر تھیں، ایک صفات وہ تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اور دوسری صفات وہ تھیں کہ جن کو خود حضرت آدم نے پیدا کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گزرے جو اپنے غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا، تو آپ نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اور اس صورت میں یہ ضمیر اس مضروب کے چہرہ کی طرف راجع ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی اللہ کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور صورت اجسام کی شکل کو کہتے ہیں، اور صورت کا اطلاق صرف اجسام پر ہی صحیح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اجسام سے مبرا اور منزہ ہے تو یہاں صورت کا معنی صفت ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''مجھے اس معاملہ کی صورت بتاؤ'' یعنی اس کی صفت بتاؤ۔ اور اس حدیث کی صفت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صفت پر پیدا کیا ہے، یعنی وہ زندہ ہیں، عالم ہیں، سمیع ہیں، بصیر ہیں اور متکلم ہیں۔ یا یہ اضافت تشریفیہ ہے جیسے بیت اللہ، تو اس گھر کی عزت افزائی کے لیے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے، اور روح اللہ، یعنی روح کی تعظیم کے لیے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا اور اس سے پہلے اس کی صورت کا کوئی انسان نہیں تھا، بلکہ از سر نو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کی اپنی طرف اضافت کر کے اس کی عزت افزائی فرمائی۔

حضرت آدم کے قد کے ساٹھ ہاتھ لمبائی کا بیان

اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی چوڑائی کتنی تھی اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ ان کی چوڑائی سات ہاتھ تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''النفر'' یہ مردوں کی تین سے لے کر دس تک کی گنتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جلوش'' جلوس، جالس کی جمع ہے اور اس پر پیش اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من ذریتك'' یعنی فرشتے جو آپ کے سلام کا جواب دیں گے، وہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا اور اس اولاد سے مراد ہے جو مسلمان ہوں۔

لفظِ سلام اور اس کے جواب کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''السلام علیکم''، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سلام کرتے تھے تو السلام علیکم کہتے تھے اور جب سلام کا جواب دیتے تھے تو تب بھی السلام علیکم کہتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سلام کا لفظ برکت تک پہنچتا ہے اور کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ اپنے سلام میں کہے ''سلام الله علیك'' یعنی اللہ کا تم پر سلام ہو، لیکن وہ کہے ''علیک السلام'' یا ''السلام علیکم'' کہے۔ اور کم سے کم سلام یہ ہے کہ ''السلام علیکم'' کہے، خواہ مخاطب ایک ہو، تو افضل جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے، تا کہ یہ سلام فرشتوں کو بھی شامل ہو جائے اور زیادہ کامل یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (ہود: ۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اور کوئی شخص سلام کی ابتداء میں کہے: ''علیکم السلام'' تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے ایسا کہہ دیا ہے تو تب بھی صحیح قول کے مطابق وہ جواب کا مستحق ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجری الہجیمی سے فرمایا: تم ''علیک السلام'' نہ کہنا، کیونکہ علیک السلام مردوں کا سلام ہے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ اور افضل اور اکمل جواب یہ ہے کہ جس کو سلام کیا جائے وہ جواب میں کہے: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔ اور ''واؤ'' کا ذکر کرے یعنی وعلیکم۔ علامہ نووی نے کہا: اگر اس نے واؤ کو حذف کر دیا تو جائز ہے لیکن وہ افضل کا تارک ہوگا۔ اور اگر اس نے ''وعلیکم السلام'' پر اقتصار کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اگر اس نے صرف ''وعلیکم'' پر اقتصار کیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور کم سے کم سلام ابتداءً اور جواب میں یہ ہے کہ اس کا صاحب سنے اور اس سے کم جائز نہیں ہے۔ اور جواب میں شرط یہ ہے کہ فوراً جواب دیا جائے، اگر اس نے جواب کو مؤخر کر دیا، پھر بعد میں جواب دیا تو یہ جواب شمار نہیں ہوگا اور وہ جواب کے ترک کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ اور اگر اس کے پاس غائب کا سلام آئے کسی قاصد کی طرف سے تب بھی اس کو فوراً جواب دینا واجب ہے اور مستحب یہ ہے کہ سلام پہنچانے والے کو بھی جواب دے اور کہے ''وعلیك وعلیه السلام''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۹۔۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ ابتداءً سلام کرنے والا کہے: ''السلام علیکم'' اور جواب دینے والا کہے: ''وعلیکم السلام''، یعنی ابتداءً سلام کرنے والا بھی پہلے ابتداءً لفظِ سلام کو ذکر کرے اور جواب دینے والا آخر میں لفظِ سلام کہے، اس میں یہ نکتہ ہے کہ سلام سے ابتداء ہو اور سلام

پر ہی انتہا ہو، کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کا اسم ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی ابتداء ہے اور اللہ کے نام پر ہی انتہا ہے اور یا اس لیے کہ یہ دعا ہے کہ اول میں بھی سلامتی ہو اور آخر میں بھی سلامتی ہو۔

اور ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہیے، اگر کسی شخص کے متعلق یہ علم نہ ہو کہ آیا وہ مسلمان ہے یا کافر ہے یا بدعقیدہ اور گمراہ ہے تب بھی اس کو سلام کرنا چاہیے اور اس شخص کے دائیں بائیں جو فرشتے ہیں ان کی نیت کر کے کہے: السلام علیکم۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ملائکہ مقربین کا عربی زبان میں باتیں کرنا اور اس کی توجیہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرشتوں کے پاس بھیجا اور خود سلام کا طریقہ نہیں بتایا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المھلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے ملاءِ اعلیٰ میں (یعنی ملائکہ مقربین) عربی زبان میں کلام کرتے ہیں اور عربی زبان میں سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور سلام کے ساتھ کسی کی تعظیم کرنا بھی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تحیت سے ارادہ فرمایا ہے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ علم کی تعلیم کا امر کرنا چاہیے اور جن سے علم حاصل کیا جائے ان کی طرف جانے کا قصد کرنا چاہیے۔ اور جس نے اُس سے علم حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ عبادت میں اپنے عذر کو پہنچ گیا، اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ لازم رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ ملائکہ سے یہ علم حاصل کریں کہ وہ کس طرح سلام کرتے ہیں اور اس سلام کو تحیت باقیہ قرار دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے زیادہ عالم ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کی تعلیم خود نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ فرشتوں کے پاس جائیں اور سنیں وہ کیا کہتے ہیں، تاکہ علم کا حاصل کرنا سنت ہو جائے۔

اس جہان کے فانی ہونے کی دلیل

اس حدیث میں یہ ارشاد ہے: ''پس مسلسل مخلوق کی تخلیق کم ہوتی رہی حتیٰ کہ جواب ہے اس حد پر پہنچ گئی''۔ اور اس حدیث کے معنی میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ (التین: ۵۔۴)

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ۝ پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں لوٹا دیا ۝

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالَم کو پیدا کیا اور اس میں ایسی چیزیں رکھیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور حکیم ہے اور اس عالَم کی حرکات میں اس پر دلیل رکھی کہ یہ عالم فنا ہوگا اور اس میں دہریہ کے مذہب کا ابطال ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ یہ عالم فنا نہیں ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے قامت میں کمی کو باقی رکھا اور جب انسان کی قامت میں مسلسل کمی ہو رہی ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے پہلے قد کی لمبائی فنا ہوگئی ہے۔ اور جب اس کے قد کے بعض اجزاء پر فنا آگئی تو کل پر بھی فنا آجائے گی، لہٰذا یہ عالم قدیم نہیں ہوگا اور دہریہ کا قول باطل ہو جائے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''علی صورتہٖ'' میں ضمیر کے مرجع کے احتمالات

سلام کی ابتداء کا معنی یہ ہے کہ سلام کے مشروع ہونے کی کیفیت۔ اور ''صورتہٖ'' میں جو ضمیر ہے یہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جس کے چہرہ پر ضرب لگائی گئی یہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر لفظِ اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔ پس جنہوں نے کہا کہ یہ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ اللہ ذکر میں زیادہ قریب ہے اور ضمیر کو قریب کی طرف لوٹانا چاہیے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو ہمارے باپ آدم علیہ السلام پر مکمل فرمادیا، کیونکہ ان کو یہ فضیلت دی کہ ان کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا، فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ ریز کیا اور ان پر اس طرح عتاب نہیں کیا جس طرح دوسروں پر عتاب کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا تو ان کے ساتھ سانپ اور مور کو بھی نکالا گیا تھا، پس سانپ کو یہ سزا دی کہ اس کی تخلیق سیاہ رنگ کی کر دی اور اس سے اس کی ٹانگوں کو سلب کر لیا اور اس کی خوراک مٹی بنادی اور مور کے دونوں پیروں کو بد ہیئت بنا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اصل پر باقی رکھا۔

(تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۱۶، رقم الحدیث: ۸۹۲)

اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے جو آپ کے ساتھ جنت سے نکالے گئے تھے ان کے درمیان فرق کو بیان کیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں دہریوں کے اس مذہب کو باطل کرنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہر انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور نطفہ اس سے پہلے انسان سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کا نہ کوئی اول ہے اور نہ اس کا کوئی آخر ہے، تو شارع علیہ السلام نے ان کے اس قول کی تکذیب کی ہمیں تعلیم دی اور فرمایا کہ اولِ بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت پر پیدا کیا، ان کو کسی نطفہ سے پیدا نہیں کیا اور نہ تناسل سے اور نہ وہ طفل سے اور نہ وہ کسی رحم کے اندر رہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا بغیر اس کے کہ وہ کسی طبعی تاثیر کی وجہ سے ہو یا عنصر کی تاثیر کی وجہ سے ہو اور اس میں طبائعیین کے اس قول کا رد ہے کہ آدم علیہ السلام طبیعت کے فعل اور اس کی تاثیر سے پیدا ہوئے۔

اور علامہ ابن فورک نے ذکر کیا کہ اس حدیث کی زیادہ ظاہر تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گزرے جو اپنے بیٹے کے یا غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''اللہ تعالیٰ تیرے چہرہ کو بدصورت کر دے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے تو اس کے چہرہ پر مارنے سے بچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱۲)

تو اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو ڈانٹا۔ اور آدم علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ آدم علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جن سے چہرہ کی تخلیق کی ابتداء ہوئی۔ اور اسی طریقہ پر آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو پیدا کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور صورت کا معنی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی

صفت پر پیدا کیا، ان کو زندہ، عالم، سمیع، بصیر، متکلم، مختار اور ارادہ کرنے والا بنایا۔ اس سے ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور ان کو ان اوصاف کے ساتھ مشرع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی اقسام

(۱) اضافت الفعل: جیسے کہا جاتا ہے: خلق اللہ، وارض اللہ، وسماء اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی زمین اور اللہ تعالیٰ کا آسمان۔

(۲) اضافت الملک: جیسے کہا جاتا ہے: رزق اللہ، وعبد اللہ یعنی رزق اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے۔

(۳) اضافت التخصیص وتنویہ: جیسے الکعبۃ بیت اللہ، اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" (الحجر: ۲۹) "اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں"۔ اور اس قسم کی ایک اور مثال ہے جیسے کلام اللہ، علم اللہ اور قدرت اللہ۔ یہ بھی اختصاص کی اضافت ہے اور یہ باعتبار ملک اور تشریف کے نہیں ہے۔

پھر ہم نے غور کیا کہ صورت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کس اعتبار سے ہے، پس یہ اس طرح نہیں ہو سکتی جیسا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہوتی ہے اور صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے، کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم ہو۔ پس اضافت کی اقسام میں سے الملک، الفعل اور التشریف باقی بچیں۔ اضافت ملک اور فعل کے اعتبار سے عام ہوتی ہے اور اس میں تخصیص کا فائدہ نہیں ہوتا، لہٰذا تیسری قسم باقی بچی یعنی اضافتِ تشریف۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی تصویر کی ابتداء کی، اس سے پہلے آدم کی کوئی صورت نہیں تھی بلکہ از سر نو اللہ تعالیٰ نے آدم کی صورت کو ایجاد کیا۔ پس ان کی صورت کی اپنی طرف اضافت کر کے اس کو شرف بخشا، اور یہ معنی نہیں ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت ہے، کیونکہ صورت تو اجسامِ مرکبہ کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صورتہ کی ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہے، اور اس میں قدریہ کی تکذیب کی ہے جن کا زعم یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی صورت اور ان کی صفات وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی صفات دو قسموں کی ہیں، ایک قسم وہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور دوسری قسم صفات کی وہ ہیں جن کو خود حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکذیب کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صورتوں کو اور تمام صفات کو اور تمام اعراض کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہو جیسا کہ اہل سنت کا اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعید کو سعید پیدا کیا اور شقی کو شقی پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو یہ تعلیم دی کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اس کے حکم کی مخالفت کرے گا تو وہ شقی ہوگا۔ اور پھر وہ توبہ کرے گا تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی قضا جاری ہوگی اور تمام امور حادث ہوتے ہیں اور احوال متغیر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو پیدا کیا اور اس کے لیے ان چیزوں کو آسان کر دیا۔

سلام کرنے کے فقہی مسائل

سلام کرنے کی ابتداء کرنا سنتِ کفایہ ہے اور ہمارے اصحابِ شافعیہ میں سے قاضی حسین نے کہا ہے: ہمارے لیے صرف ایک

سنتِ کفایہ ہے لیکن انہوں نے جو کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، چھینک لینے والے کو دعائیہ کلمات کہنا اور اس کو جواب دینا وہ بھی سنتِ کفایہ ہے۔ اسی طرح گھر والوں کے حق میں قربانی کرنا یہ بھی سنتِ کفایہ ہے۔

اور سلام کا جواب دینا واجب ہے اور یہ ابتداءً سلام کرنے سے افضل ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداءً سلام کرنا ہی افضل ہے۔

پس اگر جن پر سلام کیا گیا ہے، وہ ایک جماعت ہو تو اس کا اس سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ ہے، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ ہاں افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں، اور اگر اس جماعت کے علاوہ کسی اور نے جواب دیا تو وہ جماعت گنا ہگار ہوگی، اور کم سے کم سلام یہ ہے کہ آدمی کہے ''السلام علیکم''۔

اور اگر مخاطب ایک ہو تو السلام علیک کہے لیکن افضل السلام علیکم کہنا ہے تا کہ فرشتوں کو بھی سلام شامل ہو جائے اور یہ زیادہ کامل ہے اور اس میں ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کا اضافہ کرے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ'' (ہود: ۷۳) کے بموجب اور ''علیکم السلام'' کہنا مکروہ ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی جری الہجیمی سے فرمایا: تم علیک السلام نہ کہو، کیونکہ علیک السلام کہنا مردوں کا سلام ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۰۹، سنن ترمذی: ۲۷۲۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۱۵۰)

علامہ ابن بطال نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور اگر اس نے یہ کہا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ جواب کا مستحق ہوگا۔

اور یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور پر سلام کرتے ہوئے فرمایا ''السلام علیکم دار قوم مومنین''۔ (صحیح مسلم: ۲۴۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو زندوں کا سلام کیا، صغیر کا کبیر کو سلام کرنا اور قلیل کا کثیر کو سلام کرنا مستحب ہے، اور اگر اس کے برخلاف ہو تو تب بھی جائز ہے اور یہ خلافِ افضل ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کو سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔ (صحیح البخاری: ۶۲۴۴)

اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب مجمع کثیر ہو۔

امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں گزرے تو آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔ (سنن ترمذی: ۲۶۹۷)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آپ نے لفظ اور اشارہ دونوں کے اعتبار سے سلام کیا، جیسا کہ سنن ابوداؤد (۵۲۰۴) میں مذکور ہے کہ آپ نے ہم کو سلام کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود انگلیوں سے اشارہ کر کے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلی سے اشارہ کر کے سلام کرتے ہیں۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے بیان کیا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۶۹۵)

اگر بہرے کو سلام کرنا ہو تو تلفظ کے ساتھ اشارہ سے سلام کرنا چاہیے تا کہ افہام حاصل ہو ورنہ وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا، اور جب گونگے کو سلام کرنا ہو اور گونگے نے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیا تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور اسی طرح جب گونگے نے اشارہ سے سلام کیا تو وہ جواب کا مستحق ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۔۱۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ (النور:۲۷-۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے O اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو O

اس باب کی حسب ذیل تعلیقات ہیں:

(۱) وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ اَبِي الْحَسَنِ لِلْحَسَنِ: اِنَّ نِسَاءَ الْعَجَمِ يَكْشِفْنَ صُدُوْرَهُنَّ وَرُؤُوْسَهُنَّ۔ قَالَ: اِصْرِفْ بَصَرَكَ عَنْهُنَّ، يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: (قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ) (النور:۳۰)

(۱) سعید بن ابی الحسن نے حسن بصری سے کہا کہ عجم کی عورتیں اپنا سینہ اور اپنا سر کھولے رکھتی ہیں تو حسن بصری نے کہا: تم اپنی نظران سے ہٹا لو۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں''۔ (النور:۳۰)

(۲) قَالَ قَتَادَةُ: عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ۔ (وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ) (النور:۳۱)
خَائِنَةُ الْاَعْيُنِ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى مَا نُهِيَ عَنْهُ۔

(۲) اور قتادہ نے کہا: یہ اس قبیل سے ہے جو ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ''اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں''۔ (النور:۳۱)۔ خیانت کرنے والی آنکھیں وہ ہیں جو ان چیزوں کو دیکھیں جن کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۳) وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الَّتِي لَمْ تَحِضْ مِنَ النِّسَاءِ: لَا يَصْلُحُ النَّظَرُ إِلَى شَيْءٍ مِنْهُنَّ مِمَّنْ يُشْتَهَى النَّظَرُ إِلَيْهِنَّ وَإِنْ كَانَتْ صَغِيرَةً۔

(۳) اور الزہری نے کہا: جن عورتوں کو حیض نہیں آیا یعنی جو نابالغہ ہیں ان کی طرف دیکھنے کے متعلق حکم یہ ہے کہ ان کے کسی ایسے عضو کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے جس کی طرف دیکھنے سے شہوت پیدا ہو خواہ وہ کم عمر لڑکیاں ہوں۔

(۴) وَكَرِهَ عَطَاءٌ النَّظَرَ إِلَى الْجَوَارِي الَّتِي يُبَعْنَ بِمَكَّةَ إِلَّا أَنْ يُرِيدُ أَنْ يَشْتَرِيَ۔

(۴) اور عطاء نے کہا کہ جو باندیاں مکہ میں فروخت کی جاتی ہیں ان کی طرف دیکھنا مکروہ ہے، سوا اس شخص کے جوان باندیوں میں سے کسی کو خریدنا چاہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تین آیات ہیں جن کو العصیلی اور کریمہ نے اپنی روایات میں ذکر کیا ہے۔

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ انصار کی ایک عورت آئی، سو اس نے کہا: یارسول اللہ! میں اپنے گھر میں کسی ایسے حال میں ہوتی ہوں کہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ مجھے اس حال میں کوئی دیکھے نہ والد اور نہ بیٹا جو میرے پاس آئے اور ہمیشہ میرے پاس میرے اہل میں سے کوئی مرد داخل ہوتا ہے اور میں اسی حال پر ہوتی ہوں، سو میں کیا کروں؟ تو النور: ۲۷ نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ اے ایمان والو! تم میں سے کوئی بھی دوسرے گھر میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تم ان سے اجازت طلب کر لو۔

علامہ الثعلبی نے کہا: اس آیت میں مذکور ہے ''حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا'' اس کا معنی ہے: حتیٰ کہ تم اجازت طلب کر لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ لفظ تستأذنوا تھا لیکن لکھنے والے نے خطاء کی اور اس نے تستانسوا لکھ دیا اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور الاعمش اس آیت کو اسی طرح ''تستاذنوا'' پڑھتے تھے، اور اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور یہ آیت اس طرح تھی ''حتیٰ تسلموا علیٰ اهلها و تستانسوا'' حتیٰ کہ تم گھر والوں کو سلام کرو اور ان سے مانوس ہو جاؤ۔

اور امام بیہقی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پہلی قراءت ہو، پھر معنیٰ اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر مطلع نہیں ہوئے۔ اور استیناس سے مراد استئذان ہے یعنی آدمی داخل ہوتے وقت کھانسے، یہ جمہور کا مذہب ہے۔

اور امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے ''حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا'' اس کا معنی ہے ''تتنحنحوا'' یعنی حتیٰ کہ تم کھنکھارو اور کھانسو۔

اور امام ابن ابی حاتم نے سندِ ضعیف سے حضرت ایوب سے روایت کی ہے، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ تو سلام ہے، پس استیناس کیا ہے، تو آپ نے فرمایا: مرد تسبیح پڑھے یعنی سبحان اللہ کہے اور اللہ اکبر کہے اور کھنکھارے تو گھر والے اس کو اجازت دیں۔

اور امام طبری نے قتادہ کی سند سے روایت کی ہے کہ استئذان تین مرتبہ ہے، پہلی مرتبہ اس لیے کہ وہ سن لیں، دوسری مرتبہ اس لیے تاکہ وہ تیار ہو جائیں اور تیسری مرتبہ اس لیے کہ اگر وہ چاہیں تو اس کو اجازت دیں اور اگر چاہیں تو اس کو واپس کر دیں۔ اور استیناس کا لغت میں معنی ہے اُنس کو طلب کرنا اور اُنس کا معنی وحشت کی ضد ہے۔

اور امام بیہقی نے کہا: ''تَسْتَأْنِسُوْا'' کا معنی ہے: تاکہ تم بصیرت حاصل کرو، تاکہ گھر میں داخل ہونے والا بصیرت پر ہو اور وہ

اس چیز کا سامنا نہ کرے جو گھر والے کو ناپسند ہو کہ کوئی اس بات پر مطلع ہو۔

اور امام بیہقی نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کلام عرب میں استیناس کا معنی ہے ''دیکھو گھر میں کون ہے؟'' (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے کہ امام طحاوی نے حکایت کی ہے کہ لغتِ یمن میں استیناس کا معنی استئذان ہے، پھر کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا انکار منقول ہے۔ پس امام سعید بن منصور وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ وہ پڑھتے تھے ''حتی تستاذنوا'' اور کہتے تھے کہ کاتب نے خطاء کی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ قتادہ ہیں جنہوں نے استیناس کی تفسیر استئذان کے ساتھ کی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، پس اس قائل نے صرف یہ قصد کیا ہے کہ اس کے دل میں جو احناف کے خلاف کینہ ہو اس کو ظاہر کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

یہ تعاقب مردود ہے، کیونکہ قتادہ کی تفسیر میں استئذان کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اس کے برخلاف جو علامہ عینی نے طحاوی سے نقل کیا ہے اس میں یہ رعایت نہیں ہے، اس لیے کہ جو امام طحاوی دوسروں سے نقل کرتے ہیں اس میں خطاء لازم نہیں آتی، اگر منقول خطاء ہو مگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ انہوں نے خطاء کو برقرار رکھا۔ اور حافظ ابن حجر نے یہ تصریح نہیں کی کہ طحاوی نے یہ خطاء کی ہے۔ اور علامہ عینی کے اکثر اعتراضات ان کی اپنی طرف سے من گھڑت ہوتے ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۹۴۔۳۹۵)

- نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

النور: ۲۷ میں ارشاد ہے: ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ''۔ یعنی استئذان اور تسلیم (یعنی اجازت طلب کرنا اور سلام کرنا) تمہارے لیے جاہلیت کے طریقہ سے بہت بہتر ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں طریقہ تھا کہ بغیر اجازت لیے ہوئے کسی کے گھر میں داخل ہو جاتے تھے۔

النور: ۲۸ میں مذکور ہے: ''فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا'' یعنی اگر تم کو گھروں میں کوئی اجازت دینے والا نہ ملے تو پھر تم گھروں میں داخل نہ ہو، پس صبر کرو حتیٰ کہ تم اس کو پاؤ جو تم کو اجازت دے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس آیت کا یہ معنی ہو کہ اگر تم گھروں میں کسی گھر والے کو نہ پاؤ اور تمہیں گھر میں داخل ہونے کی شدید حاجت ہو تب بھی تم گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ گھر والے تمہیں اجازت نہ دیں۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے: ''وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا'' یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تم واپس جاؤ، تو تم واپس چلے

جاؤ، اور تم گھر کے دروازوں پر نہ کھڑے رہو اور نہ ان دروازوں کو لازم رکھو۔

غیر آباد گھروں کے متعلق فقہاء کے متعدد اقوال

نیز اس آیت میں مذکور ہے "ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ" یعنی یہ واپس چلے جانا تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں زیادہ مصلحت ہے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ جو سرائے ہوتے ہیں اور راستے میں خالی مکانات ہوتے ہیں جن میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا ان کا کیا حکم ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ (النور:۲۹)

اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو O

اس میں اختلاف ہے کہ ان گھروں سے کیا مراد ہے؟ قتادہ نے کہا: یہ سرائے ہیں اور وہ مکانات ہیں جو سائلین کے لیے بنائے جاتے ہیں، وہ ان مکانات میں ٹھہرتے ہیں اور اپنا سامان ان مکانوں میں رکھتے ہیں۔ اور مجاہد نے کہا کہ لوگ مدینہ کے راستے میں اپنی چیزیں اور سامان ان گھروں میں رکھتے تھے جن میں کوئی نہیں ہوتا تھا اور اس زمانہ میں وہ راستے امن والے ہوتے تھے، پس ان کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ ان گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہوں۔ اور محمد بن حنفیہ اور ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مکہ کے مکانات ہیں۔ اور ضحاک نے کہا: یہ وہ کھنڈرات ہیں جن میں مسافر گرمیوں اور سردیوں کے اندر پناہ لیتے ہیں۔ اور عطاء نے کہا: یہ ویران گھر ہیں۔ اور "متاع" سے مراد ہے ان گھروں میں قضائے حاجت کرنا۔ اور ابن زید نے کہا: یہ تاجروں کے گھر ہیں اور ان کی دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں۔ اور ابن جریج نے کہا: یہ تمام وہ مکانات ہیں جن میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا۔ (النور:۲۷۔۲۹ کی تفسیر ختم ہوئی)

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

ان تین آیات کے بعد اس تعلیق کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ استئذان کی مشروعیت کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی داخل ہونے والا اس چیز کی طرف نظر نہ ڈالے جس چیز کی طرف گھر والا کسی کے دیکھنے کو پسند نہیں کرتا۔

حسن بصری نے اس آیت سے اسی چیز کا استدلال کیا ہے، اور امام بخاری نے اس کے بعد قتادہ کا اثر اس کی تفسیر کے لیے نقل کیا ہے۔ اور سعید بن ابی الحسن وہ الحسن البصری کے بھائی ہیں، اور یہ ثقہ تابعی ہیں۔ امام بخاری نے بتایا کہ یہ حسن بصری سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

حسن بصری کے بھائی نے پوچھا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کو کھلا رکھتی ہیں، تو حسن بصری نے اپنے بھائی سے کہا: تم اپنی نظران سے ہٹا کر رکھو۔ اور بتایا کہ قرآن مجید میں ہے کہ "وہ اپنی شرمگاہوں کی ان سے حفاظت کریں جو دوسروں کے لیے حلال نہیں ہیں"۔

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ آیت نقل کی ہے "اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی

حفاظت کریں''۔(النور:۳۱)۔یہ آیت بھی حسن بصری کے استدلال کا تتمہ ہے،اور قتادہ کے اثر کو ان کے درمیان میں امام بخاری نے ذکر کر دیا۔

خیانت کرنے والی آنکھ کی تفسیر میں متعدد اقوال

نیز اس تعلیق میں کہا گیا ہے کہ''خیانت کرنے والی آنکھیں وہ ہیں جو ان چیزوں کو دیکھیں جن کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے''۔

اور کریمہ کی روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل نے جن چیزوں کو دیکھنے سے منع فرمایا، نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴿۱۹﴾ خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے O (المومن:۱۹)

یعنی اللہ تعالیٰ ان نظروں کو خوب جانتا ہے جو چوری سے ان چیزوں کو دیکھتی ہیں جن کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔اور امام ابن ابی حاتم نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے: اس سے مراد وہ مرد ہے کہ جو اس خوبصورت عورت کی طرف دیکھتا ہے جو اس کے پاس سے گزرتی ہے۔یا اس گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں وہ عورت رہتی ہے۔پس جب اس کو پتا چل جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی نظروں کو جھکا لے۔اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ مرد یہ پسند کرتا ہے کہ وہ مرد اس عورت کی شرمگاہ پر مطلع ہو اور اگر اس کے ساتھ زنا پر قادر ہو تو زنا کرے۔

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

الزہری نے اس تعلیق میں یہ کہا ہے کہ اگر نابالغ لڑکیوں میں سے بھی کوئی لڑکی شہوت انگیز ہو تو اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔اور اسی آیت سے علامہ ابن القاسم مالکی نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی مرد کے لیے اجنبی نابالغ مردہ لڑکی کو غسل دینا جائز نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں اشعب مالکی کا اختلاف ہے۔

باب مذکور کی چار تعلیقات میں سے چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں عطاء کا ذکر ہے، یہ عطاء بن ابی رباح ہیں، ان کے اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے اوزاعی کی سند موصول سے روایت کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ عطاء بن ابی رباح سے ان باندیوں کے متعلق سوال کیا گیا جنہیں مکہ میں فروخت کیا گیا ہے، انہوں نے کہا: ان کی طرف دیکھنا مکروہ ہے سوا اس شخص کے جو ان باندیوں میں سے کسی کو خریدنا چاہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۵۹ ۔ ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَرْدَفَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ النَّحْرِ خَلْفَهُ عَلَى عَجُزِ رَاحِلَتِهِ وَكَانَ الْفَضْلُ رَجُلًا وَضِيئًا فَوَقَفَ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن یسار نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما

ﷺ لِلنَّاسِ يُفْتِيهِمْ وَأَقْبَلَتْ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَضِيئَةٌ تَسْتَفْتِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَطَفِقَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَأَعْجَبَهُ حُسْنُهَا فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا فَأَخْلَفَ بِيَدِهِ فَأَخَذَ بِذَقَنِ الْفَضْلِ فَعَدَلَ وَجْهَهُ عَنِ النَّظَرِ إِلَيْهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ فِي الْحَجِّ عَلَى عِبَادِهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ۔

کو قربانی کے دن سواری کے پچھلے حصہ پر اپنے پیچھے بٹھایا، اور حضرت الفضل حسین مرد تھے، پس نبی ﷺ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے، آپ لوگوں کو ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے، اور قبیلہ خثعم کی ایک حسین عورت آئی، وہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کر رہی تھی، تو حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے، ان کو اس عورت کا حسن اچھا لگا، پس نبی ﷺ نے مڑ کر دیکھا اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے، تو آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی ٹھوڑی کو پکڑا اور ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے پھیر دیا، اس عورت نے پوچھا: یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض کر دیا ہے اپنے بندوں پر، میں نے اپنے باپ کو سخت بوڑھا پایا، وہ سواری پر سیدھا بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیا اس سے یہ کفایت کرے گا کہ میں اس کی طرف سے حج کرلوں، آپ نے فرمایا: ہاں!

(صحیح البخاری: ۱۵۱۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۴۳۹۹، ۶۲۲۸، صحیح مسلم: ۱۳۳۴، سنن ترمذی: ۹۲۸، سنن نسائی: ۲۶۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۸۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۹۰۷، مسند احمد: ۳۳۶۵، موطا امام مالک: ۸۰۶، سنن دارمی: ۱۸۳۱)

صحیح البخاری: ۶۲۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی یہاں پر روایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نظر کو جھکا کے رکھنا فتنہ کے خوف سے ہے، اور اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے، اور یہ حدیث کتاب الحج میں اس باب میں گزر چکی ہے "الحج عمن لا یستطیع الثبوت علی الراحلة"۔ اور وہاں اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی عجز راحلته" عجز میں عین پر زبر ہے اور جیم پر پیش ہے، اس سے مراد ہے سواری کا پچھلا حصہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وضیئا" یعنی ان کا چہرہ حسین تھا اور ان کی صورت پر کشش تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خثعم" خاء پر زبر اور ثاء پر جزم، یہ ایک قبیلہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۲ ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت الفضل کا ذکر ہے، ان کا نام ہے: حضرت الفضل بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم القرشی الہاشمی، ابو عبد اللہ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہیں، ان کی والدہ حضرت ام الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن الہلالیہ ہیں، ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، حضرت الفضل، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یرموک میں شہید ہو گئے تھے، ان کی شہادت صفر ۱۳ ھ میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر بائیس سال تھی۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت الفضل سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک سواری پر دو آدمیوں کا بیٹھنا جائز ہے۔

حضرت الفضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی، اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کا چہرہ احرام میں کھلا رہنا چاہیے۔ حضرت الفضل نے اس عورت کے چہرہ کی طرف دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی طبیعت پر شہوت کا غلبہ ہے اور وہ طبعی تقاضوں کو روکنے میں کمزور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الفضل کا چہرہ دوسری طرف کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا ممنوع ہے اور عالم کو چاہیے کہ وہ اس سے روکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو حضرت الفضل کی طرف دیکھنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ جب آپ نے حضرت الفضل کے چہرہ کو اس کی طرف سے پھیر دیا تو وہ عورت بھی متنبہ ہو گئی تھی، اس حدیث کی وجہ سے بعض مالکی فقہاء نے یہ کہا ہے کہ عورت پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے چہرہ کو ڈھانپے بلکہ مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کے چہرہ کی طرف نہ دیکھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کے لیے اس لیے نہیں فرمایا کیونکہ وہ احرام میں تھی اور احرام میں چہرہ کھلا رکھا جاتا ہے، اور آپ نے حضرت الفضل کو اس عورت کی طرف دیکھنے سے منع کرنے کے بجائے ان کا چہرہ دوسری طرف کر دیا کیونکہ فعل سے منع کرنا قول سے منع کرنے کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۸۰۔۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ قرآن مجید میں مذکور کوئی لفظ خطا پر مبنی نہیں ہے

اور سعید بن جبیر نے کہا: استیناس کا معنی استئذان ہے اور میرا گمان ہے کہ قرآن مجید میں جو "حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا" کا ذکر ہے، یہ لکھنے والے کی خطاء ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کہا کہ یہ لفظ "حتی تستاذنوا" ہے اور کاتب سے یہ لفظ ساقط ہو گیا۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ قرآن میں فلاں لفظ لکھنے والے کی خطاء ہے، کیونکہ پورا قرآن محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن مجید کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ اس میں کوئی باطل چیز سامنے سے آسکے یا پیچھے سے آسکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ (حم سجدہ: ۴۲)

اس میں باطل کہیں سے نہیں آسکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ کتاب بہت حکمت والے، حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے ۝

استیناس کے معانی

مجاہد سے روایت ہے کہ استیناس کا معنی ہے کہ جب کوئی شخص کسی گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کھنکارے اور بلغم نکالے۔

اور علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ استیناس کا معنی ہے بیٹھ جانا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ'' (الاحزاب: ۵۳) ''اور باتیں کرنے کے لیے نہ بیٹھ جانا''۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا خانہ میں تشریف فرما ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''استانس یا رسول اللہ!'' یا رسول اللہ کیا میں بیٹھ جاؤں؟، آپ نے فرمایا: ہاں! پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اور اسماعیل نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ''استانس'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ یہ جان لیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا بیٹھنا ناپسند نہیں ہے۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے پہلے اجازت لینے کی حکمت

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

استئذان کا معنی یہ ہے کہ گھر والوں میں سے کسی کو یہ خوف ہو کہ مرد کی اچانک نظر کسی ایسی چیز پر پڑے گی جس کو دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ استئذان کو دیکھنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے اور آنکھ کو بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (النور: ۳۰)

آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ اس عورت کے چہرہ کی طرف سے پھیر دیا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے سوا اس کے کہ نظر کو نیچے رکھا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو نظر نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے وہ اس لیے کہ اس پر نظر نہ پڑے جس کو دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دیکھنا فتنہ کا ذریعہ بنتا ہے۔ پس جب تم فتنہ سے مامون ہو تو پھر تمہارے لیے دیکھنا مباح ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ اس عورت کے چہرہ کی طرف سے پھیر دیا جب آپ نے یہ دیکھا کہ وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس کا حسن ان کو اچھا لگا ہے، تو آپ کو ان کے اوپر شیطان کے فتنہ کا خوف ہوا۔

ابن آدم کی طبیعت کا کمزور ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم پر اس کی بشری طبیعت کے تقاضے غالب رہتے ہیں، اور اس کی طبیعت میں جو عورتوں کی طرف میلان کرنا مرکوز ہے تو ابن آدم کا اپنے آپ کو اس سے روکنا کمزور ہے۔

عورتوں کے حجاب کا ہر حال میں فرض نہ ہونا

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مومنین کی عورتوں پر ہر حال میں حجاب کو لازم رکھنا فرض نہیں ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے اوپر ہر حال میں حجاب میں رہنا لازم تھا۔ اور اگر ایسا ہوتا یعنی اگر تمام عورتوں پر ہر حال میں حجاب کا رکھنا فرض ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خثعمیہ خاتون کو پردہ کرنے کا حکم دیتے، اور حضرت فضل بن عباس کے چہرہ کو موڑنے پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ انہیں حکم دیتے کہ وہ اپنی نظر پھیر لیں اور ان کو بتاتے کہ یہ فرض ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے خوف سے ان کا چہرہ پھیر دیا، اور اس سے پہلے ان کو چھوڑ دیا تھا۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مومن عورتوں کا اپنے چہرہ کو غیر ذی محرم سے چھپانا سنت ہے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز میں اپنے چہرہ کو ظاہر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (النور: ۳۰) آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

یہ چہرہ کو دیکھنے کے علاوہ نظر کو جھکانا فرض ہے اور تمام محرمات سے نظر کو نیچا کرنا بھی فرض ہے اور جس چیز سے فتنہ کا خوف ہو تو وہاں نظر کو جھکانا واجب ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: تم ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد دوسری بار نہ دیکھو کیونکہ تمہاری یہ پہلی نظر معاف ہے اور دوسری نظر تمہارے لیے نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۴۹، سنن ترمذی: ۲۷۷۷، مسند احمد: ۵۳ ۵۳، بیہقی ج ۷ ص ۹۰)

اس لیے کہ پہلی نظر کا انسان مالک نہیں ہے، اس لیے اس میں تبعیض واجب ہے اور فرج میں اس لیے اس طرح نہیں فرمایا کیونکہ اس کا انسان مالک ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۶۲۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا أَبُوْ عَامِرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا فَقَالَ إِذْ أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے آپ کو راستوں میں بیٹھنے سے بچاؤ، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے لیے تو اپنی مجالس سے کوئی چارہ کار نہیں ہے، ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: جب تم راستہ میں مجلس کو نہیں چھوڑتے تو پھر راستہ کا حق ادا کرو، صحابہ کرام نے پوچھا: اور راستہ کا حق کیا ہے یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: نظر نیچی رکھنا اور تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

(صحیح بخاری: ۲۴۶۵، ۶۲۲۹، صحیح مسلم: ۲۱۲۱، سنن ابو داؤد: ۴۸۱۵، مسند احمد: ۱۰۹۱۶)

صحیح البخاری: ۶۲۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو یہاں پر ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں نظر نیچی رکھنے کا صراحۃً حکم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، وہ مسندی ہیں۔ اور ابوعامر کا ذکر ہے، وہ عبدالملک العقدی ہیں۔ اور الزہیر کا ذکر ہے، وہ ابن محمد التیمی الخراسانی ہیں۔ اور زید بن اسلم ہیں، وہ ابواسامہ مولیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسعید الخدری کا ذکر ہے، ان کا نام سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے، یہ حدیث کتاب المظالم میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ایاکم" یہ تحذیر کے لیے ہے، یعنی تم ایسا کام نہ کرو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الجلوس بالطرقات" اس کا معنی ہے: راستوں پر نہ بیٹھو اور مجلسیں نہ لگاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اذا ابیتم" یعنی جب تم اس سے نہ رکو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکف الاذیٰ" یعنی جس چیز کی وجہ سے لوگوں کا گزرنا تنگ ہو۔ اور مردوں کو سرِ راہ اس لیے بیٹھنے سے منع فرمایا کہ عورتیں اپنی ضروریات کی وجہ سے گھروں سے باہر نکلتی ہیں، اور اگر مرد راستوں پر بیٹھے ہوں تو عورتوں کا اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باہر جانا دشوار ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۲۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راستہ میں بیٹھنے کے حکم کی ممانعت کا وجوب کے لیے نہ ہونا

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوطلحہ سے روایت کی ہے کہ ہم اپنے گھر کے سامنے کھلی جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے فرمایا: تمہیں اس کھلی جگہ میں مجلس لگانے کی کیا ضرورت ہے۔

صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے لیے ان مجالس میں بیٹھنا ضروری ہے، ہم یہاں باتیں کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو یہ حکم دینا وجوب کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ بر طریق ترغیب اور بر طریقِ اولیٰ تھا، کیونکہ اگر صحابہ اس حکم سے وجوب کو سمجھتے تو یہ جواب نہ دیتے۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا، انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کو یہ امید ہو کہ ہے تو یہ واجب لیکن شاید اس میں تخفیف ہوجائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے وجوب کو منسوخ فرمادیں، کیونکہ انہوں نے اپنی حاجت کا ذکر کیا تھا۔

راستہ میں بیٹھنے والوں کے ذمہ متعدد حقوق

جب صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نظر نیچے رکھنا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

اور ابوطلحہ کی حدیث میں حسنِ کلام کا اضافہ کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسافروں کی رہنمائی کرنے کا اضافہ ہے، اور جس شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کی چھینک کے جواب دینے کا حکم ہے۔ اور مرسل یحییٰ بن یعمر میں یہ اضافہ ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کرو، اور جس کو راستہ معلوم نہ ہو، اس کو راستہ کی ہدایت دو۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت البراء سے روایت ہے کہ راستہ کی ہدایت دو، مظلوم کی مدد کرو اور سلام کو پھیلاؤ۔ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سواری پر سامان لادنے میں مدد کرنا۔

اور امام طبرانی کی حدیث میں یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو۔ اور حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی حدیث طبرانی میں ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ نا سمجھوں کو ہدایت دو، اور مظلوم کی مدد کرو۔ اور یہ بارہ آداب ہیں جن کو میں نے اشعار میں جمع کیا ہے۔

راستہ کے حقوق کے متعلق بارہ (۱۲) آداب

ان بارہ آداب کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) سلام کو پھیلانا (۲) عمدگی سے کلام کرنا (۳) جو چھینک لے اس کو الحمدللہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) ابتداءً سلام کرنا (۵) سلام کا جواب دینا (۶) سواری پر سامان لادنے میں مدد کرنا (۷) مظلوم کی مدد کرنا (۸) جس کو راستہ معلوم نہ ہو اس کو راستہ دکھانا (۹) کسی حیران آدمی کو ہدایت دینا (۱۰) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (۱۲) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اور نظر نیچی رکھنا۔

راستہ میں بیٹھنے کی ممانعت کی حکمت

راستہ میں بیٹھنے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ آدمی فتنوں سے بچے، کیونکہ جوان عورتیں راستے سے گزرتی ہیں اور یہ خطرہ ہوتا ہے کہ مردان اجنبی جوان عورتوں کی طرف دیکھے گا، کیونکہ عورتوں کو تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ اور وہ حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے بھی گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ پس مسلمان پر واجب ہے کہ وہ راستے پر نہ بیٹھے تاکہ ان خطرات میں مبتلا نہ ہو۔

اسی طرح جو لوگ راستے سے گزرتے ہیں تو ہر شخص کو سلام کرنا اور ہر شخص کے سلام کا جواب دینا تو بسا اوقات یہ مشکل ہوتا ہے، اور سلام کا جواب دینا فرض ہے تو وہ گناہگار ہوگا۔ تو اس لیے اس گناہ کے خطرہ سے بچنے کے لیے وہ راستے میں نہ بیٹھے۔ اس وجہ سے شارع علیہ السلام نے ان کو راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا، تاکہ ان خرابیوں کی جڑ کٹ جائے۔ پھر جب صحابہ نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا کہ وہ ان مجلسوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، مذاکرات کرتے ہیں، دین اور دنیا کے مصالح میں غور و فکر کرتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس چیز پر رہنمائی کی جس سے ان مفسدات مذکورہ کا ازالہ ہو سکے۔

بارہ آدابِ مذکورہ میں سے ہر ادب کے متعلق حدیث

اور ان آدابِ مذکورہ میں سے ہر ادب کے لیے دوسری احادیث میں شواہد ہیں۔ رہا سلام کو پھیلانا تو اس کا ذکر عنقریب ایک مستقل باب میں آئے گا۔ اور رہا عمدگی سے کلام کرنا تو قاضی عیاض نے کہا: اس میں مسلمانوں کے ساتھ اچھے طریقہ سے معاملہ کرنے کا استحباب ہے، کیونکہ جو شخص راستے میں بیٹھا ہو گا اس کے پاس سے بہت سارے لوگ گزریں گے، پس بعض اوقات وہ بعض چیزوں کے متعلق سوال کریں گے تو راستہ میں بیٹھنے والے پر لازم ہے کہ حسن و خوبی کے ساتھ ان سے ملاقات کرے اور کلام کرے اور تنگی اور سختی کے ساتھ ان سے بات نہ کرے اور یہ بھی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابو شریح ہانی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کام جنت کو واجب کرتے ہیں، وہ کھلانا ہے اور سلام کو پھیلانا ہے اور حسن اور عمدگی کے ساتھ کلام کرنا ہے۔

اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مرد عمدگی سے کلام کرے تو جنت میں ایک پودا اگتا ہے۔۔ الحدیث۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کر کے، اور جس کو کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو وہ عمدہ بات کے ذریعہ سے۔۔

اور رہا چھینکنے والے کو جواب دینا تو اس کے متعلق کتاب الادب کے اخیر میں بہ کثرت احادیث گزر چکی ہیں۔

اور رہا سلام کا جواب دینا تو اس کا بھی عنقریب ذکر آئے گا۔

اور رہا سواری پر سامان لادنے میں مدد کرنا تو اس کی دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے ہر جوڑ کے اوپر صدقہ دینا لازم ہے۔۔۔ الحدیث۔ اور اس میں یہ مذکور ہے کہ مرد کسی کو سواری پر سوار ہونے میں مدد کرے اور اس کا سامان سواری پر لادنے میں مدد کرے۔ اس کا سامان سواری پر رکھنا یہ بھی صدقہ ہے۔

اور رہا مظلوم کی اعانت کرنا، تو اس کا عنقریب حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہو چکا ہے اور اس کا ایک اور شاہد ہے جو کتاب المظالم میں گزر چکا ہے۔

اور رہا مصیبت زدہ یا فریاد کرنے والے کی مدد کرنا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "اور ضرورت مند فریادی کی مدد کرے"۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ابن حبان میں ہے کہ جو مصیبت زدہ فریاد کر رہا ہو اس کی مدد کرو۔

اور رہا راستہ کی ہدایت دینا تو امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کسی مرد کو گمشدہ زمین میں راستہ دکھانا، یہ بھی صدقہ ہے۔

اور رہا حیران کو ہدایت دینا تو اس کے لیے بھی اس سے پہلی حدیث میں شاہد ہے۔

اور رہا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تو اس سلسلہ میں تو بہت سی احادیث ہیں، ان میں سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث

ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔

اور رہا تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا، تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس طرح راستہ پر نہ بیٹھے کہ ان کا راستے پر چلنا دشوار ہو جائے۔ یا کسی آدمی کو اپنے گھر پہنچنے میں ایذاء ہو۔ اور صحیح حدیث میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا برائی سے رکنا بھی صدقہ ہے۔

اور رہا نظر نیچی رکھنا تو یہ وہی ہے جو اس باب میں مقصود ہے۔

اور رہا یہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تو اس میں متعدد احادیث ہیں جن کا ذکر ان شاء اللہ کتاب الدعاء میں آئے گا۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۱۔ ۱۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۸۔ ۲۹۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: اَلسَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ — لفظِ السلام، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا (النساء: ۸۶) اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ لفظِ السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ علامہ طیبی نے اس اسم کی تفسیر میں کہا ہے: اس کا معنی ہے: جو ہر آفت اور نقص سے سلامتی والا ہو، یعنی جس کی ذات حدوث اور عیب سے سلامت ہو اور اس کی صفات نقص سے سلامت ہوں اور اس کے افعال شرِ محض سے سلامت ہوں، کیونکہ تم دنیا میں جو شرور دیکھتے ہو وہ اس حیثیت سے نہیں ہیں کہ ان کو ان کے شر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کسی خیر کو بنایا اور وہ خیر کسی شر کو بھی متضمن تھی اور اس شر کو ترک کرنا بجائے خود بہت بڑا شر تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بنایا ہے وہ خیر ہے، وہ خیر بالذات ہے اور شر اس کے ضمن میں ہے۔ اس بناء پر سلام کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اسماء تنزیہیہ میں سے ہے۔

اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: سلام کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی حفاظت، جیسے کہا جاتا ہے: تمہارے ساتھ اللہ ہے، اور تمہارا مصاحب اللہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم جو کچھ بھی کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ سلام کا معنی ہے: سلامتی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (الواقعہ: ۹۱) (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں سے ہے ۝

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظِ سلام کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے، ان میں سے ایک معنی ہے: سلامتی، دوسرا معنی ہے: تحیت اور تعظیم، اور تیسرا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اور کبھی یہ لفظ محض سلام کے معنی میں آتا ہے اور کبھی یہ لفظ محض تحیت کے معنی میں آتا ہے، اور کبھی ان دونوں معنی میں متردد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

(النساء:۹۴)

کیونکہ اس آیت میں یہ احتمال ہے کہ یہ لفظ تحیت اور سلامتی کے معنی میں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾ اور ہر وہ چیز جس کی وہ خواہش کریں گے وہ انہیں ملے گی O رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہو گا O (یٰس:۵۷۔۵۸)

اور تشہد کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فان اللہ هو السلام'' یعنی اللہ تعالیٰ خود سلام ہے۔ اور قرآن مجید میں ثابت ہے ''السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ'' (الحشر:۲۳) ''ہر نقصان سے سالم، امان دینے والا''۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کی ہے کہ السلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ اہلِ جنت کی دعا ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کیا ہے کہ ''جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو''۔

اس آیت کریمہ میں یہ اشارہ کیا ہے کہ تحیت کا جو عام حکم ہے وہ لفظِ سلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے، مگر علامہ ابن التین نے بعض فقہاءِ مالکیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت میں تحیت سے مراد ہدیہ ہے، اور علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاءِ احناف کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس قول کی فقہائے احناف کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قول مفسرین کے قول کے خلاف ہے، مفسرین نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم کو مسلمان سلام کرے تو اس کو اس کے سلام سے افضل جواب دو یا اسی کا سلام اس کی طرف لوٹا دو جس طرح مسلمان نے تم کو سلام کیا ہے، اور اس پر اضافہ کرنا مستحب ہے، اور اسی کی مثل جواب دینا یہ فرض ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو تم کو سلام کرے تو اس کو جواب دو، خواہ وہ سلام کرنے والا مجوسی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کو اس سے اچھا جواب دو یا وہی سلام لوٹا دو۔

اور قتادہ نے کہا کہ ''فحیوا باحسن منها'' یہ مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی مسلمان اگر سلام کرے تو ان کے سلام کا بہتر جواب دو۔ ''او ردوها'' اس کا تعلق اہل ذمہ کے ساتھ ہے، یعنی اگر اہلِ ذمہ سلام کریں تو ان کو وہی لفظِ سلام لوٹا دو۔

اور حافظ ابنِ کثیر نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے۔ (غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں فقط وعلیکم کہنا چاہیے یعنی ''وعلیکم ما علیکم'' تم پر تمہارے لیے وہ دعا ہے جس کے تم مستحق ہو)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۳۔۳۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن

الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ عَلَى مِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ بَعْدُ مِنَ الْكَلَامِ مَا شَاءَ۔

حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم کہتے تھے "السلام علی اللہ" بندوں پر سلام سے پہلے۔ "السلام علی جبرائیل"، "السلام علی میکائیل"، "السلام علی فلاں وفلاں"۔ پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر مڑے تو ہماری طرف اپنا چہرہ کر کے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خود سلام ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو اسے چاہیے کہ یوں کہے "تمام قولی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اور تمام بدنی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اور تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے نبی! آپ کے اوپر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو، کیونکہ جب وہ یہ کلمات کہے گا تو آسمان اور زمین کے درمیان ہر نیک بندے کو اس کا سلام پہنچ جائے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ جس قسم کا کلام کرنا چاہے اس کی اجازت ہے۔

(صحیح بخاری: ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱، صحیح مسلم: ۴۰۲، سنن ترمذی: ۲۸۹، سنن نسائی: ۱۱۶۸، سنن ابوداؤد: ۹۶۸، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۴۰۵۴، سنن دارمی: ۱۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۲۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خود سلام ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے باپ حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان از الاعمش از ابی

وائل شقیق بن سلمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں ''باب التشهد فی الاخیرة'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قِبَل عبادہ'' یعنی بندوں پر سلام سے پہلے، اور اس لفظ کی روایت قاف کے زیر کے ساتھ اور باء پر زبر کے ساتھ بھی ہے یعنی بندوں کی طرف سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویتخیر'' یعنی اختیار کرے، اور تخیر اور اختیار کا ایک معنی ہے۔ یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ تخیر کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے غیر کو اختیار دے، اور اختیار کا معنی ہے: وہ اپنے نفس کے لیے اختیار کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۴۔۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء کا توقیفی ہونا

اللہ تعالیٰ کے اسماء وہ ہیں جن کو کتاب اور سنت سے توقیفاً اخذ کیا جاتا ہے (یعنی اپنی رائے سے اللہ تعالیٰ پر کسی اسم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس اسم کا ثبوت قرآن اور حدیث میں نہ آ گیا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کو عالم اور علام کہنا جائز ہے کیونکہ قرآن مجید میں ان لفظوں کا ثبوت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو علامۃ اور معلّم کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان لفظوں کا اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں ثبوت نہیں ہے۔) اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نام لیا جائے جس نام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ذکر نہیں فرمایا۔ اور جب کہ لفظِ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے تو پھر یہ کہنا جائز نہیں ہے ''السلام علی اللہ'' اور یہ کہنا جائز ہے ''السلام علیکم'' کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تم پر محافظ ہے یا اللہ تمہارا ناصر اور مددگار ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بناء پر اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا جائز نہیں ہے اور نہ اللہ سائیں کہنا جائز ہے، کیونکہ میاں اور سائیں کا لفظ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں سے نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ میاں کا لفظ بیوی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور شوہر کے معنی میں ہوتا ہے اور کسی بوڑھے آدمی کو بھی میاں جی کہتے ہیں، اور سائیں کا لفظ فقیر کے معنی میں بولا جاتا ہے، اس لیے اللہ میاں اور اللہ سائیں کہنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کہا جائے یا اللہ عزوجل کہا جائے۔

ایک سوال یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کو خدا بھی نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ خدا کا لفظ بھی قرآن اور حدیث کا لفظ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور دوسری اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کرنا جائز ہے خواہ لفظِ خدا سے اللہ تعالیٰ کو تعبیر کیا جائے یا لفظِ اللہ سے یا لفظِ رحمٰن سے اللہ تعالیٰ کو تعبیر کیا جائے، اور اس کی صفات کے بارے میں یہ قاعدہ ہے کہ اس پر اسی صفت کا اطلاق کیا جائے گا جس صفت کا ذکر قرآن اور حدیث میں آ چکا ہو اور اپنی رائے اور اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سلام کا جواب دینے کی تحقیق

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لفظِ سلام کے ساتھ ابتداء کرنا سنتِ مرغوبہ ہے یعنی مستحب ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء:۸۶) تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

اور اس پر دلیل کہ سلام سے ابتداء کرنا سنتِ مرغوبہ ہے، درج ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مرد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پس یہ بھی منہ موڑ لے اور وہ بھی منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷، موطا امام مالک: ۱۶۸۲)

سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سلام سے ابتداء کرنے والا بہتر ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کو سلام کرے اور اس جماعت میں سے کوئی ایک شخص اس کے سلام کا جواب دے دے تو وہ جواب سب کی طرف سے ہو جائے گا اور وہ اس آیت کا مصداق ہے:

فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء:۸۶) تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

کیونکہ اس نے سلام کرنے والے کی مثل جواب دیا۔ اور علماء نے اس کو چھینک کے جواب کے مشابہ قرار دیا۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ میں سے ہے جیسے جہاد اور علمِ دین کو طلب کرنا اور مردوں کو دفن کرنا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ بعض کے ادا کرنے سے دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن بطال کا جماعت سے نماز کو فرضِ کفایہ قرار دینا اور مصنف کا اس پر تعاقب

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، سو وہ لکڑیاں جمع کرے، پھر نماز کا حکم دوں، پس اس کے لیے اذان دی جائے، پھر میں کسی مرد کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں ان مردوں کو دیکھوں جو نماز پڑھنے نہیں آئے تو ان کے گھروں کو آگ لگا دوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو معلوم ہو کہ اس کو گوشت سے پر ہڈی ملے گی یا دو اچھی ہڈیاں ملیں گی تو وہ عشاء کی نماز میں حاضر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۴۴، صحیح مسلم: ۶۵۱، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱، مسند احمد: ۸۶۷۳، موطا امام مالک: ۲۹۲، سنن دارمی: ۱۲۷۴)

فرضِ کفایہ وہ ہوتا ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، اگر جماعت سے نماز پڑھنا فرضِ کفایہ ہوتا تو بعض مسلمانوں کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینے سے ان سے جماعت سے نماز پڑھنے کی فرضیت ساقط ہو جاتی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جو لوگ نماز پڑھنے نہیں آئے میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں، کیونکہ وہ کسی فرضیت

کے ترک کے مرتکب نہیں ہوئے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عذاب دینے کا ارادہ نہ کرتے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

اور امام مالک نے از زید بن اسلم یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قوم میں سے ایک شخص سلام کرلے تو باقی لوگوں کی طرف سے وہ کفایت کرتا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اور کہا ہے کہ کسی جماعت کے لیے یہ کافی ہے کہ جب وہ گزرے تو ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرلے اور جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دے دے تو وہ باقی لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گا۔

اور فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ سلام کا جواب دینا ہر شخص پر فرضِ عین ہے اور ایک کے جواب دینے سے دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا ہے کہ سلام کرنا سلام کا جواب دینے کے خلاف ہے، کیونکہ سلام سے ابتداء کرنا نفل ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ اور اگر اس نے کسی ایسے شخص کو سلام کا جواب دیا جس نے اس کو سلام نہیں کیا تھا تو اس سے جواب دینے کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی، تو اس سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب دینا ہر انسان پر فرضِ عین ہے۔

امام ابو یوسف نے امام مالک کی مرسل حدیث کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ سے نہیں ہے، اور ان کا فقہاءِ مالکیہ نے رد کیا ہے بایں طور کہ فقہاء نے کہا ہے کہ بعض سنتیں فرائض کے قائم مقام ہوتی ہیں جیسا کہ جمعہ کا غسل کرنا بعض علماء کے نزدیک غسلِ جنابت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور جیسے وضو سے پہلے ہاتھ دھو لینا کلائیوں کے ساتھ ہاتھ دھونے کے قائم مقام ہوتا ہے، یہ عطاء کا قول ہے۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اس کو سلام کا جواب دیا جس نے اس کو سلام نہیں کیا تھا تو اس سے سلام کے جواب کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو تم کو سلام کرے اس کے سلام کا جواب دو، نہ یہ کہ جو سلام نہ کرے اس کو سلام کا جواب دو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ دشمن مسلمانوں کی کسی شے پر حملہ کریں اور مسلمان اس سے مدافعت میں قتال نہ کریں اور مسلمانوں کی طرف سے اہل کتاب کے لوگ قتال کریں تو مسلمانوں سے قتال کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب اس نے اس کو سلام کا جواب دیا جس نے اس کو سلام نہیں کیا تھا تو ان سے سلام کے جواب کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔

سلام کا جواب دینے کے مسائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قلیل کثیر کو سلام کرے، اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ واحد جماعت پر سلام کرے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جماعت کے ہر فرد کو سلام کرے۔ اسی طرح جماعت میں سے کوئی ایک شخص کسی کے سلام کا جواب دے تو اس کا جواب باقیوں کے قائم مقام ہو جائے گا اور فقہاءِ احناف نے اس کا انکار اس لیے کیا ہے کہ یہ امام مالک کی مرسل حدیث ہے، حالانکہ فقہائے احناف کے پاس اپنے اس موقف پر کہ سلام کا جواب دینا ہر شخص پر فرض عین ہے اور فرضِ کفایہ نہیں ہے، اس پر نہ کوئی مرسل حدیث ہے اور نہ مسند حدیث ہے۔ لہٰذا مرسل کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے بجائے اس کے کہ رائے پر عمل کیا جائے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۹۔۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۴۔ بَابٌ: تَسْلِيمِ الْقَلِيلِ عَلَى الْكَثِيرِ — کم لوگوں کا زیادہ لوگوں کو سلام کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کم لوگوں کو زیادہ لوگوں پر سلام کرنا چاہیے، اور قلت اور کثرت ایک امر نسبی ہے یا امرِ اضافی ہے، پس ایک دو کی بہ نسبت قلیل ہے اور دو تین کی نسبت قلیل ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۶۲۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۹: ۲۷۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، وہ ابن راشد ہیں۔ اور ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن منبہ ہیں، اور منبہ، تنبیہ سے اسمِ فاعل ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "چھوٹا بڑے کو سلام کرے"۔ یہ خبر ہے امر کے معنی میں۔ اور مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد میں صراحۃً یہ حدیث لفظِ امر کے ساتھ وارد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کرنے کے آداب اور ان کی حکمتیں

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے آداب ہیں، صغیر کے کبیر کو سلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کبیر کا صغیر پر حق ہوتا ہے، اس لیے صغیر کو تواضع کرنے کا اور تعظیم کرنے کا حکم دیا اور گزرنے والے کو بیٹھنے والے پر سلام کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کسی قوم پر داخل ہونے والا اس قوم کو ابتداءً سلام کرتا ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کے ساتھ کیا جب ان سے کہا گیا: جاؤ! اور یہ جو فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں ان کو سلام کرو۔ اور قلیل کا کثیر کو سلام کرنا بھی تواضع کے باب سے ہے، کیونکہ کثیر کا حق قلیل کے حق سے زیادہ ہے۔ اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا فعل ہے کہ وہ ایک تھے اور فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو کثیر تھی تو آپ کو حکم دیا گیا کہ ان کو سلام کریں۔ اور سوار کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے تاکہ سوار ہونے کی وجہ سے اس میں تکبر نہ پیدا ہو اور وہ پیدل چلنے والے پر اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے تو اس لیے اس کو تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۵۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الرَّاكِبِ عَلَى الْمَاشِي — سوار کا پیدل چلنے والے کو سلام کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص سوار ہو، وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۲۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّهُ سَمِعَ ثَابِتًا مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے زیاد نے خبر دی کہ انہوں نے ثابت سے سنا جو عبدالرحمٰن بن زید کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴ صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابو داؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۲۷۴۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن سلام کا ذکر ہے اور لام کو تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی اس پر تشدید نہیں ہے۔ اور مَخْلَد میں میم پر زبر ہے اور خاء ساکن ہے، یہ ابن یزید الحیرانی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر ہے، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز

بن جریج ہیں۔ اور زیاد میں زاء کے نیچے زیر ہے، یہ ابن سعد اور خراسانی ثم المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثابت کا ذکر ہے، یہ ابن عیاض ہیں جو عبدالرحمٰن بن زید الخطاب کے آزاد کردہ غلام ہیں اور امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۵۔۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ　پیدل چلنے والے کا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرنا

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

۶۲۳۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّ ثَابِتًا أَخْبَرَهُ وَهُوَ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے زیاد نے خبر دی، ان کو ثابت نے خبر دی اور وہ عبدالرحمٰن بن زید کے آزاد کردہ غلام ہیں از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۹: ۲۷۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے روح بن عُبادہ، عُبادہ میں عین پر پیش ہے، اور یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے لیکن امام بخاری نے اس کی دوسری سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الصَّغِيْرِ عَلَى الْكَبِيْرِ　چھوٹے کا بڑے کو سلام کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ چھوٹے کو چاہیے کہ بڑے کو سلام کرے۔

۶۲۳۴۔ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ

اور ابراہیم طہمان نے کہا از موسیٰ بن عقبہ از صفوان بن سُلیم، از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ صغیر کبیر کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور قلیل کثیر کو سلام کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۳، ۶۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۶۰، سنن ترمذی: ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۸، مسند احمد: ۹: ۲۷۳)

صحیح البخاری: ۶۲۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ ابن طہمان ہیں۔اسی طرح ابوذر کی روایت میں ہے۔علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سند کو لفظِ قال سے شروع کیا ہے اور لفظ حدثنی سے شروع نہیں کیا، کیونکہ امام بخاری نے ابراہیم سے مذاکرہ کے درمیان یہ حدیث سنی اور بطورِ روایتِ حدیث کے نہیں سنی۔اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ غلط ہے کہ امام بخاری نے ابراہیم بن طہمان کو نہیں پایا چہ جائیکہ وہ ان سے حدیث کا سماع کرتے۔ابراہیم بن طہمان امام بخاری کی ولادت سے چھبیس (۲۶) سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔اور امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں ان کی روایت سندِ موصول کے ساتھ بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں: مجھے احمد بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن طہمان نے حدیث بیان کی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''والمار علی القاعد'' اس حدیث کا یہ جملہ اس سے پہلی حدیث کے اس جملہ سے زیادہ بلیغ ہے جس میں مذکور ہے ''الماشی علی القاعد'' کیونکہ گزرنے والا عام ہے کہ سوار ہو یا پیدل جا رہا ہو۔اور امام ترمذی نے ابوعلی الجنبی سے حدیث روایت کی ہے از حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گھوڑ سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے کو سلام کرے اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔اور ابوعلی الجنبی، ان کا نام عمرو بن مالک ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ جب قائم کو مستقر پر محمول کیا جائے تو وہ اس سے عام ہوگا کہ وہ بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو یا ٹیک لگائے ہوئے ہو یا لیٹا ہوا ہو۔اور جب ان صورتوں کی اضافت سوار کی طرف کی جائے گی تو پھر متعدد صورتیں بن جائیں گی۔(فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۲، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ یہ کلام بحیثیت لغت صحیح ہے اور نہ بحیثیت اصطلاح صحیح ہے اور نہ بحیثیت عرف صحیح ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی کھڑے ہوئے شخص کو بیٹھا ہوا نہیں کہتا اور نہ اسے ٹیک لگانے والا کہتا ہے اور نہ اسے لیٹا ہوا کہتا ہے۔اور جب دو سوار ملیں یا دو پیدل چلنے والے ملیں تو علامہ مازری نے کہا ہے کہ سلام کی ابتداء ادنیٰ کرے گا اعلیٰ کی بزرگی اور اس کی فضیلت کے لیے اور جب دونوں ہر جہت سے مساوی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سلام کی ابتداء کرنے کا حکم ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۶-۳۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

علامہ عینی کے اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قائم کا معنی ہو: جو شخص اپنی ٹانگوں پر یا اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ہو، لیکن قائم کا معنی اس کے علاوہ بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔ (آل عمران: ۷۵)

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تم کو ادا نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

اہل تفسیر نے کہا ہے: اس آیت میں قائما کا معنی ہے کہ اس کے ساتھ لازم رہے اور اس سے تقاضا کرتا رہے اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں قیام سے مراد پیروں پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔

امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: "قام یقوم قیاما فهو قائم" پھر کہا: قیام کی متعدد قسمیں ہیں، بعض قیام تسخیر سے ہوتا ہے جیسے "قائم وحصید" (یعنی بعض بستیاں موجود ہیں اور بعض بستیاں نیست و نابود ہو گئی ہیں)، سو اس میں بھی قائم کا معنی پیروں پر کھڑا ہونا مراد نہیں ہے۔ اور بعض قیام اختیار کے ساتھ ہوتا ہے جیسے "ساجدا وقائما" اور کبھی قائم کا معنی کسی چیز کی رعایت کرنا اور نگہبانی کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ۔ (الرعد: ۳۳)

کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے)۔

اس آیت میں قائم کا معنی محافظ اور نگران ہے۔ نیز قرآن میں ہے:

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا۔ (آل عمران: ۷۵)

سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

اور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہاں پر قیام سے پیروں پر کھڑا ہونا مراد نہیں ہے۔ اور امام راغب نے کہا ہے: یہاں پر قائم کا معنی ہے: جو اپنی طلب پر ثابت ہو۔

اور قیام کا معنی عزم بھی آتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (المائدہ: ۶)

یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔

اور قیام کا معنی دوام بھی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ (البقرہ: ۳)

یعنی وہ دائماً نماز کا فعل کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قائم کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کی حفاظت کرنے والا ہو، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز پر لازم ہو، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز پر دوام کرے، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی چیز پر ثابت ہے، اور ان میں سے کوئی معنی بھی وہ نہیں ہے جو قعود کی ضد ہے یعنی پیروں پر کھڑا ہو۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: حکیم بن حزام کی حدیث میں ہے: کہا جاتا ہے کہ "قام فلان علی الشیء" جب وہ اس چیز پر

ثابت ہو اور اس کو پکڑے رکھے۔ پھر ابن اثیر نے کہا: ''سنة قائمة'' یعنی سنتِ دائمہ مستمرہ۔ اور اس کے بہ کثرت شواہد ہیں کہ قیام کا معنی صرف پیروں پر کھڑا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ معانی بھی ہیں، اور یہ چند مثالیں اس شخص کا رد کرنے کے لیے کافی ہیں جو اس کا انکار کرتا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۸۔ بَابُ إِفْشَاءِ السَّلَامِ سلام کو پھیلانا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب سلام کو پھیلانے کے بیان میں ہے، سلام کو پھیلانے سے مراد ہے: سلام کا اظہار کرنا، یعنی لوگوں کے درمیان اس کو پھیلانا۔ پس لوگ اس کو بھی سلام کریں جس کو جانتے ہوں اور اس کو بھی سلام کریں جس کو نہ جانتے ہوں، اور اسی کے ساتھ اثر وارد ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی الله عنهما قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَهَى عَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ وَنَهَانَا عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ رُكُوْبِ الْمَيَاثِرِ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْقَسِّيِّ وَالْإِسْتَبْرَقِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از شیبانی از اشعث ابی الشعثاء از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کا، جنائز کے ساتھ جانے کا، چھینک لینے والے کو جواب دینے کا، کمزور کی مدد کرنے کا، مظلوم کی داد رسی کرنے کا، اور سلام کو پھیلانے کا، اور قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے میں کوشش کرنے کا، اور چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا، اور ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، اور ریشمی زین پر سوار ہونے سے منع فرمایا، اور ریشم پہننے سے منع فرمایا اور دیباج پہننے سے اور قسی پہننے سے اور استبرق پہننے سے منع فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۶۲۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے "افشاء السلام" یعنی سلام کو پھیلانا اور یہ الفاظ بعینہٖ اس حدیث میں مذکور ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ بن سعید اور جریر بن عبدالحمید اور الشیبانی، اور وہ ابواسحاق سلیمان ہیں۔

یہ حدیث کتاب الادب کے اواخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی از سلیمان بن حرب از شعبہ از الاشعث بن سلیم از معاویہ بن سوید بن المقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ روایت کی تھی۔

حدیث مذکور کی متعدد سندوں کے ساتھ روایت کا بیان

اور اس حدیث کی کتاب الجنائز میں از عبدالولید روایت کی ہے، اور اس حدیث کی کتاب المظالم میں از سعید بن الربیع روایت کی ہے، اور کتاب اللباس میں از آدم اور از محمد بن مقاتل اور قبیصہ روایت کی ہے۔ اور کتاب الطب میں اس حدیث کی از حفص بن عمر روایت کی ہے۔ اور کتاب الادب میں از سلیمان بن حرب روایت کی ہے۔ اور کتاب النزول میں از بندار از غندر روایت کی ہے اور کتاب النکاح میں از الحسن بن الربیع روایت کی ہے۔ اور کتاب الاشربہ میں از موسیٰ بن اسماعیل روایت کی ہے۔ اور کتاب النذور میں بھی قبیصہ سے روایت کی ہے۔

اس باب کی روایت اور کتاب الجنائز کی روایت کا فرق

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ ان روایات میں جو زیادتی اور کمی کا اختلاف ہے۔

اس باب کی حدیث میں سات میں سے دو نئی چیزوں کا ذکر کیا ہے، ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی دادرسی کرنا۔

اور کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا اور مظلوم کی مدد کرنا اور یہاں پر دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر "نصر المظلوم" کے عوض میں "عون المظلوم" کا ذکر کیا ہے۔ (دونوں کا معنی ایک ہے۔) اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ ذکر میں عدد کی تخصیص کرنا غیر کی نفی نہیں کرتا، یا یہ کہ نیز ضعیف دعوت دینے والا ہے۔

اور یہاں پر سلام پھیلانے کا ذکر کیا ہے اور وہاں سلام کا جواب دینے کا ذکر کیا ہے اور یہ دونوں شرعاً متلازم ہیں۔ لیکن کتاب المظالم میں پس اسی طرح ہے، اس میں دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے اور "نصر المظلوم" کا ذکر ہے اور یہاں "عون المظلوم" کا ذکر ہے اور عون اور نصر کا ایک ہی معنی ہے۔

حدیث مذکور کا دیگر ابواب میں ذکر اور ان کا باہمی فرق

کتاب اللباس میں اس حدیث کی تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے:

(۱) از آدم: اس میں دعوت دینے والے کی دعوت کے قبول کرنے کا ذکر ہے اور "نصر المظلوم" کا ذکر ہے۔

(۲) از محمد بن مقاتل: یہاں امام بخاری نے اختصار سے روایت کی ہے اور اس میں مذکور ہے "ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ میاثر اور القسی سے منع فرمایا"۔

(۳) از قبیصہ: اس میں مذکور ہے: "ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے ساتھ جانا، چھینک لینے والے کو جواب دینا، اور ہمیں حریر اور دیباج اور القسی اور استبرق اور سرخ میاثر سے منع فرمایا"۔

اور یہ حدیث کتاب الطب میں بھی ہے، اس میں ممانعت مقدم ہے اور امر مؤخر ہے، اور ممانعت میں چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، چھٹی چیز سرخ میاثر ہے، اور امر میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ ہم جنائز کے ساتھ جائیں، اور ہم مریض کی عیادت کریں اور ہم سلام کو پھیلائیں۔

اور کتاب الادب میں امر کو مقدم کیا ہے اور چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، دو ان میں سے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا ہے اور مظلوم کی مدد کرنا ہے اور اس میں سلام پھیلانے کی جگہ سلام کا جواب دینے کا ذکر ہے۔ اور ممانعت میں بھی چھ چیزوں کا ذکر ہے اور اس کی آخر المیاثر ہے۔ اور اُس میں قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا ذکر ہے۔

اور کتاب النکاح میں امر کو مقدم کیا ہے اور اس میں سات چیزوں کا ذکر ہے، اور اس میں دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے اور ممانعت میں چھ چیزوں کا ذکر ہے اور اس میں مذکور ہے کہ ہم کو میاثر اور قسی سے منع فرمایا۔

اور کتاب الاشربہ میں بھی اسی طرح ہے، امر کو مقدم کیا ہے اور ممانعت میں پانچ چیزیں ذکر کی ہیں۔ اور اس میں ریشم کی انواع کو گنوایا ہے جس سے وہ سات ہو گئیں، اور اس میں میاثر اور القسی کا ذکر ہے۔ اور ہم نے ہر باب میں ان میں سے ہر عنوان کی شرح کر دی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وافشاء السلام" اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ ہر ایک کو سلام کیا جائے، لیکن فاسق اور بچے پر سلام کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ اور مرد کے عورت کو سلام کرنے میں یا عورت کے مرد کو سلام کرنے میں بھی اختلاف ہے۔

جن لوگوں کو سلام کیا جائے اور نہ ان لوگوں کے سلام کا جواب دیا جائے

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: سلام سے ابتداء کرنے کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہے جو کھانے یا پینے میں مشغول ہو یا جو جماع میں مشغول ہو، یا جو بیت الخلاء میں مشغول ہو، یا جو حمام میں ہو، یا جو سویا ہوا ہو، یا جو اونگھ رہا ہو، یا جو نماز پڑھ رہا ہو، یا جو اذان دے رہا ہو، جب تک وہ ان میں سے کسی کام میں بھی مشغول ہو تو اس کو ابتداءً سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر کھانے والے کے منہ میں لقمہ نہ ہو تو اس کو بھی سلام کی ابتداء کرنا مشروع ہے، اور خرید و فروخت کرنے والے پر بھی سلام کی ابتداء کرنا مشروع ہے، اور جو باقی معاملات مشہور ہیں ان میں بھی سلام کرنا مشروع ہے۔

اور کتاب الطہارت میں گزر چکا ہے کہ جو شخص حمام میں ہو اگر اس نے تہبند باندھا ہوا ہو تو اس کو سلام کیا جائے ورنہ نہ کیا جائے۔ اور جو شخص خطبہ دے رہا ہو تو اس حال میں اس کو سلام نہ کیا جائے اور اگر کسی نے سلام کیا تو اس پر اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، کیونکہ خطبہ کو سننا واجب ہے۔

اور جو شخص مدعی ہو، وہ قاضی کو سلام نہ کرے اور جب اس نے سلام کر لیا تو قاضی پر اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

اور جو شخص شطرنج کھیل رہا ہو اس کو سلام نہ کرے، ہاں اگر اس کا مقصد ان کے کھیل میں خلل ڈالنا ہو تو پھر وہ سلام کرے، اور

الغنیہ میں مذکور ہے کہ جو شخص اپنے استاذ سے فقہ پڑھ رہا ہو اس کو سلام نہ کرے، اور اگر سلام کر لیا تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

اور جو بوڑھا مذاق کر رہا ہو، یا جو کذاب ہو، یا جو شخص کوئی لغو کام کر رہا ہو، اور جو شخص لوگوں کو گالیاں دے رہا ہو، ان کو سلام نہ کرے۔ اور اس کو بھی سلام نہ کرے جو راستوں میں عورتوں کو دیکھ رہا ہو اور اس کی توبہ معروف نہ ہو۔ اور نہ بدعتی کو سلام کرے اور نہ اس کو سلام کرے جس نے کوئی سنگین گناہ کیا ہو اور اس نے توبہ نہ کی ہو اور اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خمر پینے والوں کو سلام نہ کرے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور ظالم حکمرانوں کو سلام نہ کرے سوا اس صورت کے کہ کوئی مجبوری ہو۔ علامہ ابن العربی نے کہا کہ انہیں سلام کرے اور یہ نیت کرے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اس کا معنی دل میں یوں کرے کہ اللہ تمہارا نگہبان ہے۔

اور جب کوئی مسلمان کسی ایک مرد کے پاس سے یا اکثر کے پاس سے گزرا ہے اور اس کو یہ ظنِ غالب ہو کہ جب اس نے ان کو سلام کیا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب نہیں دے گا یا تکبر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، پھر بھی اس کو سلام کرے اور اپنی اس بدگمانی کی وجہ سے سلام کو ترک نہ کرے، کیونکہ بعض اوقات ظن میں خطا ہوتی ہے۔ اور اگر مسلمان نے کسی مرد کو اس گمان سے سلام کیا کہ وہ مسلمان ہے لیکن وہ کافر تھا تو مستحب یہ ہے کہ اپنا سلام واپس لے لے اور کہے: مجھ پر میرا اسلام واپس کر دو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کو وحشت میں ڈالے اور یہ ظاہر کرے کہ ان دونوں کے درمیان محبت اور الفت کا تعلق نہیں ہے۔ اور جب وہ کسی گھر میں داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تب بھی سلام کرے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو وہ کہے: ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المیاثر''، یہ میثرۃ کی جمع ہے، علامہ الجوہری نے کہا: المیثرۃ، زین کو کہتے ہیں۔ اور امام ابو عبیدہ نے کہا: سرخ ریشم کی زین وہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ عجمی لوگ اپنی سواریوں کے اوپر دیباج یا ریشم کی زین ڈالتے تھے اور اس پر کئی مرتبہ بحث ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۷۔۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں جن کاموں کے کرنے کا حکم فرمایا ہے آیا ان کاموں کا نہ کرنا باعثِ حرج ہے یا نہیں؟

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ یہ اوصاف جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے آیا یہ ان حقوق میں سے ہے کہ اگر ان کو ادا نہ کرے تو ان کے نہ ادا کرنے کی وجہ سے حرج ہوگا اور وہ اپنے رب کا نافرمان ہوگا یا نہیں؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ بعض کام ایسے ہیں کہ ان کے ترک کرنے میں حرج ہے، اور بعض کام ایسے ہیں کہ ان کے ترک کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اور بعض کام ایسے ہیں کہ کسی حال میں ان کے ترک کرنے میں حرج ہے اور دوسرے حال میں ان کے ترک کرنے میں حرج نہیں ہے۔ پھر امام طبری نے اس کا بیان کیا۔

جن کاموں کا کرنا ہر حال میں فرض ہے

رہے وہ کام جن کا کرنا ہر حال میں محمود ہے اور ان کے ترک کرنے میں حرج ہے تو وہ ہے کمزور کی مدد کرنا اور مظلوم کی دادرسی کرنا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم مظلوم کی مدد تو کریں گے پس ظالم کی مدد کیسے کریں؟ تو آپ نے فرمایا: تم ظلم کرنے والے کے ہاتھوں کو اوپر سے پکڑ لو۔ (صحیح بخاری: ۲۴۴۳، ۲۴۴۴، سنن ترمذی: 2255، مسند احمد: ۱۲۶۶۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم مومنین کو دیکھتے ہو، وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے سے دوستی کرنے میں اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں، جب جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم رات بھر درد اور بخار سے کراہتا رہتا ہے۔
(صحیح البخاری: ۶۰۱۱، صحیح مسلم: ۲۵۸۶، مسند احمد: ۱۷۹۰۷)

علامہ طبری فرماتے ہیں: پس ہر مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنے جسم کے اعضاء میں سے ہر عضو کی اصلاح کے لیے کوشش کرے۔ پس اسی طرح ان پر لازم ہے کہ جو ان کے دینی بھائی ہیں اور ان کے شرکاءِ ملت ہیں ان کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کرے۔ اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے، اور ان کی مدد اس طرح کرے جیسا کہ وہ اپنے معاملات میں مدد کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور وہ تمام ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء: ۲۹)　اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، کیونکہ مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے اس کے اپنے نفس کے حکم میں ہے اس کے ساتھ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنے کے لیے اور ان میں سے ہر ایک کو وہ چیز درد پہنچاتی ہے جو اسے خود درد پہنچاتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیں اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکاریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۔ (الحجرات: ۱۱)　اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ، ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا برا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بھائی کو طعنہ دینا اپنا قرار دیا جیسے انسان اپنے آپ کو طعنہ دے، کیونکہ اس کا بھائی اس کی اپنی ذات کے حکم میں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص بھی صحیح العقل ہوگا، وہ اپنے آپ کو طعنہ نہیں دے گا، پس معلوم ہوا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کو طعنہ نہ دے۔

اور اسی طریقہ سے جن کاموں کا کرنا ہر حال میں فرض ہے، وہ ہے قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے میں کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَكُمْ۔ (المائدہ:۸۹) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

جن کاموں کو کرنا کسی حال میں فرض ہے اور کسی حال میں مستحب ہے

رہے وہ کام جن کا بعض احوال میں کرنا فرض ہے اور بعض احوال میں ان کا کرنا مستحب ہے، پس مسلمان بھائی کے جنازہ میں حاضر ہونا، اگر اس کے جنازہ میں اس کے سوا کوئی اور منتظم نہ ہو تو پھر اس کے جنازہ میں حاضر ہونا فرض ہے۔ اس صورت میں اس کا اس کے جنازہ میں حاضر ہونے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان فوت شدگان کا زندوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ان کو غسل دے، ان کو کفن پہنائے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھائے اور ان کو دفن کرے، اور یہ ان پر فرضِ کفایہ ہے۔ اگر بعض مسلمانوں نے یہ فرض ادا کر لیا تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

رہے وہ کام جن کا کرنا مستحب ہے اور ان کے ترک پر مذمت نہیں ہے تو وہ مسلمان کو اس وقت سلام کرنا ہے جب اس سے ملاقات ہو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کو سلام کی ابتداء کرنا مستحب ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مردوں کے متعلق فرمایا جنہوں نے ایک دوسرے سے ملنا جلنا چھوڑا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔

امام بخاری حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، وہ ایک دوسرے سے ملیں، پس یہ اس سے منہ موڑ لے اور وہ اس سے منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۷۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷، موطا امام مالک: ۱۶۸۲)

اور اسی باب سے ہے کسی شخص کا اپنے بھائی کی عیادت کرنا، اور جب وہ اسے طعام کی دعوت دے تو اسے قبول کرنا۔ اگر کسی مسلمان نے اس طعام کو ترک کیا تو فرض کا ترک کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ مستحب کا ترک کرنے والا ہوگا۔ اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۱۱۔ ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۹۔ بَابُ: السَّلَامِ لِلْمَعْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمَعْرِفَةِ ہر ایک کو سلام کرنا خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ سلام کرنا مطلقاً سنت ہے خواہ جس کو سلام کیا جائے اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔
امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ سلام اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جس کی معرفت ہو اور جس کی معرفت نہ ہو اس کو سلام کرنا ترک کر دے۔

امام طحاوی، امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ ایک مرد مسجد کے پاس سے گزرے گا اور وہ اس میں نماز نہیں پڑھے گا اور صرف انہی کو سلام کرے گا جن کو وہ پہچانتا ہو۔ اور امام طحاوی کی عبارت یہ ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ سلام صرف جان پہچان

والے کو کیا جائے اور اس حدیث کے یہ الفاظ اس باب کے عنوان کے موافق ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یزید نے حدیث بیان کی از ابی الخیر از عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کا کونسا وصف سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو جن کو تم پہچانتے ہو اور جن کو تم نہیں پہچانتے۔

(صحیح بخاری: ۱۲، ۲۸، ۶۲۳۶، صحیح مسلم: ۳۹، سنن نسائی: ۵۰۰۰، سنن ابوداؤد: ۵۱۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۳، مسند احمد: ۶۵۴۵)

صحیح البخاری: ۶۲۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حبیب ہیں، اور اس حدیث کی سند میں ابو الخیر کا ذکر ہے، وہ مرثد بن عبداللہ الیزنی ہیں، اور اس سند کے تمام راوی بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ای الاسلام خیر" یعنی اسلام کے کون سے اعمال سب سے بہتر ہیں؟۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رضی الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هٰذَا وَيَصُدُّ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ وَذَكَرَ سُفْيَانُ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

(صحیح بخاری: ۶۰۷۷، ۶۲۳۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از عطاء بن یزید اللیثی، از حضرت ابی ایوب رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، وہ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کریں، یہ ادھر منہ موڑ لے اور دوسرا ادھر منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو لفظِ سلام کے ساتھ ابتداء کرے۔

اور سفیان نے ذکر کیا کہ انہوں نے ابو ایوب سے یہ حدیث تین مرتبہ سنی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے "خواہ پہچان ہو یا نہ ہو ہر ایک کو سلام کرنا"۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "جو دو مسلمان بھائی باہم ناراض ہوں اور ملاقات کے وقت ہر ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتا ہو، ان میں بہتر وہ ہے جو سلام سے ابتداء کرے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوایوب، وہ حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الادب میں باب الہجرۃ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فیصد ھذا" پس یہ ایک اعراض کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۹۔ ۳۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کرنے کی تاکید اور انجان کو سلام کرنے کا بیان اور اس پر دلائل

ہر ایک کو سلام کرنا بھی ادب اور تواضع کے باب سے ہے، اور کسی اجنبی کو بغیر معرفت کے سلام کرنے سے ملنے جلنے کی راہ کھلتی ہے اور انس کا باب کھلتا ہے، تاکہ تمام مومن بھائی بھائی ہو جائیں اور کسی کو دوسرے سے وحشت نہ ہو۔ اور بغیر معرفت کے سلام نہ کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے اعراض کرنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ مومن اس سے اجتناب کریں کہ صرف واقف کو سلام کریں اور ناواقف کو سلام نہ کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ صرف واقفیت کی وجہ سے سلام کیا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷)

امام عبدالرزاق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بازار میں داخل ہوتے تو جس چھوٹے سے یا بڑے سے ملاقات ہوتی تو اس کو سلام کرتے۔ اور وہ کسی نابینا آدمی کے پاس سے گزرتے تو اس کو بھی سلام کرتے۔ اور دوسرا ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا تھا تو کہا گیا کہ وہ نابینا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۴۲)

اور سلف صالحین بہ کثرت سلام کرنے کی حفاظت کرتے تھے جیسا کہ معمر نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو

مڑ کر جارہے تھے، پھر ان دونوں کے درمیان ایک درخت آگیا، اس کے بعد وہ پھر ملے تو ایک نے دوسرے کو سلام کیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۴۶)

ہر ایک پر سلام کرنے کی تاکید پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص کسی غیر آباد گھر میں داخل ہو تو وہاں بھی دخول کے وقت سلام کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ (النور: ۶۱) پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور النخعی اور علقمہ اور عطاء اور عکرمہ اور قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب تم ایسے گھر میں داخل ہو جس میں کوئی نہ ہو تو کہو ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین''، چونکہ فرشتے تمہارے سلام کا جواب دیں گے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب کوئی شخص ایسے گھر میں داخل ہو کہ جو آباد ہو اور اس میں لوگ رہتے ہوں تو وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ ان کو سلام کیا جائے۔

اور ابن وہب نے از حفص بن میسرہ از زید بن اسلم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، کیونکہ جب تم میں سے کوئی ایک شخص گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے اور کھانے پر اللہ کے نام کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ تمہارے لیے نہ یہاں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے، اور جب وہ دخول کے وقت سلام نہ کریں اور کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں تو شیطان اپنے اصحاب سے کہتا ہے کہ تم نے رات گزارنے کی جگہ کو بھی پالیا اور رات گزارنے کے کھانے کو بھی پالیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۱)
یہ حدیث صحیح مسلم (۲۰۱۸) میں بھی مذکور ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۱۳۔ ۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۳۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صرف جان پہچان کی وجہ سے سلام نہ کرنے کے مزید شواہد

امام ابوجعفر الطحاوی نے مشکل الآثار میں مسروق سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جارہے تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان میں تھے تو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم اے ابن ام عبد! تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسے اور انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ جان پہچان کی وجہ سے سلام کیا جائے گا۔ (مشکل الآثار: ۱۵۹۱)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ میں بیت اللہ میں آیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے، آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر میں آپ کے پاس آیا اور میں پہلا شخص تھا جس نے اسلام کی تحیت کے ساتھ آپ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: وعلیك السلام من انت؟ یعنی تم پر بھی سلام ہو اور تم کون ہو؟ (صحیح مسلم: ۲۴۷۳)

امام طحاوی نے کہا: یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں مشغول ہوں یا طواف میں مشغول ہوں، اس لیے کہ یہ مکہ کا واقعہ ہے بیت اللہ کے پاس، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کی حاجت تھی تو اس لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ (مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۷۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے اجنبی تھے پھر بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ سلام کا جواب دینا سلام کے جواب کے خلاف ہے، کیونکہ جو مسلمان جماعت میں سے صرف ایک شخص کو سلام کرے اور باقیوں کو سلام نہ کرے تو وہ باقیوں پر ظلم کرنے والا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کو سلام کرتے تھے۔ اور جواب دینے کا یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ جو شخص سلام کرے اس کو بھی جواب دیا جا سکتا ہے اور جس جماعت کے اندر وہ موجود ہے اس پوری جماعت کو بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: نہ نماز میں کمی کی جائے اور نہ سلام میں۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نماز میں اس طرح کمی نہ کرے کہ رکوع اور سجود میں سے کوئی رکن کم کرے اور سلام میں اس طرح کمی نہ کرے کہ ایک شخص کو سلام کرے یعنی السلام علیک کہے۔ یا جواب میں وعلیک کہے اور وعلیکم نہ کہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۶۔۴۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: آيَةِ الْحِجَابِ — عورتوں کے پردہ کی آیت کا بیان

اس باب میں پردہ کی آیت کے نزول کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۲۳۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ مَقْدَمَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ فَخَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَشْرًا حَيَاتَهُ وَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ وَقَدْ كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَسْأَلُنِي عَنْهُ وَكَانَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَصْبَحَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِيَ مِنْهُمْ رَهْطٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَطَالُوا الْمُكْثَ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ كَيْ يَخْرُجُوا فَمَشَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى جَاءَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جس وقت ان کی عمر دس سال تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دس سال خدمت کی اور میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ عورتوں کے پردہ کے متعلق جاننے والا تھا جب یہ حکم نازل ہوا۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے، اور سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو شب زفاف گزاری تھی اس کے متعلق تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ بطور دولہا کے

عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى زَيْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَتَفَرَّقُوا فَرَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتّٰى بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَظَنَّ أَنْ قَدْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا فَأُنْزِلَ آيَةُ الْحِجَابِ فَضَرَبَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا۔

صبح کی، آپ نے مسلمانوں کو بلایا، پس انہوں نے طعام کھایا، پھر گھر سے چلے گئے اور ان کے درمیان سے ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی رہی، اور ان کا بیٹھنا کافی طویل ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ گھر سے نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا تاکہ وہ لوگ بھی گھر سے نکل جائیں، پس رسول اللہ ﷺ چلتے رہے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر آئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ گمان کیا کہ اب وہ لوگ گھر سے نکل گئے ہوں گے، پس آپ واپس آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا حتیٰ کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے، پس اس وقت بھی وہ بیٹھے ہوئے تھے اور گھر سے الگ نہیں ہوئے تھے، پس رسول اللہ ﷺ واپس آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر پہنچ گئے، پس آپ نے یہ گمان کیا کہ اب وہ گھر سے نکل گئے ہوں گے، پس آپ واپس آئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا، پس اس وقت وہ گھر سے نکل چکے تھے، پھر پردہ کرنے کی آیت نازل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ ڈال دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۴۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری: ۶۲۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''اٰیۃ الحجاب'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر پردہ کے احکام کی آیت نازل ہوگئی'' اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سلیمان، یہ ابو سعید الجعفی الکوفی ہیں، جو مصر میں رہائش پذیر تھے۔ اور یہ عبداللہ بن

وہب سے روایت کرتے ہیں۔اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس،وہ ابن یزید ہیں اور وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور وہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں، جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مقدمہ" یعنی جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حیاتہ" یعنی آپ کی باقی حیات تک میں آپ کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نزول حجاب کے حکم کو تمام صحابہ سے زیادہ جاننے والے تھے

اس حدیث میں مذکور ہے "کنت اعلم الناس بشان الحجاب" یعنی میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے سبب کو جاننے والا تھا۔اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بطور فخر کے نہیں کہا بلکہ خبر دینے کے لیے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقد کان ابی بن الکعب یسالنی عنہ" یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے پردہ کے لزوم کے حکم کے سبب کے متعلق سوال کرتے تھے،اور وہ حجاب کی آیت ہے۔اور وہ آیت درج ذیل ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ (الاحزاب:۵۳)

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو،سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے،کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے،سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں،اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا،اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پردے کا حکم نازل ہونے کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ عالم تھے اور عمر میں ان سے بڑے تھے اور مرتبہ اور عظمت میں بھی ان سے بڑے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سے استفادہ کرتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے سبب کے متعلق دریافت کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مبتنی" یہ ابتناء سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: شب زفاف گزارنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عروسا" یہ صفت کا صیغہ ہے اور اس میں مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں جب تک کہ وہ شادی کی تقریب میں منہمک ہوں۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۷-۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۳۹- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ لَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان

تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ زَيْنَبَ دَخَلَ الْقَوْمُ فَطَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَامَ فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مِنَ الْقَوْمِ وَقَعَدَ بَقِيَّةُ الْقَوْمِ وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَجَاءَ حَتّٰى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَلْقَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ فِيهِ مِنَ الْفِقْهِ أَنَّهُ لَمْ يَسْتَأْذِنْهُمْ حِينَ قَامَ وَخَرَجَ وَفِيهِ أَنَّهُ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَقُومُوا۔

کی، انہوں نے بیان کیا: میرے والد نے کہا: ہمیں ابو مجلز نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو صحابہ آپ کے گھر آئے، پس انہوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے رہے، پس آپ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے، پس صحابہ نہیں کھڑے ہوئے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے، پس جب آپ کھڑے ہوئے تو صحابہ میں سے کچھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور باقی صحابہ بیٹھے رہے، اور نبی ﷺ آئے تاکہ گھر میں داخل ہوں تو وہ صحابہ ہنوز بیٹھے ہوئے تھے، پھر وہ لوگ کھڑے ہوئے اور گھر سے نکل گئے تو میں نے نبی ﷺ کو بتایا، پس آپ آئے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہو گئے، پس میں بھی گھر میں داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب ڈال دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو۔

امام عبداللہ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ان صحابہ نے جب آپ کھڑے ہوئے اور گھر سے نکل گئے تو انہوں نے آپ سے اجازت طلب نہیں کی۔ اور اس میں یہ ہے کہ آپ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے اور آپ یہ ارادہ کرتے تھے کہ یہ صحابہ بھی کھڑے ہو جائیں۔

(صحیح بخاری: ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۴۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری: ۶۲۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق کی ایک اور سند کا ذکر ہے۔

امام عبداللہ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ان صحابہ نے جب آپ کھڑے ہوئے اور گھر سے نکل گئے تو انہوں نے آپ سے اجازت طلب نہیں کی۔ اور اس میں یہ ہے کہ آپ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہوئے اور آپ یہ ارادہ کرتے تھے کہ یہ صحابہ بھی کھڑے ہو جائیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابوعبداللہ، اس سے مراد خود امام بخاری ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیہ من الفقہ" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مذکور میں سمجھنے کی یہ بات ہے۔ اور یہ تعلیق صرف مستملی کی روایت میں ہے اور دوسروں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کے ذکر کا کوئی محرک ہے، کیونکہ امام بخاری نے اس کا ایک الگ عنوان قائم کیا ہے جو بائیس ابواب کے بعد آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم احْجُبْ نِسَائَكَ قَالَتْ فَلَمْ يَفْعَلْ وَكَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَخْرُجْنَ لَيْلًا إِلَى لَيْلٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ وَكَانَتْ امْرَأَةً طَوِيلَةً فَرَآهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِي الْمَجْلِسِ فَقَالَ عَرَفْتُكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحِجَابُ قَالَتْ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ الْحِجَابِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ میں رکھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ نے ایسا نہیں کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات ایک رات سے دوسری رات تک گھر سے نکل کر کھلے میدانوں کی طرف جاتی تھیں، پس حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی نکلیں اور وہ لمبے قد والی عورت تھیں، پس ان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور وہ اسی مجلس میں تھے تو انہوں نے کہا: اے سودہ! میں نے آپ کو پہچان لیا، اس سبب سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حرص تھی کہ پردہ کے احکام نازل ہو جائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ پھر اللہ عزوجل نے حجاب کی آیت نازل فرما دی۔

(صحیح بخاری: ۱۴۶، ۱۴۷، ۴۷۹۵، ۵۲۳۷، ۶۲۴۰، صحیح مسلم: ۲۱۷۰، مسند احمد: ۲۳۷۶۹)

صحیح البخاری: ۶۲۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، علامہ کرمانی نے کہا: یا تو یہ ابن ابراہیم ہیں یا ابن منصور ہیں۔ اور امام ابونعیم نے مستخرج میں وثوق سے کہا ہے کہ یہ ابن راہویہ ہیں۔ اور وہ اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یعقوب کا ذکر ہے، وہ

ابن ابراہیم ہیں، وہ اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابراہیم بغداد میں قضاء کے عہدے پر فائز تھے، وہ ابوصالح بن کیسان سے روایت کرتے ہیں از محمد بن مسلم بن شہاب الزہری۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قِبَلَ المناصع" یعنی مناصع کی طرف اور مناصع مدینہ کی ایک مشہور جگہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے، کیونکہ قرآن مجید ان کی رائے کے موافق نازل ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۱۔۳۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ازواجِ مطہرات کے پردہ کا مشورہ دینا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے اوپر حجاب کی فرضیت کا بیان ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا: آپ اپنی ازواج کو پردہ میں رکھیں۔ (صحیح البخاری: ۶۲۴۰) اور دوسری حدیث میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کاش آپ امہات المومنین کو پردہ میں رکھیں، کیونکہ ان کے پاس نیک بھی آتا ہے اور فاجر بھی آتا ہے، تو پھر حجاب کی آیت نازل ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۴۴۸۳)

حجاب میں عورت کے لیے اپنے جسم کے کس حصہ کو چھپانا واجب ہے

اور اس کی وضاحت فقہاء کے اس قول سے ہوتی ہے کہ عورت کا احرام اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں میں ہے۔ اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ گواہی دینے کے لیے اپنے چہرہ کو کھولے۔ اور امہات المومنین کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔

اور سلف صالحین کا اس آیت کی تاویل میں اختلاف ہے:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ (النور: ۳۱) اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو۔

جو زینت خود ظاہر ہے اس سے مراد ہے سرمہ اور انگوٹھی اور خضاب اور ہاتھوں کے کنگن اور کانوں کی بالیاں اور کپڑے۔ یا اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ اور مکحول، عطاء اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۹ ص ۳۰۴۔۳۰۵، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۷۵۔۲۵۷۰، تفسیر ابن کثیر ج ۱۰ ص ۲۱۷)

اور اسماعیل بن اسحاق نے کہا: اس تفسیر میں وہ داخل ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ "ماظهر" (جو خود بہ خود ظاہر

ہو) سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، کیونکہ عورت پر واجب ہے کہ نماز میں اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کے ماسوا کو چھپائے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسافروں کے لیے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

عالم کا اپنی تعریف میں اپنے علم کی خصوصیت اور تفرد بیان کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حجاب کی آیت کے نزول کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والا ہوں"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عالم کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کے پاس جو علم ہے وہ لوگوں پر اس علم کو ظاہر کرے اور بتائے کہ یہ علم صرف اسی کے پاس ہے، تاکہ لوگوں کو اس سے اس علم کو حاصل کرنے میں رغبت ہو اور عالم اپنے او پر فخر کرنے اور اپنی شان بڑھانے کی وجہ سے ایسا نہ کہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۱۷۔۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"المناصع" کا بیان

ابوسعید نے کہا: یہ وہ جگہیں ہیں جہاں پر لوگ بول و براز کو رفع کرنے کے لیے جاتے ہیں، اس کا واحد "منصع" ہے۔

الازہری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ یہ وہ جگہیں ہیں جو مدینہ سے باہر ہیں۔ (تہذیب اللغۃ، ج ۴، ص ۳۵۸۶)

اور امام بخاری نے صحیح البخاری: ۶۱۴۶ میں ذکر کیا ہے کہ "منصع" کا معنی ہے کھلا میدان۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۱، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن نے جو کتب لغت کے حوالوں سے "منصع" کا معنی بیان کیا ہے کہ یہ کھلے میدانوں کو کہتے ہیں جن میں لوگ اپنی حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتے ہیں، اس سے واضح ہوا کہ علامہ عینی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ "منصع" مدینہ میں ایک مشہور مقام ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حجاب کے تین مراتب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے: آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں۔

قرآن مجید میں حجاب کے متعلق تین حکم ہیں:

(۱) يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔

اے نبی! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ (الاحزاب: ۵۹)

اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنے چہروں کو اجنبی مردوں سے حجاب میں رکھیں اور عورتوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو چھپا کر رکھیں۔

امام ابن جریر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا

ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے سر کو اور چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں کہ فقط ایک آنکھ کھلی رہے۔ (جامع البیان: ۲۱۸۶۱)

عہد رسالت میں حجاب اور نقاب کا معمول تھا، امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعۂ افک کی حدیث میں روایت کرتے ہیں: میں اپنے پڑاؤ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی، اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل اسلمی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں چلے اور صبح کے وقت میرے پڑاؤ پر پہنچے تو انہوں نے ایک انسانی ہیولا دیکھا، جب وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا، انہوں نے کہا: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' میں یہ سن کر بیدار ہو گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ (صحیح البخاری: ۴۱۴۱)

یہ حدیث اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد ازواجِ مطہرات چادروں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں، حضرت شماس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام خلاد نام کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، درآں حالیکہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی، اس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا اور وہ اس کے متعلق پوچھنے آئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نقاب پہنے ہوئے ہو، اس نے کہا: میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، اپنی حیاء نہیں کھوئی۔ (سنن ابوداؤد: ۲۴۸۸) (انوار تبیان القرآن ص ۶۸۰، فرید بک اسٹال، لاہور)

(۲) اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ (الاحزاب: ۵۳) جب تم نبی کی ازواج سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات اور مسلمانوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا جائے۔

اس سے مراد دنیا اور دنیا کی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز اس آیت میں دلیل ہے کہ مسلمان ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے دینی مسائل بھی طلب کر سکتے ہیں، اس اجازت میں عام مسلم خواتین بھی داخل ہیں، کیونکہ عورتیں مجسم چھپائی جانے والی جنس ہیں، ان کا بدن اور ان کی آواز سب مستور ہے بلکہ واجب الستر ہے اور سوائے شہادت یا علاج کے ان کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۷۹، فرید بک اسٹال، لاہور)

(۳) وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب: ۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ازواجِ مطہرات اپنے گھروں میں لازم رہیں اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر جانا پڑے تو بناؤ سنگھار کر کے گھر سے باہر نہ نکلیں۔

اس آیت میں ایک لفظ ''قرن'' ہے، یہ جمع مونث، امر حاضر کا صیغہ ہے، اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ یا تو یہ ''قرار'' سے بنا ہے، اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: اے نبی کی بیویو! اپنے گھروں میں برقرار رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ''وقار'' سے بنا ہے، اس صورت میں اس کا معنی ہے: اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہو اور بغیر شرعی ضرورتوں کے گھروں سے باہر نہ نکلو، لیکن اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے شرعی ضرورت کے بغیر گھر

سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز (واجب الستر) ہے، جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۷۳) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آنکھ زانیہ ہے اور جب عورت معطر ہو کر کسی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ زانیہ ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۷۸۶)

(انوار تبیان القرآن ص ۶۷۳، فرید بک اسٹال، لاہور)

۱۱۔ بَابٌ: اَلْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ — آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے اجازت لینے کو مشروع کیا گیا ہے

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ استئذان کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تا کہ کوئی شخص اپنے آنکھ سے کسی کے گھر کے وہ احوال نہ دیکھے جن کو گھر والا دکھانا نہیں چاہتا۔

۶۲۴۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَفِظْتُهُ كَمَا أَنَّكَ هَا هُنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اطَّلَعَ رَجُلٌ مِنْ جُحْرٍ فِي حُجَرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ إِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ الزہری نے کہا: میں نے اس حدیث کو اس طرح محفوظ رکھا ہے جیسا کہ تم میرے یہاں پر ہو، از سہل بن سعد روایت ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے سوراخ میں سے جھانکا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لوہے کی سلاخ تھی جس سے آپ اپنے سر کے بال کھجا رہے تھے، آپ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم انتظار کر رہے ہو (یا دیکھ رہے ہو) تو میں اس سلاخ کے ساتھ تمہاری آنکھوں کو زخمی کر دیتا۔ آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے استئذان کو مشروع کیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۹۲۴، ۶۲۴۱، ۶۹۰۱، صحیح مسلم: ۲۱۵۶، سنن ترمذی: ۲۷۰۹، سنن نسائی: ۴۸۵۹، مسند احمد: ۲۲۲۹۶، سنن داری: ۲۳۸۴)

صحیح البخاری: ۶۲۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبد اللہ، یہ المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔
یہ حدیث کتاب اللباس کے باب الامتشاط میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حفظتہ" یعنی میں نے اس حدیث مذکور کو اس طرح محفوظ رکھا ہے جیسا کہ تم یہاں پر ہو، یعنی جس طرح

تمہارا یہاں پر ہونا بالکل ظاہر اور محسوس ہے اور اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے، اسی طرح میں نے اس حدیث کو محفوظ رکھا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من جحر" "جحر" کا معنی ہے سوراخ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فی حُجَرِ النبی ﷺ" یہ لفظ حجرے کی جمع ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے "فی حجرۃ النبی ﷺ" یعنی وہ نبی ﷺ کے حجرے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مدری" اس کا وزن مِفعل ہے نہ کہ فعلی، ابن فارس نے کہا: کہا جاتا ہے "مدرت المرأۃ شعرھا" جب عورت اپنے بالوں کو لوہے کی سلاخ سے سیدھا کرے یا سنوارے۔ الجوہری نے کہا: یہ ایسی چیز ہے جو بناؤ سنگھار کرنے والی عورتوں کے بالوں کی مینڈھیوں کو سیدھا کرتی ہے اور سنوارتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تنتظر" اور ایک روایت میں ہے "تنظر" یعنی وہ مرد حجرے کے سوراخ سے جھانک رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انما جعل الاستئذان من اجل البصر" یعنی گھر میں داخل ہونے کے وقت اجازت طلب کرنے کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ داخل ہونے والے کی نظر گھر والوں کی چھپانے والی چیزوں کے اوپر نہ پڑے اور تاکہ وہ ان کے احوال پر مطلع نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِمِشْقَصٍ أَوْ بِمَشَاقِصَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخْتِلُ الرَّجُلَ لِيَطْعُنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی بکر از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی ﷺ کے کسی حجرے سے دیکھ رہا تھا، نبی ﷺ اس کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ کے پاس ایک نوکدار چیز تھی یا نوکدار چیزیں تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: گویا میں دیکھ رہا تھا کہ نبی ﷺ حیلہ کر رہے تھے کہ کس طرح وہ نوکدار چیز اس میں گھونپ دیں۔

(صحیح بخاری: ۶۸۸۹، ۶۹۰۰، صحیح مسلم: ۲۱۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۰۸، سنن نسائی: ۴۸۵۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۱، مسند احمد: ۱۳۰۹۵)

صحیح البخاری: ۶۲۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے عبید اللہ بن ابی بکر بن انس الانصاری، یہ ابو معاذ البصری ہیں اور وہ اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بمشقص" یہ تیر کا نوکدار پھل ہے جب کہ وہ صرف لمبا ہو اور چوڑا نہ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یختل" یعنی رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اس کی غفلت میں وہ نوکدار چیز اس کو مار دیں، اور یہ اس کے ساتھ مخصوص ہے جو عمداً دیکھے۔ اور جب کسی کی نظر غیر ارادی طور پر واقع ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جس نے ایسے دیکھنے والے کو وہ نوکدار چیز ماری تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو وہ نوکدار چیز ماری گئی ہے تو اس کا زخم شرعاً ضائع ہے، رائیگاں ہے، یعنی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ خفیف چیز کے ساتھ اس کو مارنا جائز ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کو نوکدار چیز مارنے کا فرمایا، یہ بطور تہدید اور تغلیظ ہے، یعنی اس کو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ کیا اس کو نوکدار چیز ڈرانے سے پہلے مارنا جائز ہے، اس میں دو قول ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ ہاں ڈرانے سے پہلے بھی اس کو مارنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت کے مزید دلائل

اس حدیث سے استئذان کے معنی کا بیان معلوم ہوتا ہے، اور استئذان کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تا کہ کوئی شخص مومن کی ان چیزوں پر نظر نہ ڈالے جن کو وہ چھپانا چاہتا ہے اور جن کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی ماں کے پاس آنے کے لیے بھی اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: وہ تو میرے ساتھ گھر میں رہتی ہے، آپ نے فرمایا: اس کے پاس آنے کے لیے بھی اجازت طلب کرو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھو، اس نے کہا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: پھر اس کے پاس آنے کے لیے اجازت طلب کرو۔ (موطا امام مالک ص ۵۹۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ اپنی ماں کے پاس اور نہ اپنی بہن کے پاس بغیر اجازت کے جائے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے، نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں، ان تین اوقات کے بعد

بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (النور: ۵۸)

(بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے، وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں، اللہ اسی طرح (اپنی) آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے، اور اللہ خوب علم والا، بے حد حکمت والا ہے O

اس آیتِ مبارکہ میں ان تین اوقات کے علاوہ نابالغ لڑکے کو بغیر اجازت گھر میں آنے کی اجازت دی ہے، جس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ بالغ لڑکے کو بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

حکم کا کسی علت پر موقوف ہونا اور اس کے انکار پر غیر مقلدین کا رد

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ حکم صرف خصوصیت کے ساتھ اسماء پر لاگو ہوتا ہے اور علت کی وجہ سے کسی چیز پر حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ ان کے رد کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کرنے کی علت یہ بیان فرمائی تا کہ داخل ہونے والے کی نظر گھر کی مخفی چیزوں پر نہ پڑے، اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کاموں کو واجب قرار دیا اور کئی کاموں سے منع فرمایا اور ان کاموں کے وجوب اور ممانعت کی علت آپ نے بیان فرما دی کہ وہ علت پائی جائے گی تو وہ حکم واجب ہو جائے گا اور ممانعت کی علت پائی جائے گی تو حکم ممنوع ہوگا۔

اور قرآن مجید میں اس کی بہ کثرت نظائر ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۳۱)

اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے تا کہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ ہدایت حاصل کریں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین پر اونچے اونچے پہاڑ بنانے کی علت بیان فرمائی ہے تا کہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے، اور اسی طرح یہ آیت ہے:

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر: ۷)

اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تا کہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کفار جو مال چھوڑ کر وطن سے چلے جائیں اور مسلمان ان کے اموال پر قبضہ کر لیں، وہ مالِ فئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ اس مالِ فئے کو رسول کے قرابت داروں، اور یتیموں اور مسکینوں

اور مسافروں پر خرچ کیا جائے، اور پھر اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فئے کو ضرورت مندوں کے لیے دینے کا جو حکم فرمایا ہے، یہ اس لیے فرمایا ہے تا کہ وہ اموال تم میں سے صرف مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النساء:۱۶۵) (اور ہم نے) خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیجنے کی یہ علت بیان فرمائی ہے تا کہ لوگ عذر نہ پیش کریں کہ ہم نے برے کام کیے لیکن ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا اور ہم نے اچھے کاموں کو ترک کیا کیونکہ ہمارے پاس کوئی بتانے والا نہیں تھا، تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیج دیا تا کہ کوئی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے عملی پر کوئی عذر نہ پیش کر سکے۔

اس طرح کی اور بھی بہت آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم کو کسی علت کی وجہ سے نازل فرماتا ہے، اور جب وہ علت پائی جائے گی تو وہ حکم بھی پایا جائے گا، غیر مقلدین اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن قرآن مجید کی ان نصوصِ صریحہ اور بہ کثرت احادیث کے ہوتے ہوئے ان کے انکار کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج۹ ص ۱۸۔۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکنے والے کی آنکھ کو پھوڑنا حملہ آور کی مدافعت نہیں ہے بلکہ جنایت کرنے والے کی سزا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حیلہ کر رہے تھے کہ آپ کے حجرے میں دیکھنے والے کو غافل پا کر اس کی آنکھ پھوڑ دیں، اگر یہ حملہ کو دفاع کرنے کے باب سے ہوتا تو آپ پہلے اس کو تنبیہ فرماتے، پھر جب وہ دیکھنے پر اصرار کرتا اور نہ ہٹتا سوا اس کے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے، تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جاتی، لیکن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ حملہ کی مدافعت نہیں ہے بلکہ جرم کرنے والے کی سزا ہے۔

کیا گھر والوں کی باتیں سننا بھی جرم ہے؟

یعنی کوئی شخص دروازے کے پیچھے سے کھڑا ہو کر آپ کی باتیں سنے تو کیا اب بھی آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اس کی آنکھ پھوڑ دیں؟ اہل علم نے کہا: نہیں! اس لیے کہ آنکھ سے دیکھنا اور لوگوں کی مخفی چیزوں پر مطلع ہونا کسی کی بات سننے سے زیادہ سنگین ہے، نیز کسی کی بات سننا اس وقت ہوگا جب بلند آواز سے بات کی جائے اور جب گھر والے اپنی آوازوں کو بلند کریں حتیٰ کہ ان کی آواز باہر نکلے تو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی آوازوں کو بلند کیا ہے اور اس وجہ سے اگر دروازہ کھلا ہوا ہو اور کوئی آدمی دروازے کے سامنے کھڑا ہو کر دیکھے تو کیا اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی؟ نہیں! اس لیے کہ یہ تفریط اور تقصیر گھر والوں کی طرف سے ہے، پس وہی لوگ ہیں جنہوں نے دروازے کی حفاظت نہیں کی، لیکن جب دروازہ بند ہو اور انسان پھر دیکھے تو پھر اس کی یہ سزا ہے کہ اس کی آنکھ

چھوڑ دی جائے۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی حکمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے کی ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ کہیں اجازت طلب کرنے والے کی نظر گھر کی مخفی چیزوں پر نہ پڑے، اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ ادب یہ ہے جب تم دروازہ کے پاس کھڑے ہو تو دروازہ کی دائیں جانب کھڑے ہو یا بائیں جانب کھڑے ہو، حتیٰ کہ جب وہ شخص آئے جو دروازہ کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو تم اس کے گھر کی اندرونی چیزوں کو دروازہ کھلنے کے بعد نہ دیکھو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مستحسن ادب ہے خاص طور پر قدیم دروازوں میں۔ اور رہا گھر والے کا اس طرف دیکھنا کہ جو دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات کوئی دشمن دروازے پر آیا ہو۔ اور جو شخص اس جرم کی سزا دینے کے لیے کسی کے دماغ پر چوٹ لگائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ رخصت صرف آنکھ پھوڑنے کے متعلق ہے۔

صحابہ کرام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دینا کہ آپ ازواج کو حجاب میں رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل نہ فرمانا

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں کس طرح تطبیق دی جائے گی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کو حجاب میں رکھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گھر سے باہر جاتی تھیں جیسا کہ دیگر عورتیں جاتی تھیں، اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں تھا، لیکن صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم اور توقیر کیا کرتے تھے، انہوں نے پسند کیا کہ آپ کی ازواج حجاب میں رہیں حتیٰ کہ لوگ ان کو نہ دیکھیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۴۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: زِنَا الْجَوَارِحِ دُوْنَ الْفَرْجِ — شرم گاہ کے بغیر دیگر اعضاء سے زنا کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شرم گاہ کے بغیر دیگر اعضاء کا زنا کس طرح ہے، اور جوارح، جارحۃ کی جمع ہے اور انسان کے جوارح اس کے وہ اعضاء ہیں جن کے ساتھ وہ تصرف کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ زنا کا اطلاق شرم گاہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ شرمگاہ کے بغیر دیگر اعضاء پر بھی زنا کا اطلاق ہوتا ہے، پس آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو دیکھنا ہے اور زبان کا زنا فحش کلام کرنا ہے جیسا کہ اس کا بیان حدیث میں آ رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمْ أَرَ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِنْ قَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ ح حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از ابن طاؤس از والد خود، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں: میں نے کوئی چیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے

طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ۔

قول سے زیادہ لمم (صغیرہ گناہ) کے مشابہ نہیں دیکھی ح اور مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی بہ نسبت کوئی چیز لمم (صغیرہ گناہ) کے مشابہ نہیں دیکھی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا، پس آنکھوں کا زنا (اجنبی عورت کو) دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا (فحش) کلام کرنا ہے، اور نفس اس کی تمنا کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے، اور شرمگاہ اس سب کی تصدیق کرتی ہے اور تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۶۱۲، صحیح مسلم: ۲۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۲، مسند احمد: ۷۶۶۲)

صحیح البخاری: ۶۲۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابق اس جملہ میں ہے: ''پس آنکھوں کا زنا (اجنبی عورت کو) دیکھنا ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی پہلی سند میں مذکور ہے الحمیدی، یہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں جو اپنے اجداد میں سے ایک کی طرف منسوب ہیں، اور لفظ حُمید، حمد کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور ابن طاؤس کا ذکر ہے، وہ عبداللہ ہیں، اور طاؤس، ابن کیسان الیمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمود کا ذکر ہے، وہ ابن غیلان ہیں۔ اور عبدالرزاق کا ذکر ہے، وہ ابن ہمام ہیں۔ اور معمر کا ذکر ہے، وہ ابن راشد ہیں۔

اور اس حدیث کی دوسری سند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر اکتفاء کی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللمم'' اس کا معنی ہے: جو چیز کسی شخص کو نفس کی شہوات میں داخل کر دے۔ دوسرا قول ہے اس کا معنی ہے: وہ کام جو گناہوں کے قریب ہو، اور تیسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: گناہ صغیرہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لامَحالۃ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے کسی کام کے متعلق جو لکھ دیا ہے، بندے کے لیے اس کام کو کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''والفرج یصدق ذالک'' اس پر یہ سوال ہے کہ تصدیق اور تکذیب تو خبر کی صفت ہیں، تو یہاں اس کا کیا معنی ہے؟

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ تصدیق کا معنی ہے: وہ حکم جو واقع کے مطابق ہو اور تکذیب کا معنی ہے وہ حکم جو واقع کے مطابق نہ ہو، سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کا نفس جو بھی خواہش کرتا ہے تو اس کی شرمگاہ اگر اس کے مطابق عمل کرے تو وہ تصدیق ہے، اور اگر اس کے خلاف عمل کرے تو وہ اس کی تکذیب ہے۔

آنکھ سے زنا کی وضاحت

انسان جو پہلی نظر کسی اجنبی عورت پر ڈالے تو وہ معاف ہے، اور جب وہ دوسری نظر لذت اور شہوت کے اعتبار سے اس عورت پر ڈالے تو یہ آنکھ کا زنا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ کسی عورت کے ساتھ فحش کام کرنے کے متعلق لذت سے کلام کرے تو یہ پھر اس کی زبان کا زنا ہے۔

جب کسی شخص نے کہا کہ تمہارے ہاتھ نے زنا کیا یا تمہارے پیر نے زنا کیا، تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی۔ اور ابن القاسم مالکی نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور التوضیح میں مذکور ہے: امام شافعی نے کہا: جب کسی شخص نے کہا کہ تیرے ہاتھ نے زنا کیا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے، پس الروضۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جب کسی شخص نے کہا کہ تیری آنکھ نے زنا کیا، یا تیرے ہاتھ نے زنا کیا، یا تیرے پیر نے زنا کیا تو یہ کنایہ کے ساتھ اس کی طرف زنا کی نسبت کرنا ہے اور جمہور شافعیہ کا یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷، ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آنکھوں اور زبان کے زنا کے گناہِ صغیرہ ہونے کی توجیہ

آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت پر پہلی نظر پڑنے سے روکنے پر انسان کو قدرت نہیں ہے لیکن جب وہ پہلی نظر کے بعد دوبارہ اس اجنبی عورت کی طرف لذت اور شہوت کے ساتھ دیکھے گا تو یہ اس کی آنکھ کا زنا ہے۔

اسی طرح زبان کا زنا یہ ہے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے کی لذت کے ساتھ بات کرے جس عورت کے ساتھ مباشرت کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

اور نفس کا زنا یہ ہے کہ وہ دل میں زنا کی تمنا اور خواہش کرے، کیونکہ یہ شرمگاہ میں زنا کرنے کے دواعی ہیں۔

اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا، یعنی ابن آدم اس حصے سے چھٹکارا پانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے متعلق جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں سابق ہے، اور اس کا کرنا ضروری ہے۔ اور انسان اس پر قادر نہیں ہے کہ اس چیز کو اپنے آپ سے دور کر دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فضل فرمایا اور آنکھ اور زبان کے زنا کو لمم اور گناہِ صغیرہ قرار دیا۔ اور انسان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ گناہِ صغیرہ کو ترک کرے، جب تک کہ اس کی شرمگاہ نے ان گناہوں کی تصدیق نہ کی ہو۔ پس جب شرم گاہ اس کی تصدیق کر دے تو پھر یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نرمی ہے اور رحمت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کمزور خلقت میں پیدا کیا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لمم اور گناہِ صغیرہ پر بھی مواخذہ کرتا اور حدیثِ نفس پر بھی مواخذہ کرتا تو یہ اس کا عدل ہوتا اپنے بندوں پر، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ وہ تھوڑی سی نیکی کو قبول کر لیتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، یہ اس کا فضل اور احسان ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امرد اور بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے دیکھنے کا حکم

بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے دیکھنا اجنبی عورت کی طرف دیکھنے سے زیادہ خبیث ہے، جیسا کہ لواطت زنا سے زیادہ خبیث ہے، یہی وجہ ہے کہ لواطت کی حد میں راجح یہ ہے کہ اس کی حد زنا سے زیادہ سنگین ہے، اور فاعل اور مفعول بہ کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا خواہ وہ غیر شادی شدہ ہو، پس فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دیا جائے گا۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے یعنی فاعل اور مفعول کو قتل کرنے پر خواہ وہ غیر شادی شدہ ہوں، لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: انہیں آگ میں جلا دیا جائے، اور بعض دوسرے علماء نے کہا: ان کو پتھروں سے رجم کر دیا جائے، اور بعض دوسروں نے کہا: انہیں بلندی سے شہر میں پھینکا جائے اور پھر ان پر پتھر مارے جائیں۔

اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس کا فساد بہت سنگین ہے۔ اس میں مرد عورتوں کی مثل ہو جاتا ہے۔ اور مفعول بہ کا نفس ٹوٹ جاتا ہے اور وہ مردوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسا کہ عورتیں مرد کی طرف دیکھتی ہیں، اسی لیے اس کا جرم زنا سے زیادہ سنگین ہے، پس جس نے بے ریش کی طرف شہوت سے دیکھا تو بس وہ العیاذ باللہ اس کی طرح ہے جو عورتوں کی طرف دیکھتا ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ امرد سے بچو کیونکہ اس کا فتنہ کنواری لڑکیوں سے زیادہ شدید ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۳۔ ۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: التَّسْلِيمِ وَالِاسْتِئْذَانِ ثَلَاثًا

تین مرتبہ سلام کرنے اور تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلام اور اجازت کو طلب کرنا تین تین مرتبہ ہونا چاہیے، خواہ وہ ملے ہوئے ہوں یا الگ الگ ہوں۔

تین مرتبہ سلام اور کلام کرنے کی حکمت

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ سنانے اور بات سمجھانے میں مبالغہ کے لیے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، پس قصوں کو اور خبروں کو اور اوامر کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ اللہ کے بندے یہ سمجھ لیں کہ دوسری مرتبہ سننے کے بعد تدبر کریں اور تیسری مرتبہ سننے کے بعد پہلی مرتبہ سے زیادہ تدبر کریں اور وہ چیز ان کے دل میں راسخ ہو جائے اور بار بار ذکر سے پختہ ہو جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کا تکرار کرنا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاکید کے لیے ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ہو کہ پتا نہیں اس نے یہ بات سمجھ لی ہے یا نہیں اس لیے دوبارہ ذکر کیا ہو، پھر تیسری مرتبہ ذکر کیا تاکہ زیادہ پختگی حاصل ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۴۔ ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا۔

(صحیح بخاری: ۹۵، ۶۲۴۴، سنن ترمذی: ۲۷۲۳، مسند احمد: ۱۲۸۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثمامہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے اور جب آپ کلام فرماتے تو ایک بات کو تین مرتبہ دہراتے۔

صحیح البخاری: ۶۲۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، وہ ابن منصور ہیں۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: وہ ابن ابراہیم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد الصمد کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الوارث ہیں۔ اور عبد اللہ بن المثنیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن انس ہیں۔ اور ثمامہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن انس ہیں جو بصرہ کے قاضی ہیں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم میں ''باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفهم'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی کا بیان اور تین مرتبہ سے زیادہ سلام کرنے کی تحقیق

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے، اور جب کوئی بات کرتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کہ یہ صیغہ عموم کا تقاضا کرتا ہے لیکن مراد خصوص ہے، یعنی

غالب احوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔اور اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا ہے۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ اس پر اعتراض ہے، کیونکہ محض صیغہ دوام اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فعل مضارع تکرار کی خبر دیتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تین مرتبہ سلام کیا، پھر اس نے یہ گمان کیا کہ شاید اس کا سلام مخاطب نے نہیں سنا یا گھر والے نے نہیں سنا تو وہ کیا تین مرتبہ سے زیادہ سلام کرے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ پر زیادہ نہ کرے، اور ظاہر حدیث کی پیروی کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین مرتبہ سے زیادہ سلام کرے حتیٰ کہ اسے متحقق ہو جائے کہ گھر والوں نے سن لیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ إِذْ جَاءَ أَبُو مُوسَى كَأَنَّهُ مَذْعُورٌ فَقَالَ اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ قُلْتُ اسْتَأْذَنْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ وَاللهِ لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بِبَيِّنَةٍ أَمِنْكُمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَاللهِ لَا يَقُومُ مَعَكَ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَكُنْتُ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقُمْتُ مَعَهُ فَأَخْبَرْتُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ ذَلِكَ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنِي ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ بِهَذَا۔

(صحیح بخاری: ۲۰۶۲، ۶۲۴۵، صحیح مسلم: ۲۱۵۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن خصیفہ نے حدیث بیان کی از بُسر بن سعید از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی مجالس میں سے کسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ آئے گویا کہ وہ خوفزدہ تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، تو میں واپس چلا گیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے اندر آنے سے روکا، میں نے کہا کہ میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی، سو میں واپس چلا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے، سو اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم ضرور اس حدیث پر کوئی گواہ پیش کرو، کیا تم میں سے کسی ایک نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ صرف وہی شہادت دے گا جو لوگوں میں سب سے کم عمر ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں لوگوں میں سب سے کم عمر تھا، میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے

ساتھ کھڑا ہوا اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

اور ابن المبارک نے کہا: مجھے ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یزید بن خصیفہ نے حدیث بیان کی از بُسر بن سعید، میں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی طرح سنا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن خصیفہ، خصیفہ، خصفۃ کی تصغیر ہے، یہ کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُسر، یہ ابن سعید المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید الخدری، یہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابوموسیٰ، یہ عبداللہ بن قیس الاشعری ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کانہ مذعور" کہا جاتا ہے "ذعرتہ" یعنی میں نے اس کو ڈرایا، دھمکایا۔ اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ہم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا کہ میں ان کی طرف آؤں، پس میں ان کے دروازہ پر گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظتِ حدیث کے معاملہ میں سختی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال ما منعك" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں مجلس میں داخل ہونے سے کس چیز نے روکا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ پس انہیں اجازت نہیں دی گئی تو وہ اپنے گھر کی طرف چلے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مشغول تھے، جب وہ فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: کیا تم نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز نہیں سنی؟ انہیں اجازت دو، کہا گیا: وہ تو واپس چلے گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور کہا: تمہیں کس چیز نے داخل ہونے سے منع کیا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے تین مرتبہ داخل ہونے کی اجازت طلب کی، پس مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس چلا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم ضرور اس حدیث پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تم کو دردناک سزا دوں گا۔ اور بکیر بن الاشج کی روایت میں ہے کہ پس اللہ کی قسم! میں تمہاری پیٹھ کے اوپر اور پیٹ کے اوپر کوڑے ماروں گا اگر تم میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں لائے جو تمہارے حق میں گواہی دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح

فرمایا ہے۔اور عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ تم ضرور اس پر کوئی گواہ لاؤ۔اور ابونضرہ کی روایت میں ہے: اگر تم گواہ نہیں لائے تو میں تم کو عبرت کا نشان بنادوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''کیا تم میں سے کسی نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟'' اور عبید بن عمیر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کی مجلس کی طرف گئے اور ان سے سوال کیا۔اور ابونضرہ کی حدیث میں ہے، انہوں نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مرتبہ اجازت طلب کی جائے۔راوی نے کہا: پس وہ ہنسنے لگے تو میں نے کہا کہ تمہارے پاس تمہارا بھائی آیا ہے اور وہ خوف زدہ ہے اور تم ہنس رہے ہو؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال ابی بن کعب'' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے ساتھ شہادت کے لیے وہی جائے گا جو قوم میں سب سے کم عمر ہے۔اور بکیر بن الاشج کی روایت میں ہے، پس اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ وہی جائے گا جو ہم میں سب سے کم عمر ہے، اے ابوسعید! تم اٹھو، پس میں اٹھ کر ان کے ساتھ گیا اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے۔اے ابن خطاب! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر عذاب نہ بنیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایک حدیث سنی تو میں نے چاہا کہ میں اس کی تحقیق کرلوں تو کون ابوموسیٰ کی اس حدیث میں موافقت کرے گا؟

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۵-۳۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۵ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف

علامہ المہلب مالکی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تین مرتبہ سلام کرنا اور تین مرتبہ کسی کلام کو دہرانا اس لیے ہوتا تھا کہ اچھی طرح مسئلہ کو سمجھایا جاسکے اور اچھی طرح کسی بات کو پہنچایا جاسکے، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں قصص اور اخبار اور اوامر اور نواہی کو مکرر بیان فرمایا گیا ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ تین مرتبہ اجازت طلب کی جائے، اگر اس کو اجازت مل جائے تو فبہا، ورنہ اگر وہ چاہے تو واپس چلا جائے، اور اگر چاہے تو تین دفعہ سے زیادہ سلام کرے اور اجازت طلب کرے، یعنی اس پر تین دفعہ کے بعد واپس جانا واجب نہیں ہے۔

اور علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ تین دفعہ اجازت طلب کرنا مستحسن ہے، اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص تین دفعہ سے زیادہ اجازت طلب کرے مگر جب اس کو یہ یقین ہو کہ گھر والوں نے اس کی آواز نہیں سنی تو اب کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ تین دفعہ سے زیادہ اجازت طلب کرے یا سلام کرے۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہر اس قول کو مسترد کرتا ہے، کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا کہ تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہیں کی جائے گی، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اس معنی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔اور اگر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جائز ہوتا کہ تین دفعہ سے بھی زیادہ سلام کرنا اور اجازت

طلب کرنا جائز ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرتے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ اپنے موقف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کریں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے تین مرتبہ زیادتی نہ کرنے پر انکار کیا۔

بعض اہل بدعت کے اس قول کا رد کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واحد عدل کی خبر کو قبول نہیں کرتے تھے اور یہ غلط تاویل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف کے مذہب سے جہالت ہے

اور اس حدیث کی بعض سندوں سے یہ روایت ہے (سنن ابوداؤد: ۵۱۸۳-۵۱۸۴) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: لیکن میں تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتا، لیکن میرا ارادہ یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اوپر بے دھڑک جرأت نہ کریں۔

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ واحد کی خبر میں غور و خوض کرنا چاہیے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی سہو ہو گیا ہو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خبرِ واحد کو قبول کرنا بہت مشہور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن سفیان کی خبرِ واحد کو قبول کیا کہ عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۲۷، سنن ترمذی: ۱۴۱۵، ۲۱۱۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۲)

نیز سفیان بن عیینہ نے از زہری از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ دیت عاقلہ کے لیے ہوتی ہے اور عورت اپنے خاوند کی دیت کی بالکل وارث نہیں ہوتی حتیٰ کہ ان سے الضحاک بن سفیان نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف یہ لکھا تھا کہ میں اشیم الضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند کی دیت سے وارث بناؤں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابوداؤد: ۲۵۹۹، الارواح: ۲۶۴۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمل بن مالک الہذلی الاعرابی کی خبرِ واحد کو قبول کر لیا کہ پیٹ کے بچے کی دیت ایک غلام کو آزاد کرنا ہے یا ایک باندی کو آزاد کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۲، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۱-۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۴)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے طاؤس سے سنا از ابن عباس از حضرت عمر رضی اللہ عنہم، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے متعلق معلوم کیا تو حمل بن مالک النابغہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں دو عورتوں کے درمیان تھا، ایک عورت نے دوسری عورت کو ایک لکڑی ماری اور اس کو بھی مار ڈالا اور اس کے پیٹ کے بچہ کو بھی مار ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں ایک غلام کی دیت کو واجب کیا اور اس عورت کے متعلق حکم دیا کہ اسے قتل کیا جائے۔ (صحیح ابن حبان: ۶۰۲۱)

اور شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبرِ واحد کو جزیہ کے متعلق قبول فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۷، ۳۱۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۴۳، مسند احمد: ۱۶۶۰)

اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبرِ واحد کو طاعون کے متعلق قبول فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۲۹، ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۱۶۸۵، ۱۶۶۹، موطا امام مالک: ۱۶۵۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خبرِ واحد کو قبول کرنے کی متعدد مثالیں اور واقعات

اور کوئی عقل مند اس میں شک نہیں کرے گا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا عادل ہونا اس اعرابی الھزلی سے زیادہ مشہور تھا۔
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیثِ سقیفہ میں کہا کہ میں ایک حدیث بیان کر رہا ہوں، جس نے اس کو یاد کر لیا اور اس کو اپنے دل میں محفوظ کر لیا، اس کو چاہیے کہ وہ اس کی روایت کرے۔

(صحیح البخاری، ۶۸۳۰، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤ: ۴۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۳، مسند احمد: ۳۹۳، موطا امام مالک: ۱۵۵۸، سنن دارمی: ۲۷۸۴)

اور پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ یہ حکم دیں کہ جو ان سے حدیث سنے وہ اس کو روایت کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو روایت کرنے سے منع کرے اور خبرِ واحد کو قبول نہ کرے، یہ بات وہی شخص کہے گا جو معاند ہوگا اور جاہل ہوگا۔
نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو عالمِ متبحر ہو کبھی اس سے بھی کوئی علم مخفی رہ جاتا ہے جسے اس سے بہت کم درجے کے لوگ جانتے ہیں، اور تمام چیزوں کے علم کا احاطہ کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ کی شان ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۲۔ ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تو اجازت طلب کرنے والے کو لوٹ جانا چاہیے

یہ بھی استئذان ہے کہ جب انسان کو تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود اجازت نہ دی جائے تو وہ لوٹ جائے، کیونکہ جب اس نے تین مرتبہ اجازت طلب کی اور اس کو اجازت نہیں دی گئی تو اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) یا تو گھر والا موجود نہیں ہے (۲) یا وہ موجود تو ہے لیکن وہ اس کے آنے کو پسند نہیں کرتا۔ پس اگر ہم فرض کر لیں کہ اس نے تمہارے لیے دروازہ کھول دیا اور کہا کہ تم لوٹ جاؤ، تو تم پر لازم ہے کہ تم لوٹ جاؤ اور یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ عمل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (النور: ۲۸)

اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے O

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول نہ کرنے کی توجیہ

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو قصہ ہے، تو اس میں ایک اشکال ہے اور یہ معلوم ہے کہ حدیث کو قبول کیا جاتا ہے خواہ اس کو روایت کرنے والا ایک شخص ہو، پھر کس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے گواہ کو طلب کیا، حالانکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث کی روایت کی ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ ہم اسی حدیث کو قبول کریں گے جس کے ساتھ کوئی گواہ ہو، پھر تو تمام وہ احادیث ضائع ہو جائیں گی جن کی صرف ایک

صحابی روایت کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام اپنے نفس سے مدافعت کا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صادق ہیں، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس کے دفاع کے لیے کوئی حدیث گھڑ لیتا ہے، تو اس کے سدِ باب کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے گواہ کو طلب کیا، تا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا نہ کرے کہ وہ اپنے نفس کے دفاع میں کوئی حدیث گھڑ لے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سدِ باب کے لیے اس شخص سے بھی گواہ طلب کیا جس کا صادق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح تھا، پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر تہمت نہیں لگائی لیکن انہوں نے زیادہ ثبوت کا ارادہ کیا، یہ امر ان کے نزدیک ثابت تھا لیکن ان کو یہ خوف ہوا کہ کوئی شخص اپنے نفس کے دفاع میں کہہ دے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے تا کہ اپنے نفس سے کسی تہمت کو دور کرے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین نے صحیح کہا ہے؟ حالانکہ حضور کو معلوم تھا کہ ذوالیدین صحابی ہیں اور وہ غلط بات نہیں کہہ سکتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ثبوت اور تحقیق کے لیے پوچھا کہ کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۶-۴۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴- بَابٌ: إِذَا دُعِيَ الرَّجُلُ فَجَاءَ هَلْ يَسْتَأْذِنُ؟

اس کا بیان کہ جب کسی مرد کو بلایا جائے، پس وہ آ جائے تو کیا وہ اجازت طلب کرے گا؟

قَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: هُوَ إِذْنُهُ۔

اور سعید نے کہا از قتادہ از ابو رافع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی اس کو بلانا ہی اجازت ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی مرد کسی شخص کو اپنے گھر کی طرف بلائے، سو وہ آ جائے تو کیا اب وہ اجازت طلب کرے گا؟ امام بخاری نے اس کا جواب ذکر نہیں کیا، اور اس سلسلہ میں جو حدیث آ رہی ہے، اسی پر اکتفاء کر لی۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں جس سعید کا ذکر ہے، یہ سعید بن عروبہ ہیں۔ اور اس میں ابو رافع کا ذکر ہے، شعبہ بن الحجاج نے کہا کہ ابو رافع کا نام نفیع ہے، اور یہ سنان بصری ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جاہلیت کو پایا اور یہ مدینہ میں تھے، پھر مدینہ سے بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے، اس تعلیق کو سندِ موصول کے ساتھ امام ابوجعفر طحاوی نے از ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ از المعتمر روایت کیا ہے اور ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بلایا جائے، سو وہ بلانے والے کے ساتھ آ جائے، پس یہ اس کے لیے اذن ہے یعنی اجازت ہے، یعنی اس کو بلانا ہی نفسِ اذن ہے تو دوبارہ اذن کی تجدید کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٢٤٦- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ أَخْبَرَنَا مُجَاهِدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ أَبَا هِرٍّ الْحَقْ أَهْلَ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ إِلَيَّ قَالَ فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا فَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۰۳۰۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، اور ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں عمر بن ذر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مجاہد نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ داخل ہوا، پس آپ نے ایک پیالے میں دودھ کو پایا، تو آپ نے فرمایا: اے ابوہر، اہل صفہ کے پاس جاؤ، سوان کو میرے پاس بلاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں ان کے پاس آیا، پس ان کو بلایا، تو انہوں نے میرے بلانے کو قبول کیا اور انہوں نے اجازت طلب کی، تو آپ نے ان کو اجازت دی، پس وہ داخل ہو گئے۔

صحیح البخاری: ٦٢٤٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت اس وقت تک واضح نہیں ہوگی جب تک کہ ہم اس باب کے عنوان میں تفسیر کو بیان نہ کریں، کیونکہ اس عنوان میں کہا ہے: پس وہ آ گیا، تو کیا وہ اجازت طلب کرے گا؟ یعنی اگر بلانے والے کے ساتھ وہ شخص آیا، یا وہ اکیلا آیا جب اس کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلایا تھا، تو جب وہ بلانے والے کے ساتھ آئے گا تو اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حدیث معلق بھی اسی پر محمول ہے، اسی لیے فرمایا کہ وہ اس کی اجازت ہے، اور حدیث ثانی میں مذکور ہے کہ وہ تنہا آئے یعنی جن کو بلایا تھا وہ تنہا آئے۔ تو اس لیے انہیں ضرورت ہوئی کہ وہ اجازت طلب کریں تو اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے، پس انہوں نے قبول کیا اور یہ نہیں کہا کہ ہم نے قبول کیا، کیونکہ اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ آتے تو کہتے کہ ہم نے قبول کیا، اور اس سے وہ تعارض دور ہو گیا جو ان دونوں حدیثوں میں باعتبار صورت کے ہے، پس حدیث اول اور عنوان میں مطابقت اس طرح ہے کہ جس کو بلایا تھا، وہ بلانے والے کے ساتھ آیا اور حدیث ثانی میں اور عنوان کے درمیان مطابقت اس طرح ہے کہ بلانے والا ان کے ساتھ نہیں آیا تھا، پس اصل عبارت یوں ہوگی کہ کیا اس صورت میں اجازت طلب کی جائے، جواب ہے کہ ہاں، جب وہ بلانے والے کے ساتھ آئے گا تو پھر اجازت نہیں طلب کی جائے گی اور جب وہ اکیلا آئے گا اور بلانے والے کے ساتھ نہیں آئے گا تو پھر اجازت طلب کی جائے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اباھر" یعنی اے ابا ہر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اھل الصفه" یہ وہ چبوترہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تھا اور اس میں فقراء صحابہ رہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۸ ۔۷۷ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص کو بلایا جائے تو بعض صورتوں میں اس کو اجازت لینے کی ضرورت ہے اور بعض صورتوں میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب کسی شخص کو بلایا جائے اور وہ اس بلانے پر فوراً آ جائے اور دیر نہ کرے تو اس کو بلانا ہی اس کی اجازت ہے، پس اگر اس کو بلایا جائے اور جس وقت اسے بلایا جائے اس کے بعد وہ آئے تو پھر وہ اجازت طلب کرے گا، اسی طرح جب اسے کسی ایسی جگہ بلایا جائے جس کے متعلق اسے یہ علم نہ ہو کہ یہاں پر کسی شخص کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہے تو وہ نہ داخل ہو حتیٰ کہ اجازت طلب کر لے، اور اگر وہاں پر کوئی ایسا شخص ہو جس کو اس کے بلانے سے پہلے اجازت دی گئی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بھی داخل ہو جائے خواہ اس کے بلانے کو تاخیر ہو چکی ہو۔ اور اس کے اور اس زمانہ کے درمیان اتنا ممکن ہو کہ بلانے والا اپنے کسی کام سے فارغ ہو جائے یا کسی اور کام میں مصروف ہو جائے یا اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی تصرف کرے تو پھر اس کا بلانا فوت نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ شخص اجازت طلب کرے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کی تعلیق اور ان کی روایت میں تعارض کا جواب

امام بخاری نے اپنی تعلیق میں کہا ہے کہ جب کسی شخص کو بلایا گیا تو اس کو بلانا ہی اس کے داخل ہونے کی اجازت ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابو جعفر نے از ابراہیم از معتمر از ابن عیینہ از سعید روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بلایا جائے اور وہ بلانے والے کے ساتھ آ جائے تو یہ اس کی اجازت ہے، اور جو اس کے بعد حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، اس سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کو بلایا گیا ہے وہ بلانے والے کے ساتھ آیا تو اب وہ سلام کرنے سے اور اجازت طلب کر لے سے مستغنی ہو گیا، اور دوسری حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کو بلایا گیا وہ بلانے والے کے ساتھ نہیں آیا، تو جب وہ بلانے والے کے ساتھ نہیں آیا تو پھر وہ اجازت طلب کرے گا، تو اصحاب صفہ نے اجازت طلب کی، اور آپ نے انہیں اجازت دی تو وہ داخل ہو گئے۔

گھر میں داخل ہونے کی اجازت لینے کا طریقہ

امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں از ربعی بن حراش روایت کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرد نے حدیث بیان کی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور آپ اس وقت گھر میں تھے، اس نے کہا کیا: میں داخل ہو جاؤں، تو آپ نے خادم سے فرمایا: جاؤ اس کے پاس اور اس کو اجازت کا طریقہ سکھاؤ اور اس سے کہو کہ تم کہو: السلام علیکم، کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اور ابوایوب سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سلام ہے، تو اجازت طلب کرنا کیسے ہوگا، تو آپ نے فرمایا: کوئی مرد سبحان اللہ کہے یا اللہ اکبر کہے یا الحمدللہ کہے یا کھنکھارے تو گھر والے اس کو اجازت دیں گے۔

اور حارث از عبدالرحمٰن بن نجیح از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو بھی اور دن کو بھی آتا جاتا تھا، پس جب میں آپ کے پاس آتا اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ میرے لئے کھنکھارتے۔

اور زید بن اسلم نے کہا کہ مجھے میرے والد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا تو میں نے کہا: کیا میں داخل ہو جاؤں؟ تو انہوں نے کہا: اس طرح نہ کہو لیکن کہو: السلام علیکم! پس جب تمہیں سلام کا جواب دیا جائے تو پھر داخل ہو جانا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۶۶۳، ۲۵۶۶۵، ۲۵۶۶۷)

اور ابوزبیر نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایک مرد مجھ سے اجازت طلب کرتا ہے اور سلام نہیں کرتا، کیا میں اجازت دوں؟ تو انہوں نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور لوگ ایسا کرتے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کسی کو اجازت نہ دو حتیٰ کہ وہ تم کو سلام کرے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تمہیں بلایا جائے تو یہ تمہارے لیے اجازت ہے، پس تم سلام کرو اور پھر داخل ہو، اور ابن یزید نے کہا: ایک مرد نے کسی صحابی سے اجازت طلب کی اور وہ مرد دروازہ پر کھڑا ہوا تھا، اس نے کہا: کیا میں داخل ہو جاؤں تین مرتبہ، اور وہ اس صحابی کی طرف دیکھ رہا تھا، انہوں نے اس کو اجازت نہیں دی، پھر اس نے کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں تو انہوں نے کہا: ہاں، پس انہوں نے کہا: اگر تم ساری رات کھڑے رہتے اور کہتے: کیا میں داخل ہو جاؤں تو میں تمہیں اجازت نہ دیتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۸۱۷، ۲۵۸۲۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بلانے کے باوجود داخل ہونے کے لیے اجازت لینا عرف پر موقوف ہے

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص کو بلایا جائے تو آیا وہ داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرے یا نہ کرے؟ اور صحیح یہ ہے کہ یہ معاملہ عرف پر موقوف ہے۔

اگر عرف اور عادت اس پر مبنی ہو کہ کسی کا بلانا اس کو داخل ہونے کی اجازت دینا ہے جیسا کہ ایک مرد کسی گھر میں آیا اور دروازہ کھلا ہوا ہے اور لوگ اس میں داخل ہو رہے ہیں تو یہ اجازت ہے، اور اس کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ داخل ہونے کے لیے

اجازت طلب کرے، لیکن اگر اس نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے تو وہ اجازت طلب کرے گا خواہ اس کو بلایا گیا ہو، اس لیے کہ مرد بسا اوقات گھر میں داخل ہوتا ہے اور دروازہ بند کر دیتا ہے اور اس وقت کسی کو بغیر اجازت کے اس گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

ضرورت سے زیادہ کھانا یا مضر چیز کو کھانا جائز نہیں ہے

اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ذکر کی ہے، اس میں اہلِ صفہ کا قصہ مشہور ہے اور اس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! پیو، انہوں نے کہا: میرے پیٹ میں تو اب جگہ نہیں ہے، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنے پیٹ کو بھر لیتا ہے لیکن خفیف چیز سے جیسے دودھ نہ کہ ثقیل چیز سے۔ اسی لیے شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسا طعام کھائے جس سے اس کو ایذاء ہو یا اس سے اس کو بدہضمی ہو، کیونکہ اس میں بدن کو نقصان پہنچانا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاضرر ولاضرار'' کوئی شخص کسی کو ضرر نہ پہنچائے، اور نہ دو آدمیوں سے ہر ایک دوسرے کو ضرر پہنچائے'' (سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۱)۔ پس انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ کھانے سے اپنے پیٹ کو بھر لے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوکے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۷-۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۵- بَابُ: التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ — بچوں کو سلام کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچوں کو سلام کرنا بھی مشروع اور جائز ہے۔

۶۲۴۷- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از سیار از ثابت البنانی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرح کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۶۸، سنن ترمذی: ۲۶۹۶، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۰، مسند احمد: ۱۱۹۲۸، سنن دارمی: ۲۶۳۶)

صحیح البخاری: ۶۲۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن الجعد مذکور ہے، یہ ابن عبید ابو الحسن الجوہری البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سیار مذکور ہے، یہ ابو العنز الواسطی ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ثابت سے صرف یہی حدیث مروی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ثابت البنانی کا ذکر ہے، سعد بن لوی کی اولاد ان کی طرف منسوب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یفعلہ'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو سلام کرتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا آپ کا خلق

عظیم ہے اور ادبِ شریف ہے۔ اور اس حدیث میں سنتوں کی تعلیم دینے کی مشق ہے اور آدابِ شریعت کی ریاضت ہے، تا کہ لوگ سنت کے آداب پر عمل کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ خوبصورت بچے کو سلام نہ کیا جائے کیونکہ اس کو سلام کرنے میں فتنہ کا خدشہ ہے۔ اور اگر بچہ کسی بالغ کو سلام کرے تو بالغ پر واجب ہے کہ اس کے سلام کا جواب دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: ہم نے اس باب کی شرح میں علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن سے کچھ نقل نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن بطال نے اس باب کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اور علامہ ابن ملقن نے جو کچھ لکھا ہے یہ وہی ہے جس کو علامہ عینی سے ہم نقل کر چکے ہیں، ذیل میں ہم دونوں کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۴، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۶)

صحیح البخاری: ۶۲۴۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے کہ آپ جب چھوٹے بچوں کے ساتھ گزرتے تو ان کو سلام کرتے، اور یہ مکارمِ اخلاق اور تواضع کے باب سے ہے اور بچوں کو اخلاق اور مکارم کی تعلیم دینا ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ کیا بچوں کے سلام کا جواب دینا جائز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کہا جاتا ہے کہ بچوں کے سلام کا جواب دینا واجب ہے، کیونکہ یہ آدمی کے حق کو متضمن ہے، اور کبھی کہا جاتا ہے کہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو تعلیم دی جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ جب کوئی سلام کرے تو ان کو جواب دیا جاتا ہے اور بچہ وہ ہے جو بلوغت کی عمر تک نہ پہنچا ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بچوں کو سلام کرنے کے متعلق دیگر احادیث اور ان کے مسائل

امام نسائی نے اس باب کی حدیث کو جعفر بن سلیمان کی سند سے زیادہ مکمل طریقے سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ اس طرح سے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار سے ملاقات کے لیے جاتے تو ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے حق میں دعا فرماتے، اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اکثر کرتے تھے بخلاف صحیح بخاری کی حدیث کے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو سلام کیا، سو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، اور میں ان بچوں کے اسماء پر واقف نہیں ہوا۔

اور امام ابونعیم نے عمل الیوم واللیلۃ میں از عثمان بن مطر از ثابت اس طرح روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: السلام علیکم بچو! اور اس حدیث کی روایت کرنے والا عثمان ضعیف ہے۔ اور امام ابوداؤد نے از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اور میں اس وقت ایک لڑکا تھا اور لڑکوں میں موجود تھا تو آپ نے ہم کو سلام کیا، پھر آپ نے مجھے ایک پیغام دے کر

بھیجا۔ الحدیث۔۔۔ اور عنقریب حفظ السر کے باب میں یہ حدیث آئے گی۔ اور امام بخاری نے الادب المفرد میں بھی اس کی مثل ایک حدیث روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ ہم بچے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سلام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا اور آپ راستہ میں بیٹھ گئے اور میرا انتظار کر رہے تھے حتیٰ کہ میں واپس آیا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: بچوں کو سلام کرنے میں ان کو شریعت کے آداب سکھانے کی مشق کرانی ہے، اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ بڑوں کو چاہیے کہ بڑائی کی چادر کو اتار دیں اور تواضع کے راستہ کو اختیار کریں اور نرم جانب کو اختیار کریں۔ ابو سعید المتولی نے التتمہ میں لکھا ہے کہ جس نے بچے کو سلام کیا تو بچے پر اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، کیونکہ بچہ اہلِ فرائض میں سے نہیں ہے، اور بچے کے ولی کو یہ چاہیے کہ اس کو سلام کا جواب دینے کا حکم دے تاکہ بچے کو سلام کا جواب دینے کی عادت پڑے۔ اور اگر ایک جماعت کو سلام کیا جائے جس میں بچہ بھی ہو اور صرف بچہ سلام کا جواب دے اور بڑے سلام کا جواب نہ دیں تو بڑوں سے سلام کا جواب دینا ساقط نہیں ہوگا۔ اسی طرح قاضی حسین نے کہا ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کافی نہیں ہے، اور اگر بچہ سلام کی ابتداء کرے تو بالغ پر اس سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس سے اس بچے کے سلام کو مستثنیٰ کیا جائے گا جو خوبصورت ہو اور یہ خوف ہو کہ اس کو سلام کرنے سے فتنہ میں پڑنے کا خدشہ ہے، خاص طور پر جب وہ بچہ قریب بہ بلوغ ہو اور اکیلا ہو۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج ۷ ص ۱۵-۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۶۔ بَابُ: تَسْلِيمِ الرِّجَالِ عَلَى النِّسَاءِ وَالنِّسَاءِ عَلَى الرِّجَالِ

مردوں کا عورتوں کو سلام کرنے اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا جائز ہے بشرطیکہ فتنے کا خوف نہ ہو۔ امام بخاری نے اس عنوان سے امام عبد الرزاق کی اس روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور یہ حدیث مقطوع ہے یا معضل ہے۔ (یعنی اس حدیث سے سند کے درمیان سے ایک راوی منقطع ہے یا دو راوی منقطع ہیں)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۸-۳۔۷۹-۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كُنَّا نَفْرَحُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قُلْتُ وَلِمَ قَالَ كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تُرْسِلُ إِلَى بُضَاعَةَ قَالَ ابْنُ مَسْلَمَةَ نَخْلٍ بِالْمَدِينَةِ فَتَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن سے بہت خوش ہوتے تھے، میں نے پوچھا:

السِّلْقِ فَتَطْرَحُهُ فِي قِدْرٍ وَتُكَرْكِرُ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ انْصَرَفْنَا وَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا فَنَفْرَحُ مِنْ أَجْلِهِ وَمَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

کیوں؟ انہوں نے کہا: ہمارے ہاں ایک بڑی بی تھیں جو مقامِ بضاعہ میں جاتی تھیں، ابن مسلمہ نے بیان کیا: وہ مقام مدینے کا ایک باغ تھا، پس اس میں سے چقندر کی جڑوں کو لیتیں اور ان کو ایک پتیلی میں ڈالتیں اور اس میں جو کے دانے پیس کر ملاتیں، پس جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو ہم واپس آتے اور ان کو سلام کرتے، تو وہ ہمارے سامنے وہ طعام رکھتیں، تو ہم اس طعام کی وجہ سے خوش ہوتے تھے۔ اور ہم قیلولہ نہیں کرتے تھے اور نہ ناشتہ کرتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

(صحیح بخاری: ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹، صحیح مسلم: ۸۵۹، سنن ترمذی: ۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۹۹)

صحیح البخاری: ۶۲۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، یہ عبدالعزیز ہیں اور ابو حازم کا نام ہے سلمہ بن دینار۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، وہ حضرت ابن سعد الانصاری الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بُضاعة" اس لفظ میں باء پر ضمہ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے۔ اور یہ مدینہ میں انصار کے بنو ساعدہ کے گھروں میں ایک کنواں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ابن مسلمہ، یہ عبداللہ بن مسلمہ ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نخل" یعنی باغ، اس کی تفسیر ابن مسلمہ نے کر دی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تُكَرْكِرُ" اس کی اصل "الكر" ہے، اس کو مضاف لایا گیا کیونکہ چکی کا پتھر بار بار گھومتا ہے اور اس کے اندر جو دانے ہوتے ہیں ان کو پیستا ہے۔ اور کبھی "الكركرة" کا معنی آواز بھی ہوتا ہے اور "الكركرة" سخت آواز کو بھی کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۴۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ هَذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

قَالَتْ قُلْتُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تَرٰى مَا لَا نَرٰى تُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَابَعَهُ شُعَيْبٌ وَقَالَ يُوْنُسُ وَالنُّعْمَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَبَرَكَاتُهُ۔

بیان فرمایا کہ اے عائشہ! یہ جبرائیل ہیں جو تم کو سلام کر رہے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ، آپ وہ چیزیں دیکھتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے، وہ ارادہ کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ اس حدیث میں معمر کی متابعت شعیب نے کی ہے اور یونس اور نعمان نے کہا الزہری "وبرکاتہ"۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۷، ۳۷۶۸، ۶۲۰۱، ۶۲۴۹، ۶۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۷، سنن ترمذی: ۳۸۸۱، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۶، سنن دارمی: ۲۶۳۸)

صحیح البخاری: ۶۲۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر یہ اعتراض کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے اور اس کا جواب

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے عنوان اور حدیث کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا عنوان ہے "مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا" اور اس حدیث میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سلام کا ذکر ہے، اور حضرت جبرائیل فرشتہ ہیں اور فرشتے نہ مرد ہوتے ہیں اور نہ عورت ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا مذکر کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ کہا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس ایک مرد کی صورت میں آتے تھے، پس اس اعتبار سے مطابقت حاصل ہوگئی اور باب کے عنوان اور حدیث میں ادنیٰ مطابقت بھی کافی ہوتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن مقاتل، اور یہ محمد بن مقاتل المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تری" یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ فرشتہ جسم ہے، پس جب وہ کسی جگہ پر ہوگا تو اس کا دکھائی دینا بعض حاضرین کے ساتھ مخصوص نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دکھائی دینا ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی شخص میں پیدا کرتا ہے، پس دکھائی دینا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے تابع ہے، اسی وجہ سے اشعریہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ ایک نابینا شخص چین میں ہو اور وہ اندلس کے کسی مقام کو دیکھ لے اور جو اس کے پاس بیٹھا ہو وہ اس کو نہ دیکھے۔

عورتوں کو سلام کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ عورتوں پر سلام کرنا جائز ہے ماسوا جوان عورتوں کے، کیونکہ جب جوان عورتوں سے کلام کرے گا تو اس میں نظر کی خیانت کا خوف ہوگا اور شیطان کے بہکانے کا خوف ہوگا، یہ قتادہ کا قول ہے اور امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ مرد عورتوں کو سلام نہ کرے جب تک ان میں کوئی محرم عورتیں نہ ہوں، اور انہوں نے کہا ہے کہ عورتوں سے اذان دینے اور اقامت پڑھنے اور نماز میں بلند آواز میں قراءت کرنے کا حکم ساقط نہیں ہے اور ان سے سلام کا جواب دینا ساقط ہے، پس ان کو سلام نہ کیا جائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ فقہائے احناف کا مذہب نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک عورتوں کے لیے نہ اذان مشروع ہے اور نہ اقامت پڑھنا مشروع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۷۹۔۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں کو سلام کرنے کے متعلق مفصل احادیث اور احکام

امام بخاری نے اس عنوان سے امام عبدالرزاق کی اس روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر مروی ہے، اس میں مذکور ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور یہ حدیث مقطوع ہے یا معضل ہے، اور امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ فتنہ سے مامون ہوں، اور امام بخاری نے اس باب میں دو احادیث کا ذکر کیا ہے جن سے ان کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور اس مسئلہ میں ایک حدیث وارد ہے جو امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، اور وہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں میں گزرے تو آپ نے ہم پر سلام کیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور یہ امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے اپنی شرط والی حدیث پر اکتفاء کی، اور اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس کی امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ علامہ حلیمی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے اور فتنہ سے مامون تھے، پس جس شخص کو اپنے نفس پر سلامتی کا اعتماد ہو تو وہ سلام کرے ورنہ چپ رہنے میں زیادہ سلامتی ہے۔ اور امام ابونعیم نے عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت واثلہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مرد عورتوں کو سلام کریں اور عورتیں مردوں کو سلام نہ کریں، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ غسل کر رہے تھے تو میں نے آپ کو سلام کیا۔

"بئر بضاعہ" کا بیان

عبداللہ بن مسلمہ جو امام بخاری کے شیخ ہیں اور انہی کو القعنبی کہا جاتا ہے، انہوں نے بضاعہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ مدینہ میں ایک باغ ہے، اسی وجہ سے وہاں سے چقندر لائے جاتے تھے اور کتاب الجمعہ میں یہ گزر چکا ہے کہ وہاں ان بڑی بی کی ایک کیاری تھی،

اور دوسروں نے یہ تفسیر کی ہے کہ وہاں پر بنو ساعدہ کے مکان تھے اور وہیں پر ایک مشہور کنواں تھا۔ اور اصحاب السنن نے روایت کی ہے کہ اس کنویں کے اندر حیض کے کپڑے ڈالے جاتے تھے، اور دراصل وہ کپڑے باغ میں ڈالے جاتے تھے، پھر بارش ان کپڑوں کو بہا کر اس کنویں تک لے جاتی تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے اپنی سند میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بئر بضاعہ کو اور اس کھیت کو دیکھا ہے اور اس کے پانی کو دیکھا ہے، اور اس کو تفصیل سے انہوں نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں کتاب الطہارۃ میں بیان کیا ہے۔ اور امام طحاوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ زمین پر بہتا ہوا پانی تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کرنے کی تحقیق

علامہ ابن التین نے نقل کیا ہے کہ علامہ داؤدی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ملائکہ کو مرد نہیں کہا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا مذکر کے صیغوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مرد کی صورت میں آتے تھے جیسا کہ بدء الوحی کے اندر گزر چکا ہے۔

مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کو سلام کرنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی نے المہلب سے نقل کر کے لکھا ہے کہ مردوں کا عورتوں پر سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا جائز ہے جب فتنہ کا خوف نہ ہو، اور فقہاء مالکیہ نے جوان اور بوڑھی عورت کے درمیان فرق کیا ہے تاکہ فتنہ کا سدِ باب ہو۔ اور ربیعہ نے تو مطلقاً منع کیا اور فقہاءِ احناف نے کہا: عورتوں کے لیے مردوں کو ابتداءً سلام کرنا ممنوع ہے، کیونکہ عورتوں کو اذان اور اقامت اور بلند آواز کے ساتھ قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس میں مَحرم کا استثناء ہے، پس عورت کے لیے اپنے مَحرم کو سلام کرنا جائز ہے۔

المہلب مالکی نے کہا ہے: امام مالک کی دلیل اس باب میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کیونکہ جو مرد ان بڑی بی کی زیارت کرتے تھے اور وہ ان کو چقندر کھلاتی تھیں وہ ان کے محارم نہیں تھے۔ مہلب کا کلام ختم ہوا۔

المتولی نے کہا ہے: اگر مرد کی بیوی ہو یا محرم ہو یا باندی ہو تو وہ ایسی ہے جیسے مرد کے لیے مرد ہوتا ہے، اور اگر عورت اجنبی ہو اور اس کی طرف دیکھنے سے فتنے کا خوف ہو تو اس کو سلام کرنا مشروع نہیں ہے نہ ابتداءً سلام کرے اور نہ اس کے سلام کا جواب دے، اور اگر ان میں سے کسی نے سلام کی ابتداء کی تو دوسرے کے لیے اس کے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے، اور اگر وہ بوڑھی ہو اور اسے فتنہ کا خوف نہ ہو تو پھر اس کو سلام کرنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مالکیہ نے تو جوان عورت میں فرق کیا ہے خوبصورتی اور عدمِ خوبصورتی کا، کیونکہ خوبصورتی فتنہ کا محل ہے بخلاف مطلق جوان عورت کے۔ پس اگر کسی مجلس میں مرد اور عورتیں جمع ہوں تو جانبین سے سلام کرنا جائز ہے جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۶۔ ۳۱۷، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۴۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کے بڑی بی کو سلام کرنے کی تحقیق

اگر صورت ایسی ہو جیسی اس حدیث میں ذکر کی گئی ہے تو پھر مردوں کے عورتوں کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہاں کوئی فتنہ نہیں تھا، نہ تو وہاں کوئی خلوت تھی اور نہ کوئی اور ممنوع امر تھا۔ پس مردوں کی ایک جماعت تھی اور عورت ایک بوڑھی خاتون تھی، لیکن جب عورت جوان ہو اور مرد اکیلا ہو تو پھر یہاں پر سلام فتنہ کو پیدا کرے گا، اس لیے ہم اس صورت میں سلام کے مشروع ہونے کا قول نہیں کرتے کیونکہ اس کے اندر عورت اور مرد دونوں کے اعتبار سے فتنہ ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ جوان مرد جب جوان عورت کے پاس سے گزرے تو اس میں زیادہ شر حاصل ہوگا۔ اور اگر ہم کہیں کہ ان مواقع پر سلام کرنا جائز ہے تو جب بھی مرد کسی جوان عورت کے پاس سے گزریں گے تو اس کو سلام کریں گے، اور اس سے فتنہ عظیم برپا ہوگا۔ اسی وجہ سے جب ایسی صورت ہو کہ صحابہ کی ایک جماعت تھی اور وہ ایک بوڑھی عورت کے پاس گئے تھے تو فتنہ سے ہر اعتبار سے ممنوع تھے، تو وہ اس پر سلام کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابُ إِذَا قَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقَالَ: أَنَا — جب گھر والوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو آنے والے نے کہا: میں ہوں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا: جب ایک مرد نے اس شخص سے کہا جس نے دروازہ کھٹکھٹایا: کون ہے؟ یعنی وہ کون ہے جس نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو دروازہ کھٹکھٹانے والے نے کہا: میں ہوں، امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اس قرض کے متعلق بات کرنے کے سلسلہ میں جو میرے والد پر تھا، تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں، آپ نے فرمایا: میں، میں، گویا کہ آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۵۰، سنن ترمذی: ۲۷۱۱، سنن ابوداؤد: ۵۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۹، مسند احمد: ۱۴۰۳۰، سنن دارمی: ۲۶۳۰)

صحیح البخاری: ۶۲۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من ذا" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دو بار انا انا کہا، اور دوسری بار انا کا ذکر پہلے انا کی تاکید ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گویا کہ آپ نے میرے اس جواب کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے مطابق نہیں تھا، کیونکہ جواب میں مفید یہ تھا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں جابر ہوں۔ ورنہ اس میں صرف یہ بیان تھا کہ گویا کہ اجازت طلب کرنے والا یہ سمجھتا تھا کہ میری آواز کو آپ پہچان لیں گے۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ آیتِ استئذان کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب کو ناپسند کرنے کی وجہ

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس میں صرف اس کے لیے بیان ہے جو آواز کو پہچانتا ہو، اور جو آواز کو نہ پہچانتا ہو تو اس کے اوپر مشتبہ ہوگا کہ کون آیا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا ہے، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ انہیں چاہیے تھا کہ وہ لفظِ سلام کے ساتھ اجازت طلب کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ انہوں نے لفظِ سلام کے ساتھ اجازت طلب نہیں کی تھی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حاکم کے دروازہ کو کھٹکھٹانا جائز ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کے پیش نظر گھر سے باہر نکلنا جائز ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک اور حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما کے واقعہ میں مذکور ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے تعریف اور تعیین حاصل نہیں ہوئی بلکہ ابہام باقی رہا، اور انہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنا نام لے کر کہتے کہ میں فلاں شخص ہوں، اور اگر وہ کہتے کہ میں فلاں شخص ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو انہوں نے کہا: میں ام ہانی ہوں۔

اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کہے کہ میں ابو فلاں ہوں، یا قاضی فلاں ہوں، یا شیخ فلاں ہوں،

جبکہ اس کے نام سے تعیین حاصل نہ ہو، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں فلاں شخص ہوں جو اس نام سے معروف ہے۔

اگر دروازہ کھٹکھٹانے والا نام نہ بتائے تو اس میں ایک قسم کا تکبر ہے

علامہ ابن الجوزی نے یہ کہا ہے کہ جب آنے والا شخص یہ کہے کہ میں ہوں اور اپنا نام نہ بتائے تو اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں وہ ہوں کہ جس کو اپنا نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے، یا میں اپنے نام بتانے کو اپنے تکبر کے خلاف سمجھتا ہوں، جس کے بعد علامہ ابن ملقن نے علامہ المہلب کی شرح ذکر کی ہے جس کو ہم علامہ ابن بطال کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۷۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابٌ: مَنْ رَدَّ فَقَالَ: عَلَيْكَ السَّلَامُ

جس نے سلام کے جواب میں کہا ''علیک السلام''

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَدَّ الْمَلَائِكَةُ عَلَى آدَمَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سلام کا جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جس نے سلام کرنے والے کے جواب میں کہا ''علیک السلام'' اور سلام کرنے والے پر لفظِ خطاب کے ساتھ ابتداء کی، پھر لفظِ سلام کا ذکر کیا۔ اور یہ طریقہ جس کا امام بخاری نے ذکر کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد ہے جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے اپنے اس قول سے جواب دیا ''وعلیہ السلام''۔ پس انہوں نے اس کے ذکر کو مقدم کیا جس کو سلام کیا گیا ہے، پھر لفظِ سلام کا ذکر کیا۔

اور سلام کے جواب دینے میں اور بھی کئی طریقے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ کہا جائے: السلام علیک۔ اور ابتداء میں لفظِ سلام کو ذکر کیا جائے اور جواب میں کہا جائے: ''والسلام علیکم'' اور ''وعلیک السلام''۔ اور کہا جائے: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ'' اور کہا جائے: ''والسلام علیک ورحمۃ اللہ''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس قول سے اس کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہو جس نے علیک السلام کے علاوہ کوئی جواب دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس شرح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ محض اندازہ ہے، پس اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ علیک السلام کے ساتھ جواب دیا جائے اور اس میں انحصار نہیں کیا، کیونکہ فرشتوں نے سلام کے جواب میں کہا: السلام علیک۔ اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے ''وعلیک السلام'' اور اس کے ساتھ واو عاطفہ کا ذکر ہے اور قرآن مجید میں سلام کرنے والے کے نام کے اوپر لفظ سلام کو

مقدم ذکر فرمایا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ (الصفت: ۱۳۰) آل یاسین پر سلام ہو O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ (الصفت: ۱۲۰) موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ (ہود: ۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اور التوضیح میں مذکور ہے کہ یحییٰ نے از ابن کثیر از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، پس اس کو تم آپس میں پھیلاؤ، پس اگر یہ حدیث صحیح ہے تو سلام کرنے میں مختار اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو مخلوق کے نام پر مقدم کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کا یہ عنوان اس طرف اشارہ ہو کہ جس نے کہا ہے کہ لفظ سلام کے اوپر کسی چیز کو مقدم نہ کیا جائے بلکہ سلام کی ابتداء میں اور اس کے جواب میں السلام علیک کہا جائے، یا جس نے کہا کہ مفرد کے صیغہ پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ جمع کے صیغہ کو لایا جائے یا جس نے کہا کہ واؤ کو حذف نہ کیا جائے بلکہ واوِ عاطفہ کو جواب میں ذکر کیا جائے، پس کہے: وعلیک السلام، یا جس نے کہا کہ جواب میں یہ کافی ہے کہ علیک پر اقتصار کیا جائے بغیر لفظ سلام کے، یا جس نے کہا: علیک السلام پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا جائے، اور یہ پانچ جگہیں ہیں جن کے متعلق آثار وارد ہیں، اور اول کے متعلق وہ اثر ہے جو گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ سلام اللہ کا اسم ہے، پس لائق ہے کہ اللہ کے نام کے اوپر کسی چیز کو مقدم نہ کیا جائے، اس پر ابن دقیق العید نے متنبہ کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

پھر علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ محض اندازہ ہے اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اور امام بخاری نے باب کا عنوان علیک السلام سے قائم کیا ہے اور اس پر انحصار نہیں کیا، پھر علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کے اسی کلام کو نقل کیا ہے اور اس کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب نہیں کیا جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۷، مکتبۃ الرشد ۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ سلام کی ابتداء کرنے والا اگر کہے: علیک السلام تو یہ کافی نہیں ہے۔ اور علامہ نووی نے المتولی سے نقل کیا ہے کہ جس نے ابتداء میں کہا: وعلیکم السلام تو یہ سلام نہیں ہے اور وہ جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور پھر انہوں نے کہا کہ مشروع یہ ہے کہ لفظ علیکم کو مقدم کیا جائے۔ علامہ نووی نے کہا: اگر اس نے واؤ کو ساقط کر دیا اور کہا: علیکم السلام تو علامہ واحدی نے کہا ہے کہ یہ سلام ہے اور وہ جواب کا مستحق ہوگا، اگرچہ اس نے معروف لفظ کو تبدیل کر دیا ہے۔ اسی طرح علامہ نووی نے واؤ کو ساقط کرنے اور واؤ کو ثابت رکھنے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور متبادر یہ ہے کہ اختلاف علیکم کو سلام پر مقدم کرنے میں ہے جیسا کہ

الواحدی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ مجلس کو علیکم السلام کے ساتھ ختم کرے، اور زیادہ صحیح حصول ہے۔اور امام بخاری نے الادب المفرد میں معاویہ بن قراء کی سند سے روایت کی ہے کہ مجھ سے ابو قراء بن ایاس المزنی الصحابی نے کہا: جب تمہارے ساتھ کوئی مرد گزرے اور کہے: السلام علیکم، تو تم وعلیک السلام نہ کہو واحد کے صیغہ کے ساتھ، کیونکہ وہ واحد نہیں ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔اور اس مسئلہ کی فروع یہ ہیں کہ اگر ابتداء میں جمع کا صیغہ ہو تو واحد کے صیغہ کے ساتھ جواب دینا کافی نہیں ہے، کیونکہ جمع کا صیغہ تعظیم کا تقاضا کرتا ہے، تو واحد کے صیغہ کے ساتھ اس کا جواب صحیح نہیں ہوگا۔اس پر ابن دقیق العید نے تنبیہ کی ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری کی تعلیقات کی شرح از علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی

پہلی تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، یہ اس حدیث کی ایک طرف ہے جس کا ذکر "باب تسلیم الرجال والنساء" میں پہلے ہو چکا ہے اور اس میں بیان ہے کہ جس نے جواب میں وبرکاتہٗ کا اضافہ کیا۔

اور امام بخاری کی دوسری تعلیق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو جواب دیا اور کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ، یہ دوسری حدیث کا ایک طرف ہے جس کا ذکر کتاب الاستئذان میں ہو چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۲۵۱۔حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن نمیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ نے حدیث بیان کی از سعید ابن ابی سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ ایک مرد مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے، پس اس نے نماز پڑھی اور پھر آیا، پس آپ کو سلام کیا، تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام، پس واپس جاؤ، اور نماز پڑھو اور تم نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ شخص واپس گیا اور نماز پڑھی اور پھر آیا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: وعلیک السلام اور واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، پس اس نے دوسری مرتبہ کہا یا اس کے بعد کے مرتبہ میں کہا: یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے، آپ نے فرمایا: جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو تو پورا وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف منہ کرو اور پھر اللہ اکبر کہو، اور پھر جو تمہیں قرآن آسانی سے یاد ہو اس کو پڑھو،

ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ فِي الْأَخِيرِ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا۔

پھر رکوع کرو، حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرلو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ، حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر اسی طرح اپنی پوری نماز میں کرو۔

اور ابو اسامہ نے آخر میں کہا: حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

صحیح البخاری: ۶۲۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس نے سلام کے جواب میں کہا: علیک السلام" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ایک شخص نے آپ کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: وعلیک السلام۔

اور باب کے عنوان میں اور حدیث میں دونوں میں جس کو سلام کیا گیا اس کا ذکر مقدم ہے اور لفظِ سلام مؤخر ہے، اور یہ بھی جائز ہے جیسا کہ شروع میں بیان ہو چکا ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ السلام کو پہلے ذکر کیا جائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

اس تعلیق میں ابو اسامہ کا ذکر ہے اور ان کا نام ہے حماد بن اسامہ، اور اس میں ذکر ہے کہ ابو اسامہ نے اخیر میں کہا اور وہ یہ ہے کہ جب تم اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، تو اس کی جگہ کہا: حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو کتاب الایمان والنذور میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي سَعِيدٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے سعید نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔

(صحیح بخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

صحیح البخاری: ۶۲۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن بشار، یہ محمد بن بشار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ قطان ہیں۔ اور عبیداللہ کا ذکر ہے، وہ العمری ہیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے از سعید از والد خود، یعنی کیسان جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے یہاں اس حدیث کا اختصار کیا ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس کو سلام کیا گیا ہے آیا اس کا پہلے ذکر کیا جائے یا لفظِ سلام کا پہلے ذکر کیا جائے

اس باب میں آثار مختلف ہیں، پس یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے جواب میں فرمایا: علیک السلام۔ اور فرشتوں نے جو حضرت آدم علیہ السلام کو جواب دیا، اس میں انہوں نے کہا: ''السلام علیک''۔ (صحیح البخاری: ۳۳۲۶) اور قرآن مجید میں لفظِ سلام اس پر مقدم ہے جس کو سلام کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) آلِ یاسین پر سلام ہو O

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ (الصّٰفّٰت: ۱۲۰) موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ (ہود: ۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اور ابوعفان نے از ابی تمیمہ الہجیمی از ابی دری یا ابی جری روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: علیک السلام یا رسول اللہ، تو آپ نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے، کہو السلام علیک، اور یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے صحیح ہیں مگر یہ کہ عرب کی عادت اس طرح ہے کہ اگر شر کا موقع ہو تو جس کے خلاف دعا کی جائے اس کے ذکر کو مقدم کرتے ہیں جیسے ان کا قول ہے ''علیہ لعنۃ اللہ وغضب اللہ'' اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ (ص: ۷۸) بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے لعان کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (النور: ۷)
اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○

اور عورت کے لعان میں فرمایا:

وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (النور: ۹)
اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو ○

اور یحییٰ بن ابی کثیر نے از ابی سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لفظ السلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، پس تم اس کو اپنے درمیان پھیلاؤ۔

(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۱۱۷، الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۱۴۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۰۰۸)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں بشر بن رافع ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۲۷۸)

اور اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قوی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ (الصحیحہ للالبانی: ۱۸۴، ۱۶۰۷، ۱۸۹۴)

پس اگر یہ حدیث صحیح ہو تو سلام کرنے میں مختار یہ ہے اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کو مخلوق کے اسم پر مقدم کیا جائے، اور اگر اس کے علاوہ کیا گیا، اور اس نے جس کو سلام کیا ہے اس نے اس کو مقدم کر دیا اللہ کے اسم پر تو اس نے کوئی حرام کام نہیں کیا اور اس پر کوئی حرج بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت ہے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ علیک السلام مُردوں کا سلام ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت ہے، آپ نے قبر والوں کو سلام کرتے ہوئے فرمایا: ''السلام علیکم دار قوم مومنین'' اور ان کو وہ سلام کیا جو زندوں کو سلام کیا جاتا ہے۔ اور ابن ابی زید نے کہا: ''السلام علیکم'' تو جواب دینے والے نے کہا: وعلیکم السلام یا وہ کہے: سلام علیکم، جیسا کہا گیا ہے ''او ردوھا''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء: ۸۶)
اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

اس آیت میں فرمایا کہ تم اسی طرح اس کے سلام کا جواب دو یا اس سے بہتر جواب دو، اور جواب میں یہ نہ کہو: سلام علیک۔ اور اکثر سلام برکت پر ختم ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۳۰۔ ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آیا انسان جہالت کی وجہ سے معذور ہے یا نہیں؟

یہاں پر ایک اہم مسئلہ ہے جس پر تنبیہ ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جہالت کی وجہ سے

معذور نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے فرمایا: جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جہالت کی وجہ سے معذور ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پچھلی نمازوں کے دہرانے کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ پچھلی نمازیں بھی اسی طریقہ سے پڑھتا تھا، لیکن جب کہ اب نماز کا وقت تھا اور اس سے نماز کا مطالبہ تھا تو وہ اپنے ذمہ سے اس وقت تک بری نہیں ہوگا جب تک کہ وہ صحیح طریقہ سے نماز نہیں پڑھے گا، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ترک واجب میں اس وقت معذور ہوتا ہے جب اس کا تدارک اور تلافی ممکن نہ ہو، لیکن جب اس کا تدارک اور تلافی ممکن ہو بلکہ اس سے اس وقت اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس فرض کو صحیح طریقہ سے ادا کرے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۴۔۵۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ: فُلَانٌ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ — جب کوئی کہے کہ فلاں آدمی تم پر سلام پڑھ رہا تھا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص تم پر سلام پڑھ رہا تھا، تو وہ شخص جواب میں کیا کہے۔

امام بخاری نے اس جواب کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے، اس سے وہ جواب معلوم ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا إِنَّ جِبْرِيلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عامر سے سنا، وہ کہتے تھے کہ مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بے شک جبریل تم پر سلام پڑھ رہے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔

(صحیح بخاری: ۳۲۱۷، ۳۷۶۸، ۶۲۰۱، ۶۲۴۹، ۶۲۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۷، سنن ترمذی: ۳۸۸۱، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۶، سنن دارمی: ۲۶۳۸)

صحیح البخاری: ۶۲۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو نعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور زکریا کا ذکر ہے، یہ ابن ابی زائدہ الاعمی الکوفی ہیں۔ اور

اس حدیث کی سند میں عامر کا ذکر ہے، وہ شعبی ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کا جواب دینا امانت ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کے پاس کسی غائب کا سلام پہنچے تو وہ اس کے سلام کا اس طرح جواب دے جس طرح حاضر کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

ایوب نے از ابی قلابہ روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے تھے: آپ کو سلام ہو، حضرت سلمان نے پوچھا: کب؟ اس نے کہا: تین دن ہوئے، تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم یہ ادا نہ کرتے تو یہ سلام تمہارے پاس امانت رہتا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۹۴۶۴، شعب الایمان للبیہقی: ۸۹۲۱)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلام کرنے کے آداب اور احکام

ہر قسم کے کلام کرنے سے پہلے سلام کرنے سے ابتداء کرنا سنت ہے، اور احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور امت کے متقدمین اور متاخرین کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ کلام سے پہلے سلام ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۹۹)

اور سلام سے ابتداء کرنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مرد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پس یہ بھی منہ موڑ لے اور وہ بھی منہ موڑ لے، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح بخاری: ۶۲۳۷، صحیح مسلم: ۲۵۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۱، مسند احمد: ۲۳۰۱۷، موطا امام مالک: ۱۶۸۲)

اور سلام کا جواب دینا افضل ہے، اور جس کو سلام کیا گیا ہے اگر وہ پیشاب کرنے میں مشغول ہو یا جماع کرنے میں مشغول ہو تو ایسی حالت میں اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے سلام کر دیا تو وہ شخص جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو شخص سویا ہوا ہو یا اونگھ رہا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو یا اذان دے رہا ہو یا اقامت پڑھ رہا ہو یا حمام میں ہو یا کھانا کھا رہا ہو اور لقمہ اس کے منہ میں ہو تو

ان کو بھی سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر سلام کیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہو گا۔

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم

ذمی کو سلام کی ابتداء کرنا حرام ہے، اگر اس نے ہم کو سلام کیا تو ہم اس کو جواب میں کہیں گے: علیکم، اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کریں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہم کہیں گے: علیک اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کریں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہم کہیں گے: علیک السلام فقط۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کے ایک مرد کی طرف لکھا: السلام علیک!

اور کریب نے ان سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یہودی عالم کی طرف مکتوب لکھا تو اس کو سلام کیا، تو کریب نے کہا کہ کیا آپ نے اس کو سلام کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ خود سلام ہے۔

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ جب تم کسی یہودی یا نصرانی کی طرف کسی اپنی ضرورت میں مکتوب لکھو تو سلام سے ابتداء کرو۔

اور محمد بن کعب سے روایت ہے کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ ہم ان کو سلام سے ابتداء کریں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ (الانعام: ۵۴) اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، تو آپ کہیں: تم پر سلام ہو۔

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی مسلمان یا یہودی یا نصرانی یا چھوٹا یا بڑا نہیں گزرتا تھا مگر وہ اس کو ابتداءً سلام کرتے تھے، ان سے کہا گیا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سلام کو پھیلائیں۔

اور ابن عجلان روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ، حضرت ابوالدرداء، اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم مشرکین کو ابتداءً سلام کرتے تھے، اور نیز ابن عجلان سے روایت ہے از ابو عیسیٰ، انہوں نے کہا کہ تواضع یہ ہے کہ ہم ابتداءً سلام کریں جس سے بھی ملاقات کریں۔ اور ابو بردہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اہل ذمہ کے ایک مرد کی طرف مکتوب لکھا تو اس کو سلام کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۷۳۹، ۲۵۷۴۳، ۲۵۷۴۵)

قاضی عیاض نے ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ضرورت کے وقت ان کو ابتداءً سلام کرو، اور یہی علقمہ اور نخعی کا قول ہے۔

اور اوزاعی سے سوال کیا گیا کہ کوئی مسلمان کافر کے ساتھ گزرے اور اس کو سلام کرے؟ تو انہوں نے کہا: اگر تم نے ان کو سلام کیا ہے تو صالحین نے ان کو سلام کیا ہے اور اگر تم نے ان کے سلام کرنے کو ترک کیا تو صالحین نے ان کے سلام کرنے کو ترک کیا ہے۔

(اکمال المعلم ج ۷ ص ۵۴)

اور عنقریب اس کی زیادہ تفسیر وہاں آئے گی جہاں امام بخاری اس مسئلہ کو ذکر کریں گے۔

جن کو سلام کرنا مکروہ ہے

جب دو فریق قاضی کے پاس مقدمہ کریں تو قاضی کو سلام نہ کریں، اور مذاق کرنے والے بوڑھے کو سلام نہ کریں، یا مرتد کو سلام نہ کریں، یا کذاب کو سلام نہ کریں، یا کھیلنے والے کو سلام نہ کریں، اور جو لوگوں کو برا کہتا ہو اس کو سلام نہ کریں۔ اور جو بازار میں لوگوں

کے چہرہ کی طرف دیکھتا ہو اور اس کی توبہ معروف نہ ہو تو اس کو سلام نہ کریں۔ اور جو لوگ مسجد میں قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھے ہوں یا تسبیح پڑھنے کے لیے یا نماز کے انتظار میں اور وہ اس لیے نہ بیٹھے ہوں کہ کوئی ان کو زیارت کرنے کے لیے آئے گا تو یہ ان کو سلام کرنے کا وقت نہیں ہے، پس ان کو سلام نہ کیا جائے۔ اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ان پر داخل ہونے والا سلام کرے تو اسے جواب دینے کی گنجائش ہے، کیونکہ سلام صرف اس پر مکروہ ہے جو زیارت اور سلام کے انتظار میں بیٹھا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۷۷۔۹۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۰۔ بَابٌ: التَّسْلِيمِ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ

جس مجلس میں مسلمانوں اور مشرکین کی جماعت ہو، ان کو سلام کرنے کا بیان

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس مجلس میں مسلمان اور مشرکین ملے جلے بیٹھے ہوں، اس مجلس میں سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے اس حکم کو عنوان میں بیان نہیں کیا، کیونکہ اس حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جائے گا۔

۶۲۵۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا عَلَيْهِ إِكَافٌ تَحْتَهُ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ وَأَرْدَفَ وَرَاءَهُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ وَذٰلِكَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ حَتّٰى مَرَّ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ وَفِيهِمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ أَيُّهَا الْمَرْءُ لَا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا فِي مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ إِلٰى رَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ مِنَّا فَاقْصُصْ عَلَيْهِ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ اغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر از الزہری از عروہ بن الزبیر، انہوں نے کہا: مجھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے جس پر پالان تھا اور اس کے نیچے فدک کی بنی ہوئی چادر تھی، اور آپ ﷺ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے اور آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنو الحارث بن الخزرج میں جا رہے تھے، اور یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، حتیٰ کہ آپ ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمانوں اور مشرکین کی اور بت پرستوں کی اور یہود کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، اور ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا، اور اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب اس مجلس کے اوپر اس سواری کا گرد و غبار چھا گیا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا، پھر کہا: ہم پر اپنا گرد و غبار نہ ڈالو تو نبی ﷺ نے ان کو سلام کیا، پھر آپ ٹھہر گئے، پھر آپ سواری سے اترے، پھر آپ نے ان سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی، تو عبداللہ بن

وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى هَمُّوا أَنْ يَتَوَاثَبُوا فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُخَفِّضُهُمْ ثُمَّ رَكِبَ دَابَّتَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ أَيْ سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ إِلَى مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ اعْفُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاصْفَحْ فَوَاللهِ لَقَدْ أَعْطَاكَ اللهُ الَّذِي أَعْطَاكَ وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هَذِهِ الْبُحَيْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُونَهُ بِالْعِصَابَةِ فَلَمَّا رَدَّ اللهُ ذَلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذَلِكَ فَذَلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

ابی ابن سلول نے کہا: اے مرد، اس سے اچھا کوئی کلام نہیں ہے اگر آپ جو کچھ کہتے ہو وہ برحق ہے تو آپ ہم کو ہماری مجلسوں میں ایذاء نہ پہنچائیں، اور آپ اپنے ڈیرے کی طرف رجوع کریں، سو جو آپ کے پاس ہم میں سے آئے، اس کے سامنے آپ یہ قصہ بیان کریں، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہماری مجالس کو ڈھانپ لیں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمان اور مشرکین اور یہودی آپس میں ایک دوسرے کو برا کہنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کریں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ان کو چپ کراتے رہے، پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پھر آپ نے فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابوحباب نے کیا کہا ہے، آپ کی مراد تھی عبداللہ بن ابی ابن سلول، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے، پس اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ منصب عطا کیا ہے جو عطا کیا ہے، اور بے شک اس بستی کے لوگوں نے اس پر اکتفاء کر لیا تھا کہ اس کو تاج پہنائیں گے اور اس کے سر کے اوپر عمامہ باندھیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اس حق کے سبب رد کر دیا جو حق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو یہ اس وجہ سے ناراض ہو گیا، پس اس وجہ سے اس نے وہ کام کیا جو آپ نے دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۹۸۷، ۴۵۶۶، ۵۶۶۳، ۵۹۶۴، ۶۲۰۷، ۶۲۵۴، صحیح مسلم: ۱۷۹۸، مسند احمد: ۲۱۲۶۰)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس جماعت میں مسلمان اور مشرکین موجود ہوں تو اس جماعت کو سلام کرنے کا حکم" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مشرکین اور مسلمان تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس

والوں کو سلام کیا۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن موسیٰ ، یہ الفراء ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسحاق الرازی ، جو صغیر کے نام سے معروف ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام ، یہ ابن یوسف الصنعانی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر ، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ابن سلول''ابن کا لفظ مرفوع ہے اور یہ عبداللہ کی صفت ہے، کیونکہ سلول عبداللہ کی ماں کا نام ہے، اور یہ گمان نہ کیا جائے کہ سلول عبداللہ بن ابی کا باپ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''القطیفۃ''اس کا معنی ہے: فدک کی بنی ہوئی مخملی چادر۔اور فدک خیبر کی بستی ہے۔

اور اس حدیث میں''عَجاجۃ''کا لفظ ہے(عین پر زبر ہے)اس کا معنی ہے: گرد و غبار۔

اس حدیث میں مذکور ہے''خمّر''اس کا معنی ہے: ڈھانپ لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لا تغبّروا''اس کا معنی ہے: گرد و غبار نہ اڑاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لا احسن''یعنی آپ جو پڑھ رہے ہیں اس سے حسین کلام اور کوئی نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''رحل''اس کا معنی ہے: منزل، اور کسی شخص کے سامان رکھنے کی جگہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے''دھموا''یعنی انہوں نے آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کو مارنے کا قصد کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''البحر''اس کا معنی ہے شہر، اور بُحیرہ تصغیر کے ساتھ بھی روایت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''یتوجوہ''تتویج کا معنی ہے عمامہ باندھنا، اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو وہ اس کو حقیقت میں عمامہ باندھنا چاہتے تھے اور یا مراد ہے کہ وہ اس کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''شَرِق''اس کا معنی ہے کہ کوئی چیز آدمی کے گلے میں پھنس جائے جس کو نہ وہ اگل سکے اور نہ نگل سکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

منافقین اور مشرکین کو سلام کرنے کی تحقیق

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اظہار ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھے جس میں منافق ہوں یا کافر ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس جماعت کو سلام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جب وہ اس جماعت کے پاس پہنچے اور وہ لوگ بیٹھے ہوئے

ہوں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان لوگوں کو سلام کیا جن میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اور عبداللہ بن ابی کی وجہ سے آپ ان لوگوں کو سلام کرنے کی وجہ سے نہیں رکے، حالانکہ عبداللہ بن ابی کا نفاق اور اس کی اسلام کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں کے ساتھ اس کی دشمنی بہت مشہور تھی، کیونکہ اس جماعت کے اندر مومنین بھی تھے۔

حسن بصری سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جب تم ایسی مجلس کے پاس سے گزرو جس میں مسلمان ہوں اور کفار ہوں تو ان کو سلام کرو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۶۱، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ) اور یہ اس کے خلاف ہے جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ حق سے منحرف ہوں کسی بدعت کی وجہ سے یا باطل خواہشوں کی گمراہی کی وجہ سے یا کفار کے دین کی وجہ سے تو ان کو سلام کرنا اور ان سے کلام کرنا جائز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی گمراہی اور کوئی بدعت اور کوئی کفر نفاق سے زیادہ نہ برا ہے اور نہ خبیث ہے، اور اس دن عبداللہ بن ابی کے نفاق میں کوئی شک نہیں تھا۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس دن اس لیے سلام کیا اور سواری سے اس کی طرف اترے تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور یہ آپ پر فرض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا سواری سے اترنا اس کو دعوت دینے کے لیے نہیں تھا، کیونکہ نبی ﷺ اس سے پہلے عبداللہ بن ابی کو اور منافقین کی جماعت کو ابتداء اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے چکے تھے، نبی ﷺ جو سواری سے اترے تھے تو ان کی تالیف قلب کے لیے اور ان کے ساتھ نرمی کرنے کے لیے اور اس توقع پر اترے تھے کہ شاید یہ حق کی طرف رجوع کر لیں۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی ﷺ مال کے ساتھ بھی ان کی تالیف قلب کرتے تھے، چہ جائیکہ سلام کے ساتھ اور اچھی باتوں کے ساتھ ان کی تالیف قلب کریں، اور آپ کی تالیف قلب سے یہ ہے کہ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس کو معاف کیجئے اور اس سے درگزر کیجئے، یعنی اس سے دشمنی مول نہ لیں، اور یہ سب اس لیے تھا کہ آپ کو یہ توقع تھی کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لے گا۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ سلف صالحین سے یہ روایت ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرتے تھے۔ جریر نے از منصور از ابراہیم از علقمہ روایت کی ہے کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا تو ایک دہقان ایک پل سے دوسرے سرے تک ہمارا مصاحب ہوا، پھر اس کو اپنا راستہ مل گیا تو وہ اس پر چلا گیا، حضرت عبداللہ نے پوچھا: وہ مرد کہاں گیا، میں نے کہا: وہ اپنے راستہ پر چلا گیا، تو حضرت عبداللہ کی نظر نے اس کا پیچھا کیا اور کہا: السلام علیکم، میں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! کیا ان کو سلام کی ابتداء کرنا مکروہ نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! لیکن یہ صحبت کا حق ہے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۴۶۳)

اور ابن محیریز سامرہ کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام کرتے اور قتادہ نے کہا: جب تم اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو تو کہو: "سلام علی من اتبع الھدیٰ" جو ہدایت کا پیروکار ہو اس کو سلام۔ (مصنف عبدالرزاق: ۹۸۴۱، ۱۹۴۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ابراہیم نے کہا ہے: جب تمہیں یہودی سے کوئی کام ہو تو اس کو سلام سے ابتداء کرو۔ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر جاتے تو جس مسلمان یا نصرانی صغیر یا کبیر کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے، تو ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سلام کو پھیلائیں۔

یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء کرنے کے متعلق دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا جواب

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کرو اور جب تم ان سے راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۷) تو اس روایت کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہے۔ اور حدیثِ حضرت اسامہ میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا معنی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مخرج کا عموم ہے اور حضرت اسامہ کی حدیث خصوص کو بیان کرتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ عبداللہ بن ابی بیٹھا ہوا ہے اور اس کے گرد اس کے قوم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو آپ نے ناپسند کیا کہ آپ وہاں سے گزر جائیں، تو آپ سواری سے اترے اور سلام کیا اور بیٹھ گئے، تو آپ کا سواری سے اترنا ذمہ کو ادا کرنے کے لیے تھا۔

اور اس کی نظیر وہ ہے جو علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دہقان کو سلام کیا جو کوفہ کے راستہ میں ان کی صحبت میں شریک تھا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ہمارا مصاحب رہا ہے اور صحبت کا حق ہوتا ہے، اور جیسا کہ نخعی نے کہا ہے: جب تمہیں یہودی سے کوئی کام ہو یا نصرانی سے کوئی کام ہو تو سلام سے ابتداء کرو، پس معلوم ہوا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہ چیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ رہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ان سے تم سلام کی ابتداء نہ کرو، اس کا معنی یہ ہے کہ بغیر کسی سبب داعی کے ابتداء نہ کرو، جو تمہیں اس بات کی دعوت دے کہ ان کے ساتھ سلام کی ابتداء کرو، کوئی ذمہ ادا کرنا ہو یا تمہاری کوئی ضرورت ہو جو ان سے متعلق ہو یا صحبت کا حق ہو پڑوس میں یا سفر میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بغیر کسی سبب کے یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کی جائے، اور اگر کوئی سبب ہو یعنی یہودی یا نصرانی سے کوئی کام ہو، یا وہ تمہارے پڑوس میں ہوں یا سفر میں ہوں اور صحبت کا حق ہو تو ان کو سلام کرنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ دور دراز سے مریض کی عیادت کرنی چاہیے اور سوار ہو کر ان کی طرف جانا چاہیے، اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ اشرف الناس کو بھی دراز گوش پر سواری کرنی چاہیے اور کسی کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھانا چاہیے۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۳۲۔ ۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کی مزید تحقیق

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: سنت یہ ہے کہ جب کسی ایسی مجلس کے ساتھ گزر ہو جس میں مسلمان بھی ہوں اور کافر بھی تو لفظِ عام کے ساتھ سلام کیا جائے اور اس سے صرف مسلمان کا قصد کیا جائے، اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: اسی کی مثل یہ ہے کہ جب ایسی مجلس کے ساتھ گزر ہو جس میں اہل سنت بھی ہوں اور اہل بدعت بھی، اور ایسی مجلس کے پاس سے گزر ہو جس میں

نیک لوگ بھی ہوں، اور ایسی مجلس کے ساتھ گزرو جس میں محبت کرنے والے لوگ بھی ہوں اور نفرت کرنے والے لوگ بھی ہوں۔

کافروں اور بدمذہبوں کو ابتداءً سلام نہ کرنے کے دلائل

علامہ نووی نے اس موقف پر اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام کرنا ممنوع ہے، اور اس کی ممانعت صراحۃً وارد ہے، کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کرو اور ان کو تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو۔ اور امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام نسائی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ ابو بصرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: میں کل یہود کی طرف سوار ہو کر جاؤں گا، پس تم ان کو سلام کی ابتداء نہ کرنا۔

کافر کو سلام کی ابتداء کرنے کے دلائل اور ان کے جوابات

اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے، امام ابو جعفر طبری نے ابن عیینہ کی سند سے روایت کی ہے کہ کافر کو سلام کی ابتداء کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ (الممتحنہ:۸)

اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور تھوڑا دینے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے کہا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ (مریم:۴۷)

ابراہیم نے کہا: تجھے سلام ہو میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لیے استغفار کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے ۝

اور امام ابن ابی شیبہ نے از عون بن عبد اللہ از محمد بن کعب روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے سوال کیا کہ کیا اہل ذمہ کو سلام کیا جائے؟ تو انہوں نے کہا: ہم ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور ہم ان کو ابتداءً سلام نہیں کرتے، عون نے کہا: میں نے ان سے کہا: پس آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں ان کو ابتداءً سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، میں نے پوچھا کیوں؟ تو انہوں نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزخرف:۸۹)

آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے ۝

امام بیہقی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو سلام کرتے تھے جو ان سے ملاقات کرے، ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے لفظ سلام کو ہماری امت کے لیے تحیت بنایا ہے اور ہمارے ذمیوں کے لیے امان بنایا ہے۔ یہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں انہیں ابتداءً سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، سو وہ حدیث اولیٰ ہے۔

اور قاضی عیاض نے اس آیت سے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو آذر سے کہا تھا "سلم علیك" اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کا قصد اس سے ان کو چھوڑنا تھا اور ان کو دور کرنا تھا اور ان سے تحیت مقصود نہیں تھی، اور بعض سلف نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزخرف: ۸۹)
آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا اسلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے ○

یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہو گئی ہے۔

حضرت اسامہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں تطبیق

اور ابوجعفر طبری نے کہا ہے: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو سلام کیا جب کہ کفار مسلمانوں کے ساتھ تھے، اس میں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو کفار کو سلام کرنے کی ممانعت ہے ان میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عام ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کو خاص کیا جائے گا کہ جب ان کو سلام کرنا بغیر کسی سبب اور بغیر کسی ضرورت کے ہو جس میں نہ کوئی صحبت کا حق ہو نہ پڑوس کا حق ہو، نہ کوئی بدلہ ہو اور نہ کوئی اور حق ہو، اور مراد یہ ہے کہ ان کو سلام کی جو سزا مشروع ہے اس کی ان سے ابتداء کرنا ممنوع ہے، لیکن اگر کسی ایسے لفظ کے ساتھ ان کو سلام کیا جائے جس سے وہ سلام سے نکل جائیں مثلاً یوں کہا جائے "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" تو یہ جائز ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل وغیرہ کی طرف لکھا "سلم علی من اتبع الھدیٰ" (جو ہدایت کا پیروکار ہے اس کو سلام ہو)۔

مشرکین کو سلام کرنے کا طریقہ

اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ جب تم اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو تو ان کو اس طرح سلام کرو "السلام علی من اتبع الھدیٰ"۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے ابو مالک کی سند سے روایت کی ہے کہ جب تم مشرکین کو سلام کرو تو کہو "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" تو وہ یہ گمان کریں گے کہ تم نے ان کو سلام کیا ہے، حالانکہ تم نے ان سے سلامتی کو دور کیا ہے۔

یہود کو تنگ راستہ کی طرف جانے کے لیے مجبور کرنے کا محمل

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب تم ان سے کسی راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستہ کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم تنگ راستہ میں ان کا اکرام اور ان کا احترام نہ کرو، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب تم ان سے کسی کشادہ راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستہ کی طرف جانے میں مجبور کر دو، کیونکہ یہ ان کو ایذاء پہنچانا ہے اور ہمیں ان کو بغیر کسی سبب کے ایذاء پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۰۔۳۲۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد درج ذیل ہیں

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان جب کسی ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں کفار اور مسلمین ہوں تو سلام کرے، لیکن علماء نے یہ کہا ہے کہ اسے چاہیے کہ اس سلام سے مسلمانوں کا قصد کرے اور جو ان کے ساتھ مشرکین ہیں ان کا قصد نہ کرے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر دلیل ہے، کیونکہ آپ دراز گوش پر سوار ہوئے اور آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا، کیونکہ متکبرین صرف گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، نیز وہ اپنی سواری پر کسی کو پیچھے نہیں بٹھاتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ تواضع کرنے والے تھے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے سوار ہو کر جانا چاہیے، اور مریض اگر دور دراز علاقہ میں ہو جہاں انسان کو سوار ہو کر جانا پڑے تو مریض کی عیادت کرنے کے لیے دور دراز علاقہ میں بھی جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے سفر کر کے گئے۔

(۴) اس حدیث میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول کے تکبر کا ذکر ہے، کیونکہ اس نے اپنی چادر سے اپنی ناک کو ڈھانپ لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کو ظاہر کرنے کے لیے، اور اسی لیے اس نے کہا کہ ہم پر اپنا گرد و غبار نہ ڈالو۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ٹھہر گئے اور ان لوگوں کو اللہ عزوجل کی دعوت دی۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا چاہتا ہو، وہ اطمینان سے دعوت دے یعنی اگر وہ سواری پر سوار ہو تو سواری سے اترے، پھر مطمئن ہو کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے۔

(۷) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے سب سے افضل چیز اللہ عزوجل کا کلام ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن مجید کو پڑھا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید کی بہت بلیغ تاثیر ہے، خصوصاً جب کوئی شخص اپنے دل سے قرآن پڑھے اور جو اس کے معانی کو جانتا ہو۔

(۸) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ منافق حق بات کو قطعی طور پر رد نہیں کرتا لیکن شک میں پڑ جاتا ہے، اسی لیے عبد اللہ بن ابی نے کہا: اس سے اچھی اور برحق کوئی بات نہیں ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔

(۹) عبد اللہ بن ابی نے یہ نہیں کہا کہ یہ کلام باطل ہے لیکن اس نے اپنے دل کی سیاہی کو اس طرح ظاہر کیا کہ اگر آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے، کیونکہ منافقین کی عادت ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی صراحتاً تحسین نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ منافقین کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے سے تکلیف ہوتی تھی اور وہ تنگ ہوتے تھے، اس لیے عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذاء نہ پہنچائیں، لیکن حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ مومن تھے

انہوں نے کہا: آپ ضرور ہماری مجلسوں میں آئیں اور ہم اس کو پسند کرتے ہیں، اور یہاں پر دو مردوں میں فرق ہو گیا حالانکہ دونوں بنو آدم میں سے ہیں لیکن ایک منافق تھا اور دوسرا مومن تھا۔

(۱۱) اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ عبداللہ بن ابی نے اس قرآن کی تکریم نہیں کی، کیونکہ اس نے کہا: جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اس کو قصہ بیان کریں، گویا اس نے قرآن مجید کو قصص قرار دیا، گویا کہ وہ اساطیر الاولین ہیں جیسا کہ لوگوں پر قصے بیان کیے جاتے ہیں خواہ وہ حق ہوں یا باطل ہوں۔

(۱۲) اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سیرت ہے کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ فتنہ بھڑکے، اور آپ چاہتے تھے کہ جو مسلمانوں میں تنازع ہو تو وہ اس حد تک نہ پہنچے کہ وہ فتنہ کو پہنچ جائے، لہٰذا جب ان دونوں فریقوں میں تنازع ہوا اور وہ ایک دوسرے پر حملہ کے درپے ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ٹھنڈا کر رہے تھے۔

(۱۳) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ جو قوم میں بڑا ہو اس کی طرف قوم کے کسی فرد کی شکایت کرنی چاہیے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سید الخزرج تھے اور عبداللہ بن ابی خزرج سے تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی شکایت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کی۔

(۱۴) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر یا منافق کو کنیت کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے سنا نہیں کہ ابوحباب نے کیا کہا، اور یہ نہیں فرمایا کہ کیا تم نے نہیں سنا کہ عبداللہ بن ابی نے کیا کہا؟

(۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے حق میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی شفاعت کو قبول فرمایا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ عبداللہ بن ابی نے جو کچھ کہا ہے وہ غیرت کے سبب سے کہا ہے، اسی وجہ سے اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ سب و شتم حتیٰ کہ قذف اور تہمت بھی جب بطورِ غیرت کے ہو تو اس کا کوئی حکم نہیں ہے، کیونکہ غیرت ایسا امر ہے کہ انسان کے لیے اپنے نفس کو اس میں ضبط کرنا ممکن نہیں ہے حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کئی کام غیرت کے سبب سے کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے درگزر فرماتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ غیرت ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اور اس سے چھٹکارا انسان کی طاقت میں نہیں ہے، پس جب کوئی شخص کافر کے حق میں سفارش کرے تو اس پر یہ غور کیا جائے کہ کافر نے جو کیا ہے آیا وہ اس کو کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اس کو وہ حاصل نہیں ہوا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن ابی کے حق میں سفارش کو قبول فرمالیا۔

(۱۶) نیز اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان ہے، کیونکہ آپ کی استطاعت میں یہ تھا کہ آپ عبداللہ بن ابی کو تعزیراً سزا دیتے کہ اس نے بہت سارے ایسے کام کیے تھے جو گناہ ہیں مثلاً اس نے اپنے ناک پر کپڑا ڈالا اور کہا کہ ہم پر غبار نہ ڈالو، اور کہا: اگر آپ جو کہتے ہیں وہ برحق ہے، اور کہا کہ آپ ہماری مجالس میں آ کر ہمیں ایذا نہ دیں، اور کہا کہ جو آپ کے پاس آئے اس کو یہ قصہ بیان کریں، یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن پر تعزیراً سزا دینے کا حق ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔

(۱۷) نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تعزیر میں ایسی شفاعت جائز ہے جو سزا سے حائل ہو، یا اس معصیت میں جو تعزیر کو واجب کرتی ہے، اور حد اس کے برخلاف ہے، کیونکہ حد میں شفاعت جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی شفاعت

اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں حائل ہوگئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے امر کو رد کیا۔ (صحیح الجامع:۶۱۹۶) اور آپ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر ناراض ہوئے جب انہوں نے اس مخزومیہ عورت کی سفارش کی جس نے چوری کی تھی تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کر رہے ہو۔ (صحیح البخاری:۳۴۱۶، صحیح مسلم:۲۱۹۶) تعزیر اس کے برخلاف ہے، کیونکہ تعزیر میں شفاعت جائز ہے خواہ وہ معصیت سلطان تک پہنچ جائے، کیونکہ سلطان کے لیے جائز ہے کہ وہ تعزیر کو قائم کرے یا قائم نہ کرے، اگرچہ فقہاء کا ظاہر کلام یہ ہے کہ تعزیر واجب ہے اور اس کو ساقط کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام جب تعزیر کو ساقط کرنے میں مصلحت دیکھے تو اس کو ساقط کر دے۔

(۱۸) اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کو سلام کی ابتداء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہ کرو۔ (صحیح مسلم:۲۱۶۷، سنن ترمذی:۲۶۲۴)

(۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام کی تخصیص کرنا جائز ہے، کیونکہ جب انسان کسی عام قول کا یا کسی عام لفظ کا ذکر کرے اور اس سے خاص کا ارادہ کرے اپنی نیت کے اعتبار سے تو یہ جائز ہے، مثلاً اگر اس نے کہا: میں طعام نہیں کھاؤں گا اور اس کی یہ نیت ہو کہ میں وہ طعام نہیں کھاؤں گا جس میں چکنائی ہو، تو یہ جائز ہے۔

(۲۰) تعزیر کی نوع اور کیفیت اور اس کی مقدار کی کوئی حد نہیں ہے، لیکن اگر وہ ایسی معصیت ہو کہ اس کی جنس میں حد ہو تو وہ حد کو نہیں پہنچتی۔ اور تعزیر مال کے ساتھ بھی ہوتی ہے، یعنی کسی پر جرمانہ عائد کر دیا جائے اور زجر و توبیخ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور حبس اور قید کرنے کے ساتھ بھی ہوتی ہے، یا کوڑے لگانے کے ساتھ بھی ہوتی ہے لیکن اتنے کوڑے نہ لگائے جائیں جو حد کی مقدار کو پہنچتے ہوں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۶۔۵۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱- بَابٌ: مَنْ لَمْ يُسَلِّمْ عَلَى مَنِ اقْتَرَفَ ذَنْبًا وَلَمْ يَرُدَّ سَلَامَهُ حَتَّى تَتَبَيَّنَ تَوْبَتُهُ وَإِلَى مَتَى تَتَبَيَّنُ تَوْبَةُ الْعَاصِي؟

جس نے اس شخص کو سلام نہیں کیا جس نے گناہ کا ارتکاب کیا، اور نہ اس کے سلام کا جواب دیا حتیٰ کہ اس کی توبہ ظاہر ہو جائے، اور گناہ کرنے والے کی توبہ کس وقت تک ظاہر ہوگی؟ اس کا بیان

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو: لَا تُسَلِّمُوا عَلَى شَرَبَةِ الْخَمْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے گناہ کا ارتکاب کیا ہو اس کو سلام نہ کیا جائے، اکثر شارحین کی یہی تفسیر ہے۔ امام ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ جس پر گناہ کی تہمت ہو۔ اس باب کے دو جز ہیں اور یہ پہلا جز ہے، اور دوسرا جز یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کی توبہ کب تک ظاہر ہوگی؟ پس پہلے حکم کی تفصیل میں جمہور علماء کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا کہ فاسق معلن اور بدعتی کو سلام نہ

کیا جائے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص فاسق کو سلام کرنے پر مجبور ہو جائے، یعنی اسے یہ خطرہ ہو کہ اس نے اگر سلام نہیں کیا تو اس کے دین یا دنیا میں کوئی ضرر پہنچے گا تو وہ اس نیت سے سلام کرے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، گویا کہ وہ یوں کہے کہ اللہ تم پر نگران ہے، یعنی السلام علیکم کا معنی ہے "اللہ رقیب علیکم" اللہ تم پر نگران ہے۔ علامہ ابن العربی مالکی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور ابن وہب نے کہا: ہر شخص کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے خواہ کافر ہو، اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرہ: ۸۳) اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مدعا خاص ہے کہ ہر شخص کو سلام کرنا چاہیے اور دلیل عام ہے کہ لوگوں سے اچھی بات کرنی چاہیے، اور اچھی بات عام ہے کہ وہ سلام ہو یا کوئی اور بات ہو۔

اور اس باب کے عنوان کا دوسرا حکم یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کی توبہ کب تک ظاہر ہوگی؟ یعنی اس کی توبہ کی صحت کب معلوم ہو گی؟ امام بخاری نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ صرف اس کا توبہ کر لینا اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس کی توبہ صحیح ہو گئی ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اس کے توبہ کرنے کے بعد اتنی مدت گزر جائے جتنی مدت کے اندر قرائن سے اس کی توبہ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے کئے ہوئے کام کے اوپر نادم ہے اور اپنے گناہ کے تدارک کرنے کی طرف متوجہ اور درپے ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اس کی کوئی حد معین نہیں ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ جس وقت اس نے توبہ کی تو فوراً اس کی توبہ کا صحیح ہونا معلوم نہیں ہوگا، نہ اس دن معلوم ہو گا حتیٰ کہ اس کے اوپر اتنی مدت گزر جائے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی توبہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر ایک سال گزر جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ چھ ماہ گزر جائیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کی توبہ کرنے کے بعد پچاس دن گزر جائیں جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے، اور اس کو رد کر دیا گیا ہے بایں طور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے لیے پچاس دن معین نہیں فرمائے تھے، بلکہ آپ نے صحابہ کو ان کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمادیا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے، اور یہ ایک مخصوص واقعہ ہے اس میں کوئی عام حکم نہیں ہے۔ اور اس کا حکم جرم کرنے والے کے جرم کی نوعیت سے مختلف ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس باب کی تعلیق میں کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔ یہ تعلیق باب کے عنوان کے پہلے جز کے مطابق ہے، اس عنوان میں "شربة" کا لفظ ہے، یہ شارب کی جمع ہے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اہل لغت نے اس وزن پر جمع کو نہیں لکھا، انہوں نے کہا ہے کہ "شارب و شرب" جیسے "صاحب و صحب"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فصحاء صحابہ میں سے ہیں اور کون سا لغوی ان کے مرتبہ کے برابر ہوگا، اور اس وزن پر جمع آتی ہے جیسے فاسق کی جمع "فسقة" اور کاذب کی جمع "كذبة"۔ اس تعلیق کو امام بخاری نے "الادب المفرد" میں سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابو جعفر طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس اثر کی روایت اسی طرح کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لا تسلموا على شربة الخمر" یعنی شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۴۔۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن بکیر

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ وَنَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ كَلَامِنَا وَآتِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَأَقُولُ فِي نَفْسِي هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ أَمْ لَا حَتّٰى كَمَلَتْ خَمْسُونَ لَيْلَةً وَآذَنَ النَّبِيُّ ﷺ بِتَوْبَةِ اللّٰهِ عَلَيْنَا حِينَ صَلَّى الْفَجْرَ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن کعب نے کہا: میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا جب وہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے صحابہ کو منع فرما دیا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ کو سلام کرتا تھا، پھر میں اپنے دل میں سوچتا تھا: کیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، حتیٰ کہ پچاس راتیں گزر گئیں اور جب نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے ہماری توبہ کے مقبول ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۴۱۸، صحیح مسلم: ۲۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۱۰۲، سنن نسائی: ۳۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۲، مسند احمد: ۱۵۳۶۲)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بہت طویل ہے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق ہے۔ امام بخاری نے اس کو غزوۂ تبوک میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہاں امام بخاری نے اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور اس حدیث کی اتنی مقدار کو ذکر کیا ہے جس کی یہاں پر ضرورت تھی اور اسی کے مطابق یہاں پر عنوان قائم کیا ہے کہ جو شخص نافرمانی کرے اس کو تادیباً سلام نہ کیا جائے اور تادیباً اس کے سلام کا جواب نہ دیا جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ سلام کو پھیلایا جائے اور یہ حکم عام ہے، تو میں کہوں گا: جمہور کے نزدیک اس عموم سے فاسق کے سلام اور اس کے جواب کو خاص کر لیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن بکیر، اور یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عقیل، یہ عقیل بن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن عبداللہ، یہ ابن کعب بن مالک الانصاری السلمی المدنی ہیں، یہ اپنے والد عبداللہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، اور عبداللہ اس حدیث کو اپنے والد حضرت کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''وآتی'' یہ مضارع کا صیغہ ہے یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۴۔۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اہلِ معاصی کو ان کی تادیب کے لیے سلام نہ کرنا پہلے مسلمانوں کی سنت ہے، جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے تین اصحاب کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ اور اکثر اہلِ علم نے یہی کہا ہے کہ اہلِ بدعت کی تادیب کے لیے ان کو سلام نہ کیا جائے۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: جو عادی شرابی ہو اس کو سلام نہ کرو، اور جو لہو ولعب میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرو۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ یزید بن ابی حبیب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: اگر تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو جو شطرنج کھیل رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرو۔ (شعب الایمان: ۶۵۲۶)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر جب ان لوگوں کے پاس سے گزرتے جو چوسر کھیلتے تھے تو ان کو سلام نہ کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۱۶۴)

امام مالک نے اجازت دی ہے کہ جو شخص دائماً لہو ولعب میں مشغول نہ ہو، کبھی کبھی لہو ولعب میں مشغول ہوتا ہو تو اس کو سلام کرنا جائز ہے۔

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے کلام نہ کرنے کا معنی ہے: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تادیباً ان پر غم وغصہ کا اظہار فرمایا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔ (النساء: ۳۴) اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو، اور ان کو (تادیباً) مارو۔

امام بخاری کے عنوان کا دوسرا جزو یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کی توبہ کب تک ظاہر ہو گی؟

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: اس کی کوئی حد معین نہیں ہے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے توبہ کرتے ہی اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی اور نہ اسی دن اس کی توبہ قبول ہو گی، حتیٰ کہ اس کے اوپر اتنا عرصہ گزر جائے جس عرصہ میں قرائن سے اس کی توبہ کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہوا اور اس کی تلافی کرنے کے درپے ہو۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۶۔۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاسق اور مرتکب معصیت کی توبہ کی کوئی حد معین نہ ہونے پر دلیل

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبوں کے متعلق توبہ کے مقبول ہونے کی کوئی حد معین نہیں ہوئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں توقف فرمایا تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کا انتظار فرمایا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی۔

بدعتی اور فاسق سے سلام اور کلام کے منقطع ہونے پر دلیل

مبتدع اور جس نے کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہو اس کو سلام نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے جیسا کہ امام بخاری اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ظالموں کو سلام کرنے پر مجبور ہو جائے تو انہیں اس نیت سے السلام علیکم کہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص دائماً شراب نوشی کرتا ہو، اس کو سلام نہ کرو اور نہ اس کو سلام کرو جو اپنے ماں باپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۸۶-۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بکثرت مذاق کرنے والے اور فحش باتیں کرنے والے کے متعلق فقہائے اسلام کا نظریہ

بعض فقہائے احناف نے اس کے ساتھ ان گناہ کرنے والوں کو لاحق کیا ہے جو بکثرت مذاق کرتے ہیں، لہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں اور فحش باتیں کرتے ہیں اور بازاروں میں بیٹھتے ہیں تاکہ گزرنے والی عورتوں کو تاڑیں، اور اس طرح کے بیہودہ کام کرنے والوں کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

اور علامہ ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا: جو لوگ اپنی بری خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ان کو سلام نہ کیا جائے۔

اور علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: یہ بطور تادیب ہے اور ان سے بیزاری کے اظہار کے لیے ہے۔

فساق، فجار سے سلام اور کلام کو منقطع کرنے کے متعلق دلائل

امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ فساق فجار کو سلام نہ کیا جائے اور نہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اور یہ قید لگانا کہ جو فاسق اپنے فسق پر توبہ نہ کرے، یہ عمدہ ہے لیکن حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ سے اس پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے جو گناہ سرزد ہو گیا تھا، وہ اس پر نادم ہوئے اور انہوں نے اس پر توبہ کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کلام کرنے کو مؤخر کر دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور اس کا

تقاضا یہ ہے کہ کسی فاسق سے کلام نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس کی توبہ قبول ہو جائے، اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے قبول ہونے پر مطلع ہونا تو ممکن تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد توبہ یہ ممکن نہیں ہے، پھر اس کی توبہ کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہو اور جو گناہ اس سے سرزد ہو گیا ہے تو اب دوبارہ اس گناہ کو نہ کرے۔

صحیح بخاری کی تعلیق کی تائید میں دیگر احادیث

امام ابوجعفر طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شراب پینے والے اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔

اور امام سعید بن منصور نے سندِ ضعیف سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو لوگ شراب پینے والے ہوں، ان کو سلام نہ کرو اور جب وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور جب وہ مر جائیں تو ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو۔

امام ابن عدی نے بھی اس حدیث کی سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں باہر نکلتا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا اور مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے دیوار سے ان کے گھر میں جھانکا اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

امام بخاری نے اس قصہ سے صرف اتنا ہی ذکر کیا ہے جس کی یہاں ضرورت تھی، تاکہ ان کا یہ عنوان ثابت ہو کہ جو شخص اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے، اس سے تادیباً سلام کو ترک کر دیا جائے اور نہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ بہ کثرت سلام کرو، اس حدیث سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مخصوص کی گئی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس کہا۔ امام ابوجعفر طبری نے سندِ جید کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے کوئی مسلمان گزرتا، یا عیسائی گزرتا، یا چھوٹا گزرتا یا بڑا گزرتا تو وہ اس پر سلام کرتے، ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: ہمیں سلام کو پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے اور گویا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اس حدیث پر مطلع نہیں ہوئے جس سے سلام پھیلانے کے اس حکمِ عام کو خاص کر لیا گیا ہے۔

کسی دینی یا دنیاوی ضرورت کی بناء پر غیر مسلموں کو سلام کی ابتداء کرنے کا جواز

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ غیر مسلم کو سلام نہ کیا جائے، لیکن اگر کسی مسلمان کو کوئی دینی یا دنیاوی ضرورت ہو، مثلاً اس نے سفر میں رفاقت کا حق ادا کرنا ہو تو وہ سلام کر سکتا ہے۔ اور امام طبری نے سندِ صحیح کے ساتھ علقمہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا تو ایک دہقان ہمارا مصاحب ہو گیا یعنی ہمارے ساتھ سفر کرنے لگا، پھر جب ہمارے راستے الگ الگ ہوئے تو وہ اپنے راستہ پر چلا گیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر اس کا پیچھا کرتی رہی اور آپ نے فرمایا: السلام علیکم، علقمہ بیان کرتے ہیں، میں نے کہا: کیا آپ اس کو مکروہ قرار نہیں دیتے کہ غیر مسلموں سے سلام کی ابتداء کی جائے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! لیکن یہ صحبت اور رفاقت کا حق ہے، اور ابوجعفر طبری نے بھی اسی کے موافق کہا اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مجلس والوں پر سلام کیا تھا جن میں مسلمان بھی تھے اور کفار بھی تھے، اور اس کا جواب اس سے

پہلے باب میں گزر چکا ہے۔(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فساق کو سلام کرنے اور ان کے سلام کا جواب دینے کے متعلق تفصیل

جس آدمی نے تنہائی میں گناہ کا ارتکاب کیا اور اس کا اعلان نہیں کیا اس کو سلام کیا جائے گا، کیونکہ سلام کرنے والے نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ اور اصل یہ ہے کہ مسلمان کو ابتداءً سلام کیا جائے اور اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔ اور اگر کوئی شخص کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرتا ہو مثلاً شراب پیتا ہو تو جس وقت وہ شراب پی رہا ہو اس وقت اس کو سلام نہ کیا جائے اور اس کے بعد اس کو سلام کرنا جائز ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ شخص اس کو سلام کر کے اس کو نیکی کا حکم دینا چاہتا ہو اور برائی سے روکنا چاہتا ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۲۔ بَابٌ: كَيْفَ يُرَدُّ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ السَّلَامُ؟

اس کا بیان کہ ذمیوں کو سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں اہلِ ذمہ کے سلام کے جواب کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اہلِ ذمہ کے سلام کا جواب دینا منع نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے ان کے جواب کی کیفیت کے متعلق عنوان قائم کیا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور عموم فرمایا ہے:

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ (النساء: ۸۶)

اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ جو شخص تم کو سلام کرے تو تم اس کے سلام کا جواب دو خواہ وہ مجوسی ہو، اور شعبی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک اور جمہور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ اور عطاء نے کہا کہ یہ آیت مسلمین کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا کفار کے سلام کا مطلقاً جواب نہ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَهْلًا يَا عَائِشَةُ فَإِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ۔

نے بیان کیا کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو انہوں نے کہا: السام علیک، میں نے ان کی بات سمجھ لی تو میں نے کہا: تم پر سام (موت) ہو اور لعنت ہو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تمام امور میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان کو جواب دے دیا تھا "وعلیکم" (یعنی تم پر ہو)۔

(صحیح بخاری: ۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۸، مسند احمد: ۲۳۵۷۰)

صحیح البخاری: ۶۲۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں، اور یہ حدیث کتاب الادب میں اس باب میں گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فحش کلام نہیں فرماتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "السام" اس کا معنی ہے: موت۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: تم پر فوراً موت آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت وعلیکم السام واللعنۃ" اور ابوملیکہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے "بلکہ تم پر موت آئے اور مذمت آئے"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفار کے سلام کے جواب کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم کہو "وعلیکم"۔

(صحیح البخاری: ۶۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۱۶۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یہود تم کو سلام کریں تو ان میں سے کوئی ایک کہتا ہے: "السام علیک" تو تم کہو: "وعلیک"۔ (یعنی وہ کہتے ہیں: تم پر موت ہو تو تم کہو: اور تم پر ہو)۔ (صحیح البخاری: ۶۹۲۸، صحیح مسلم: ۲۱۶۴)

السام کا معنی

امام ابوعبید نے کہا ہے: السام کا معنی موت ہے۔ اور قتادہ نے اس کی تاویل کی ہے، کہ وہ کہتے ہیں کہ تمہارے دین پر موت آجائے۔

سعید نے بیان کیا از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک یہودی آیا اور اس نے آپ کو سلام کیا تو صحابہ نے اس کے سلام کا جواب دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اس نے کیا کہا؟ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اس نے سلام کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس نے کہا ہے "سام علیکم" یعنی تمہارے دین پر موت آئے۔

(تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۱۵، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۶)

اور ایک روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: "علیکم السام والذام" یعنی تم پر موت آئے اور تمہاری مذمت ہو یا تم پر دائمی موت آئے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۵)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ایک روایت میں "وعلیکم" کے الفاظ ہیں اور دوسری روایت میں "علیکم" کے الفاظ ہیں اور بغیر واؤ کے "علیکم" کے الفاظ زیادہ بہتر ہیں، کیونکہ واؤ حرف تشریک ہے۔ اس کا معنی ہے کہ تم بھی اس میں شریک ہو۔

(غریب الحدیث للخطابی ج ۱ ص ۳۲۲)

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: جب تم نے کہا "وعلیک" تو تم نے اپنے نفس پر بھی اس کو محقق کر دیا جو اس نے کہا اور اپنے نفس کو اس کے ساتھ شریک کر دیا، لیکن تم کہو: علیک، گویا کہ تم نے اس کے قول کو اس کے اوپر رد کر دیا اور شاید کہ علامہ ابن حبیب تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔

اہل ذمہ کو سلام کا جواب دینے میں مذاہب فقہاء

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا۔ (النساء: ۸۶) اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کر دیا اسی لفظ کو لوٹا دو۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ اور دوسروں نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے سلام کا جواب دینے اور کفار کے سلام کا جواب دینے، دونوں کے متعلق عام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا "اَوْ رُدُّوْهَا" اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار سے کہو "وعلیکم"۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بھی تم کو سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دو خواہ وہ مجوسی ہو۔

(تفسیر طبری ج ۴ ص ۱۹۱)

علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ یہودی اور نصرانی کے سلام کا جواب نہ دو، اگر تم جواب دو تو کہہ دو "علیک"۔

(المنتقی ج ۷ ص ۲۸۰-۲۸۱)

علامہ ابن عبدالحکیم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ یہودی اور نصرانی کی کنیت رکھنا جائز ہے اور ان کی عیادت کرنا بھی جائز

ہے اور یہ سلام کا جواب دینے سے بڑی بات ہے۔ (المنتقی ج ۳ ص ۳۴۳)

اور یحییٰ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا: جس شخص نے یہودی یا نصرانی کو سلام کیا تو کیا وہ اس سے اپنے سلام کو واپس لے؟ تو امام مالک نے کہا: نہیں! (المؤطا ج ۲ ص ۹۶۰)

اور ابن وہب نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ کو سلام کرو اور اس آیت سے استدلال کیا:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرہ: ۸۳) اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔

اور انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ (الزخرف: ۸۹) آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ آیت قتال اور جہاد کی آیات سے منسوخ ہوگئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ ان کو سلام کا جواب نہ دیا جائے اور سلام کا جواب دینے کی آیت اہلِ اسلام کے ساتھ خاص ہے۔ یہ عطاء کا قول ہے۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۱۹۱)

اور شارع علیہ السلام نے یہودی کے سلام کا جواب "وعلیکم" کے لفظ کے ساتھ دیا ہے، لہٰذا عطاء کا قول ساقط ہو گیا۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی معزز آدمی یا سلطان کی طرف سے بدلہ لینا جائز ہے، کیونکہ جب یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "السام علیک" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "علیکم السام واللعنة" لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے صرف "وعلیک" کہہ دینا کافی ہے۔

المعونۃ میں مذکور ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان سے کہا جائے: "السلام علی من اتبع الهدیٰ" جو ہدایت کا پیروکار ہو اس پر سلام ہو، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کے متعلق فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری: ۷، صحیح مسلم: ۱۷۷۳)

جس شخص نے کسی کو مسلمان سمجھ کر سلام کیا، پھر اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ تو کافر ہے تو مستحب یہ ہے کہ وہ اس سے اپنا سلام واپس لے لے اور اس سے کہے کہ میرا سلام مجھے واپس کر دو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اس شخص کو وحشت میں ڈالے اور یہ ظاہر کرے کہ ان دونوں کے درمیان الفت اور محبت نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرد کو سلام کیا، پس انہیں بتایا گیا کہ یہ تو یہودی ہے تو انہوں نے اس کا پیچھا کیا اور کہا: میرا سلام مجھے واپس کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۴۵۸، مکتب اسلامی، بیروت)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۸۸۔۹۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود کو لعنت کرنے کا بیان

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب یہود نے کہا "السام علیک" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: "علیکم،

السام واللعنۃ'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ان کے کلام سے زیادہ سخت جواب دیا اور وہ اس کے اہل بھی تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو، انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(صحیح البخاری:۴۱۷، صحیح مسلم:۸۲۶، سنن نسائی:۶۹۶)

لیکن یہ مقام اس کا تقاضا نہیں کرتا تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر و اے عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری:۶۰۲۴، صحیح مسلم:۲۱۶۵، سنن ترمذی:۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ:۳۶۸۹)

پس یہ عظیم کلمہ ہے جو ہر معاملہ میں نرمی کرنے پر مشتمل ہے، خواہ عبادات ہوں، معاملات ہوں، یا مخاطبات ہوں، نیکی کا حکم دینا ہو یا برائی سے روکنا ہو، اللہ تعالیٰ ہر چیز میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، پس اس کو تم قاعدہ بنالو اور اس کو تمام احوال میں جاری کرو، اور تم نرم ہو جاؤ خواہ تمہارے ساتھ کوئی نرمی نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نرمی کرنا پسندیدہ ہے اور یہ کافی ہے، اور جب تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہ کرو گے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عمدہ اجر دے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۲۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو یہود سلام کریں تو ان میں سے کوئی ایک شخص تم سے کہتا ہے: السام علیک (یعنی تم پر موت آئے) تو تم جواب میں کہو: ''وعلیک''۔

(صحیح بخاری:۶۹۲۸، صحیح مسلم:۲۱۶۴، سنن ترمذی:۱۶۰۳، سنن ابوداؤد:۵۲۰۶، مسند احمد:۴۵۶۳، موطا امام مالک:۱۷۹۰، سنن دارمی:۲۶۳۵)

صحیح البخاری:۶۲۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں اہل ذمہ کے سلام کے جواب دینے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اہل ذمہ کو سلام کرنے کے دیگر مباحث اور بقیہ احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقل وعلیک'' اس حدیث میں واؤ کا ذکر کیا گیا ہے اور الموطا میں بغیر واؤ کے مذکور ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ واؤ کے ساتھ اپنے ظاہر پر محمول ہے یعنی تم پر بھی موت آئے گی، کیونکہ ہم اور تم اس میں برابر ہیں، ہم سب پر موت آنی ہے۔ اسی طرح حدیث سابق میں جو ''وعلیکم'' ہے اس کی بھی یہی شرح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں واؤ

استیناف کے لیے ہے عطف کے لیے نہیں ہے اور اصل عبارت یوں ہے "تم پر وہ نازل ہو جس مذمت کے تم مستحق ہو"۔ اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: "تم پر وہ چیز نازل ہو جس کا تم ہمارے ساتھ ارادہ کرتے ہو یا جس کے تم مستحق ہو"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن ابی بکر بن انس نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو تم کہو وعلیکم۔

(صحیح بخاری: ۶۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۱۶۳، سنن ترمذی: ۳۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۷، مسند احمد: ۱۱۵۴۷)

صحیح البخاری: ۶۲۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشیر الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبیداللہ ابن ابی بکر بن انس بن مالک انصاری کا ذکر ہے، یہ اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے، ایک قول یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: تم کہو "وعلیکم السِلام" (سین کے نیچے زیر) اور اس کے معنی ہیں پتھر، یعنی تم پر پتھر برسیں۔ اور حافظ ابوعمر ابن عبدالبر نے اس کو رد کر دیا ہے، کیونکہ ہمارے لیے اہل ذمہ کو سب وشتم کرنا مشروع نہیں ہے۔

اور طاؤس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یوں کہو "وعلاکم السلام" (الف کے ساتھ) جس کے معنی ہیں بلندی، حافظ ابوعمر ابن عبدالبر نے اس کو بھی مسترد کر دیا ہے اور متقدمین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ ان کے سلام کے جواب میں یہ کہنا جائز ہے "علیکم السلام" جیسا کہ مسلمان کے سلام کے جواب میں کہا جاتا ہے، اور بعض علماء نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ آپ ان سے درگزر کیجیے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے ○ (الزخرف: ۸۹)

یہ علامہ ماوردی شافعی نے بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے، لیکن یہ نہ کہا جائے: ورحمۃ اللہ، اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور علقمہ سے روایت ہے کہ ضرورت کے وقت انہیں سلام کا جواب دینا جائز ہے، اور

متقدمین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ ان کے سلام کا بالکل جواب نہ دیا جائے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اہل ذمہ اور اہل حرب کے جواب میں فرق کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: مَنْ نَظَرَ فِي كِتَابِ مَنْ يُحْذَرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ لِيَسْتَبِينَ أَمْرُهُ

کسی کے اس مکتوب کو پڑھنے کا جواز جس میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بات لکھی ہو تا کہ صورت حال منکشف ہو جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کے مکتوب میں مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش لکھی ہو تو اس کا پڑھنا جائز ہے تا کہ اصل صورت حال معلوم ہو جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: جس نے اپنے بھائی کے مکتوب لو اس کی اجازت کے بغیر دیکھا تو گویا کہ اس نے دوزخ کو دیکھا۔

علامہ عینی اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اس شخص کے مکتوب کو خاص کر لیا جائے گا جس نے مسلمانوں کے خلاف کوئی بات لکھی ہو، کیونکہ کسی سازش کو دور کرنا زیادہ اہم ہے بہ نسبت بغیر اجازت کسی کے خط کو پڑھنے کے، علاوہ ازیں یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح بخاری کی حدیث کے پائے کی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۵۹۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ بُهْلُولٍ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ قَالَ حَدَّثَنِي حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَأَبَا مَرْثَدٍ الْغَنَوِيَّ وَكُلُّنَا فَارِسٌ فَقَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا امْرَأَةً مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَعَهَا صَحِيفَةٌ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ فَأَدْرَكْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهَا حَيْثُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ قُلْنَا أَيْنَ الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ قَالَتْ مَا مَعِي كِتَابٌ فَأَنَخْنَا بِهَا فَابْتَغَيْنَا فِي رَحْلِهَا فَمَا وَجَدْنَا شَيْئًا قَالَ صَاحِبَايَ مَا نَرَى كِتَابًا قَالَ قُلْتُ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن بہلول نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ادریس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حصین بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از سعد بن عبیدہ از ابوعبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور حضرت الزبیر بن العوام اور ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے، آپ نے فرمایا: تم روضہ خاخ میں جاؤ، کیونکہ وہاں مشرکین کی ایک عورت ہے اس کے ساتھ حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک مکتوب ہے جو مشرکین کی طرف انہوں نے بھیجا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم تھوڑی دور گئے جہاں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا تو ہم نے اس عورت کو پکڑ لیا، ہم نے اس سے کہا: وہ خط کہاں ہے جو تمہارے پاس ہے؟ اس نے کہا:

كَذَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ قَالَ فَلَمَّا رَأَتِ الْجِدَّ مِنِّي أَهْوَتْ بِيَدِهَا إِلَى حُجْزَتِهَا وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ فَأَخْرَجَتِ الْكِتَابَ قَالَ فَانْطَلَقْنَا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ يَا حَاطِبُ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ مَا بِي إِلَّا أَنْ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَمَا غَيَّرْتُ وَلَا بَدَّلْتُ أَرَدْتُ أَنْ تَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ يَدْفَعُ اللهُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي وَلَيْسَ مِنْ أَصْحَابِكَ هُنَاكَ إِلَّا وَلَهُ مَنْ يَدْفَعُ اللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ قَالَ صَدَقَ فَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا قَالَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّهُ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ فَدَعْنِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ قَالَ فَقَالَ يَا عُمَرُ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ قَالَ فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَقَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔

میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کو نیچے بٹھایا اور ہم نے اس کے پالان کے سامان کی تلاشی لی اس میں کوئی چیز نہیں تھی، میرے دونوں ساتھیوں نے کہا: ہم نے تو کوئی مکتوب نہیں دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا، اور جس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے تم ضرور وہ خط نکالو ورنہ میں تمہارے کپڑے اتار دوں گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اس نے دیکھا کہ میں اس بات میں سنجیدہ ہوں تو اس نے ازار باندھنے کی جگہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، وہ ایک چادر ازار کے طور پر باندھی ہوئی تھی اور خط نکالا، ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ نے فرمایا: اے حاطب! تمہیں اس کام پر کس نے برانگیختہ کیا؟ تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا ہوں، اور میں نے اس ایمان میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا، میں نے ارادہ کیا کہ میرا ان مشرکین کے اوپر کوئی احسان ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے اہل اور مال سے ان کے شر کو دور کر دے، اور آپ کے جتنے بھی اصحاب یہاں پر ہیں ان کے پاس ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے اہل اور مال سے مشرکین کے شر کو دور فرما دے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے تم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے، آپ مجھے چھوڑیں میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، آپ نے فرمایا: اے عمر! تمہیں کیا پتا اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہے عمل کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹، صحیح مسلم: ۲۴۹۴، سنن ترمذی: ۳۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۵۰، مسند احمد: ۶۰۱)

صحیح البخاری: ۶۲۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس مکتوب میں مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش لکھی ہو اس کو پڑھنے کا جواز" اور بعض سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ مکتوب کو کھولنا اور لکھنے والے کی اجازت کے بغیر اس کو پڑھنا تا کہ اصل معاملہ معلوم ہو جائے، یہ حدیث کتاب الجہاد میں "باب الجاسوس" میں گزر چکی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس مکتوب کو لے آئے جو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے ساتھ بھیجا تھا، اس مکتوب میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بعض مشرکین مکہ کی طرف یہ لکھ کے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی کے غزوہ بدر میں گزر چکی ہے اس باب میں "باب فضل من شهد بدرا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن بُہلول کا ذکر ہے، یہ التیمی الکوفی ہیں جو ۲۱۸ھ میں فوت ہو گئے تھے، ائمہ ستہ میں سے صرف امام بخاری نے ان سے حدیث روایت کی ہے، اور صحیح بخاری میں صرف ان سے یہی حدیث روایت کی گئی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ادریس کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ادریس بن یزید اودی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حصین کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد بن عبیدہ کا ذکر ہے، یہ ابوعبدالرحمٰن کے داماد ہیں اور ابوعبدالرحمٰن کا نام عبداللہ بن حبیب السلمی ہے۔ اس حدیث کے تمام رجال کوفی ہیں۔ اور ابومرثد ابن حصین الغنوی ہیں، اور کتاب الجہاد میں ابومرثد کی جگہ حضرت مقداد کا ذکر ہے، اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ساتھ ہوں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خاخ" یہ ایک جگہ کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فان بها امراة" اس عورت کا نام سارہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فابتغينا" یعنی ہم نے اس کے پالان میں سامان کی تلاشی لی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اهوت بيدها" یعنی اس عورت نے ازار باندھنے کی جگہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما غيرت" یعنی میں نے دین اسلام میں کوئی تغیر نہیں کیا اور میں مرتد نہیں ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "يد" یعنی میرا ان پر کوئی احسان ہو جائے اور میری طرف سے ان پر کوئی نعمت ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اعملوا" یعنی آخرت میں تمہاری مغفرت ہو جائے گی، سوا اس کے کہ اگر ان میں سے کوئی ایسے جرم کا

مرتکب ہوا جس پر حد واجب ہوتی ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی یا کسی کا حق اس پر واجب ہو تو وہ حق اس سے وصول کیا جائے گا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ جس نے گناہ کیا ہے اس کی پردہ دری کرنا جائز ہے اور جو عورت نافرمان ہو اس کے کپڑے اتارنا جائز ہیں۔ اور جب مسلمانوں کی کوئی مصلحت ہو تو کسی کے مکتوب کو بغیر اجازت کے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں لکھنے والے کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۸۔۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنے والے کے پردہ کو چاک کرنا جائز ہے، اور جو عورت نافرمانی کرے اس کے کپڑے اتارنا جائز ہیں، اور جس حدیث میں یہ روایت ہے کہ کسی کے خط کو نہیں پڑھنا چاہیے اور یہ حرام ہے، اور اس سلسلہ میں جو تغلیظ آئی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد از محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیوار پر پردے نہ ڈالو اور جس نے اپنے بھائی کے خط میں اس کی اجازت کے بغیر دیکھا تو وہ صرف دوزخ کی آگ کو دیکھتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۸۵)

امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ محمد بن کعب سے مروی ہے اور یہ تمام سندیں ضعیف ہیں۔ اور امام ابوداؤد کی سند بھی ضعیف ہے۔ (المعجم الطبرانی: ۱۰۷۸۱، مسند الشہاب ج ۱ ص ۲۸۴)

یہ حدیثیں بھی ضعیف ہیں۔

اگر کسی کے مکتوب میں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کا ذکر ہو تو اس کی اجازت کے بغیر اس خط کو پڑھنا جائز ہے

برتقدیرِ ثبوت اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس شخص کے مکتوب میں خیر کے سوا اور کچھ نہ لکھا ہو اور اگر اس نے مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کی ہو یا مسلمانوں کے خلاف لکھا ہو تو اس کی کتاب کی کوئی حرمت اور عزت نہیں ہے اور نہ اس شخص کی کوئی حرمت اور عزت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کسی عورت کو غیر محرم کے لیے برہنہ دیکھنا جائز نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ اس کے کپڑے اتار دیں گے اگر اس نے وہ خط نہیں نکالا، اور انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر تم نے خط نہیں نکالا تو تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ اور عورت کی حرمت مکتوب کی حرمت سے زیادہ ہے، اور جب اس عورت نے خیانت کی تو اس کی حرمت ساقط ہو گئی، اسی طرح اس مکتوب کی حرمت بھی ساقط ہو گئی۔

ضرورت کے وقت اجنبی شرمگاہ کو دیکھنے کا جواز

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف اس وقت دیکھنا جائز ہے کہ جب کوئی ایسی مصیبت نازل ہو کہ اس کی طرف دیکھنے کے بغیر اور کوئی چارہ نہ ہو، اور اس کی صحت پر دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام مالک از سہیل بن ابی صالح از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا: یارسول

اللہ! یہ بتایئے کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھوں تو کیا میں اس کو اتنی مہلت دوں کہ میں چار گواہ لے کر آؤں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (الموطاس ۴۵۹)

امام ابوجعفر طبری نے کہا: اور اگر چار گواہ آ جائیں تب بھی ان کے لیے اس زانی مرد اور زانی عورت کی شرمگاہوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے اور ان کا حاضر ہونا اور ان کا غائب ہونا برابر ہے، کیونکہ زنا پر گواہی دینا جائز نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ گواہ اس طرح گواہی دیں کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت عورت اور مرد کو برہنہ دیکھنا جائز ہے اور یہاں پر ضرورت زنا کے ثبوت پر گواہی کو مہیا کرنا ہے)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۹۳۔ ۹۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار لیں گے، تو اس عورت نے اپنے بالوں کے گچھے کے اندر سے وہ خط نکالا۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷)

جو عورت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا مکتوب لے کر مشرکین کی طرف جا رہی تھی اس کا تذکرہ

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

اس مسافرہ عورت کا نام سارہ تھا، یہ ابوعمرو بن صیفی بن ہاشم کی باندی تھی۔ اور اس کے نام میں اور بھی اقوال ہیں۔ حضرت حاطب نے یہ خط تین مشرکین کی طرف لکھا تھا (۱) صفوان بن امیہ (۲) سہیل بن عمرو (۳) عکرمہ بن ابی جہل۔ امام حاکم نے اکلیل میں بیان کیا ہے کہ یہ عورت علی الاعلان گاتی بجاتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار پڑھتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، سو یہ قتل کر دی گئی۔ لیکن ابونعیم اور ابن مندہ دونوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ عورت صحابیات میں سے تھی، اور قاضی اسماعیل نے حضرت حاطب کے قصہ میں لکھا ہے کہ جن صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش کے لیے بھیجا تھا، ان سے فرمایا تھا کہ وہاں مسلمانوں میں سے ایک عورت ہے جس کے پاس مشرکین کے نام ایک مکتوب ہے، اور صحابہ نے جب اس کے کپڑے اتارنے کا ارادہ کیا تو اس عورت نے کہا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حاکم سے روایت ہے کہ اس عورت کو فتح مکہ کے دن قتل کر دیا گیا تھا اور ابوعبید البکری کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہاں مشرکین میں سے ایک عورت ہو گی، اس میں مسلمین کی بجائے مشرکین کا لفظ ہے۔

اور علامہ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ جب وہ عورت مدینہ میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کیا تم مسلمان عورت آئی ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر تم کیوں آئی ہو، اس نے کہا: میں کسی کام سے آئی ہوں، آپ نے فرمایا: تم قریش کے جوانوں سے کیسے بچ کر نکل گئیں؟ (اسباب النزول للواحدی: ۸۱۱)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے مکتوب کے متن کے متعلق روایات

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

اس مکتوب میں اس طرح لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف رات کو ایک لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں اور اللہ کی قسم کھا کر کہا:

اگر رسول اللہ ﷺ تنہا بھی تمہاری طرف جاتے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو تم پر فتح عطا فرماتا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ان کے اوپر پورا فرماتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے اور آپ کا مددگار ہے، اور تفسیر ابن سلام میں لکھا ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا کہ سیدنا محمد ﷺ یا تمہاری طرف روانہ ہورہے ہیں یا کسی اور کی طرف، سو تم پر احتیاط لازم ہے۔ (الروض الانف ج ۴ ص ۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس مکتوب میں یہ لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مکہ پر حملہ کی اجازت دے دی ہے، اور میری یہ رائے نہیں ہے کہ آپ نے تمہارے علاوہ اور کسی کا ارادہ کیا ہو، تو میں نے پسند کیا کہ میرا تم پر احسان ہو کہ میں اس مکتوب سے تمہیں خبر دے رہا ہوں۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ منقول ہے کہ انہوں نے اپنے مکتوب میں لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر بہت عظیم ہے اور تم ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۴۰)

العِقاص یعنی بالوں کے گچھے کا معنی

کہا جاتا ہے کہ بالوں کا گچھا انار کی مثل ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک دھاگے سے بالوں کی مینڈھیوں کو باندھ دیا جاتا ہے اور علامہ ابن التین نے وثوق سے کہا ہے کہ العِقاص اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے مینڈھیوں کی اطراف کو باندھ دیا جاتا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس عورت نے اس مکتوب کو اپنے ازار باندھنے کی جگہ سے نکالا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو منافق کہا، اس کی توجیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر نفاق کے لفظ کا اطلاق کیا، کیونکہ انہوں نے کفارِ قریش کی مدد کی، حالانکہ ان کے باطن میں یہ تھا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جو یہ مکتوب لکھا تھا وہ ایک تاویل سے لکھا تھا اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کے صدق کو ظاہر فرما دیا اور ان کو اس سے نجات عطا فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں، کیونکہ اس نے کفر کیا ہے۔

علامہ باقلانی نے کہا کہ ہو سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ اس نے کفرانِ نعمت کیا ہے اور ان سے ان کی یہ مراد نہ ہو کہ یہ اسلام کے بعد کافر ہو گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ (الممتحنہ: ۱)

اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا کفر کرتے ہیں جو تمہارے پاس آچکا ہے۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا طلب کرنے کے لیے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی طرف دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے

بھٹک گیا O۔

اس آیت میں بھی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ایمان پر دلیل ہے، کیونکہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہ کریں، تو اگر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ سے دوستی رکھی بھی تھی تب بھی وہ مومنین کے خطاب میں داخل ہیں۔

اہلِ بدر کے لیے عمومی مغفرت کی بشارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہو چکے ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہے عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷)

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ بشارت اہلِ بدر کے گزشتہ گناہوں کے لیے ہے یا آئندہ گناہوں کے لیے ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: مجھ پر اس کی یہ توجیہ منکشف ہوئی ہے کہ یہ خطاب، خطابِ اکرام وتشریف ہے۔ یعنی ان صحابہ کے لیے ایسی حالت حاصل ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیا اور وہ اس کے اہل ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کے گناہوں کو بھی بخش دے اگر بعد میں ان سے گناہ صادر ہوں، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی اسی وقت مغفرت فرما دی جو گناہ ان سے ابھی نہیں ہوئے تھے اور ہونے والے تھے۔ یعنی ان میں ایسی صلاحیت تھی کہ وہ اس صلاحیت کی وجہ سے ان سے بعد میں صادر ہونے والے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں، اور کسی کام کی صلاحیت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کام بھی ہو، جیسے کئی صحابہ میں خلافت کی صلاحیت تھی لیکن ہر صحابی خلیفہ نہیں ہوا۔ اور اگر بدری صحابہ میں سے کسی نے کوئی گناہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دی، اور جو آدمی ان کے احوال پر مطلع ہوا سے اس چیز کا علم ہوگا۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۴۱۔ ۴۴۲، دار ابن کثیر، بیروت)

اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ان میں سے کسی کا ایسا جرم ثابت ہو جس پر حد واجب ہوتی ہے تو اس پر اس بشارت کے باوجود حد قائم کی گئی جیسا کہ حضرت مِسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین پر تہمت لگائی تھی تو ان پر بھی حدِ قذف جاری کی گئی۔ (اکمال المعلم ج ۷ ص ۵۳۹، بیروت)

میں کہتا ہوں: اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابی تھے اور انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں حصہ لیا تھا، سو ان پر بھی حدِ قذف جاری کی گئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جاسوس کا پردہ چاک کرنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو جب کہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور اس کا پردہ رکھنے میں کوئی خرابی ہو۔

(۲) علامہ ابن الجوزی نے کہا: جو آدمی تاویل سے کوئی ممنوع کام کرے اس کا حکم اس کے خلاف ہے جو عمداً ممنوع کام کو کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی خبر مشرکین کو دینا ممنوع ہے، لیکن حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے تاویل کے ساتھ یہ کام

کیا تھا اس لیے ان سے مواخذہ نہیں ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی براءت فرمائی کہ وہ مسلمان ہیں اور بدری صحابی ہیں۔

(۳) علامہ قرطبی نے کہا کہ مسلمان کے احوال کی مشرکین کو خبر دینا گناہِ کبیرہ ہے، لیکن کفر نہیں ہے۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۴۴۷، دار ابن کثیر بیروت)

(۴) علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ جاسوس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قتل اس لیے نہیں کیا گیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

لیکن امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جو جاسوس مسلمان ہو اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی اور اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ کوئی باوقار شخص ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے:

کسی مسلمان مرد کو قتل کرنا صرف ان صورتوں میں جائز ہے: جب وہ ایمان کے بعد کفر کرے، یا شادی کے بعد زنا کرے، یا کسی کو ناحق قتل کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۰۲، سنن ترمذی: ۲۱۵۹، سنن نسائی: ج ۷ ص ۹۱۔ ۹۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۳)

ابن وہب مالکی نے کہا: اگر جاسوس توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور بعض مالکیہ نے کہا: اگر جاسوسی کرنا اس کی عادت ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور ابن ماجیشون مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابن قاسم مالکی نے کہا ہے: اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور اس کی توبہ معروف نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج ۷ ص ۹۳)

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی سے منقول ہے کہ اس کو لمبے عرصہ تک قید میں رکھا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

(معالم السنن للخطابی ج ۲ ص ۲۳۸)

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ جب امام پر یہ ظاہر ہو کہ کسی شخص نے مشرکین کو مسلمانوں کے معاملات کی خبر دی ہے اور وہ لکھنے والا بے وقوف نہ ہو اور نہ اسلام میں دھوکا دینے والا ہو اور اس کا یہ فعل اس کی لغزش کی بناء پر ہو، اور اس نے اس طرح کے اور جرائم نہ کیے ہوں تو اس کو معاف کرنا جائز ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو معاف فرما دیا تھا باوجود اس کے کہ آپ ان کے جرم پر مطلع ہو گئے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ مرتبہ والے ہوں اور باعزت ہوں، ان کی لغزشوں کو معاف کر دو، سوا اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کریں۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۷۵، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱، صحیح ابن حبان: ۲۹۶)

(۵) امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نبوت کی خبروں اور علمِ غیب کا بیان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس عورت کی خبر دی جو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مکتوب لے کر قریش کی طرف جا رہی تھی اور اس جگہ کی خبر دی جہاں پر وہ عورت تھی اور یہ تمام امور بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔

(۶) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس کے متعلق جاسوسی کا یقین ہو اس کا پردہ چاک کرنا جائز ہے، اور نافرمان عورت کے کپڑے اتارنا جائز ہیں۔ اور یہ کہ کبھی جاسوس مومن بھی ہوتا ہے اور اس کا تجسس اس کو ایمان سے نہیں نکالتا اور بغیر سربراہِ ملک کی اجازت کے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرے جاسوسی کر کے یا کسی اور طریقہ سے تو اس کو معاف

کرنا بھی جائز ہے۔

(۷) اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وعید کو جس کے لیے چاہے مؤخر کر دیتا ہے، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہوا اور فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور اس فضیلت کی وجہ سے ان کے اس جرم کو معاف فرما دیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے احوال کی مشرکین کو خبر دی تھی۔

(۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو گناہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ان کو بھی معاف کرنا جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ ص ۱۶۲۔ ۱۷۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بدری صحابہ کے گناہوں کی مغفرت کی بشارت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں ان کو بخش دیا جائے گا، ورنہ اگر ان میں سے کسی ایک کے اوپر کوئی حد واجب ہوتی تو دنیا میں وہ حد ساقط نہ ہوتی۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: یہ نوید بطور استقبال نہیں ہے بلکہ یہ ماضی کے متعلق بشارت ہے، اور اصل عبارت یوں ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو، تم جو بھی عمل کرو گے تمہاری مغفرت ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا: اگر یہ مستقبل کے لیے بشارت ہوتی تو اس کا جواب یوں ہوتا کہ میں عنقریب تم کو بخش دوں گا۔ اور اگر اس طرح ہوتا تو یہ گناہ کرنے کی مطلقاً اجازت ہوتی حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ اپنے انجام سے خوفزدہ رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے تھے کہ کیا میں ان لوگوں میں سے تو نہیں ہوں جن کے متعلق تمہیں علم ہے کہ یہ منافق ہیں؟

اور علامہ قرطبی مالکی نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ تم عمل کرو، یہ امر کا صیغہ ہے اور یہ استقبال کے لیے وضع کیا گیا ہے، اور عرب امر کے صیغہ کو ماضی کے لیے نہیں استعمال کرتے نہ قرینہ کے ساتھ اور نہ بغیر قرینہ کے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو، تو اس کو فعل کی طلب پر محمول کیا جائے گا یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ پھر علامہ قرطبی نے یہ کہا کہ مجھ پر یہ نکتہ منکشف ہوا ہے کہ یہ خطاب تکریم اور تشریف کا خطاب ہے، یعنی ان لوگوں کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیا اور ان میں یہ صلاحیت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کے گناہوں کو بھی معاف فرما دے، اور کسی چیز کی صلاحیت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا وقوع بھی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے صدق کو آپ کی دی ہوئی ہر خبر کے اندر ظاہر فرما دیا، کیونکہ بدری صحابہ کرام ہمیشہ اہل جنت کے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوا تو وہ فوراً توبہ کر لیتے، اور یہ ان کے احوال سے معلوم ہو جاتا ہے جو ان کی سیرت کے اوپر مطلع ہوا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں معاف فرما دیا، یعنی تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے، یہ مراد نہیں ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بدری صحابہ تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کہا وہ کہا، اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کو یہ بشارت دی کہ ان صحابہ کے گناہ بخش دیے گئے، اور اگر بالفرض ان سے کوئی گناہ واقع ہو تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۷۔ ۵۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر دی تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر دی تھی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین میں بہت قوی تھے اور نفاق سے بہت زیادہ بغض رکھتے تھے، اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی، وہ قتل کیے جانے کا مستحق ہے، لیکن انہوں نے اس پر وثوق نہیں کیا اسی لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے قتل کی اجازت طلب کی۔ اور ان پر منافق کا اطلاق اس لیے کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں اس بات کو مخفی رکھا جو ان کے ظاہر کے خلاف تھی۔ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا عذر یہ ہے کہ انہوں نے اس تاویل سے وہ خط بھیجا تھا کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اور امام ابو جعفر طبری نے از حارث از حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قصہ میں روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کیا یہ بدر میں حاضر نہیں ہوا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ بدر میں حاضر نہیں ہوا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن انہوں نے عہد شکنی کی اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کے ترک کی وجہ کی طرف رہنمائی کی کہ یہ بدر میں حاضر ہوا ہے تو گویا کہ یوں کہا گیا کہ کیا بدر میں حاضر ہونے کی وجہ سے ان کا یہ سنگین گناہ بخش دیا جائے گا، تو آپ نے یہ جواب دیا کہ تمہیں کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا: تم جو عمل چاہو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

اس حدیث میں "لعل" کا لفظ ہے، شاید اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں جب امید کا لفظ آئے تو وہ یقین کے معنی میں ہوتا ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں وثوق کے صیغہ کے ساتھ یہ روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

بدری صحابہ کے گناہوں کی مغفرت کی بشارت کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ "اے اہلِ بدر تم جو چاہو عمل کرو میں نے تم کو بخش دیا"۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ تم کفر یا شرک کر دیا گناہِ کبیرہ کرو تم کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس فکر اور تشویش میں نہ رہو کہ تم سے کوئی بڑا گناہ ہو جائے گا اور تم کو اس کی سزا ملے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا ہے کہ تم سے کفر و شرک یا گناہِ کبیرہ سرزد ہونے نہیں دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی خدمات کی وجہ سے ان کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہوگا۔ اور اگر بالفرض ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو اس گناہ سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

اس کی نظیر درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں از حضرت عبد الرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صحابہ کو غزوۂ تبوک کی مدد کے لیے برانگیختہ فرما رہے تھے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے ذمہ ایک سو اونٹ، ان کے پالان اور چادروں سمیت اللہ کی راہ میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر غزوۂ تبوک کے لشکر کی مدد پر

صحابہ کرام کو برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ذمہ دو سو اونٹ اپنے پالان اور چادروں سمیت اللہ کی راہ میں ہیں، آپ نے پھر غزوۂ تبوک کے لشکر کی مدد پر صحابہ کرام کو برانگیختہ کیا تو پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ذمہ تین سو اونٹ اپنے پالان اور چادروں سمیت اللہ کی راہ میں ہیں۔ پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور فرمارہے تھے کہ اب عثمان کے اوپر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس کے بعد جو بھی عمل کریں، آپ نے پھر فرمایا: اب عثمان کے اوپر کوئی حرج نہیں ہے اس کے بعد وہ جو بھی عمل کریں۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۰)

اور دوسری حدیث میں ہے: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہزار دینار لے کر آئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لشکر کی مدد کے لیے برانگیختہ کررہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں بکھیر رہے تھے، حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کررہے تھے اور فرمارہے تھے: آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ آپ نے یہ دو مرتبہ فرمایا۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۱، مسند احمد ج ۵ ص ۶۳)

اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ مقام عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہوگیا کہ وہ ان سے کوئی گناہِ کبیرہ یا کوئی غلط کام سرزد ہونے نہیں دے گا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ اسی طرح صحیح بخاری کی اس حدیث میں اہلِ بدر کی مغفرت کی جو نوید ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۵۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں کو کفار کے شرور سے متنبہ کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں سے خبردار رہیں جو اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہتے ہیں، عام ازیں کہ وہ قائد میں اختلاف کریں یا غیر قائد میں، پس ان سے خبردار رہنا چاہیے حتیٰ کہ ہم کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

حدیث مذکور میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے متعدد نشانیاں ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عورت کی طلب میں تین صحابہ کو بھیجنا اور اس عورت کا وہیں پایا جانا وحی الٰہی پر مبنی تھا

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہم کو بھیجا اس عورت کی طرف جس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا مکتوب تھا جو انہوں نے مشرکین کی طرف لکھا تھا، اور جب وہ اس جگہ میں پہنچ گئے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا تو اس عورت نے اس بات سے انکار کیا کہ اس کے پاس کوئی چیز ہے، اور جب انہوں نے اس پر عزم کیا کہ وہ مکتوب نکالے تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کو خبر دی تھی، وہ وحی سے دی تھی

اور وہ برحق تھی۔

مسلمان جاسوس کو بھی قتل کرنے کا جواز

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان جاسوس کو بھی قتل کرنا جائز ہے، جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ یہ مرد ہمارے دشمن کے لیے جاسوسی کر رہا ہے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے بلکہ اس کو قتل کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے کوئی مانع ذکر نہیں فرمایا سوا اس کے کہ وہ بدری صحابی ہیں، اور یہ فضیلت صرف شرکاء بدر کو حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ہم کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص دشمن کے لیے جاسوسی کر رہا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں، سوا اس کے کہ سربراہِ مملکت اس کو قتل نہ کرنے میں کوئی مصلحت دیکھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دین میں قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین میں بہت قوی تھے، کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت طلب کی کہ وہ اس کو قتل کر دیں اور اس میں ان کا کمالِ ادب ہے، کیونکہ انہوں نے خود اس کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کی، اور اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ہمیں یہ چاہیے کہ ہم ایسے کاموں میں جرأت نہ کریں، مثلاً ہم بعض منکرات کو دیکھیں اور ان منکرات کو زائل کریں اور ہم کو ان منکرات کے زائل کرنے پر نہ ولایتِ عامہ ہو اور نہ ولایتِ خاصہ ہو تو ایسی صورت میں ہمیں چاہیے کہ جس سربراہ کو ولایتِ عامہ حاصل ہو ہم اس سے اجازت لے کر اس منکر کو زائل کریں۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی کیونکہ ان کا فعل بہ ظاہر قتل کرنے کا موجب تھا لیکن اس کے باوجود یہ ان کا ادب تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مانع بیان فرمایا۔

اہلِ بدر کی فضیلت اور ان کے ایمان پر خاتمہ کی دلیل

(۴) اس حدیث سے اہلِ بدر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تم کو بخش دیا، لیکن یہاں پر یہ اشکال ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو، کیا یہ حکم اباحت کے لیے ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ بدر کے لیے ہے کہ وہ چاہیں تو کفر کریں یا چاہیں تو گناہ کریں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم امتناع کے لیے ہے، اباحت کے لیے نہیں ہے۔ اور اہلِ بدر کے لیے یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان سے ان کے کیے ہوئے کاموں کی مغفرت ہو جائے گی، لیکن اس میں ایک اور وجہ سے بشارت یہ ہے کہ اہلِ بدر سے شرک نہیں ہوگا اور وہ اسلام کے بعد مرتد نہیں ہوں گے، کیونکہ اگر وہ اسلام کے بعد مرتد ہو جاتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ (البقرہ: ۲۱۷)

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔

اور اس طرح اہلِ بدر کے لیے یہ بشارت ہے کہ انہوں نے شرک کے سوا جو بھی گناہ کیا ان کی مغفرت ہو جائے گی، اور وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی اور ان کو جنت میں دخول سے مانع نہیں ہو گی، کیونکہ انہوں نے غزوۂ بدر میں حصہ لے کر بہت عظیم

نیکی کی ہے جو ان کی تمام سیئات کو مٹانے کی موجب ہے۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق میں شدید ہونے کے باوجود رقیق القلب تھے، سو اس حدیث میں تین امور ہیں، ایک یہ کہ وہ حق بات کہنے میں بہت شدید تھے، دوسری یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے اور تیسری یہ کہ جب ان پر حق واضح ہو جاتا تو ان کے دل پر رقت طاری ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے، اور انہوں نے اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا۔

مسلمانوں کے خلاف کفار کے لیے جاسوسی کرنا اللہ اور اس کے رسول کی خیانت ہے

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافروں کے لیے جاسوسی کرنا اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کرنا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو برقرار رکھا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ اور ان کو قتل کرنے سے مانع کا بیان کیا کہ یہ بدری صحابی ہیں۔

فرقۂ جبریہ کا ابطال

(۷) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار دیا ہے اور وہ اپنے اختیار سے جو چاہے کام کرتے ہیں، اور اس میں جبریہ کے اس قول کا بطلان ہے کہ انسان کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، اس کے چاہے سے کچھ نہیں ہوتا، انسان عمل کرنے میں مجبور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم جو چاہو عمل کرو۔

فلاسفہ اور بے دینوں کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا جواز

(۸) امام بخاری نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مسلمانوں کو فتنہ سے بچانے کے لیے کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا جائز ہے، تو کیا اس بناء پر فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں بلکہ واجب ہے کہ جس آدمی کو اپنے علم پر وثوق اور اعتماد ہو اور فلاسفہ اور ملاحدہ اور بے دینوں کی کتابیں پھیلی ہوئی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے، اور مسلمانوں کے ان کے فتنہ سے بچائے، ان کے شبہات کا جواب دے اور دلائل سے ان کا رد کرے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۶۵۔ ۶۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابٌ: كَيْفَ يُكْتَبُ الْكِتَابُ إِلَى أَهْلِ الْكِتَابِ؟

اہل کتاب کی طرف کس طرح مکتوب لکھا جائے؟ اس کا بیان

۶۲۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تِجَارًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ابوسفیان بن حرب نے ان

بِالشَّامِ فَأَتَوْهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُرِءَ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ۔

کو خبر دی کہ بے شک ہرقل نے انہیں قریش کی ایک جماعت میں بلایا اور وہ شام میں تاجر تھے، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب منگایا، پس اس کو پڑھا گیا، اس میں لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے ہرقل عظیم الروم کی طرف، اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیروکار ہو۔ اما بعد۔

(صحیح البخاری: ۷، ۵۱، ۲۶۸۱، ۲۸۰۴، ۲۹۴۱، ۲۹۸۷، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱، صحیح مسلم: ۱۷۷۳، سنن ترمذی: ۲۷۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۲۳۶۶)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے "اہلِ کتاب کی طرف مکتوب کس طرح لکھا جائے"۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہرقل کی طرف مکتوب لکھا اس میں لکھا ہوا تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد عبداللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ہرقل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید از محمد بن مسلم الزہری از عبید اللہ، جو عبداللہ بن عتبہ کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تجارا" یہ تاجر کی جمع ہے۔

اس حدیث کی شرح کتاب کے اول میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ ذمہ کو سلام کی ابتداء کرنے کی دلیل

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اہلِ کتاب کی طرف بسم اللہ لکھ کر بھیجی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کاتب مکتوب کے شروع میں

اپنا نام لکھے جیسا کہ مسلمان کی طرف مکتوب لکھا جائے تو اس طرح کیا جاتا ہے، اس حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت اہل کتاب کو سلام کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۹۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ ذمہ کو سلام کی ابتداء کی دلیل پر حافظ ابن حجر کا تبصرہ

اس باب میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہرقل کا جو قصہ بیان کیا تھا، اس حدیث کی ایک طرف ذکر کی گئی ہے۔ امام بخاری نے جو اس کا عنوان قائم کیا ہے اس سے اس حدیث کا مطلب واضح ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کو مکتوب لکھا جائے تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی جائے اور کاتب مکتوب سے پہلے اپنا نام لکھے اور انہوں نے کہا: اس میں یہ دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کو ضرورت کے وقت سلام کے ساتھ ابتداء کرنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: مطلقاً اہلِ کتاب کو سلام کے ساتھ ابتداء کرنے پر اعتراض ہے، کیونکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو ایک قید کے ساتھ سلام کیا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے "اس پر سلام ہو جو ہدایت کا پیروکار ہو" یا اس پر سلام ہو جو حق سے تمسک کرے وغیرہ وغیرہ، اور کتاب الاستیذان کے شروع میں اس میں فقہاء کا اختلاف بیان کیا جا چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہرقل کو "والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ" فرمانے کی حکمتیں

اس حدیث میں مذکور ہے: یہ مکتوب ہرقل کی طرف ہے جو عظیم الروم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف العظیم نہیں فرمایا، کیونکہ وہ فقط اپنی قوم کا عظیم تھا اور اس کے لیے عظمتِ مطلقہ ثابت نہیں تھی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "بل فعله كبيرهم" بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام بڑے نے کیا ہے، بلکہ ان کا بڑا کہا، یعنی بتوں میں جو سب سے بڑا بت ہے اس نے یہ کام کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں فرمایا: "السلام علیٰ من اتبع الهدیٰ" اور یہ نہیں فرمایا: "السلام علیک" کیونکہ یہود و نصاریٰ کو سلام کی ابتداء نہیں کی جاتی، اور آپ کے اس ارشاد میں بلاغت کی وہ قسم ہے جس کو "براعة الاستهلال" کہا جاتا ہے، یعنی کلام کے شروع میں ان الفاظ کو لایا جائے جو مقام کے مناسب ہوں، گویا کہ آپ نے یوں فرمایا: تم ہدایت کی اتباع کرو تا کہ تم پر سلام ہو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی ان آیات کو ملحوظ رکھا:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (الانعام:٩٠)

یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا:

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ (طٰہٰ:۴۷)

بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی O

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح ہرقل کو سلام کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔

مکتوب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کے فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے حتیٰ کہ اہلِ کتاب کی طرف مکتوب لکھا جائے تو اس میں بھی پہلے بسم اللہ لکھی جائے، کیونکہ بسم اللہ برکت اور خیر ہے اور عجب بات یہ ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا خبیث کو طیب کر دیتا ہے اور بسم اللہ کا نہ پڑھنا طیب کو خبیث کر دیتا ہے، پس جب تم ذبیحہ کو ذبح کرو اور بسم اللہ پڑھو تو وہ ذبیحہ طیب اور حلال ہوگا، اگر بسم اللہ نہ پڑھو تو خبیث اور حرام ہوگا۔ اور کھانے سے پہلے جب بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان اس سے محروم ہوگا، اور جب بسم اللہ کو نہ پڑھا جائے تو شیطان کھانے میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائے گا، اور حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ کام جس کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے، وہ ابتر ہے یعنی ناقص البرکت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پوری لکھی جائے یا فقط بسم اللہ کو لکھا جائے

فقط بسم اللہ کو لکھنا بھی جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ مکمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی جائے، البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھا جائے، کیونکہ رحمٰن اور رحیم ان دو اسموں کا تقاضا یہ ہے کہ جانور کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ اس پر رحم کیا جائے، پس ان دو اسموں کو کیسے لایا جائے گا جو فعل کی ضد ہیں۔ لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہوں اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا کہ میرے لیے اس جانور کو ذبح کرنا مباح کر دیا، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس جانور کا ذبح کرنا مجھ پر حرام ہوتا اور میں اس جانور کا گوشت کھانے سے محروم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ (یٰس:۷۲۔۷۳)

اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا، پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں O اور ان کے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے O

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۸۔۶۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابٌ: بِمَنْ يُبْدَأُ فِي الْكِتَابِ

کتاب میں کس کے نام سے ابتداء کی جائے، اس کا بیان

۶۲۶۱۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ

اور اللیث نے کہا: مجھے جعفر بن ربیعہ نے حدیث بیان کی از

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم نَجَرَ خَشَبَةً فَجَعَلَ الْمَالَ فِي جَوْفِهَا وَكَتَبَ إِلَيْهِ صَحِيفَةً مِنْ فُلَانٍ إِلَى فُلَانٍ۔

عبدالرحمٰن بن ہرمز از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بنی اسرائیل کے ایک مرد کا ذکر کیا، جس نے لکڑی کا ایک تنا لیا، پھر اس میں سوراخ کیا اور پھر اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیے اور اس کے صاحب کی طرف ایک خط لکھ دیا، اور عمر بن ابی سلمہ نے کہا از والد خود، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے لکڑی کے ایک تنے میں سوراخ کیا اور اس کے اندر مال رکھ دیا اور اس کی طرف ایک خط لکھ دیا کہ یہ فلاں کے لیے فلاں کی طرف سے ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۸، ۲۰۶۳، ۲۲۹۱، ۲۴۰۴، ۲۴۳۰، ۲۷۳۴، ۶۲۶۱، مسند احمد: ۸۳۸۱)

صحیح البخاری: ۶۲۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ یہ مکتوب فلاں کی طرف سے فلاں کی جانب ہے، کیونکہ اس میں کاتب نے اپنے نام سے ابتداء کی اور پھر مکتوب الیہ کا ذکر کیا۔ اور اس تعلیق کو ہم نے کتاب الکفالۃ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ کس نے اس کو طول کے ساتھ ذکر کیا اور کس نے اس کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لکھنے والا اپنے نام سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے: امام ابوداؤد نے از ابن العلاء بن الحضرمی از العلاء روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب لکھا اور اپنے نام سے ابتداء کی۔ اور اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے از معمر از ایوب روایت کیا ہے کہ میں نے ایک مکتوب پڑھا العلاء بن الحضرمی کی جانب سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ اور از معمر از ایوب روایت ہے کہ بسا اوقات وہ اس مرد کا نام پہلے ذکر کرتے جس کی طرف مکتوب لکھتے اور امام مالک سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۸۹۔ ۳۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لکھنے والا اپنے نام سے ابتداء کرے یا مکتوب الیہ کے نام سے ابتداء کرے، دونوں کا جواز

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا تو اپنے نام سے ابتداء کی اور ان سے

ایک مرد نے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے کسی کام کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھنا چاہتا ہے اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے نام سے ابتداء کرے، تو اس سے کہا گیا کہ اگر تم نے اپنے نام سے ابتداء کی تو یہ تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لیے زیادہ مفید ہوگا اور اس نے ایسا کیا۔ اور امام مالک نے کہا کہ مکتوب الیہ سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے، اور کہا کہ آج کل کے لوگوں کے عرف کے مطابق یہی ہے۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے لکھا ہے کہ سنت یہی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذکر سے شروع کرے اور یہ حکم تمام چیزوں میں ہے، مگر یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جانور کا مالک اس کے اگلے حصہ کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۴۶۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹)

مسند احمد کی پوری روایت اس طرح ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جانور کا مالک اس کے اگلے حصہ کا زیادہ مستحق ہے۔ اور امام احمد نے مسند احمد ج ۳ ص ۳۲ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جانور کے اگلے حصہ کا زیادہ مستحق ہے۔

حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے، امام بخاری نے کہا: یہ ثقہ ہے اور مقارب الاحادیث ہے، اور جمہور ائمہ نے اس کو ضعیف قرار دیا اور اس کے باقی رجال صحیح ہیں۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۷۷۳)

اور امام احمد نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے از بریدہ۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳)

اور امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کی حضرت بریدہ سے روایت کی ہے۔ (۴۷۳۵)

اور معمر نے روایت کی ہے از ایوب، انہوں نے کہا: میں نے ایک مکتوب پڑھا از العلاء بن الحضرمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب۔

اور شعبی نے کہا: ابوعبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل نے لکھا: از ابوعبیدہ اور معاذ، اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف۔

اور نافع نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمال جب ان کی طرف مکتوب لکھتے تو اپنے ناموں سے ابتداء کرتے۔ اور معمر نے کہا از ایوب از نافع کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے غلاموں کو حکم دیتے تھے کہ جب ان کی طرف مکتوب لکھیں تو اپنے ناموں سے ابتداء کریں ورنہ وہ ان کو جواب نہیں دیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۹۱۲، ۲۰۹۱۴، ۲۰۹۱۶)

اور ایک قوم نے یہ اجازت دی ہے کہ لکھنے والا اپنے نام سے پہلے کسی اور کا نام لکھ سکتا ہے، اور ایوب بسا اوقات اپنے نام سے پہلے کسی مرد کا نام لکھتے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۹۱۴)

اشہب نے روایت کی ہے کہ امام مالک سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے سے چھوٹے کی طرف مکتوب لکھے اور وہ اس سے افضل نہ ہو تو امام مالک نے کہا: اس کا نام پہلے لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اہل عراق نے کہا: کہ اپنے سے پہلے کسی کا نام نہ لکھو خواہ وہ تمہارا باپ ہو یا تمہارا بڑا ہو۔ اور ان کے قول کے خلاف یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کبّر کبّر" یعنی کسی شخص

نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے صاحب سے پہلے کلام کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے کو پہلے کلام کرنے کا موقع دو۔
(صحیح البخاری: ۳۱۷۳، صحیح مسلم: ۱۶۶۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۹۷۔۹۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں نبی ﷺ کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے "کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو"۔ اور اس عنوان سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ جو شخص بیٹھا ہوا ہو اس کا آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ لیکن امام بخاری نے وثوق کے ساتھ حکم نہیں بیان کیا، کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ أَهْلَ قُرَيْظَةَ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِ فَجَاءَ فَقَالَ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ قَالَ خَيْرِكُمْ فَقَعَدَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ قَالَ فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ وَتُسْبَى ذَرَارِيُّهُمْ فَقَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ بِمَا حَكَمَ بِهِ الْمَلِكُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ أَفْهَمَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ مِنْ قَوْلِ أَبِي سَعِيدٍ إِلَى حُكْمِكَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سعد بن ابراہیم از ابی امامہ بن سہل بن حنیف از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، کہ اہل قریظہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم سے قلعہ سے نیچے اتر آئے، تو نبی ﷺ نے ان کی طرف پیغام بھیجا، سو وہ آئے، پس آپ نے فرمایا: اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو یا فرمایا: اپنے سے بہتر کی طرف کھڑے ہو۔ سو وہ آ کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: یہ لوگ (بنو قریظہ) تمہارے حکم کے مطابق قلعہ سے اتر آئے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے، آپ نے فرمایا: تم نے وہی حکم دیا ہے جس کا فیصلہ بادشاہ (اللہ تعالیٰ) نے کیا تھا۔

امام ابوعبداللہ نے کہا: مجھے میرے بعض اصحاب نے از ابوالولید حضرت ابوسعید کے قول کی روایت کی کہ یہ تمہارے حکم کی طرف قلعہ سے اترے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۳، ۳۸۰۴، ۴۱۲۱، ۶۲۶۲، صحیح مسلم: ۱۷۶۸، سنن ابوداؤد: ۵۲۱۵، مسند احمد: ۱۰۷۸۴)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، یہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواُمامہ (الف پر پیش ہے)، ان کا نام اسعد بن سہل بن حُنیف (حاء پر پیش) ہے، یہ انصاری ہیں۔ اور ابوسعید کا نام سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں قریظہ کا ذکر ہے، یہ یہود کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو ایک قلعہ میں بند ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مقاتلتھم" یعنی مردوں کی وہ جماعت جو لڑنے والی تھی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الذراری"، یہ الذریۃ کی جمع ہے یعنی عورتیں اور بچے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "المَلِك" (اس میں لام کے نیچے زیر ہے) یعنی بادشاہ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ وہی علی الاطلاق حقیقی بادشاہ ہے۔ اور عصیلی کی روایت میں ہے کہ لام پر زبر ہے یعنی فرشتہ، اور اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو یہ حکم لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے تھے۔

کسی سردار یا بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا جواز

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کو حکم دے کہ وہ ان کے کسی بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں اور اس حدیث میں سلطانِ اکبر کی مجلس میں اہلِ فضل کی تکریم کے لیے کھڑے ہونے کا جواز ہے۔ اور تمام لوگوں پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ اور بعض علماء نے اس قیامِ تعظیم سے منع کیا ہے اور درجِ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر نکلے، ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔

امام ابوجعفر طبری نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے اور مضطرب السند ہے اور اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہے۔

نیز ان علماء نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

امام حاکم حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: جو یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں تو اس کے لیے دوزخ واجب ہے۔

امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے: اس میں اس کے لیے قیام کرنے سے منع فرمایا ہے جو اس قیام سے خوش ہوتا ہو اور اس کو منع نہیں فرمایا جو کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا ہو۔

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی الشافعی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں کسی بڑے عالم کے اوپر سید کے لفظ کے اطلاق کرنے کا جواز ہے۔ اور اس حدیث میں کسی رئیس فاضل اور امام عادل کی تعظیم کے لیے اس کے متبوعین کے کھڑے ہونے کا جواز ہے، اور اسی طرح متعلم کے لیے عالم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا جواز اور استحباب ہے۔ اور اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے جو ان صفات سے متصف نہ ہو۔

قیام کی چار قسمیں

علامہ ابوالولید بن رشد نے کہا ہے کہ قیام کی چار قسمیں ہیں:

(۱) اس شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ممنوع ہے جو اپنے تکبر اور بڑائی اور اپنی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔

(۲) اس شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے جو نہ تو تکبر کرتا ہے اور نہ کھڑے ہونے والوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو، لیکن یہ خدشہ ہو کہ وہ بھی ان میں داخل ہو جائے گا جن کے لیے کھڑے ہونے سے منع کیا گیا ہے، اور اس وجہ سے کہ اس میں متکبرین کے ساتھ مشابہت ہے۔

(۳) اس شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے کہ لوگ نیکی کے قصد سے اور اس کی تکریم کے لیے کھڑے ہوتے ہوں اور اس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، اور وہ متکبرین کے ساتھ مشابہت سے مامون ہو۔

(۴) اس شخص کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے جو کسی سفر سے آیا ہو اور اس کے آنے کی خوشی پر اس کے لیے قیام کیا جائے تا کہ اس کو سلام کرے، یا جس شخص کو نئی اور تازہ نعمتیں ملی ہوں تو وہ ان نعمتوں کے حصول پر اس کو مبارکباد دینے کے لیے کھڑا ہو، یا جو شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کی تعزیت کے لیے کھڑا ہو۔

علامہ التورپشتی کا حدیث مذکور سے قیام تعظیم کے استدلال پر اعتراض اور علامہ طیبی کا جواب

علامہ ابو عبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ نے کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ میں لکھا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے "قوموا الی سید کم" (اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو) تو اس کا معنی یہ ہے کہ سردار کی مدد کرنے کے لیے اور اس کو سواری سے اتارنے کے لیے کھڑے ہو۔ اور اگر اس سے مراد سردار کی تعظیم ہوتی تو آپ یوں فرماتے "قوموا لسید کم" یعنی اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، نے شرح الطیبی میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس امر کے تعظیم کے لیے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اکرام کے لیے بھی نہ ہو، اور وہ جو علامہ التورپشتی نے الی اور لام کا فرق بیان کیا ہے وہ ضعیف ہے، کیونکہ اس مقام پر الی، لام کے معنی میں ہے، گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ تم کھڑے ہو اور اپنے سردار کی طرف چل کر جاؤ اس سے ملاقات کے لیے اور اس کے اکرام کے لیے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم لگایا جائے تو اس مشتق کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے اور اس حدیث میں سیّد کی طرف کھڑے ہونے پر حکم لگایا ہے اور سیّد کا ماخذِ اشتقاق سیادت ہے، گویا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف کھڑے ہونے کی علت ان کی سیادت ہے، یعنی چونکہ وہ تمہارے سردار ہیں اس لیے تم ان کی طرف کھڑے ہو۔

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، نے کہا ہے کہ نیکی اور تکریم کے طور پر قیام کرنا جائز ہے جیسا کہ انصار نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا تھا، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا تھا، اور جس کے لیے قیام کیا جائے اس کو یہ اعتقاد نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس قیام کا مستحق ہے، حتیٰ کہ اگر اس کے لیے قیام نہ کیا جائے تو وہ اس کو ڈانٹے یا اس کی شکایت کرے اور اس پر ناراض ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیام تعظیم کی تحقیق

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی بڑا مجلس میں آئے تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز اور مستحب ہے اور اس کے خلاف درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی بعض کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۳، تہذیب الآثار للطبری: ۸۳۳)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: اس حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں ابوالعدبس اور ابومرزوق ہیں جو مجہول راوی ہیں اور ناقلین کا اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔

اسی طرح اس کے خلاف یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی۔ (تہذیب الآثار للطبری: ۸۳۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی ممانعت اس پر مبنی ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اس کے لیے کھڑا ہوا جائے۔ اور مطلقاً قیام کی اس حدیث میں ممانعت نہیں ہے۔ نیز قیام تعظیم پر درج ذیل حدیث دلیل ہے:

قیام تعظیم کے جواز اور استحباب کے دلائل

امام نسائی سندِ جید کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے کہ وہ آرہی ہیں تو آپ انہیں خوش آمدید کہتے اور ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے اور ان کو بوسا دیتے، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۳۹۱)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو، یہ ان کی تعظیم کے لیے ہے۔ کیونکہ ان کی دین میں خدمات تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر فتنہ کا خوف

نہیں تھا۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے جب ان کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۴۱۸، صحیح مسلم: ۲۷۶۹)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا۔ صرف دنیاداروں کی تعظیم کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایسے دین دار کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

قیام تعظیم کے متعلق امام مالک کا موقف

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں بہت مبالغہ کرتی ہے، وہ اس کے کپڑے اتارتی ہے، اس کی جوئیں دیکھتی ہے اور اس کے سامنے کھڑی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ بیٹھ جائے تو امام مالک نے اس کے جواب میں کہا کہ اس کا خاوند کے کپڑے اتارنا اور اس کی جوئیں دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کے لیے کھڑے رہنا حتیٰ کہ وہ بیٹھ جائے یہ درست نہیں ہے، یہ تو متکبرین کا فعل ہے اور بسا اوقات لوگ انتظار کرتے رہتے ہیں، جب وہ آتا ہے تو اس کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ اسلام میں نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے ایسا کیا گیا جب وہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی طرف آئے تو لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ قیام صرف رب العالمین کے لیے کرنا چاہیے۔ (الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۹۹)

علامہ داؤدی نے کہا: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو یا سیدی کہہ کر بلانا جائز ہے، اور امام مالک اس کو مکروہ کہتے تھے، اور غالباً ان کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ۔ (یوسف: ۲۵) اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا۔ (آل عمران: ۳۹) اور سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۰۔ ۱۰۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیام تعظیم کے متعلق علامہ نووی شافعی اور حافظ ابن الحاج مالکی کا مباحثہ

علامہ نووی نے قیام تعظیم کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس لیے قیام کیا تھا تا کہ حضرت کعب بن مالک کو ان کی توبہ کے مقبول ہونے پر مبارک باد دیں اور ان سے مصافحہ کریں۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث سے قیامِ تعظیم کے اوپر استدلال نہیں کیا۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو صرف مصافحہ پر استدلال کرنے کے لیے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر یہ قیام وہ ہوتا جس میں فریقین کا نزاع ہے تو اس قیام میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ منفرد نہ ہوتے۔ پس یہ منقول نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے ہوں یا آپ نے کسی کو کھڑے ہونے کا حکم دیا ہو اور نہ حاضرین میں سے کسی اور نے اس وجہ سے قیام کیا تھا۔ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے قیام میں اس لیے منفرد ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ دوستی اور محبت تھی اور جیسا کہ مسلمانوں میں عادت جاری ہے کہ وہ خوشی کے مواقع پر مبارک باد دیتے ہیں، سو جس کی جتنی محبت ہوتی ہے وہ اتنی زیادہ خوشی مناتا ہے اور اتنا زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اس کے برخلاف سلام ہے، کیونکہ سلام ہر اس شخص کے لیے مشروع ہے جس کو تم جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ اور دوستی میں تفاوت اور فرق حقوق میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ امر معروف ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس کے دل میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی اتنی محبت اور دوستی ہوتی جتنی محبت اور دوستی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی اور وہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی خوشی کے وقوع پر مطلع نہ ہوا ہوتا جس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مطلع ہوئے تھے تو وہ بھی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دینے کے لیے کھڑا ہوتا، کیونکہ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو کلام کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا تھا اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی اور میری طرف کھڑا نہیں ہوا، مہاجرین کی تخصیص میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف مہاجرین کے علاوہ انصار میں سے لوگ انہیں مبارکباد دینے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔

علامہ ابن الحاج نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہونے کو قیامِ تعظیم پر محمول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ دیگر مہاجرین نے اس مستحب کام کو ترک کر دیا اور ان کے ساتھ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔

نیز علامہ نووی نے قیامِ تعظیم پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اس وجہ سے کھڑے ہوئے ہوں تا کہ آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی جگہ پر بٹھائیں ان کے اکرام اور اعزاز کے لیے۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے ہوں۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ یہ معروف ہے کہ اس وقت لوگوں کے گھر تنگ تھے اور فرش کم بچھا ہوا تھا اور آپ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ ان کو اپنی جگہ پر بٹھائیں اور یہ آپ کے قیام کو مستلزم تھا۔ اور ابن الحاج مالکی نے اس دلیل میں بہت غور و فکر کیا ہے۔

پھر علامہ نووی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کے رضاعی والد آئے تو آپ نے ان کے لیے اپنا بعض کپڑا بچھا دیا جس پر وہ بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ نے ان کے لیے کپڑے کی دوسری طرف پھاڑ کر بچھا دی، پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ کھڑے ہوئے

اور آپ نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا، اور یہ قیامِ تعظیم ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ وہ قیام ہوتا جس میں فریقین کا نزاع ہے یعنی قیامِ تعظیم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والدین اس تعظیم کے زیادہ مستحق تھے بہ نسبت ان کے رضاعی بھائی کے اور آپ رضاعی بھائی کے لیے صرف اس لیے کھڑے ہوئے تھے کہ مجلس میں جو چادر بچھی ہوئی تھی اس میں ان کے لیے توسیع کی جائے۔

پھر علامہ نووی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام مالک نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے قصہ میں روایت کیا ہے کہ جب وہ فتح مکہ کے دن یمن کی طرف بھاگ گئے اور ان کی بیوی نے ان کی طرف سفر کیا حتیٰ کہ ان کو حالتِ اسلام میں واپس لے آئیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ خوشی سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور آپ کے اوپر کوئی چادر نہیں تھی۔ اور علامہ نووی نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: مجھے پتا نہیں میں کس چیز سے زیادہ خوش ہوا ہوں جعفر کے آنے سے یا خیبر کی فتح سے۔ اور علامہ نووی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے، انہوں نے دروازہ کو کھٹکھٹایا، آپ ان کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کو بوسا دیا۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ قیام محلِ نزاع سے متعلق نہیں ہے، کیونکہ آپ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے آنے پر جو کھڑے ہوئے تھے وہ ان کے اسلام لانے کی خوشی کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے جو کھڑے ہوئے تھے تو وہ بھی ان کے آنے کی خوشی کی وجہ یا خیبر کی فتح کی خوشی کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو کھڑے ہوئے تھے تو وہ بھی ان کے آنے کی خوشی کی وجہ سے کھڑے ہوئے تھے۔

اس کے بعد علامہ نووی نے قیامِ تعظیم کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کی امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے، جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ ہم دیکھتے کہ آپ گھر میں داخل ہو جاتے، یعنی اس وقت تک کھڑے رہتے۔

علامہ ابن الحاج نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام کا قیام کرنا اس ضرورت کی بناء پر تھا کہ اب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے سے فارغ ہو گئے ہیں اور اب وہ اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے، اور اس لیے کہ آپ کے حجرہ یا آپ کے گھر کا دروازہ مسجد میں تھا اور وہ مسجد کشادہ نہیں تھی کہ وہ سیدھے کھڑے رہتے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو جاتے۔ اسی طرح علامہ ابن الحاج مالکی نے کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مجھ پر علامہ نووی کی اس دلیل کا یہ جواب منکشف ہوا ہے کہ شاید صحابہ اتنی دیر اس لیے کھڑے رہتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ ہو سکتا تھا کہ آپ کو کوئی کام پیش آ ئے حتیٰ کہ اگر وہ متفرق ہو جاتے تو آپ کو انہیں بلانے کی تکلیف اٹھانی پڑتی۔ پھر میں نے سنن ابوداؤد کا مطالعہ کیا تو مجھے ایک حدیث کے آخر میں وہ بات مل گئی جو میں نے کہی ہے اور وہ اس اعرابی کا قصہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو پکڑ کر کھینچا تو آپ نے کسی مرد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اس اعرابی کے لیے اس کے اونٹ پر کھجور یا جو لاد دو، اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ واپس جاؤ اللہ

تعالیٰ تم پر رحم کرے، یعنی صحابہ کرام اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے رہے کہ شاید آپ کوئی اور حکم دیں۔

پھر علامہ نووی نے ان احادیث کے عمومات سے استدلال کیا ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان کے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق ٹھہراؤ اور سفید بالوں والے کی تعظیم کرو اور بڑے آدمی کی توقیر کرو۔ اور یہ حدیث بھی قیامِ تعظیم کی تائید کرتی ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بطور تکریم کسی کے لیے قیام کرنا ان عمومات میں داخل ہے لیکن جو محلِ نزاع ہے اس سے ممانعت ثابت ہے، لہٰذا ان عمومات سے وہ محلِ نزاع خاص کر لیا جائے گا۔

اور علامہ نووی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے پاس تلوار لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔

علامہ ابن الحاج مالکی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا یہ قیام تعظیم کے لیے نہیں تھا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرنے کے لیے تھا تا کہ مشرکین کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اذیت نہ پہنچے اور یہ محلِ نزاع نہیں ہے۔

پھر علامہ نووی نے حضرت معاویہ اور حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی بعض کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی۔

اور اس سے پہلے امام ترمذی کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو قیام نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس قیام کو ناپسند فرماتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور اس کا عنوان قائم کیا ہے کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ لوگوں کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔

علامہ نووی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے زیادہ قریب ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے قیام کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ آپ کو ان پر فتنہ کا خوف تھا کہ وہ آپ کی تعظیم میں افراط کریں گے تو اس وجہ سے آپ نے ان کے قیام کو ناپسند فرمایا، جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے "لاتطرونی" میری تعریف میں زیادہ مبالغہ نہ کرو۔ اور آپ نے بعض صحابہ کے دوسرے بعض صحابہ کے لیے قیام کو ناپسند نہیں فرمایا، کیونکہ صحابہ آپ کے علاوہ دوسروں کے لیے آپ کے سامنے قیام کرتے تھے، اور آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا بلکہ اس کو مقرر رکھا اور اس کا حکم دیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے درمیان کمال درجہ کی محبت اور انس اور دوستی اور صفائے قلب تھی جو آپ کی تعظیم کے لیے قیام سے بہت زائد تھی، لہٰذا قیام مقصود نہیں تھا۔ اور جب کسی انسان کو ایسی حالت میں فرض کیا جائے تو پھر قیام کی ضرورت نہیں ہوگی۔

علامہ ابن الحاج نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلا جواب اس وقت مکمل ہوگا جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ کرام کسی کے لیے بھی اصلاً قیام نہیں کرتے تھے، پھر جب وہ خصوصیت سے آپ کے لیے قیام کریں گے تو یہ تعظیم کے مبالغہ میں داخل ہو جائے گا، لیکن علامہ نووی نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے قیام کرتے تھے۔ پس ان کے لیے کس طرح جائز ہوگا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لیے وہ کام کریں جس میں تعظیم میں مبالغہ سے امن نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کو ترک کر دیں۔ پس اگر ان کا یہ فعل اکرام کے لیے تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکرام کے زیادہ لائق تھے، کیونکہ نصوص میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کی جائے، پس ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام جو دوسروں کے لیے قیام کرتے تھے وہ یا اس لیے تھا کہ کسی کے آنے کی وجہ سے قیام کرتے تھے یا کسی کو مبارک باد دینے کے لیے قیام کرتے تھے یا دوسرے اسباب کی وجہ سے قیام کرتے تھے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور جو محلِ نزاع میں داخل نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے لیے قیام کو ناپسند فرماتے تھے یہ وہی قیام تھا جو محلِ نزاع میں ہے یا وہ قیام ہے جو مذموم ہے جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

اور دوسرے جواب پر علامہ ابن الحاج مالکی نے یہ تبصرہ کیا ہے: اگر کسی صحابی کی صحابیت زیادہ مؤکد نہ ہو اور نہ اس کا مرتبہ معروف اور مشہور ہو اور وہ قیام نہ کرے تو وہ معذور ہے۔ اس کے برخلاف جس کی صحابیت مؤکد ہو اور اس کا مرتبہ بھی عظیم ہو تو اس کے لیے یہ متوجہ ہوگا کہ اس کے ساتھ زیادہ نیکی کرنا اور اس کا زیادہ اکرام کرنا مطلوب ہے اور اس کی زیادہ توقیر کرنی چاہیے۔ اور علامہ نووی کے قول پر یہ لازم آئے گا کہ جو آپ کے ساتھ زیادہ حق دار ہو اور جو آپ کے مرتبہ کے زیادہ قریب ہو وہ آپ کی تعظیم اور توقیر اس سے کم کرتا تھا جو آپ سے بعید ہو۔ اور احادیثِ صحیحہ میں اس کے برخلاف ہے جیسا کہ سہو کے قصہ میں روایت ہے کہ صحابہ میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، سو وہ آپ سے کلام کرنے سے ڈرے اور آپ سے حضرت ذوالیدین نے کلام کیا، حالانکہ ان کا مرتبہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بہ نسبت بہت بعید تھا۔ علامہ ابن الحاج نے کہا کہ اس قصہ سے یہ لازم آئے گا کہ عالم کے خواص اور کبیر اور رئیس اس عالم کی تعظیم نہیں کرتے تھے اور کھڑے ہو کر اس کی تعظیم نہیں بجالاتے تھے بخلاف اس کے جو ان سے بعید ہو۔ اور اس میں قیام کے ساتھ تعرض ہے اور نہ کسی اور چیز کے ساتھ اور یہ متفق علیہ ہے۔ علامہ ابن الحاج مکی نے کہا کہ جو چیز ممنوع ہے وہ محبت سے قیام کرنا ہے، اگر ان کے دل میں اس کا خطرہ نہ ہو تو ان کے لیے قیام کریں یا نہ کریں تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب قیام کو ترک کرنا توہین کی خبر دے یا اس پر کوئی فساد مترتب ہو تو پھر قیام کو ترک کرنا ممنوع ہوگا۔ اور اسی طرف ابن عبد السلام نے اشارہ کیا ہے جس کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ممنوع یہ ہے کہ لوگ قیام کو عادت بنالیں جیسا کہ عجمیوں نے عادت بنالی ہے اور جیسا کہ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور

اگر قیام اس لیے ہو کہ کوئی شخص سفر سے آیا ہے، یا حاکم کے لیے اس کے محلِ ولایت میں قیام ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اسی کے ساتھ وہ جوابات لاحق ہو جائیں گے جو علامہ ابن الحاج نے دیے ہیں جیسے کہ کسی شخص کو کوئی نعمت ملے اور اس کو مبارک باد دینی ہو یا کسی عاجز کی مدد کرنی ہو یا مجلس میں کشادگی کے لیے قیام کیا جائے یا اور کسی وجہ سے تو یہ جائز ہے۔ اور امام غزالی نے کہا ہے: قیام بطورِ اعظام کے مکروہ ہے اور بطورِ اکرام کے مکروہ نہیں ہے اور یہ عمدہ تفصیل ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۰-۳۳۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

مجلس میں آنے والے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: ''قوموا الی سیدکم'' اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۲، ج ۳ ص ۱۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی) اور امام ابوداؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۹۵، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

قیامِ تعظیم کے متعلق علامہ نووی شافعی کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جب معزز لوگ آئیں تو ان کی تعظیم اور اکرام کے لیے قیام کیا جائے، اسی طرح جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے قیام کے استحباب پر استدلال کیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام ممنوع یہ ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ور دوسرے لوگ اس کی تعظیم کے لیے جب تک وہ بیٹھا ہو کھڑے رہیں، (علامہ نووی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ اہل فضل کے آنے کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اس کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اور اس کی ممانعت میں صراحت سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے، میں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں مانعین کے تمام شکوک اور شبہات کو زائل کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

قیامِ تعظیم کے متعلق علامہ ابی مالکی کا موقف

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ قوم کے رئیس اور اہل خیر اور اہل فضل کی تعظیم کے لیے قیام کرنا چاہیے، کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زیادہ افراد کے لیے کھڑے ہوئے اور یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام ممنوع یہ ہے کہ جیسے عجمی بادشاہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، صحابہ کا اس میں اختلاف تھا کہ آپ نے صرف انصار کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کا حکم دیا تھا یا تمام مہاجرین اور انصار کو یہ حکم دیا تھا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۹۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

قیامِ تعظیم کے متعلق علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی کا موقف

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ عالم کے سامنے پڑھنے والے کے لیے بھی تعظیماً کھڑے ہونا مستحب ہے۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳۸ مطبوعہ مطبع عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ شامی کا موقف

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

یعنی اگر وہ شخص تعظیم کا مستحق ہو (تو اس کے آنے پر کھڑے ہونا مستحب ہے)۔ قنیہ میں ہے: جو شخص مسجد میں بیٹھا ہوا اس کا آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح قرآن مجید پڑھنے والے کا بھی آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے، البتہ جس شخص کے لیے قیام کیا جائے اس کا قیام کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ علامہ ابن وہبان نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں قیام مستحب ہے، کیونکہ قیام نہ کرنے سے کینہ، بغض اور عداوت پیدا ہوتی ہے، خاص طور پر جس شخص کے لیے عموماً لوگ قیام کرتے ہوں وہاں قیام کرنا مستحب ہے، باقی قیام پر جو وعید ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، جیسا کہ ترک اور عجمی کرتے ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عنایہ وغیرہ میں ہے کہ شیخ حکیم ابوالقاسم کے پاس جب کوئی غنی آتا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے اور فقراء اور طلباء کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے، جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو اس کو تکلیف ہوگی، اور فقراء اور طلباء مجھ سے صرف سلام کے جواب اور علمی مباحث میں گفتگو چاہتے ہیں۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

قیام تعظیم کے متعلق علامہ قاضی خاں کا موقف

علامہ حسن بن منصور اوز جندی المعروف بہ قاضی خاں، متوفی ۲۹۵ھ، لکھتے ہیں:

ایک قوم مصحف میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھ رہی ہو یا ایک اکیلا شخص پڑھ رہا ہو اور اس کے پاس معزز اور معظم لوگوں میں سے کوئی شخص آئے اور پڑھنے والا اس کی خاطر کھڑا نہ ہو تو فقہاء نے کہا کہ اگر آنے والا عالم دین، اس کا والد یا اس کو علم دین سکھانے والا استاذ ہے تو اس کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ج ۳ ص ۴۲۲ علی ہامش الہندیہ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اشراف اور معزز لوگوں کے لیے قیام تعظیمی جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور اگر کوئی شخص سفر سے واپس آئے، یا کسی کو مبارک باد دینی ہو یا اور کوئی جائز مقصد ہو تو پھر قیام کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ ابن الحاج اور فقہاء حنبلیہ میں سے علامہ ابن قیم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن موخر الذکر صورتوں میں وہ قیام کو جائز کہتے ہیں۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام تعظیم کے جواز اور استحباب پر امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام بیہقی اور جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان عظیم ائمہ اور فقہاء کے مقابلہ میں علامہ ابن الحاج اور علامہ تورپشتی کا اختلاف کچھ وقعت نہیں رکھتا خصوصاً جب ان کے اعتراض کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔

قیام تعظیم کے ثبوت میں دیگر احادیث و آثار

ہم ابھی ابھی امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اور امام احمد کے حوالوں سے حدیث "قوموا الی سید کم" کا ذکر کر چکے ہیں، جس سے جمہور فقہاء اسلام نے قیام تعظیمی کے جواز اور استحباب پر استدلال کیا ہے، اب ہم اس سلسلہ میں دیگر احادیث پیش کر رہے ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں مشابہ نہیں دیکھا، جب حضرت فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہوتے اور ان کو بوسا دیتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو وہ اپنی نشست سے کھڑی ہوتیں، آپ کو بوسا دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ (جامع ترمذی ص ۵۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

نیز امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الادب المفرد ص ۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو ہمیں اللہ کے توبہ قبول فرمانے کی خبر دی گئی، اس وقت مجھ سے صحابہ فوج درفوج ملے اور مجھے توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دینے لگے، وہ کہتے تھے کہ اللہ کا تمہاری توبہ قبول کرنا مبارک ہو، میں جب مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ (مجھے دیکھ کر) حضرت طلحہ بن عبیداللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر آ کے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی، بخدا مہاجرین میں سے ان کے سوا اور کوئی شخص میرے لیے نہیں کھڑا ہوا۔ (الادب المفرد ص ۲۴۳، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، لکھتے ہیں:

محمد بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے جاتے تو ہم آپ کے گھر میں داخل ہونے تک آپ کے لیے کھڑے رہتے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

ان احادیث کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث ہیں جو قیام تعظیم پر دلالت کرتی ہیں، علامہ نووی نے ان کو کتاب القیام میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کا تفصیلاً ذکر کیا ہے، لیکن ہم نے بغرض اختصار صرف مذکور الصدر احادیث کے بیان پر اکتفاء کی ہے۔ اب ہم ان احادیث کا ذکر کریں گے جن کو قیام تعظیم کے مخالفین بیان کرتے ہیں اور ان احادیث کے جوابات بھی بیان کریں گے۔

قیام تعظیم کے خلاف احادیث اور ان کے جوابات

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے، ہم آپ کے لیے کھڑے ہوگئے، آپ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہو، جو بعض، بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور، ۱۴۰۵ھ)

پہلی بات یہ ہے کہ امام طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مضطرب السند ہے۔ اور اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی حدیث کے معارض ہے جن میں آپ نے قیام کا حکم دیا ہے اور خود بھی قیام کیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس میں مطلقاً قیام سے منع نہیں فرمایا بلکہ عجمیوں کے قیام سے منع فرمایا ہے جس میں سردار بیٹھا رہتا ہے اور لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے، ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی درآں حالیکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر نماز کی تکبیریں کہہ رہے تھے، آپ نے ہم کو کھڑے ہوئے دیکھ لیا، پھر آپ نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا ہم بیٹھ گئے، جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ تم اہل روم اور فارس کی طرح کام کرنے لگو گے، جو اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، سو ایسا نہ کرو۔ (الادب المفرد ص ۲۴۴ مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا (اس کے باوجود) وہ حضور کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ آپ قیام کو ناپسند فرماتے ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۳۹۳، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کے دو جواب نقل کیے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا قیام کرنا اس لیے ناپسند تھا کہ آپ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ تعظیم میں زیادہ افراط نہ کرنے لگیں، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''لا تطرونی'' میری تعظیم میں زیادہ مبالغہ نہ کرو'' اور آپ نے آپس میں صحابہ کا قیام کرنا ناپسند نہیں کیا، کیونکہ بعض صحابہ کے لیے آپ نے خود قیام کیا اور آپ کے سامنے صحابہ دوسروں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا بلکہ ان کو مقرر اور ثابت رکھا اور اس کا حکم دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے اور صحابہ کے درمیان اس قدر انس اور محبت تھی جس میں قیام تعظیمی کی گنجائش نہیں تھی، اور جب لوگ کمال محبت کے ساتھ آپس میں گھل مل کر رہنے لگیں تو پھر قیام کے تکلف کی ضرورت نہیں رہتی۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابوحامد نے لکھا ہے: ہر چند کہ قیام، ثناء اور اعتذار وغیرہ صحبت کے حقوق میں سے ہیں، لیکن ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور تکلف ہے اور جب جانبین میں مکمل اتحاد ہوتا ہے تو تکلف کی بساط بالکلیہ لپیٹ دی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کا قیام

کرنا اور قیام کو ترک کرنا یہ دونوں امر ثابت ہیں اور دونوں کا ثبوت از منہ، احوال اور اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابومجلز بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ آئے تو حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ابن صفوان ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹھ جاؤ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے: جو اس سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔ (جامع ترمذی ص ۳۹۴، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قیام کی محبت سے ممانعت ہے اور اس میں مطلقاً قیام کی ممانعت کا بیان نہیں ہے، جس شخص کے دل میں قیام کی محبت نہ ہو، اس کے لیے لوگ قیام کریں یا نہ کریں اس پر کوئی ملامت نہیں ہے اور اگر کسی شخص کے دل میں قیام کی محبت ہو تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا خواہ لوگ اس کے لیے قیام کریں یا نہ کریں، لہٰذا اس حدیث سے ترکِ قیام پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیام کی وجہ سے کوئی شخص اس کی محبت میں مبتلا ہوگا جس سے منع کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ممنوع قیام کی محبت ہے قیام کرنا ممنوع نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ ابن الحاج اور علامہ ابن قیم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہر حال اس حدیث سے ترکِ قیام پر استدلال کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن ہے اور جن احادیث میں قیام کا حکم اور قیام کا ثبوت ہے وہ احادیث صحیحہ ہیں اور حدیث حسن حدیث صحیح سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نیز علامہ ابن قتیبہ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث میں اس قیام کی محبت پر وعید ہے جو عجمی بادشاہوں کے سامنے قیام کیا جاتا ہے بایں طور کہ جب تک بادشاہ بیٹھا رہے لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔
(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

قیامِ تعظیم کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کا موقف

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کے کسی سردار کی تکریم کا حکم دے اور سلطانِ اکبر کی مجلس میں اہلِ فضل کی تکریم کرنا جائز ہے اور ان کے اصحاب وغیرہ کا اس کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے اور تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے قیام کریں۔

علامہ طبری نے کہا ہے: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جس کو مسعر نے از ابی العنبس از ابی العدیس از ابی مرزوق از ابی غالب از ابی امامہ روایت کی ہے کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاٹھی کا سہارا لیتے ہوئے آئے، ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی دوسرے

بعض عجمیوں کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

علامہ طبری نے کہا: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے دین میں استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ابوالعدیس اور ابومرزوق دونوں مجہول ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی سند میں ناقلین کا اضطراب ہے۔

پھر اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو یہ پسند کرے کہ مرد اس کے لیے کھڑے رہیں تو اس کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہے۔ سو یہ گمان صحیح نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر اس کے لیے دی ہے جو اس سے خوش ہوتا ہے کہ اس کے لیے قیام کیا جائے اور اس میں نفسِ قیام سے ممانعت نہیں ہے۔

اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ منہال نے بیان کیا کہ مجھے حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی صاحبزادی کو دیکھتے کہ وہ آ رہی ہیں تو آپ انہیں خوش آمدید کہتے، پھر ان کی طرف قیام فرماتے اور پھر ان کو بوسا دیتے اور پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

(شرح ابن بطال ج ۹ ص ۴۷-۴۸، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر ہم دیکھیں کہ کوئی شخص دروازہ میں داخل ہوا ہے اور ہم کھڑے ہو جائیں اور اس کی طرف چل کر جائیں تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ اکرام اور تکریم کا اہل ہو اور ہمارا اس کی تکریم کرنا امورِ مسنونہ میں سے ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔

اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے بازو کی رگ میں ایک تیر لگ گیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوان سے محبت تھی اور آپ کے نزدیک جوان کا مرتبہ تھا، اس وجہ سے آپ نے حکم دیا کہ مسجدِ نبوی میں ان کا خیمہ بنایا جائے تاکہ آپ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے، کیونکہ وہ اس کے مستحق تھے۔ انہوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھ پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا حتیٰ کہ میری آنکھیں بنو قریظہ کی سزا سے ٹھنڈی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کے بعد ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور بنو قریظہ کو ان کے حکم کے مطابق قلعہ سے اتارا۔ پس یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فیصلہ کریں، کیونکہ حضرت سعد ان کے حلیف تھے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ عنقریب ان کے اوپر احسان رکھیں گے اور عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہیں کیا۔ اور جب وہ آئے تو انہوں نے بنو قریظہ سے کہا: میرا فیصلہ تم پر نافذ ہو جائے گا تو انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔

اس کے بعد شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے: ''قوموا لسیدکم'' ''تم اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو''۔ اس سے مراد ہے: کسی شخص کی تعظیم

کے لیے کھڑے ہونا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ افضل اس کو ترک کرنا ہے۔ اور اگر لوگ عدمِ قیام کی عادت بنالیں تو یہ زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ یہ صحابہ کا وہ فعل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ کرتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں لیکن کسی کا اکرام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ثقیف کا وفد آیا اور آپ مقامِ جعرانہ میں تھے تو آپ نے ان کے لیے قیام کیا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۰۷۔۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

علماء دیوبند کے نزدیک قیامِ تعظیم

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں:

کسی کے لیے قیام کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں اکثر صورتیں متفق علیہ ہیں اور ان کا حکم واضح ہے، سردار بیٹھا ہے اور حاضرین تعظیم و تکریم میں مسلسل کھڑے ہیں، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، یا آنے والے کے دل میں تکبر و بڑائی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں، یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے، آنے والے کے دل میں تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے قیام مکروہ ہے، کسی کی آمد پر خوشی کی وجہ سے استقبال کے لیے کھڑا ہونا بالاتفاق مستحب ہے، مبارک باد دینے کے لیے کھڑا ہونا بھی مستحب ہے، کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینے کے لیے کھڑا ہونا بھی بالاتفاق مستحب ہے۔ ان تمام صورتوں کے حکم میں اختلاف نہیں۔

صرف ایک صورت قیامِ تعظیمی کے حکم میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ آنے والے کے اکرام میں کوئی آدمی کھڑا ہوتا ہے اور آنے والے کے دل میں نہ اپنے لیے اس قیامِ تعظیمی کی خواہش ہے اور نہ تمنا، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک یہ کہ جس کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں، اس کے دل میں یہ طلب نہ ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کھڑے ہونے والے کے دل میں اس قیام کا داعیہ ہو، اگر دل میں اس کے اکرام کا داعیہ نہیں، محض ریاء اور تملق کی بناء پر کھڑا ہو رہا ہے تو جائز نہیں۔ (کشف الباری، کتاب الاستیذان، ص ۹۴۔۹۵، مکتبہ فاروقیہ، کراچی ۱۴۳۱ھ)

قیامِ تعظیم کے متعلق مصنف کا موقف

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے لیے قیام کو ناپسند فرمایا، وہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قیام فرماتے تھے جیسا کہ گزرا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے پر آپ قیام فرماتے تھے اور وفدِ ثقیف کے لیے آپ نے قیام فرمایا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ (الاعراف: ۱۵۷)

سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ (الفتح: ۹)

تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے قیام خواہ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہو یا بعد از وصال ہو ہر دو صورتوں میں جائز اور مستحب ہے۔

۲۷۔ بَابُ: الْمُصَافَحَةِ

مصافحہ کرنے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم التَّشَهُّدَ، وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم دی اور میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھیں۔

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ إِلَيَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ يُهَرْوِلُ حَتَّى صَافَحَنِي وَهَنَّأَنِي۔

اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف فرما تھے، پس حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ میری طرف کھڑے ہوئے اور تیز چل کر آئے حتیٰ کہ میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مجھ کو مبارک باد دی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مصافحہ کرنے کے جواز کا بیان ہے۔ مصافحہ بابِ مفاعلہ سے ہے، اس کا معنی ہے: ایک ہتھیلی کی چوڑائی کو دوسری ہتھیلی کی چوڑائی کے ساتھ ملانا اور چہرہ کو چہرہ کے مقابل کرنا۔ علامہ کرمانی نے کہا: مصافحہ کا معنی ہے ہاتھ کو پکڑنا اور یہ محبت کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعلیق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم دی اور میری ہتھیلی آپ کی دو ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو اس باب کے بعد سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے بعد امام بخاری کی دوسری تعلیق ہے جس میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قیام اور ان کے مصافحہ کرنے اور مبارک باد دینے کا ذکر ہے۔ یہ تعلیق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے توبہ قبول ہونے کے سلسلہ میں ہے۔ اس تعلیق کی حدیث میں "یہرول" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: ایک قسم کا دوڑنا۔ اور اس تعلیق میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا ذکر ہے، یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ نَعَمْ۔ (سنن ترمذی: ۲۷۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان مصافحہ ہوتا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں!

صحیح البخاری: ۶۲۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عاصم، یہ ابن عبید اللہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، وہ ابن یحییٰ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان مصافحہ کرنے کا معمول تھا۔ اور وہی حجت ہیں اور امت کے لیے پیشوا ہیں۔ پھر ان کے بعد صحابہ کرام کے تابعین ہیں۔ اور ان سے بھی مصافحہ کے متعلق آثار حسان مروی ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ مصافحہ عام علماء کے نزدیک مستحسن ہے اور امام مالک نے پہلے اسے مکروہ کہا تھا اور بعد میں اس کو مستحسن کہا ہے۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ تمام علماء کے نزدیک ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا ایسی سنت ہے جس پر سب کا اجماع ہے اور مصافحہ کے عمومی حکم سے اجنبی عورت اور بے ریش لڑکے سے مصافحہ کرنا مستثنیٰ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۴ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ۔

(صحیح بخاری: ۳۶۹۴، ۶۲۶۴، ۶۶۳۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حیوۃ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابو عقیل زہرہ بن معبد نے حدیث بیان کی، انہوں نے اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن ہشام سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا۔

صحیح البخاری: ۶۲۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "المصافحۃ" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا اور اسی کو مصافحہ کہتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابی سعید الجعفی الکوفی ہیں جو مصر میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن وہب کا ذکر ہے، وہ عبد اللہ بن وہب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حیوۃ کا ذکر ہے، یہ حیوۃ بن شریح ہیں۔ وہ زہرہ بن معبد سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن عبد اللہ بن ہشام بن عثمان بن عمرو القرشی التیمی کا ذکر ہے جن کا اہل حجاز

میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: ان کو ان کی والدہ زینب بنت حُمید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، وہ اس وقت کم سن تھے۔ آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعا کی اور ان کو بیعت نہیں کیا کیونکہ وہ اس وقت کم عمر تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۲۔ ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مصافحہ کے ثبوت میں دیگر احادیث

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی از شعبہ از سماک، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مصافحہ کے متعلق بحث کر رہے تھے تو النعمان بن حُمید نے کہا: میں اپنے ماموں عباد بن شرحبیل کے ساتھ سلیمان کے پاس گیا، پس جب سلمان نے ان کو دیکھا تو ان سے مصافحہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۰، المجلس العلمی، بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از ابو اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۱، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(سنن ابوداؤد: ۵۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۳، سنن ترمذی: ۲۷۲۷، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۹، ۳۰۳)

امام ابن ابی شیبہ از حنظلہ السدوسی از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کریں، آپ نے فرمایا: ہاں!

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۲، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(سنن ترمذی: ۲۷۲۸، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، مصنف عبد بن حمید: ۱۲۱۷، مصنف ابو یعلیٰ: ۴۲۸۷، ۴۲۷۱)

اس حدیث کے بہ کثرت شواہد ہیں۔ اور درج ذیل حدیث بھی ان میں سے ایک ہے:

نیز امام ابن ابی شیبہ از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۳، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(صحیح البخاری: ۶۲۶۳، سنن ترمذی: ۲۷۲۹)

امام ابن ابی شیبہ از شعبہ از غالب روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شعبی سے کہا کہ ابن سیرین مصافحہ کرنے کو مکروہ کہتے ہیں تو شعبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مصافحہ کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک سفر سے واپس آتا تو اپنے صاحب کو گلے لگاتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۴، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲،

دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

معاذ بن معاذ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عون سے مصافحہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ محمد (ابن سیرین) ہمارے ساتھ مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم ان کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے۔ اور جب کوئی شخص ان کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اپنے ہاتھ کو کسی سے نہیں روکتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۵، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

ابن فضیل بیان کرتے ہیں از اللیث از ابن الاسود، انہوں نے کہا کہ سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۶، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)۔

امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں: ہمیں ابن مبارک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ایوب از عبید اللہ بن زحر از علی بن زید از القاسم از حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: تمہارے سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۳۸، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(سنن ترمذی: ۲۷۳۱، مسند احمد: ج ۵ ص ۲۶۰، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کا ایک شاہد امام ترمذی نے نقل کیا ہے، سنن ترمذی: ۲۷۳۰)

علاوہ ازیں امام بخاری نے سندِ حسن کے ساتھ اس حدیث کو الادب المفرد: ۹۶۸ میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ سلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے مصافحہ کرو۔

معانقہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن مسعر نے حدیث بیان کی از الاجلح از الشعبی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسا دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۶۲۴۳، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی روایت کی گئی ہے:

(امام حاکم نے اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ المستدرک ج ۲ ص ۶۲۴ اور حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ج ۳ ص ۲۱۱ میں اس کا دوبارہ ذکر کیا ہے۔)

(نیز امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سند صحیح ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ المستدرک ج ۱ ص ۳۱۹)۔

(نیز علامہ الزبیدی نے اس کو احیاء العلوم کی شرح میں نقل کیا ہے۔ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۲۷۹۔ اور امام بیہقی نے اس کو دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۴۶ میں ذکر کیا ہے)۔

(امام طبرانی نے اس حدیث کی حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے معاجم ثلثہ میں روایت کی ہے۔ المعجم الکبیر: ۱۴۷۰، المعجم الاوسط: ۲۰۲۴، المعجم الصغیر:

۳۰۔اور حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے)۔

(اور امام ابن عدی نے الضعفاء الکامل ج ۶ ص ۲۲۲۵ میں اس کی روایت کی ہے)۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی از حجاج بن دینار از عتبہ بن ابی عثمان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا یعنی معانقہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴۴، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

نیز امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از ابی بلج، انہوں نے کہا: میں نے عمرو بن میمون اور اسود بن ہلال کو دیکھا، دونوں کی باہم ملاقات ہوئی اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے صاحب کو گلے لگایا یعنی معانقہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴۵، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

نیز امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی از عباد بن عباد، انہوں نے کہا: میں نے ابومجلز اور خالد الاشج کو دیکھا، پس دونوں نے ملاقات کی اور دونوں نے اپنے صاحب سے معانقہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴۶، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصافحہ کے جواز اور استحسان کے متعلق دلائل

عام علماء کے نزدیک مصافحہ کرنا مستحسن ہے۔ امام مالک نے پہلے اس کو مکروہ کہا تھا اور بعد میں اس کو مستحب قرار دیا اور انہوں نے کہا کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: لوگ مصافحہ نہیں کرتے اور میں اس کو کرتا ہوں۔ اور انہوں نے دو آدمیوں کے معانقہ کرنے کو مکروہ قرار دیا۔ اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ۔ (یونس: ۱۰) اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی "سلام علیکم"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا منشاء یہ ہے کہ اس آیت میں صرف سلام کا ذکر ہے اور معانقہ کا ذکر نہیں ہے۔

اور امام مالک سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے سفیان بن عیینہ سے مصافحہ کیا اور یہ دوستی اور محبت کو پختہ اور مضبوط کرتا ہے۔

(المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۱۶)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، جب ان کی طرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور ان سے مصافحہ کیا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں حضرت طلحہ کی اس مبارک باد کو کبھی نہیں بھولوں گا اور انہیں یہ خبر دی کہ حضرت طلحہ نے ان کی طرف عظیم قیام کیا اور مصافحہ کیا اور خوش ہوئے۔ اور صحابہ کرام کے نزدیک سب سے افضل صلۂ رحم مصافحہ کرنا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مصافحہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں معمول تھا اور وہی دین میں حجت اور امت کے لیے پیشوا ہیں، پھر ان کے بعد تابعین کا مرتبہ ہے۔ اور ان کے متعلق بھی آثار حسان مروی ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے از ابی خالد و ابن نمیر از الاجلح از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دو مسلمان ایک دوسرے سے مل کر ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۷۰۸)

اور حماد نے از حُمید از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے اہلِ یمن نے آ کر مصافحہ کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۲)

اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی مرد آتا تو آپ اس سے مصافحہ فرماتے اور آپ اپنا ہاتھ اس سے نہیں کھینچتے تھے حتیٰ کہ وہی اپنا ہاتھ کھینچتا اور آپ اپنا منہ اس سے نہیں موڑتے تھے حتیٰ کہ وہ مرد آپ سے منہ موڑتا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۹۰)

اور روایت ہے کہ تم ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو، یہ کینہ کو دور کرتا ہے اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، یہ بغض کو دور کرتا ہے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۹۰۸)

مصنف کے تتبع سے مصافحہ کے جواز کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پھر وہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور اللہ عزوجل کی حمد کریں اور اللہ عزوجل سے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۱۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کریں، پس مصافحہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۱۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن ترمذی: ۲۷۲۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۳، مسند احمد: ۱۸۵۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہلِ یمن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس اہلِ یمن آئے ہیں اور یہ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے مصافحہ کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۱۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عنزہ کے ایک مرد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت پوچھا جب وہ شام سے آئے کہ جب آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے مصافحہ کرتے تھے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں جب بھی آپ سے ملا تو آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور ایک دن آپ نے کسی کو میرے گھر بھیجا، میں گھر میں نہیں تھا اور جب میں آیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام لانے والے کی خبر دی گئی تو میں آپ کے پاس آیا، اس وقت آپ اپنے تخت کے اوپر تھے، آپ نے مجھے لپٹا لیا۔ الحدیث (مسند احمد: ۲۱۴۷۶، ج ۵ ص ۱۶۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۰ھ)

فلان العنزی بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے، جب لوگ ان سے چھٹ گئے تو میں نے کہا: اے

ابوذر! میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام کے متعلق سوال کرتا ہوں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے تو میں نہیں بیان کروں گا، میں نے کہا: وہ راز نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا تو کیا آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرتے تھے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اس شخص سے سوال کیا ہے جس کو اس حدیث کی مکمل خبر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مجھے نہیں ملے مگر میرا ہاتھ پکڑتے سوا ایک دفعہ کے اور وہ آخری دفعہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں آپ کے پاس آپ کے اس مرض میں آیا جس میں آپ کی وفات ہوگئی، میں نے آپ کو لیٹا ہوا پایا، میں آپ کے اوپر جھک گیا، آپ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(مسند احمد: ۲۱۴۴۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

ابو واصل بیان کرتے ہیں، میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا۔۔۔ الحدیث

(۲۳۵۴۲، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم حج کرنے والے سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے، کیونکہ اس کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (مسند احمد: ۵۳۷۱، مسند احمد ج ۲ ص ۶۹، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مصافحہ کرنے کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

قنیہ میں مذکور ہے: مسلمان اپنے عیسائی پڑوسی سے مصافحہ کرے جب کہ وہ کافی مدت کے بعد لوٹا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ ابن محیریز نے مسجد دمشق میں ایک نصرانی سے مصافحہ کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۷۷۸)
اور صاحب قنیہ نے کہا ہے: مصافحہ کرنے میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۴۔۱۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مصافحہ کرنے کے جواز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:
جمہور علماء کے نزدیک مصافحہ کرنا مستحسن ہے، امام مالک نے بھی اس کو پہلے مکروہ کہا تھا اور بعد میں اس کو مستحب قرار دیا۔ مصافحہ کرنے سے دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہونے کی خوشی میں ان کے پاس قیام کیا اور ان کو مبارک باد دی اور ان سے مصافحہ کیا اور خوش ہوئے تو یہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے بہترین صلہ تھا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مصافحہ کرنے کا معمول تھا اور وہی دین میں حجت ہیں اور مسلمانوں کے لیے پیشوا ہیں، لہٰذا ان کی اتباع لازم ہے۔
اور فقہاء تابعین سے بھی مصافحہ کرنے کے جواز کے متعلق آثار حسان مروی ہیں۔
نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی مرد آتا تو آپ اس سے مصافحہ کرتے اور آپ اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے حتیٰ کہ وہ خود اپنا ہاتھ کھینچتا اور اپنا چہرہ اس کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے حتیٰ کہ وہ خود اپنا

چہرہ پھیرتا۔ (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مصافحہ کرنے کے جواز اور استحسان کے متعلق فقہاء شافعیہ کا موقف

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

ہمام بیان کرتے ہیں: قتادہ نے کہا کہ حسن بصری مصافحہ کرتے تھے۔ اور دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو کیا وہ اس کے لیے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اس نے کہا: پس وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا ایسی سنت ہے جس پر اجماع ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

اور امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے استغفار کرتے ہیں۔

امام ابوبکر الرویانی نے اپنی مسند میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ گمان کرتا تھا کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، تو آپ نے فرمایا: ہم مصافحہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

عطاء الخراسانی نے الموطا میں یہ مرسل روایت ذکر کی ہے کہ مصافحہ کرو، یہ کینہ کو دور کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں اس حدیث کی سندِ موصول پر مطلع نہیں ہو سکا۔ اور حافظ ابن عبد البر نے اپنے شواہد میں حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اقتصار کیا ہے۔

رہا صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کو مخصوص کرنا جیسا کہ علامہ ابن عبد السلام نے ''القواعد البدعیہ المباحہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق علامہ نووی نے کہا ہے کہ مصافحہ کی اصل سنت ہے، اور رہا یہ کہ بعض احوال میں مسلمان مصافحہ کی حفاظت کرتے ہیں تو یہ اس کو اصلِ سنت سے خارج نہیں کرتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس میں غور و فکر کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ نفل نماز کی اصل سنتِ مرغوبہ ہے، اس کے باوجود محققین نے کہا ہے کہ نفل نماز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرنا مکروہ ہے۔ اور بعض فقہاء نے ''صلوٰۃ الرغائب'' پر حرام کا اطلاق کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور مصافحہ کرنے کے عمومی حکم سے اجنبی عورت اور بے ریش لڑکے کو مستثنیٰ کیا جائے گا۔

امام مالک سے بھی مصافحہ کا جواز منقول ہے جیسا کہ موطا امام مالک میں انہوں نے مصافحہ کا ذکر کیا ہے اور مصافحہ کے جواز پر تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اجماع ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصافحہ کے جواز اور استحباب کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی متوفی ۱۴۲۱ھ، لکھتے ہیں:

مصافحہ کا معنی ہے: دونوں ہاتھوں سے ملاقات کرنا، لیکن اس کا کیا حکم ہے آیا یہ جائز ہے یا سنت ہے یا کیا ہے؟

پس امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں تشہد کی تعلیم دی کہ ان کی ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ان سے بیان فرمائیں، وہ اس کو غور سے سنیں۔ پھر اس کے بعد امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی، جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو وہ مسجد میں داخل ہوئے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے، حتیٰ کہ انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے، کیونکہ آپ اس وقت وہاں موجود تھے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اور کسی خوشی کی خبر پر مبارک باد دینا جائز ہے۔

ہر جائز خوشی پر مبارک باد دینے کا جواز اور کفار کو ان کی عیدوں کے اوپر مبارک باد دینے کا عدم جواز

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ہم کسی شخص کو صرف توبہ کے قبول ہونے پر مبارک باد دیں گے بلکہ ہم ہر انسان کو ہر خوشی کی خبر پر مبارک باد دیں گے جس کا تعلق اس کے دین کے ساتھ ہو یا اس کی دنیا کے ساتھ ہو، حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو اپنی تجارت میں غیر معمولی نفع حاصل ہو تو ہم اس کو بھی مبارک باد دیں گے، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ کفار کو ان کی عیدوں پر مبارک باد دینا جائز نہیں، کیونکہ ان کو اس موقع پر مبارک باد دینا ان کو شرک اور کفر پر برقرار رہنے کی مبارک باد دینا ہے۔

کیا ہر وقت مصافحہ کیا جائے یا صرف ملاقات کے وقت؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مصافحہ کرنا صحابہ کرام کا معمول تھا، لیکن وہ ہر وقت مصافحہ نہیں کرتے تھے بلکہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے تھے۔

اب یہاں پر یہ سوال ہے کہ جب انسان کسی مجلس میں داخل ہو تو کیا تمام اہل مجلس سے ایک ایک کر کے مصافحہ کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میرے گمان میں یہ سنت نہیں ہے اگرچہ آج کل بعض لوگ ایسا کرتے ہیں اور میرے گمان میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے نہیں ہے، پس حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ آئے اور بیٹھ گئے اور کھڑے نہیں ہوئے اور نہ انہوں نے کسی ایک سے مصافحہ کیا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور نہ صحابہ نے ایسا کیا، جیسا کہ وہ ہر ایک سے الگ الگ سلام نہیں کرتے تھے اسی طرح وہ ہر ایک سے الگ الگ مصافحہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لیے جب کوئی شخص مجلس میں داخل ہو تو وہ تمام لوگوں کو ایک ہی مرتبہ سلام کرے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۷۳-۷۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصافحہ کرنے کے متعلق علماء دیوبند کا موقف

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ لکھتے ہیں:

ان احادیث کی بناء پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصافحہ کے سنت ہونے پر اجماع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت کا قول منقول ہے لیکن انہوں نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض الباری'' میں فرمایا کہ مصافحہ کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے، تاہم اگر کسی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ (فیض الباری کتاب الاستئذان: باب المصافحہ ج ۴ ص ۴۱۱)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الکوکب الدری'' میں فرمایا کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی ثابت ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی ثابت ہے لیکن ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چونکہ فرنگیوں کا شعار بن چکا ہے، اس لیے واجب الترک ہے۔

(الکوکب الدری، کتاب الاستیذان باب المصافحہ ج ۳ ص ۳۹۲، لامع الدراری، کتاب الاستیذان، باب المصافحہ ج ۱۰ ص ۵۶)

غیر مقلدین کے مصافحہ کرنے کا طریقہ

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی لکھتے ہیں:

لفظ مصافحہ ''صفح'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہتھیلی ہے۔ پس ایک آدمی کا سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے آدمی کی سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی سے ملانا مصافحہ کہلاتا ہے، جو مسنون ہے۔ یہ ہر دو جانب سے سیدھے ہاتھوں کے ملانے سے ہوتا ہے۔ بایاں ہاتھ ملانے کا یہاں کوئی محل نہیں ہے جو لوگ دایاں اور بایاں دونوں ہاتھ ملاتے ہیں ان کو لفظ مصافحہ کی حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(شرح صحیح بخاری، ج ۷ ص ۱۵۸، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

نیز شیخ میواتی لکھتے ہیں:

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا جس طرح اہل حدیث مصافحہ کرتے ہیں، احادیث صحیحہ صریحہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہایت صاف طور پر ثابت ہے۔ اس کے ثبوت میں ذرا بھی شک نہیں ہے اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا جس طرح اس زمانہ کے حنفیہ میں رائج ہے نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی کے اثر سے اور نہ کسی تابعی کے قول و فعل سے اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) سے بھی کسی امام کا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا یا اس کا فتویٰ دینا بسند منقول نہیں اور فقہائے حنفیہ نے تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں جو یہ لکھا ہے کہ ''عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فقہ کی کاشت کی اور زراعت لگائی اور علقمہ نے اس میں آبپاشی کی اور اس کو سینچا اور ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا اور حماد رحمۃ اللہ علیہ نے مالش کی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے غلہ کو چکی میں پیسا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے آٹے کو گوندھا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روٹی پکائی اور باقی تمام لوگ (یعنی مقلدین احناف) اس روٹی سے کھا رہے ہیں۔'' سو واضح ہو کہ ان کی کاشت کرنے والے، زراعت لگانے والے، آبپاشی کرنے والے، کاٹنے والے، مالش کرنے والے، آٹا پیسنے والے، آٹا گوندھنے والے اور روٹی پکانے والے میں سے بھی کسی کا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا یا اس کا فتویٰ دینا ثابت نہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۵۸۲-۵۸۳، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء)

غیر مقلدین کے طریقہ کو باطل قرار دینا

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ لکھتے ہیں:

آج کل بعض غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہیں اور باب میں ذکر کردہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے

قول سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ایک غیر مقلد سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور اس نے ایک ہاتھ سے اور استدلال میں ''وکفی بین کفیہ'' کو پیش کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ مولانا نے فرمایا: پھر سنت پر کس نے عمل کیا میں نے یا آپ نے، کیونکہ حضور ﷺ نے تو دونوں ہاتھ ملائے تھے تو حضور ﷺ کے فعل پر عمل کرنا سنت کہلاتی ہے، تب وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۸)

(کشف الباری، کتاب الاستیذان، ص ۱۰۱، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

غیر مقلدین کے قول کا بطلان مصنف کی طرف سے

میں کہتا ہوں کہ غیر مقلدین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ''وکفی بین کفیہ'' کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو اپنا ایک ہاتھ ملایا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے۔ میں کہتا ہوں: یہ ادب کے خلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ ملا رہے ہوں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنا صرف ایک ہاتھ ملائیں اور صحابہ کرام کے افعال کو خلاف ادب پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس حدیث میں ''کفی بین کفیہ'' ہے یعنی میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھیں۔ اور یہی بات مقامِ صحابہ اور ادب کے موافق ہے۔ اور اگلے باب میں آنے والی تعلیق سے بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی تائید ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں میں یہ کہتا ہوں کہ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہو اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کی جائے گی یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت کی ابتداء کی جائے گی؟ کیا غیر مقلدین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے افعال میں جب تعارض ہو تو کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فعل کو رسول اللہ ﷺ کے فعل پر ترجیح دی جاتی ہے؟

۲۸- بَابُ: الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ

دونوں ہاتھوں کو پکڑنا

یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا

وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ۔

اور حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پکڑنا سنت ہے، اس کے بعد امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔

عبداللہ بن المبارک کا تذکرہ

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: ابن المبارک کا نام عبداللہ بن المبارک المروزی ہے جو مشہور ائمہ اور حفاظِ اسلام میں سے شمار کیے جاتے ہیں، انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری سے فقہ کا علم حاصل کیا اور ہمارے اصحابِ احناف نے ان کو امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے شمار کیا۔ امام محمد بن سعد نے کہا ہے کہ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی تھی جب وہ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ ان سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام اور دعا کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَيْفٌ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَخْبَرَةَ أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَهُوَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن سخبرہ ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی اور اس وقت میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھیں جس طرح آپ نے مجھے قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دی تھی۔ تمام قولی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس وقت آپ ہمارے درمیان تھے، جب آپ کی وفات ہوگئی تو ہم نے کہا: "السلام" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

(صحیح بخاری: ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱، صحیح مسلم: ۴۰۲، سنن ترمذی: ۲۸۹، سنن نسائی: ۱۱۶۸، سنن ابوداؤد: ۹۶۸، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۴۰۵۴، سنن دارمی: ۱۳۴۰)

صحیح بخاری: ۶۲۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے ''دونوں ہاتھوں سے پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں تھیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم۔ وہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سیف، وہ ابن ابی سلیمان ہیں اور انہیں ابن سلیمان مخزومی بھی کہا جاتا ہے، وہ بنومخزوم کے آزاد شدہ غلام تھے۔ یحییٰ القطان نے کہا: وہ ۱۵۰ھ تک زندہ رہے اور ہمارے نزدیک وہ ثقہ تھے اور ان راویوں میں سے تھے جن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن سخبرہ کا ذکر ہے، یہ الازدی الکوفی ہیں۔

تشہد کی یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں متعدد ابواب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی میں مذکور ہے ''فلما قبض'' اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ صحابہ تشہد میں کہتے تھے ''السلام علیك ایها النبی'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خطاب کے صیغہ کے ساتھ کہتے تھے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے خطاب کو چھوڑ دیا اور غائب کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور وہ کہتے تھے ''السلام علی النبی'' اس حدیث میں علی النبی کے قائل امام بخاری ہیں رحمہ اللہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غیر مقلدین کا نماز کے تشہد میں خطاب کے صیغہ کو غیر واجب قرار دینا

مشہور غیر مقلد شیخ صدیق بن حسن بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ''السلام علیك ایها النبی'' اس وقت پڑھتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، جب آپ کی وفات ہو گئی تو ہم نے کہا ''السلام علی النبی''۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے۔ اور امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اور السراج الجوزقی اور ابونعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ جب آپ کی وفات ہو گئی تو ہم نے کہا ''السلام علی النبی'' اور علامہ سبکی نے شرح المنہاج میں یہ کہا ہے کہ اگر صحابہ سے یہ صحیح منقول ہے تو یہ اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام میں خطاب کرنا آپ کی وفات کے بعد واجب نہیں ہے، پس ''السلام علی النبی'' کہا جائے گا۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ)

مشہور غیر مقلد شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

اس سے ان لوگوں کو نصیحت لینا چاہیے جو کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں یعنی دوسرے ملکوں میں رہ کر یوں کہنا درست ہے ''السلام علیك یا رسول اللہ'' کیونکہ اگر یہ کہنا درست ہوتا تو عبد اللہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تشہد میں یوں کیوں بدلتے السلام علی النبی باوجود یکہ تشہد ایک ماثور ذکر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی سورت کی طرح ان کو سکھایا

تھا اور اس لیے ہمارے علماء نے تشہد میں اب بھی یوں پڑھنا جائز رکھا ہے السلام علیك ایھا النبی کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے قرآن میں ہے یایھا النبی ، یایھا الرسول اور حق یہ ہے کہ اگر کوئی قبر شریف کے پاس یوں کہے: السلام علیک یارسول اللہ تب تو جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور زائر کا سلام سنتے ہیں مگر دوسرے مقاموں میں اس طرح کہنا مفید نہیں اس لیے کہ آپ کا سننا دوسرے مقاموں میں کہیں ثابت نہیں ہوا۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، ج ۵ ص ۶۹۸ نعمانی کتب خانہ، لاہور)

صحیح البخاری: ۶۲۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجمعہ سے پہلے شقیق بن سلمہ کی سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے (کہ ہم آپ کی حیات میں تو "السلام علیك ایھا النبی" کہتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد ہم کہتے تھے السلام، یعنی کاف خطاب کو حذف کر کے۔ امام بخاری نے کہا: یعنی "علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم")۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو تشہد کے کلمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وفات کا فرق کیا ہے، وہ دیگر صحابہ کے نزدیک معتبر نہیں تھا

میں کہتا ہوں کہ کتاب الاستئذان میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں یہ اضافہ نہیں ہے، اس لیے یہ قطعی طور پر ثابت نہ ہوا کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد "السلام علیك ایھا النبی" پڑھنا چھوڑ دیا۔

نیز میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جس تشہد کی تعلیم دی تھی اس میں خطاب کا صیغہ تھا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات پڑھنے کا حکم دیا "السلام علیك ایھا النبی و رحمة الله وبرکاته" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات دی ہیں وہ قیامت تک کے لیے ہیں، اس لیے راجح وہی ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تشہد میں "السلام علیك ایھا النبی" پڑھا جائے۔ اور بعد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو اس کو تبدیل کر کے کہا کہ ہم بعد میں پڑھنے لگے "السلام" یا "السلام علی النبی" تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس تبدیل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ شارع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ کو اپنے اجتہاد سے تبدیل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز نماز میں تشہد اس وقت بھی تمام بلادِ اسلامیہ میں پڑھا جاتا تھا خواہ وہاں حضور بہ نفس نفیس موجود ہوں یا نہ ہوں۔

علاوہ ازیں یہ اضافہ صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے جو کتاب الاستئذان میں ہے۔

دوسرے صحابہ کی احادیث میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے، آپ فرماتے تھے "التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله، السلام علیك ایھا النبی و رحمة الله وبرکاته، السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اشهد ان لا

الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ ''۔

اور ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ آپ ہمیں اس طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔
(صحیح مسلم: ۴۰۳، الرقم المسلسل: ۸۸۷، سنن ابوداؤد: ۹۷۴، سنن ترمذی: ۲۹۰، سنن نسائی: ۱۱۷۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۰، مسند احمد: ۲۸۹۴)

نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ جب تم قعدہ اولیٰ میں ہو تو کہو: ''التحیات الطیبات الصلوات للہ السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ و رسولہ ''۔
(صحیح مسلم: ۴۰۴، الرقم المسلسل: ۷۹۰، سنن ابوداؤد: ۹۷۲، ۹۷۳، سنن ابن ماجہ: ۸۴۷، ۹۰۱، مسند احمد: ۱۹۵۲۱)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر روایت سے اتفاق نہیں کیا اور سب نے اس اضافہ کے بغیر یہ روایت کی ہے کہ تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پڑھا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور بعد از وفات میں تشہد کے کلمات پڑھنے کا فرق نہیں کیا۔ اور کتاب الاستئذان میں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے جس کی دیگر صحابہ نے موافقت نہیں کی، اس لیے صحیح یہی ہے کہ نماز کے تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پڑھا جائے۔ اور آپ کی حیات اور بعد از وفات کا فرق نہ کیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اور آپ کی سماعت کی وسعت کی بناء پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد کے سلام میں حیات اور بعد از وفات کا فرق کرنا مرجوح ہے اور ضعیف ہے

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس تشہد کی علیٰ وجہ الاطلاق تعلیم دی اور یہ نہیں فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اس طرح کہو یعنی ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اور جب میں وفات پا جاؤں تو تم کہنا ''السلام علی النبی''۔ اور یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطاب اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس پر قیامت تک عمل کیا جائے۔ اور اس سے ہم کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ضعیف اور مرجوح ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انسان تشہد میں قیامت تک یہ کہتا رہے ''السلام علیک ایھا النبی''۔

باقی رہا یہ سوال کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح کہا جائے ''السلام علیک''، حالانکہ آپ سنتے نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں کہا ہے کہ تشہد میں خطاب کا صیغہ اس لیے وارد ہے تاکہ بندہ اپنے ذہن میں یہ حاضر کرے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سامنے ہیں اور وہ آپ سے خطاب کر رہا ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۷۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت اوس بن اوس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ایام میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اس دن میں حضرت آدم کی تخلیق ہے، اسی دن میں ان کی وفات ہے، اسی دن میں صور پھونکا جائے

گا، اسی دن میں سب لوگ بے ہوش ہوں گے، سو تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے، آپ نے فرمایا: اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۷، سنن نسائی: ۱۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۵)

نیز شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ یہ وہ دن ہے جس دن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی بندہ نہیں ہے جو مجھ پر درود پڑھتا ہو مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو، ہم نے عرض کیا: آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا: میری وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(جلاء الافہام ص ۶۳، المکتبۃ النوریۃ الرضویہ بالجامع البغدادی، لائل پور، پاکستان)

ایام حرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے سعید بن المسیب کا اذان کو سننا

حافظ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں تین دن تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اذان نہیں دی گئی اور نہ اقامت ہوئی۔ اور سعید بن المسیب مسجد سے باہر نہیں نکلے اور وہ نماز کے وقت کو صرف اس آواز سے پہچانتے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آتی تھی۔ (سنن دارمی: ۹۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مشکوٰۃ المصابیح: ۵۹۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام المعروف بہ ابن تیمیہ الدمشقی المتوفی ۷۲۸ھ، لکھتے ہیں:

ایک قوم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے سلام کا جواب سنا یا آپ کے علاوہ دیگر صالحین کی قبروں سے سلام کا جواب سنا، اور بے شک سعید ابن المسیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے ایام حرہ میں اذان کی آواز سنتے تھے۔ پس یہ تمام امور حق ہیں اور معاملہ اس سے زیادہ عظیم ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۳۳۸۔ ۳۳۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا، تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث المزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے، کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی، اور ان سے کہو: تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ (المصنف ج ۱۲ ص ۳۲، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کہ یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵۔ ۴۹۶، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اسی طرح جو روایت ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آیا اور آپ سے ایام قحط میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ اسے حکم دے رہے ہیں کہ تم عمر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ لوگوں کو نمازِ استسقاء پڑھائیں، اور اس کی مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کم درجہ کے اولیاء سے بھی ثابت ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۴۳۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی'' پڑھتے وقت اہل عرفان کی خطاب کے صیغہ کی توجیہ

امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اہل عرفان کہتے ہیں کہ جب نمازیوں نے ملکوت کے دروازہ کو کھلوایا اور تحیات پڑھ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو ان کو ''الملک الحی الذی لا یموت'' کی بارگاہ میں دخول کی اجازت مل گئی۔ پس ان کی آنکھیں مناجات اور دعا کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئیں، جیسا کہ حدیث میں ہے ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے'' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مزید حمد و ثنا کی اور اپنی حاجات طلب کیں۔ اس وقت ان کو اس پر تنبیہ کی گئی کہ ان پر یہ الطاف نبی الرحمہ کے واسطہ سے نازل ہوئے ہیں اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوئے ہیں، پس ان کو کشف ہوا تو دیکھا کہ اللہ کا حبیب محبوب کے حرم میں حاضر ہے، پھر وہ ان پر سلام کرتے ہوئے متوجہ ہوئے اور کہا ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

(شرح الطیبی ج ۲ ص ۳۵۳، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۳ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی صحیح البخاری: ۸۳۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تحیت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحیت کی طرف منتقل ہونا، پھر اپنی تحیت کی طرف منتقل ہونا، پھر صالحین کی تحیت کی طرف منتقل ہونا۔ اس کی شرح میں علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھولا تو ان کو اللہ عزوجل کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی جو حی لا یموت ہے، سو اللہ تعالیٰ سے مناجات کی وجہ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ پھر ان کو اس پر متنبہ کیا گیا کہ یہ نبی الرحمۃ کے واسطہ سے اور ان کی اتباع کی برکت کی وجہ سے ہے۔ پس وہ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ حبیب حرم الحبیب میں موجود ہیں تو پھر وہ آپ کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے ''السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نیز علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی علامہ طیبی کی اس عبارت کا اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۸۔ ۱۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام ذرائر موجودات اور افرادِ ممکنات میں جاری و ساری ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے غافل نہ ہوتا کہ انوار قرب اسرار معرفت سے منور اور فائز ہو جائے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شیخ نورالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام اور ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام ذرائر موجودات اور افرادِ ممکنات میں

جاری وساری ہے۔۔الی آخرہ (تیسیر القاری شرح فارسی صحیح بخاری ج ا ص ۲۸۱، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ)

علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المتوفی ۱۱۲۲ ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہلِ عرفان کے طریقہ پر یہ کہا جائے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں ''الحی الذی لا یموت'' کے حرم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی، سوان کی آنکھیں مناجات کے ساتھ ٹھنڈی ہوگئیں، پھر وہ اس پر متنبہ ہوئے کہ یہ مقام ان کو نبی الرحمۃ کے واسطہ اور ان کی متابعت کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔پس وہ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ حبیب حرمِ حبیب میں حاضر ہے، پس وہ یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے ''السلام علیك ایھا النبی ورحمة الله وبرکاتہٗ''۔

(شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک، ج ا ص ۲۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مشہور دیو بندی عالم مفتی رشید احمد صاحب متوفی ۱۴۲۳ھ لکھتے ہیں:

قراءت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاء پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقتِ صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقتِ صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی نہ تو اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت، لہٰذا صرف ''السلام علیك ایھا النبی'' کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربار سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنے کا دستور ہے، اس لئے مصلی ''التحیات للہ والصلوٰت والطیبات'' کا نذرانہ پیش کرتا ہے، پھر یکا یک خیال آتا ہے کہ یہ قربِ الٰہی ومناجات بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے تو بے ساختہ مصلی اپنے محسنِ اعظم ومنعمِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸، ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک، کراچی ۱۴۰۱ھ)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

جب نمازی تشہد کا سلام عرض کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کرے اور ان الفاظ کو قصد اور ارادہ کے ساتھ انشاء پڑھے اور یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان معانی کا قصد کرے، گویا کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو تحیت پیش کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتا ہے اور اپنے نفس پر سلام پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر سلام پیش کرتا ہے۔اس کے برخلاف بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے سلام کی حکایت ہے نہ کہ نمازی اپنی طرف سے سلام کرے۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی، ج ا ص ۲۸۸، المکتبۃ الغوثیہ، کراتشی)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی کا قصد کرے اور بطورِ انشاء ان معانی کا ارادہ کرے، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحیت پیش کرتا ہے اور اس کے نبی کو اپنی طرف سے سلام عرض کرتا ہے اور اس کے اولیاء کو۔اور اللہ تعالیٰ نے جو شب معراج آپ کو سلام کیا تھا اس کی حکایت اور خبر کا قصد نہ کرے۔(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یعنی شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے سلام فرمایا تھا اس کی خبر دینے کا قصد نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے آپ کو سلام عرض کرے۔(رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

نماز کے تشہد میں جب تم بیٹھو تو ادب سے بیٹھو، اور التحیات کا معنی یہ ہے کہ اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے شخص کریم کو حاضر کرو اور کہو "سلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته"۔ (احیاء علوم الدین، ج ۱ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ ھ)

امام عبد الوہاب شعرانی الشافعی ثم الحنفی المتوفی ۹۷۳ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ عظمٰی ہیں اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھولیں جب بھی ہم آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی الگ نہیں ہوتے۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ ھ)

نیز امام شعرانی لکھتے ہیں کہ سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو تشہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا تاکہ جو لوگ اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہیں اور اس بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں تو وہ اس سے غافل نہ ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی الگ نہیں ہوتے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالمشافہ سلام کریں۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں خطاب کے صیغہ کو غائب کے صیغہ کے ساتھ بدلنے کے متعلق ملا علی قاری کی تحقیق

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ ھ لکھتے ہیں:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے "السلام علیك ایها النبی" پڑھنے سے پہلے تم اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شخص کریم کو حاضر کرلو اور پھر کہو "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته" اور رہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تو "السلام علیك ایها النبی" کہتے تھے اور جب آپ کی وفات ہوگئی تو ہم "السلام علی النبی" کہتے تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے بلکہ راوی نے یہ سمجھا ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ کی وفات ہوگئی تو ہم نے کہا "سلام" یعنی نبی پر سلام۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کہا "سلام" اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسی طریقہ کے مطابق ہمیشہ پڑھتے رہے جیسا کہ آپ کی حیات میں پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ہم نے خطاب کے صیغہ کو تبدیل کر دیا اور "السلام علی النبی" پڑھا۔ اور جب لفظ میں یہ دونوں احتمال ہوں تو اس میں کسی ایک معنی پر تعیین کے ساتھ دلالت نہیں ہوگی۔

(مرقات المفاتیح ج ۲ ص ۶۳۱، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفردات

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں مطلقاً "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته" کہنے کی تعلیم فرمائی تھی اور اس میں یہ قید نہیں تھی کہ تم میری زندگی میں اس طرح پڑھنا اور وفات کے بعد اس کو بدل دینا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم

قیامت تک کے لیے تھی جیسا کہ دیگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے مطلقاً احکام قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور قائم ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تو ''السلام علیک ایھا النبی'' کہتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد ''السلام علی النبی'' کہنے لگے۔ لیکن یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفردات میں سے ہے۔ صحابہ میں سے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکا ہے۔

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا قرآن ہونے کا انکار کرنے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تفرد

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از زر بن حبیش رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے المعوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے کہا گیا تھا (کہ یہ سورتیں پڑھو) تو میں نے پڑھیں، تو ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۹۷۶، مسند احمد: ۲۰۶۷۷)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح اور اس طرح کہتے، یعنی یہ دو سورتیں قرآن نہیں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ ان کو پڑھو، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دو سورتیں قرآن ہیں۔ ان میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے اور بعد میں یہ اختلاف اٹھ گیا۔ اب اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ دو سورتیں قرآن ہیں۔ اب اگر کوئی ان کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام احمد نے اور امام ابن حبان نے از عاصم یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے تھے اور امام طبرانی نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے المعوذتین کو مٹا دیتے تھے، تو میں کہوں گا کہ امام بزار نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں کسی نے موافقت نہیں کی اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ان کو پڑھا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور امام ابن حبان نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر تم ایسا کر سکو کہ نماز میں ان کی قراءت نہ چھوٹے تو ایسا کرو۔ اور امام احمد نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو معوذتین پڑھائیں اور آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو ان سورتوں کو پڑھو۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور امام سعید بن منصور نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس کی دو رکعتوں میں المعوذتین کو پڑھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دیگر تفردات

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب حضرت ابوالدرداء کے پاس آئے تو حضرت ابوالدرداء نے ان میں سے کسی قاری کو طلب کیا، پس انہوں نے اس کو پالیا۔ پس حضرت ابوالدرداء نے پوچھا: تم میں سے کون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا ہے، ابراہیم نے کہا: ہم سب ان کی قراءت کے موافق

پڑھتے ہیں، پھر انہوں نے پوچھا: تم میں سے سب سے زیادہ حافظ کون ہے، تو ہم نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا نام بتایا، تو انہوں نے حضرت علقمہ سے پوچھا: تم نے حضرت ابن مسعود سے ''وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ○ '' (الیل:۱) کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ علقمہ نے کہا ''والذکر والانثی'' حضرت ابوالدرداء نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ اور یہ لوگ (اہل شام) ارادہ کرتے ہیں کہ میں وما خلق الذکر والانثی پڑھوں، اور اللہ کی قسم میں ان کی موافقت نہیں کروں گا۔

(صحیح بخاری: ۴۹۴۳، ۴۹۴۴، ۴۹۴۴، صحیح مسلم: ۸۲۴، سنن ترمذی: ۲۹۳۹، مسند احمد: ۲۷۰۰۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس روایت کی نسبت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی طرف بہت قوی ہے، مگر اب قراءت متواترہ پر اجماع ہو چکا ہے اور غالباً حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءت ''والذکر والانثی'' کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں تک اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں پہنچا تھا۔ اور تعجب ہے کہ کوفہ میں جو علقمہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے انہوں نے بھی ان کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا۔ اور اسی طرح اہل شام نے بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا۔ اس سے یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ ان کی قراءت کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۰، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے قائل نہیں تھے اور وہ کہتے تھے کہ جب تک جنبی کو پانی نہ ملے وہ نماز نہ پڑھے، اور جب پانی مل جائے تو وہ وضو کر کے نماز پڑھے۔ اس سلسلہ میں جمہور صحابہ کا ان سے اختلاف رہا ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا جس کی کچھ تفصیل امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کی ہے جس کو ہم پیش کر رہے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ شقیق بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! یہ بتایئے کہ جب جنبی کو پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ پانی کو پالے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا جواب دیں گے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارے لیے تیمم کر لینا کافی تھا۔ (حضرت عمار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں ایک سفر میں جنبی ہو گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو نماز نہیں پڑھی اور حضرت عمار پوری مٹی پر لوٹ پوٹ ہو گئے یعنی پورے جسم کا تیمم کر لیا، پھر واپس آ کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے تیمم کر لینا کافی تھا)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے مطمئن نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: چلیے حضرت عمار کی اس حدیث کو چھوڑیے، آپ بتایئے اس آیت کا آپ کیا جواب دیں گے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم

صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ پاک مٹی سے تیمم کرو، سوتم اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس پاک مٹی سے مسح کرو۔ (المائدہ:٦)

پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پتا نہیں چلا کہ وہ جواب میں کیا کہیں، پس انہوں نے کہا: اگر ہم ان کو اس صورت میں تیمم کرنے کی اجازت دے دیں تو جس شخص کو ذرا بھی پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ پانی کو چھوڑ کر تیمم کرے گا، پس میں نے شقیق سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وجہ سے جنبی کے لیے تیمم کو مکروہ کہتے تھے، انہوں نے کہا: ہاں! (صحیح البخاری:٣٤٦، ٣٤٧)

میں کہتا ہوں کہ اس تفصیل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کوئی اجتہاد یا ان کا کوئی قول دین میں حجت نہیں ہے بلکہ ان کا وہ اجتہاد اور وہ قول دین میں حجت نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح حدیث کے خلاف ہو اور جمہور صحابہ نے اس کی موافقت نہ کی ہو۔ اور ان کا جو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صریح حدیث کے خلاف نہیں ہے اور جمہور صحابہ نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ موافقت کی ہے تو ان کا وہ قول اور اجتہاد دین میں حجت ہے۔

دیگر بعض صحابہ کے تفردات

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از علی بن حسین (زین العابدین) علیہما السلام از مروان بن الحکم روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سامنے حاضر تھا اور حضرت عثمان تمتع بالحج یعنی حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کر رہے تھے۔ (یعنی ایک سفر میں حج اور عمرہ کیا جائے) جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو فرمایا: "لبیك بعمرة وحجة" اور کہا: میں کسی ایک شخص کے قول کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑوں گا۔

(صحیح بخاری: ١٥٦٣، ١٥٦٩، صحیح مسلم: ١٢٢٣، سنن نسائی: ٢٧٢٣، مسند احمد: ١١٤٣، سنن دارمی: ١٩٢٣)

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ ابو جمرہ نصر بن عمران الضبعی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے تمتع کیا تو مجھے چند لوگوں نے منع کیا۔ پس میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے تمتع کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد مجھ سے کہہ رہا تھا "حج مبرور وعمرة متقبلة" (یعنی یہ حج اور عمرہ مقبول ہیں)۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ (صحیح البخاری: ١٥٦٧، صحیح مسلم: ١٢٤٢، مسند احمد: ٢١٥٩)

نیز امام بخاری سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا مقام عسفان میں تمتع میں اختلاف ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اس کام سے کیوں منع کرتے ہیں جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اور اس ممانعت سے آپ کی کیا مراد ہے؟ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لیا۔ (١٥٦٩، ١٥٦٣)

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو صحابہ کرام کے اقوال اور آثار پر مقدم کیا جائے

ہم نے اس بحث میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد تشہد میں سلام کے صیغہ کو بدل دیا اور خطاب کی بجائے غائب کے صیغہ سے سلام عرض کرنے لگے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ تشہد میں "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" پڑھا جائے اور اس میں آپ نے حیات اور بعد از وفات کی کوئی قید نہیں لگائی

تھی جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی حیات ہو یا آپ کی وفات ہو چکی ہو، تشہد میں سلام اسی طرح پڑھا جائے گا' السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته'' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو آپ کی وفات کے بعد اس صیغہ کو بدل دیا یہ ان کے تفردات میں سے ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی تشہد میں سلام کی روایت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موافقت نہیں کی بلکہ یہی کہا ہے کہ مطلقاً ''السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته'' پڑھا جائے۔ اس تحقیق کو لکھنے کے بعد مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب مہذب بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحابہ کرام کے اقوال اور ان کے آثار پر مقدم ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

میں نے یحییٰ بن ضریس سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سفیان کے پاس حاضر تھا اور ان کے پاس ایک مرد آیا، اس نے کہا: آپ ابوحنیفہ پر کیا اعتراض کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے احکام حاصل کرتا ہوں، پس اگر اس میں کوئی حکم نہ پاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حکم حاصل کرتا ہوں، اور اگر میں اللہ کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں حکم نہ پاؤں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے قول پر عمل کرتا ہوں، اور ان میں سے جس صحابی کے قول کو چاہوں اس پر عمل کرتا ہوں، اور ان میں سے جس صحابی کے قول کو چھوڑنا چاہوں تو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور صحابہ کے قول سے کسی اور کے قول کی طرف نہیں نکلتا، لیکن جب صحابہ کے قول ختم ہو جائیں اور ابراہیم النخعی اور الشعبی، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب اور انہوں نے کئی نام لیے، ان کے اقوال شروع ہوں، تو یہ تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا، سو میں بھی اسی طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح یہ تابعین اجتہاد کرتے تھے۔ پھر سفیان کافی دیر تک خاموش رہے اور پھر کہا: یہ کلمات انہوں نے اپنی رائے سے کہے ہیں اور مجلس میں کوئی شخص باقی نہیں رکھا مگر اس نے ان کلمات کو لکھ لیا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: ہم حدیث شدید کو سنتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور ضعیف حدیث کو سنتے ہیں اور اس کی امید رکھتے ہیں اور زندہ لوگوں سے محاسبہ نہیں کرتے، اور جو لوگ فوت ہو گئے ہیں ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ اور جو احادیث ہم نے سنی ہیں ان کو تسلیم کرتے ہیں، اور جن باتوں کو ہم نہیں جانتے ان کو ان کے عالم کی طرف مفوض کر دیتے ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خلاصۂ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تشہد میں اسی طرح سلام پڑھنا چاہیے جس طرح سلام پڑھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صیغہ کو اپنی طرف سے تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ اور ہر شعبہ میں اور ہر معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ہی عمل کرنا چاہیے، کیونکہ ہمیں آپ کی ہی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ (آل عمران: ۳۲)

آپ کہیے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۝

ہاں! جس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم موجود نہ ہو یا ہمیں معلوم نہ ہو تو اس مسئلہ میں ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

طریقہ پر عمل کرنا چاہیے۔ اور اگر ان کا طریقہ بھی میسر نہ ہو تو پھر ہمیں ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ نے پوچھا: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم اس کا کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر تم اللہ کی کتاب میں حکم نہ پاؤ؟ تو انہوں نے کہا: پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں نہ پاؤ اور نہ کتاب اللہ میں؟ تو انہوں نے کہا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوشش کو ترک نہیں کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ کو اس چیز کی ہدایت دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۹۲، سنن ترمذی: ۱۳۲۷، مسند احمد: ج ۵ ص ۲۳۶)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ پر عمل کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید پر عمل کیا جائے گا، اور اگر اس میں صریح حکم نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور آپ کی حدیث پر عمل کیا جائے گا، اور اگر آپ کی حدیث میں بھی صریح حکم نہ ملے تو اس کے بعد اقوال اور آثارِ صحابہ پر عمل کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا اس تفصیل سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ تشہد میں سلام پڑھتے وقت وہی صیغہ اختیار کرنا چاہیے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور وہ ہے "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته"۔۔۔۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھوں کو بوسا دینے کی تحقیق

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میری دونوں ہتھیلیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیوں میں تھیں، اور یہ مصافحہ کرنے میں مبالغہ ہے اور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ اور ہاتھوں کو بوسا دینے میں اختلاف ہے۔ پس امام مالک نے اس کا انکار کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو روایت ہے اس کا بھی انکار کیا ہے اور دوسرے فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابولبابہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کو اس وقت بوسا دیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ امام مالک نے اس کو اس صورت میں مکروہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی بطور تحیہ اور تعظیم کسی کے ہاتھوں کو بوسا دے، لیکن جب وہ دینی قربت کی بناء پر یا کسی کے علم کی بناء پر، یا کسی کی بزرگی کی بناء پر ہاتھوں کو بوسا دے تو یہ جائز ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو بوسا دینا اس قبیل سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو شخص کسی کو دنیاوی منفعت کی وجہ سے بوسا دے، یا بادشاہ کو بوسا دے، یا کسی متکبر کے ہاتھ کو بوسا دے تو یہ مکروہ ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکروں میں سے ایک لشکر میں تھے، پس لوگ بھاگ گئے اور میں بھی ان لوگوں میں تھا جو بھاگ گئے تھے۔ جب ہم رک گئے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا کہ ہم جنگ میں مقابلہ سے بھاگے اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ ہم نے کہا کہ ہم مدینہ منورہ چلے

جائیں، پس وہیں رہیں اور ہم اس طرح جائیں کہ ہمیں کوئی نہ دیکھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ پس ہم مدینہ میں داخل ہوئے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر ہم اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کریں، اگر ہماری توبہ قبول ہو تو ہم وہیں رہیں اور اگر توبہ قبول نہ ہو تو ہم چلے جائیں۔ پھر ہم فجر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہو گئے، پس ہم نے کہا: ہم بھاگنے والوں میں سے ہیں۔ آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: بلکہ تم حملہ کرنے والوں میں سے ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم نزدیک ہوئے اور ہم نے آپ کے مبارک ہاتھ کو بوسا دیا، پھر آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں کی پناہ گاہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۷۱۶، مسند احمد: ۵۵۹۵، ۵۹۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ماویٰ اور ملجا ہیں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو تسکین پہنچاتے ہیں اور ان کی دلجوئی کرتے ہیں۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسا دینا جائز ہے۔

امام ترمذی صفوان بن عسال سے روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی آئے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم اس سے سوال کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ان کو نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا کہ تم ان کو نبی کہتے ہو تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ پھر وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے ان دونوں نے سوال کیا کہ اللہ عزوجل یہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۱)	اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح احکام دیئے، سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ سے کہا: اے موسیٰ! میں تم کو ضرور جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں ۝

انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو نو نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے، وہ نو نشانیاں کون سی ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ (۲) اور تم زنا نہ کرو (۳) اور تم کسی اس جان کو قتل نہ کرو جس کے قتلِ ناحق کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (۴) اور تم چوری نہ کرو (۵) اور تم جادو نہ کرو (۶) اور تم کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس اس لیے لے کر نہ جاؤ کہ وہ اس کو قتل کر دے (۷) اور تم سود نہ کھاؤ (۸) اور تم کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ (۹) اور تم میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگو۔ اور اے یہودیو! تم خاص طور پر ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرو۔ تو ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو اور آپ کے پیروں کو بوسا دیا اور ان دونوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ آپ نے پوچھا: پھر تم کو اسلام قبول کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی رہے، اور ہم کو یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔

(سنن ترمذی: ۲۷۳۳، ۳۱۴۴، سنن نسائی: ۴۰۸۹ (کتاب المحاربہ، باب السحر)، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۵، کتاب الادب، باب الرجل یقبل ید الرجل)

اس باب سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسا دینا بھی جائز ہے اور آپ کے پیروں کو بوسا دینا بھی جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۰۷۔ ۱۰۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

ہاتھوں کو بوسا دینے کے متعلق مزید احادیث

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت الزارع العبدی بیان کرتے ہیں اور وہ عبدالقیس کے وفد میں تھے، انہوں نے کہا: ہم اپنی سواریوں سے جلدی اتر رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور آپ کے پیر کو بوسا دے رہے تھے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ اور مزیدہ العصری کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے۔

(۲) حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہوئے، پس ہم نے آپ کے ہاتھ کو بوسا دیا۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہوئے اور انہوں نے آپ کے ہاتھ کو بوسا دیا۔

(۴) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی اعرابی اور درخت کے قصہ میں یہ حدیث ہے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سر کو، آپ کے پیروں کو بوسا دوں، سو آپ نے اس کو اجازت دے دی۔

(۵) اور امام بخاری نے الادب المفرد میں عبدالرحمٰن بن رزین سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے سلمہ بن الاکوع! آپ ہمارے لیے اپنا ہاتھ بڑھایئے، تو انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ بڑھایا گویا کہ وہ اونٹ کا ہاتھ تھا، ہم اس ہاتھ کی طرف کھڑے ہوئے اور ہم نے اس ہاتھ کو بوسا دیا۔

(۶) اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو بوسا دیا۔

(۷) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم) کے ہاتھ اور پیر کو بوسا دیا۔

(۸) اور ابو مالک اشجعی کی سند سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ میرے سامنے اپنا وہ ہاتھ بڑھایئے جس ہاتھ سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، تو انہوں نے وہ ہاتھ بڑھایا تو میں نے اس کو بوسا دیا۔

علامہ نووی نے کہا ہے: کسی شخص کے ہاتھ کو اس کے زہد اور تقویٰ کی بناء پر اور اس کی نیکی کی بناء پر، یا اس کے علم کی بناء پر، یا اس کے شرف کی بناء پر، یا اس کے تقویٰ کی بناء پر، یا اسی طرح دیگر امور دینیہ کی بناء پر بوسا دینا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ اور اگر اس سے مال و دولت حاصل کرنے کے لیے بوسا دے، یا اس کی دنیاوی شوکت کی وجہ سے اس کے ہاتھ کو بوسا دے، تو یہ شدید مکروہ ہے۔ ابوسعید متولی نے کہا: بلکہ یہ جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۹۔ بَابُ: الْمُعَانَقَةِ، وَقَوْلِ الرَّجُلِ: كَيْفَ أَصْبَحْتَ؟

کسی شخص کے ساتھ گلے ملنے کا بیان اور ایک شخص کا دوسرے سے یہ پوچھنا: آج صبح آپ کا مزاج کیسا ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں معانقہ کرنے کا بیان ہے۔ اور معانقہ کا لفظ بابِ مفاعلہ سے ماخوذ ہے۔ جب ایک شخص اپنے دونوں ہاتھ کسی

کے گلے میں ڈالے اور اس شخص کو اپنے ساتھ ملائے اور چپکائے۔

امام بخاری نے کہا: اور ایک شخص کا دوسرے شخص سے یہ کہنا کہ آج صبح آپ کا مزاج کیسا ہے؟ علامہ کرمانی نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے باب "ماذکر فی الاسواق" میں ذکر کیا ہے کہ کسی شخص کے آنے پر یا اس سے ملاقات کے وقت اس سے معانقہ کرنا۔ اور شاید کہ امام بخاری نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ معانقہ کرتے ہیں: تو کہتے ہیں تم نے آج کی صبح کیسی کی؟ اور امام بخاری کو ایسی حدیث نہیں ملی جو معانقہ کے مناسب ہوتی۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے معانقہ کا عنوان قائم کیا اور اس باب میں معانقہ کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، پس یہ باب فارغ تھا حتیٰ کہ امام بخاری کی وفات ہوگئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۴۔ ۳۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا يَعْنِي ابْنَ أَبِي طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا أَبَا حَسَنٍ كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللهِ بَارِئًا فَأَخَذَ بِيَدِهِ الْعَبَّاسُ فَقَالَ أَلَا تَرَاهُ أَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ الثَّلَاثِ عَبْدُ الْعَصَا وَاللهِ إِنِّي لَأُرَى رَسُولَ اللهِ ﷺ سَيُتَوَفَّى فِي وَجَعِهِ وَإِنِّي لَأَعْرِفُ فِي وُجُوهِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْمَوْتَ فَاذْهَبْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَنَسْأَلَهُ فِيمَنْ يَكُونُ الْأَمْرُ فَإِنْ كَانَ فِينَا عَلِمْنَا ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِنَا أَمَرْنَاهُ فَأَوْصَى بِنَا قَالَ عَلِيٌّ وَاللهِ لَئِنْ سَأَلْنَاهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَيَمْنَعُنَا لَا يُعْطِينَاهَا النَّاسُ أَبَدًا وَإِنِّي لَا أَسْأَلُهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن کعب نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت علی یعنی ابن ابی طالب نبی ﷺ کے پاس سے نکلے ح اور ہم کو احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن کعب بن مالک نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کو خبر دی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے اس مرض میں نکلے جس مرض میں آپ کی وفات ہوگئی تھی، تو لوگوں نے کہا: اے ابوحسن! رسول اللہ ﷺ نے کس طرح صبح کی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمد للہ! رسول اللہ ﷺ پرسکون ہیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکڑا، پس کہا: کیا تم آپ کو نہیں دیکھتے اور اللہ کی قسم! تمہیں تین دن کے بعد لاٹھی کا بندہ بننا پڑے گا، اور اللہ کی قسم! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ کی اس مرض میں وفات ہوجائے گی۔ اور بے شک میں عبدالمطلب کے بیٹوں کے چہروں کو موت کے وقت پہچانتا ہوں، تم ہمارے ساتھ رسول

(صحیح بخاری: ۴۴۴۷، ۶۲۶۶، مسند احمد: ۲۳۰۷)

اللہ ﷺ کے پاس چلو، ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ خلافت کن لوگوں میں ہوگی؟ اگر ہم میں یہ خلافت ہو تو ہم اس کو جان لیں، اور اگر دوسروں میں ہو تو ہم عرض کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق کچھ وصیت فرما دیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم نے خلافت کا رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور آپ نے ہم کو خلافت سے منع کر دیا تو لوگ ہمیں کبھی بھی خلافت نہیں دیں گے اور میں رسول اللہ ﷺ سے خلافت سے متعلق کبھی بھی سوال نہیں کروں گا۔

صحیح البخاری: ۶۲۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے دو جزو ہیں، پہلا جزو ہے معانقہ اور دوسرا جزو ہے کہ کوئی شخص کسی سے پوچھے: آج صبح آپ کا مزاج کیسا تھا؟ سو یہ حدیث اس باب کے دوسرے جزو کے مطابق ہے، کیونکہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صبح رسول اللہ ﷺ کا مزاج کیسا تھا؟ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معانقہ کے متعلق مباحث

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں معانقہ کا عنوان قائم کیا ہے اور اس باب میں انہوں نے معانقہ کے متعلق حدیث ذکر نہیں کی۔ اور اس باب میں اس حدیث کو ذکر کرنا چاہیے تھا جب نبی ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے معانقہ کیا تھا۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ الدوسی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ دن کے ایک حصہ میں گھر سے باہر نکلے، نہ آپ مجھ سے بات کر رہے تھے اور نہ میں آپ سے بات کر رہا تھا حتیٰ کہ آپ بنو قینقاع کے بازار میں آئے۔ پھر آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے صحن میں بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: کیا یہاں وہ بچہ ہے؟ تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تھوڑی دیر کے لیے آپ کو روک کے رکھا، میں نے گمان کیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کو ہار پہنا رہی ہیں یا ان کو نہلا رہی ہیں۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسہ دیا اور آپ نے دعا

کی: اے اللہ! اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے، اس سے بھی محبت رکھ۔

(صحیح بخاری: ۲۱۲۲، ۵۸۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲، مسند احمد: ۸۱۸۰)

معانقہ کے متعلق مذاہب فقہاء

فقہاء کا معانقہ کے جواز میں اختلاف ہے، امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور ابن عیینہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

سعید بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ علی بن یونس اللیثی المدنی نے بیان کیا کہ میں امام مالک بن انس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت سفیان بن عیینہ آئے اور انہوں نے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی، تو امام مالک نے کہا: یہ صاحب سنت ہیں ان کو گھر میں داخل کرو، پس وہ گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ'' تو گھر والوں نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہمارا سلام خاص اور عام ہے: ''السلام علیک یا ابا عبداللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' تو امام مالک نے کہا: وعلیک السلام یا ابا محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر امام مالک نے سفیان بن عیینہ سے مصافحہ کیا اور پھر کہا: اے ابو محمد! اگر یہ بات بدعت نہ ہوتی تو میں تم سے معانقہ کرتا۔ تو سفیان نے کہا: جو تم سے بہتر ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے معانقہ کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: جعفر سے؟ انہوں نے کہا: ہاں! امام مالک نے کہا: یہ حدیث خاص ہے اے ابو محمد۔ سفیان نے کہا: جو حکم جعفر کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے، اور جو حکم جعفر کے لیے خاص ہے اور ہمارے لیے بھی خاص ہے، کیونکہ ہم نیک لوگ ہیں، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس مجلس میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں اے ابو محمد! آپ وہ حدیث بیان کریں، تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی:

مجھے عبداللہ بن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب حبشہ کی سرزمین سے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگایا یعنی معانقہ کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور حضرت جعفر نے کہا: آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ تھے۔ (الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۹۷)

نیز امام عبدالرزاق نے از سلیمان بن داؤد روایت کی ہے کہ میں نے الثوری اور معمر کو دیکھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے ملتے تو ان میں سے ہر ایک معانقہ کرتا اور ہر ایک دوسرے کو بوسہ دیتا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۳۴۲)

معانقہ کے متعلق بہ کثرت آثار مروی ہیں، ان میں سے یہ حدیث ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے، سو انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ کے بالائی جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ اپنے تہبند کو گھسیٹتے ہوئے گئے، اور اللہ کی قسم! میں نے اس سے پہلے کبھی آپ کے بالائی جسم کو عریاں نہیں دیکھا اور نہ اس کے بعد۔ پس آپ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسہ دیا۔

(سنن ترمذی: ۲۷۳۲، مسند احمد: ج ۴ ص ۲۳۹)

امام ابوداؤد عنزہ کے ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا جب وہ شام سے آئے تھے، میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں ضرور وہ

حدیث بتاؤں گا بشرطیکہ وہ راز نہ ہو، میں نے کہا: وہ راز نہیں ہے، پھر پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں سے ملاقات کرتے تھے تو کیا مصافحہ کرتے تھے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بھی میری ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا، اور ایک دن آپ نے مجھے بلایا جب میں گھر میں نہیں تھا، جب میں آیا تو مجھے خبر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا ہے، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت آپ تخت پر تھے، اور آپ نے مجھے لپٹا لیا، اور یہ لپٹانا بہت عمدہ تھا، بہت عمدہ تھا۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۱۴، ۱۵۰۰۰ھ)

اور سلیمان بن داؤد نے از عبدالحکیم بن منصور از عبدالملک بن عمیر از ابوسلمہ بن عبدالرحمن از ابی الہیثم التیہان روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان سے ملاقات کرتے تو ان سے معانقہ کرتے اور ان کو بوسا دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو ذکر نہ فرمانے کی تحقیق

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا اصلاً ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت کے متعلق دریافت کرو آیا وہ ہمیں ملے گی یا کسی اور کو ملے گی۔

حدیث کے بعض اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درد شدید ہو گیا تو آپ کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور نماز پڑھانے کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر نرم دل ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے، پس آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے، آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، میں نے حفصہ سے کہا کہ آپ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو نرم دل ہیں، وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے، پس آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے، آپ نے فرمایا: تم بھی یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۷۱۳) (شرح ابن بطال ج ۹ ص ۵۰۔۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بنانے کے متعلق دیگر احادیث

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض کے ایام میں فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ دوں، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں ہی (خلافت) کے لائق ہوں۔ اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے ماسوا کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۸۷، الرقم المسلسل: ۶۰۷۵، مسند احمد: ۲۴۸۰۵)

نیز امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، پھر ان سے پوچھا گیا کہ پھر حضرت ابوبکر کے بعد آپ کس کو خلیفہ بناتے؟ تو انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، پھر ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر آپ کس کو خلیفہ بناتے؟ تو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو۔ (صحیح مسلم: ۲۳۸۵، الرقم المسلسل: ۶۰۷۲)

معانقہ کے جواز کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا تتبع

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معانقہ کے جواز کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ہم اس سے پہلے امام ابوداؤد کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

(۲) امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب صحابہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے۔

اپنے صاحب سے اس سوال کا جواز کہ آپ نے صبح کیسے کی؟

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے یہ نقل کی ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال اس وقت ہوا جب عمواس کے طاعون کا زمانہ تھا۔ سنت یہ ہے کہ سلام سے ابتداء کی جائے۔ اور عمواس کے طاعون میں اس بات کے دواعی تھے کہ کوئی شخص اپنے دوست سے اس کا حال پوچھے، پھر یہ بہت کثرت سے ہونے لگا حتیٰ کہ بس یہی سوال کرتے کہ تم نے صبح کیسے کی ہے اور تمہارا کیا حال ہے؟

امام ابن ابی شیبہ نے از ابن ابی عمر روایت کی ہے اور امام بخاری نے بھی الادب المفرد میں یہ روایت کی ہے، حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیسے صبح کی؟ تو آپ نے فرمایا: خیر کے ساتھ۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۵-۳۳۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی انسان کا دوسرے انسان سے یہ پوچھنا تم نے کیسے صبح کی؟ آیا جائز ہے یا نہیں

اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کے اس قول پر استدلال کیا ہے ''تم نے کیسے صبح کی؟''۔ اور درواقع میں یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بطور تحیت یہ سوال نہیں کیا تھا اور لوگ ایک دوسرے سے بطور تحیت یہ سوال کرتے ہیں کہ تم نے کیسے صبح کی؟ اور لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی خبر معلوم کرنے کے لیے یہ سوال کیا تھا کہ آپ کی طبیعت صبح کیسی تھی، آیا آپ صحت مند تھے یا آپ پر مرض کی شدت تھی، اس لیے اس حدیث سے باب کے عنوان پر استدلال کرنا محل نظر ہے، کیونکہ جب لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم نے صبح کیسے کی، تو کبھی تو بطور تحیت اور تعظیم کے کہتے ہیں اور کبھی اس کا حال معلوم کرنے کے لیے کہتے ہیں۔

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں یہ باب قائم کیا ہے ''کیف اصبحت؟'' اور اس باب میں محمود بن لبید سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی رگ میں جب تیر چبھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس سے گزرتے تو پوچھتے کہ تم نے صبح کیسے کی؟ اسی طرح امام نسائی نے از حضرت عمر بن ابی سلمہ از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: آپ نے کیسے صبح کی؟ آپ نے فرمایا: صالح، یعنی میں تندرست تھا۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے از سالم بن ابی الجعد از ابن ابی عمرہ اس کی مثل روایت کی ہے۔ اور امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں نیز یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیسے صبح کی؟ تو آپ نے فرمایا: خیریت کے ساتھ۔

اور مہاجر الصائغ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ میں سے ایک مرد کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو جب ان سے کہا گیا کہ تم نے کیسے صبح کی؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے تھے۔

ان آثار سے معلوم ہوا کہ کسی کی خیریت معلوم کرنے کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تم نے صبح کیسے کی؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خلافت کے لیے سوال کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلیں اور ہم آپ سے سوال کریں کہ یہ خلافت کن لوگوں میں ہوگی؟ اگر ہم میں ہے تو ہمیں معلوم ہو جائے، اور اگر ہمارے غیر میں ہے تو ہم حضور سے عرض کریں کہ حضور اس کو ہماری خیر خواہی کا حکم دیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت کا سوال کیا، پس آپ نے اس سے ہم کو منع کر دیا تو لوگ ہمیں کبھی بھی خلافت نہیں دیں گے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی بھی خلافت کا سوال نہیں کروں گا''۔

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمالِ ذکاوت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج میں اپنا خلیفہ بنایا اور نماز کی امامت میں اپنا خلیفہ بنایا، اور آپ نے ارشاد فرمایا: اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا، اور آپ نے فرمایا: مسجد میں سے سب کے ذیلی دروازے ختم کر دیے جائیں گے سوائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے۔ اور یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنقریب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے والے ہیں۔ اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا: اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو پھر ابو بکر کے پاس جانا اور نیز آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابو بکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔ اس طرح کی بہت چیزیں ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہونے والے تھے۔ اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت کی طلب کے لیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تو پھر بعد میں لوگ ہمیں خلیفہ نہیں بنائیں گے اور خلافت ہماری طرف نہیں لوٹے گی۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ ولایت اربابِ حل و عقد کے اتفاق سے منعقد ہوتی ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''پھر لوگ ہمیں خلافت کبھی بھی نہیں دیں گے''۔ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلافت اربابِ حل و عقد کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ اور خلافت امورِ متعددہ سے ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک نصِ صریح ہے۔ اور خلافت اجماع سے منعقد ہوتی ہے جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو گیا تھا۔ اور تیسرا طریقہ ہے غلبہ، کوئی شخص اپنے زورِ بازو اور قوت سے لوگوں پر غالب آکر خلیفہ بن جائے، جیسے اس امت کے شروع میں جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا تو عبد الملک بن مروان غلبہ سے حجاز کا حکمران بن گیا اور لوگوں نے اس کی اتباع کی۔ اب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا

واجب تھا۔

تاہم کسی شخص کو خلافت کا سوال نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم امارت کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر تمہارے سوال کی وجہ سے امارت تم کو دی گئی تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اور اگر تم کو بغیر سوال کے امارت دی گئی تو تمہاری مدد کی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۶۱۳۲، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۵۳۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹)

لیکن اگر کوئی شخص شرح صدر سے یہ جانتا ہو کہ وہ خلافت کا اہل ہے اور اگر اس نے خلافت کو قبول نہیں کیا تو لوگ کسی نااہل کو خلیفہ بنالیں گے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو خلافت اور امارت کے لیے پیش کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف: ۵۵)

(حضرت یوسف علیہ السلام نے) کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں ○

(شرح صحیح البخاری: ج ۶ ص ۷۸۔۸۱ ملخصاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابُ: مَنْ أَجَابَ بِلَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ

کسی کے بلانے پر یہ جواب دینا "لبیک" (میں حاضر ہوں) اور "سعدیک" (میں آپ کی اطاعت کے لیے مستعد ہوں)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے کسی کے سوال کے جواب میں "لبیک" کہا اور اس کا معنی ہے: میں آپ کی اطاعت پر قائم ہوں۔ جب کوئی شخص کسی جگہ پر قیام کرے تو کہتے ہیں "لبّ بالمکان" اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: ایک بار اجابت کے بعد دوسری مرتبہ اجابت کرنا۔ اور "سعدیک" کا معنی ہے: میں آپ کے حکم کی اتباع کرنے والا ہوں اور اس کی مخالفت کرنے والا نہیں ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ قَالَ مِثْلَهُ ثَلَاثًا هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ قُلْتُ لَا قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: "لبیک وسعدیک"

يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنْ مُعَاذٍ بِهٰذَا۔

(میں حاضر ہوں اور آپ کی اطاعت کے لیے مستعد ہوں)۔ پھر اس کی مثل تین مرتبہ آپ نے فرمایا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح جواب دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، پھر آپ چلتے رہے، اور پھر تھوڑی دیر بعد کہا: اے معاذ! میں نے کہا: "لبیك وسعدیك" آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ اس کی اطاعت کرلیں یعنی جب وہ اس کی عبادت کرلیں، میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جب وہ یہ کرلیں (یعنی اس کی عبادت کرلیں) تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔

ہمیں ہدبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، اسی طرح۔

(صحیح البخاری: ۲۸۵۶، ۵۹۶۷، ۶۲۶۷، ۶۵۰۰، ۷۳۷۳، صحیح مسلم: ۳۰، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۲۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۶۲۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب میں "لبیك اور سعدیك" کہنے کا ذکر ہے۔ اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں "لبیك وسعدیك" کہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان یعبدوہ" یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ یہ عملیات کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کریں"۔ یہ اعتقادیات کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ توحید تمام عقائد کی اصل ہے۔ توحید کا معنی ہے: اللہ کو ایک ماننا۔

اللہ تعالیٰ پر بندوں کے حق کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے"۔ اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حق ثابت کے معنی میں ہے، یا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حق کو خود اپنے او پر واجب کر لیا ہے، بندوں نے اس پر کچھ واجب نہیں کیا، یا بندوں کے کسی عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۷، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا وَاللّٰهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ عِشَاءً اسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا أُحِبُّ أَنَّ أُحُدًا لِي ذَهَبًا يَأْتِي عَلَيَّ لَيْلَةٌ أَوْ ثَلَاثٌ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللّٰهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَأَرَانَا بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْأَكْثَرُونَ هُمُ الْأَقَلُّونَ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا ثُمَّ قَالَ لِي مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ يَا أَبَا ذَرٍّ حَتّٰى أَرْجِعَ فَانْطَلَقَ حَتّٰى غَابَ عَنِّي فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَخَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَرَدْتُ أَنْ أَذْهَبَ ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَبْرَحْ فَمَكَثْتُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ سَمِعْتُ صَوْتًا خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لَكَ ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَكَ فَقُمْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ لِزَيْدٍ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَقَالَ أَشْهَدُ لَحَدَّثَنِيهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ قَالَ الْأَعْمَشُ وَحَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ نَحْوَهُ وَقَالَ أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ يَمْكُثُ عِنْدِي فَوْقَ ثَلَاثٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے باپ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی اللہ کی قسم! ابوذر نے ربذہ میں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کی سیاہ پتھریلی زمینوں میں رات کے وقت جا رہا تھا، ہمارے سامنے احد پہاڑ تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور اس کے اوپر ایک رات یا تین راتیں گزر جائیں، سوا ایک دینار کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں۔ مگر میں کہتا ہوں اللہ کے بندوں میں کہ اس طرح، اور اس طرح اور اس طرح کریں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنا ہاتھ دکھایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے کہا: لبیک وسعدیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: جو (دنیا میں) زیادہ مالدار ہیں وہ آخرت میں کم ہوں گے، مگر جو اس طرح دے اور اس طرح دے، پھر مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! تم یہیں ٹھہرے رہو حتیٰ کہ میں واپس آؤں، پھر آپ چلے گئے حتیٰ کہ مجھ سے غائب ہو گئے، پھر میں نے ایک آواز سنی، میں خوفزدہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی چیز پیش آئی ہے، پس میں نے ارادہ کیا کہ میں جاؤں، پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ تم کہیں نہ جانا، پس میں ٹھہرا رہا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک آواز سنی تھی مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید آپ کو کوئی چیز

پیش آئی ہے، پھر مجھے آپ کا قول یاد آیا تو میں ٹھہرا رہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، یہ میرے پاس آئے، پس انہوں نے مجھے خبر دی کہ جو میری امت سے اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کرتا تھا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو۔

اعمش نے بیان کیا: میں نے زید سے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ یہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ تھے، تو زید بن وہب نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ مجھے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ربذہ میں بیان کی تھی۔

الاعمش نے کہا: مجھے ابو صالح نے حدیث بیان کی ہے از حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اسی کی مثل۔

اور ابو شہاب نے کہا از الاعمش، کہ وہ سونا میرے پاس تین دن سے زیادہ رہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۶۲۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمر بن حفص کا ذکر ہے، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں اور وہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں از زید بن وہب ابو سلیمان الہمدانی الجہنی الکوفی، یہ بنو قضاعہ سے تھے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے کے لیے نکلے، اس اثناء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ راستہ میں ہی تھے۔ ان کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام جندب بن جنادہ ہے، یہ ۳۲ھ میں ربذہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابو الدرداء کا ذکر ہے، ان کا نام عویمر بن زید ہے۔ یہ بھی دمشق میں ۳۲ھ میں فوت ہوئے تھے اور یہ فتح مصر کے موقع پر حاضر تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ" یعنی اللہ کی قسم۔اس کا ذکر انہوں نے تاکید یا مبالغہ کے لیے کیا ہے، کیونکہ یہ کہا گیا تھا کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوالدرداء ہیں نہ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں پتا چلتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی حرۃ المدینۃ" "حرۃ" سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہ زمین مدینہ کے ایک طرف میں تھی جس میں سیاہ پتھر بہت زیادہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا ارصدہ فیہا" یعنی میں اس دینار کو صرف قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھکذا ثلاث مرات" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں طرف ہاتھ بڑھایا اور بائیں طرف ہاتھ بڑھایا اور سامنے ہاتھ بڑھایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الاکثرون ھم الاقلون" یعنی جو لوگ دنیا میں مال کے اعتبار سے زیادہ ہیں، وہ آخرت میں ثواب کے اعتبار سے کم ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عرض" یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ شاید کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گیا یا آپ پر کوئی آفت اور مصیبت پہنچی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ربذۃ" یہ مدینہ سے تین مرحلہ دور ایک ریگستان ہے جو ذات عرق کے قریب تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۷۔۳۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۷، ۶۲۶۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

ابن الانباری نے کہا ہے کہ "لبیک" کا معنی یہ ہے کہ میں آپ کی اطاعت پر قائم ہوں۔یہ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے "لب فلان بمکان" جب کوئی شخص کسی جگہ ٹھہرے یا قائم ہو۔اور "سعدیک" کا لفظ اسعاد سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: متابعت۔

اور دوسروں نے کہا: "لبیک" کا معنی ہے: ایک بار اجابت کے بعد دوسری بار اجابت کرنا، اور "سعدیک" کا معنی ہے: میں تمہاری ایک بار موافقت کے بعد دوسری بار موافقت کرتا ہوں۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: کسی کی پکار پر "نعم" (جی ہاں) کے ساتھ جواب دینا یا کسی بھی ایسے لفظ کے ساتھ جواب دینا جو سمجھ میں آتا ہو، یہ کافی ہوتا ہے۔لیکن سید اور مالک کی پکار پر لبیک کے ساتھ جواب دینا اس کی عزت افزائی کے لیے ہے اور اسعاد کے ساتھ جواب دینا افضل ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حق کو ثابت کرنا مرجئہ کا مذہب ہے

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر اعتراض کیا جائے کہ "آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق

ہے؟'' آپ کے اس ارشاد سے تو مرجئہ کے اس زعم کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ اطاعت گزاروں کو ثواب عطا فرمائے۔ سو اہلِ سنت ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر بندوں کا کوئی حق واجب نہیں ہے۔ اور یہاں پر یہ لفظ بطور تقابل کے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور اس کے بعد فرمایا کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

یہاں پر ''سیئۃ'' کی جزا کو بھی ''سیئۃ'' فرمایا ہے یعنی برائی، حالانکہ جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے، پھر اس کے بدلہ میں اس کو جو سزا دی جائے وہ ''سیئۃ'' نہیں ہوتی، وہ عدل اور انصاف ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ صورت اور شکل میں دونوں فعل ایک جیسے ہیں اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اس لیے ''سیئۃ'' کی جزا کو بھی ''سیئۃ'' فرمایا۔ اسی طرح یہاں بھی عبادت گزاروں کے ثواب کو اس طرح فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کے مستحق ہیں۔ اور بندوں کا جو اللہ تعالیٰ پر حق ہے اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کو پورا فرمائے کہ اس نے فرمایا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کو پورا فرمائے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری، ج ۹ ص ۵۲۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب ہے۔ دوسرا قول ہے کہ ان کا نام بریر بن جنادہ بن سفیان ہے۔ یہ ۳۲ھ میں ربذہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نام عویمر بن زید بن قیس ہے۔ یہ دمشق میں ۳۲ھ میں فوت ہو گئے تھے اور ان کی شام میں اولاد ہے اور یہ مصر کے فتح کے موقع پر حاضر تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۱۶۔ ۱۱۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک سواری پر دو سواروں کے بیٹھنے کا جواز

اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سواری پر دو سواروں کا بیٹھنا جائز ہے، بشرطیکہ سواری کو اس سے اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ اگر سواری کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے تو پھر یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ سواری پر ظلم اور عدوان ہے۔

استاذ کا شاگرد سے امتحاناً سوال کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پکارا تو انہوں نے ''لبیک وسعدیک'' کہا اور یہ تین مرتبہ

ہوا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور یہ ان سے بطور امتحان سوال کیا تھا تاکہ اس پر دلیل قائم ہو کہ استاذ اپنے شاگرد کی لیاقت اور فہم کو ظاہر کرنے کے لیے اس سے سوال کرے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا، ان کی مدد فرمائی، ان کو رزق دیا، تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق ہو۔

بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق نہ ہونے کی دلیل

بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اور اپنے کرم سے اپنے اوپر نیک بندوں کے ثواب دینے کو واجب کرلیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام: ۵۴) تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ توحید خالص عبادت کے ساتھ بندہ سے عذاب کو دور کرنے کی موجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ جب وہ یہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔ یعنی جب بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور عبادت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو بجالائے، اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رک جائے، تو یہی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (اللیل: ۵۔۱۰)

پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ○

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟'' تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں نے کہا نہیں!

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہیں اس لیے کہا کہ صحابہ کرام کا یہی طریقہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی بات پوچھتے تو وہ کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے، حتیٰ کہ جب حضور نے پوچھا: آج کون سا دن ہے؟ تو صحابہ نے کہا: اللہ ورسولہ اعلم۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیان فرمائیں اور وہ اپنی معلومات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ پیش کریں۔

اہل سنت وجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے، اگر وہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو ان کو معاف فرمادے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۸۲۔۸۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۶۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث متعدد فوائد پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے" کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہے تھے"۔

عشاء کی نماز کے بعد چہل قدمی کرنے کا جواز

اس حدیث میں عشاء کی نماز کے بعد کہیں جانے اور چہل قدمی کرنے کا جواز ہے، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز کے بعد چل رہے تھے۔ لیکن اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کس کام کے لیے جا رہے تھے، اللہ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے جا رہے ہوں یا صرف چلنے کے قصد سے جا رہے ہوں۔

بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے مال جمع کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور اس پر ایک رات یا تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ان میں سے ایک دینار بھی باقی ہو مگر میں اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کے لیے مال کو جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض کی ادائیگی کے لیے مال رکھنا چاہتے تھے اور باقی تمام مال اللہ کی راہ میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔

اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کا وجوب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوذر! تم اس جگہ سے نہ جانا حتیٰ کہ میں واپس آ جاؤں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر آپ چلے گئے حتیٰ کہ میری نظر سے اوجھل ہو گئے، پھر میں نے ایک آواز سنی، مجھے خطرہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، سو میں نے جانے کا ارادہ کیا، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول یاد آیا کہ تم یہاں سے نہ جانا، پس میں ٹھہرا رہا"۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے تھے۔ اگرچہ اس مقام کا تقاضا یہ تھا کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے تو وہ فوراً دوڑ کر جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت گئے تھے اور رات کو متعدد خطرات ہوتے ہیں اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق خطرہ ہوا، کیونکہ مدینہ میں منافقین تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کو راجح جانا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ تم یہاں سے نہ جانا جب تک کہ میں واپس نہ آ جاؤں۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ثابت قدم رہنا یہ لائق مدح ہے اور اپنے اجتہاد سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

تاحیات توحید کے عقیدہ پر برقرار رہنے کی فضیلت

اس حدیث میں توحید کے عقیدہ پر برقرار رہنے کی فضیلت کی دلیل ہے۔ اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔
اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو انسان شرک نہ کرے وہ جنت میں داخل ہو گا حتیٰ کہ کوئی نیک عمل

اس نے نہ کیا ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا بہت بڑی خطا ہے، کیونکہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں'' ۔ پھر آپ نے جو فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، وہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو اس کی معصیت پر سزا نہ ملے، کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ انجام کار جنت میں داخل ہو جائے گا۔اور اگر اس کے کچھ گناہ معاف نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہونے سے پہلے اس کو عذاب دے کر اس کو پاک صاف کر دے گا اور جنت میں جانے کے قابل بنا دے گا۔اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

مالِ دنیا کی طرف التفات نہ کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر احد پہاڑ بھی میرے لیے سونا بن جائے تو میں وہ سب تقسیم کر دوں گا، صرف اس دینار کو رکھ لوں گا جو قرض کی ادائیگی کے لیے ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مالِ دنیا کی طرف توجہ اور التفات اور رغبت نہیں کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مستشرقین کے لگائے ہوئے الزامات کا رد

مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملک کا ارادہ کرتے تھے اور آپ شہوت پسند مرد تھے اور صرف عورتوں کی طرف رغبت کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہوانی مرد ہوتے تو کنواری اور خوبصورت عورتوں سے شادی کرتے، اور ان کو اس چیز سے کیا رکاوٹ یا مانع تھا کہ آپ خوبصورت کنواری عورتوں سے شادی کرتے، جب کہ آپ کے اصحاب آپ کے اتنے اطاعت شعار تھے کہ اگر آپ انہیں حکم دیتے کہ اپنا سر کاٹ دو، تو وہ اپنا سر کاٹ دیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا اور ان سے بھی نکاح اس لیے کیا تا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوستی اور رفاقت کا حق ادا ہو جائے۔ لیکن آپ نے ہر قبیلہ کی عورتوں سے نکاح کیا تا کہ ان سے مصاہرت کا رشتہ قائم ہو جائے، جس سے ان سے تعلق اور ربط قائم ہو اور تبلیغ دین کے مواقع آسان ہوں۔اور کبھی آپ کسی کی دلجوئی کے لیے نکاح کرتے۔حضرت صفیہ بنت حیی جن کے والد بنونضیر کے سردار تھے اور وہ قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے ان کے ساتھ نکاح کیا۔لیکن مستشرقین جو حقائق کو مسخ کرتے ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بے ہودہ الزام لگایا کہ آپ پر شہوت کا غلبہ تھا اور آپ نے ملک اور ریاست کو حاصل کیا تا کہ اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کریں، اور انہوں نے حقائق کو اس طرح مسخ کر دیا جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اور اس کا بندہ کہلانے سے کوئی عار نہیں تھا۔

کیا صاحب معصیت کو مشرک کہنا جائز ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود

وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ بنالیا، اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ (الجاثیہ: ۲۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کر کے اپنی خواہشات کے موافق عمل کرنا، یہ گویا اپنی خواہشات کی پرستش کرنا ہے اور غیر اللہ کی پرستش کرنا شرک ہے، تو جو شخص معصیت کا ارتکاب کرے، آیا اس کو مشرک کہنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شرک کا عام معنی ہے۔ اور جس شرک کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرمائے گا وہ شرک خاص ہے، یعنی کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو عبادت میں یا عمل میں شریک قرار دے، اس لیے ایسے شخص کو تہدیداً مشرک کہنا تو جائز ہے حقیقتاً مشرک کہنا اس کو جائز نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۸۵۔۸۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۱۔ بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ

کوئی مرد دوسرے مرد کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کوئی مرد دوسرے مرد کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے۔ اور یہ آداب مجلس اور محاسنِ اخلاق میں سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۶۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی نافع از از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کوئی مرد دوسرے مرد کو اس کی مجلس سے نہ اٹھائے، پھر خود وہاں پر بیٹھ جائے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۷۷، سنن ترمذی: ۲۷۴۹، مسند احمد: ۴۶۴۵، سنن دارمی: ۲۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۲۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن عبد اللہ ہیں۔ اور یہ حدیث موطا امام مالک میں ابن وہب اور محمد بن الحسن کی روایت سے مذکور ہے۔

اور کتاب الجمعہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی مرد اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ پر نہ

بیٹھے۔ اور ابن جریج نے از نافع از ابن عمر روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ ابن جریج نے کہا: میں نے نافع سے پوچھا: یہ جمعہ کے متعلق ہے؟ تو انہوں نے کہا: جمعہ ہو یا کوئی اور موقع ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۸۔۳۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابٌ: إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجْلِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا الْآيَة (المجادلہ: ۱۱)

جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ وہ باب ہے جس میں اللہ عزوجل کے اس قول کو ذکر کیا جائے گا کہ ''جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو''۔

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ پس علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس بالخصوص مراد ہے۔ اسی طرح مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔ اور امام طبری نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رغبت کرتے تھے۔ اور جب آپ کو آتے ہوئے دیکھتے تو اپنی مجلس کو وہ تنگ کر دیتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ بعض صحابہ بعض کے لیے کشادگی کریں۔

اور امام ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کی ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ مہاجرین اور انصار جو اہل بدر میں سے تھے وہ آئے تو انہوں نے کوئی جگہ نہیں پائی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اٹھا دیا جن کا اسلام متاخر تھا اور ان صحابہ کو ان کی جگہ بٹھا دیا تو ان متاخرین صحابہ پر یہ بات دشوار گزری اور منافقین نے اس پر نکتہ چینی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو کشادہ ہو جایا کرو، اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا اور جب تم سے کہا جائے: کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو''۔

اور حسن البصری نے کہا: یہ خصوصیت کے ساتھ غزوہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یزید بن ابی حبیب نے کہا: یعنی تم جنگ میں ثابت قدم رہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔

اس میں ارشاد ہے ''یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ'' یعنی تم کشادگی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جنت کے مقامات میں کشادگی کر دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَانْشُزُوا'' یعنی جب تم سے کہا جائے: اٹھو تو اٹھ جاؤ اور دشمن سے لڑنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، یا کسی نیک کام کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اور حسن بصری نے کہا: جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور قتادہ اور مجاہد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرق ہو جاؤ اور کھڑے ہو جاؤ۔ اور ابن زید نے کہا: آپ کے گھر میں آپ کے پاس سے کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ آپ کو گھر میں کئی کام ہوتے ہیں۔

صاحب الافعال نے کہا: ''نشز القوم عن مجلسھم'' کا معنی ہے کہ وہ اس مجلس سے کھڑے ہو گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۰۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ آخَرُ وَلَكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسَ مَكَانَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے اس سے منع فرمایا کہ کسی مرد کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے اور دوسرا آدمی اس جگہ میں بیٹھ جائے، لیکن تم مجلس میں کشادگی کرو اور وسعت اختیار کرو۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ کوئی مرد اپنی مجلس سے اٹھے تو دوسرا اس کی جگہ بیٹھ جائے۔

(صحیح بخاری: ۹۱۱، ۶۲۶۹، ۶۲۷۰، صحیح مسلم: ۲۱۷۷، سنن ترمذی: ۲۷۴۹، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۸، مسند احمد: ۵۵۴۲، سنن دارمی: ۲۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۲۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلاد بن یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ بن صفوان السلمی الکوفی ہیں۔ یہ مکہ میں رہتے تھے اور وہیں ان کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوگئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویجلس فیہ آخر'' یعنی اس میں دوسرا شخص آ کر بیٹھ جائے۔

اس حدیث میں کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر دوسرے شخص کے اس کی جگہ بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم بطور استحباب ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ ادب کا تقاضا ہے، کیونکہ جگہ کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔ اور دوسرے علماء نے کہا کہ اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے''۔

اور محمد بن مسلم نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی کام کی وجہ سے اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن جب وہ جگہ چھوڑ کر چلا جائے تو اب وہ دوسروں سے اولیٰ نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جب وہ اس لیے اٹھا ہو کہ واپس آئے گا تو اب وہ اس جگہ کا حقدار ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ قریب سے لوٹ آیا تو وہ اس کا حقدار ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام ابوداؤد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا تو اس کے لیے دوسرا مرد اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ آنے والا وہاں بیٹھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا۔

کسی شخص کی جگہ پر دوسرے آدمی کے بیٹھنے کے متعلق اختلافِ فقہاء

اور علامہ النووی نے بیان کیا ہے: ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو مسجد کی کسی جگہ پر بیٹھا ہوا ہو اور پھر وہ مثلاً نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کر جائے، یا پھر وہاں سے اٹھ کر جائے تاکہ وضو کرے یا کوئی اور تھوڑا سا کام ہو اور پھر لوٹ آئے، تو اس جگہ کے اختصاص میں اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ جو اس کے پیچھے ہو اس کو اٹھائے اور اس کی جگہ بیٹھ جائے اور جو پیچھے بیٹھا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ اور اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

ہمارے اصحاب نے کہا ہے: اس کا زیادہ حق اس جگہ نماز پڑھنے میں ہوگا اور کسی کام میں نہیں ہوگا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ کر جائے اور اپنی جگہ پر جانماز چھوڑ کر جائے یا کوئی چیز نہ چھوڑ کر جائے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جس شخص کی مسجد میں کوئی معین جگہ ہو جہاں بیٹھ کر وہ تدریس کرتا ہے یا فتوے دیتا ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ وہ اس جگہ کا حقدار ہے جب یہ بات معروف ہو۔ اور انہوں نے کہا کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ استحسان ہے، حق واجب نہیں ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس آدمی کی کسی جگہ بیٹھنے کی عادت ہو تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے حتیٰ کہ اس کی غرض پوری ہو جائے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی جگہ کو دوسرے کے لیے ایثار کرنے کی متعدد صورتیں

اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کو اس جگہ بیٹھنے کے لیے کہا جائے تو اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم یہ ہے کہ وہ عبادت نہ ہو۔ پس اس چیز میں ایثار کرنا کہ جو عبادت نہ ہو یہ عمدہ خصلت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ اس چیز کا ایثار کیا جائے جو عبادت تو ہو لیکن عبادتِ واجبہ نہ ہو۔ سو بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ مستحسن ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ مکروہ ہے۔ اور فقہائے حنابلہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، مثلاً آپ صفِ اول میں بیٹھے ہیں اور پیچھے سے کوئی

شخص آرہا ہے تو آپ اس کو صفِ اول میں بٹھائیں اور خود پچھلی صف میں چلے جائیں، تو یہ مکروہ ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ" (البقرہ:۱۴۸) "سوتم نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکلو"۔

اور صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ پس جب کوئی شخص یہ دیکھے کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے شخص کو ترجیح دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مستحب کام کا ترک مکروہ کو مستلزم نہیں ہے اور یہ قاعدہ اہلِ علم کے نزدیک مقرر ہے۔ پس اگر کسی انسان نے کسی مستحب کام کو ترک کر دیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے مکروہ کام کیا لیکن یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک خیر کو ترک کر دیا۔ اور اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ دوسرے شخص کو ترجیح دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً بیٹا صفِ اول میں بیٹھا ہوا ور اس کا باپ پیچھے سے آرہا ہو اور اس کو معلوم ہو کہ اگر وہ پیچھے نہیں ہٹا اور باپ کو آگے نہیں کیا تو باپ کے دل میں کوئی ملال ہو گا تو ہم کہیں گے کہ ایسی صورت میں افضل ایثار ہے اور یہ نیکی ہے۔

(۳) کسی واجب کام کا ایثار کرنا۔ پس واجب کام میں ایثار کرنا حرام ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس تھوڑا پانی ہے جس سے صرف وہ وضو کر سکتا ہے تو اب وہ کسی دوسرے کو وہ پانی دے دے اور خود تیمم کر کے نماز پڑھے تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس پانی سے خود وضو کرے اور تیمم نہ کرے، کیونکہ یہ ایثار میں اس کے اوپر واجب کو ترک کرنا لازم آئے گا اور یہ حرام ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٨٨، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابُ: مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ أَوْ بَيْتِهِ وَلَمْ يَسْتَأْذِنْ أَصْحَابَهُ أَوْ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ لِيَقُومَ النَّاسُ

جو شخص اپنے اصحاب کی اجازت کے بغیر مجلس یا گھر میں کھڑا ہوا یا کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تا کہ دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو جائیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جو شخص اپنی مجلس سے کھڑا ہو گیا اور اس کے پاس دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے اس کے پاس لمبی نشست کی اور اس نے اس سے حیاء کی کہ ان سے کہے کہ تم اٹھ جاؤ۔ اور یہ جو عنوان میں کہا ہے کہ "اس نے اپنے اصحاب سے اجازت نہیں لی" اس کا یہی مطلب ہے۔ یا وہ کھڑا ہونے کے لیے تیار ہوا تا کہ لوگ اٹھ جائیں، حتیٰ کہ جو وہاں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ یہ سمجھیں کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں، تو یہ امر جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۰۔۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي يَذْكُرُ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ دَعَا النَّاسَ طَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا وہ ابی مجلز سے ذکر کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے

يَتَحَدَّثُونَ قَالَ فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَامَ فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مَعَهُ مِنَ النَّاسِ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ وَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم جَاءَ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا قَالَ فَجِئْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُمْ قَدِ انْطَلَقُوا فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَرْخَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۳)

بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو آپ نے لوگوں کو دعوت دی، انہوں نے کھانا کھایا، پھر وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ اس طرح تیار ہوئے گویا اٹھنا چاہتے ہیں تو لوگ نہیں اٹھے، پھر جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے، پھر جب آپ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اور تین لوگ باقی رہ گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تا کہ گھر میں داخل ہوں تو وہ لوگ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر وہ لوگ کھڑے ہو گئے، پس میں آیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ پس آپ آئے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہو گئے، سو میں بھی داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا، اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے، تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے O

(صحیح بخاری: ۴۷۹۱، ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۷۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

صحیح البخاری: ۶۲۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حسن بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن شقیق البصری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان البصری سے روایت کرتے ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابومجلز کا ذکر ہے، ان کا نام لاحق بن حمید السدوسی البصری ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت عظیم اخلاق تھے۔آپ تمام لوگوں سے ان چیزوں میں زیادہ حیاء فرماتے تھے جن کا آپ کو نہ حکم دیا گیا ہو اور نہ آپ کو ان سے منع کیا گیا ہے۔اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو کسی چیز کا حکم دیتا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے میں کوئی حیاء نہیں فرماتے تھے اور اس کا پرزور اعلان کرتے۔اور جو لوگ کھانے کے بعد آپ کے گھر میں بیٹھے رہے تھے یہ آپ کو اور آپ کی اہلیہ کو اذیت پہنچانے کا سبب تھا، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۱ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاحزاب: ۵۳ کا شان نزول

بعض احادیث میں وارد ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بہت دیر تک بیٹھے رہے تو آپ نے اس سے حیاء فرمائی کہ ان سے کہیں کہ تم گھر سے اٹھ کر چلے جاؤ اور ان کو اپنے گھر سے نکال دیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم پر فائز تھے اور سب لوگوں سے زیادہ حیاء کرتے تھے، جن چیزوں میں نہ آپ کو حکم دیا گیا تھا اور نہ آپ کو منع کیا گیا تھا۔پس جب اللہ تعالیٰ آپ کو کسی چیز کا حکم دیتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے سے آپ بالکل حیاء نہیں فرماتے تھے اور اس کا پرزور اعلان کرتے تھے۔اور لوگوں کا کھانے کے بعد آپ کے گھر میں بیٹھے رہنا آپ کے لیے اور آپ کی اہلیہ کے لیے اذیت کا باعث تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے منع فرمادیا اور اس کو حرام کر دیا ہے۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے الاحزاب: ۵۳ نازل فرمائی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لیے دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔اور جس کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو، اسے چاہیے کہ اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد زیادہ دیر تک نہ بیٹھے تاکہ داخل ہونے والا اس شخص کو ایذاء نہ پہنچائے جس نے اس کو داخل کیا ہے۔

(۲) جو شخص دوسرے کے گھر میں زیادہ دیر تک بیٹھا رہے حتیٰ کہ گھر والے کو یہ ناپسند ہو تو گھر والے کے لیے یہ جائز ہے کہ ان سے اجازت لیے بغیر کھڑا ہو جائے۔اور ان لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ ان کا اتنی دیر تک بیٹھے رہنا اس کے لیے بوجھ کا باعث ہے۔اور جب وہ کھڑا ہو جائے تو گھر میں داخل ہونے والے کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور ان کے لیے اس کے بعد

بیٹھنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ گھر والا ان کو اجازت دے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۴۔ ۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۴۔ بَابُ: الِاحْتِبَاءِ بِالْيَدِ، وَهُوَ الْقُرْفُصَاءُ

ہاتھ سے "احتباء" کرنا اور اس کو "القرفصاء" کہتے ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی مقعد کو زمین پر لگا کر بیٹھنا اور ہاتھوں کو پنڈلیوں پر جوڑ کر بیٹھنا جائز ہے۔اس کو عربی میں "القرفصاء" کہتے ہیں۔اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کر کے مقعد پر بیٹھے اور ہاتھوں کو پنڈلیوں کے اوپر حلقہ بنائے اور رانوں کو پیٹ سے ملائے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا اور اس پر اکتفاء کر لی کہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۱۔ ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي غَالِبٍ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدِهِ هٰكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی غالب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن المنذر الحزامی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی از والد خود از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو کعبہ کے صحن میں اپنے ہاتھ سے احتباء کی صورت میں بیٹھے ہوئے اس طرح دیکھا۔

تنبیہ: اس حدیث کی تخریج نہیں مل سکی۔

صحیح البخاری: ۶۲۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی غالب کا ذکر ہے، یہ ابو عبداللہ القوسی ہیں، یہ بغداد میں ٹھہرے تھے اور یہ امام بخاری کے کم عمر شیوخ میں سے ہیں۔اور امام بخاری کی وفات سے چھ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔امام بخاری نے ان کی صرف یہی حدیث روایت کی ہے، اور ایک دوسری حدیث کتاب التوحید میں روایت کی ہے۔اور امام بخاری کے ایک اور شیخ ہیں جن کا نام محمد بن ابی غالب الواسطی ہے، وہ بغداد میں رہتے تھے۔علامہ الکلاباذی نے کہا: انہوں نے ہشیم سے سماع کیا ہے اور قوسی سے ۲۶ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن المنذر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ ابو اسحاق الحزامی ہیں، حزام ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں محمد بن فلیح کا ذکر ہے، جو اپنے والد فلیح سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن سلیمان بن

المغیرہ بن حنین المدنی ہیں۔وہ از نافع از ابن عمر روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' آپ اپنے ہاتھ سے بصورتِ احتباء بیٹھے ہوئے تھے''۔اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک ہاتھ سے اپنے گھٹنوں کو پکڑا ہوا تھا،لیکن سنن ابوداؤد میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں سے احتباء کرتے تھے،یعنی دونوں ہاتھوں کا گھٹنوں کے درمیان حلقہ بنالیتے تھے۔اور امام بزار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لیتے۔نیز امام بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ کعبہ کے پاس بیٹھتے اور دونوں ٹانگوں کو ملاتے،پھران کو کھڑا کر لیتے اور ہاتھوں سے ان کے گرد حلقہ بنالیتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۲،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔بَابٌ:مَنِ اتَّکَأَ بَیْنَ یَدَیْ أَصْحَابِهِ

جو اپنے اصحاب کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھا

قَالَ خَبَّابٌ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً، قُلْتُ: أَلَا تَدْعُو اللّٰهَ؟ فَقَعَدَ۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے،میں نے عرض کیا: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ٹیک لگانے کے بیان میں ہے۔کہا گیا ہے کہ''الاتکاء'' کا معنی ہے: لیٹنا۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے تھے،یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تخت پر لیٹے ہوئے تھے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ تخت کے نشانات آپ کے پہلو پر نقش ہو گئے تھے۔

علامہ خطابی نے کہا: ہر وہ شخص جس نے کسی چیز کا سہارا لیا ہو اور اس پر متمکن ہو تو وہ ٹیک لگانے والا ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو مشہور صحابی ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث معلق کو وارد کر کے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ''الاضطجاع'' ٹیک لگانا اور اس پر اضافہ ہے۔

اور امام دارمی نے اور امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔اور ابو عوانہ نے اور ابن حبان نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔آپ گدے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔اور علامہ ابن العربی نے بعض

اطباء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ٹیک لگانے کو مکروہ کہا ہے۔اور علامہ ابن العربی نے ان کا رد کیا ہے کہ اس میں جسم کو راحت پہنچانا ہے جیسے کسی چیز کا سہارا لینا اور احتباء کی کیفیت سے بیٹھنا۔(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے، کیونکہ "اضطجاع" کا معنی ہے: سونا، نیند کرنا، یہ ابن اثیر نے کہا ہے۔اور الجوہری نے کہا ہے "ضجع الرجل" کا معنی ہے کہ کسی شخص نے اپنا پہلو زمین پر رکھا اور "اضطجع" بھی اس کی مثل ہے، بلکہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو وارد کرنے کا امام بخاری کا مقصد وہ ہے جو انہوں نے تعلیق میں بیان کیا، کیونکہ اس تعلیق میں مذکور ہے "وھو متوسد" اور "التوسد" ٹیک لگانے کے معنی میں ہے۔اور یہ تعلیق علاماتِ نبوت میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔امام بخاری نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، اس وقت آپ اپنی چادر سے کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے، ہم نے ان سے کہا کہ کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کرتے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے۔۔۔الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

فتح الباری کی پوری عبارت علامہ عینی نے نقل نہیں کی۔فتح الباری میں مذکور ہے کہ "الاتکاء" کا معنی ہے "الاضطجاع" (لیٹنا) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو کتاب الطلاق میں حدیث ہے، اس میں یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے تھے یعنی لیٹے ہوئے تھے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ تخت کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے۔اس طرح قاضی عیاض نے کہا ہے۔اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر مکمل لیٹنا نہ ہو تب بھی تخت کے نشانات نقش ہو جاتے ہیں۔اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جس نے کسی چیز کا سہارا لیا ہو اور وہ اس پر متمکن ہو تو وہ "متکیء" یعنی ٹیک لگانے والا ہے۔

میں نے جو شرح کی ہے وہ علامہ خطابی کے قول کے موافق ہے اور جوہری کا قول اس کے منافی نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۸، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۲۷۳ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجریری نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

(صحیح بخاری: ۲۶۵۴، ۵۹۷۶، ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، ۶۹۱۹، صحیح مسلم: ۸۷، سنن ترمذی: ۳۰۱۹، مسند احمد: ۲۰۳۸۷)

۶۲۷۴ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ مِثْلَهُ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے اس کی مثل بیان کی: آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر سیدھے بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: سنو! اور جھوٹی بات کہنا۔ پھر آپ بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش! آپ سکوت فرماتے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۵۴، ۵۹۷۶، ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، ۶۹۱۹، صحیح مسلم: ۸۷، سنن ترمذی: ۳۰۱۹، مسند احمد: ۱۹۸۷۲)

صحیح البخاری: ۶۲۷۳، ۶۲۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ دوسری حدیث دراصل پہلی حدیث کی دوسری سند ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وعقوق الوالدین"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ "عقوق" کا معنی ہے: ماں باپ کی نافرمانی کرنا، تو یہ شرک کے درجہ میں کیسے ہوگا، حالانکہ شرک کرنا تو کفر ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں باپ کی نافرمانی کو شرک کے ساتھ ذکر فرمایا، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ماں باپ کی فرمانبرداری کرنا بہت عظیم اطاعت ہے اور نافرمانی کرنا بہت سنگین گناہ ہے۔ اور اس میں ماں باپ کے نافرمان پر آپ نے تغلیظ فرمائی ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک کرنا ہے اور لوگوں کے حقوق میں سب سے بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس چیز کا جواز ہے کہ عالم کا لوگوں کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے اور اسی طرح مجلس فتویٰ میں۔ اور اسی طرح سلطان اور امیر کا بعض ضروری کاموں کے لیے ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے، کیونکہ اس سے بیٹھنے میں راحت حاصل ہوتی ہے۔ یا اس کے بعض اعضاء میں جو تکلیف ہو تو اس سے نجات ملتی ہے، لیکن بہ طور عموم یا عام حالات میں ٹیک لگا کر نہیں بیٹھنا چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اور آپ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ (مسند ابویعلیٰ: ۴۹۲۰)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ۹ ص ۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

٣٦- بَابُ: مَنْ أَسْرَعَ فِي مَشْيِهِ لِحَاجَةٍ أَوْ قَصْدٍ

جو شخص کسی ضرورت کی وجہ سے یا کسی قصد کی وجہ سے تیزی سے چلا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ کسی شخص کا اپنی حاجتِ مقصودہ کو پورا کرنے کے لیے تیزی سے چلنا جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر وہ بغیر کسی ضرورت کے تیزی سے چلے تو پھر درست نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تیزی سے چلتے تھے اور فرماتے تھے کہ تیزی سے چلنا حاجت پوری کرنے میں جلدی کا سبب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیزی سے چلنے کی وجہ سے انسان ان چیزوں کو دیکھنے میں مشغول نہیں ہوتا جن کو دیکھنا نہیں چاہیے۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ بقدرِ ضرورت چلنا سنت ہے خواہ تیزی سے چلے خواہ آہستہ چلے۔ امام بخاری نے کہا "او قصدا" یعنی تیزی سے چلے کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ قصد کا معنی ہے کسی شے کا ایثار کرنا اور عدل کرنا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہو کہ وہ تیز تیز چل کر کسی نیکی کو حاصل کرنے کا قصد کرے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤٠٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٢٧٥- حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْعَصْرَ فَأَسْرَعَ ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از عمر بن سعید از ابن ابی ملیکہ، کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر جلدی چلتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے۔

(صحیح بخاری: ٨٥١، ١٢٢١، ١٤٣٠، ٦٢٧٥، سنن نسائی: ١٣٦٥، مسند احمد: ١٥٧١٨)

صحیح البخاری: ٦٢٧٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

حدیث مذکور کتاب الصلوٰۃ کی مفصل حدیث کی ایک طرف ہے۔ اس باب کا عنوان ہے "جس شخص نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور پھر اسے کوئی کام یاد آیا تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر تیزی سے نکل گیا"۔ پھر امام بخاری نے از حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ میں عصر کی نماز پڑھی، آپ نے سلام پھیرا، پھر کھڑے ہوئے اور پھر تیز تیز چلتے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اپنی ازواج مطہرات کے کسی حجرہ میں گئے۔ سو لوگ آپ کے تیزی سے جانے کی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ پھر آپ لوگوں کے پاس آئے، آپ نے دیکھا کہ ان کو آپ کے تیز چلنے پر تعجب تھا تو آپ نے فرمایا: مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس ایک سونے کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے تو میں نے ناپسند کیا کہ یہ سونے کا ٹکڑا مجھے روک لے، تو میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اور کتاب الزکوٰۃ میں اس میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے گھر میں ایک صدقہ کا سونا چھوڑا تھا، میں نے ناپسند کیا کہ میں اس کے

ساتھ رات گزاروں تو میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان یا عالم کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے جلدی جلدی اور تیز تیز چلنا چاہیے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کے کام کو جلدی کرنے میں فضیلت ہے اور اس میں دیر کرنے کو ترک کرنا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان اور عالم کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں جلدی کرنا چاہیے اور ان کی طرف سبقت کرنا چاہیے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہونے میں جلدی کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یاد آیا کہ آپ کے پاس صدقہ ہے تو آپ نے پسند فرمایا کہ اس کو پہلے تقسیم کر دیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کے کام میں جلدی کرنی چاہیے اور اس میں تاخیر کو ترک کر دینا چاہیے۔ اور امام ابن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تیزی سے چلتے تھے، عاجز اور سست لوگوں کی طرح نہیں چلتے تھے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تیزی سے چلتے تھے اور اپنی حاجت کو جلدی پورا کرتے تھے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ص ۲۸۸)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چلنے کا اصل طریقہ

یعنی اصل یہ ہے کہ آدمی اطمینان اور آرام سے چلے اور جلدی نہ کرے، لیکن اگر اس کو کوئی ایسی ضرورت ہو جس کا تقاضا جلدی جانا ہو تو پھر جلدی جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر جلدی سے گھر میں داخل ہو گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو بے ترتیبی سے چلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو درّہ سے مارتے تھے۔

پس انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی حاجت یا اپنا قصد پورا کرنے کے لیے جلدی جلدی چلے، سوا اس کے کہ اس کو یہ خوف ہو کہ اس کا تہبند نیچے گر جائے گا اور اس کی شرمگاہ کھل جائے گی۔

مسئلہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو گویا کہ وہ بلندی سے نشیب کی طرف اترتے تھے، تو کیا یہ جلدی چلنے پر دلیل ہے؟

جواب:

نہیں بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قوت سے چلنے پر دلیل ہے بغیر تیزی اور جلدی کے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۹ ص ۹۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۷۔ بَابُ: السَّرِيرِ — تخت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس حدیث میں تخت کو رکھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور یہ معروف ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ سریر کا لفظ ''سرور'' سے ماخوذ ہے، کیونکہ عموماً صاحب نعمت تخت کو رکھتا ہے۔ اور میت کے تخت کو سریر مشابہۃً کہا جاتا ہے، اس میں اس کے خوش ہونے کی نیک فال ہے۔ اور کبھی سریر کے لفظ کو ملک کے ساتھ کنایہ کیا جاتا ہے اور اس کی جمع ''السرۃ''، اور ''سرر'' آتی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس عنوان کو اور اس کے بعد جو دو عنوان ہیں، ان کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ استئذان سے مراد ہے گھر میں داخل ہونا، پس گھر کے متعلقات کا تعاذ کر کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي وَسْطَ السَّرِيرِ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ تَكُونُ لِي الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَقُومَ فَأَسْتَقْبِلَهُ فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت کے وسط میں نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی ہوتی تھی، مجھے کوئی کام ہوتا اور میں آپ کے سامنے سے گزرنا ناپسند کرتی تو میں چپکے سے نکل جاتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۹، ۹۹۷، ۱۲۰۹، ۶۲۷۶، صحیح مسلم: ۵۱۲، سنن نسائی: ۱۶۸، سنن ابو داؤد: ۷۱۲، مسند احمد: ۲۵۳۵۶، موطا امام مالک: ۲۵۸، سنن دارمی: ۱۴۱۳)

صحیح البخاری: ۶۲۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالضحیٰ کا ذکر ہے، وہ مسلم بن صبیح ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مسروق کا ذکر ہے، وہ ابن الاجدع ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

لفظِ وسط کی تحقیق

علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہم نے اس لفظ کو سین کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور لغتِ مشہورہ میں سین کی زبر کے ساتھ ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''وَسَط'' اگر سین کی زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: مقدارِ متصل، جیسے جسمِ واحد کی ہوتی ہے۔ اور سین کی جزم کے ساتھ یہ اس مقدار کے لیے موضوع ہے جو دو جسموں کے درمیان منفصل ہو جیسے وسط القوم۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں نے اپنی ایک کتاب جس کا نام میں نے ''التذکرۃ البدریۃ'' رکھا ہے ان دونوں لفظوں میں یعنی ''وَسْط'' اور ''وَسَط'' میں فرق یہ ہے کہ وَسَط جس میں سین پر زبر ہے، اس کا معنی ہے: ایک چیز کی دو طرفیں جیسے تم کہو ''قبضت وسَط الحبل'' میں نے رسی کے دو طرفوں کو پکڑ لیا''۔ اور ''کسرت وسط الرمح'' اور ''جلست وسط الدار'' میں گھر کی ایک طرف کو بیٹھ گیا، اور وسْط جس میں سین پر جزم ہے یہ ظرف ہے، اسم نہیں ہے جیسے تم کہو ''جلست وسْط القوم'' میں قوم کے درمیان بیٹھ گیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تخت کو رکھنا جائز ہے۔ اور تخت پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور عورت کا شوہر کے سامنے لیٹنا بھی جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صالحین کا تخت کو رکھنا جائز ہے اور اس پر سونا بھی جائز ہے اور اس پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا اپنے شوہر کے سامنے لیٹنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''انسل انسلالا'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہونے اور آپ کو چھونے کے خطرہ سے چپکے سے تخت سے اتر جاتی تھیں، یعنی تخت سے پھسل جاتی تھیں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے الگ ہونے کے بعد کھڑی ہو جاتی تھیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۹۵-۹۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

٣٨- بَابٌ: مَنْ أُلْقِيَ لَهُ وِسَادَةٌ

گدا بچھانے کا جواز

٦٢٧٧- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ ح و حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الْمَلِيحِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِيكَ زَيْدٍ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو فَحَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي فَدَخَلَ عَلَيَّ فَأَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَجَلَسَ عَلَى الْأَرْضِ وَصَارَتِ الْوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَقَالَ لِي أَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ خَمْسًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ سَبْعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ تِسْعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِحْدَى عَشْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ شَطْرَ الدَّهْرِ صِيَامُ يَوْمٍ وَإِفْطَارُ يَوْمٍ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی ح انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد از ابی قلابہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوالملیح نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں آپ کے والد زید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، انہوں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرے روزوں کا ذکر کیا گیا، آپ میرے پاس تشریف لائے، میں نے آپ کے لیے چمڑے کا ایک گدا بچھایا جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا میرے اور آپ کے درمیان تھا، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہر مہینے تین روزے رکھا کرو، میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: پانچ؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: سات؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: نو؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: گیارہ؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: حضرت داؤد سے زیادہ روزے نہ رکھو، ان کے روزے نصف دہر پر مشتمل تھے، ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔

(صحیح بخاری: ١٩٧٥، ٦٢٧٧، صحیح مسلم: ١١٥٩، سنن نسائی: ٢٣٩١، مسند احمد: ٦٨٣٩)

صحیح البخاری: ٦٢٧٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دخلت مع ابیک زید" اس جملہ میں ابوقلابہ سے خطاب ہے اور ان کا نام عبداللہ ہے اور ان کے باپ کا نام زید ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور زید کا ذکر صرف اسی حدیث میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قلت یا رسول اللہ!" اس جملہ میں کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے "میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں یا رسول اللہ!" یا عبارت یوں ہے "یہ روزے مجھے کافی نہیں ہوں گے یا رسول اللہ!"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال خمسا" اسی طرح باقی جملوں میں بھی اصل عبارت محذوف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شطر الدھر" یعنی "نصف الدھر"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھیں اور ایک دن افطار کریں۔ اس کی فضیلت اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ فضیلت ہے، کیونکہ جو شخص مسلسل روزے رکھے گا تو روزہ رکھنا اس کی طبیعت کا خاصہ بن جائے گا اور اس کو روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے مسلسل روزے رکھنے کی توجیہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ جب تک میں زندہ رہوں گا تو دن میں روزے رکھا کروں گا اور رات میں قیام کیا کروں گا، کیونکہ ان کو عبادات میں زیادہ کوشش کرنے کی رغبت تھی اور نیکی کے کاموں میں حرص تھی۔ لیکن یہ ان کے نفس پر شاق ہوا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ پھر آپ ان کو مسلسل نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا حال یہ ہوگیا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور آدھی رات تک سوتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ لیکن بعد میں جب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بوڑھے ہوگئے تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی رخصت پر عمل کر لیتے، کیونکہ مسلسل ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن روزہ چھوڑنے سے ان کا جسم کمزور ہوگیا تھا۔ پھر وہ پندرہ دن روزہ رکھتے اور پندرہ دن افطار کرتے تھے۔ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گدا رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی معزز شخص کے لیے گدا رکھنا جائز ہے۔ اور یہ اس آسائش میں شمار نہیں ہے جو منع کی گئی ہے، بلکہ یہ نفس کو اس کا حق ادا کرنا ہے تاکہ نفس کو راحت اور اطمینان پہنچے۔

مسئلہ: جن ایام میں حضرت عبد اللہ بن عمرو دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے، کیا یہ ان پر فرض تھا؟

جواب: نہیں! لیکن انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ جس حال میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوئے تھے، اس حال کو ترک کر دیں، ورنہ یہ نفلی روزے تھے۔

مسئلہ: جب انسان یہ نیت کرے کہ وہ ہر مہینہ میں سات دن روزے رکھے گا یا نو دن روزے رکھے گا، تو کیا اس کے لیے مسلسل روزے رکھنا جائز ہے؟

جواب: اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھے یا منقطع رکھے، اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۹۶-۹۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۶۲۷۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ أَنَّهُ قَدِمَ الشَّأْمَ ح و حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ ذَهَبَ عَلْقَمَةُ إِلَى الشَّأْمِ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي جَلِيسًا فَقَعَدَ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتَ قَالَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ قَالَ أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي كَانَ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ يَعْنِي حُذَيْفَةَ أَلَيْسَ فِيكُمْ أَوْ كَانَ فِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ ﷺ مِنَ الشَّيْطَانِ يَعْنِي عَمَّارًا أَوَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّوَاكِ وَالْوِسَادِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ كَيْفَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَقْرَأُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى قَالَ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى فَقَالَ مَا زَالَ هَؤُلَاءِ حَتَّى كَادُوا يُشَكِّكُونِي وَقَدْ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی از شعبہ از مغیرہ از ابراہیم از علقمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شام میں آئے ح اور ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از مغیرہ از ابراہیم، انہوں نے کہا: علقمہ شام کی طرف گئے، پس ایک مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی نیک ہم نشیں عطا فرما۔ پھر وہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیٹھ گئے، انہوں نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ میں اہل کوفہ سے ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم میں رسول اللہ ﷺ کے ان رازوں کو جاننے والا نہیں ہے جن رازوں کو ان کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، یا تم میں وہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے شیطان سے محفوظ ہونے کی بشارت دی یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ، یا تم میں نبی ﷺ کی مسواک اور آپ کا گدا اٹھانے والے نہیں ہیں؟ یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ یہ آیت کس طرح پڑھتے ہیں: "واللیل اذا یغشیٰ" انہوں نے کہا "والذکر والانثیٰ"۔ اور وہ مسلسل مجھ کو اس آیت میں شک ڈالتے رہے حالانکہ میں نے اس آیت کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

(صحیح بخاری: ۳۲۸۷، ۳۷۴۲، ۳۷۴۳، ۳۷۶۱، ۴۹۴۳، ۴۹۴۴، ۶۲۷۸، سنن ترمذی: ۳۸۱۱، مسند احمد: ۲۷۰۰۱)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت باب کے عنوان سے اس طرح ہے کہ اس حدیث میں "الوسادۃ" یعنی گدے کا ذکر ہے اور حدیث کا عنوان بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن جعفر، یہ ابن اعین ابوزکریا البخاری البیکندی ہیں جو ۲۴۳ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

اوراس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، یہ ابن ہارون الواسطی ہیں جو واسط میں ۲۰۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اوراس حدیث کی سند میں مغیرہ کا ذکر ہے، اوران کو المغیرہ بن المقسم الضبی بھی کہا جاتا ہے۔ اوراس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، اوروہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام عویمر بن مالک ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال ممن انت؟" یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ سے پوچھا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صاحب السر" علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی نفاق کے رازوں کا علم جن کو تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے اسماء اوران کی تعیین حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتادی تھی اوران کو اس منقبت کے ساتھ مخصوص کرلیا تھا کیونکہ دوسرے اس پر مطلع نہیں تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ "سر" (راز) سے مراد جیسا کہا گیا ہے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سترہ منافقین کے نام بتائے تھے اوران کے علاوہ کسی اور کو وہ نہیں بتائے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس کے متعلق شک ہوتا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھتے، اگر وہ اس کے جنازے میں جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جاتے، اور اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے جنازے میں نہ جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہ جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اوكان فيكم" اس میں شعبہ کو شک ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الذى اجاره الله على لسان رسوله صلى الله عليه وسلم" یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے شیطان سے پناہ میں رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو شیطان سے امان میں رکھے اور فرمایا تھا کہ یہ طیب اور مطیب ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والوسادة" یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور گدے اور وضو کے آلہ کو اٹھانے والے تھے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم حجاب کو اٹھاؤ اور میری بات سنو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ خصوصیت عطا فرماتے تھے، جب وہ آتے تو آپ ان سے حجاب میں نہیں ہوتے تھے۔ اور جب وہ کوئی سوال کرتے تو آپ ان کے سوال کو مسترد نہیں فرماتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "كيف كان عبدالله يقرء؟" یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے، وہ علقمہ سے پوچھتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ" (اللیل: ۱۔۲) کو کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ "والذكر والانثى" پڑھتے تھے بغیر "وما خلق" کے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح پڑھتے تھے اور اہل شام اس آیت کو قراءت مشہورہ متواترہ کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ ہے "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ" (اللیل: ۳) اور وہ لوگ قراءت شاذہ کے متعلق شک میں رہتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷۔۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے اس حدیث کے حسب ذیل فوائد بیان کیے ہیں:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان اور عالم کی تکریم کرنی چاہیے اور ان کے لیے گدا بچھانا چاہیے۔

(۲) سلطان اور عالم کے اصحاب کو اس کی زیارت کرنی چاہیے اور اس کا قصد کرنا چاہیے اور اس کے گھر جانا چاہیے۔ اور اپنے دین میں جن مسائل کو جاننے کی ضرورت ہو وہ اس سے پوچھنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلطان یا عالم کی عزت افزائی کے لیے گدا بچھایا جائے تو وہ اس پر نہ بیٹھے اور تواضع اختیار کرتے ہوئے زمین پر بیٹھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کے لیے گدا بچھایا تو آپ گدے کو چھوڑ کر زمین پر بیٹھے۔

(۴) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سربلندی کو ترک کر کے تواضع کو اختیار کرنا چاہیے اور نفس کو تذلل پر برانگیختہ کرنا چاہیے۔

(۵) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلطان کی خدمت ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس کے مرتبہ پر مطلع ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علقمہ کا تذکرہ

علقمہ کوفہ کے تابعین کے سردار تھے اور امام مالک ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں فوقیت دیتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسود کو فضیلت دیتی تھیں اور بعض علماء ابو میسرہ کو فضیلت دیتے تھے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے مناقب

امام محمد بن سعد نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں انسانوں اور جنات سے قتال کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے انسانوں سے تو قتال کیا تو جنات سے کیسے قتال کیا؟ انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں ٹھہرا تو میں نے اپنی مشک اور اپنا ڈول لیا تاکہ پانی پیوں، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! عنقریب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں گے جو تم کو پانی سے منع کریں گے، پھر جب میں کنوئیں کے سرہانے تھا تو ایک کالے رنگ کا مرد آیا۔ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! تم آج اس کنوئیں سے ایک ڈول پانی بھی نہیں لو گے، پس اس نے مجھ سے ڈول چھینا اور میں نے اس کو پکڑا اور پھر میں نے اس کو پچھاڑ دیا، پھر میں نے ایک پتھر کو پکڑا اور اس سے اس کی ناک اور اس کا چہرا توڑ دیا۔ پھر میں نے اپنی مشک بھر لی اور وہ لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس پانی پر کوئی آیا تھا، میں نے کہا: ایک سیاہ فام بندہ آیا تھا، آپ نے فرمایا: تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تو میں نے

بتایا۔آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو وہ کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: وہ شیطان تھا جو تم کو پانی سے روکنے آیا تھا۔(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیک ساتھی کے حصول کی دعا کرنا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک ساتھی عطا کرے، کیونکہ نیک ہم نشیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ مشک اٹھانے والے کی طرح ہے، یا تو وہ تمہیں مشک ہدیہ میں دے گا، یا تم اس سے خرید لو گے، ورنہ تم اس سے اچھی خوشبو تو حاصل کرو گے۔(صحیح مسلم: ۱۳۶۴، سنن ترمذی: ۲۸۶۳)

اس کے برخلاف جو برا ہمنشیں ہو تو وہ لوہار کی بھٹی کی طرح ہے، یا تو وہ تمہارے کپڑے جلا دے گی، یا تم اس سے ناگوار بدبو حاصل کرو گے۔(صحیح مسلم: ۱۳۶۴، سنن ترمذی: ۲۸۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ''صاحب السواك والوسادة'' ہونے کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت یہ تھی کہ آپ اپنے اصحاب میں سے ہر ایک کو کوئی خصوصیت عطا فرمائیں، کیونکہ اس میں مشقت نہیں ہے۔اور جو مرکزی اعمال ہیں وہ لوگوں پر دشوار ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اعمال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں تو اس میں لوگوں کے لیے راحت ہوتی ہے اور عمل کرنے والے کے لیے بھی راحت ہوتی ہے، کیونکہ انسان بشر ہے اور وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ تمام خصائص کو حاصل کر لے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان خصائص کو اپنے اصحاب کے درمیان تقسیم فرما دیتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ''صاحب السر'' ہونے کی خصوصیت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے اسماء کی خبر دی تھی اور ان کے علاوہ اور کسی کو ان پر مطلع نہیں کیا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے تھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میرا نام تو منافقین کے ناموں میں نہیں بتایا تھا؟ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے، اور آج کل ایک عام آدمی جو ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایمان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان سے زیادہ ہے، حالانکہ نفاق ایک لطیف راز ہے جو دل میں ہوتا ہے اور بندے کو اس کا شعور نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ ایسی چیزوں کا اعتقاد کر لیتا ہے جو شرک ہوتی ہیں اور اس کو پتا نہیں چلتا۔اور وہ دکھاوا اور

ریا کاری ہے۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے، وہ شرک اصغر ہے یعنی ریا۔(صحیح الجامع:۱۵۵۵)

اور شرک خفی یہ ہے کہ انسان نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو بہت مزین کر کے اچھی طرح نماز پڑھے، کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے، تو بہت خشوع اور خضوع ظاہر کر کے نماز پڑھے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ''صاحب السر'' تھے۔

میں کہتا ہوں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین میں میرا نام تو نہیں لیا تھا؟''۔یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمال تقویٰ اور شدت الٰہی کے خوف کی وجہ سے تھا، کیونکہ وہ ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ان سے نادانستگی میں کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو گیا ہو جو دکھاوا ہو اور ریا ہو اور وہ بھی نفاق ہے۔(سعیدی غفرلہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھنے کی تاکید فرمائی۔آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس طرح قرآن پڑھنا چاہتا ہو جس طرح قرآن نازل ہوا ہو تو وہ ابن ام عبد کی قراءت پر پڑھے۔(صحیح الجامع:۵۹۶۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے تھے:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى ۙ (الیل:۱۔۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے جس طرح انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا تھا اور قراءت معروفہ اور قراءت متواترہ اس طرح ہے ''وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ'' (الیل:۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ تینوں آیات متناسب ہیں:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى ۙ (الیل:۱۔۳) اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے! ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو! ۝ اور نر اور مادہ کی قسم ۝

اس صورت میں ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی قسمیں ہیں۔اور یہ تینوں آیات متناسب ہیں، کیونکہ رات اور دن بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور نر اور مادہ بھی ایک دوسرے کے متقابل ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے متقابلات کی قسمیں کھائیں۔اور قراءت معروفہ میں تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے۔یعنی پہلی دو آیات میں مخلوق کی قسم ہے اور تیسری آیت میں خالق کی قسم ہے، اور بہ ظاہر یہ آیات غیر متناسب ہیں:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ (الیل:۱۔۳) اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے! ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو! ۝ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ۝

مسئلہ: کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق وہ پڑھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے، خواہ متواتر نہ ہو؟

الجواب: اس طرح پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن چونکہ عوام اس قراءت سے مانوس نہیں ہے تو ایسی قراءت نہ کی جائے جو عوام کے

نزدیک غیر مانوس ہو، کیونکہ اس سے فتنہ عظیمہ پیدا ہوگا۔ کیونکہ لوگ کہیں گے کہ کبھی قرآن اس طرح پڑھتے ہیں اور کبھی دوسری طرح پڑھتے ہیں، انہوں نے قرآن کو کھیل بنا رکھا ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج۶ ص ۹۷۔۹۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۹۔ بَابُ: اَلْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ — جمعہ کے بعد قیلولہ یعنی نیند کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرنے کا بیان ہے۔ اور قیلولہ ظہر کے بعد سونے کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''المقیلۃ اور القیلولۃ'' نصف النہار کے بعد استراحت کرنے کو کہتے ہیں، خواہ اس کے بعد نیند نہ آئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرتے تھے اور ناشتہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹، صحیح مسلم: ۸۵۹، سنن ترمذی: ۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۹۹)

صحیح البخاری: ۶۲۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں محمد بن کثیر کا ذکر ہے۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ الثوری ہیں۔ اور سہل بن سعد کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن مالک انصاری الساعدی ہیں۔

اس حدیث کی شرح کتاب الجمعہ میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۷۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیلولہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیلولہ کیا کرو، کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ اور اس حدیث کی سند میں کثیر بن مروان ہے اور وہ متروک ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۰۔ بَابُ: الْقَائِلَةِ فِي الْمَسْجِدِ

۶۲۸۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كَانَ لِعَلِيٍّ اسْمٌ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي تُرَابٍ وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ بِهِ إِذَا دُعِيَ بِهَا جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ فَقَالَتْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ انْظُرْ أَيْنَ هُوَ فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ فَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ قُمْ أَبَا تُرَابٍ قُمْ أَبَا تُرَابٍ۔

(صحیح بخاری: ۴۴۱، ۳۷۰۳، ۶۲۰۴، ۶۲۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۰۹)

مسجد میں سونے کا بیان

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب سے زیادہ اپنا کوئی نام پسند نہیں تھا اور جب ان کو ابوتراب کہہ کر بلایا جاتا تو وہ خوش ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھر آئے، پس گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، تو فرمایا: تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا تھا، سو وہ مجھ پر ناراض ہوئے اور گھر سے نکل گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انسان سے فرمایا: جاؤ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ پس وہ آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور وہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور ان کے جسم کے اوپر کی چادر ان کے پہلو سے ڈھلک گئی تھی اور اس پر مٹی لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اس مٹی کو صاف کر رہے تھے اور فرما رہے: اٹھو ابوتراب! اٹھو ابوتراب! (یعنی مٹی والے)۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے مسجد میں سونا اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔

یہ حدیث کتاب الاستئذان سے پہلے "باب التکنی بابی تراب" میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کے درج ذیل فوائد ہیں:

(۱) اس حدیث میں دن کے وقت سونے کا ثبوت ہے اور رات کو بھی مسجد میں بغیر ضرورت کے سونے کا ثبوت ہے۔ اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور کتاب الصلوٰۃ میں یہ باب گزرا ہے "باب نوم الرجل فی المسجد" یعنی مرد کے مسجد میں سونے کا بیان۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے داماد کے ساتھ مزاح فرمانا اور ان کی کنیت کے علاوہ ان کی کنیت رکھنا: ایسی چیز کے ساتھ کنیت رکھنا جو ان کو عارض ہوئی ہو جیسا کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ھرۃ" یعنی بلی کے ساتھ رکھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی کنیت مٹی کے ساتھ رکھی جو ان کے جسم کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

(۳) اس حدیث میں ارباب فضیلت کے مزاح کرنے کا جواز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے مگر آپ حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے تھے۔

(۴) اور اس حدیث میں داماد کے ساتھ نرمی اور ملاءمت کا بیان ہے اور ان پر عتاب نہ کرنے کا بیان ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ناراض ہوئے تو آپ نے اس پر انہیں عتاب نہیں فرمایا بلکہ آپ انہیں ڈھونڈنے مسجد میں گئے اور انہیں فرمایا: اٹھو! اور ان کو ان کے گھر جانے کی طرف راغب کیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن نے علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ کی حرف بہ حرف شرح کو نقل کر دیا ہے جو ہم نے علامہ ابن بطال کے حوالہ سے ذکر کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی وہی شرح کی ہے جو علامہ ابن بطال نے کی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۱۔ بَابُ: مَنْ زَارَ قَوْمًا فَقَالَ عِنْدَهُمْ — جو شخص کسی سے ملاقات کرنے گیا، پھر وہیں سو گیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص دن کے وقت کسی کی زیارت کے لیے گیا، پھر وہیں سو گیا۔ اس عنوان میں "قال"

لفظ "قیلولة" سے ماخوذ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ ﷺ نِطَعًا فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذَلِكَ النِّطَعِ قَالَ فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ ﷺ أَخَذَتْ مِنْ عَرَقِهِ وَشَعَرِهِ فَجَمَعَتْهُ فِي قَارُورَةٍ ثُمَّ جَمَعَتْهُ فِي سُكٍّ قَالَ فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ أَوْصَى إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِهِ مِنْ ذَلِكَ السُّكِّ قَالَ فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۳۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا پارچہ بچھاتی تھیں، آپ اسی چمڑے کے ٹکڑے پر ان کے ہاں سو جاتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے اور آپ کے بالوں سے کچھ لے کر ان کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، پھر اس میں ایک قسم کی خوشبو ملاتیں، فرمایا: جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے وصیت کی کہ ان کی خوشبو میں وہ خوشبو ملا دی جائے، پھر وہ خوشبو ملا دی گئی۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن کے وقت حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں سونے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ام سلیم، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، اور یہ ملحان بن خالد بن زید انصاریہ کی بیٹی ہیں اور ان کا نام الغمیصاء ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ رمیصاء ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں اور ان کے بھائی حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی ماموں تھے۔ اور ابن وہب نے کہا ہے کہ حضرت ام حرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی سُكٍّ" یہ ایک قسم کی خوشبو ہے جس میں دوسری خوشبو ملائی جاتی ہے اور استعمال کیا جاتا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کس طرح لیتی تھیں حالانکہ آپ سوئے ہوئے ہوتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا وہ معنی نہیں ہے جو ذہن میں متبادر ہوتا ہے، بلکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرتے تھے تو جو آپ کے

بال جھڑتے تھے ان کو وہ آپ کے پسینہ کے ساتھ ایک خوشبو میں ملا دیتی تھیں۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ امام محمد بن سعد نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منیٰ میں اپنا سر منڈایا تو حضرت ابوطلحہ نے وہ بال لیے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان سے وہ بال لیے اور ان کو خوشبو میں ملا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں بالوں کا ذکر غیر مناسب ہے، اس لیے امام مسلم نے اپنی روایت میں بالوں کا ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث میں ''حنوط'' کا ذکر ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جو میت کے جسم پر لگائی جاتی ہے اور اس میں کافور اور صندل ملا ہوا ہوتا ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: حنوط ایک قسم کی خوشبو ہے جو میت کے کفن پر لگائی جاتی ہے اور اس کے جسم پر لگائی جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور رئیس اور عالم کا اپنے مستند بھائیوں کے گھر میں دن کے وقت سونا جائز ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس سے دوستی اور محبت مؤکد ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم کے بال پاک ہیں۔ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کے بالوں اور آپ کے پسینہ کو تبرکاً لیا تھا اور اس کے ساتھ ایک قسم کی خوشبو ملا دی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی حنوط کے ساتھ اس لیے ملوا دیا تا کہ ناپسندیدہ چیزوں سے پناہ میں رہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ جمع کرنے کے متعلق متعدد روایات

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، پس آپ دن کے وقت وہاں سو گئے۔ آپ کو پسینہ آیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور پھر آپ کے پسینہ کو اس شیشی میں جمع کیا، پس آپ بیدار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اے ام سلیم! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے، ہم اس کو خوشبو میں ملا رہے ہیں، اور آپ کا پسینہ سب سے بہترین خوشبو ہے۔ اور اسحاق بن ابی طلحہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ چمڑے کے ٹکڑے پر گرا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے اس چمڑے سے پسینہ کو شیشی میں ڈال لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو پوچھا: آپ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے پسینہ کی برکت سے اپنے بچوں کے لیے امید رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا۔ اور ابوقلابہ کی روایت میں ہے کہ وہ آپ کے پسینہ کو جمع کرتیں اور ایک خوشبو کے ساتھ ملا دیتیں، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے، میں اس کو خوشبو کے ساتھ ملا رہی ہوں۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے اس فعل پر مطلع تھے اور آپ نے ان کے اس فعل کو جائز قرار دیا۔

علامہ ابن بطال نے کہا تھا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اگر دلیل سے ثابت ہو کہ انسان کے بال پاک نہیں ہوتے تو پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی خصوصیت ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلاتِ کریمہ کے متعلق شیخ ابن عثیمین کی ہفوات

شیخ ابن عثیمین حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات دوسرے انسانوں کے فضلات کی طرح ہیں جو ان میں سے طاہر ہو، وہ طاہر ہیں اور جو نجس ہو، وہ نجس ہیں۔ اور اگر اس طرح نہ ہوتا تو ہم منی کی طہارت کے اوپر استدلال نہ کرتے، کیونکہ ہر انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منی کا طاہر ہونا آپ کے خصائص میں سے تھا اور صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی چیز طاہر ہے جو چیز ہماری طاہر ہے اور آپ کے لیے اسی چیز کی نجاست کا حکم ہے جو ہمارے لیے نجاست کا حکم ہے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ کسی عورت کا آپ کے جسم کو چھونا حرام نہیں ہے۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا جائز ہے اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ کسی عورت پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ آپ سے حجاب میں رہے اور اس کے متعدد دلائل ہیں۔(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۰۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کی ہفوات کا جواب از مصنف

جس طرح شیخ ابن عثیمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلاتِ کریمہ کو نجس قرار دیا ہے، اسی طرح شیخ تھانوی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلاتِ کریمہ کو نجس قرار دیا ہے۔ اور بعض غیر مقلدین نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ہم ان سب کا جواب لکھ رہے ہیں:

شیخ تھانوی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے بھی اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے:

بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے: میں نے پیا اور مجھے پتا نہیں تھا اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی، پھر خون نکل لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور دوسری روایت میں دوبارہ نہ پینا، کیونکہ ہر خون حرام ہے، پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔(بوادر النوادر ص ۴۴۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

شیخ تھانوی نے اس پر غور نہیں کیا کہ کسی چیز کا حرام ہونا، اس کی نجاست کو مستلزم نہیں ہے، انسان کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، لیکن وہ نجاست کی بناء پر حرام نہیں ہے، کرامت کی بناء پر حرام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا پینا تو بہ طریق اولیٰ کرامت کی وجہ سے حرام ہو گا نہ کہ نجاست کی بناء پر۔

الماوردی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منڈائے ہوئے بال اور آپ کے فضلات نجس ہیں (العیاذ باللہ) لیکن بہ کثرت فقہاء شافعیہ کے نزدیک آپ کے بال مبارک اور آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

بعض غیر مقلد علماء کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا نجس ہونا

معروف غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ لکھتے ہیں:

امّ ایمن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مٹی کا پیالہ تھا، جس میں آپ رات کو (عذر کی بناء پر) پیشاب کیا کرتے تھے۔ ایک رات میں پیاسی ہوگئی، پس غلطی سے وہ پیشاب پی لیا۔ پس رسول اللہ کے پاس میں نے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: اس دن کے بعد تجھے کبھی پیٹ کا درد نہیں ہوگا۔ اس روایت سے آپ کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ غلطی سے پیا گیا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ تیرے پیٹ میں درد نہیں ہوگا، یہ علاج ہے۔ بعض نجس چیز بھی علاج بن جاتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ غلطی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس نجس چیز کو اس کے لیے شفاء بنا دیا، بہر صورت اس غلط فعل کو طہارت کی دلیل بنانا غلط ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا)

حیرت ہے کہ یہی صاحب جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب کو نجس لکھا ہے یہی مصنف بیل بلکہ ہر وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، اس کے پیشاب کو نہ صرف پاک بلکہ حلال قرار دیتے ہیں۔ ان کی عبارت درج ذیل ہے:

قضیب گاؤ (بیل کا آلۂ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے، بلکہ ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو) کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶)

تاہم بعض غیر مقلد علماء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کو پاک لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

آنحضرت کے تو تمام فضلات تک پاک اور طاہر تھے، آپ پر دوسرے آدمیوں کا قیاس نہیں ہوسکتا ہے۔

(تیسیر الباری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ، لاہور ۱۹۹۰ء)

اکثر شافعیہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلاتِ مبارکہ طاہر ہیں

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا، تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مکرم ہے، اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں، کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا، اور حق یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کا ہے، ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون، منی، بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی

طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔

(فتح الباری ج ۱ص ۱۱۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کردیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے، پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی، آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے، اس کو ڈھانپ لے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۷۲، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۵۰ طبع جدید، المکتبۃ العصریہ، ۱۴۲۰ھ، کنز الاعمال: ۳۲۲۵۳، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۵ طبع جدید، علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا: اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے، نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۱، طبع جدید، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے، اس کو نگل لے۔ (الفردوس بماثور الخطاب: ۱۴۳، جمع الجوامع: ۸۰۳۶، کنز العمال: ۳۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، آپ رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے، ایک رات میں اٹھی، مجھے پیاس لگ رہی تھی، میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے، اس کو میں نے پی لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے فرمایا: سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶۳-۶۴، طبع قدیم، المستدرک: ۶۹۱۲ طبع جدید، المعجم الکبیر: ۲۳۰، ج ۲۵ ص ۸۹، کنز العمال: ۳۲۲۵۶، جمع الجوامع: ۲۷۵۴۹، تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۰۸۹-۲۰۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ، ج ۴ ص ۳۲۱، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا، ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی، جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا: تم صحت مند ہو گی، سو وہ تاحیات بیمار نہیں ہوئیں۔ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے، آپ نے اس میں پیشاب کیا، پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس

پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی، ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا، جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھی، آپ نے ان سے پوچھا: وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا، آپ نے فرمایا: تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۴۷۷، ج ۲۴ ص ۱۸۹، المعجم الکبیر: ۵۲۷، ج ۲۴ ص ۲۰۶، ۲۰۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۷، تاریخ دمشق الکبیر: ۵۲۰۰۔ ج ۳ ص ۳۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲، ۳۲۱، طبع جدید، ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے اس کو غائب کر دیا، آپ نے فرمایا: شاید تم نے پی لیا، میں نے کہا: میں نے اس کو پی لیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۴۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا: بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، آپ نے فرمایا: یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں، پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو، میں نے اس کو چھپ کر پی لیا، پھر میں نے اس کا (آپ سے) ذکر کیا تو آپ ہنسے۔

(المعجم الکبیر: ۶۴۳۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ۵۴۱۸، ۲۵۲۴، ج ۴ ص ۱۸۰، المطالب العالیہ: ۳۸۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبد الرحمٰن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا، ان سے کہا گیا: کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون پی لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا، اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(المعجم الاوسط: ۹۰۹۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کے ضعف پر اجماع ہو، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا، حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا، ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو، انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس کو دیکھ لے، پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبد اللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فصد لگائی، جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبد اللہ! اس خون کو ایسی جگہ گرا دو، جہاں اس کو کوئی نہ

دیکھے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا! دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا: میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو، آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء: ۱۱۶۷، ۱۱۶۶، طبع جدید، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم، سنن دار قطنی: ۸۷۱ طبع جدید، المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم، المستدرک ۶۳۴۳ طبع جدید، تاریخ دمشق الکبیر: ۶۲۲۵۔ ۶۲۲۴، ۶۲۲۳، ۶۲۲۲، ج ۳۰ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷، تلخیص الحبیر: ۱۸، ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۲، کنز العمال: ۳۷۲۳۴۔ ۳۳۵۹۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹۔ ۹۸، الطبع الجدید، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا: تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہوگا، اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے، حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کردی تھی، بنوامیہ کو اس پر افسوس ہوا، یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا، پھر عبد الملک بن مروان نے اپنے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا، بالآخر سترہ جمادی الاولیٰ ۷۲ ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنوامیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے جو یہ فرمایا کہ تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی، اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ (مریم: ۷۲۔ ۷۱)

اور بیشک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ۝ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ۝

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دوہرا عذاب ہو، ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہوگا اور دوسرا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا، حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جزیا مومن فقد اطفأ نورک لھبی۔　　اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں، مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۶)

حضرت ابو سمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں "ورود" کا معنی دخول ہے، پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہوگا اور مومنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی، پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: ۱۸۴۴۷)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ۷۲۔۷۱ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ کے تمام فضلات طاہر ہیں، اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز صحیح بخاری کی اس حدیث مذکور میں بھی شیخ ابن عثیمین کا رد ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر کے رکھتی تھیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو متعدد روایات سے بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں آپ کے پسینہ کو برکت کے لیے جمع کر رہی ہوں کیوں کہ اس کی خوشبو بہت زیادہ ہے، آپ نے فرمایا: تم ٹھیک کر رہی ہو۔

میں کہتا ہوں: غور کریں! ہمارا پسینہ بد بودار ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا، حتیٰ کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کے پسینہ کو جمع کر کے ایک شیشی میں رکھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ اس خوشبو کو حنوط کے ساتھ ملا کر ان کے کفن پر لگایا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

فضلات کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کے اعتراضات کے جوابات

ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے جو یہ روایت ذکر کی ہے کہ زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز نگل لیتی اور اس جگہ خوشبو پھیل جاتی، اس کو امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ موضوع ہے (اس کا جواب جمع الوسائل کے حوالے سے خود ملا علی قاری کی عبارت میں آ رہا ہے۔) قاضی عیاض نے دوسری روایت جو امام محمد بن سعد کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے۔۔

الحدیث۔ ابن دحیہ نے کہا کہ اس کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں قوی ترین حدیث ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث فضلات کی طہارت پر نہیں بلکہ اس کی ضد پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ زمین کے نگلنے سے معلوم ہوتا ہے، البتہ پاکیزہ خوشبو ان کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔ امام بغوی نے فضلات کی طہارت پر یہ دلیل قائم کی کہ آپ کے پیشاب اور خون سے شفاء حاصل کی گئی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ جس چیز سے شفاء حاصل کی جائے اس کا طاہر ہونا لازم نہیں ہے، کیونکہ اونٹوں کے پیشاب سے بھی شفاء حاصل کی گئی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اونٹوں کا پیشاب نجس ہے۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ملخصاً ج ۱ ص ۵۳-۳۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے! کہاں حضور کا بول مبارک اور کہاں اونٹوں کا پیشاب! اونٹوں کا پیشاب سخت بدبودار ہوتا ہے اور جہاں آپ کا بول و براز گرتا تھا اس جگہ خوشبو پھیل جاتی تھی، اس حدیث کی قوت خود ملا علی قاری کو بھی تسلیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول مبارک پر اونٹوں کے پیشاب سے معارضہ کرنا، سخت حیرت کا باعث ہے۔

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:

حضرت ابوطیبہ حجام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا، اور آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا، حضرت ام ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پیا اور آپ نے ان پر انکار نہیں، بلکہ فرمایا: تمہارا پیٹ آگ میں داخل نہیں ہوگا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کا خون پیا۔ ان احادیث کو بہ طور دوا پینے پر محمول کیا گیا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فصد لگانے والے سے فرمایا: دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔ (واضح رہے کہ حرام ہونا نجس ہونے کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ انسان بھی حرام ہے لیکن اس کی حرمت کرامت کی بناء پر ہے نہ کہ نجاست کی بناء پر، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا حرام ہونا بہ درجہ اولیٰ کرامت کی بناء پر ہے۔۔۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

علامہ نووی نے کہا کہ پیشاب پینے والی حدیث صحیح حسن ہے اور یہ طہارت پر استدلال کے لیے کافی ہے کیونکہ آپ نے اس فعل پر انکار نہیں کیا، منہ دھونے کا حکم دیا اور نہ دوبارہ پینے سے منع کیا۔ قاضی حسین نے کہا کہ تمام فضلات کی طہارت کا قول زیادہ صحیح ہے اور یہی کثیر متاخرین کا مختار ہے اور بطور دوا پینے کا جواب یہ ہے کہ (یہ ملا علی قاری کے اعتراض کا بھی جواب ہے) یہ احتمال اس حدیث سے مردود ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء حرام چیزوں میں نہیں رکھی"۔ اور اس کا نکتہ یہ ہے کہ فرشتوں نے آپ کے پیٹ کو دھو کر پاک کر دیا تھا، اس باب میں بہت زیادہ احادیث ہیں جیسے حضرت ابن الزبیر کا خون پینا، اور حضرت ام ایمن کا رات کو تخت کے نیچے رکھے ہوئے پیالہ سے پیشاب پینا۔ (نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۵۴، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی چیز ناپسندیدہ اور ناپاک نہیں تھی، ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی دھوتی تھیں، آپ پتھر اور ڈھیلوں سے استنجاء کرتے تھے، نیز اگر آپ سے خارج ہونے والی چیزیں پاک ہوتیں تو وہ چیزیں حدث ناقض (وضو اور غسل کا سبب) نہ ہوتیں، جیسے پسینہ، آنسو، تھوک اور رینٹ وغیرہ ہیں۔ اور اس پر اجماع ہے کہ وضو ٹوٹنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مثل ہیں سوا اس چیز کے جس کا استثناء ہے، مثلاً نیند، کیونکہ

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ا ص ۵۵ ۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے، آپ کے فضلات کریمہ کے طاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے لیے طاہر ہیں، باقی آپ کے حق میں ان کا خروج موجب حدث ہے، اسی وجہ سے آپ استنجاء، وضو اور غسل فرماتے تھے۔ امت کے لیے ان کے طاہر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کئی صحابہ اور صحابیات نے آپ کا پیشاب اور خون پیا اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت مالک بن سنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوس کر پی لیا۔

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مثل کو حاکم، بزار، بیہقی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے لیکن قاضی عیاض نے اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی طہارت پر جو استدلال کیا ہے اس پر ملا علی قاری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ا ص ۵۹ ۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ہماری سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوسنے سے کون سی طبعی یا شرعی ضرورت تھی، جس کی وجہ سے ان کے لیے خون چوسنا مباح ہو گیا تھا! حقیقت یہ ہے کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ غلبہ محبت کی بناء پر آپ کے زخم سے خون چوسا تھا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون یا پیشاب پیا، آپ نے ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا کہ اپنا منہ دھوؤ، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا خون اور پیشاب پاک ہے، ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے نہ عدم حکم پر دلالت ہے، علاوہ ازیں پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا اور اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا، تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو، یا آپ کو اعتماد ہو کہ وہ منہ دھولیں گے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت کیا اور اس کو برقرار رکھا تب طہارت ثابت ہو جائے گی۔
(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ا ص ۳۶۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے نہ عدمِ حکم پر دلالت ہے، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ فضلات نجس ہوتے تو آپ پر لازم تھا کہ آپ انہیں دھونے کا حکم دیتے اور جب دھونے کا حکم نہیں دیا تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ فضلات طاہر ہیں جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا۔ سوال یہ ہے کہ کس کے پیشاب لگنے سے منہ دھونا واجب ہے عام آدمی کے؟ تو بے شک یہ انہیں معلوم تھا کہ عام آدمی کے پیشاب لگنے سے اس جگہ کو دھونا لازم ہے، لیکن یہ عام آدمی کا پیشاب تو نہیں تھا! اگر ان کے نزدیک اس پیشاب کا حکم بھی عام آدمی کے پیشاب کی طرح ہوتا تو وہ اس کو کیوں پیتے؟ ظاہر ہے کہ وہ آپ کے پیشاب کو طاہر سمجھتے تھے جبھی تو انہوں نے اس کو پیا تھا، اب اگر بالفرض یہ پیشاب ان کے گمان کے برخلاف ناپاک ہوتا تو آپ پر لازم تھا کہ آپ بتاتے کہ اپنا منہ دھولو۔

ملا علی قاری نے کہا: اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہوگی،

کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو یا آپ کو اعتماد ہو کہ وہ خود دھولیں گے۔

اگر مان لیا جائے کا کیا مطلب ہے؟ فی الواقع آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تھا، اور یہ صرف طہارت کا احتمال نہیں ہے بلکہ طہارت پر قوی دلیل ہے کیونکہ نبوت کے منصب کا یہ تقاضا ہے کہ جب بھی کوئی شخص غلط کام کرے تو نبی اس کی اصلاح کرے، اس وجہ سے نبی کا کسی چیز پر خاموش رہنا اس کے جواز کی دلیل ہوتا ہے کیونکہ نبی کسی غلط کام پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو، سو یہ بھی غلط ہے، کیوں کہ امور تبلیغیہ میں ذہول نہیں ہوتا، پھر یہ ایک دفعہ کا واقعہ تو نہیں ہے متعدد مرتبہ آپ کے سامنے خون پیا گیا اور آپ نے کسی مرتبہ منہ دھونے کا حکم نہیں دیا۔ کیا ہر بار آپ کو ذہول ہو گیا تھا؟ اور یہ جو کہا ہے کہ آپ کو یہ اعتماد تھا کہ وہ خود دھولیں گے، یہ بھی غلط ہے، آپ کو یہ اعتماد تو تب ہوتا جب آپ یہ جانتے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فضلات نجس ہیں، وہ تو آپ کے فضلات کو پاک سمجھتے تھے اور ان کو پیتے تھے تو پھر آپ کو ان کے دھونے پر اعتماد کیسے ہوتا! ملا علی قاری نے لکھا ہے: ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا اور اس کو مقرر رکھا تو پھر طہارت ثابت ہوگی۔

یعنی اگر کوئی شخص مثلاً صبح سے ظہر تک، یا ظہر سے عصر تک اپنے منہ پر کوئی ناپاک چیز لگائے رکھے تو ملا علی قاری کے نزدیک حضور اس کو اس لیے منع نہیں کریں گے کہ یہ ابھی نماز نہیں پڑھ رہا، کیا نماز کے علاوہ باقی اوقات میں منہ پر ناپاک چیز لگائے رکھنا جائز ہے؟ اور نماز کے علاوہ کوئی شخص اپنے منہ پر خون یا پیشاب مل لے تو کوئی حرج نہیں ہے؟ اس لیے فضلات کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو پیشاب یا خون دوبارہ پینے سے منع نہیں فرمایا اور یہ ان کی طہارت کی دلیل ہے۔ ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منع کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب کسی شخص نے عمداً اور بلا ضرورت یہ کام کیا ہوتا اور عنقریب روایت میں آ رہا ہے کہ حضرت برکہ نے لاعلمی میں پیشاب پیا تھا (یعنی ان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ پیشاب ہے) اور ابن عبد البر نے روایت کیا ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے؟ اور ایک روایت میں ہے دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

صحابہ میں سے جس نے بھی آپ کا خون یا پیشاب پیا تھا وہ کسی ضرورت سے نہیں پیا تھا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کی وجہ سے پیا تھا اور عمداً پیا تھا۔ خون اور پیشاب پینے کے متعدد واقعات ہیں۔

علامہ خفاجی لکھتے ہیں:

حاکم اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور حضرت ام ایمن بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک جانب رکھے ہوئے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا، میں رات کو اٹھی، میں پیاسی تھی میں نے اس کو پی لیا در آں حالیکہ مجھے پتا نہیں تھا، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! اس برتن میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا، آپ ہنسے اور فرمایا: بخدا تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے خبر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب کرتے تھے جس کو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا، ایک دن آپ نے وہ پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہیں تھا، ایک عورت جس کا نام برکہ تھا جو حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھی اور ان کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی آپ نے اس سے پوچھا: اس پیالہ میں جو پیشاب تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: اس کو میں نے پی لیا، آپ نے فرمایا: اے ام یوسف! تم صحت مندر رہو گی۔ ابن دحیہ نے کہا: یہ دو مختلف عورتوں کے دو مختلف واقعے ہیں۔ پہلی عورت برکہ ام ایمن ہیں اور دوسری عورت برکہ ام یوسف ہیں۔

(نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ملا علی قاری نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دو الگ واقعہ ہیں۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ دو واقعہ ہیں اور یہ قول کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا حضرت برکہ ام ایمن کا ہے اور حضرت برکہ ام یوسف کے واقعہ میں یہ قول نہیں ہے کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا، اس لیے ملا علی قاری کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ پینے والوں نے عمداً اور بلا ضرورت نہیں پیا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پینے کے بھی متعدد واقعات ہیں۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا، ان میں ابوطیبہ نام کے فصد لگانے والے ہیں اور قریش کا ایک لڑکا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی تھی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا، یہ روایات بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم کی حلیہ میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ان احادیث میں سے کسی میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہوں نے لاعلمی میں خون پیا، صرف حضرت ام ایمن کی روایت سے ''لا اشعر'' کا لفظ دیکھ کر مطلقاً یہ کہنا کہ ''حضور دوبارہ پینے سے اس وقت منع کرتے جب پینے والوں نے بلا ضرورت اور عمداً پیا ہوتا'' سخت مغالطہ آفرینی ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ: سالم بن ابی الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔

ہر خون کا حرام ہونا اور اسی طرح آپ کے خون کا بھی حرام ہونا طہارت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ حرمت کرامت کی بناء پر ہے نجاست کی بناء پر نہیں ہے، در اصل اس عبارت سے ملا علی قاری، قاضی عیاض پر یہ رد کرنا چاہتے ہیں کہ قاضی عیاض نے یہ استدلال کیا تھا کہ اگر آپ کے فضلات نجس ہوتے تو آپ کسی کو دوبارہ پینے سے منع کرتے، سو ملا علی قاری نے ابن عبدالبر کے حوالے سے یہ لکھا کہ ایک روایت میں ہے: ''لا تعد فان الدم كله حرام''۔ ''دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے'' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابن عبدالبر کی کتاب کو دیکھا اس میں سالم کے تذکرہ میں فصد کا یہ واقعہ مذکور ہے لیکن ''لا تعد فان الدم كله حرام'' کا ذکر نہیں ہے اور ملا علی قاری کے استدلال کا مرکزی نکتہ یہی ہے، ابن عبدالبر کی اصل عبارت یہ ہے:

(سالم) رجل من الصحابة حجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سالم ایک صحابی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی اور فصد

وشرب دم الحجم فقال له رسول الله ﷺ اما علمت ان الدم كله حرام.

کا خون پی لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے۔

(استیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۶۷، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن عبدالبر نے "فی روایۃ لا تعد" نہیں لکھا، اور اگر ملا علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور نے لکھا ہے یا کسی اور روایت میں ہے تو ملا علی قاری نے اس کا حوالہ نہیں دیا اور جو چیز مذاہب اربعہ کے جمہور علماء کا مختار ہو اور مستند احادیث سے ثابت ہو اس کو ایک بے سند اور مجہول روایت کی بنیاد پر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے، ہوسکتا ہے کہ اس تمام بحث سے ان کا مقصود یہ ہو کہ فضلات کریمہ کی طہارت ایک ظنی مسئلہ ہے اس پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے، کیونکہ جن وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے ان پر اعتراضات ہو سکتے ہیں، ملا علی قاری کی طرف سے اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے اپنی دوسری تصانیف میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔

فضلات کریمہ سے متعلق بعض احادیث کی فنی حیثیت اور اس مسئلہ میں جمہور علماء کا موقف!!!

ملا علی قاری حنفی شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے فضلات کے متعلق امام طبرانی نے سند حسن یا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو بیت الخلاء میں جاتے ہوئے دیکھتی ہوں، پھر جو شخص آپ کے بعد بیت الخلاء میں جاتا ہے وہ آپ سے خارج ہونے والی کسی چیز کا کوئی اثر نہیں دیکھتا، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو یہ حکم دیا ہے کہ انبیاء سے جو کچھ خارج ہو وہ اس کو نگل لے، اس حدیث کو امام ابن سعد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ امام بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث حسن بن علوان کی موضوعات میں سے ہے اور اس کا ذکر مناسب نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ مشہورہ میں نبی ﷺ کے اس قدر معجزات کا ذکر ہے جو حسن بن علوان کے کذب سے مستغنی کر دیتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۷۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام بیہقی کی یہ عبارت بالخصوص ابن علوان کے روایت کردہ متن پر محمول ہے اور وہ یہ ہے: "کیا تم نہیں جانتیں کہ ہمارے اجسام ارواح اہل جنت کے مطابق پیدا ہوئے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اس کو زمین نگل لیتی ہے"۔ یا اس حدیث پر موضوع کا حکم لگانا صرف ابن علوان کی سند کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری جن سندوں سے یہ حدیث مروی ہے ان پر موضوع کا حکم نہیں ہے، یا امام بیہقی ان اسانید پر مطلع نہیں ہوئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی امام طبرانی، امام ابن سعد، اور امام حاکم کی ذکر کردہ اسانید)، اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔

امام بیہقی کا یہ تبصرہ براز کے متعلق تھا، اور پیشاب کا تو بہت صحابہ نے مشاہدہ کیا ہے، آپ کی خادمہ برکہ ام ایمن نے آپ کا پیشاب پیا، اور حضرت ام حبیبہ کی خادمہ برکہ ام یوسف نے آپ کا پیشاب پیا، آپ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا، آپ اس میں پیشاب کرتے تھے، اور دوسری برکہ نے اس کو پی لیا، تو آپ نے ان سے فرمایا: اے ام یوسف! تم تندرست ہو گئیں، اور وہ مرض موت کے سوا پھر کبھی بیمار نہیں ہوئیں اور پہلی برکہ سے یہ روایت ہے کہ رات کو رسول اللہ ﷺ نے

گھر کی ایک جانب رکھے ہوئے ٹھیکرے میں پیشاب کیا، وہ کہتی ہیں کہ میں رات کو پیاس سے اٹھی اور جو کچھ اس ٹھیکرے میں موجود تھا میں نے اس کو پی لیا اور مجھ کو پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے)، صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن جو کچھ اس ٹھیکرے میں ہے اس کو پھینک دو، میں نے کہا: بہ خدا! جو کچھ اس میں تھا میں نے پی لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا، علامہ ابن حجر نے کہا: ہمارے ائمہ متقدمین اور دوسرے ائمہ کی ایک جماعت نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں اور متاخرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے اور طہارت فضلات پر بکثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔(فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ لاہور) ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر آپ کے باطن کو دھونا ہے۔

(جمع الوسائل ج ۲ ص ۳۔۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

۶۲۸۲، ۶۲۸۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءٍ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ قَالَ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ شَكَّ إِسْحَاقُ قُلْتُ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ فَقُلْتُ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ زَمَانَ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قباء کی طرف جاتے تو حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے۔ اور وہ آپ کو کھانا کھلاتیں، اور وہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ایک دن آپ ان کے گھر گئے تو انہوں نے کھانا کھلایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، انہوں نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اس سمندر کے وسط میں تخت کے اوپر سوار ہو رہے تھے جیسے بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں، یا فرمایا جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر ہوتے ہیں، راوی اسحاق کو شک ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ سو آپ نے دعا کی، پھر آپ نے اپنا سر رکھا اور پھر سو گئے۔ پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے پوچھا: آپ کو کیا چیز ہنساتی ہے یا رسول اللہ! فرمایا: میری امت میں سے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور اس سمندر کے اندر تختوں پر اس طرح

سوار ہوں گے جس طرح بادشاہ تختوں پر بیٹھتے ہیں یا فرمایا: بادشاہوں کی مثل تختوں پر ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا: تم پہلوں میں سے ہو۔ پھر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندر میں سوار ہوئیں، جب وہ سمندر سے نکلیں تو ان کی سواری نے ان کو گرادیا، پس وہ فوت ہوگئیں۔

(صحیح بخاری: ۲۷۸۸، ۲۸۰۰، ۲۸۷۸، ۲۸۹۵، ۲۹۲۴، ۶۲۸۳، ۷۰۰۲، صحیح مسلم: ۱۹۱۲، سنن ترمذی: ۱۶۴۵، سنن نسائی: ۳۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۶، مسند احمد: ۱۳۳۷۹، موطا امام مالک: ۱۰۱۱، سنن دارمی: ۲۴۲۱)

صحیح البخاری: ۶۲۸۲۔ ۶۲۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب "فضل من یصرع فی سبیل اللہ" اور باب "غزوۃ المراۃ فی البحر" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہوچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ام حیران"۔ یہ بنت ملحان ہیں۔ اور یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ (اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی رضاعی خالہ تھیں)۔ ابن الکلبی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ غزوہ ۲۸ھ میں ہوا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۲۔ ۶۲۸۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ میری امت کے مجاہدین سمندر میں تخت پر اس طرح سوار ہوں گے جیسا کہ بادشاہ سوار ہوتے ہیں، یعنی جس طرح بادشاہوں کا دنیا میں حال ہوتا ہے کہ ان پر دنیا وسیع ہوتی ہے اور ان کے ہتھیار بہت ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوں گے۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان مجاہدین کو پیش کیا گیا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں ان کے حال پر مطلع کیا گیا ہو کہ وہ اس طریقہ سے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

(۳) اس حدیث میں عورتوں کے جہاد کرنے کی دلیل ہے۔ امام مالک نے بڑے لشکروں میں اس کی اجازت دی ہے۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے "ثبج البحر" اس کا معنی ہے: وسط البحر۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۲۔ ۶۲۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق مختلف روایات

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ جب حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سمندر سے نکلیں تو وہ اپنی سواری سے گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ اور اللیث کی روایت میں ہے کہ جب مجاہدین اپنے غزوہ سے شام کی طرف لوٹے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی طرف ایک سواری لائی گئی تا کہ وہ اس سواری پر سوار ہوں تو وہ اس سواری سے گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ اور امام احمد نے زید سے روایت کی ہے کہ ان کو ایک سفید خچر نے گرا دیا، پس وہ گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوت ہو گئیں۔ اور ان میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ سفید خچر ان کے قریب لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہوں، تو وہ سوار ہونے کے لیے (چڑھنے لگیں) شروع ہوئیں تو گر گئیں اور ان کی گردن ٹوٹ گئی، پس وہ فوت ہو گئیں۔

اور اللیث کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ یہ واقعہ شام کے ساحل میں ہوا جب وہ سمندر سے نکلیں غزوۂ قبرص سے لوٹنے کے بعد۔ لیکن ابن ابی عاصم نے کتاب الجہاد میں از ہشام بن عمار از یحییٰ بن حمزہ، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبادہ حمص کے ساحل پر اترے۔ اور ہشام بن عمار نے کہا: میں نے ام حرام کی قبر حمص کے ساحل میں دیکھی ہے۔ اور ایک جماعت نے وثوق سے کہا کہ ان کی قبر جزیرہ قبرص میں ہے۔ اور ابن حبان نے اس حدیث کی روایت بیان کرنے کے بعد لیث بن سعد کی سند سے کہا ہے کہ ام حرام کی قبر بحر روم میں ہے جس کو قبرص کہا جاتا ہے۔

اور ابن عبد البر نے وثوق سے کہا ہے کہ جب وہ سمندر سے قبرص کی طرف نکلیں تو ان کے پاس ایک سواری لائی گئی، پس اس سواری نے ان کو گرا دیا۔ اور امام طبری نے الواقدی کی سند سے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی فتح کے بعد ان سے صلح کر لی تھی کہ اب وہ ہر سال سات ہزار دینار دیا کریں گے۔ جب انہوں نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سواری لائی گئی تا کہ وہ اس پر سوار ہوں۔ وہ سواری سے گر گئیں پس فوت ہو گئیں۔ ان کی قبر وہاں پر ہے، ان کی قبر کے پاس بارش کے لیے دعا کی جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک عورت کی قبر ہے۔ اس بناء پر شاید ہشام بن عمار کی مراد یہ ہے کہ میں نے ان کی قبر کو ساحل پر دیکھا تھا یعنی جزیرہ قبرص کے ساحل پر دیکھا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں جہاد کی ترغیب ہے اور جہاد پر برانگیختہ کرنا ہے اور مجاہد کی فضیلت ہے۔

(۲) اس میں جہاد کے لیے سمندر کے سفر کا جواز ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمندر کے سفر سے منع کرتے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی۔ علامہ ابو بکر ابن العربی نے کہا: پھر عمر بن عبد العزیز نے سمندر کے سفر سے منع کیا اور پھر بعد میں اس کی اجازت دے دی، اور اسی پر معاملہ مستقر ہو گیا۔ اور منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج اور عمرہ کے بغیر سمندر کے سفر سے منع فرمایا تھا۔

اور علامہ ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ جب سمندر موجزن ہو تو پھر سمندر کا سفر کرنا حرام ہے۔ اور امام مالک نے عورتوں کے لیے سمندر کے سفر سے مطلقاً منع کیا ہے، انہیں خوف تھا کہ عورتیں مردوں کی شرمگاہوں پر مطلع ہو جائیں گی کیونکہ وہاں پر اس سے بچنا مشکل ہے۔ اور ان کے اصحاب نے کہا: یہ چھوٹی کشتیوں کے متعلق امام مالک کا قول ہے لیکن جو بڑی کشتیاں اور جہاز ہوں جس میں پردے کا اہتمام ممکن ہو تو پھر عورتوں کے لیے سمندری سفر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں شہادت کی تمنا کا جواز ہے اور میں نے باب الشہداء میں ذکر کیا ہے کہ کئی لوگوں پر شہداء کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ قتل نہ کیے گئے ہوں۔

(۴) اور اس حدیث میں قیلولہ کرنا یعنی دوپہر کے وقت سونے کا جواز ہے، کیونکہ اس سے رات کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

(۵) اور ہر امام کے ساتھ جہاد کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر میں جہاد کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے اور اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔

(۶) بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس حدیث میں قیامت تک مجاہدین کی فضیلت ہے۔

(۷) ہم سے ابن وہب نے کہا کہ ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالاؤں میں سے ایک تھیں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیلولہ کرتے تھے اور ان کی گود میں سر رکھ کے سوتے تھے اور وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھتی تھیں۔

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں جوئیں نہیں ہو سکتیں۔ آپ طیب وطاہر تھے اور صاف ستھرے رہتے تھے اور جوئیں میل کچیل سے اور پسینہ کی بدبو سے پیدا ہوتی ہیں، اس لیے آپ کا سر جوؤں سے پاک تھا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنی عادت کے مطابق آپ کے سر کو سہلاتی تھیں جس کو راوی نے جوئیں دیکھنے سے تعبیر کیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اکثر علماء کے نزدیک حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ اور محرم ہونا

(۸) ابن عبد البر نے کہا کہ جو صورت بھی ہو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں۔ اور المہلب نے ابن وہب سے نقل کیا ہے کہ وہ آپ کے باپ یا دادا کی خالہ تھیں۔ اور ابن الجوزی نے کہا: میں نے بعض حفاظ سے سنا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ بنت وہب کی رضاعی بہن تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں۔

اور ابن عربی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم تھے کہ آپ کو آپ کی زوجہ کے علاوہ اور کسی پر شہوت آئے اور آپ ہر فعل قبیح سے مبرأ تھے اور ہر قبیح بات سے منزہ تھے۔ پس حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ کے سر کے بالوں کو دیکھنا یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ پھر کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہو۔ اور اس قول کو رد کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ یقینی طور پر حجاب کے بعد کا ہے، کیونکہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

قاضی عیاض نے خصوصیت کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ خصائص احتمال سے ثابت نہیں ہوتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا مسلم ہے لیکن اصل یہ ہے کہ خصوصیت نہ ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال کی اقتداء کرنا جائز ہے حتیٰ کہ کسی فعل کا خصوصیت ہونا دلیل سے ثابت ہو۔

علامہ دمیاطی کا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ کی رضاعی خالہ ہونے کا انکار کرنا

علامہ دمیاطی نے کہا: جس نے بھی یہ زعم کیا کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی یا نسبی خالاؤں میں سے ایک تھیں، وہ اس بات کو بھول گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی مائیں اور رضاعی مائیں تو معلوم ہیں اور ان میں سے کوئی بھی انصار میں سے نہیں تھیں اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا انصار میں سے تھیں، سوائے ام عبد المطلب کے۔ اور یہ سلمہ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار ہیں۔ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، یہ بنتِ ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم ہیں۔ پس حضرت ام حرام اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہما صرف عامر بن غنم میں جمع ہوتی ہیں جو ان کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ اور اس وجہ سے خالہ ہونا محرمیت کو ثابت نہیں کرتا، کیونکہ ان کا خالہ ہونا مجازی ہے اور یہ ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں، کیونکہ وہ بنی زہرہ سے تھے اور وہ حضرت سیدہ آمنہ کے رشتہ دار تھے جو آپ کی والدہ تھیں۔ اور حضرت سعد حضرت آمنہ کے بھائی نہیں تھے نہ نسب سے اور نہ رضاع سے۔ پھر علامہ دمیاطی نے کہا: جب یہ مقرر ہو گیا تو حدیثِ صحیح میں ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے سوا کسی عورت کے پاس نہیں جاتے تھے سوائے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے۔ آپ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ان پر رحم کرتا ہوں کیونکہ ان کا بھائی میرے ساتھ جہاد میں حاضر ہوا اور شہید ہوا، یعنی حرام بن ملحان اور وہ بئر معونہ کے دن شہید کیے گئے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ قصۂ جہاد میں باب "فضل من جھز غازیا" میں یہ بات گزر چکی ہے۔ اور میں نے وہاں پر یہ بات واضح کی ہے کہ ایک طرف تو صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے سوا کسی عورت کے پاس نہیں جاتے تھے اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ آپ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے۔ اس میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہما دونوں بہنیں تھیں اور دونوں ایک گھر میں رہتی تھیں اور حرام بن ملحان ان دونوں کے بھائی تھے، پس علت دونوں میں مشترک تھی۔ اور اگر ام عبد اللہ بنت ملحان کا قصہ ثابت ہو جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے تو اس میں بھی وہی قول ہو گا جو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے متعلق قول ہے۔ اور اس علت کے ساتھ یہ بات بھی ملے گی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ اور یہ عادت جاری ہے کہ مخدوم اور خادم، اور خادم کے اہل مل جل کر رہتے ہیں۔

پھر علامہ دمیاطی نے کہا: اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ آپ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ساتھ تنہائی میں ملتے تھے، ہو سکتا ہے اس وقت حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا بیٹا بھی ہو یا خادم ہو یا شوہر ہو یا کوئی اور تابع ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ احتمال قوی ہے لیکن اصل اشکال کو دور نہیں کرتا، کیونکہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لمس کرنا ثابت ہے کہ وہ آپ کی جوئیں دیکھتی تھیں اور بہترین جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تنہائی میں جانا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دلیل اس پر واضح ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۷۔۳۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق حرفِ آخر

میں کہتا ہوں: علامہ ابن عربی، علامہ الدمیاطی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے سوا سب مستند علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں اور محرم تھیں۔ لیکن علامہ الدمیاطی نے دلائل سے واضح کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ نہیں تھیں اور نہ نسبی خالہ تھیں، کیونکہ آپ کی نسبی اور رضاعی خالہ سب مہاجرات میں سے تھیں اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا انصار میں سے تھیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس خلوت میں جانا صرف آپ کی خصوصیت ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس خلوت میں جانا آپ کی خصوصیت تھی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ بابِ خصوصیت سے ہے حتیٰ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا رضاعی خالہ ہونا ثابت ہو اور اصل یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بابِ خصوصیت سے ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لیے چار سے زیادہ ازواج سے نکاح کرنا جائز ہے، تو اسی طرح نکاح اور محرمیت کے متعلق بھی آپ کے وہ خصائص ہیں جو دوسروں کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ صحابہ آپ کے آثار اور فضلاتِ طاہرہ سے تبرک حاصل کرتے تھے، جیسا کہ وہ آپ کے تھوک اور بلغم سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اور آپ کے پسینہ اور لعابِ دہن اور کپڑوں اور بالوں سے تبرک حاصل کرتے تھے۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث میں دن میں قیلولہ کرنے اور سونے کا جواز ہے، کیونکہ اس سے رات کے قیام پر مدد حاصل ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو چیز بدن کو ایذاء پہنچائے جیسے جوئیں، ان کو بدن سے نکالنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں جوئیں اپنی عادت کے مطابق دیکھتی تھیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع آپ کے سر میں جوئیں تھیں، کیونکہ جوئیں میل کچیل، گندگی اور پسینہ کی بدبو سے پیدا ہوتی ہیں اور آپ کا جسم مبارک ان تمام آلائشوں سے مبرا اور منزہ تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر امام کے ساتھ جہاد کرنا مشروع ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر کے خلاف جہاد کرنے والوں کی مدح فرمائی اور اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔

(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد خبریں اور پیش گوئیاں ہیں جو بعد میں اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور ان کو نبوت کی علامات میں سے شمار کیا گیا ہے۔ ان میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت آپ کے بعد بھی باقی رہے گی اور یہ کہ آپ کی امت میں بہت قوی مرد ہوں گے جو دشمن پر غلبہ پائیں گے۔ اور یہ کہ وہ شہروں پر قبضہ کریں گے حتیٰ کہ سمندر کے راستہ سے جہاد کریں گے۔ اور یہ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس زمانہ تک زندہ رہیں گی اور ان صحابہ کے ساتھ ہوں گی جو سمندر کے راستہ جہاد کریں گے۔ اور یہ کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا دوسرے غزوہ کو نہیں پائیں گی بلکہ پہلے غزوہ میں فوت ہو جائیں گی۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو نعمت تازہ ملی ہو اس پر ہنسنا اور خوش ہونا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ہنسے کہ آپ کی امت آپ کے بعد جہاد کرے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو اس پر ثواب عطا فرمائے گا۔

(۶) بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے ہنسے تھے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہمان کا اپنے گھر کے علاوہ دوسرے کے گھر میں رہنا جائز ہے جب کہ اجازت لے لی ہو اور فتنہ سے مامون ہو اور اجنبی عورت کا مہمان کی خدمت کرنا اور اس کو کھانا کھلانا یہ جائز ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں دوسروں کے مساوی نہیں ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ سے بہت دور ہیں اور بہت مامون ہیں۔ اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے اور اس کے ساتھ خلوت کرنا جائز ہے اور آپ کا باتیں کرنا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھے اور اس باب میں جو دوسرے کام ہیں۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۱۱۰۔ ۱۱۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۲۔ بَابُ: الْجُلُوسِ كَيْفَمَا تَيَسَّرَ — جس طرح آسانی ہو بیٹھنے کا جواز

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح آسانی ہو اس طرح بیٹھنا جائز ہے۔ اور اس سے اس کو مستثنیٰ کیا جائے گا جس کی ممانعت کی گئی ہے، جیسا کہ اس باب کی حدیث میں آ رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِ الْإِنْسَانِ مِنْهُ شَيْءٌ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ بُدَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے لباسوں اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے ''اشتمال الصماء'' سے منع فرمایا، اور ایک کپڑے کے ساتھ احتباء سے منع فرمایا، جب کہ انسان کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو، اور (بیع میں) ''الملامسہ'' اور ''المنابذہ'' سے منع فرمایا۔

سفیان کی متابعت معمر اور محمد بن ابی حفصہ اور عبداللہ بن بدیل نے زہری سے کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷، ۱۹۹۱، ۲۱۴۴، ۲۱۴۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، ۶۲۸۴، سنن نسائی: ۵۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۹، مسند احمد: ۱۰۷۱۰)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کے عنوان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح آسانی سے بیٹھا جا سکے اس طرح بیٹھنا جائز ہے۔ اور اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ دو قسم کے لباسوں یعنی ''اشتمال الصماء'' اور ''الاحتباء'' جب کہ شرم گاہ ڈھکی ہوئی نہ ہو، کے سوا بیٹھنے کی حالت ممنوع نہیں ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ ماسوا میں ممانعت نہیں ہے اور اصل ہر ہیئت اور ہر لباس میں جواز ہے جب کہ شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہو۔ اور طاؤس سے روایت ہے کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ ہلاک کرنے والی بیٹھنے کی حالت ہے۔

میں کہتا ہوں: طاؤس کی یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے یعنی چار زانو بیٹھتے تھے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی مجلس میں چار زانو بیٹھتے حتیٰ کہ سورج حسین صورت میں نکل آتا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۵۰، صحیح مسلم: ۶۷۰، سنن ترمذی: ۵۸۵، سنن نسائی: ۱۳۵۶)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث کتاب البیوع میں از عیاش از عبدالاعلیٰ از معمر گزر چکی ہے اور اس پر تفصیلی بحث بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لبستین'' یعنی دو قسم کے پہناوے۔ ایک پہناوا ہے ''اشتمال الصماء'' اور وہ یہ ہے کہ کپڑے کو کسی ایک کندھے پر ڈال لیا جائے اور دوسری جانب ظاہر ہو جس پر کپڑا نہ ہو۔ (جیسے دیہاتوں میں لوگ پیچھے سے دھوتی اٹھا کر سر پر رکھ لیتے ہیں اور پیچھے کی شرمگاہ کھلی ہوتی ہے۔) ۔ اور دوسرا پہناوا ''الاحتباء'' ہے یعنی کوئی شخص سرین کو زمین پر ٹکا کر اکڑوں بیٹھا ہوا ہو اور اس کی شرمگاہ ڈھکی ہوئی نہ ہو (یعنی تہبند کھلا ہوا ہو)۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الملامسة''۔ یعنی ایک شخص دوسرے شخص کے کپڑے کو رات یا دن کے وقت چھوئے اور کہے جس چیز کو میں نے چھو لیا اس کی بیع واجب ہو جائے گی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''المنابذة'' یعنی ایک شخص دوسرے کی طرف کپڑا پھینک دے اور وہ اس کی طرف کپڑا پھینک دے اور یہ ان کے درمیان کپڑوں کو دیکھے بغیر بیع ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الصماء'' اور ''الاحتباء'' کے بغیر دوسرے لباس پہننے کا جواز

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قسم کے لباسوں کی حالتوں سے منع فرمایا ہے، کیونکہ

دوسری حالتوں میں اور دوسرے لباسوں میں جب شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ان دو لباسوں سے نماز میں منع فرمایا ہے اور وہ ''الصماء'' اور ''الاحتباء'' کی کیفیت ہے، کیونکہ جب نماز میں انسان جھکے گا یا اٹھے گا تو اس کی شرمگاہ کے کھلنے کا خطرہ ہے۔ اور جب وہ بیٹھا ہوگا اور کچھ نہیں کرے گا اور اپنے ہاتھوں سے تصرف نہیں کرے گا تو اس کی شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہوگی اور اس صورت میں لباس کی ان حالتوں میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں ''احتباء'' کی ہیئت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن نے علامہ ابن بطال کی شرح کو من وعن نقل کر دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۳۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی کی شرح پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا تعاقب

علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ ''الصماء'' اور ''الاحتباء'' کی حالتوں میں جب نمازی جھکے یا اوپر اٹھے تو اس کی شرمگاہ مستور نہیں رہے گی۔ لیکن جو غیر نماز میں بیٹھا ہو اور کچھ نہ کر رہا ہو اور اپنے ہاتھوں سے تصرف نہ کرے تو اس کی شرمگاہ نہیں کھلتی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ''باب الاحتباء'' میں یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحنِ کعبہ میں احتباء کی کیفیت سے بیٹھے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ المہلب مالکی رحمہ اللہ اس بات سے غافل رہے کہ یہ قید تو نفسِ حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ حدیث میں ہے ''ایک کپڑے میں احتباء اس وقت ممنوع ہے جب اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو''۔ اور کتاب اللباس کے ''اشتمال الصماء'' کے باب میں یہ گزر چکا ہے کہ ''الصماء'' یہ ہے کہ کپڑے کی ایک طرف اس کے ایک کندھے پر ہو اور دوسرا کندھا اور دوسری جانب اس کی کھلی ہوئی اور ظاہر ہو۔ اور شرمگاہ کا ستر کرنا ہر حالت میں مطلوب ہے۔ ہر چند کہ وہ نماز کی حالت میں زیادہ مؤکد ہے، کیونکہ سترِ عورت کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے ابن طاؤس سے نقل کیا ہے کہ چارزانو بیٹھنا ممنوع ہے۔ اور اس پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ امام مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھتے تو مجلس میں چارزانو بیٹھتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو، اس طرح بیٹھنے کا جواز

امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو اس طرح بیٹھنے کا جواز ہے۔ اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق جگہ کے ساتھ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق ہیئت اور کیفیت کے ساتھ ہو اور یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ جگہ میں اس لیے صحیح ہے، کیونکہ انسان کو کبھی آخر میں بیٹھنا میسر ہوتا ہے اور کبھی درمیان میں بیٹھنا میسر ہوتا ہے اور کبھی اول میں بیٹھنا میسر ہوتا ہے، سو جس طرح اس کو بیٹھنا میسر ہو تو وہ اس طرح بیٹھ جائے اور نہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالے اور نہ دوسروں کو۔ اور ہیئت اور حالت میں بھی یہی حکم ہے۔ وہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے، کیونکہ کبھی انسان کو صرف اسی صورت میں راحت ہوتی ہے جب وہ چار زانو بیٹھے، یا وہ اپنے پیر بچھا کر بیٹھے، کیونکہ ہمیں یہ قاعدہ حاصل ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے اوپر آسانی کرے اور اپنے آپ کو سہولت میں رکھے جس قدر سہولت حاصل ہو سکے، سوا ان چیزوں کے جن چیزوں کو اللہ عزوجل نے حرام فرما دیا ہے۔

پھر اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کے پہناووں اور دو قسم کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ پہناوے "اشتمال الصماء" اور ایک کپڑے میں "الاحتباء" ہیں۔

"اشتمال الصماء" کی تعریف

"اشتمال الصماء" یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو باہر نہ نکالے، یہ صورت جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے اس لیے ممنوع ہے کہ اس صورت میں اگر اس پر کوئی اچانک حملہ کرے تو اپنے نفس سے دفاع کی طاقت نہیں رکھتا، اس لیے اس کا نام "الصماء" رکھا گیا ہے، کیونکہ اس لباس میں کوئی منفذ اور سوراخ نہیں ہوتا۔

ایک کپڑے میں "الاحتباء" کی تعریف

یہ بھی ممنوع ہے۔ اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی سرین کو جما کر اکڑوں بیٹھے گا اور گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں کے حلقہ میں لے لے گا اور اس صورت کو احتباء کہتے ہیں، تو اس کی شرمگاہ اوپر سے کھل جائے گی، کیونکہ "الاحتباء" میں انسان اپنی پشت کو ایک کپڑے سے لپیٹ لیتا ہے اور وہ کپڑا اس کی پنڈلیوں پر بھی ہوتا ہے، اور جب وہ ایسا کرے گا تو اس کی شرمگاہ اوپر سے کھل جائے گی اور ظاہر ہو جائے گی اور بعض اوقات اس کی پیٹھ سے بھی کپڑا ڈھلک جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی چیز نہ ہو۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ کوئی ایک کپڑا یا اس کا کوئی جزو اس کی شرمگاہ پر لپٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اب اس کی شرمگاہ کے کھلنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

رہا دو قسم کی بیع! سو ایک "ملامسہ" ہے اور دوسری "منابذہ" ہے۔ اور ملامسہ "لمس" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چھونا اور منابذہ "نبذ" سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: پھینکنا۔

ملامسہ کی ممانعت کی توجیہ

ملامسہ یہ ہے کہ ایک آدمی یہ کہے کہ تم نے جس کپڑے کو بھی چھو لیا تو وہ مثلاً تمہارے لیے سو روپے کا ہے، کیونکہ اس میں غرر اور دھوکا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات وہ ایسے کپڑے کو چھو لیتا ہے جو سو ریال کا ہے اور وہ صرف اس کپڑے کو لینا چاہتا ہے جو ایک ریال کا ہو،

تو اب اس کی قیمت مجہول ہوگی۔ اسی طرح کبھی وہ اس کپڑے کو چھوتا ہے جو سفید یا سرخ ہے تو یہ مجہول العین ہے۔ تو ملامسہ میں یا قیمت مجہول ہوگی یا عین مجہول ہوگا، اس لیے ممنوع ہے۔

منابذہ کی ممانعت کی توجیہ

منابذہ مثلاً یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں جو کپڑا ابھی تمہاری طرف پھینکوں وہ دس ریال کا ہے، یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مجہول العین بھی ہے اور مجہول الثمن بھی ہے۔ اور کبھی وہ ایسا کپڑا پھینک دیتا ہے جس کی مالیت ایک درہم بھی نہیں ہوتی اور اس کو وہ دس درہم میں بیچ رہا ہے۔ اور کبھی وہ سفید کپڑا پھینک دیتا ہے اور کبھی سرخ کپڑا پھینک دیتا ہے، اس میں جہالۃ العین ہے، اس لیے ممنوع ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۱۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۳۔ بَابُ: مَنْ نَاجَى بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ وَمَنْ لَمْ يُخْبِرْ بِسِرِّ صَاحِبِهِ، فَإِذَا مَاتَ أَخْبَرَ بِهِ

جس نے لوگوں کے سامنے کسی کے ساتھ سرگوشی کی، اور جس نے اپنے صاحب کے راز کی خبر نہیں دی، پس جب اس صاحب کی وفات ہوگئی تو پھر اس کی خبر دی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے کسی کے ساتھ سرگوشی کی، یعنی اس نے دوسرے سے خطاب کیا اور لوگوں کے سامنے اس کے ساتھ چپکے سے بات کی۔ اور اس باب کا دوسرا عنوان ہے کہ اس نے اپنے صاحب سے راز کی جو بات کی ہے تو اپنے صاحب کی حیات میں اس کی خبر کسی کو نہیں دی۔ اور جب اس کا صاحب فوت ہوگیا تو پھر اس نے دوسروں کو اس کی خبر دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس باب کا عنوان دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ اور امام بخاری نے اس کے حکم کو واضح نہیں کیا، کیونکہ اس حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے اور اس پر اکتفاء کر لی۔

پہلا جزو یہ ہے کہ ایک شخص کا ایک جماعت کے سامنے کسی سے راز کی کوئی بات کرنا، سو یہ جائز ہے۔ اور یہ اس باب سے نہیں ہے جس میں ایک آدمی دوسرے کے سامنے کسی سے چپکے سے کوئی بات کرے اور دوسرے کو نہ بتائے کہ کیا بات کی ہے، کیونکہ جب وہ ایک سے بات کرے گا اور دوسرے کو نہیں بتائے گا تو اس کو یہ خوف ہوگا کہ شاید میرے خلاف کوئی بات کر رہا ہے۔ لیکن جب وہ ایک جماعت کے سامنے کسی ایک بندے سے یا کسی ایک شخص سے چپکے سے کوئی بات کرے گا تو اس کو یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ یہ میرے خلاف کوئی بات کر رہا ہے۔ سو جب ایک جماعت کے سامنے کسی ایک سے کوئی بات کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور دوسرا عنوان یہ ہے کہ جب اس کا صاحب فوت ہو جائے تو پھر وہ اس خبر کو بتا سکتا ہے، کیونکہ زندگی میں اس کا راز بتانا نامناسب تھا، کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر بتا دیتیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت کیا راز کی بات کی ہے یعنی اپنی وفات کے وقت، تو آپ کی ازواج مطہرات بہت غمگین ہوتیں۔ اسی طرح اگر وہ یہ بتا دیتیں کہ وہ تمام مومنین کی سردار ہیں، تب بھی ان کو شدید رنج ہوتا اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مطمئن ہوگئیں کہ اب کوئی حرج نہیں ہے تو انہوں نے اس کی خبر

وے دی۔ اور اسی سے اس حدیث کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۵، ۶۲۸۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ أَبِي عَوَانَةَ حَدَّثَنَا فِرَاسٌ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ إِنَّا كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَهُ جَمِيعًا لَمْ تُغَادَرْ مِنَّا وَاحِدَةٌ فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَمْشِي لَا وَاللَّهِ مَا تَخْفَى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا رَآهَا رَحَّبَ قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِي ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا فَلَمَّا رَأَى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَإِذَا هِيَ تَضْحَكُ فَقُلْتُ لَهَا أَنَا مِنْ بَيْنِ نِسَائِهِ خَصَّكِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالسِّرِّ مِنْ بَيْنِنَا ثُمَّ أَنْتِ تَبْكِينَ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَأَلْتُهَا عَمَّا سَارَّكِ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِأُفْشِيَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سِرَّهُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ قُلْتُ لَهَا عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَّا أَخْبَرْتِنِي قَالَتْ أَمَّا الْآنَ فَنَعَمْ فَأَخْبَرَتْنِي قَالَتْ أَمَّا حِينَ سَارَّنِي فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَخْبَرَنِي أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ قَدْ عَارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أَرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللَّهَ وَاصْبِرِي فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ قَالَتْ فَبَكَيْتُ بُكَائِي الَّذِي رَأَيْتِ فَلَمَّا رَأَى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ قَالَ يَا فَاطِمَةُ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی از ابی عوانہ، انہوں نے کہا: ہمیں فراس نے حدیث بیان کی از عامر از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی ازواج آپ کے پاس اکٹھی بیٹھی تھیں اور ہم میں سے کوئی بھی غیر حاضر نہیں تھیں تو حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام چلتی ہوئی آئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال رسول اللہ ﷺ کی چال کے مطابق تھی، پس جب آپ نے ان کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور فرمایا: میری بیٹی کو مرحبا ہو۔ پھر ان کو اپنی دائیں طرف یا بائیں طرف بٹھایا۔ پھر آپ نے ان سے چپکے سے کوئی بات کی تو وہ بہت زیادہ روئیں، پھر جب آپ نے ان کے غم کو دیکھا تو دوبارہ ان سے بات کی، اس وقت وہ ہنس پڑیں۔ میں نے ان سے کہا: اس وقت میں آپ کی ازواج کے درمیان تھی، کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان آپ کو ایک راز کے ساتھ خاص کیا، پھر آپ روئیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھ گئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا راز کی بات کی تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا راز فاش نہیں کروں گی، پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو میں نے ان سے کہا: میں آپ کو یہ قسم دیتی ہوں کہ میرا جو آپ کے اوپر حق ہے، آپ اس حق کی وجہ سے ضرور مجھے بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کیا خبر دی تھی؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں! اب بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے، پس انہوں نے مجھے خبر دی، انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ مجھ سے راز کی بات کی تو مجھے یہ خبر دی کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کرتے تھے اور انہوں نے اس سال میرے ساتھ دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا ہے،

اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ میری وفات کا وقت اب قریب آ گیا ہے، سو تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا، کیونکہ میں تمہارے لیے بہترین سلف یعنی پیش رو ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر میں روئی جو آپ نے مجھے روتے ہوئے دیکھا تھا، پھر جب آپ نے میری بے صبری کو دیکھا تو دوبارہ مجھ سے راز کی بات کی اور فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم تمام مومن عورتوں کی سردار ہو، یا تم اس امت کی عورتوں کی سردار ہو۔

(صحیح بخاری: ۳۶۲۳، ۳۶۲۴، ۳۶۲۵، ۳۷۱۵، ۴۴۳۳، ۶۲۸۵، صحیح مسلم: ۲۴۵۰، سنن ترمذی: ۳۸۷۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۱، مسند احمد: ۲۵۸۷۴)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵۔۶۲۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ، وہ ابن اسماعیل ابو سلمیٰ البصری التبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عوانہ، یہ الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے فراس، یہ ابن یحییٰ المکتب الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عامر، وہ ابن شراحیل الشعبی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے مسروق، وہ ابن الاجدع ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا فشی" یہ لفظ "الافشاء" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی بات کو پھیلانا اور ظاہر کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "عزمت" یعنی میں نے قسم کھائی ہے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جزعی" "الجزع" کا معنی ہے: کم صبر کرنا۔ اور دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے بے صبری اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ باقی ابحاث ان ابواب میں گزر چکی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵۔۶۲۸۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے سامنے کسی ایک سے راز کی بات کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منع فرمایا ہے کہ "ایک آدمی کو چھوڑ کر دوسرے سے سرگوشی نہ کرو" تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس دوسرے آدمی کو یہ خطرہ ہوگا کہ شاید میرے خلاف بات کی جارہی ہے اور جب جماعت کے سامنے کسی ایک سے بات کی جائے گی تو پھر خطرہ نہیں ہوگا۔ اور یہ حسن ادب اور کرم

المعاشرت میں سے ہے۔

(۲) جب کسی کاراز دوسروں کو بیان کرنے سے ضرر کا خطرہ ہو تو پھر اس کا راز افشاء نہ کیا جائے، کیونکہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے سامنے اس وقت بتادیتیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ عنقریب آپ کی وفات ہو جائے گی تو ازواج مطہرات کو بہت شدید غم ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ یہ بتادیتیں کہ وہ تمام مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں تو بھی ان کو بہت رنج وغم ہوتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو یہ خطرہ نہیں تھا تو انہوں نے یہ خبر دے دی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵۔۶۲۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی غیر کو اپنی قسم دینے کا بیان

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا ''میں آپ کو قسم دیتی ہوں کہ آپ پر جو میرا حق ہے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے اور المدونہ میں امام مالک سے روایت ہے کہ جب کسی شخص نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم یہ کام کرو اور وہ یہ کام نہ کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یہ کام کرو اور اس نے وہ کام نہیں کیا تو وہ حانث ہو جائے گا، کیونکہ یہ قسم ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں اس کا رجوع قسم کھانے والے کے قصد کی طرف ہوگا۔ اگر اس نے قسم کا قصد کیا تو یہ قسم ہے اور اگر مخاطب کی قسم کا قصد کیا یا اس مخاطب کی شفاعت کا قصد کیا یا مطلقاً کہا تو یہ قسم نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ علامہ ابن بطال کی ذاتی رائے ہے ورنہ ازواجِ مطہرات کا دل اور دماغ اس قسم کے خیالات سے پاک تھا بلکہ نہ بتانے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سے ایذاء پہنچتی۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۵۔۶۲۸۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپس میں مل کر بیٹھی تھیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف غیرت نہیں رکھتی تھیں اور یہی چاہیے کہ جب متعدد ازواج ہوں تو وہ اپنے دلوں سے غیرت کو جہاں تک ہو سکے نکال دیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور محبت کے ساتھ پیش آئیں اور ملتی جلتی رہیں۔

(۲) اولاد اپنے والد کے مشابہ ہوتی ہے خواہ صفت میں خواہ ہیئت میں، خواہ چال ڈھال میں خواہ آواز میں، خواہ اس کے سوا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے مشابہ تھی۔

(۳) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کا بیان ہے کہ آپ اپنی اولاد کے ساتھ بہت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے، حضرت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو آپ ان کو مرحبا فرماتے۔ اسی طرح والد کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ رہے۔ اور والد کو چاہیے کہ ان کے اوپر تکبر کی نظر نہ ڈالے لیکن ان کی طرف رحمت سے نظر کرے اور شفقت سے نظر کرے۔

(۴) جب انسان کے کسی کلام سے دوسرے کو رنج پہنچے تو اس کو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایسی بات کرے جس سے اس کا رنج زائل ہو جائے۔ جس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رنجیدہ ہوئیں، پھر آپ نے دوسری خبر یہ دی کہ وہ مومنین کی عورتوں کی سردار ہوں گی جس سے وہ خوش ہوئیں۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان دوسرے سے پوچھ سکتا ہے کہ تم نے فلاں سے کیا راز کی بات کی تھی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا بات کی تھی؟ لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس میں کوئی مصلحت ہو، ورنہ حسنِ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات کے ساتھ انسان کا مقصود نہ ہو اس کو ترک کر دے۔

(۶) جب کوئی عذر زائل ہو جائے تو پھر افشاءِ راز جائز ہے، کیونکہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا راز کی بات فرمائی تھی۔

(۷) اس حدیث میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل ہے کہ وہ تمام مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک تمام مومنین میں افضل اس امت کے مومنین ہیں، پس جب حضرت سیدہ اس امت کی مومنات کی سردار ہوئیں تو گویا قیامت تک کی مومنات کی سردار ہیں۔

(۸) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ قرائن سے استدلال کرنا جائز ہے، کیونکہ جب اس سال دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا دور کیا تو اس قرینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استدلال کیا کہ اس سال آپ کی وفات ہو جائے گی۔ اور قرینہ سے استدلال پر دلیل یہ بھی ہے کہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے:

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ (یوسف: ۲۷۔۲۶)	اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے ○ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ○

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص سامنے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ اس عورت کے سچی ہونے پر قرینہ ہے اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے پر قرینہ ہے۔ اور اس آیت میں قرینہ سے استدلال پر دلیل ہے۔

(۹) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور صبر کرنے کی وصیت کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت کی کہ تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ اور یہ اس لیے آپ نے حکم دیا کہ آپ نے اپنی وفات کی جو خبر دی ہے، تو اس مصیبت کے اوپر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صبر کریں، کیونکہ آپ کی وفات کی خبر سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنجیدہ ہونا متوقع تھا تو آپ نے انہیں وصیت کی کہ تم صبر کرنا۔

(۱۰) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر مصلحت ہو تو انسان خود اپنی تعریف کر سکتا ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے

لیے بہترین سلف اور پیش رو ہوں، کیونکہ سب سے پہلے آپ کی شفاعت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے لیے سلف ہیں اور خصوصاً اس امت کے عبادِ صالحین کے لیے۔ لیکن جب اس میں مصلحت نہ ہو تو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خودستائی اور تعریف نہ کرے، کیونکہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١١٧۔ ١١٨، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٤٤۔ بَابُ: الِاسْتِلْقَاءِ — پیٹھ کے بل چت لیٹنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں چت لیٹنے کے جواز کا بیان ہے اور وہ پیٹھ کے بل سونا ہے اور اپنی پشت زمین پر رکھنا ہے۔ اور اس باب میں اختلاف ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پانچ سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا کہ مرد اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھے۔

اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اشتمال الصماء'' سے اور ایک کپڑے میں ''الاحتباء'' سے منع فرمایا۔ اور یہ کہ آدمی اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھے اور وہ اپنی پشت پر لیٹا ہوا ہو۔

امام طحاوی نے کہا ہے: ایک قوم نے ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھنے کو مکروہ قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ قوم سے امام طحاوی کی مراد محمد بن سیرین، مجاہد، طاؤس اور ابراہیم النخعی ہیں۔ پھر امام طحاوی نے کہا: دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ان کا استدلال اس باب کی دوسری حدیث سے ہے۔ اور یہ فقہاء حسن بصری، شعبی، سعید بن المسیب، ابومجلز، لاحق بن حمید اور محمد بن حنفیہ رحمہم اللہ علیہم ہیں۔

امام طحاوی نے اس باب میں طویل بحث کی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس باب کی حدیث نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دی جائے گی کہ ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب تہبند باندھا ہوا ہو اور جواز اس صورت پر محمول ہے جب شرمگاہ ظاہر نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤١٣۔ ٤١٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٢٨٧۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عباد بن تمیم نے خبر دی از عمِ خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، آپ کی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ کے اوپر تھی۔

(صحیح بخاری: ٤٧٥، ٥٩٦٩، ٦٢٨٧، صحیح مسلم: ٢١٠٠، سنن ترمذی: ٢٧٦٥، سنن نسائی: ٧٢١، سنن ابوداؤد: ٤٨٦٦، مسند احمد: ١٥٩٩٥، موطا امام

مالک: ۴۱۸، سنن داری: ۲۶۵۶)

صحیح البخاری: ۶۲۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور الزہری کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور عباد کا ذکر ہے، وہ ابن تمیم المازنی ہیں اور ان کے عم حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو چت لیٹنے کی ممانعت منقول ہے، وہ منسوخ ہے، کیونکہ امام بخاری نے باب مذکور کی حدیث کے بعد یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما مسجد میں چت لیٹتے تھے، اگر اس طرح لیٹنا ممنوع ہوتا تو حضرت عمر اور حضرت عثمان اس طرح نہ لیٹتے اور یہ متصور نہیں ہے کہ ان سے اس کی ممانعت مخفی تھی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۵۸۔ ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ ھ)

حافظ ابن حجر نے علامہ ابن بطال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محض احتمال سے حضرت جابر کی حدیث کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے یہ نہیں کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منسوخ ہونے کا احتمال ہے، بلکہ انہوں نے پورے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی چت لیٹنے سے ممانعت کی حدیث منسوخ ہے اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس طرح لیٹتے تھے اور ان سے اس ممانعت کا مخفی ہونا متصور نہیں ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ضرورت کی بناء پر بیان جواز کے لیے چت لیٹے ہوں، یا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس زیادہ صحابہ نہ ہوں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صحابہ ہوتے تھے تو آپ مسجد میں وقار کے ساتھ چار زانو بیٹھتے تھے اور تواضع کے ساتھ بیٹھتے تھے، دوزانو بیٹھتے تھے یا اکڑوں بیٹھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ٹیک لگا کر بیٹھنا اور لیٹنا جائز ہے، البتہ مسجد میں منہ کے بل اوندھا لیٹنا جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

اوندھے منہ لیٹ کر سونے کی ممانعت اور لیٹنے اور سونے کی چار اقسام

میں کہتا ہوں کہ اوندھے منہ لیٹنے کی ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، وہ اپنے پیٹ کے بل (اوندھا) لیٹا ہوا تھا،

آپ نے فرمایا: یہ لیٹنے کا ایسا طریقہ ہے جس کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی: ۲۷۶۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۷)

یعیش بن طخفہ بن قیس الغفاری بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ اصحاب الصفہ میں سے تھے (وہ بیان کرتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ عائشہ کے گھر چلو، چنانچہ ہم گئے، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ہم کو کچھ کھلاؤ، وہ حشیشہ (گندم کے موٹے آٹے میں گوشت یا کھجوریں ڈال کر بنایا ہوا طعام) لے کر آئیں، وہ پرندے کی خوراک کے برابر تھا، ہم نے اس کو کھالیا، پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ہمیں کچھ پلاؤ، وہ العس (بہت بڑا پیالہ جس میں چار کلو سما سکے) میں دودھ لے کر آئیں، سو ہم نے اس کو پی لیا، پھر فرمایا: اے عائشہ! ہمیں پلاؤ تو وہ چھوٹا پیالہ لائیں، پس ہم نے اس کو پی لیا، پھر فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو سو جاؤ، اور اگر تم چاہو تو مسجد میں چلے جاؤ تو جس وقت میں سحر کے وقت مسجد میں منہ کے بل (اوندھا) لیٹا ہوا تھا، میں نے دیکھا: ایک شخص مجھے اپنے پیر سے ہلا رہا ہے، میں نے دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے فرمایا: اس طرح لیٹنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۴۰، سنن ابن ماجہ: ۳۷۲۳، صحیح ابن حبان: ۵۰۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں لیٹتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح سے تھوڑی دیر پہلے لیٹتے تو اپنی دونوں کلائیوں کو کھڑا کر کے اپنے سر کو اپنی ہتھیلیوں پر رکھ لیتے۔

(صحیح مسلم: ۳۱۳، الرقم المسلسل: ۶۸۳، شرح السنہ: ۳۳۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مؤخر الذکر حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب رات کے آخری حصہ میں آپ لیٹتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح کا وقت قریب ہوتا تو دونوں کلائیوں کو نصب کر کے ہتھیلیوں پر سر رکھ لیتے اور سو جاتے اور یہ اس لیے کرتے تھے تاکہ گہری اور میٹھی نیند نہ آئے اور نماز فجر فوت نہ ہو جائے، اور پہلی صورت میں جب آپ دائیں کروٹ پر سوتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پھر بائیں جانب دل معلق رہتا تھا اور قرار اور سکون کم ہوتا تھا اور گہری نیند نہیں آتی تھی۔

اگر بائیں کروٹ پر لیٹا جائے تو دل اپنی جگہ پر سکون رہتا ہے اور گہری نیند آتی ہے اور اطباء چونکہ جسم کو آرام پہنچانا چاہتے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں بائیں کروٹ پر سونا چاہیے تاکہ کھانا اچھی طرح ہضم ہو جائے اور ظاہر کی حرارت باطن میں پہنچ جائے، جو کھانے کے ہضم ہونے کی موجب ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

نیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

سونے کی چار قسمیں ہیں: (۱) چت لیٹ کر سونا، یہ غور و فکر کرنے والوں کا طریقہ ہے، جو آسمان اور اجرام فلکیہ کو دیکھ کر ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر استدلال کرتے ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بھی چت لیٹنا ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہ)۔ (۲) دائیں کروٹ پر سونا، یہ عبادت گزاروں کے سونے کا طریقہ ہے، کیونکہ اس صورت میں گہری نیند نہیں آتی اور انسان عبادت کے لیے اپنے وقت پر بیدار ہو جاتا ہے۔ (۳) بائیں کروٹ پر سونا، یہ اطباء کا طریقہ ہے کیونکہ اس صورت میں کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے اور جسم کو راحت اور آرام ملتا ہے۔ (۴) منہ کے بل اوندھے لیٹ کر سونا، یہ غافل لوگوں کے سونے کا طریقہ ہے، کیونکہ انسان کے بدن کا سب سے عزت والا حصہ سینہ ہے، وہ خاک

ذلت پر ہوتا ہے یا نیچے ہوتا ہے اور یہ وہ طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۷۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ان حدیثوں کی شرح میں حضرت محدث دہلوی منفرد ہیں، میں نے ان حدیثوں کی شرح کے لیے عمدۃ القاری، فتح الباری لابن رجب، فتح الباری لابن حجر، شرح نووی، معالم السنن، عارضۃ الاحوذی، تحفۃ الاحوذی اور مرقاۃ المفاتیح کو دیکھا، کسی نے بھی دائیں کروٹ پر سونے اور جب فجر قریب ہو تو کلائیوں کو نصب کر کے ہتھیلیوں پر سر رکھنے کی توجیہ نہیں بیان کی، نہ سونے کی مذکور الصدر اقسام بیان کیں، یہ صرف حضرت محدث دہلوی کا تفرد ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر نور اور رحمتیں نچھاور فرمائے اور ان کے فیوضات سے ہمیں بھی حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین۔

صحیح البخاری: ۶۲۸۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ چت لیٹنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی ایک لیٹنے کی ہیئت ہے لیکن اس میں ضروری یہ ہے کہ انسان اس بات سے مامون ہو کہ اس کی شرمگاہ ظاہر نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ اس کی شرمگاہ ظاہر ہو جائے گی تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ بعض لوگ جب ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ کے اوپر رکھتے ہیں اور اگر انہوں نے شلوار نہ پہنی ہوئی ہو تو ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھتے وقت ان کی شرمگاہ کھل جاتی ہے۔

اسی طرح شرط ہے کہ انسان فتنہ سے محفوظ ہو۔ پس عورت ایسی جگہ پر نہ لیٹے جہاں پر اس کے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد ہوں اور اس کا اتفاق رمضان اور غیر رمضان میں مسجد حرام میں پیش آتا ہے، کیونکہ بعض عورتیں فتنہ میں مبتلا ہوتی ہیں جب وہ چت لیٹی ہوئی ہوں۔ اور جب یہ دونوں شرطیں فوت ہو جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۵- بَابٌ: لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو شخص تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ ہاں اگر اس سے اجازت لے لیں تو پھر جائز ہے، کیونکہ معمر نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی آپس میں تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں، سوا اس کے کہ انہوں نے اس سے اجازت لے لی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وقوله تعالىٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (المجادلہ: ۹)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا، اور نیکی اور خوف خدا کی سرگوشی کرنا، اور اللہ سے ڈرتے رہنا، اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ۝

وقولہ تعالیٰ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المجادلہ: ۱۲۔۱۳)

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو، تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو، یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے، پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو غم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے، پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○

المجادلہ: ۹ کی تفسیر از مصنف:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان منافقین کو اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اس طرح سرگوشیاں کیا کریں جس سے مسلمان فکر، تشویش اور غم میں مبتلا ہوں، اس لیے کہ جب مسلمان منافقوں کو ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ یہ گمان کریں گے کہ شاید ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ہمارے بھائی اور رشتہ دار جو جہاد میں گئے ہوئے تھے، وہ قتل ہو گئے ہیں یا شکست کھا گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ تشویش اور غم میں مبتلا ہوں گے، اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تین مسلمان ہوں تو ایسا نہ کریں کہ ایک کو چھوڑ کر دو مسلمان آپس میں سرگوشی کرنا شروع کر دیں، اس سے تیسرا مسلمان اس تشویش میں مبتلا ہوگا کہ شاید یہ میرے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں، اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی پشتو یا گجراتی یا کسی بھی دوسری زبان جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا اور دو آدمی آپس میں پشتو یا گجراتی وغیرہ میں بات کرنا شروع کر دیں تو اس سے وہ تیسرا آدمی خواہ مخواہ اس بدگمانی میں مبتلا ہوگا کہ شاید یہ میرے خلاف یا میرے متعلق کوئی بات کر رہے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کے سامنے دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (صحیح البخاری: ۶۲۸۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں حتیٰ کہ تم اس کو تشویش اور غم میں مبتلا کرو، تم لوگوں سے میل جول رکھو۔ (صحیح البخاری: ۶۲۹۰)

ان احادیث میں عدد کی خصوصیت مراد نہیں ہے، لہٰذا چار آدمیوں میں سے ایک کو چھوڑ کر تین سرگوشیاں نہ کریں، اسی طرح دس آدمی ایک کو چھوڑ کر آپس میں پشتو یا سندھی یا کسی اور زبان میں بات نہ کریں، اس لیے جب مجلس میں بہت آدمی ہوں تو اس زبان میں بات کریں جو سب کو آتی ہو اور مجلس میں سے کسی ایک آدمی کے لیے بھی غم اور تشویش میں مبتلا ہونے کا سبب نہ بنیں۔

المجادلہ: ۱۲۔۱۳ کی تفسیر از مصنف:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے یعنی خفیہ طریقہ سے آپ سے سوال کرنے پر جو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس کی حسب ذیل

حکمتیں ہیں:

(۱) اس میں نبی ﷺ کی تعظیم وتکریم کا اظہار ہے، کیونکہ مال خرچ کرنے میں مشقت ہوتی ہے اور جو چیز مشقت سے حاصل ہو، اس کی بہت قدر ومنزلت ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے اس کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی اور جب مسلمان مال خرچ کرنے کے بعد آپ سے سرگوشی کر سکیں گے تو اس سرگوشی کی بہت قدر ومنزلت ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان نبی ﷺ سے بہ کثرت سوالات کرنے لگے تھے اور نبی ﷺ کو اس سے مشقت ہوتی تھی کیونکہ آپ نے احکام کی تبلیغ کرنی ہوتی تھی، مصالح امت کے کام کرنے ہوتے تھے اور دیگر عبادات کرنی ہوتی تھیں، پس اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے تخفیف کا ارادہ کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو مسلمان (بہ کثرت) سوالات کرنے سے رک گئے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۳)

(۳) اس میں فقراء کی مدد ہے کیونکہ وہ صدقہ فقراء کو دیا جائے گا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۶۷۔۸۶۸، فرید بک اسٹال، لاہور)

المجادلہ: ۱۲۔۱۳ کی تفسیر از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، المجادلہ: ۱۲۔۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابہ پر یہ حکم دشوار گزرا، پھر اس کے متعلق رخصت نازل ہوگئی۔ مجاہد نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا حتیٰ کہ وہ صدقہ کریں۔ پس آپ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی نے سرگوشی نہیں کی۔ انہوں نے ایک دینار پیش کیا اور اس کا صدقہ کیا تو پھر رخصت نازل ہوگئی اور صدقہ کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مقاتل بن حیان سے روایت ہے کہ یہ حکم دس راتوں تک رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور کلبی سے روایت ہے کہ دن کے ایک گھنٹہ تک یہ حکم تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''ءاشفقتم'' یعنی کیا تم اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے گھبراتے ہو، ناپسند کرتے ہو اور شیطان تم کو فقر سے ڈراتا ہے اور تم کو بخل کا حکم دیتا ہے۔ اور جب تم نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا اور تم پر دشوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی اور تم سے درگزر فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ح وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةٌ فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، از نافع از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔

(صحیح مسلم: ۲۱۸۳، سنن ترمذی: ۲۸۲۵، سنن ابوداؤد: ۴۸۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۶، مسند احمد: ۴۵۵۰، موطا امام مالک: ۱۸۵۷، سنن دارمی: ۲۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۲۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ پھر وہ تیسرا آدمی یہ وہم کرے گا کہ شاید یہ دونوں آدمی اسے کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں، اور اس میں مجلس کا ادب ہے اور جلیس یعنی ہم نشیں کی تکریم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمیوں کی آپس میں سرگوشی کرنے کی ممانعت

اس باب کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دو آدمی آپس میں چپکے چپکے بات نہ کریں اور اپنے صاحب کو چھوڑ دیں، کیونکہ اس سے اس آدمی کو وحشت ہوگی، وہ یہ گمان کرے گا کہ یہ دونوں اس کے متعلق بات کر رہے ہیں اور وہ گھبرائے گا اور خوفزدہ ہوگا۔ اور اس کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں مگر اس کی اجازت سے، کیونکہ اس صورت میں یہ جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۲۶، رقم الحدیث: ۱۹۸۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۶)

سفر میں خصوصیت کے ساتھ ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمیوں کا باہم سرگوشی کرنا ممنوع ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی کسی جنگل میں سفر کر رہے ہوں تو یہ حلال نہیں ہے کہ ان میں سے دو آدمی باہم سرگوشی کریں اور اپنے صاحب کو چھوڑ دیں، اس سے وہ غمزدہ ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۶-۱۷۷، حافظ نورالدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس حدیث کے باقی رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳-۶۴)

اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ جنگل میں مرد کے اوپر زیادہ خطرہ ہوتا ہے اور وحشت اور گھبراہٹ بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل میں ایک آدمی کو چھوڑ کر باقی دو آدمیوں کا آپس میں سرگوشی کرنے کو ممنوع قرار دیا۔

باہم سرگوشی کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو باہم سرگوشی کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح اگر زیادہ آدمی ہوں تو تب بھی ایک کو چھوڑ کر دو آدمیوں کا باہم سرگوشی کرنا ممنوع ہے۔ پس ایک جماعت کے ایک کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرنا منع ہے، سوا اس کے کہ اس ایک سے اجازت لے لیں۔ اور انہوں نے کہا: امام مالک کا مذہب یہ ہے اور ہمارے اصحاب کا اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ یہ ممانعت ہر زمانہ میں، ہر سفر میں اور ہر حضر میں ہے۔ اور

بعض نے کہا: یہ ممانعت سفر کے ساتھ خاص ہے۔ اور بعض نے کہا: یہ ممانعت منسوخ ہو گئی ہے، یہ ممانعت اول اسلام میں تھی اور جب اسلام غالب ہو گیا اور لوگ امن میں ہو گئے تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔ (المنتقی ج ۷ ص ۳۱۳)

اور منافقین مومنین کے سامنے ایک دوسرے سے سرگوشی کرتے تھے تا کہ مومنین کو غم میں مبتلا کریں، لیکن جب وہ چار ہوں اور دو سرگوشی کریں اور دو نہ کریں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۴ ص ۱۶۷۔۱۶۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۴۵۔۱۴۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مناجات کا معنی

مناجات کا معنی ہے: کسی سے چپکے چپکے بات کرنا، قرآن مجید میں ہے:

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ (مریم: ۵۲)

ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور ہم نے انہیں قریب کر کے رازدار بنایا○

اس آیت میں ندا کا لفظ بھی ہے اور "نجیا" کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: سرگوشی کرنے والا۔ ندا میں بلند آواز سے کلام کیا جاتا ہے اور سرگوشی میں چپکے چپکے کلام کیا جاتا ہے۔

تو مناجات دو قسم کی ہیں: ایک قسم کی مناجات جائز ہے جب کہ اس مناجات میں نیکی اور تقویٰ کی بات کی جائے۔ اور ایک قسم کی مناجات سے منع فرمایا گیا ہے اور یہ وہ مناجات ہے جس میں گناہ اور سرکشی کی بات ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی بات ہو۔

پس اثم یہ ہے کہ دو آدمی کسی برے کام کے لیے سرگوشی کریں، مثلاً وہ یہ سرگوشی کریں کہ وہ شراب پئیں گے۔ اور سرکشی یہ ہے کہ دو آدمی کسی برے کام کے متعلق سرگوشی کریں جس کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہو مثلاً وہ سرگوشی کریں کہ کسی کا مال چرائیں گے یا کسی کے گھر ڈاکہ ڈالیں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے متعلق سرگوشی کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی یہ سرگوشی کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد یا دوسرے تنظیمی کاموں کے متعلق جو حکم دیا ہو اس کی مخالفت کے متعلق سرگوشی کریں۔ اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو اور کسی جگہ کا حاکم ہو وہ بھی اس کے قائم مقام ہے یعنی حاکم کے خلاف اگر دو آدمی سرگوشی کریں کہ وہ حاکم کے حکم کی مخالفت کریں گے اور اس عمل میں مخالفت کریں گے جس امر میں اس کی اطاعت واجب ہے تو یہ بھی معصیت ہے۔

نیکی اور تقویٰ کے متعلق سرگوشی کرنا

یعنی اچھے کاموں کے متعلق سرگوشی کرنا، مثلاً دو آدمی سرگوشی کریں کہ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت میں قیام کریں گے اور تقویٰ یہ ہے کہ وہ سرگوشی کریں کہ وہ کسی حرام کام کو ترک کریں گے۔

مباح کام کے متعلق سرگوشی کرنا

یہاں ایک تیسری قسم بھی ہے کہ وہ سرگوشی نہ کسی گناہ کے متعلق ہو اور نہ کسی نیکی کے متعلق ہو۔ ایسی سرگوشی مباح ہے نہ اس کا حکم دیا گیا ہے اور نہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی نیکی کو متضمن ہو تو وہ نیکی کی قسم میں داخل ہوگی اور اگر کسی گناہ کو متضمن ہو تو گناہ کی قسم میں داخل ہوگی۔

شیطان کا غمزدہ کرنے کے لیے سرگوشی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المجادلہ:۱۰)

سرگوشی تو صرف شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تا کہ وہ ایمان والوں کو غمگین کرے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان والوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے، اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے ۝

بہ کثرت منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آپس میں سرگوشی کرتے تھے اور جب ان میں سے کوئی ایک اپنے صاحب سے سرگوشی کرتا تو وہ کسی مسلمان کی طرف دیکھتا تا کہ وہ اسے ڈرائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' تا کہ وہ ایمان والوں کو غمگین کرے'' یعنی ان کے دلوں میں غم ڈالے۔ اور ان کی سرگوشی اگر چہ مسلمانوں کو غمگین کرنے کے لیے ہو لیکن اللہ کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر یہ اللہ کے اذن سے ہو تو مومن اس کام پر راضی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اذن سے ہو۔ اور فرمایا: ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے''۔ یعنی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور ان لوگوں کی سرگوشیوں سے ہم تشویش میں مبتلا نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں اور خوفزدہ نہ ہوں۔

بعض تقدیری معاملات سے غمزدہ ہونا شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات تقدیری اور تکوینی امور سے انسان کو غم ہوتا ہے اور یہ حزنِ طبیعی ہے اور یہ شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا اور وہ نزع کی کیفیت میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور آپ نے فرمایا'' آنکھ روتی ہے اور دل غمزدہ ہوتا ہے اور ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق سے غمزدہ ہیں''۔

(صحیح البخاری: ۱۲۲۰، صحیح مسلم: ۹۷۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۹۷۲)

خواب میں شیطان کا انسان کو غمزدہ کرنا

اسی قبیل سے یہ ہے کہ شیطان سونے والے کو خواب میں یہ دکھاتا ہے کہ انسان بیمار ہو رہا ہے۔ اور اس صورت میں انسان کو یہ چاہیے کہ وہ کام کرے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب وہ خواب میں کوئی مکروہ چیز دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میں شیطان کے شر سے اور میں نے خواب میں جو شر دیکھا ہے اس سے تیری پناہ میں آتا

ہوں۔اور وہ یہ خواب کسی کو بیان نہ کرے اور جس کروٹ پر وہ سویا ہوا تھا اس کروٹ کو بدل کر دوسری کروٹ پر سو جائے۔اور اگر دوبارہ ایسا خواب دیکھے تو کھڑا ہو اور وضو کرے اور نماز پڑھے۔اگر اس نے ایسا کیا تو پھر یہ ڈراؤنا خواب اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١٢٠۔١٢١، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٤٦۔ بَابُ: حِفْظِ السِّرِّ — راز کی حفاظت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں راز کی حفاظت کرنے کا بیان ہے۔یعنی راز کے افشاء کرنے کی اور اس کو ظاہر کرنے کی ممانعت ہے، کیونکہ وہ امانت ہے اور امانت کی حفاظت کرنا واجب ہے اور یہی مومنین کے اخلاق ہیں۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کے راز کو افشاء کرنا جائز نہیں ہے جب کہ راز والے کو اس کے افشاء کرنے سے ضرر ہو۔اور اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ جب راز بیان کرنے والا فوت ہو جائے تو پھر اس کے راز کو چھپانا لازم نہیں ہے جب کہ اس کی زندگی میں اس کے راز کو چھپانا واجب تھا۔

علامہ داؤدی نے کہا: راز بیان کرنے والے کی وفات کے بعد بھی اس کے راز کو افشاء نہیں کرنا چاہیے، سوائے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو آپ کی وفات کے بعد فاش کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دوسری بار کیا پیش گوئی کی تھی۔(عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٣١٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو افشاء کرنا اس وجہ سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے علم کو آگے پہنچایا جائے۔(سعیدی غفرلہٗ)

٦٢٨٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم سِرًّا فَمَا أَخْبَرْتُ بِهِ أَحَدًا بَعْدَهُ وَلَقَدْ سَأَلَتْنِي أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَا أَخْبَرْتُهَا بِهِ۔

(صحیح مسلم: ٢٤٨٢، مسند احمد: ١٢٨٨٠)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی، سو میں نے اس راز کی کسی کو بھی آپ کے بعد خبر نہیں دی اور مجھ سے ام سلیم نے اس کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو بھی اس کی خبر نہیں دی۔

صحیح البخاری: ٦٢٨٩، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن صباح، یہ عطار ہیں اور اہلِ بصرہ سے ہیں اور ۲۵۱ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔
اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بعدہٗ" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ راز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص تھا ورنہ اگر اس راز کا تعلق علم سے ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے اس علم کو چھپانا جائز نہ تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ام سلیم" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ رضی اللہ عنہا۔ اور یہ راز کو چھپانے میں مبالغہ ہے، کیونکہ جب انہوں نے اپنی والدہ سے بھی اس راز کو چھپایا تو دوسروں سے بہ طریق اولیٰ چھپایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راز کی حفاظت کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، آپ نے فرمایا: میرے راز کی حفاظت کرنا تو تم مومن ہوگے۔ (مسند ابویعلیٰ: ۳۶۲۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۹۹۱، المعجم الصغیر: ۸۵۶)
امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بات کرنے والا مڑ کر چلا جائے تو اس کی بات امانت ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۵۸۹)
علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس لیے سوال کیا تھا کہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ آپ کی یہ بات راز ہے، اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک بات راز کی فرمائی ہے تو انہوں نے کہا: تم اس کی خبر نہ دینا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجالس کا امانت ہونا

ثابت کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضور کو کیا کام تھا، میں نے کہا: وہ حضور کا راز ہے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کو نہ بتانا۔

اور حدیث میں ہے: مجلس میں بیٹھنے والوں کی بات امانت ہوتی ہے۔ پس کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے صاحب کا راز افشاء کرے۔ امام عبدالرزاق نے اور امام القضاعی نے مسند الشہاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''المجالس بالامانة''، یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ امانت ہوتی ہیں۔

اور ابی داؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ مجالس امانت ہوتی ہیں مگر تین صورتوں میں، جب اس مجلس میں کسی ناحق خون کرنے کی بات کی جائے، یا کسی پاک دامن عورت سے زنا کرنے کی بات کی جائے، یا کسی کا مال ناحق چھیننے کی بات کی جائے، یعنی ان صورتوں میں وہ بات امانت نہیں ہوتی، بلکہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے اس راز کا افشاء کرنا واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۴۔ ۳۵۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۔ بَابٌ: إِذَا كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ فَلَا بَأْسَ بِالْمُسَارَّةِ وَالْمُنَاجَاةِ

اس بات کا بیان کہ جب تین سے زیادہ لوگ ہوں تو چپکے سے بات کرنے یا سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جب سرگوشی کرنے والے تین سے زیادہ ہوں تو سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی بعض لوگ دوسروں سے سرگوشی کریں، کیونکہ اس میں وہ وہم پیدا نہیں ہوگا جو تین لوگوں میں پیدا ہوتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''المناجاة'' (یعنی سرگوشی کرنے) کا جو ''المسارة'' (یعنی چپکے چپکے بات کرنے) پر عطف ہے، یہ کسی چیز کا اپنے نفس پر عطف ہے، کیونکہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے درمیان مغایرت ہے اور وہ یہ ہے کہ ''المسارة'' کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے چپکے چپکے بات کریں، لیکن اس اعتبار سے کہ ایک شخص اپنا راز دوسرے کو بتاتا ہے اور وہ اپنا راز دوسرے کو بتاتا ہے۔ اور ''المناجاة'' کا تقاضا ہے کہ کلام دونوں جانبوں سے چپکے چپکے ہو، تو ''المناجاة'' ''المسارة'' سے خاص ہے، تو یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جب دو لفظ ہوں اور ان کا معنی واحد ہو تو پھر ایک کا دوسرے پر عطف کرنا جائز ہے، اس اعتبار سے کہ دونوں کے لفظ مختلف ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا: ان دونوں لفظوں میں مغایرت ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان دونوں میں من حیث اللغۃ فرق نہیں ہے۔

علامہ الجوہری نے کہا: ''سر'' (راز) وہ ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔ پھر انہوں نے باب ''نجا'' میں کہا کہ ''النجویٰ'' دو

آدمیوں کے درمیان بھید (راز) ہے، کہا جاتا ہے "نجوته نجوا" یعنی میں نے اس کے ساتھ چپکے چپکے بات کی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے "ناجیته"۔ اور ہر ایک "المسارة" اور "المناجاة" میں باب مفاعلہ سے ہے، اور یہ باب مشارکت کے لیے ہے جن میں سے ایک کے ساتھ فعل کا تعلق صراحۃً ہوتا ہے اور دوسرے کے ساتھ فعل کا تعلق ضمناً ہوتا ہے۔ پس جب اس طرح ہے تو "المناجاة" کس طرح "المسارة" سے اخص ہوگی، پھر جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے خاص نہیں ہے تو پھر یہ خاص کا عام پر عطف کس طرح ہوگا؟۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے "المکابرۃ" سے کچھ زیادہ بات نہیں کی، اور اپنے سینہ سے رد کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری، ج ۲ ص ۳۹۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۶۲۹۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُوْنَ الْآخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ أَجْلَ أَنْ يُحْزِنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم تین افراد ہو تو دو آدمی دوسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں حتیٰ کہ وہ لوگوں کے ساتھ مختلط ہو جائیں اس وجہ سے کہ وہ اس کو غم میں ڈالے گا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۸۸، صحیح مسلم: ۲۱۸۳، سنن ترمذی: ۲۸۲۵، سنن ابو داؤد: ۴۸۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۵، مسند احمد: ۴۵۵۰، موطا امام مالک: ۱۸۵۷، سنن دارمی: ۲۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت مفہوم مخالف کے طور پر ہے، یعنی اگر مجلس میں صرف تین آدمی نہ ہوں بلکہ زیادہ ہوں تو پھر دو آدمی آپس میں سرگوشی کر سکتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان، وہ ابن ابی شیبہ ہیں جو ابو بکر کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو وائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دون الآخر" کیونکہ جب ایک آدمی اکیلا رہ جائے گا اور دو آدمی آپس میں سرگوشی کریں گے تو وہ آدمی اس لیے غمگین ہوگا کہ اس سے وہ سرگوشی نہیں کر رہے اور اس کے دل میں یہ بات آئے گی کہ شاید ان کی سرگوشی اس کو نقصان پہنچانے کے لیے ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یختلطوا" یعنی وہ تین آدمی دوسروں کے ساتھ مختلط ہو جائیں، خواہ وہ دوسرا ایک ہو یا زیادہ ہوں۔

کہا گیا ہے: ایک آدمی کے حق میں یہ اس لیے مکروہ ہے کیونکہ جب وہ ایک آدمی اکیلا رہ جائے گا اور دو آدمی آپس میں سرگوشی کریں گے تو وہ اس سے غمگین ہوگا۔ یا تو اس کو یہ گمان ہوگا کہ وہ دونوں اس کے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں یا اس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب وہ لوگوں کے سامنے بات کریں گے تو پھر اختلاط کی وجہ سے یہ وجہ نہیں رہے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں کی جماعت میں دو آدمیوں کے باہم سرگوشی کرنے کے جواز کی توجیہ

رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمی باہم سرگوشی کریں، تاکہ بدگمانی، حسد اور جھوٹ سے اجتناب ہو۔

علامہ خطابی نے بیان کیا ہے کہ ابن حرب نے یہ کہا ہے کہ یہ صورت سفر میں مکروہ ہے، کیونکہ وہاں پر بدگمانی اور تہمت ہو سکتی ہے۔ پس تیسرا آدمی یہ خوف کرے گا کہ یہ دونوں اس کو کوئی دھوکا دینا چاہتے ہیں یا اس کے ساتھ کوئی مکروہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب ایک جماعت ہوگی تو پھر ایسا نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ سرگوشی کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ لوگ ان کے ساتھ اس سرگوشی میں شریک ہیں، تو پھر غم زائل ہو جائے گا۔ اور ابن الجلاب کے نسخہ میں مذکور ہے: اسی طرح ایک جماعت دوسری جماعت کو چھوڑ کر سرگوشی کرے تو یہ بھی مکروہ ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور امام مالک سے منقول ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر اس نے کسی کی اجازت سے سرگوشی کی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور امام مالک نے حضرت عبد اللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب ارادہ کرتے کہ کسی شخص سے سرگوشی کریں اور وہ تین افراد ہوتے تو پھر وہ چوتھے آدمی کو بلا لیتے، پھر ان دو سے کہتے کہ آپ ذرا پیچھے ہٹ جائیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔ پس جب وہ تین سے زیادہ ہوں تو پھر ایک کے ساتھ سرگوشی کرنا جائز ہے۔ پھر جتنی جماعت زیادہ ہوگی اتنا سرگوشی کرنا بہتر ہوگا اور تہمت سے اور بدگمانی سے دور ہوگا۔ کیا

تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی اور آپ لوگوں کی ایک جماعت میں تھے اور انہوں نے آپ کو خبر دی کہ کوئی کہنے والا کیا کہہ رہا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۰ ،ملخصا وملتقطا ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو آدمیوں کی بات تیسرے کے لیے سننے کی ممانعت

جب دو آدمی ابتداءً بات کر رہے ہوں اور وہاں تیسرا آدمی ہو جو ان کی بات نہ سن رہا ہو، اگر وہ جہراً کلام کریں تو یہ ان کی بات سننے کے لیے آئے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں حضرت سعید المقبری سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ ایک اور آدمی بات کر رہا تھا تو میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا تو انہوں نے میرے سینہ پر تھپڑ مارا اور کہا: جب دو آدمی بات کر رہے ہوں تو ان کے درمیان کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔

اور امام احمد نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت سعید مقبری سے یہ اضافہ کیا ہے: کیا تم نے نہیں سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو آدمی سرگوشی کر رہے ہوں تو ان کے درمیان تیسرا آدمی داخل نہ ہو حتیٰ کہ وہ ان سے اجازت لے لے۔

علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے: کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دو سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشی کے درمیان حائل ہو جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں: اور میں کہتا ہوں: جب دو آدمی بیٹھے ہوئے ہوں تو تیسرا آدمی ان کے درمیان نہ داخل ہو اور اس کی تاکید اس سے ہوتی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک بلند آواز سے بات کر رہا ہو تب بھی وہ ان کے درمیان دخیل نہ ہو۔ اور بعض لوگوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور وہ تھوڑی سی بات سن لیں تو اس سے باقی بات پر استدلال کر لیتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ حکم اسلام کی ابتداء میں تھا، جب اسلام پھیل گیا اور لوگ مامون اور محفوظ ہو گئے تو اب یہ حکم ساقط ہو گیا۔ اور علامہ قرطبی نے اس پر تعاقب کیا ہے کہ یہ ان کا قول محض ان کی رائے پر مبنی ہے اور یہ بغیر دلیل کے تخصیص ہے۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: حدیث کے الفاظ عام ہیں اور معنی بھی عام ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ تیسرے آدمی کو غم ہو گا، اور یہ علت سفر اور حضر دونوں میں موجود ہے۔ پس واجب ہے کہ اس کو عام قرار دیا جائے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۲۹۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قِسْمَةً فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ قُلْتُ أَمَا وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي مَلَإٍ فَسَارَرْتُهُ فَغَضِبَ حَتّٰى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ، از الاعمش از شقیق از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال غنیمت تقسیم کیا تو انصار کے ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، حضرت عبد اللہ نے

احمرَّ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَى مُوسَى أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ۔

بیان کیا: میں نے دل میں کہا: میں بے شک اللہ کی قسم! نبی ﷺ کے پاس جاؤں گا، پس میں آپ کے پاس آیا اور آپ لوگوں کی ایک جماعت میں تھے تو میں نے چپکے سے آپ کو خبر دی، آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا۔

(صحیح بخاری: ۳۱۵۰، ۳۴۰۵، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۶۰۵۹، ۶۱۰۰، ۶۲۹۱، ۶۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۰۶۲، مسند احمد: ۳۵۹۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ انہوں نے کہا ''میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ ایک جماعت میں تھے تو میں نے چپکے سے آپ کو اس بات کی خبر دی''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ چپکے سے کسی کے ساتھ بات کرنا اس وقت منع ہے جب صرف دو آدمی ہوں اور جب لوگوں کے درمیان ایک جماعت ہو اور اس وقت کسی کے ساتھ چپکے سے بات کی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحمزہ کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن میمون السکری ہے، یہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں از شقیق بن سلمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی ملأ'' یعنی ''فی جماعة''۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب اور اس کی مثل کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی کیا مناسبت ہے؟

پھر انہوں نے کہا: میں کہتا ہوں کہ استئذان کی مشروعیت اس وجہ سے ہے کہ اجنبی شخص جو گھر میں داخل ہو، وہ گھر کے اندرونی احوال پر مطلع نہ ہو۔ یا اس لیے کہ اکثر اور غالب یہ ہے کہ سرگوشی صرف گھروں میں ہوتی ہے اور خالی جگہوں میں ہوتی ہے، تو امام بخاری نے اس حدیث کا کتاب الاستئذان میں بالتبع ذکر کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۷۔۴۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جس شخص نے نبی ﷺ سے یہ کہا: آپ عدل کریں، اس کو قتل نہ کرنے کی وجوہ

ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کو چپکے سے یہ بتایا تو آپ سن کر سخت غضب ناک ہوئے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں نے آپ کو نہ بتایا ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۶۲)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس شخص کو قتل کیا گیا۔

علامہ مازری نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے کلام سے نبوت میں طعن کا مفہوم نہ نکلتا ہو اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صرف تقسیم میں عدل کے ترک کرنے کو منسوب کیا ہو، اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اس لیے سزا نہ دی ہو کہ اس کا یہ جرم ثابت نہیں ہوا تھا، صرف ایک شخص نے اس کی بدگوئی کو نقل کیا تھا، اور صرف ایک شخص کی گواہی سے خون نہیں بہایا جاتا۔
(اکمال المعلم ج ۳ ص ۶۰۷)

علامہ مازری کی تاویل کو لکھنے کے بعد قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

یہ تاویل اس لیے درست نہیں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! عدل کیجئے، اور کہا تھا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ سے ڈریں۔ (صحیح مسلم: ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۳) اور اس نے صحابہ کی جماعت میں اس طرح کہا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمر اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! لوگ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں، تو اس شخص کو قتل نہ کرنے کا یہ سبب ہے، اور آپ نے اس شخص کو ان منافقین کے حکم میں رکھا جنہوں نے متعدد بار آپ کو ایذاء دی اور آپ نے ان سے ناگفتنی باتیں سنیں، لیکن آپ نے ان کی باتوں پر صبر کیا اور تحمل کیا تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں اور ہم نے اپنی کتاب الشفاء کی قسم رابع میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرے، وہ کافر ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۶۰۷۔ ۶۰۸، دارالوفاء)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کو قتل کیوں نہیں کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالعموم ایذاء پہنچاتے تھے اور اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کیا جس نے آپ سے کہا تھا: ''السام علیکم'' (تم پر موت آئے)۔ حالانکہ یہ بددعا تھی اور اس شخص کو قتل کیوں نہیں کیا جس نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا، اور ایک مرتبہ کہا: عدل کر! اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے منافقین کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، اس وقت آپ لوگوں کے ایمان لانے کی خاطر ان کی تالیف قلب (دل جوئی) کرتے تھے، اور اسلام کو ان کے دلوں میں مزین کرتے تھے، اور اس وقت مسلمانوں کی کثرت کی ضرورت تھی، اور اس وقت آپ صحابہ سے فرماتے تھے کہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرو اور ان کو متنفر نہ کرو، اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے یہی ارشاد فرمایا تھا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ (المومنون: ۹۶) اچھے طریقہ سے برائی کو دور کیجئے۔

اور آپ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں کے قتل سے منع فرمایا ہے، اس وجہ سے آپ ان کی ایذاء رسانی کو برداشت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب دین اسلام پھیل گیا اور تمام ادیان پر غالب آ گیا تو آپ جن گستاخوں کو قتل کرنے پر قادر ہوئے، ان کے قتل کا حکم دیا، اسی طرح آپ نے بعض گستاخوں کے خون کو مباح کر دیا، جیسے کعب بن زہیر اور ابن زبعری وغیرہ۔

منافقین کو قتل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ منافقوں کا بہ ظاہر مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا، اور بارگاہِ رسالت میں منافقوں

کے جو گستاخانہ کلمات پہنچائے گئے تھے، ان کو کسی ایک صحابی نے نقل کیا تھا، اور منافقین ان کلمات سے بری ہونے پر قسم کھالیتے تھے، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان کے خواہش مند تھے، اس لیے ان کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرتے تھے، جیسا کہ ہمیشہ اولوا العزم رسول کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، اور ان کی وجہ سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان سے وہ گستاخانہ کلمات قطعی طور پر ثابت نہیں تھے، کیونکہ ان کلمات کو کسی بچہ نے نقل کیا تھا، یا غلام نے یا عورت نے اور نصاب شہادت یعنی دو مردوں کی گواہی کے بغیر کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم نبوت سے ان کے خلاف فیصلہ اس لیے نہیں کیا کہ بہ ظاہر ان کا شمار مسلمانوں اور صحابہ میں ہوتا تھا، اور اگر آپ ان کو اس وجہ سے قتل کر دیتے کہ آپ کے علم میں وہ منافق تھے تو مخالفین اور معاندین آپ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کہ آپ جس کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اس پر نفاق کی تہمت لگا کر قتل کر دیتے ہیں اور اس سے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں رکاوٹ ہوتی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس شخص کو قتل کرنے سے منع فرمایا جس نے آپ سے کہا تھا: ''اعدل'' اور قتل کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں، اسی وجہ سے ابن معاذ اور ابن قصار نے کہا ہے کہ یہ لوگ اگر اپنے نفاق کو ظاہر کرتے تو آپ ان کو قتل کر دیتے۔ رہا یہ کہ آپ نے اس یہودی کو قتل نہیں کیا جس نے کہا تھا: ''السام علیکم'' (تم پر موت آئے)، اس کی توجیہ یہ تھی کہ اس یہودی کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا اور یہ ابتداء اسلام کا واقعہ تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے کی وجہ یہ ہو کہ آپ کو یہ توقع تھی کہ اس کے ساتھ نرمی کرنے کی وجہ سے کچھ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۹۳۔ ۱۹۲، بیروت)

قاضی عیاض مالکی نے اپنی کتاب الشفاء میں جو گستاخ رسول کے متعلق فقہاء کے قول کا ذکر کیا ہے، وہ عبارت یہ ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ کے مسالک

جان لو کہ امام مالک ان کے اصحاب، سلف صالحین اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے گالی دی اور اس کے بعد توبہ کر لی تو اس کو بہ طور حد قتل کیا جائے گا نہ بہ طور کفر، شیخ ابو الحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کسی شخص نے آپ کو گالی دینے کا اقرار کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا اظہار کر دیا تو اس کو گالی دینے کے سبب سے قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی حد ہے، ابو محمد بن ابی زید نے بھی یہی کہا ہے، البتہ اس کی توبہ اس کو آخرت میں نفع دے گی اور وہ عند اللہ مؤمن قرار پائے گا۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۲۳۔ ۲۲۲، مطبوعہ ملتان)

علامہ سید محمد ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہو، اس کی توبہ قبول نہ کرنا امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور ایک روایت میں ان سے یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی، لہٰذا ان کا مذہب امام مالک کی طرح ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جیسا کہ ہتف وغیرہ سے منقول ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دینے والے کا حکم بہ طریق اولیٰ یہی ہوگا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے، بہر حال یہ بات ظاہر ہوگئی کہ احناف اور شوافع کے

مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور امام مالک سے بھی یہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۴۔۴۰۱ مطبوعہ عثمانیہ، استنبول)

صحیح البخاری: ۶۲۹۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۲۹۱ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مالِ غنیمت کو تقسیم کیا، تو انصار کے ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضاء کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنو! اللہ کی قسم! میں ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بیان کروں گا، پس میں آپ کے پاس آیا اور آپ ایک جماعت میں تھے، میں نے آپ کو چپکے سے یہ بات بتائی، آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔ (صحیح مسلم: ۱۷۵۹)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شیطان ابنِ آدم کے خون جاری ہونے کی جگہوں میں دوڑتا ہے۔ پس انصار کے جس مرد نے یہ سنگین بات کہی کہ اس تقسیم سے اللہ عزوجل کی تقسیم کا ارادہ نہیں کیا گیا تو شیطان کبھی انسان کو سنگین الزام پر برانگیختہ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تقسیم کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں ہے۔ پھر کون آپ کے بعد اللہ کی رضا کے لیے کام کرے گا؟!! کوئی نہیں کر سکتا۔ اور اس حدیث میں ایک اور انصاری کے قول کی نظیر ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنی پتھریلی زمینوں کو سیراب کریں، کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا وہاں پر باغ تھا اور ان کے پڑوسی انصاری کا بھی ایک باغ تھا اور پانی پہلے حضرت زبیر کے باغ میں بہہ کر آتا تھا، پھر انصاری کے باغ میں بہہ کر آتا تھا، اور ان میں زیادہ حقدار وہ تھا جو بلندی پر ہو اور وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زبیر! تم پانی دو اور پھر اپنے پڑوسی کے باغ کی طرف چھوڑ دو، پھر وہ اپنے باغ کو پانی دیں گے۔ اور جو اس پانی کی وجہ سے تم کو فصل حاصل ہو اس کو صدقہ کر دینا خواہ تھوڑی مقدار میں ہو، تو وہ انصاری غضبناک ہو گیا، اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم اپنے باغ کو پانی دو حتیٰ کہ پانی تمہاری دیواروں تک پہنچ جائے، پھر اس کو اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دینا۔ (صحیح البخاری: ۲۱۸۷، صحیح مسلم: ۲۳۴۷)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق کی حفاظت کی اور ان دیواروں کی جو اس کھیت میں پانی کے حوض کے درمیان حدود فاصلہ تھیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت زبیر بن العوام کو ان کے بعض حقوق عطا کیے تا کہ ان کو کافی مقدار میں پانی پہنچ جائے۔ اور باقی ان کے پڑوسی کو مل جائے، تو اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مصلحت بھی تھی اور ان کے پڑوسی کی مصلحت بھی تھی، کیونکہ اس کو پانی کی سیرابی سے محروم نہیں فرمایا۔ پس جب اس نے یہ سنگین بات کہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دیا اور ان کو حکم دیا کہ پانی کو دیواروں تک پہنچاؤ، پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دینا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینے کی تفصیل

اس حدیث کا دوسرا جز و یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ﴿۶۹﴾ (الاحزاب: ۶۹)

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی، تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا، اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے O

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذاء نہ دو جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت دی گئی تھی۔ پس موسیٰ (علیہ السلام) کو حسی اور معنوی طور پر ایذاء دی گئی۔ ان کو ان کے دین میں بھی ایذاء دی گئی اور ان کی خلقت میں بھی ایذاء دی گئی حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آدر ہیں، یعنی ان کے خصیے بڑے ہیں اور یہ عیب ہے، تو اللہ عزوجل نے ان کو ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری کر دیا جب کہ انہوں نے ایک دن غسل کیا اور اپنے کپڑے پتھر پر رکھ دیئے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا حتیٰ کہ وہ بنی اسرائیل تک پہنچے اور جب وہ بنی اسرائیل تک پہنچے تو پتھر ٹھہر گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو پالیا، اور فرمایا: اے پتھر! میرے کپڑے دے، اے پتھر! میرے کپڑے دے۔ اور بنی اسرائیل نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا اور انہوں نے مشاہدہ کر لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کوئی عیب نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے عیب سے بری کر دیا۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۲۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۸۔ بَابُ: طُوْلِ النَّجْوٰی

لمبی سرگوشی کا بیان

وقوله: (وَ اِذْهُمْ نَجْوٰی) (بنی اسرائیل: ۴۷) مَصْدَرٌ مِنْ نَاجَيْتُ، فَوَصَفَهُمْ بِهَا وَالْمَعْنٰى: يَتَنَاجَوْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں'' ''نجویٰ'' ناجیت کا مصدر ہے، اس مصدر کے ساتھ ان لوگوں کی صفت فرمائی اور معنی یہ ہے کہ وہ مناجات یعنی سرگوشی کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لمبی سرگوشی کا بیان ہے اور ''نجویٰ'' ''تناجی'' کا اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے۔

امام بخاری نے تعلیق ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَاِذْهُمْ نَجْوٰی'' یعنی وہ سرگوشی ہیں۔ سرگوشی کرنے والوں پر سرگوشی کا اطلاق کرنا بابِ مبالغہ سے ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''ابوحنیفہ فقہ ہیں''۔ امام بخاری نے کہا: یہ مصدر ہے، ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ اسم مصدر ہے جو مصدر کے قائم مقام ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ازہری نے کہا ہے کہ وہ سرگوشی کرنے والے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۲ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنهُ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَرَجُلٌ يُنَاجِي رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَمَا زَالَ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ أَصْحَابُهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد العزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نماز قائم کی گئی اور ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کر رہا تھا، وہ مسلسل سرگوشی کرتا رہا حتیٰ کہ آپ کے اصحاب سو گئے، پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی۔

(صحیح بخاری: ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۲۹۲ صحیح مسلم: ۳۷۶ سنن ترمذی: ۵۱۸ سنن نسائی: ۷۹۱ سنن ابوداؤد: ۵۴۴، مسند احمد: ۱۱۵۷۶)

صحیح البخاری: ۶۲۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث کے عنوان کے ساتھ مطابقت نفسِ حدیث سے ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، یہ بندار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، یہ غندر ہیں۔ اور اس میں مذکور ہے عبد العزیز، یہ ابن صہیب ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں "باب الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کر رہا تھا"۔ اور وہاں پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد سے مسجد کی ایک جانب میں سرگوشی کر رہے تھے، آپ اس وقت تک نماز پڑھانے کے لیے کھڑے نہیں ہوئے حتیٰ کہ لوگ سو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۸-۳۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لمبی سرگوشی کے جواز اور عدم جواز کا محمل

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے صاحب سے لمبی سرگوشی کر سکتا ہے یا نہیں؟

اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم ہے: "کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے"۔ (صحیح البخاری: ۵۹۹۴، صحیح مسلم: ۴۷)

اور جب ہم کو یہ معلوم ہو گیا تو لمبی سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ اس سرگوشی کا تعلق کسی نیک بات سے ہو۔ اور

جب وہ سرگوشی کسی بری بات سے یا شر سے متعلق ہو اور اس میں خیر نہ ہو تو پھر اس سرگوشی کا لمبا ہونا ممنوع ہے۔
نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز کی اقامت کے بعد امام سے مناجات اور سرگوشی کرنا جائز ہے۔اور لمبی سرگوشی کرنا بھی مضر نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط نہیں ہے کہ نماز کی اقامت اور نماز پے در پے ہو، کیونکہ صحابہ سو گئے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے "حتی کہ آپ کے اصحاب سو گئے، پھر آپ نے ان کو نماز پڑھائی"۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی اقامت اور نماز کے درمیان طویل فصل جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مکبّر نے نماز کے ارادہ سے اقامت کہی ہو، یعنی اگر مکبر کو یہ معلوم ہو کہ ابھی نماز نہیں پڑھائی جائے گی اور دیر میں پڑھائی جائے گی اور وہ اقامت کہے اور پھر اقامت اور نماز میں فصل ہو اور اس کو اس چیز کے پیدا ہونے کا کوئی علم نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ طویل فصل ہو۔

مطلقاً نیند سے وضو نہ ٹوٹنے کا بیان

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مطلقاً نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نفسِ نیند حدث نہیں ہے۔نیند حدث کے گمان کا سبب ہے، کیونکہ جو شخص سو گیا تو اس کے متعلق یہ گمان ہوگا کہ وہ نیند میں بے وضو ہو گیا ہے۔حدیث میں ہے کہ "آنکھ سرین کی حفاظت کرتی ہے، پس جب دونوں آنکھیں سو جائیں گی تو اس کے پٹھے ڈھیلے پڑ جائیں گے اور ہوا خارج ہو جائے گی"۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس نے گہری نیند کی اور اس کو اپنے نفس کا پتا نہیں چلا اگر اس کا وضو ٹوٹ گیا، لیکن تھوڑی سی نیند اگر انسان کو پیش آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، جب کہ وہ سرین کو جما کر بیٹھا ہوا ہو یا رکوع میں ہو یا سجدہ میں ہو یا قیام میں ہو اور اس حالت میں نیند آ جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۲۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۹۔ بَابٌ: لَا تُتْرَكُ النَّارُ فِي الْبَيْتِ عِنْدَ النَّوْمِ — سوتے وقت گھر میں آگ کو نہ چھوڑا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ سوتے وقت گھر میں آگ کو نہ چھوڑا جائے۔یعنی کوئی شخص سوتے وقت اپنے گھر میں آگ کو نہ چھوڑے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از سالم از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں اس وقت آگ کو نہ چھوڑو جب تم سوتے ہو۔

(صحیح مسلم: ۲۰۱۵، سنن ترمذی: ۱۸۱۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۶۹، مسند احمد: ۴۵۰۱)

صحیح البخاری: ۶۲۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، یہ سفیان ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے سالم، یہ حضرت ابن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں، وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم آگ کو نہ چھوڑو"۔ اس حدیث میں لفظِ آگ عام ہے، اس میں چراغ کی آگ اور موم بتی کی آگ داخل ہے، اور وہ قندیلیں جو مساجد وغیرہ میں معلق ہوتی ہیں جب ان سے ضرر کا خطرہ نہ ہو جیسا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے تو ظاہر ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جس وقت تم سو رہے ہو"۔ اس حدیث میں سونے کے ساتھ مقید فرمایا ہے، کیونکہ اس وقت میں غفلت ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۲۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ احْتَرَقَ بَيْتٌ بِالْمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِّثَ بِشَأْنِهِمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ هَذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں رات کے وقت ایک گھر ان کے گھر والوں کے اوپر جل گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا گیا، تو آپ نے فرمایا: یہ آگ صرف تمہاری دشمن ہے، پس جب تم سوؤ تو اس آگ کو اپنے پاس سے بجھا دو۔

صحیح البخاری: ۶۲۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آگ کو بجھا دو، کیونکہ آگ کو بجھانا اس کو مستلزم ہے کہ گھر میں آگ کو جلتا ہوا نہ چھوڑا جائے۔ اور اس باب کا عنوان بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن العلاء، یہ ابوکریب الہمدانی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ، اور یہ برید اپنے دادا حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام الحارث ہے، وہ از حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان هذه النار انما هی عدولکم" یعنی یہ آگ تمہاری دشمن ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: آگ کا ہماری دشمن ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ آگ ہمارے ابدان اور ہمارے اموال کے اس طرح منافی ہے جس طرح دشمن منافی ہوتا ہے۔ ہر چند کہ اس آگ میں ہمارے لیے منفعت بھی ہے مگر وہ کسی واسطہ سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اس کے اوپر ہمارے دشمن ہونے کا اطلاق کیا، کیونکہ اس میں عداوت کا معنی پایا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے واضح بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ تم جس وقت میں اور جس جگہ میں بھی آگ کے قریب جاؤ گے تو وہ تمہیں جلا دے گی اور تم کو چھوڑے گی نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۱۹۔ ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ كَثِيرٍ هُوَ ابْنُ شِنْظِيرٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم خَمِّرُوا الْآنِيَةَ وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از کثیر (اور وہ ابن شنظیر ہیں) از عطا از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ دو، اور دروازوں کو لوٹا دو (یعنی بند کر دو)، اور چراغوں کو بجھا دو، کیونکہ "فاسق جانور" (یعنی چوہا) بعض اوقات چراغ کی بتی کو کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۳۱۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۲۸۵۷، مسند احمد: ۱۴۷۷۴، موطا امام مالک: ۱۷۲۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں کثیر کا ذکر ہے، وہ ابن شنظیر الازدی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، وہ ابن ابی رباح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خمروا" یہ تخمیر کے باب سے امر کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: ڈھانپنا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اجیفوا" یہ "اجافۃ" سے امر کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: رد کرنا۔ کہا جاتا ہے "اجفت الباب" یعنی میں نے دروازہ کو لوٹا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الفویسقۃ" یہ "فاسقۃ" کی تصغیر ہے، اس سے مراد ہے چوہا۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے۔ اور اس حدیث میں ارشاد اور رہنمائی ہے۔ اور کبھی یہ استحباب کے لیے ہوتا ہے۔ علامہ نووی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ ارشاد کے لیے ہے، کیونکہ اس میں دنیاوی مصلحتیں ہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ کبھی اس میں دینی مصلحت ہوتی ہے اور وہ ہے نفس کی حفاظت کرنا جس کو قتل کرنا حرام ہے اور مال کی حفاظت کرنا جس کو ضائع کرنا حرام ہے۔

حدیث میں ہے: امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی اور امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا آیا اور اس نے چراغ کی بتی کو کھینچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مصلّی پر ڈال دیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے، سو اس سے ایک درہم جتنی جگہ جل گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سو تو اپنے چراغوں کو بجھا دو، کیونکہ شیطان اس قسم کی چیزوں کی رہنمائی کرتا ہے تاکہ تم کو جلا دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض الفاظ کے معانی اور اس باب کی حدیث کی تائید میں دیگر احادیث

اس حدیث میں "تخمیر" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے ڈھانپنا، اسی سے خمر کا لفظ ماخوذ ہے کیونکہ وہ بھی عقل کو ڈھانپتی ہے، اور عورت کے دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں اور خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو تم سے مستور ہو۔

اس حدیث میں "اجیفوا" کا لفظ ہے یعنی دروازہ کو بند کر دو تاکہ چور سے اور شیطان سے حفاظت رہے۔

اس حدیث میں "الفویسقۃ" کا لفظ ہے یعنی چوہا۔ اس کو فاسق فرمایا ہے اگرچہ اس کو نہ کسی بات کا حکم دیا جاتا ہے اور نہ کسی چیز سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا فعل فساد کا فعل ہے۔ اسی کی مثل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے: (۱) چوہا (۲) بچھو (۳) چیل (۴) کوا (۵) کاٹنے والا کتا۔

(صحیح بخاری: ۱۸۲۹، ۳۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۱۹۸، سنن ترمذی: ۸۳۷، سنن نسائی: ۲۸۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۰۸۷، مسند احمد: ۲۴۰۴۸، سنن دارمی: ۱۹۱۷)

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تمہارا دشمن ہے"۔ یعنی چوہا دشمن کا فعل کرتا ہے کہ گھر کو جلا دیتا ہے۔ اور آپ نے برتن کو ڈھانپنے کا حکم دیا، اسی طرح مشک کے منہ کو بند کرنے کا حکم دیا، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشک کا منہ ڈوری سے باندھ دو، کیونکہ سال میں ایک ایسی رات آتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے، وہ کسی ایسے برتن پر نہیں گزرتی جو ڈھکا ہوا نہ ہو، یا کسی مشک پر سے نہیں گزرتی جس کا منہ باندھا ہوا نہ ہو مگر اس میں وہ وبا نازل ہو جاتی ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۰۱۴، مسند احمد: ۱۴۸۳۵)

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص رات کو اس گھر میں سونے کا ارادہ کرے جس میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو اور اس میں آگ بھی ہو یا چراغ بھی ہو تو وہ سونے سے پہلے چراغ کو بجھا دے اور آگ سے حفاظت کرلے تا کہ اس کے جلانے کا ضرر نہ پہنچے۔ اسی طرح اگر اس کے گھر میں جماعت ہو تو ان پر واجب ہے کہ جب وہ سونے کا ارادہ کریں تو اس وقت تک نہ سوئیں جب تک کہ یہ حفاظتی تدابیر اختیار نہ کرلی جائیں، کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک چوہا آیا اور اس نے چراغ کی بتی کو گھسیٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس جانماز پر ڈال دیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے، تو اس جانماز سے ایک درہم جتنی جگہ جل گئی۔
(سنن ابوداؤد: ۵۲۴۷، صحیح ابن حبان: ۵۵۱۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۳۔ ۱۵۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس باب کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے وہ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے ماخوذ ہے۔ (دیکھیے: شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۷۰۔ ۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی آفت اور مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے اس کا سدِ باب کرنا چاہیے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔
(۲) اگر گھر والے بیدار ہوں تو پھر آگ کو نہ بجھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(۳) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب اس آگ سے حفاظت اور امن ہو، تو پھر آگ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ چوہے کو قتل کرنا چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فاسق فرمایا ہے، کیونکہ بسا اوقات یہ چوہا چراغ کی بتی کو گھسیٹتا ہے اور گھر والوں کو آگ لگا دیتا ہے۔
(۵) چوہا سونے کی دھات میں رغبت کرتا ہے۔

ہمارے شیخ عبد الرحمٰن السعدی نے بیان کیا کہ ایک عالم دین بیٹھے ہوئے کتاب لکھ رہے تھے۔ پس ایک چوہا آیا، انہوں نے اس کے اوپر کوئی چیز رکھ دی، پھر اس چوہے کی بہن اس کو طلب کرنے کے لیے آئی لیکن وہ اس چیز کو اٹھانے پر قادر نہ ہوئی، پھر وہ چھت کی طرف گئی اور میرے پاس ایک دینار کو لا کر پھینک دیا لیکن انہوں نے اس گرفتار چوہے کو آزاد نہیں کیا، پھر وہ گئی اور ایک

اور دینار لے آئی، پھر تیسرا، پھر چوتھا یہاں تک کہ وہ دس دینار لے کر آئی، اور آخر میں وہ تھیلی لے کر آئی جس میں دینار تھے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس شیخ نے اس چوہے اور اس کی بہن دونوں کو مار ڈالا تھا۔

آگ کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں

أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۞ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۞ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۞ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۞ (الواقعہ: ۷۱۔ ۷۴)

بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو O کیا اس کے لیے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں O ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدہ کی چیز O سو آپ اپنے رب کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O

آیاتِ مذکور کی تفسیر اور آگ کے فوائد

اس زمانہ میں آگ کے حصول کا یہی ذریعہ تھا کہ درختوں سے لکڑیاں کاٹ کر ایندھن حاصل کیا جائے، پھر زمین کی کانوں سے پتھر کا کوئلہ نکل آیا اور لکڑیوں کو جلا کر اس سے بھی کوئلہ حاصل کیا جانے لگا، پھر زمین سے تیل نکل آیا اور قدرتی گیس نکل آئی، لیکن جس طرح جنگل میں درخت اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، اسی طرح پتھر کا کوئلہ اور گیس اور تیل کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور بندوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔

یعنی ہم نے دنیا کی آگ کو پیدا کیا تاکہ تم اس کی حدت، حرارت اور سوزش کو دیکھ کر آخرت کی آگ سے ڈرو۔ اس آیت میں ''مقوین'' کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''قوی'' ہے، اس کا معنی ہے: وہ گھر جو رہنے والوں سے خالی ہو۔ مسافروں کو ''مقوین'' اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات وہ دورانِ سفر ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں چٹیل میدان اور ویرانہ ہو اور کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہو، وہاں جنگل میں قیام کے وقت مسافر آگ جلاتے ہیں تاکہ کوئی جنگلی درندہ آکر ان کو ضرر نہ پہنچائے۔ اور بعض اوقات وہ کسی حلال جانور یا پرندہ کو شکار کر کے اس کو آگ پر بھون لیتے ہیں اور یوں اپنی بھوک مٹاتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۵۶، فرید بک اسٹال، لاہور)

شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ آگ میں فوائد بھی ہیں اور آگ سے ضرر بھی ہوتا ہے۔ سو ہمیں چاہیے کہ اس کے ضرر سے احتراز کریں اور اس کے فوائد کے حصول کی امید اور توقع رکھیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۲۸۔ ۱۲۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۔ بَابُ إِغْلَاقِ الْأَبْوَابِ بِاللَّيْلِ

رات میں دروازوں کو بند کر دینے کا بیان

۶۲۹۶۔ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ بِاللَّيْلِ إِذَا رَقَدْتُمْ وَغَلِّقُوا الْأَبْوَابَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ قَالَ هَمَّامٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ بِعُودٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حسان بن ابی عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سوؤ تو رات کے وقت چراغوں کو بجھا دو اور دروازوں کو بند کر دو اور مشک کے منہ کو ڈوری سے باندھ دو، اور کھانے اور پینے کی چیزوں کو ڈھانپ دو۔ ہمام

نے کہا: میرا گمان ہے انہوں نے بیان کیا خواہ لکڑی سے۔

(صحیح بخاری: ۵۶۲۴، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، مسند احمد: ۱۴۵۹۷، موطا امام مالک: ۱۷۲۷)

صحیح البخاری: ۶۲۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حسان بن ابی عباد کا ذکر ہے اور ابو عباد کا نام بھی حسان ہی ہے۔ نیز ابو علی البصری مکہ میں رہے اور ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے اور امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ ہیں۔ اور عطاء کا ذکر ہے، یہ ابن ابی رباح ہیں۔

رات کے وقت دروازہ بند کرنے کی حکمت

اس حدیث میں دروازوں کے بند کرنے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ رات کو شیاطین پھیل جاتے ہیں اور یہ مسلمانوں پر مسلط ہوتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات اپنے پر پھیلائے تو اپنی اولاد کو گھروں میں روک لیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنی مخلوق میں سے ان کو پھیلا دیتا ہے جن کو دن میں نہیں پھیلاتا۔ اور شیاطین کے لیے رات میں انتشار اور پھیلنا ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی تائید میں دیگر احادیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات اپنے پر پھیلاتی ہے تو تم اپنے بچوں کو روک لو، کیونکہ اس وقت شیطان پھیل جاتے ہیں۔ پس جب عشاء کی ایک ساعت گزر جائے تو اپنے بچوں کو کھول دو اور اپنا دروازہ بند کر دو اور بسم اللہ پڑھو اور اپنے چراغ کو بجھا دو، اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، اور اپنی مشک کا منہ بند کر دو، اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، اور اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو۔ اور اللہ کے نام کا ذکر کرو، اور اگر تم برتن پر کوئی چیز عرض کی جانب رکھ دو۔

(صحیح البخاری: ۳۲۸۰، ۳۳۰۴، ۳۳۱۶، ۵۶۲۳، ۵۶۲۴، ۶۲۹۵، ۶۲۹۶، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۱، مسند احمد: ۱۴۰۲۵)

اور عقیل نے کہا: عورت کو اس وقت وضو کرنے سے اپنی حفاظت کرنی چاہیے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن میں ان کے لیے مصلحت ہے ان کی نیند میں اور ان کی بیداری میں۔

اور امام مالک نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شیطان کسی بند دروازہ کو نہیں کھولتا اور نہ اس مشک کو کھولتا ہے جس کا منہ بند کیا ہوا ہو۔ اور نہ کسی ڈھکے ہوئے برتن کو کھولتا ہے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۹۲۹۔۹۲۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۶۔۱۵۷، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن کی شرح دراصل علامہ ابن بطال کی شرح کا خلاصہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۲۹۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ کے ذکر کی برکت کی وجہ سے شیطان مسلمانوں کے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتا

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازوں کو بند کرنے کا جو حکم دیا ہے، یہ ان کی دینی اور دنیاوی مصلحتوں کی وجہ سے ہے تا کہ ان کی جانیں اور ان کے اموال مفسدین کے فساد سے محفوظ رہیں، خصوصاً شیاطین کے شر سے محفوظ رہیں۔

اور آپ نے جو فرمایا ہے کہ ''شیطان کسی بند دروازہ کو نہیں کھولتا''۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ دروازہ کو بند رکھنے کا حکم اس مصلحت سے ہے کہ شیطان کو انسان کے ساتھ مختلط ہونے سے دور رکھا جائے۔ اور یہ ایسی حکمت ہے جس پر سوائے وحی کے اطلاع نہیں ہو سکتی، جو صرف نبی کو حاصل ہوتی ہے۔

اس حدیث میں شیطان پر الف لام جنس کے لیے ہے، کیونکہ اس سے مراد کوئی معین شیطان نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں ہے ''کھانے اور پینے کی چیزوں کو ڈھانپ دو''۔ ہمام نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: خواہ کسی لکڑی کی چوڑائی سے ڈھانپ دو۔

اور فرمایا ''اللہ کے نام کا ذکر کرو''۔ اور دودھ پینے کے باب میں اس کی حکمت بیان کی جا چکی ہے۔

علامہ ابن بطال نے اس حدیث میں شیطان کو عموم پر محمول کیا ہے اور اس اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ شیطان کو یہ قوت نہیں دی کہ وہ کسی ڈھکی ہوئی چیز کو کھولے، اگرچہ اس سے زیادہ قوت اسے عطا کی گئی ہے، کیونکہ وہ ان جگہوں میں داخل ہو جاتا ہے جہاں آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اور اس میں اضافہ یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ عزوجل کے نام کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام ان چیزوں کے کاموں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہ کرے تو پھر شیطان ان چیزوں میں داخل ہو جاتا ہے اور تصرف کرتا ہے۔ اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم اور امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو اور دخول کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے اور کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لیے نہ رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب وہ دخول کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تم نے اپنا ٹھکانا اور کھانا پینا پالیا۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ شیطان بند دروازہ کو نہیں کھولتا۔ یہ اپنے عموم پر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے ساتھ خاص ہو جو اللہ کے نام کا ذکر کرے۔

حدیث مذکور میں جس شیطان کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت کو ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد شیطانِ خارج ہے ہمزاد نہیں ہے

نیز انہوں نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شیطان خارج، داخل نہیں ہوسکتا لیکن وہ شیطان جس کو ہمزاد کہتے ہیں جو انسان کے جسم کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ حدیث اس کے نکلنے پر دلالت نہیں کرتی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دروازہ بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے گھر میں جو شیطان ہیں، وہ بھاگ جاتے ہیں۔ اور بعض علماء نے اس سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ جماہی لیتے وقت منہ کو بند کرلیا جائے تو شیطان اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۷۔ ۳۵۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۔ بَابُ: اَلْخِتَانِ بَعْدَ الْكِبَرِ وَنَتْفِ الْإِبِطِ

بڑی عمر کے بعد ختنہ کرنے اور بغل کے بال اکھیڑنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مرد کی بڑی عمر کے بعد ختنہ کرنے کا بیان ہے اور بغل کے بال اکھیڑنے کا بھی بیان ہے۔ علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے کہ اس باب کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ عموماً ختنہ گھروں میں کیا جاتا ہے اور گھروں میں بغیر استئذان کے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْفِطْرَةُ خَمْسٌ الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فطرت (سنت) پانچ ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بالوں کا مونڈنا، بغل کے بال اکھیڑنا، اور مونچھوں کو کاٹنا اور ناخن تراشنا۔

(صحیح بخاری: ۵۸۸۹، ۵۸۹۱، ۶۲۹۷، صحیح مسلم: ۲۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۵۶، سنن نسائی: ۱۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۹۲، مسند احمد: ۷۲۲۰)

صحیح البخاری: ۶۲۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن قزعہ کا ذکر ہے، یہ حجازی ہیں۔ اور ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کا ذکر ہے۔

یہ حدیث کتاب اللباس میں باب "قص الشارب" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الفطرۃ'' یعنی انبیاء علیہم السلام کی سنت، جن کی اقتداء کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ان کاموں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (البقرہ: ۱۲۴) اور جب کئی باتوں میں ابراہیم کی ان کے رب نے آزمائش کی۔

اس حدیث میں پانچ کی تخصیص اس روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں لکھا ہے کہ دس چیزیں سنت ہیں۔ ان میں یہ پانچ چیزیں زائد ہیں: مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، استنجا کرنا اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الختان''۔ ظاہر اقوال کے مطابق مردوں اور عورتوں پر ختنہ کرنا واجب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ عورتوں میں سنت ہے۔ امام مالک اور فقہاء احناف کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مردوں پر واجب ہے اور عورتوں پر واجب نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ختنہ کرنا عورتوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے تکریم ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ ختنہ کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ بلوغت کے بعد ختنہ کیا جائے، اور ولادت کے ساتویں روز ختنہ کرنا مستحب ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ولادت کے ساتویں دن ختنہ کیا۔ اس حدیث کی امام حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔

اللیث نے کہا: لڑکے کا ختنہ سات سال کی عمر سے لے کر دس سال کی عمر تک کیا جائے۔ امام مالک نے کہا: ہمارے شہر میں عام لوگوں کا چلن یہ ہے کہ جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو اس کا ختنہ کیا جائے۔ مکحول نے کہا کہ حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کا سات دن کے بعد ختنہ کیا اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الاستحداد'' یعنی زیرِ ناف بالوں کو مونڈنے کے لیے استرا استعمال کرنا۔ شعبی سے روایت ہے کہ ان بالوں پر چونا لگایا جائے، اور یہ معروف کے خلاف ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تقلیم الاظفار'' یعنی ناخنوں کو تراشنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ختنہ کرنے کے مفصل احکام

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور کثیر علماء کے نزدیک ختنہ کرنا واجب ہے اور امام مالک اور اکثر علماء کے نزدیک ختنہ کرنا سنت ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ختنہ کرنا مردوں اور عورتوں دونوں پر واجب ہے، مرد پر واجب ہے کہ وہ اس پوری کھال کو کاٹ دے جس نے حشفہ کو چھپایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ پورا حشفہ ظاہر ہو جائے۔ اور عورت پر واجب ہے کہ فرج کے اوپر جو کھال ہے اس کا نچلا حصہ کاٹ دے۔

ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ بچپن میں ان دونوں ختنوں کو کرنا جائز ہے واجب نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ولی پر واجب ہے کہ بچے کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا ختنہ کرا دے اور ایک قول یہ ہے کہ دس سال سے پہلے ختنہ کرنا حرام

ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے۔

خنثیٰ مشکل کے متعلق کئی اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بلوغ کے بعد اس کا ختنہ کرنا واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک اس کا مذکر یا مونث ہونا معلوم نہ ہو اس کا ختنہ کرنا جائز نہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ جس آلہ سے وہ پیشاب کرے یا جماع کرے اس کا ختنہ کر دیا جائے۔

اگر کوئی شخص بغیر ختنہ کے مر جائے تو اس میں تین قول ہیں: صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ اس کا ختنہ نہ کیا جائے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ختنہ کیا جائے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ بڑے کا ختنہ کیا جائے اور چھوٹے کا ختنہ نہ کیا جائے۔

(شرح مسلم ج ا ص ۱۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

مردوں پر ختنہ کرنا واجب ہے اور عورتوں پر ختنہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کی عزت کا سبب ہے۔ امام احمد نے فرمایا: مردوں پر یہ حکم شدید ہے کیونکہ مرد جب ختنہ نہیں کرے گا تو اس کی کھال حشفہ پر لٹکی رہے گی اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کی صفائی نہیں ہو سکے گی۔ اور عورت کا معاملہ آسان ہے، ابو عبداللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرد کے معاملہ میں سختی کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: جو مرد ختنہ نہ کرائے اس کا حج ہے نہ نماز۔ حسن بصری یہ رخصت دیتے تھے کہ جو شخص اسلام لائے وہ اگر ختنہ نہ کرائے تو کچھ حرج نہیں ہے، وہ کہتے تھے کہ کئی سیاہ فام اسلام لائے اور ان میں سے کسی کی تفتیش نہیں کی گئی اور نہ ان کا ختنہ کرایا گیا، اور اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ شرمگاہ کا چھپانا واجب ہے تو اگر ختنہ کرنا واجب نہ ہوتا تو ختنہ کرنے کے لیے مختون کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز نہ ہوتا، نیز یہ مسلمانوں کے شعار میں سے ہے، اس لیے دیگر شعائر کی طرح یہ بھی واجب ہوگا اور اگر کوئی بوڑھا شخص مسلمان ہو اور ختنہ کرنے سے اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس سے ختنہ کا حکم ساقط ہو جائے گا جیسا کہ غسل، وضوء وغیرہ کا حکم جان کے خطرہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اس کو خطرہ نہ ہو تو پھر ختنہ کرنا لازم ہے۔ حنبل نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے ذمی کے متعلق سوال کیا جب وہ مسلمان ہو تو آیا اس کا ختنہ کیا جائے گا؟ انہوں نے کہا: اس کے لیے ختنہ ضروری ہے، میں نے پوچھا: اگر وہ بوڑھا ہو یا بوڑھی ہو؟ انہوں نے کہا: ان کے لیے ختنہ کرانا مستحب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کرایا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ (حج: ۷۸) (تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)۔

اور عورتوں کے حق میں بھی ختنہ مشروع ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور مرد کی ختنہ کی جگہ عورت کی ختنہ کی جگہ کو چھو لے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ عورتیں بھی ختنہ کراتی تھیں۔ اور خلال نے اپنی سند کے ساتھ حضرت شداد بن اوس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے تکریم ہے۔

(المغنی ج ا ص ۶۴ - ۶۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

ولادت کے دن ختنہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ یہود کے افعال سے ہے، یہ اس وقت کرنا مستحب ہے جب بچہ کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے۔ (یعنی سات سال کی عمر میں) مردوں کا ختنہ کرنا سنت ہے اور عورتوں کا ختنہ کرنا مستحب ہے اور مستحب یہ ہے کہ عورت کی کھال کاٹنے میں مبالغہ نہ کرے۔ (الشرح الکبیر ج ا ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

عرب عورتوں کا ختنہ بھی کرتے ہیں، جصاص نے کتاب ادب القضاء میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے مکرمت (فضیلت) ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۳۵۷، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

عالمگیری میں ہے:

ختنہ کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ختنہ کرنا سنت ہے۔ غرائب میں مذکور ہے یہی صحیح قول ہے، ختنہ کرنے کے لیے مستحب وقت سات سال سے لے کر بارہ سال کی عمر ہے، سراجیہ میں ہے: یہی مختار قول ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ولادت سے لے کر سات سال کی عمر تک ختنہ کرنا جائز ہے، اسی طرح جواہر الفتاویٰ میں ہے۔ عورتوں کے ختنہ کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ سنت ہے۔ شمس الائمہ حلوانی نے خصاف کی ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ عورتوں کا ختنہ کرنا مکرمت (فضیلت) ہے۔ کسی لڑکے کا ختنہ کیا گیا اور پوری کھال نہیں کٹی تو اگر نصف سے زیادہ کھال کٹ گئی ہے تو یہ ختنہ ہے اور اگر نصف یا نصف سے کم کھال کٹی ہے تو یہ ختنہ نہیں ہے۔ (خزانۃ المفتیین) صلوٰۃ النوازل میں مذکور ہے: ایک بچہ کا ختنہ نہیں کیا گیا اور اب شدت سے کھینچنے کے سوا اس کی کھال کو کاٹا نہیں جا سکتا اور اس کا حشفہ ظاہر ہو اور دیکھنے میں وہ مختون معلوم ہو تو ختنہ کے ماہرین کو دکھایا جائے، اگر وہ کہیں کہ اس کا ختنہ کرنا مشکل ہے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ بوڑھا اور کمزور شخص اسلام لایا تو اگر ماہرین نے کہا کہ یہ ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ عذر کی وجہ سے واجب کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے تو سنت کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

(خلاصہ): ایک قول یہ ہے کہ جب بوڑھا شخص خود ختنہ کر سکتا ہو تو کرلے ورنہ چھوڑ دے۔ ہاں اگر اس کے لیے ممکن ہو تو وہ شادی کرلے یا ختنہ کرنے والی باندی کو خرید لے اور وہ اس کا ختنہ کر دیں۔ بچہ کا ختنہ نہیں کیا گیا پھر کھال بڑھ گئی، اگر اس کھال نے حشفہ کو ڈھانپ لیا ہے تو اس کا دوبارہ ختنہ کیا جائے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۷، مطبع کبریٰ امیریہ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

۶۲۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَ ثَمَانِينَ سَنَةً وَاخْتَتَنَ بِالْقَدُومِ مُخَفَّفَةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ وَقَالَ بِالْقَدُّومِ مُشَدَّدَةً وَهُوَ مَوْضِعٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے خبر دی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی (۸۰) سال کی عمر کے بعد ختنہ کیا، اور انہوں نے مقامِ قدوم میں ختنہ کیا تھا۔

امام ابوعبداللہ بخاری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے حدیث

[صحیح بخاری: ۳۳۵۶، ۶۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۳۷۰، مسند احمد: ۹۴۳۶]

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المغیرہ نے حدیث بیان کی از ابی الزناد اور کہا "القدوم" مشدد ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے۔

صحیح البخاری: ۶۲۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت باب کے جز و اول کے ساتھ ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی عمر کے بعد ختنہ کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے متعلق روایات

اس حدیث میں مذکور ہے "بعد ثمانین سنة" (یعنی اسی سال کے بعد)۔ امام مالک نے الموطا میں از ابی الزناد الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موقوفاً روایت کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ۱۲۰ سال کی عمر میں ختنہ کیا اور مقامِ قدوم میں ختنہ کیا۔ اور اس کے بعد ۸۰ سال تک زندہ رہے۔

اور فوائدِ ابن السماک میں از ابواویس از ابوالزناد اسی سند کے ساتھ یہ روایت مرفوعاً مذکور ہے۔

اور اکثر روایات میں یہ مذکور ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا۔ اور بعض علماء نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال تک زندہ رہے۔ اسی سال غیر مختون تھے اور ان میں سے ایک سو بیس سال ختنہ کے ساتھ تھے۔ اور پہلی روایت کا معنی یہ ہے کہ جب ان کی عمر کے اسی سال گزر گئے تو انہوں نے ختنہ کیا۔ اور دوسری روایت کا معنی یہ ہے کہ جب ان کی عمر کے ایک سو بیس سال باقی تھے تو انہوں نے ختنہ کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان دو حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت اس وقت ہوگی جب یہ دونوں صحت کے درجہ میں مساوی ہوں اور اس باب کی حدیث چونکہ صحیح بخاری کی ہے تو دوسری حدیث اس کے مزاحم نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

قدوم کے معنی کی تحقیق

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدوم میں ختنہ کیا"۔ کہا گیا ہے کہ "القدوم" بڑھئی کے آلہ کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اگر القدوم تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی آلہ ہے اور اگر یہ قدوم ہو یعنی تشدید کے ساتھ تو پھر یہ جگہ کا نام ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دونوں معنی کا اتفاق ہے، یعنی انہوں نے آلہ کے ساتھ ایک جگہ میں ختنہ کیا۔ اور یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ القدوم کا معنی کلہاڑی ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ القدوم ایک بستی ہے اور الحازمی سے روایت ہے کہ یہ حلب (شام) کی بستی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مجلس ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۲۹۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِثْلُ مَنْ أَنْتَ حِينَ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ أَنَا يَوْمَئِذٍ مَخْتُونٌ قَالَ وَكَانُوا لَا يَخْتِنُونَ الرَّجُلَ حَتَّى يُدْرِكَ۔ (صحیح بخاری: ۶۳۰۰، مسند احمد: ۲۴۷۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عباد بن موسیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے خبر دی از اسرائیل از ابی اسحاق از سعید بن جبیر، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی کیا عمر تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرا اس وقت ختنہ ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے کہا کہ لوگ آدمی کا اس وقت تک ختنہ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے۔

صحیح البخاری: ۶۲۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبدالرحیم، جن کو صاعقۃ البغدادی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عباد بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ الختلی ہیں۔ اور یہ امام بخاری کے نچلے مشائخ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن یونس ہیں، وہ اپنے دادا ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری ان سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ختنہ ہو چکا تھا"۔
پس اگر تم یہ سوال کرو کہ سعید بن جبیر نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور اس وقت میری عمر دس سال تھی اور ان سے عبیداللہ بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس منیٰ میں حاضر ہوا اور اس وقت

میں بلوغت کے قریب تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ صحیح اور محفوظ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی، کیونکہ ارباب السیر (یعنی سیرت نگاروں) نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے اور وہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ لہٰذا ان کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیرہ سال ہوئی۔ اور جس حدیث میں ہے کہ میں اس وقت دس سال کا تھا تو انہوں نے کسر (یعنی تین کے عدد کو) کو ساقط کر دیا۔ علاوہ ازیں امام احمد نے ایک اور سند سے روایت کی ہے کہ ان کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "عرب اس وقت تک ختنہ نہیں کرتے تھے جب تک کہ لڑکا بالغ نہ ہو جائے"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۰۔ وَقَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قُبِضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا خَتِينٌ۔

اور ابن ادریس نے کہا از والد خود از ابی اسحاق از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں اس وقت ختنہ شدہ تھا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۹۹، ۶۳۰۰، مسند احمد: ۲۳۷۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ختنہ کے شرعی حکم کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

ہمارے نزدیک مردوں اور عورتوں پر ختنہ کرنا واجب ہے، یہی ظاہر اقوال ہے۔ (المجموع ج ۱ ص ۳۴۹۔ ۳۴۸)

دوسرا قول یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں میں ختنہ کرنا سنت ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے: مردوں پر ختنہ کرنا واجب ہے اور عورتوں پر سنت ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۱۵)

اور دوسرا قول امام مالک اور فقہاء احناف کا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ فطرت پانچ چیزیں ہیں۔ پس حدیث میں ختنہ کا ذکر ہے اور فطرت کا معنی ہے سنت، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سنتوں میں سے شمار کیا ہے جن کی فطرت کی طرف اضافت کی ہے۔

(مواہب الجلیل ج ۴ ص ۳۹۵، المنتقی ج ۷ ص ۲۳۲، الاستذکار ج ۸ ص ۳۳۸، حاشیۃ الدسوقی ج ۱ ص [illegible])

اور مرفوعاً روایت ہے کہ ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے تکریم ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۷۵، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴، امام بیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ جب بھی دو مسلمان ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ختنہ کرنے کا حکم نہیں دیا اور اگر ختنہ فرض ہوتا تو آپ اس کو ترک نہ فرماتے۔ اور امام شافعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ (النحل: ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں ختنہ کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے مقامِ قدوم میں خود اپنا ختنہ کیا جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملت کا اصل معنی شریعت اور توحید ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ ملتِ ابراہیم میں فرائض بھی ہیں اور سنن بھی ہیں۔ پس جائز ہے کہ ختنہ کرنا سنتوں میں سے ہو۔

اور فطرت سے مراد ہے فطرتِ اسلام، اور یہ اسلام کی سنتیں ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (فاطر: ۱) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔

اور ختنہ کرنا اس شخص کے مسلمان ہونے کی علامت ہے جو اسلام میں داخل ہو، لہٰذا ختنہ کرنا شعائرِ مسلمین میں سے ہے۔

اور القزاز نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ فطرت سے مراد یہاں پر وہ وصف ہے جس وصف پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اور ان کی طبیعت کو پیدا کیا ہے۔ اور انسان کے جسم میں جو چیز اس کی زینت میں سے نہ ہو، وہ مکروہ ہے۔

ختنہ کرنے کے وقت کے متعلق فقہاء کا اختلاف

ختنہ کرنے کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک بلوغ کے بعد ختنہ کرنا چاہیے۔ اور ولادت کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے، کیونکہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ولادت کے ساتویں دن کیا۔ اس حدیث کی امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۲۳۷)

اور اللیث نے کہا: لڑکے کا ختنہ سات سال سے دس سال کی عمر تک کرنا چاہیے۔ اور امام مالک نے کہا: ہمارے شہر میں عام لوگ اس وقت ختنہ کرتے ہیں جب بچے کے دانت نکل آتے ہیں۔ (المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۳۲)

اور مکحول نے کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا سات دن میں ختنہ کیا، اور اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں کیا۔ اور امام ابوجعفر نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹوں کا ختنہ ساتویں دن کرتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۲۴۸)

اور حسن بصری نے اور امام مالک بن انس نے ساتویں دن ختنہ کو مکروہ کہا ہے۔ (المنتقیٰ ج ۷ ص ۲۳۲)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا تھا، یہ ہم پر واجب نہیں ہے، کیونکہ عام لوگ اسی (۸۰) سال تک نہیں پہنچتے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ختنہ کیا جب ان کی طرف اس کی وحی کی گئی تھی، سو انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا۔ اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ ختنہ جلد کر لینا چاہیے، کیونکہ اس عضو کو جماع کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بلوغت کے قریب ختنہ کیا اور انہوں نے کہا کہ جب مرد کو سمجھ آ جائے تو اسے ختنہ کر لینا چاہیے، کیونکہ اس میں صفائی ہے تا کہ وضو کے وقت مکمل طہارت ہو جائے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ اس کھال کو کم عمری میں کاٹ لینا چاہیے تا کہ بچہ پر درد کم ہو اور اس کا عضو بھی کمزور ہوتا ہے اور اس کی سمجھ بھی کم ہوتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۵۹۔ ۱۶۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

ختنہ کے فقہی مسائل کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تحقیق

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جو کھال مرد کے آلہ کے سر کو چھپا لیتی ہے اس زائد کھال کو ختنہ کے وقت کاٹنا واجب ہے، اس طرح کہ آلہ پورا منکشف ہو جائے۔ اگر اس کے بعض حصہ کو کاٹا تو دوبارہ باقی حصہ کو کاٹنا واجب ہے۔

اور عورت میں یہ واجب ہے کہ پیشاب نکلنے کی جگہ کے اوپر کی کھال کو کاٹ دیا جائے۔ اس کی ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے اور اس پر ان کا اتفاق ہے۔ اور عورت کے متعلق مستحب یہ ہے کہ تھوڑی سی کھال کاٹی جائے اور زیادہ کھال نہ کاٹی جائے۔ اور اس پر درج ذیل حدیث سے استدلال ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت مدینہ میں ختنہ کرتی تھی، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کھال کاٹنے میں مبالغہ نہ کرنا، کیونکہ اس میں عورت کا زیادہ حصہ ہے اور اس کے شوہر کے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۷۱، المستدرک ج ۳ ص ۵۲۵، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۴)

ہمارے اصحاب نے کہا ہے: ختنہ کے وجوب کا وقت بالغ ہونے کے بعد ہے، لیکن بچہ کے سرپرست کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس کے بچپن میں ختنہ کر دے، کیونکہ اس میں آسانی ہے۔ اور صاحب الحاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں حدیث وارد ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۲ ص ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ختنہ کے متعلق فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابن القصار نے کہا ہے: امام مالک اور فقہاء احناف کے نزدیک ختنہ کرنا سنت ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ختنہ کرنا فرض ہے۔ امام مالک اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فطرت پانچ چیزیں ہیں اور ان میں آپ نے ختنہ کا ذکر فرمایا اور ''الفطرۃ'' سنت کو کہتے ہیں، کیونکہ آپ نے ختنہ کو سنتوں میں سے قرار دیا ہے۔ اور جب حضرت سلمان فارسی نے اسلام قبول کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ختنہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور اگر ختنہ کرنا فرض ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کے بیان کرنے کو ترک نہ فرماتے۔

اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ (النحل: ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں ختنہ کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے مقامِ قدوم میں خود اپنا ختنہ کیا جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملت کا اصل معنی شریعت اور توحید ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ ملتِ ابراہیم میں فرائض بھی ہیں اور سنن بھی ہیں۔ پس جائز ہے کہ ختنہ کرنا سنتوں میں سے ہو۔

اور فطرت سے مراد ہے فطرتِ اسلام، اور یہ اسلام کی سنتیں ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (فاطر: ۱) تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔

اور ختنہ کرنا اس شخص کے مسلمان ہونے کی علامت ہے جو اسلام میں داخل ہو، لہٰذا ختنہ کرنا شعائرِ مسلمین میں سے ہے۔

اور القزاز نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ فطرت سے مراد یہاں پر وہ وصف ہے جس وصف پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اور ان کی طبیعت کو پیدا کیا ہے۔ اور انسان کے جسم میں جو چیز اس کی زینت میں سے نہ ہو، وہ مکروہ ہے۔

ختنہ کرنے کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اللیث نے کہا: لڑکے کا سات سال کی عمر سے لے کر دس سال کی عمر تک ختنہ کیا جائے اور امام مالک نے کہا: ہمارے شہر کے عام لوگ اس وقت ختنہ کرتے ہیں جب بچہ دانت نکالتا ہے۔ اور مکحول نے کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کا ختنہ سات دن بعد کیا اور اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل کا ختنہ تیرہ سال کی عمر میں کیا۔

اور امام ابوجعفر نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کا ختنہ ساتویں دن کیا۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسی سال کے بعد ختنہ کیا تھا، یہ ہم پر واجب نہیں ہے، کیونکہ عام لوگ اسی (۸۰) سال تک پہنچنے سے پہلے فوت ہوجاتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اس وجہ سے ختنہ کیا تھا کہ ان پر اس وقت اسی عمر میں یہ حکم نازل ہوا تھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ختنہ کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

اس حدیث میں فطرت کا ذکر ہے، فطرت کی دو قسمیں ہیں: فطرتِ باطنہ اور فطرتِ ظاہرہ۔

فطرتِ باطنہ کی تعریف اور اس کے متعلق قرآن مجید اور حدیث کی تصریح

فطرتِ باطنہ، دل کو شرک سے پاک کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ سو آپ باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دینِ حق پر

النَّاسَ عَلَيْهَا ط (الروم: ۳۰) قائم رکھیں۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ الفطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۸، صحیح مسلم: ۲۶۵۸، مسند احمد: ۷۶۵۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۴)

فطرت ظاہرہ کی تعریف

فطرتِ ظاہرہ یہ ہے کہ یہ ظاہرِ جسم کی پاکیزگی اور صفائی ہے اور ان میں سے یہ پانچ چیزیں بھی ہیں۔ اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ دس چیزیں فطرت ہیں۔ ان میں پہلی چیز ختنہ ہے۔

ختنہ کے مسائل

ختنہ مرد اور عورت دونوں میں ہوتا ہے، مرد میں ختنہ یہ ہے کہ آلہ کے سر کے اوپر جو کھال آلہ کے سر کو چھپا لیتی ہے اور اس کو القلفہ کہتے ہیں، اس کو کاٹ دیا جائے۔ اور عورت میں اس کھال کے کاٹنے کو کہتے ہیں جو پیشاب نکلنے کی جگہ کے اوپر ہوتی ہے اور یہ عورتوں میں معروف ہے۔

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ختنہ آیا واجب ہے یا سنت ہے، یا مردوں کے حق میں واجب ہے اور عورتوں کے حق میں سنت ہے۔

امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ختنہ مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: بلکہ یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں سنت ہے جیسا کہ زیر ناف بالوں کو مونڈنا اور ناخنوں کو تراشنا۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ مردوں کے حق میں ختنہ کرنا واجب ہے اور عورتوں کے حق میں سنت ہے، کیونکہ مرد اس سے اتنا استفادہ کرتے ہیں جتنا عورتیں اس سے استفادہ نہیں کرتیں، کیونکہ اگر مرد کا قلفہ باقی رہے تو وہ نجاست میں لتھڑ جائے گا کیونکہ پیشاب قلفہ اور حشفہ کے درمیان داخل ہوگا اور اس جگہ کو فاسد کر دے گا، اور بسا اوقات اس سے زخم پیدا ہوگا۔ اس کے برخلاف عورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ (شرح صحیح بخاری، ج ۶ ص ۱۳۰۔ ۱۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۲۔ بَابٌ: كُلُّ لَهْوٍ بَاطِلٌ إِذَا شَغَلَهُ عَنْ طَاعَةِ اللهِ

اس کا بیان کہ ہر وہ کھیل باطل ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز رکھے

وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ۔ (لقمان: ۶)

اور جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہکائیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے"ہر لہو یعنی ہر کھیل باطل ہے"۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ کھیل جس کو مسلمان مرد کھیلتا ہے، وہ باطل ہے سوائے تیر اور کمان کے اور سوائے گھوڑے کو سدھانے کے اور سوائے اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے کے۔

جب کہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی تو امام بخاری نے اس حدیث کا ایک جز و اس باب کا عنوان قرار دیا اور اس حدیث کی"الجامع الصحیح"میں روایت نہیں کی۔

امام بخاری نے یہ قید لگائی ہے کہ جب وہ کھیل انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز رکھے تو وہ باطل ہے اور یہ قید احترازی ہے، کیونکہ اگر کوئی کھیل انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکے تو وہ مباح ہوگا اور اہل حجاز کا یہی موقف ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے دو بچیوں کے گانے بجانے کو عید کے دن جائز قرار دیا جیسا کہ کتاب العیدین میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اور مسجد میں جو حبشی جنگی مشقیں کر رہے تھے، اس کے دیکھنے کو بھی آپ نے جائز قرار دیا۔

اور اس باب کو کتاب الاستئذان میں ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ لہو اور کھیل عموماً گھروں میں ہوتے ہیں اور اسی سے جوا بھی ہے، کیونکہ وہ کسی خاص جگہ پر ہوتا ہے۔

اس باب میں یہ تعلیق ہے کہ"کسی شخص نے اپنے صاحب سے کہا: آؤ میرے ساتھ جوا کھیلو"۔

اس تعلیق سے مقصود یہ ہے کہ اس کا حکم بیان کیا جائے۔

"تعال" کہا جاتا ہے اور"تعالوا" کہا جاتا ہے اور"تعالیا" بھی کہا جاتا ہے اور اس کی مزید گردان نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کیا جو لقمان: ٦ میں مذکور ہے۔ اور اس آیت کو اس عنوان کے بعد ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو کھیل گمراہی کی طرف پہنچائے وہ باطل ہے۔ اور اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو شخص کسی کھیل کو خریدے اور اس کا مقصد گمراہ کرنا نہ ہو تو وہ مذموم نہیں ہے جیسا کہ اس باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی کھیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہ روکے تو وہ مذموم نہیں ہے۔

"لھو" کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف

اس آیت میں جس لہو کا ذکر ہے، اس کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد گانا بجانا ہے، اور انہوں نے اس پر تین بار قسم کھائی اور فرمایا کہ گانا بجانا دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے۔ مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گانے بجانے کو سننا یہ لہو ہے اور اسی کی مثل باطل چیزوں کو سننا لہو ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جو غنا آدمی کو مشغول کر دے اور ابن جریج سے منقول ہے کہ اس سے مراد طبل یعنی ڈھولک ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک باندی کو خرید ا جو رات دن گاتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے جو فارس میں تجارت کے لیے جاتا تھا اور وہاں سے عجمیوں کی قصہ کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا، پھر وہ قریش کو پڑھ کر سناتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد اور ثمود کی کہانیاں سناتے ہیں، میں تم کو رستم اور بہرام کی کہانیاں سناتا ہوں، اور بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں، تو لوگ اس کی کہانیوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننے کو چھوڑ دیتے۔

نیز اس آیت میں فرمایا "تا کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے"۔ امام بخاری نے اسی سے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جو کھیل اللہ کی اطاعت سے باز رکھے اور روکے، وہ باطل ہے۔

اس آیت میں "سبیل اللہ" کا لفظ ہے، اس سے مراد قرآن ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دینِ اسلام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۴۔ ۴۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تم میں سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی، اسے چاہیے کہ وہ کہے لا الٰہ الا اللہ۔ اور جس نے اپنے صاحب سے کہا: آؤ! میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں، تو وہ صدقہ کرے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۶۰، ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۵۴۵، سنن نسائی: ۳۷۷۵، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶، مسند احمد: ۸۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۳۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ "جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھائے، وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہے" اور لات اور عزیٰ کی قسم کھانا یہ حق سے اعراض کرنا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

بتوں کی قسم کھانے کی تلافی اور تدارک

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیقل لا الہ الا اللہ" کیونکہ جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اس نے صورتاً بتوں کی تعظیم کی جب اس نے ان بتوں کے نام کا حلف اٹھایا، تو اس کو کلمہ توحید پڑھنے کا حکم دیا تاکہ بتوں کی قسم کھانے کے فعل کی تلافی اور تدارک ہو، کیونکہ اس کا کفارہ ہے کلمۂ شہادت۔ اور جس نے جوا کھیلنے کی دعوت دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ صدقہ دے، کوئی چیز بھی صدقہ کر دے جس پر صدقہ کا اطلاق ہو سکے۔

جوئے کے حرام ہونے کا بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں (میں) سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○

اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ "المیسر" سے مراد یہاں پر "القمار" یعنی جوا ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جوا کھیلتے تھے اور ہارنے والا جیتنے والے کو ایک مقرر شدہ رقم ادا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے افعال جاہلیت کو منسوخ قرار دیا اور قمار کو حرام کر دیا۔ اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، یہ اس کے عوض ہے کہ انہوں نے جوئے کو مباح کر لیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا۔ اور کفارہ گناہ کی جنس سے ہوتا ہے، کیونکہ جوا کھیلنے والا یا غالب ہوگا یا مغلوب ہوگا۔ اگر وہ غالب تھا تو اس کے ہاتھ میں جو جوئے کی رقم آئی ہے، اس رقم کو صدقہ کر کے وہ جوا کھیلنے کی تلافی کرے گا، اور اگر وہ مغلوب تھا تو اس کا صدقہ دینا اللہ کی رضا کے لیے زیادہ لائق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۵۔۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لہو کی تفسیر میں مفسرین کی عبارات

امام طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: لہو سے مراد غنا ہے اور اس پر انہوں نے تین بار قسم کھائی۔

(تفسیر الطبری: ۲۸۰۴۰، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳)

نیز علامہ طبری نے بیان کیا ہے کہ ضحاک نے کہا ہے کہ اس آیت میں لہو سے مراد شرک ہے۔ (تفسیر الطبری: ۲۸۰۶۴)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غنا دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے۔

(سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۳)

اور مجاہد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس آیت میں "لهو الحديث" سے مراد غنا کو سننا ہے یا اس کی مثل کسی باطل چیز کو سننا

ہے۔ (تفسیر الطبری: ۲۸۰۵۷)

علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے: اور القاسم بن محمد نے کہا کہ غنا باطل ہے اور باطل دوزخ میں ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

ایک قول یہ ہے کہ جس نے قلیل مقدار میں غنا کیا تا کہ اپنے نفس کو راحت پہنچائے اور اس سے اطاعت پر مدد حاصل کرے تو یہ جائز ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ اگر کم مقدار میں غنا ہو تو پھر بھی ناجائز ہے، تا کہ حرام کام کا راستہ نہ کھلے اور اس کا سد باب ہو۔

اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ''لہو'' جب تھوڑی مقدار میں ہو اور اطاعت سے مشغول نہ کرے اور اللہ کے ذکر سے نہ روکے تو وہ حرام نہیں ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ شارع علیہ السلام نے عید کے دن دو لڑکیوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے غنا کے سننے کو جائز قرار دیا، کیونکہ وہ دن عید کا تھا۔ (صحیح البخاری: ۹۴۹)

اور اسی طرح شارع علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے حبشیوں کے جنگی کھیل کی مشقوں کو مسجد میں دیکھنا جائز قرار دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھپایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئیں، آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم کو یہ کافی ہے؟ (صحیح البخاری: ۹۵۰)

اسی طرح جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک انصاری مرد کی بیوی کی شب زفاف میں گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی لہو نہیں ہے، کیونکہ انصار لہو سے خوش ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۱۶۲)

اور اس سے پہلے سنت العیدین کے باب میں گزر چکا ہے کہ تھوڑے سے غنا کی رخصت ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کون سا غنا مکروہ ہے۔ پس یہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ تھوڑا سا غنا اور لہو جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس کی اطاعت سے نہ روکے، وہ مباح ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہلِ حجاز نے غنا کے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ امام مالک سے کہا گیا کہ اہلِ مدینہ غنا کا سماع کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک فاسق و فاجر لوگ غنا کا سماع کرتے ہیں۔ (تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

امام اوزاعی نے کہا ہے: آلاتِ لہو کے سماع کے متعلق اہلِ حجاز کے قول کو ترک کر دیا جائے گا۔

علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے بانسری وغیرہ کے سماع کے متعلق سوال کیا گیا جن کے سننے سے تم کو لذت حاصل ہوتی ہے جب کہ تم بازار میں ہو یا مجلس میں ہو، کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ وہ اس راستہ کو چھوڑ دے یا اس مجلس سے اٹھ جائے، تو امام مالک نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے سوا اس کے کہ وہ کسی کام کی وجہ سے بیٹھا ہوا ہو، یا ایسی حالت پر ہو کہ اٹھ نہ سکتا ہو۔ اسی وجہ سے جو آدمی راستہ میں ہو وہ بانسری وغیرہ کی آواز سنے تو وہاں سے لوٹ جائے۔

محمد بن المنکدر سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''میرے وہ بندے کہاں ہیں جو اپنی جانوں کو لہو اور مزامیر شیطان کے سننے سے دور رکھتے تھے، میں ان کے لیے مشک کے باغات حلال کرتا ہوں اور انہیں خبر دو کہ میں نے ان کے اوپر اپنی رضا کو حلال کر دیا ہے''۔ (مسند ابن الجعد: ۱۶۸۲)

جوئے اور دیگر لہو کے کھیلوں کے متعلق فقہاء کی عبارات

امام مالک نے چوسر اور دیگر باطل کھیلوں کے ساتھ کھیلنے کو مکروہ کہا ہے۔(المنتقی ج ۷ ص ۲۸۷، الذخیرہ ج ۱۳ ص ۲۸۳)

اور امام مالک نے یہ آیت تلاوت کی:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (یونس:۳۲) تو حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا اور کیا ہے۔

اور امام مالک نے کہا: جو آدمی دائماً لہو و لعب میں مشغول رہے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

(تفسیر القرطبی ج ۱۴ ص ۵۲)

اور امام شافعی نے کہا: جب لہو و لعب میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ نماز اپنے وقت میں نہ پڑھ سکے تو اس کی شہادت جائز نہیں ہے۔(کتاب الام ج ۶ ص ۲۲۴)

اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ چوسر کے ساتھ کھیلنا مکروہ ہے۔

اور ابوثور نے کہا ہے: جس نے بعض لہو کھیلے حتیٰ کہ نماز کا وقت گزر گیا تو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔اور علماء نے بطور استحباب اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا اور کسی قول پر مواخذہ نہیں فرماتا حتیٰ کہ اس کا فعل اس کے قول کی تصدیق کرے یا تکذیب کرے، حتیٰ کہ اگر ایک مرد نے کسی عورت سے کہا: آ میں تیرے ساتھ زنا کرتا ہوں یا شراب پیتا ہوں اور اس نے ایسا کیا نہیں تو نہ اس پر دنیا میں اور نہ آخرت میں سزا ہوگی، جب کہ وہ کبائر سے بچتا ہو۔لیکن مستحب یہ ہے کہ جس کی زبان سے ایسی بات جاری ہو اور اس کا دل بھی اس کی نیت کرے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ صدقہ کرے اور یہ صغیرہ گناہوں میں سے ہوگا۔ اور اسی طرح جس نے لات اور عزیٰ کا حلف اٹھایا تو اس پر لازم ہے کہ وہ کلمہ شہادت پڑھے، تا کہ اس کی زبان سے جو شرکیہ کلمہ صادر ہوا ہے وہ منسوخ ہو جائے۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۶۳۔۱۶۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

غنا، سماع اور وجد کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ غنا قلب کا جاسوس ہے اور یہ مروت اور عقول کو چرا لیتا ہے اور دلوں میں جوش پیدا کرتا ہے۔اور دل کے رازوں پر مطلع ہوتا ہے اور دل میں جو عوئی اور شہوت وغیرہ مرکوز ہوتی ہے، اس کو منتشر کرتا ہے۔جب کوئی شخص غنا کو سنتا ہے تو اس کی عقل اور حیاء کم ہو جاتی ہے۔اور اس کی مروءۃ اور رونق رخصت ہو جاتی ہے۔اور جن چیزوں کو وہ غناء سے پہلے قبیح جانتا تھا ان کو مستحسن جانتا ہے اور بسا اوقات اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجاتا ہے اور پیروں سے زمین کو کوٹتا ہے۔فقہاء کا اس کے حکم میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس کی تحریم منقول ہے۔القاضی ابوالطیب علامہ القرطبی الماوردی اور قاضی عیاض نے اسی طرح لکھا ہے۔

غنا اور سماع کے حکم کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

الفتاویٰ التاتارخانیہ میں مذکور ہے: جان لو کہ تمام ادیان میں گانا بجانا حرام ہے اور الزیادات میں مذکور ہے کہ گانے والے مردوں اور گانے والی عورتوں کے لیے وصیت کرنا ہمارے اور اہل کتاب کے نزدیک معصیت ہے۔اور علامہ ظہیر الدین المرغینانی

سے منقول ہے، انہوں نے کہا: جس نے ہمارے زمانہ میں گانے والے کے لیے اس کے گانے کے دوران کہا ''احسنت'' یعنی بہت اچھا تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور صاحب ہدایہ اور صاحب الذخیرہ نے غنا کو گناہِ کبیرہ قرار دیا۔ یہ عید اور شادی کے موقع کے علاوہ غنا کا حکم ہے۔ اور اس میں ہمارے زمانہ کے صوفیاء کا غنا داخل ہے جو مساجد میں اور دعوات میں اشعار اور اذکار کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس میں اہلِ ھوی مختلط ہوتے ہیں۔ اور یہ ہر غناء سے زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کے ساتھ عبادت کا اعتقاد ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی تنہائی میں بیٹھ کر وحشت کو دور کرنے کے لیے اشعار گا کر پڑھے یا عید کے مواقع پر یا شادی کے مواقع پر تو اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ بھی مطلقاً ممنوع ہے۔ (تاتارخانیہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

اور الدر المختار میں مذکور ہے کہ تنہائی میں وحشت کو دور کرنے کے لیے گانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علامہ عینی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ان اشعار میں نصیحت اور حکمت ہو تو وہ اتفاقاً جائز ہیں۔ اور بعض فقہاء نے شادی کے موقع پر اشعار گا کر پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ شادی کے موقع پر دف کو بجانا جائز ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کو مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے۔ اور البحر الرائق میں مذکور ہے: مذاہب کے نزدیک غنا مطلقاً حرام ہے۔ پس اختلاف منقطع ہو گیا بلکہ ہدایہ کی ظاہر عبارت یہ ہے کہ غنا گناہِ کبیرہ ہے خواہ اپنے نفس کے لیے پڑھے۔ اور مصنف نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص غنا کا سماع کرتا ہے یا مجلسِ غنا میں بیٹھتا ہے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ (الدر المختار کی عبارت ختم ہوئی)

اور امام ابوبکر الطرسوسی نے اپنی کتاب ''تحریم السماع'' میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ غنا کو مکروہ قرار دیتے تھے اور اس کو گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ اسی طرح اہلِ کوفہ کا مذہب ہے جن میں سفیان، حماد، ابراہیم اور شعبی وغیرہ ہیں۔ ان کا غنا کی کراہت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہم اس کی کراہت میں اہلِ بصرہ کے اختلاف کو اور ان کے منع کرنے کو نہیں جانتے۔ اور ان کی مراد کراہت سے کراہتِ تحریمی ہے اور متقدمین بہ کثرت مکروہ بول کر حرام مراد لیتے تھے۔ اور انہوں نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے غنا اور اس کے سماع سے منع فرمایا ہے، انہوں نے کہا کہ جب کسی شخص نے باندی خریدی اور اس کو مغنیہ پایا تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس باندی کو اس کے عیب کی وجہ سے واپس کر دے۔ اور ان سے سوال کیا گیا کہ اہلِ مدینہ غنا کی رخصت دیتے ہیں تو انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک فساق غنا کے ساتھ شغل کرتے ہیں۔ اور انہوں نے تمام حنبلیوں کی طرف غنا کی تحریم کو نقل کیا ہے جیسا کہ المقنع کے شارح نے نقل کیا ہے۔

غنا اور سماع کے حکم کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ اور فقہاءِ شافعیہ کی تصریحات

شیخ ابن تیمیہ نے ''کتاب البلغة'' میں ذکر کیا ہے کہ اکثر اصحابِ حنبلیہ غنا کی تحریم پر متفق ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد یعنی امام احمد بن حنبل سے غنا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: غنا قلب میں نفاق پیدا کرتا ہے اور انہوں نے امام مالک کے اس قول کو نقل کیا کہ غنا ہمارے نزدیک فساق کا شیوہ ہے اور المحاسبی نے رسالۃ الانشاء میں لکھا کہ غنا مردے کی طرح حرام ہے۔ اور الطرسوسی نے کتاب ادب القاضی میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ غنا لہوِ مکروہ ہے جو باطل کے مشابہ ہے۔ اور جس نے بہ کثرت غنا یا سماع کیا تو وہ جاہل ہے، اس کی شہادت مردود ہے۔ اور اس میں مذکور ہے کہ امام شافعی کے مذہب کے عارفین نے کہا ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ غنا حرام ہے۔ اور انہوں نے ان فقہاء پر انکار کیا جنہوں نے

امام شافعی کی طرف غنا کے حلال ہونے کو منسوب کیا ہے جیسا کہ قاضی ابوالطیب اور الطبری اور الشیخ ابواسحاق۔ اور امام بغوی کے بعض تلامذہ نے اپنی کتاب ''التقریب'' میں لکھا ہے کہ غنا حرام ہے، اس کا فعل بھی اور اس کا سماع بھی۔ اور علامہ ابن الصلاح نے اپنے فتاوی میں طویل بحث کے بعد لکھا ہے: ''پس یہ سماع مسلمین کے اہل الحل والعقد کے اجماع سے حرام ہے''۔

اور میں نے فاضل مناوی کی جامع صغیر کی شرح کبیر میں دیکھا ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ غنا اس وقت مکروہ تنزیہی ہے جب فتنہ سے مامون ہو۔ اور المنہاج میں مذکور ہے: بغیر آلہ کے غنا مکروہ ہے۔ علامہ نووی شافعی اور علامہ رافعی شافعی نے لکھا ہے کہ غنا معصیت ہے اور یہ اس پر محمول ہے جس میں شراب کی صفت ہو یا کسی بے ریش لڑکے کی تعریف ہو یا اجنبی عورت کی صفت ہو اور اس قسم کی چیزیں جو عموماً معصیت پر برانگیختہ کرتی ہیں۔ اور انہوں نے جو کہا ہے کہ بغیر آلہ کے اشعار پڑھنا اور گانا مکروہ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آلات کے ساتھ گانا بجانا حرام ہے۔ اور علامہ الزرکشی نے کہا ہے کہ قیاس یہ ہے کہ فقط آلات کو بجانا حرام ہے اور نفس غنا مکروہ ہے۔ (شیخ ابن تیمیہ کی عبارت ختم ہوئی)

سماع کے متعلق علماء کی عبارات

علامہ العز بن عبدالسلام سے محبت کے اشعار کے سماع اور رقص کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: رقص بدعت ہے اور اس کو وہی اختیار کرے گا جو ناقص العقل ہوگا۔ پس عورتوں کے سوا کسی کا رقص کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رہا ان اشعار کا سننا جو عمدہ احوال کی تحریک پیدا کرتے ہیں اور امور آخرت کی یاد دلاتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ سستی کے وقت ان کا سننا مستحب ہے۔ اور جس کے قلب میں خبیث خواہش ہو وہ محفل سماع میں حاضر نہ ہو۔ اور نیز انہوں نے کہا کہ سامعین اور مسموع کے اختلاف سے سماع کا حکم مختلف ہے۔ جو عارفین باللہ ہیں ان کا سماع ان کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، پس جس پر خوف خدا کا غلبہ ہو تو اس میں سماع کا اثر ہوتا ہے جب اس کے سامنے اللہ کے خوف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور غم کرنے کا اور رونے کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اور وہ یا تو عذاب کا خوف ہوتا ہے یا ثواب نہ ملنے کا خوف ہوتا ہے۔ اور ان میں قرآن کی تاثیرات زیادہ غالب ہوتی ہیں۔

اور قاضی حسین نے از جنید قدس سرہٗ نقل کیا ہے کہ لوگ سماع کرتے ہیں۔ رہے عوام تو ان کے اوپر سماع حرام ہے اور رہے زاہدین تو ان کے لیے سماع مباح ہے، کیونکہ اس سے ان کے مجاہدات میں مدد ہوتی ہے اور رہے عارفین تو ان کے لیے سماع مستحب ہے، کیونکہ اس سے ان کے قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ابوطالب مکی نے ذکر کیا ہے اور علامہ السہروردی نے عوارف المعارف میں ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت جنید نے حرام سے اس کے اصطلاحی معنی کا ارادہ کیا ہے۔ نیز حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ مبتدی کے لیے گمراہی ہے اور منتہی کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اور علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سماع کی کئی شرائط ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ سماع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت ہوتا کہ ان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کیا ہیں اور صفات افعال کیا ہیں اور ان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ سبحانہ کے حق میں کس قسم کی نعت جائز نہیں ہے اور کس قسم کا وصف بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کن اسماء کا اطلاق جائز ہے اور کن اسماء کا اطلاق ممنوع ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ سماع کی یہ شرائط اہل تحسین میں سے ذوالعقول کے لیے

ہیں۔اور اہلِ حقائق کے نزدیک سماع کی شرط یہ ہے کہ صدق مجاہدہ سے نفس فانی ہو چکا ہو، پھر مشاہدہ کی رو سے دل کی حیات ہو۔ اور جس کو ان چیزوں کا پتانہ ہو اس کا سماع کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔انہوں نے اس مسئلہ میں طویل بحث کی ہے، پھر لکھا ہے کہ اکثر صوفیاء کے نزدیک اس زمانہ میں سماع حرام ہے، کیونکہ اس کی شرائط پائی نہیں جاتیں۔

سماع اور وجد کے متعلق ایک جھوٹی روایت اور اس کا ابطال

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

تعجب اس پر ہوتا ہے کہ بعض لوگ سماع اور تواجد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انہوں نے عطیہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کے پاس گئے اور وہاں بیٹھے اور آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اشعار پڑھے تو کسی نے ایک شعر پڑھا:

لسعت حیة الهوی کبدی ولا طبیب لها ولا راق

الا الحبیب الذی شغفت به فعنده رقیتی وتریاقی

ترجمہ: خواہش کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا اور اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی دم کرنے والا ہے،

سوا اس محبوب کے جس پر میں عاشق ہوں اور اسی کے پاس اس ڈنک کا دم ہے اور تریاق ہے۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور آپ جھومنے لگے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک آپ کے کندھے سے گر گئی، پس اصحابِ صفہ نے اس چادر کو لے لیا اور اس کے چار سو ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لیے۔

اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! یہ صریح جھوٹ ہے اور قبیح تہمت ہے اور اہلِ سنت کے محدثین کے اجماع کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور میرا یہی گمان ہے کہ اس کو زندیقوں نے وضع کر لیا ہے اور یہ قرآن عظیم ہے جس کی جبریل علیہ السلام تلاوت کرتے تھے اور اس کو متعدد اصحاب سنتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی پر ایسا حال طاری نہیں ہوتا تھا۔اور وہ جو انہوں نے ان دو شعروں میں سماع کا ذکر کیا ہے، سو اللہ پاک ہے اور یہ بہتان عظیم ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ اب غنا اور سماع کے اندر عام لوگ مبتلا ہو چکے ہیں، تمام شہروں میں اور تمام جگہوں میں حتیٰ کہ مساجد بھی اس سے منزہ نہیں ہیں، بلکہ گانے والے اوقاتِ مخصوصہ میں منبر پر گاتے ہیں اور ان کے گانوں میں شراب کی اور دیگر ممنوعات کی صفات ہوتی ہیں۔اور اس کے باوجود وقف کی آمدنی سے اس کے لیے حصہ مقرر کیا جاتا ہے۔

اور سب سے قبیح بات یہ ہے کہ ابلیسی صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ ہم خمر سے مراد محبتِ الٰہی کی شراب لیتے ہیں اور سکر سے مراد محبتِ الٰہی کے غلبہ کو مراد لیتے ہیں اور محبوب سے مراد محبوبِ اعظم ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے۔اور یہ سب ان کی خرافات ہیں۔

اور بعض علماء نے تالیاں بجانے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں پر مشابہت اختیار کرتی ہیں اور مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں پر مشابہت اختیار کرتی ہیں۔اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے، اس سے رقص کرنا اور تالی بجانا متصور نہیں ہے اور یہ رقص کرنا اور

تالی بجانا اسی سے صادر ہوتا ہے جو جاہل ہوتا ہے۔ اور ان کی جہالت پر دلیل یہ ہے کہ شریعت میں اور کتاب وسنت میں رقص اور تالی بجانے کے متعلق کوئی ہدایت نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ ان کے متبعین میں سے کسی نے ایسا کیا۔ یہ صرف وہ جاہل اور بے وقوف کرتے ہیں جن پر حقائق ان کی خواہشات کے ساتھ مشتبہ ہو گئے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک قوم جب قرآن کو سنتی ہے تو بے ہوش ہو جاتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قرآن کریم اس سے زیادہ کریم ہے کہ اس کے سننے سے لوگوں کی عقول سلب ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِيۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ۞ (الزمر: ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے، اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "غنا دل میں نفاق کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی سبزہ کو اگاتا ہے"۔

جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں شریک ہونے کا حکم

تنویر الابصار اور اس کی شرح الدر المختار میں مذکور ہے: جس شخص کو کسی ولیمہ میں بلایا گیا اور وہاں پر لہو ولعب اور غنا ہے، اور وہ وہاں پر بیٹھا اور اس نے کھانا کھایا تو اس کو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے بلکہ وہاں سے اٹھ جانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۞ (الانعام: ۶۸)

اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد تم ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو O

اگر وہ شخص ان کو گانے بجانے سے منع کرنے پر قادر ہو تو منع کرے۔ اور اگر وہ شخص دینی پیشوا نہیں ہے تو صبر کرے، اور اگر دینی پیشوا ہے اور منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو اٹھ کر چلا جائے اور ان کے ساتھ نہ بیٹھے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے حکایت کی گئی ہے کہ اگر وہ دینی پیشوا ہے تو ایسی مجلس میں نہ بیٹھے۔ پس یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں بیٹھنا حرام ہو یا مکروہ ہو۔ اور گانے بجانے کے سنتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا مستحب ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۱۸۔ ۱۰۴ ملخصاً وملتقطاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہاں بہت طویل بحث کی ہے اور ہم نے اختصار کے ساتھ ان کے کلام میں سے ضروری مباحث کو لکھ دیا ہے۔

غنا، سماع، وجد اور تواجد کی مزید تحقیق

لہو الحدیث کا محمل غناء کو قرار دینا

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ تجارت کے لیے فارس جاتا تھا، وہاں سے عجمیوں کی خبریں خرید کر لاتا، ان کو روایت کرتا اور قریش کو سناتا، اور کہتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کی خبریں سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار کی خبریں سناتا ہوں اور عجمی بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں، لوگ اس کی خبروں اور قصوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننا چھوڑ دیتے۔ (علامہ قرطبی نے بھی یہی شانِ نزول لکھا ہے۔ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۴۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والیوں کو تعلیم دینا اور ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور اسی کی مثل میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: "اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو بہکائیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۵، سنن الکبریٰ: ج ۶ ص ۱۴، کنز العمال ج ۴ ص ۳۹)

علامہ ثعلبی لکھتے ہیں: جو شخص گانا گاتے وقت اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان بھیج دیتا ہے، ایک اس کے ایک کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا اس کے دوسرے کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور جب تک وہ گاتا رہتا ہے شیطان اس کو لاتوں سے مارتے رہتے ہیں۔

دوسرے مفسرین نے کہا: اس آیت کا محمل وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کو چھوڑ کر لہو، معازف، مزامیر اور غنا سنتے ہیں اور انہوں نے کہا اللہ کے راستہ سے مراد قرآن مجید ہے (معازف سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو ہاتھوں سے بجایا جائے اور مزامیر سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو منہ سے بجایا جائے)۔

ابو الصہبا البکری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر فرمایا: اس سے مراد غنا ہے، ضحاک نے کہا: غنا مال کو ضائع کرتا ہے، رب کو ناراض کرتا ہے اور دل کو یادِ الٰہی سے غافل کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک باندی خریدی جو اس کو دن رات گانا سناتی تھی اور ہر وہ بات جو اللہ کے راستہ سے غافل کر کے اس کے منع کیے ہوئے کام کی طرف لے جائے وہ لہو الحدیث ہے اور گانا بھی اسی قسم سے ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

غناء کی تحریم اور ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے غنا کی تحریم میں حسب ذیل آیات پیش کی ہیں:

(۱) غناء کی تحریم میں ایک یہی زیر تفسیر آیت ہے یعنی لقمان: ۶، اس آیت سے علماء نے غناء کی کراہت اور ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

(۲) وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ (النجم: ۶۱) اور تم کھیل میں پڑے ہوئے ہو ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد غنا ہے، باندی سے کہا جائے "اسمدی لنا" اس کا معنی ہے: ہمیں گانا سناؤ۔

(۳) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ۔ تو ان میں سے جن کو بھی اپنی آواز سے بہکا سکتا ہو، بہکا لے۔ (بنی اسرائیل: ۶۴)

مجاہد نے کہا: اس سے مراد غنا اور مزامیر ہیں، اس کی تفسیر سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۴۸، دار الفکر، تلبیس ابلیس ص ۲۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

غناء کی تحریم اور ممانعت میں احادیث اور آثار

علامہ قرطبی نے غنا کی تحریم اور ممانعت پر حسب ذیل احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آوازیں ملعون اور فاجر ہیں، میں ان سے منع کرتا ہوں، مزمار کی آواز اور شیطان کی آواز جو کسی نغمہ اور خوشی کے وقت ہو، اور کسی مصیبت کے وقت رونے پیٹنے اور گریبان پھاڑنے کی آوازیں۔ (امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے)۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مزامیر توڑنے کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۶۸۹، تلبیس ابلیس ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنا، مسخ اور آسمان سے پتھر برسنا ہوگا، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اور یہ کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابوں کو (کھلے عام) پیا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲، علل الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۲، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۹۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی تو ان پر بلاؤں کا نزول حلال ہو جائے گا، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون سی خصلتیں ہیں آپ نے فرمایا: (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے (۲) اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے (۳) اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے (۵) اور ماں کی نافرمانی کرے (۶) اور دوست کے ساتھ نیکی کرے (۷) اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں (۹) اور سب سے رذیل شخص کو قوم کا سردار بنا لیا جائے (۱۰) اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے (۱۱) اور شرابیں (برسر عام) پی جائیں (۱۲) اور ریشم پہنا جائے (۱۳) اور گانے والیوں (۱۴) اور آلات موسیقی کو رکھا جائے (۱۵) اور اس امت کے بعد والے پہلوں کو برا کہیں، اس وقت تم سرخ آندھیوں یا زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا انتظار کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۳۸۶، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵۸، ج ۱۲ ص ۳۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال فے (کافروں کا چھوڑا ہوا مال) کو ذاتی دولت بنا لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے، اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے، اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے، اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، اور اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے، اور مسجدوں میں آوازوں کو بلند کیا جائے اور فاسق کو قبیلہ کا سردار بنایا جائے اور قوم کا سربراہ رذیل ہو، اور کسی شخص کے شر کی بناء پر اس کی عزت کی جائے، اور گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابیں پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں، اس وقت تم سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کرو اور ان نشانیوں کا انتظار کرو جو پے در پے آئیں گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۱، المسند الجامع رقم الحدیث ۱۵۲۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی باندی کے پاس گانا سننے کے لیے بیٹھا

اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا جائے گا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۴۲۸، جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۰۲۴۰، حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن عساکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے ضعف کی طرف رمز کی ہے)۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گانے کو سنا قیامت کے دن اس کو جنت میں روحانیین کی آواز سننے کی اجازت نہیں ہوگی، آپ سے پوچھا گیا کہ روحانیین کون ہیں یارسول اللہ!؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت کے قاری ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۸۷، جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۰۲۳۹، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۴۲۷، کنز العمال رقم الحدیث:۴۰۲۳۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس کے پاس گانے والی تھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۱۴ ص ۵۱۔ ۴۹، دار الفکر، بیروت، تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص ۲۴۰۔ ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جس قسم کے اشعار کا دف کے ساتھ یا بغیر دف کے سماع جائز ہے

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں:

ان احادیث اور ان کے علاوہ دیگر احادیث اور آثار کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غنا حرام ہے۔ غنا سے مراد وہ معروف غنا ہے جس سے دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے، اس سے عشق میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کے اشعار میں عورتوں کا اور ان کے حسن کا ذکر ہو اور ان کی خوبیوں کا بیان ہو اور شراب اور دیگر محرمات کا ذکر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ لہو ہے اور مذموم غنا ہے، اور جو اشعار ان چیزوں سے خالی ہوں ان کی قلیل مقدار کو خوشی کے ایام میں گانا جائز ہے، مثلاً شادی اور عید کے ایام میں اور سخت مشقت کے کاموں کی مشقت کو سرور سے زائل کرنے کے قصد سے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر تھا، یا جیسا کہ حبشی غلام انجشہ اور سلمہ بن اکوع نے اونٹوں کو چلاتے وقت غنا کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۵۱)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خندق کے دن مٹی کھود رہے تھے حتیٰ کہ آپ کا پیٹ خاک آلود ہوگیا اور آپ یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے:

واللہ لولا اللہ مااھتدینا	ولا تصدقنا ولا صلینا
اللہ کی قسم! اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
فانزلن سکینۃ علینا	وثبت الاقدام ان لاقینا
پس تو ہم پر طمانیت نازل فرما	اور دشمن کے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ
ان الاولی قد بغوا علینا	ان ارادوا فتنۃ ابینا
بے شک پہلوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی	اگر وہ ہم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ابینا ابینا'' کا تکرار کرتے اور اس پر آواز کو بلند فرماتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۲۸۳، ۴۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۰۳، مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۷۰۷، سنن دارمی رقم الحدیث:۲۴۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۸۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی پیٹھوں پر رکھ کر مٹی کو نقل کر رہے تھے اور یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد مابقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے:

اللهم انه لا خیر الا خیر الاخرة فبارك فی الانصار والمهاجرة

اے اللہ! اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے سو تو انصار اور مہاجرین میں برکت نازل فرما

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۰۰، ۱۸۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۸۵۷، مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۷۸۷)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے ان احادیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف شجاعت پر ابھارنے کے لیے اشعار اور رجزیہ کلام پڑھنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۴ص ۱۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مشقت زائل کرنے کے لیے اور کسی کام کو خوشی سے کرنے کے لیے اشعار پڑھنا جائز ہے۔ عمدۃ القاری ج ۱۷ص ۲۳۸)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا مدینہ کے جنوب کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا مادعی للہ داع

ہم پر شکر کرنا واجب ہے جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا رہے

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۵۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اس قسم کے اشعار وہ لوگ مدینہ میں پڑھتے تھے، اور بسا اوقات ان اشعار کو دف کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اسی جنس کے اشعار سے یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو بچیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا، اور کہا: تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مزمار شیطان بجا رہی ہو! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے کو کھولا اور فرمایا: اے ابوبکر ان کو چھوڑ دو، کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں، اور ایک روایت میں ہے: اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۴۹، ۹۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۹۸)

امام ابن جوزی فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ یہ لڑکیاں کم عمر تھیں کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن تھیں اور لڑکیاں آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلتی تھیں۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت فرمائی کہ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے جیسے مجوسیوں کی عید نیروز ہے اور یہ دن ہماری عید کا دن ہے، اور شرعاً خوشی کا دن ہے، سو اتنی مقدار میں خوشی کے دن غنا کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وہ غنا نہیں ہے جو دلوں میں فسق و فجور کی آگ بھڑکاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سرور شرعی کا دن ہے اور اس دن اتنی مقدار میں غنا کا انکار نہیں کیا جاتا جیسا کہ شادی کے موقع پر انکار نہیں کیا جاتا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی انصار کے کسی لڑکے سے کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جی نہیں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار ایسے لوگ ہیں جنہیں گانے کا شوق ہے، کاش! تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ گاتا:

اتیناکم اتیناکم　　　　فحیانا وحیاکم

ہم تمہارے پاس آئے ہیں، ہم تمہارے پاس آئے ہیں　　　　سو اللہ تمہیں بھی زندہ رکھے اور ہمیں بھی زندہ رکھے

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۰۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۵۱۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۹۴، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۱۵۵، اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر اس کی تائید صحیح البخاری میں ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک لڑکی کی انصار کے ایک مرد کی طرف رخصتی کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لہو (گانا بجانا) نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۲)

حضرت محمد بن حاطب الجمحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام اور حلال کے درمیان فرق دف اور آواز ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۶۹، ۳۳۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۸، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نکاح کا اعلان کرو اور اس کو مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دفوف (دف کی جمع) بجاؤ۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۰)

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کو میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے پاس بیٹھے ہو اور اس وقت بچیاں دف بجا رہی تھیں اور میرے جو آباء غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے ان کا مرثیہ گا رہی تھیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک نے یہ مصرع پڑھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد　　　　اور ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو (از خود) غیب کو جانتے ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اس مصرع پر چپ رہو، اور وہی پڑھو جو اس سے پہلے پڑھ رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹۰، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۷۸، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانے کی آواز کو سننا جائز ہے، اور مخلوق میں سے کسی ایک کی طرف بھی علم غیب کی نسبت کرنا مکروہ ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

کیونکہ جب علی الاطلاق کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کی جائے تو اس سے متبادر علم غیب بالذات ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الملفوظات ج ۳ ص ۴۷، نوری کتب خانہ، لاہور) اسی لیے جو لڑکیاں یہ مصرع پڑھ رہی تھیں آپ نے انہیں اس مصرع پر خاموش ہونے کا حکم دیا اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مکروہ لکھا ہے، لیکن بہر حال مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا کفر و شرک نہیں ہے ورنہ آپ ان لڑکیوں کو توبہ کرنے کا اور دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیتے۔

اور حافظ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانا اور اس کا سننا جائز ہے اور جو علماء اس کو منع کرتے ہیں وہ اس کو ابتداء اسلام پر محمول کرتے ہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کرے اس کو منع کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۱۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن محمد بن علی بن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

عید، شادی اور دیگر خوشی کی تقاریب میں قلیل مقدار میں دف بجا کر اس قسم کے اشعار پڑھنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے، اسی طرح وہ اشعار جو وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوں وہ بھی امام احمد کے نزدیک جائز ہیں، امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا: ایسے اشعار جن میں دلوں کو نرم کرنے کا اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہو آیا ان کو پڑھنا جائز ہے، امام احمد نے کہا: کوئی اس قسم کا شعر سناؤ تو سائل نے یہ اشعار پڑھے:

اذا ما قال لی ربی اما استحیت تعصینی

وتخفی الذنب من خلقی وبالعصیان تاتینی

ترجمہ: جب مجھ سے میرا رب فرمائے گا: تجھ کو حیا نہیں آتی تو میری نافرمانی کرتا ہے اور تو میری مخلوق سے گناہ کو چھپاتا ہے اور ان گناہوں کے ساتھ میرے پاس آتا ہے۔

امام احمد نے کہا: یہ شعر مجھے پھر سناؤ، وہ بار بار فرمائش کر کے یہ شعر سنتے رہے، پھر جب وہ گھر گئے تو خود یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اور رہے وہ اشعار جو کہ مرثیہ پڑھنے والے اور نوحہ کرنے والے پڑھتے ہیں اور خود بھی آواز سے روتے ہیں اور لوگوں کو بھی آواز سے رلاتے ہیں تو ایسے اشعار پڑھنا اور لوگوں کو آواز سے رلانا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح آلات موسیقی کے ساتھ اشعار کو پڑھنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع کا حرام ہونا

عبد الرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک اشعری نے حدیث بیان کی اور بہ خدا! انہوں نے جھوٹ نہیں کہا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب

اور باجوں (آلات غنا) کو حلال قرار دیں گے، اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ ''کل آنا'' اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (شراب اور باجوں وغیرہ کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۸، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۲، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۲۲۱)

اس حدیث میں معازف (آلات غنا) کے حلال کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کیے جانے کی وعید سنائی ہے، بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کیے جانے سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ حقیقتاً بندر اور خنزیر کی شکل میں متشکل کر دیئے جائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اخلاق یا ان کے قلوب بندر اور خنزیر کے اخلاق اور قلوب کے ساتھ تبدیل کر دیئے جائیں۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء احناف کا نظریہ

صحیح البخاری: ۵۵۹۰، کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں میری امت کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا، مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ نماز پڑھتے ہوں گے، روزے رکھتے ہوں گے اور حج کرتے ہوں گے، اور وہ ان شرابوں کو پئیں گے، وہ اس لہو میں اور شراب نوشی میں رات گزاریں گے اور جب وہ صبح اٹھیں گے تو مسخ ہو کر بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲) اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں گھبراہٹ ہوگی، لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ بدرالدین عینی حنفی صحیح البخاری: ۹۴۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

الغنا (گانے بجانے) کی تحریم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اس لہو ولعب سے ہے جو بالاتفاق مذموم ہے، اور رہا وہ غنا جو محرمات سے خالی ہو تو اس کی قلیل مقدار، عید، شادی اور خوشی کی تقاریب میں جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے، اور اہل عراق کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی کے مذہب میں یہ مکروہ ہے، امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، صوفیاء کی ایک جماعت نے عید کے دن لڑکیوں کے دف بجانے کی حدیث سے غنا کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے خواہ وہ آلات موسیقی کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو، اور ان کا یہ استدلال مردود ہے کیونکہ ان لڑکیوں کا یہ غنا صرف جنگ اور بہادری کی نظم سے متعلق تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی، لیکن جو غنا معروف اور مشہور ہے وہ بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے محاسن پر مشتمل ہوتا ہے اور دیگر حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے جو پرسکون آدمی کے دل میں شہوت کا جوش اور ہیجان پیدا کر دیتا ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور صوفیاء نے اس کی جو بدعت نکالی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جب تم ان کے اقوال اور

افعال کو دیکھو گے تو اس میں زندیقی کے آثار پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم: ۸۹۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ لڑکیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، یعنی گانا بجانا ان کی عادت نہیں تھی اور نہ وہ اس میں مشہور تھیں، اور غناء میں علماء کا اختلاف ہے، اہل حجاز کی ایک جماعت نے اس کو مباح کہا ہے اور یہ امام مالک سے ایک روایت ہے، اور امام ابوحنیفہ اور اہل عراق نے اس کو حرام کہا ہے، امام شافعی کا مذہب: اس کی کراہت ہے، امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ پیشہ ور گانے والیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنے گانے سے عورتوں کا شوق اور ان کی محبت پیدا کرتی ہیں اور بے حیائی کی طرف اپنے کلام میں تعریض اور اشارے کرتی ہیں اور پر سکون دلوں میں حسین عورتوں کی طلب کے جذبات کی آگ بھڑکاتی ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ غنا میں زنا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۵۰۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی کے متعلق ایک قوم نے لکھا ہے کہ ان کی تحریم پر اجماع ہے اور بعض علماء نے اس کے برعکس لکھا ہے، ہم کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی تشریح میں اس پر مفصل لکھیں گے اور فریقین کے شبہات کا ذکر کریں گے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی شرح میں آلات موسیقی کی تحریم کی جس بحث کا وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کرنا وہ بھول گئے۔

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

صوفیہ نے آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع کی جو بدعت رائج کی ہوئی ہے، اس کی تحریم میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، لیکن جو لوگ نیکی کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اکثر کے اوپر نفوس شہوانیہ اور اغراض شیطانیہ غالب ہو چکی ہیں اور اس کا ذکر ان میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ وہ اس کی تحریم اور اس کے فحش سے اندھے ہو چکے ہیں اور ان میں سے بہت لوگوں سے بے حیاؤں، ہیجڑوں اور بچوں کی قبیح حرکات صادر ہوتی ہیں، اور وہ موزون اور منضبط حرکات کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ناچتے ہیں جس طرح جاہل اور بے حیاء کرتے ہیں، اور ان کی بے حیائی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ کام عبادات اور نیک اعمال سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آلاتِ موسیقی کے سماع سے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ زندیقی کے آثار ہیں اور اہل باطل کے اقوال ہیں، ہم بدعتوں سے اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اللہ سے توبہ کا اور سنت پر عمل کرنے کا سوال کرتے ہیں۔

(المفہم ج ۲ ص ۵۳۴، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاءِ حنبلیہ کا نظریہ

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سماع اللہ عزوجل کی عبادت ہے، جنید سے منقول ہے کہ ان صوفیاء پر تین وقتوں میں رحمت نازل ہوتی ہے، کھانے کے وقت کیونکہ یہ فاقہ کے بعد کھاتے ہیں، اور مذاکرہ کے وقت کیونکہ یہ صدیقین کے مقامات اور انبیاء کے احوال سے متجاوز ہوتے ہیں اور سماع کے وقت کیونکہ یہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اگر جنید سے یہ روایت صحیح ہے تو اس سماع سے ان اشعار کا سماع مراد ہے جو دلوں کو نرم کرتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں، ابن عقیل نے کہا: ہم نے ان صوفیاء سے سنا ہے کہ جب کوئی ساربان اونٹ کو ہنکاتے وقت گاناگاتا ہے اس وقت دعا کی جائے تو مستجاب ہوتی ہے، کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ گانے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، ابن عقیل نے کہا: یہ کفر ہے کیونکہ جو شخص حرام یا مکروہ کو عبادت اعتقاد کرے وہ اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۲، ملخصاً مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب یہ صوفیاء غناء کو سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے ہیں اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ کتنے ہی عابد جب قرآن مجید کو سنتے ہیں تو بعض مرجاتے ہیں، بعض بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض چیختے اور چلاتے ہیں، اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے، حضرات صحابہ سے اس کی مثل نہیں سنی گئی۔

سب سے صاف دل صحابہ کرام کے تھے اور جب ان کو وجد آتا تو وہ صرف روتے تھے اور خدا سے ڈرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کیا تو ایک شخص بے ہوش ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہم پر دین میں کون تلبیس کر رہا ہے، اگر یہ سچا ہے تو یہ اپنی شہرت کر رہا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اس کو مٹا دے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۴۔ ۲۵۳، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب صوفیاء پر رقص کے حال میں طرب طاری ہوتا ہے تو یہ ناچتے ناچتے کسی شخص کو مجلس سے اٹھا لیتے ہیں تاکہ وہ بھی کھڑا ہو جائے، اور ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے کہ جو شخص جذب سے ناچ رہا ہو تو اہل مجلس بیٹھے رہیں اور جب وہ کھڑا ہو تو باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کوئی شخص سر ننگا کرے تو باقی لوگ بھی سر ننگا کر لیتے ہیں، حالانکہ سر ننگا کرنا قبیح ہے اور خلاف ادب ہے اور صرف حالت احرام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار ذلت کے لیے سر ننگا کیا جاتا ہے۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی تین قسم کے ہیں: ستار، بانسری اور منہ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے، سارنگی، طنبور اور ہاتھ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے، ان کا بجانا حرام ہے اور جو شخص عادتاً ان باجوں کو سنے اس کی شہادت مردود ہے، اور دوسری قسم دف ہے، خوشی کے مواقع پر عورتوں کا دف بجانا جائز ہے۔ اور مردوں کے لیے دف بجانا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ عورتیں اور مخنث دف بجاتے ہیں اور مردوں کے دف بجانے میں عورتوں کی مشابہت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے

جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں، تیسری قسم چھڑی بجانا ہے، یہ اس وقت مکروہ ہے جب اس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ چیز ہو جیسے تالی بجانا، گانا یا ناچنا۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۴۔ ۱۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

غناء اور سماع کے متعلق مفسرین احناف کی تصریحات

اور جو لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں، ان پر جب کتاب اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور حق کو سننے سے اعراض کرتے ہیں، آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔

یہ آیت بھی ''لھو الحدیث'' کی مذمت میں ہے اور ''لھو الحدیث'' کی تفسیر میں آلاتِ موسیقی اور غنا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص گانے بجانے والی باندیوں کو خریدتا تھا۔ امام ابو اللیث نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والیوں کو بیچنا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶۸)

(بحر العلوم تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

لہو ہر اس باطل چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر کے خیر سے روک دے، اور یہاں لہو سے مراد رات کو سنائی جانے والی جھوٹی کہانیاں اور غنا ہے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے: اس سے مراد غنا ہے، ایک قول یہ ہے کہ غنا قلب کو خراب کرتا ہے، مال کو ختم کرتا ہے اور رب کو ناراض کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص بھی غنا کے ساتھ آواز بلند کرتا ہے اللہ اس کے اوپر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے، ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر اور وہ اس وقت تک اس کو لاتیں مارتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ گر جاتا ہے۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۴۶۸، مطبوعہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی البروسی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مزامیر (منہ سے بجائے جانے والے آلاتِ موسیقی) اور برابط اور معازف (ہاتھوں سے بجائے جانے والے آلاتِ موسیقی) کو اور ان بتوں کو مٹادوں جن کی زمانہ جاہلیت میں پرستش کی جاتی تھی۔۔ الحدیث (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۰۳) نیز حدیث میں ہے کہ مجھے مزامیر کو توڑنے اور خنزیروں کو قتل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اہل معانی نے کہا: اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو لہو ولعب کو اور مزامیر اور معازف کو قرآن مجید کے مقابلہ میں ترجیح دے، اور ذمیوں کو مزامیر اور طنابیر کی بیع سے منع کیا جائے گا اور غنا کے اظہار سے بھی روکا جائے گا، اور جن احادیث میں عید کے ایام میں غنا کی رخصت ہے وہ متروک ہیں، اس زمانہ میں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسی لیے عید کے دن معازف کو جلانا مستحب ہے (علامہ اسماعیل حقی نے یہ صحیح نہیں لکھا کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور قیاس سے احادیث کو منسوخ کرے اور صحیح یہ ہے

کہ عید، نکاح اور دیگر خوشی کے ایام میں اچھے اشعار کو دف کے ساتھ اور بغیر دف کے قلیل مقدار میں پڑھنا جائز ہے، البتہ دیگر آلاتِ موسیقی کو استعمال کرنا مطلقاً ممنوع ہے، اسی طرح ان اشعار کا پڑھنا بھی مطلقاً ممنوع ہے جن کا مضمون غیر شرعی ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

بعض علماء نے کہا ہے کہ آلاتِ موسیقی کی حرمت لعینہا نہیں ہے، جیسے خمر اور زنا کی حرمت ہے، بلکہ یہ حرمت لغیرہا ہے، اسی لیے علماء نے اس سے جہاد کے طبل کو مستثنیٰ کیا ہے، پس جب آلاتِ موسیقی کو بہ طور لہو ولعب استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہیں اور جب لہو ولعب نہ ہو تو پھر حرمت زائل ہو جائے گی۔ (یہ قول بھی صحیح نہیں ہے صرف عید، نکاح اور خوشی کے ایام میں قلیل مقدار میں بہ طور لہو ولعب دف بجانے کی رخصت ہے جیسا کہ احادیث کے حوالے سے گزر چکا ہے اور ان کے علاوہ دف بجانے کی رخصت نہیں ہے، خواہ لہو ولعب مقصود ہو یا نہ ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

جائز اور ناجائز سماع

طرز اور خوش الحانی کے ساتھ اشعار سننے میں اختلاف ہے، اگر اشعار میں عورتوں کا ذکر ہو اور انسان کے قد اور رخسار کا ذکر ہو جس سے نفس اور شہوت کی آگ بھڑکتی ہو تو دین دار لوگوں کے لیے ان کا سننا جائز نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس کو بہ طور مشغلہ سنا جائے۔ اور اگر ان اشعار میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہو، دوزخ سے ڈرایا گیا ہو اور جنت کی ترغیب دی گئی ہو اور اللہ عزوجل کی نعمتوں کی تعریف کی گئی ہو، اور نیک کاموں کی تحریک ہو تو پھر ان کے سننے پر انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور اسی قبیل سے جہاد اور حج کے فضائل کے اشعار ہیں، جن کو سن کر جہاد کرنے اور حج کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر اشعار پڑھنے والا بے ریش نوخیز لڑکا ہو جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو یا عورتیں بھی اس مجمع کو جھانک کر دیکھ رہی ہوں تو یہ عین فسق ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

بعض لوگ تکلف سے سماع کرتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ لوگ کسی مرتبہ کے حصول یا دنیاوی منفعت کے لیے سماع کرتے ہیں، یہ تلبیس اور خیانت ہے، اور حقیقت کی طلب کے لیے تکلف کرنا ہے جیسے کوئی شخص مصنوعی اور بناوٹی وجد خود پر طاری کر کے وجد کو طلب کرتا ہے، فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہو اور اس کے سامنے پورا قرآن مجید پڑھا جائے تو اگر وہ سچے جذب سے اپنے آپ کو گرا دے تو فبہا ورنہ صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل کرنے سے ڈرے، اور اس کا سماع کے وقت نعرہ مارنا، یا تالی بجانا یا کپڑے پھاڑنا یا رقص کرنا اگر لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لیے ہو تو اس سے بچنا لازم ہے۔

دکھانے اور سنانے کے لیے سماع کے متعدد گناہ ہیں:

دکھاوے کے لیے حال کھیلنے کی خرابیاں

(۱) وہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ نے اس پر وجد طاری کر دیا ہے اور بے خودی اور جذب میں رقص کر رہا ہے یا اس پر حال طاری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بدترین گناہ ہے۔

(۲) وہ حاضرین محفل کو اس فریب میں مبتلا کرتا ہے وہ اس کے متعلق حسن ظن رکھیں اور لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا خیانت ہے، رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۵)

(۳) وہ اپنے کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں دوسرے لوگوں کو اپنی موافقت اور اپنا ساتھ دینے پر ابھارتا ہے، سو وہ لوگوں کو جھوٹ اور باطل کا مکلف کرتا ہے۔ آج کل محفل سماع میں جو لوگ حال کھیلتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔ (مصنف)

سماع کی طرف میلان کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

سماع کے اسباب

(۱) انسان کی طبیعت خوش آوازی کی طرف مائل ہو اور یہ شہوت اور حرام ہے (یہ وجہ درست نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) انسان کے نفس میں نغمات اور خوش الحانی کی طرف میلان ہو یہ بھی حرام ہے کیونکہ یہ لذت شیطانی ہے جو مردہ قلب اور زندہ نفس کو حاصل ہوتی ہے اور دل کے مردہ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو بھول جائے اور دنیا کے اشغال میں منہمک ہو اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو اور ہر وہ دل جو دنیا کی محبت میں ملوث ہو اس کا سماع طبیعت کا سماع ہے اور تکلف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کے مطالعہ سے اس کے دل میں سماع کی طرف میلان ہو اور یہ عشق ہے اور حلال ہے، کیونکہ یہ میلان رحمانی ہے اور زندہ دل اور مردہ نفس کو حاصل ہوتا ہے (زندہ دل سے مراد یہ ہے کہ اس کا دل اللہ کی یاد سے زندہ ہو اور مردہ نفس سے مراد یہ ہے کہ اس کی حیوانی اور نفسانی خواہشات مر چکی ہوں، ایسا شخص بغیر آلات موسیقی کے ان ہی اشعار کو سنے گا جن کا مضمون غیر شرعی نہ ہو۔)

(۴) اللہ تعالیٰ کی ذات سے نور کے مشاہدہ سے اس کی روح میں سماع سے انس پیدا ہو جائے اور یہ محبت اور سکون ہے اور یہ بھی حلال ہے۔

سماع کی حقیقت

شیخ سعدی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے: اے برادر! میں نہیں جانتا کہ سماع کیا ہے! میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سماع کرنے والا کون ہے، یہ وہ شخص ہے جس کی روح برج معنی کی طرف پرواز کرتی ہے اور اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز رہتا ہے۔ یہ عاشق صادق کا حال ہے اور اصحاب حال وہ لوگ ہیں جن میں اعمال صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے تو اللہ ان کو دین پر استقامت کے ساتھ احوال اور وجد اور ذوق اور کشف اور مشاہدہ اور معائنہ اور معرفت عطا فرماتا ہے، زین الدین الخافی قدس سرہٗ نے کہا: جس شخص کے دل میں یہ نور پیدا ہو وہ ان علماء کے قول پر عمل کر کے سماع کرے جو سماع کو جائز کہتے ہیں (یعنی آلات موسیقی کے بغیر ان اشعار کا سماع کرے جو شریعت کے مطابق ہوں) ورنہ ان علماء کے قول پر عمل کرنے میں زیادہ سلامتی ہے جو سماع کو مکروہ کہتے ہیں، اور سماع کا معنی ہے دل کش اور اچھی آواز کو سننا جس کی طرف دل بے اختیار کھنچتا ہو اور یہ انسان کی فطرت میں مرکوز ہے حتیٰ کہ جن میں عقل نہیں ہے وہ بھی اچھی اور سریلی آواز کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کی وجہ سے پرندے ان کے پاس آکر ٹھہر جاتے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سماع کی انواع، شرائط، آلات موسیقی کے استعمال اور تواجد کی تحریم اور ممانعت پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام غزالی نے فرمایا: سماع یا تو محبوب ہوگا بایں طور کہ سننے والے پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کا غلبہ ہو، تا کہ اس سے اس کو مکاشفات اور ملاطفات حاصل ہوں، یا سماع مباح ہوگا بایں طور کہ اس کو اپنی بیوی سے عشق ہو (اور وہ حسن کو اپنی بیوی کے حسن پر محمول کرے گا) یہ مباح ہے، جب کہ اس پر اللہ کی محبت کا غلبہ ہو نہ نفسانی خواہشوں کا، اور یا سماع حرام ہوگا بایں طور کہ اس کے اوپر ناجائز اور حرام خواہشوں کا غلبہ ہو۔

العزبن عبدالسلام سے محبت کے اشعار سننے، سردھننے اور رقص کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا: رقص کرنا بدعت ہے، اور وہی شخص رقص کرے گا جس کی عقل ناقص ہوگی، اور رہے عشق و محبت کے اشعار تو اگر وہ امور آخرت پر مشتمل ہوں تو ان کے سننے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ جب انسان کا دل دنیا میں منہمک ہو تو ایسے اشعار کا سننا مستحب ہے، اور جس شخص کے دل میں ناپاک اور ناجائز خواہشیں ہوں وہ سماع نہ کرے کیونکہ اس سے اس کی ناپاک خواہشوں کو تحریک ہوگی، اور انہوں نے کہا کہ سننے والوں اور جن سے سنا جاتا ہے ان کے اختلاف سے سماع کا حکم مختلف ہے۔ پس سننے والے یا تو عارف باللہ ہوں گے اور ان کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں جن پر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے، جب وہ سماع کرتے ہیں تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا ہے اور ان پر غم کے آثار طاری ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں یا ان کو عذاب کا خوف ہوتا ہے یا ثواب کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے یا اللہ کا انس اور قرب ہوتا ہے، اور وہ سب سے افضل ڈرنے والے اور سب سے عمدہ سننے والے ہیں اور جس کلام کو سنا جائے اس میں قرآن مجید کی تاثیر سب سے زیادہ ہے۔

جس شخص پر امید کا غلبہ ہو اس پر نعمتوں کا ذکر سننے سے اثر ہوتا ہے اور اگر اس کو اللہ کے انس اور قرب کی امید ہو تو وہ امید رکھنے والوں میں افضل ہے اور اگر اس کو ثواب کی امید ہو تو اس کا سماع دوسرے درجہ میں ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی وجہ سے اللہ سے محبت کرتا ہو تو اس کے انعام و اکرام کا سماع اس میں اثر کرتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا سماع اس میں تاثیر کرتا ہے اور یہ سماع پہلے درجات سے افضل ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کا غلبہ ہو اس کا سماع سب سے افضل ہے۔

یہ تو جس نوع کا ذکر سنا جائے اس کے اعتبار سے سننے والوں کے مدارج تھے، اور جس سے ذکر کو سنا جائے اس کے اعتبار سے اختلاف مدارج کی تفصیل یہ ہے کہ عام آدمی کی بہ نسبت عالم نے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے، عالم کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے ولی سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور ولی کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے نبی سے سماع میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تاثیر خود اللہ عزوجل سے سننے میں ہوتی ہے اور یہ بلاواسطہ سماع صرف کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا یا حبیب اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا، اور ان درجات کی وجہ یہ ہے کہ محب کے دل میں سب سے زیادہ تاثیر محبوب کے کلام کی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین، اور ان کے اصحاب اور اتباع اور مومنین صالحین آلات موسیقی کے سماع میں مشغول نہیں رہے اور صرف اپنے رب اللہ عزوجل کے کلام کے سننے میں مشغول رہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے سماع کی شرائط ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت ہوتا کہ صفات ذات، صفات افعال سے ممتاز ہوں اور معلوم ہو جائے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز ہے اور کیا چیز اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے، اور اہل تحقیق کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ صدق مجاہدہ سے اپنے نفس کو فنا کر چکا ہو اور اپنی روح کے مشاہدہ سے اپنے دل کو زندہ کر چکا ہو اور جو اس مرتبہ پر نہیں پہنچا اس کا سماع کرنا وقت کا ضیاع اور اس کا بناوٹی وجد کرنا ریا ہے اور اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے اکثر صوفیاء کا سماع کرنا حرام ہے۔

جو لوگ سماع میں تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں اور بے ہوشی اور وجد کا ڈھونگ رچاتے ہیں، یہ سب تصنع اور ریا ہے، اسی طرح بال نوچنا، سینہ کوبی کرنا اور کپڑے پھاڑنا حرام ہے۔

اور ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ آلاتِ موسیقی کو استعمال کرنا حرام ہے اور امام بخاری، امام احمد، اور امام ابن ماجہ، امام ابونعیم اور امام ابوداؤد نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ضرور میری امت میں ایسی قوم ہو گی جو ریشم کو، شراب کو اور آلاتِ موسیقی کو حلال کرے گی اور یہ حدیث تمام آلات موسیقی کی تحریم اور ممانعت میں بالکل صریح ہے۔ اور اسی کے مشابہ وہ حدیث ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے حضرت انس سے اور امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری امت میں ضرور زمین میں دھنسنا اور آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ ہو گا، اور یہ اس وقت ہو گا جب وہ شرابیں پئیں گے، گانے والیوں کو رکھیں گے اور آلات موسیقی کو استعمال کریں گے۔ امام دولقی نے آلات موسیقی کی تحریم کے دلائل بہت تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

بعض صوفیاء نے مزامیر اور دیگر آلات موسیقی کے جواز میں رسائل لکھے ہیں اور ان میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم، تابعین، علماء عاملین اور ان کے مقلدین پر حیرت ناک افتراء باندھا ہے اور بہتان تراشا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جس کے ساتھ لہو ولعب کرتا ہے اس کو خواہش کے گڑھے میں گرا دیتا ہے، سو وہ حق سے بہت بعید ہوتا ہے اور تصوف سے ہزار ہا میل دور ہوتا ہے، لہٰذا اگر بعض اکابر آلاتِ موسیقی کے استعمال کو حلال کہیں تو تم ان کے قول سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ قول ائمہ مذاہب اربعہ اور دیگر مستند فقہاء کبار کے اقوال کے خلاف ہے، اور ہر شخص ان فقہاء کے قول پر عمل کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کو ترک کر دے گا، اور جس شخص کو عقل سلیم دی گئی ہے اور اس کا دل باطل خواہشوں سے پاک ہے اس کو اس میں کوئی شک نہیں ہو گا کہ آلات موسیقی سے ساز اور آواز کو سننا دین میں سے نہیں ہے اور یہ سید المرسلین وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقاصد سے کوسوں دور ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۱۷۔ ۱۰۸، ملخصاً وموضحاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

غناء اور سماع کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق

مسئلہ: راگ یا مزامیر کرانا یا سننا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، اس فعل کا مرتکب فاسق ہے یا نہیں؟

جواب: مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بروجہ لہو ولعب بلاشبہ حرام ہے، جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح، اون کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلہ عالیہ چشت رضی اللہ عنہم وعنابھم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافتراء ہے، حضرت سیدی فخر الدین زرادی قدس سرہ کہ حضور سیدنا

محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الحق والدنیا والدین محمد احمد رضی اللہ عنہ کے اجلۂ خلفاء سے ہیں جنہوں نے خاص عہد کرامت مہد حضور ممدوح میں بلکہ خود بحکم حضور والا مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تالیف فرمایا، اپنے اسی رسالہ میں فرماتے ہیں: سمع بعض المغلوبین السماع من المزامیر فی غلبات الشوق واما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فبریٔ عن ھذہ التھمة وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة اللہ تعالٰی۔ یعنی بعض مغلوب الحال لوگوں نے اپنے غلبۂ حال وشوق میں سماع مع مزامیر سنا اور ہمارے پیران طریقت رضی اللہ عنہم کا سننا اس تہمت سے بری ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی جل وعلا سے خبر دیتے ہیں انتہی۔ بلکہ خود حضور ممدوح رضی اللہ عنہ نے اپنے ملفوظات شریفہ فوائد الفواد وغیر ہا میں جا بجا حرمت مزامیر کی تصریح فرمائی، بلکہ حضور والا صرف تالی کو بھی منع فرماتے کہ مشابہ لہو ہے بلکہ ایسے افعال میں عذر غلبہ حال کو بھی پسند نہ فرماتے کہ مدعیان باطل کو راہ نہ ملے واللہ یعلم المفسد من المصلح فرضی اللہ عن الائمة ما انصحھم للامة، یہ سب امور ملفوظات اقدس میں مذکور و ماثور، فوائد الفواد شریف میں صاف تصریح فرمائی ہے کہ مزامیر حرام است کما نقل احمد عنه رضی اللہ تعالٰی عنه سیدی الشیخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدھلوی رحمة اللہ تعالٰی علیھم وعلینا بھم آمین۔ حضور ممدوح کے یہ ارشادات عالیہ ہمارے لیے سند کافی اور ان اہل ہوا وہوس مدعیان چشتیت پر حجت وافی۔ ہاں جہاد کا طبل، سحری کے نقارہ، حمام کا بوق، اعلان نکاح کا بے جلاجل دف جائز ہیں کہ یہ آلات لہو ولعب نہیں، یوہیں یہ بھی ممکن کہ بعض بندگان خدا جو ظلمت نفس وکدورات شہوت سے یک لخت بری ومنزہ ہو کر فانی فی اللہ وباقی باللہ ہوگئے کہ لا یقولون الا اللہ ولا یسمعون بل لا یعلمون الا اللہ بل لیس ھناك الا اللہ اون میں سے کسی نے بحالت غلبہ حال خواہ عین الشریعة الکبرٰی تک پہنچ کر از انجا کہ اون کی حرمت بعینہا نہیں وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی بعد وثوق تام واطمینان کامل کہ حالاً ومآلاً فتنہ منعدم احیاناً اس پر اقدام فرمایا ہو ولہٰذا فاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالٰی سرہ السامی ردالمحتار میں زیر قول درمختار ومن ذالك (ای الملاھی) ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبیه فلا باس به کما اذا ضرب فی ثلثة اوقات لتذکیر ثلاث نفخات الصور الخ فرماتے ہیں: ھذا یفید ان آلة اللھو لیست محرمة بعینھا بل لقصد اللھو منھا اما من سامعھا او من المشتغل بھا وبه تشعر الاضافة الا تری ان ضرب تلك الالة بعینھا حل تارة وحرم اخری باختلاف النیة والامور بمقاصدھا وفیه دلیل لساداتنا الصوفیة الذین یقصدون بسماعھا امورا ھم اعلم بھا فلا یبادر المعترض بالانکار کی لا یحرم برکتھم فانھم السادة الاخیار امدنا اللہ تعالٰی بامداداتھم واعاد علینا من صالح دعواتھم وبرکاتھم۔

اقول بلکہ یہاں ایک اور وجہ ادق واعمق ہے، صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رب العزة تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصرہ الذی یبصر به ویدہ التی یبطش بھا ورجله التی تمشی بھا، یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہوجاتا ہے، پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کا وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اوس کا وہ ہاتھ جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے اور اوس کا وہ پاؤں جس سے چلتا ہے انتہی۔ اب کہیے: کون کہتا اور کون سنتا ہے آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لا واللہ پیڑ نے نہ کہا انی انا اللہ رب العلمین۔ کفتہ

او گفتۂ اللہ بود۔ گر چہ از حلقوم عبداللہ بود، یہی حال سننے کا ہے وللہ الحجۃ البالغۃ، مگر اللہ اللہ یہ عبادت اللہ کبریت احمر و کوہ یاقوت ہیں، اور نادر احکام شرعیہ کی بنا نہیں تو اون کا حال مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہوسکتا کما افادہ المولی المحقق حیث اطلق سیدی کمال الدین محمد بن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی اخر الحج من فتح القدیر فی مسئلۃ الجواز، نہ یہ مدعیان خامکاراون کے مثل ہیں نہ بے بلوغ مرتبہ محفوظیت نفس پر اعتماد جائز فانھا اکذب مایکون اذا حلفت فکیف اذا وعدت، رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہرالینا صحیح ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا کہ جہاں اوس کا انتفا معلوم نہ ہو تحسین ظن کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذات فاعل سے بحث نہ کیجئے ھذا ھو الانصاف فی امثال الباب واللہ الھادی الی سبیل الصواب۔ سماع مجرد بے مزامیر اوس کی چند صورتیں ہیں۔ اول: رنڈیوں ڈومنیوں محل فتنہ امردوں کا گانا، دوم: جو چیز گائی جائے معصیت پر مشتمل ہو، مثلاً فحش یا کذب یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو یا شراب و زنا وغیرہ فسقیات کی ترغیب یا کسی زندہ عورت خواہ امرد کی بالتعیین تعریف حسن یا کسی معین عورت کا اگر چہ مردہ ہو ایسا ذکر جس سے اوس کے اقارب احبا کو حیا و عار آئے۔ سوم: بطور لہو ولعب سنا جائے اگر چہ اوس میں کوئی ذکر مذموم نہ ہو تینوں صورتیں ممنوع ہیں الاخیرتان ذاتا والاولی ذریعۃ حقیقۃ ایسا ہی گانا لہو الحدیث ہے، اس کی تحریم میں اور کچھ نہ ہو تو صرف حدیث کل لعب ابن ادم حرام الا ثلثۃ کافی ہے، ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ مزامیر ہوں نہ گانے والے محل فتنہ نہ لہو ولعب مقصود نہ کوئی ناجائز کلام گائیں بلکہ سادے عاشقانہ گیت غزلیں ذکر باغ و بہار و فساق و فجار و اہل شہوات دنیہ کو اس سے بھی روکا جائے گا وذالك من باب الاحتیاط القاطع والنصح الناصح وسد الذرائع المخصوص بہ ھذا الشرع الطاھر والدین الغارع اسی طرح حدیث الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل ناظر۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الملاھی عن ابن مسعود والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنھما عن النبی ﷺ اور اہل اللہ کے حق میں یقیناً جائز بلکہ مستحب کہیے تو دور نہیں گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دبی بات کو اوبھارتا ہے جب دل میں بری خواہش بے ہودہ آلائشیں ہوں تو انہیں کو ترقی دے گا اور جو پاک مبارک ستھرے دل شہوات سے خالی اور محبت خدا و رسول سے مملو ہیں اون کے اس شوق محمود و عشق مسعود کو افزائش دے گا وحکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمۃ لہ انصافا، ان بندگان خدا کے حق میں اوسے ایک عظیم دینی کام ٹھہرانا کچھ بے جا نہیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے لیس فی القدر المذکور من السماع مایحرم بنص ولا اجماع وانما الخلاف فی غیر ماعین والنزاع فی سوی مابین وقد قال بجواز السماع من الصحابۃ والتابعین جم غفیر (الی ان قال) اما سماع السادۃ الصوفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فبمعزل عن ھذا الخلاف بل ومرتفع عین درجۃ الاباحۃ الی رتبۃ المستحب کما صرح بہ غیر واحد من المحققین، یہ اوس چیز کا بیان تھا جسے عرف میں گانا کہتے ہیں اور اگر اشعار حمد و نعت و منقبت و وعظ و پند و ذکر آخرت بوڑھے یا جوان مرد خوش الحانی سے پڑھیں اور بہ نیت نیک سنے جائیں کہ اسے عرف میں گانا نہیں بلکہ پڑھنا کہتے ہیں تو اس کے منع پر تو شرح سے اصلاً دلیل نہیں حضور پر نور سید عالم ﷺ کا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے خاص مسجد میں منبر رکھنا اور اون کا اوس پر کھڑے ہو کر نعت اقدس سنانا، اور حضور اقدس ﷺ وصحابہ کرام کا استماع فرمانا خود حدیث صحیح بخاری شریف سے واضح اور عرب کے رسم حدی زمانہ صحابہ و تابعین بلکہ عہد اقدس رسالت میں رائج رہنا خوش الحانی رجال کے جواز پر دلیل لائح، انجشہ رضی اللہ عنہ کے حدی پر حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے انکار نہ فرمایا بلکہ بلحاظ عورت رویدك یا انجشہ لاتکسر

القوارير ارشاد ہوا کہ اون کی آواز دلکش ودل نواز تھی، عورتیں نرم نازک شیشیاں ہیں، جنہیں تھوڑی ٹھیس بہت ہوتی ہے، غرض مدار کار تحقق وتوقع فتنہ ہے، جہاں فتنہ ثابت وہاں حکم حرمت جہاں توقع واندیشہ وہاں بنظر سد ذریعہ حکم ممانعت جہاں نہ یہ نہ وہ بلکہ بہ نیت محمود استحباب موجود۔ بحمد اللہ یہ چند سطروں میں تحقیق نفیس ہے کہ ان شاء اللہ العزیز حق اس سے متجاوز نہیں نسال اللہ سوی الصراط من دون تفریط ولا افراط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۵۶۔ ۵۴، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عبارت ہر چند کہ کافی دقیق اور علمی ہے اور ہم ایسے عام لوگوں کی ذہنی سطح سے بلند ہے، تاہم اعلیٰ حضرت نے وہی لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے قرآن مجید کی آیات، احادیث صحیحہ اور مفسرین، محدثین، ائمہ مذاہب اور دیگر فقہاء کی عبارات کو آسان انداز میں پیش کر چکے ہیں، عوام کے لیے یہ کافی ہے اور اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ سے اقتباس پیش کر دیا ہے۔

۵۳۔ بَابٌ: مَا جَاءَ فِي الْبِنَاءِ

عمارت بنانے کے متعلق احادیث

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ إِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ جب جانوروں کو چرانے والے عمارتیں بنائیں گے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے جو عمارت بنانے کے متعلق وارد ہیں اور احادیث میں ان کی مذمت ہے۔ اور عمارت بنانا اس سے عام ہے کہ وہ مٹی کی بنائی جائے یا پتھروں کی یا لکڑی کی یا سرکنڈوں کی، یا اور اس طرح کی چیزوں کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے کہ آدمی گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنے کی مقدار سے زیادہ عمارت بنائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ (الشعراء: ۱۲۸۔ ۱۲۹)

کیا تم ہر اونچی جگہ پر لہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ ۝ اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے ۝

یعنی تم محل بناتے ہو۔ اور حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم، انہوں نے کہا: ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے گئے، اور ان کو گرم لوہے سے سات داغ لگائے ہوئے تھے، تو انہوں نے کہا: بے شک ہمارے اصحاب گزر گئے اور چلے گئے اور انہوں نے دنیا میں کوئی کمی نہیں کی اور بے شک ہم نے اتنا مال پایا کہ ہم اس کو رکھنے کے لیے جگہ بھی نہیں پاتے سوائے مٹی کے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا، پھر ہم دوبارہ ان کے پاس گئے اور وہ اپنی ایک دیوار بنا رہے تھے، پس انہوں نے کہا کہ بے شک مسلمان کو ہر اس چیز میں اجر دیا جاتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے، سوائے اس چیز کے جس کو وہ اس مٹی میں بناتا ہے (یعنی عمارت بناتا ہے)۔ (صحیح البخاری: ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن

ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

اور مکان کی جتنی مقدار کی ضرورت ہو جو اس کو گرمی، سردی اور بارش سے بچا سکے، اتنی مقدار میں مکان کا بنانا مباح ہے اور سلف صالحین اسی طرح کرتے تھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا گھر بنایا جو میری بارش سے حفاظت کرتا ہے۔ الحدیث

اور ابن وہب اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان کا کوئی مکان نہیں تھا، وہ دیوار اور درخت سے سایہ طلب کرتے تھے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عمارہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد سات ہاتھ سے اوپر مکان بناتا تو اس کو یہ کہہ کر بلایا جاتا: اے فاسق!

اس کے بعد امام بخاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کو ذکر کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ جانوروں کو چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔

یہ تعلیق سندِ موصول کے ساتھ کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جنگلوں اور دیہاتیوں کے فقراء پر دنیا کشادہ کردی جائے گی اور وہ لمبی اور اونچی عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ یہ لوگ محلات بناتے ہیں اور اس میں سونے اور چاندی کے پل بناتے ہیں اور کھانے پینے اور پہننے میں بہت اسراف کرتے ہیں اور ایسا اسراف کرتے ہیں کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں ہیں اور حکم صرف اللہ کا ہے جو الواحد القہار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۶۔۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ رَأَيْتُنِي مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَنَيْتُ بِيَدِي بَيْتًا يُكِنُّنِي مِنَ الْمَطَرِ وَيُظِلُّنِي مِنَ الشَّمْسِ مَا أَعَانَنِي عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی وہ ابن سعید ہیں، از سعید از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا، میں نے اپنے ہاتھ سے گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے اور دھوپ سے مجھ پر سایہ کرے۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی نے میری اس معاملہ میں مدد نہیں کی۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ "میں نے اپنے ہاتھ سے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے۔

الاسماعیلی نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام نے اس حدیث کو اس باب میں داخل کیا ہے جس میں مٹی اور پتھروں اور کنکروں کے ساتھ مکان بنانے کا ذکر ہے۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں مٹی اور پتھروں وغیرہ سے مکان بنانے کا ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم ، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق ، یہ ابن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص الاموی القرشی ہیں۔اور یہ اسحاق مکہ میں رہتے تھے ، انہوں نے اس حدیث کی اپنے والد سے روایت کی ہے اور از سعید از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وہی مراد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" رایتنی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم " یعنی میں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے" بنیت بیدی بیتا یکننی من المطر " یعنی میں نے اپنے ہاتھوں سے بغیر کسی کی مدد کے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے اور دھوپ سے بچائے۔الکسائی سے منقول ہے" کننت الشیء " کا معنی ہے میں نے اس کو چھپایا اور دھوپ سے بچایا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے" ما اعاننی علیه " یعنی اس گھر کو بنانے میں لوگوں میں سے کسی نے بھی میری تائید نہیں کی۔یہ اس کی تاکید ہے کہ میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۷ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۳۰۳ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاللهِ مَا وَضَعْتُ لَبِنَةً عَلَى لَبِنَةٍ وَلَا غَرَسْتُ نَخْلَةً مُنْذُ قُبِضَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سُفْيَانُ فَذَكَرْتُهُ لِبَعْضِ أَهْلِهِ قَالَ وَاللهِ لَقَدْ بَنَى قَالَ سُفْيَانُ قُلْتُ فَلَعَلَّهُ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَبْنِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ، عمرو نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اللہ کی قسم! میں نے کبھی ایک اینٹ کے اوپر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور نہ کوئی کھجور کا درخت اگایا۔سفیان نے کہا: میں نے اپنے گھر والوں میں سے کسی سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے بنایا ہے۔سفیان نے کہا: میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر بنانے سے پہلے یہ بات کہی تھی۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۳ ، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" سفیان نے کہا: میں کہتا ہوں کہ شاید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر بنانے سے پہلے یہ بات کہی تھی"۔ یعنی شاید کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے گھر بنانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے ہیں میں نے ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور یہ سفیان کی طرف سے اچھا عذر پیش کیا گیا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے "قبل ان یبتنی" یعنی انہوں نے شادی کرنے سے پہلے اپنے ہاتھ سے گھر نہیں بنایا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے حقیقت مراد ہو یعنی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھر نہیں بنایا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہو کہ انہوں نے اپنی ضرورت سے زائد گھر نہیں بنایا تھا۔ اور ان کے بعض گھر والوں نے جو یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے گھر بنایا تھا تو اس سے بھی یہی مراد ہے کہ انہوں نے گھر کی اصلاح کے لیے کچھ بنایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۲۔ ۶۳۰۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی تعلیق کے بعض الفاظ کی شرح

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ "البُہم" کے چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں گے۔

"اشراط الساعۃ" کے معنی ہیں قیامت کی علامتیں۔ اشراط کا لفظ "شرط" کی جمع ہے اور "البُہم" کا لفظ بھمۃ کی جمع ہے۔

علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ یہ چھوٹے دنبہ کو کہتے ہیں۔ (الصحاح ج ۵ ص ۱۸۷۵)

اور امام ابوعبید نے اپنی مصنف میں کہا ہے کہ "البُہم" کا معنی ہے بکرے کی اولاد اور یہ نر اور مادہ دونوں کو شامل ہے۔

اور ابن فارس نے کہا: "البُہم" کا معنی ہے چھوٹی بکریاں۔ (مجمل اللغۃ ج ۱ ص ۱۳۸)

باب میں مذکور حدیث کے بعض الفاظ کی شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: "بنیت بیدی بیتا ما اعاننی علیہ احد من خلق اللہ" یعنی میں نے اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی نے بھی میری مدد نہیں کی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ تھی کہ چونکہ اس گھر کو بنانے میں زیادہ مشقت نہیں تھی، اس لیے میں نے خود ہی اس گھر کو بنالیا۔

اور سفیان نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ہونے سے پہلے گھر بنایا تھا، کیونکہ عالم سے جب دو مختلف قول مروی ہوں یا کوئی ایسا قول مروی ہو جو اس کے فعل کے خلاف ہو تو ان اقوال کو ایسی صورت پر محمول کرنا چاہیے جس میں تناقض نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کی تکذیب نہیں کی جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی عمارت نہیں بنائی۔

لمبے اور اونچے گھروں کے بنانے کی مذمت کی توجیہ

الشعراء: ۱۲۸۔۱۲۹ میں مضبوط مکان بنانے کی مذمت کی ہے یعنی محلات بنانے کی۔ لیکن اگر بقدرِ ضرورت بڑا مکان بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے اپنے ہاتھ سے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھے۔

امام طبری نے از الحسن از حمران بن ابان از حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ چیز جو اس طعام کے ٹکڑے سے زائد ہو اور یہ پانی اور وہ گھر جو آدمی کو سایہ کر سکے اور وہ کپڑا جو اس کا ستر کر سکے، تو ابن آدم کا اس سے زائد میں کوئی حق نہیں ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت کی اتنی مقدار بنانے کو مباح قرار دیا ہے جو اسے دھوپ اور بارش کی اذیت سے بچائے، کیونکہ کسی میں بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ دھوپ اور بارش کے مصائب کو برداشت کر سکے، جیسا کہ آپ نے غذا کی اتنی مقدار کو مباح قرار دیا ہے جس سے اس کا بدن قائم رہ سکے، سو اتنی مقدار کو اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے اور لباس کی اتنی مقدار کو جائز قرار دیا ہے جو اس کی شرمگاہ کو چھپا سکے اور جو اس سے زائد ہو اس میں ابن آدم کا حق نہیں ہے۔

اور ابن وہب اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے گھر بناتے تھے، حالانکہ وہ حاکم تھے اور ان کا کوئی گھر نہیں تھا، وہ دیواروں اور درختوں کے سائے میں رہتے تھے۔ ایک مرد نے ان سے کہا: کیا میں آپ کے لیے ایسا گھر نہ بنادوں جس میں آپ سکونت رکھیں، انہوں نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مردان سے مسلسل اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے کہا: میں ایک ایسے گھر کو پہچانتا ہوں جو آپ کے موافق ہوگا، انہوں نے کہا: اچھا بتاؤ! اس نے کہا: میں آپ کے لیے گھر بناتا ہوں، جب آپ کھڑے ہوں گے تو آپ کا سر چھت کو لگے گا اور جب آپ پیروں کو پھیلائیں گے تو پیر دیواروں کے ساتھ لگیں گے، تو انہوں نے کہا: گویا کہ تم میرے دل میں رہتے ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۶۹۔۱۷۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طویل وعریض مکان بنانے کی مذمت میں دیگر احادیث

امام ابن ابی الدنیا نے عمارہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد سات ہاتھ سے اوپر مکان بناتا تو اسے یہ کہہ کر پکارا جاتا اے فاسق! کہاں جارہے ہو۔ اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے اور یہ موقوف ہے۔

امام ترمذی سندِ صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کو اس کے خرچ کرنے پر اجر دیا جائے گا سوائے مٹی کے، یا فرمایا: سوائے عمارت تعمیر کرنے کے، کیونکہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اور امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں

اینٹوں اور مٹی کی محبت ڈال دیتا ہے جس سے وہ تعمیر کرتا ہے۔

اور نیز امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابوبشر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے مال کو عمارت بنانے میں خرچ کرتا ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میرے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں ایک دیوار بنا رہا تھا، آپ نے فرمایا: موت اس سے بھی پہلے آنے والی ہے۔ اور یہ تمام روایات اس صورت پر محمول ہیں جو ضرورت سے زائد تعمیر کی جائے۔ لیکن رہائش کے لیے جتنی عمارت کا بنانا ضروری ہے جو انسان کو سردی اور گرمی سے بچا سکے اس کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تعمیر بنانے والے پر وبال ہے سوا اس کے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو، سوا اس کے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مکان بنانے کی صحت کا مدار

بعض احادیث میں زیادہ اور بڑے مکان بنانے کی مذمت ہے اور یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب انسان قرض حاصل کر کے مکان کو بنائے لیکن جب اسے گرمی یا سردی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور مکان بنانے کے لیے قرض حاصل کرنے کی ضرورت نہ پڑے تو پھر اس کے لیے مکان بنانا جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۴۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: آج کل ہمارے زمانہ میں تین سے چار منزل تک مکان بنانے کا عام رواج ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ زمین مہنگی ہے اور الگ الگ ایک منزل کے مکان بنانے میں زیادہ خرچ آتا ہے اور تین چار منزل کا مکان بنا لیا جائے تو زمین پر زیادہ خرچ نہیں آتا اور کئی خاندان اس میں رہائش رکھ سکتے ہیں۔ اور بعض مقامات پر دفاتر پر مشتمل دس سے بیس اور پچیس منزل تک کی عمارتیں بنائی جاتی ہیں، اس میں بھی زمین اور جگہ کی بچت ملحوظ ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

تنبیہ: کتاب الاستئذان میں پچاسی (۸۵) احادیث مرفوعہ ہیں۔ ان میں سے بارہ (۱۲) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں سے مکرر پینسٹھ (۶۵) احادیث ہیں اور خالص احادیث کی تعداد بیس (۲۰) ہے۔

کتاب الاستئذان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہوگئی۔ اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز کتاب الدعوات شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۰۔ کِتَابُ الدَّعَوَاتِ

دعاؤں کا بیان

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں ''الدعوات'' کا بیان ہے۔ دعوات، دعوۃ کی جمع ہے اور یہ مصدر ہے، اس سے مراد ہے دعا۔ کہا جاتا ہے: ''دعوت اللہ'' یعنی میں نے اللہ سے سوال کیا۔ اور کہا جاتا ہے: ''دعوتہ'' یعنی میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ اور دعا واحد ہے اور اس کی جمع ادعیۃ ہے۔ اور دعا کا اطلاق عبادت پر بھی کیا جاتا ہے اور دعا کا معنی چیخ و پکار بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝ (الاعراف:۵) جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے O

اور دعا کا اطلاق تسمیہ اور نام پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (النور:۶۳) تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے معنی میں درج ذیل آیت کریمہ ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ (المومن:۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

المومن: ۶۰ کی تفسیر از مصنف

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد دعا ہے یا اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المومن: ۶۰ کی تفسیر میں فرمایا: ہر عبادت دعا میں منحصر ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی: (ترجمہ) بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (سنن الترمذی: ۲۹۶۹) اور دعا سے اگر اس کا معروف معنی مراد لیا جائے تو وہ بھی درست ہے اور اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی اس کی عبادت کرنا ہے۔ دعا کرنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: میں اپنے بندے کے

گمان کے موافق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (صحیح البخاری:۷۴۰۵)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیاء فرمانے والا بہت کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔ (سنن ابوداؤد:۱۴۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔ (سنن الترمذی:۳۳۷۱)

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں دیگر احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۲۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۶۷، المستدرک ج۱ ص ۴۹۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی مصیبت آئے یا نہ آئے، دعا ہر حال میں تمہیں نفع دیتی ہے، سو! اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم رکھو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۴۸، المستدرک ج۱ ص ۴۹۸، جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث:۲۷۸۴)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر صرف دعا سے ٹلتی ہے، عمر میں صرف نیکی کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۷۲، المستدرک ج۱ ص ۴۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے اور سب سے افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۷۱، حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۱۲۸۔۱۲۷، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث:۶۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۳، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:۳۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۰ ص ۲۰۰، مسند احمد ج۲ ص ۴۴۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۶۶۵۵، المستدرک ج۱ ص ۴۹۱، شرح السنہ رقم الحدیث:۱۳۸۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تمہارے رزق کو زیادہ کرے: تم دن رات اللہ سے دعائیں کیا کرو کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۱۸۱۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب عزوجل کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے، پس تم (سجدہ میں) بہ کثرت دعا کیا کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا

ہے، جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۱۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴، سنن داری رقم الحدیث: ۱۴۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۹۴۸)

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور قبولیت دعا کی شرائط

اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا''۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتنی مرتبہ لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کی چند شرائط ہیں، جب ان شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو پھر دعا ضرور قبول ہوتی ہے، وہ شرائط اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) دعا کرنے والے کا کھانا، پینا اور لباس رزق حلال سے ہونا چاہیے، اگر اس کا رزق حرام ہو تو پھر اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ طیب (پاک) ہے، وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا: ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام ہوتی ہے، اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۸۳۹، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۲۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۰۲، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۶۴، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۰۲۸)

(۲) دعا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور حاضر کر کے دعا کرے، قلب غافل سے دعا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو، یاد رکھو: اللہ اس دل کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل ہو اور اس کا دھیان لہو و لعب میں ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۵، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۳۸۰، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۶)

(۳) دعا کرنے والا راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ مشکلات اور مصائب میں اس کی دعا قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ آسانی سے اور راحت کے ایام میں اس سے زیادہ دعا کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:

۲۳۸۲، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۴)

(۴) بے نیازی سے دعا نہ کرے، بلکہ اصرار اور گڑگڑا کر دعا کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ دعا کرے اور یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

(۵) دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ دعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

(۶) کسی گناہ کے حصول یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بھی اللہ سے دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا سوال عطا کر دیتا ہے یا اس سے کسی مصیبت کو ٹال دیتا ہے، بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰)

(۷) گڑگڑا کر، عاجزی سے، ڈرتے ہوئے اور مسکین بن کر دعا کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دو رکعت نماز پڑھو اور ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھو، پھر گڑگڑاؤ، عاجزی کرو، مسکین بنو، پھر اپنے دونوں ہاتھ اللہ عزوجل کی طرف اس طرح اٹھا کر دعا کرو کہ ہتھیلیاں تمہاری طرف ہوں اور کہو: اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۸۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۱، ج ۴ ص ۱۶۷، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۹۵، کتاب الدعاء رقم الحدیث: ۲۱۰)

(۸) دنیا میں کسی مصیبت کے نزول کی دعا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی، جو چوزے کی طرح بہت کمزور ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا یا کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی سزا دینے والا ہے تو تو مجھے دنیا میں ہی سزا دے دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے: اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، پھر آپ نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس کو شفا دے دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۹۲، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۱۹۰)

(۹) اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرے تو جو دعا وہ اس مسلمان بھائی کے لیے کرے گا وہ اس کے حق میں بھی قبول ہو جائے گی۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان شخص اپنے بھائی کے پس پشت اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اس کو بھی اس کی مثل عطا فرما۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴)

(۱۰) دعا کی ابتداء میں اللہ عزوجل کی حمد وثناء کرے تو اس کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ پانچ کلمات پڑھ کر دعا کی وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا اللہ اس کو وہ عطا فرما دیگا، (وہ پانچ کلمات یہ ہیں:) لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر، لا الہ الا اللہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۶۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۶۳۴، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۶۴)

(۱۱) دعا میں سب سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثناء کرے، پھر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، پھر اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثناء کرے جو اس کے شایان شان ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر دعا کرے تو اس کا قبول ہونا اور کامیاب ہونا زیادہ متوقع ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۴۱ طبع قدیم، مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۵۲، رقم الحدیث: ۱۹۸۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۸۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو حضرت ابوعبیدہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور ان کا سماع حضرت ابن مسعود سے ثابت نہیں ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۵۰، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳، مصر)

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی وہیں تھے۔ جب میں (نماز پڑھ کر) بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا، سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۰۱، جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

(۱۳) دعا کے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس کا کوئی لفظ اوپر نہیں چڑھتا حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۶، جلاء الافہام رقم الحدیث: ۵۰، جامع المسانید والسنن مسند عمر بن

الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دعا کے اور آسمان کے درمیان حجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور جب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۱۴۸، زہر الفردوس ج ۴ ص ۲۳، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۰۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۰)

(۱۳) روزہ دار، امام عادل اور مظلوم کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی، روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور امام عادل اور مظلوم کی دعا، اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے اور ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا، خواہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۶۔ ۳۵۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۱۹، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۱۹، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۱)

(۱۴) مسافر کی دعا اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا بھی رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔

(اس حدیث کی سند حسن ہے) (سنن ترمذی: رقم الحدیث: ۲۴۶۲، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: ۳۸۶۲)

(۱۵) جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے، اس کی قبولیت پر مہر لگ جاتی ہے۔

حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے، ہم ایک شخص کے پاس آئے جو بہت گڑ گڑا کر دعا کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی، ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کس چیز سے مہر لگے گی؟ آپ نے فرمایا: آمین سے، اگر اس نے دعا کو آمین پر ختم کیا تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی، پھر وہ آدمی چلا گیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، پھر آپ اس شخص کے پاس آئے جو دعا کر رہا تھا، پس آپ نے فرمایا: اے فلاں! دعا کو آمین پر ختم کرو اور بشارت لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۶) دعا کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص دعا کرے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا ہو، قرآن مجید میں ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي۔ (البقرہ: ۱۸۶)

جب کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو بھی چاہیے کہ یہ بھی میرا کہا مانا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سے مستغنی ہے، وہ پھر بھی ہمارا کہا مان لیتا ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں، سو ہم کو تو بہت زیادہ اس کا کہا ماننا چاہیے،

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اس کا کہا مانتے رہتے خواہ وہ ہمارا کہا مانتا یا نہ مانتا، کیونکہ وہ مالک ہے اور ہم مملوک ہیں۔ لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے کہا: آؤ برابر کا سلوک کرلو۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرہ: ۱۵۲) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرلوں گا۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ۔ (البقرہ: ۴۰) تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور تم میرا حکم مانو میں تمہاری دعا قبول کرلوں گا (البقرہ: ۱۸۶)۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں وہ ہماری دعائیں قبول کرتا رہے، گویا ہم اس کے ساتھ برابر کا سلوک کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ۔ (الانعام: ۹۱) انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور دعا کی شرائط اور اوقات کے متعلق علماء اور فقہاء کے اقوال

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: دعا کی سات شرطیں ہیں: (۱) گڑگڑانا (۲) خوف (۳) امید (۴) دوام یعنی ہمیشہ دعا کرنا (۵) خشوع (۶) عموم یعنی عموم کے صیغوں سے دعا کرنا (۷) حلال رزق کھانا۔

ابن عطاء نے کہا: دعا کے ارکان ہیں یا پر ہیں اور اسباب ہیں اور اوقات ہیں۔ اگر دعا اپنے ارکان کے موافق ہو تو وہ قوی ہوتی ہے اور اگر اپنے پروں کے موافق ہو تو آسمان پر اڑ کر پہنچتی ہے، اگر اپنے وقت کے موافق ہو تو کامیاب ہوتی ہے اور اگر اپنے اسباب کے موافق ہو تو ظفریاب ہوتی ہے، دعا کے ارکان یہ ہیں: حضور قلب، تواضع اور انکسار اور خشوع، اور اس کے پر صدق ہیں اور اس کا وقت رات کا پچھلا پہر ہے اور اس کا سبب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ دعا کی چار شرطیں ہیں: (۱) تنہائی میں دل کی حفاظت کرنا (۲) لوگوں کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا (۳) نظرم کی محارم سے حفاظت کرنا (۴) پیٹ کی لقمۂ حرام سے حفاظت کرنا۔

ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی، انہوں نے کہا: کیونکہ تم اللہ کو پہچانتے ہو پھر اس کی اطاعت نہیں کرتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو پھر آپ کی اتباع نہیں کرتے اور تم قرآن کریم کو پڑھتے ہو پھر اس پر عمل نہیں کرتے اور تم اللہ کی نعمتیں حاصل کرتے ہو اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے اور تمہیں جنت کا علم ہے اور تم اس کو طلب نہیں کرتے اور تمہیں دوزخ کی معرفت ہے اور تم اس سے نہیں بھاگتے اور تم شیطان کو جانتے ہو پھر بھی تم اس سے جنگ کرنے کے بجائے اس کی موافقت کرتے ہو اور تمہیں موت پر یقین ہے پھر بھی تم اس کی تیاری نہیں کرتے اور تم مردوں کو دفن کرتے ہو پھر بھی تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور تم اپنے عیوب کو نظر انداز کرتے ہو اور لوگوں کے عیوب میں مشغول رہتے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوف البکالی سے کہا: اے نوف! اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ آپ بنی اسرائیل سے کہیے: میرے گھر میں صرف پاک دل، خائف نظر اور صاف ہاتھوں کے ساتھ داخل ہوں اور جب تک کوئی شخص میری مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے میں بری نہ ہو میں اس کی دعا قبول نہیں کرتا اور نوف! تم شاعر نہ بنو (یعنی جھوٹے، خیالی قصے اور لوگوں کی خوشامد پر مشتمل اشعار کہنے والا، اس سے اللہ اور رسول کی حمد اور نعت اور وعظ اور نصیحت کے اشعار مستثنیٰ ہیں) اور نہ گری پڑی چیز کا

اعلان کرنے والا اور نہ (ظالم) سپاہی اور نہ (ظالم) ٹیکس وصول کرنے والا اور نہ (ظالم) عشر وصول کرنے والا، کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کی ایک ساعت میں کھڑے ہوئے اور کہا: اس ساعت میں اللہ تعالیٰ ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے، سوا اس کے جو اعلان کرنے والا ہو یا سپاہی ہو یا ٹیکس وصول کرنے والا ہو یا عشر وصول کرنے والا ہو یا ڈھول بجانے والا ہو یعنی موسیقار۔

موطا امام مالک میں ہے: جب تم میں سے کوئی دعا کرے، تو پورے عزم سے دعا کرے، یہ نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ (صحیح البخاری: ۶۳۳۸، موطا امام مالک: ۴۹۲-۴۹۳)، ہمارے علماء نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ "پورے عزم سے سوال کرے" اس میں یہ دلیل ہے کہ مومن کو دعا میں خوب کوشش کرنی چاہیے اور اس کو دعا کے قبول ہونے کی امید رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ کریم سے دعا کر رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: انسان اپنی کسی جائز خواہش کی دعا کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ بدترین خلائق ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے حشر تک کی مہلت دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے اور دعا کے لیے ایسے اوقات اور احوال ہوتے ہیں جن میں دعا کے قبول ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اور وہ اوقات یہ ہیں: وقت سحر، وقت افطار، اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت، جہاد کا وقت، اور ان تمام اوقات کے متعلق آثار وارد ہیں۔ (ان اوقات میں ساعت جمعہ کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا)۔

شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے شہر! کبھی خوف خدا سے تمہارے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: اس وقت اللہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۲۹۱-۲۹۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: "تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا"۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام رازی فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ پس ہر وہ شخص جو اللہ سے دعا کرے اور اس کے دل میں اپنے مال، اپنے اقتدار، اپنے رشتہ داروں، اپنے دوستوں اور اپنی جدوجہد پر اگر ذرہ برابر بھی اعتماد ہو تو در حقیقت اس نے صرف زبان سے دعا کی ہے اور دل سے اس کا اعتماد ان چیزوں پر ہے جو اللہ کی غیر ہیں، تو اس شخص نے کسی وقت بھی اللہ سے ایسی دعا نہیں کی جس میں اس کے دل کی توجہ غیر اللہ کی طرف نہ ہو، پس ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دعا اسی وقت قبول ہوگی جب اس کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ منقطع ہو اور انسان کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ اس وقت منقطع ہوتا ہے جب اس کی موت قریب ہو، کیونکہ اس وقت انسان کو قطعی طور پر اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے فضل کے سوا کوئی چیز نفع نہیں دے گی، لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اللہ کے نزدیک انسان کی دعا صرف اسی وقت قبول ہوگی جب اس کی موت قریب ہوگی، اور ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص اور گڑگڑانے سے مقرون ہوگی۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زندگی میں بہت دفعہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں ہوتی کیونکہ ہم کو دوسری چیزوں پر بھی اعتماد ہوتا ہے اور اخلاص

کے ساتھ ہماری دعا اس وقت ہوگی جب موت قریب ہوگی اور اس وقت ہماری دعا قبول ہو جائے گی۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۸۔ ۵۲۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے جواب پر مصنف کی نقد و نظر

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ لازم نہیں ہے کہ انسان اخلاص کے ساتھ اللہ سے صرف اسی وقت دعا کر سکتا ہے جب اس کی موت کا وقت قریب ہو، اگر ایسا ہوتا تو قرآن اور حدیث میں ہم کو صرف اسی وقت دعا کرنے کی ہدایت دی جاتی جب ہماری موت کا وقت قریب ہو۔

(۲) یہ قاعدہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زندگی میں متعدد بار ایسی صورت پیش آتی ہے کہ جب انسان کے تمام سہارے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے سوا اس کی اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی۔

(۳) قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ۔ (الزمر: ۸)

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب سے رجوع کرتے ہوئے دعا کرتا ہے، پھر جب اس کو اللہ اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا۔

اس آیت میں انسان کے دعا کرنے اور اس دعا کے قبول کیے جانے کا ذکر ہے اور یہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۴) وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ۔ (یونس: ۱۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو لیٹے ہوئے بھی پکارتا ہے، بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے بھی، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں کبھی اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔

اس آیت میں بھی انسان کے دعا کرنے اور اس کی دعا کے قبول ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی قرب موت کے وقت کی دعا نہیں ہے۔

(۵) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ (النمل: ۶۲)

وہ کون ہے جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا اور وہ کون ہے جو اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جب کوئی شخص مجبور ہو کر اس سے دعا کرے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور وہ قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۶) فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۵)

اور جب مشرکین کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں ۝

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین بھی اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور کشتی میں سوار ہونے کا وقت قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۷) وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الروم: ۳۳)

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں، پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے تو پھر ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے O

اس آیت میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ جو انسان بھی تکلیف کے وقت اللہ سے دعا کرے اللہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس میں بھی قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۸) وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ (لقمان: ۳۲)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو ان میں سے بعض اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں۔

جب سمندر میں موجوں کے اٹھنے کے وقت مشرکین بھی اللہ سے اخلاص کے ساتھ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے اور یہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا، موت اس وقت ان کے قریب ہوتی جب موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی اور وہ صرف لہروں کے رحم و کرم پر ہوتے اور ڈوب رہے ہوتے۔

(۹) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اللہ کے سوا وہ سب گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے تھے، پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے O

اس آیت میں یہ بھی بتلایا ہے کہ جب مشرک بھی مصیبت کے وقت اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرما لیتا ہے حالانکہ وہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۱۰) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ (الانعام: ۶۳)

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے، تم اس سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان اندھیروں سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O

اندھیروں سے نجات کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے، حالانکہ وہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۱۱) قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴿۶۴﴾ (الانعام: ۶۴) آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو ان اندھیروں سے نجات دیتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے تم پھر بھی شرک کرتے ہو○

یعنی مشرکین جب مصائب سے نجات کی دعا کرتے ہیں تو اللہ قبول فرماتا ہے اور دعا قبول کرنے کے موقع پر ان دس آیتوں میں سے کسی آیت میں بھی قرب موت کا وقت بیان نہیں فرمایا، کسی قسم کی تکلیف ہو، مصیبت ہو، بیماری ہو، کشتیوں میں سوار ہونے کا وقت ہو، موجوں کا سامنا ہو، بحر و بر کے اندھیرے ہوں، جس وقت بھی اس سے اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے وہ دعا قبول فرمالیتا ہے، خواہ دعا کرنے والا مومن ہو یا مشرک اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اخلاص صرف موت کو سامنے دیکھ کر ہو، کسی بھی وقت اخلاص ہو سکتا ہے اور جب بھی اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے گی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمالے گا، صرف وہ دعا قبول نہیں ہوگی جس میں اخلاص نہ ہو۔

ہم نے پہلے دس آیتوں سے امام رازی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ صرف موت کو قریب دیکھ کر جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے، اب ہم صحیح اور صریح احادیث سے اس قول کا رد کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

(۱۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: (۱) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے (۲) امام عادل (۳) اور مظلوم کی دعا۔ الحدیث (سنن الترمذی: ۲۵۲۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کی دعا کے قبول ہونے کی گارنٹی دی ہے اور ان میں سے کسی کی بھی دعا اس وقت قبول نہیں ہوتی جب موت قریب ہوتی ہے۔

(۱۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۲)

اس حدیث میں بھی یہ قید نہیں ہے کہ جب موت قریب ہو تو ان کی دعا قبول ہوگی بلکہ مطلقاً فرمایا: ان کی دعا قبول ہوگی۔

(۱۴) حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۵) حضرت عمر نے فرمایا: جس دعا کے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: ۴۸۶)

ان احادیث سے بھی واضح ہو گیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف وہی دعا قبول ہوتی ہے جو قرب موت کے وقت کی جائے۔

(۱۶) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اخلاص کے ساتھ توبہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب موت قریب ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے کہ انسان سے جب گناہ سرزد ہو جائے وہ اسی وقت توبہ کرے:

(۱۶) وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

اور جب لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا اپنی جانوں پر ظلم کرلیں، پھر فوراً اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا، اور اپنے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کیا

يَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۳۵) ہو ○

(۱۷) اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ (النساء:۱۷)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے، جو ناواقفیت سے کوئی گناہ کرلیں، پھر فوراً توبہ کرلیں، پس اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ○

امام رازی نے جو قرب موت کے وقت دعا کی تلقین کی ہے وہ ان آیات کے خلاف ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(۱۸) وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ۔ (الشوریٰ:۲۵)

اور وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(۱۹) وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ۔ (طٰہٰ:۸۲)

اور بے شک میں اس کو ضرور بے حد بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے۔

ان آیتوں کا تقاضا ہے کہ بندہ جس وقت بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور اس کو معاف فرما دیتا ہے اور حدیث میں ہے:

(۲۰) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے، حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۱۴۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ بندہ دن کے گناہ کی رات آنے سے پہلے توبہ کرلے اور رات کے گناہ کی دن آنے سے پہلے توبہ کرلے اور اگر اس نے بندہ کی توبہ اور اس کی دعا صرف قرب موت کے وقت قبول کرنی ہوتی تو وہ بندوں کو جلد توبہ کرنے کی تلقین کیوں فرماتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ۔ (النساء:۱۸)

اللہ پر ان کی توبہ قبول کرنا نہیں ہے جو گناہ کرتے رہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔

امام رازی نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے اور بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اخلاص سے توبہ صرف قرب موت کے وقت ہوتی ہے اور اسی وقت کی دعا قبول ہوتی ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص کے ساتھ ہوگی۔ امام رازی کی یہ تقریر اور تلقین اور ان کی یہ توقع بہ کثرت آیات اور احادیث کے خلاف ہے اور اللہ ہی صحیح تفسیر کی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے۔

(تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۳۹۶-۴۰۶)

۱- بَابٌ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ

اس کا بیان کہ ہر نبی کی ایک دعا مستجاب یعنی مقبول ہوتی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۠ (المومن: ٦٠)

اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

یعنی مجھے واحد مانو اور صرف میری عبادت کرو، کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ میں تمہاری عبادت کو قبول کروں گا اور تمہاری مغفرت کروں گا اور تم کو ثواب عطا فرماؤں گا۔ اور کہا جاتا ہے کہ دعا کے معنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے اور اس سے سوال کرنا ہے۔

اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ دعا کا رجوع اس طرف ہے کہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیے جائیں۔ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دعا نہ کی جائے اور اپنے تمام معاملات قضاء وقدر کے سپرد کر دیے جائیں۔ اور اس آیت کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''دعا ہی عبادت ہے''۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔ اور ایک اور جماعت کا یہ قول شاذ ہے کہ اس آیت میں دعا سے مراد ہے گناہوں کا ترک کرنا اور جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ دعا سب سے عظیم عبادت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: ''الحج عرفۃ'' یعنی حج عرفہ ہے، کیونکہ حج کا معظم رکن وہ میدانِ عرفات میں قیام ہے۔ اور اس کی تائید امام ترمذی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ترغیب کے متعلق تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں۔

امام احمد اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

اور مبغوض وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

نیز امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔

امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو اصرار سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۲۹۔ ۴۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

٦٣٠٤- قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُو بِهَا وَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الْآخِرَةِ۔

بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ دعا کرتا ہے اور میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں اپنی اس دعا کو چھپالوں تاکہ اپنی امت کی آخرت میں شفاعت کروں۔

(صحیح بخاری: ۷۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۷۶۵۷، موطا امام مالک: ۴۹۲، سنن دارمی: ۲۸۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، وہ عبداللہ بن ہرمز ہیں۔ امام بخاری ان سے حدیث میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لکل نبی دعوة مستجابة یدعوبھا" یعنی وہ نبی اس مستجاب دعا کو کرلیتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر نبی وہ دعا جلدی کرلیتا ہے اور میں نے وہ دعا اپنی امت کی قیامت کے دن شفاعت کرنے کے لیے چھپا کر رکھی ہے۔

اور کتاب التوحید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے، اس میں مذکور ہے: پس میں ارادہ کرتا ہوں ان شاء اللہ کہ میں اس دعا کو چھپاؤں، اور اس میں ان شاء اللہ کا اضافہ تبرک کے لیے ہے۔

اور امام مسلم نے "از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میں نے وہ دعا چھپالی ہے"۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "میں نے وہ دعا قیامت کے لیے رکھی ہے"۔

آیا ہر نبی کی صرف ایک دعا قبول ہوتی ہے یا ہر دعا قبول ہوتی ہے

اگر تم یہ سوال کرو کہ بہ کثرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں قبول ہوئی ہیں، خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا۔ اور اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی کی فقط ایک دعا مستجاب ہوتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں دعاء مستجابہ سے مراد یہ ہے کہ جس دعا کی قبولیت اور استجابت قطعی ہو، اور ان کے ماسوا جو انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ہیں ان میں دعا کے قبول ہونے کی توقع ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے" یعنی ہر نبی کی افضل ایک دعا ہوتی ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک دعا عام ہوتی ہے جو امت کے حق میں مستجاب ہوتی ہے۔ یا تو وہ امت کی ہلاکت کی دعا کریں یا وہ امت کی نجات کی دعا کریں۔ لیکن ان کی جو خاص دعائیں ہیں ان میں سے بعض مستجاب ہوتی ہیں اور بعض

مستجاب نہیں ہوتیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ انبیاء کے حق میں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ ان کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور ان کے حال کے لائق جو معنی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بعض دعائیں اسی وقت قبول ہوجاتی ہیں اور بعض دعائیں اس وقت تک مؤخر ہوجاتی ہیں جس وقت اللہ تعالیٰ ان کے قبول کرنے کا ارادہ فرمائے۔ اور ''میں نے دعا کو چھپالیا ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے دعا کو ذخیرہ کرلیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۰۔۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۵۔ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ قَالَ مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كُلُّ نَبِيٍّ سَأَلَ سُؤْلًا أَوْ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فَاسْتُجِيبَ فَجَعَلْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اور مجھ سے خلیفہ نے کہا کہ معتمر نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ہر نبی نے ایک سوال کیا، یا فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا تھی جو اس نے کرلی، سو اس کی دعا قبول کی گئی، پس میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے کردیا۔

(صحیح بخاری: ۷۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۷۶۵۷، موطا امام مالک: ۴۹۲، سنن دارمی: ۲۸۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خلیفہ کا ذکر ہے، یہ ابن خیاط ابو عمرو العصفری البصری ہیں۔ اسی طرح العسیلی اور کریمہ کی روایت میں واقع ہوا ہے کہ مجھ سے خلیفہ نے کہا۔ اور اکثرین کی روایت میں مذکور ہے ''اور معتمر نے کہا'' اور وہ ابن سلیمان التیمی ہیں۔ پس روایت اولیٰ کی بناء پر یہ حدیث متصل ہے اور امام مسلم نے بھی اس کو سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبد الاعلیٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے خبر دی از حضرت انس بن مالک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ پھر اسی طرح ذکر کیا جس طرح قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور قتادہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت اس طرح ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ہے جو اس نے اپنی امت کے لیے کی اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی حدیث کی تخریج از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم بن حجاج القشیری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ میں اپنی دعا کو چھپا کر رکھوں گا تا کہ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرسکوں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۸، مسند احمد: ۷۷۱۸)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے، پس ہر نبی نے اپنی دعا کرنے میں جلدی کی اور میں نے اپنی دعا کو چھپا کر رکھا ہے تا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی شفاعت کر سکوں۔ پس یہ دعا ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں فوت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے بالکل شرک نہ کرتا ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۹، سنن ترمذی: ۳۶۱۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۱۰۳۱۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی دعا کو مؤخر کرنے میں اپنی امت پر شفقت فرمانا

یہ تاخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ نظر کی بناء پر ہے، کیونکہ آپ نے یہ اختیار کیا کہ آپ کی دعا ان امور میں ہو جو مناسب ہوں، اور آپ کا اس امت پر فضل اور کرم یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے شفاعت کو مؤخر کر دیا تا کہ جو اپنی مغفرت سے مایوس ہو چکے ہوں ان کو سابقین مقربین کے ساتھ لاحق فرما دے۔

صحیح مسلم: ۱۹۹، میں ہے کہ ''ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے جو اس نے اپنی امت کے متعلق کی''۔ اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک محمل یہ ہے کہ نبی نے وہ دعا اپنے لیے کی جب کہ وہ اس امت میں موجود تھے۔ یا نبی نے وہ دعا امت کے متعلق کی یا ان کی اصلاح کے لیے یا ان کی ہلاکت کے لیے۔

ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہونے کی توجیہ

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا اس کی دعاؤں میں سب سے افضل ہوتی ہے جیسے دوسری حدیث میں ہے کہ ''ہر نبی نے ایک سوال کیا اور سوال وہ ہے جس کا مرد سے سوال کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ (طٰہٰ: ۳۶) فرمایا: اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا○

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا اور ایک سخت اور مشکل کام کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے آٹھ چیزوں کا سوال کیا اور اخیر میں یہ عرض کیا کہ میں نے ان آٹھ چیزوں کا اس لیے سوال کیا تا کہ میں تیری تسبیح اور تیرا ذکر زیادہ سے زیادہ کر سکوں۔ پہلا سوال یہ کیا کہ میرا سینہ کھول کر وسیع کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ۔ (الشعراء: ۱۳) میرا سینہ تنگ ہے اور میری زبان نہیں چل رہی۔

سو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینہ کی تنگی کو فراخی اور وسعت سے تبدیل کر دے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا منشاء یہ تھا: ان کو جرأت، ہمت اور حوصلہ عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض نہیں کیا کہ میرا سینہ کھول دے بلکہ یہ عرض کیا: میرے لیے میرا سینہ کھول دے تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس شرح صدر کا فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچے گا نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔

دوسرا سوال یہ کیا: اور میرے لیے میرا کام (مشن) آسان کر دے۔ یعنی اس مشن میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور فرما دے اور اس مشن کی تکمیل کے جو اسباب اور وسائل ہیں وہ مہیا فرما دے۔

اور انبیاء علیہم السلام نے اس ایک مستجاب کے علاوہ اور بھی دعائیں کی ہیں۔ پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ آپ کی امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کیا جائے تو آپ کی یہ دعا منظور فرمائی۔ اور آپ نے یہ سوال کیا کہ آپ کی امت کے اوپر ان کے دشمن غالب نہ

ہوں اور سوال کیا کہ میری امت آپس میں ایک دوسرے سے جنگ نہ کرے تو آپ کو اس دعا سے روک دیا اور ان کے آپس میں جنگ کرنے کو ان کے گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۶، ۱۵۶، امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ ۱۲۲۸، اور امام حاکم نے المستدرک میں اس کو صحیح قرار دیا، ج ۱ ص ۳۱۴)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں جو یہ دعا ہے کہ "میری امت پر ان کا دشمن غالب نہ ہو" اس کا محمل یہ ہے کہ میری پوری امت پر ان کا دشمن غالب نہ ہو، تا کہ یہ سوال نہ ہو کہ یہودی فلسطین پر غالب ہو گئے، اور انگریز برصغیر پر غالب ہو گئے، کیونکہ ان کا غلبہ بعض علاقوں پر تھا پوری امتِ مسلمہ پر نہیں تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ہر نبی کی مستجاب دعا کی تفصیل

یہ وہ دعا ہے جو ہر نبی نے دنیا میں طلب کر لی جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ (نوح: ۲۶)

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ○

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی:

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ (مریم: ۵-۶)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما ○ جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو پسندیدہ بنا ○

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ (ص: ۳۵)

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے ○

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی امت کے لیے دعا کو چھپا کر رکھا تھا، وہ امت پر آپ کی رحمت تھی اور شفقت تھی تا کہ جس وقت امت کو شدید ضرورت ہو اور ان کے اعمال منقطع ہوں اس وقت اس دعا کو خرچ کیا جائے۔

عمر بن عبد العزیز نے کہا ہے: مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ میں اپنی دعا کی مقبولیت سے محروم ہو جاؤں۔

اور ابن عیینہ نے کہا: اگر دوزخ کے کافروں کو یہ میسر ہوتا کہ وہ دعا کر کے دوزخ سے نکل جائیں گے تو وہ ضرور نکل جاتے، لیکن انہوں نے یہ دعا کی:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ (الزخرف: ۷۷)

اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے، وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو ○

نیز انہوں نے یہ دعا کی:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال، اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ (المومنون:۱۰۷)

اور بے شک اللہ سبحانہٗ کو علم تھا کہ اگر ان کو دوزخ سے نکال دیا گیا تو یہ پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں گے، اور اگر انہوں نے یہ شرط نہ لگائی ہوتی کہ وہ کفر کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان کی دعا خالص ہوتی اور ان کو دوزخ سے نکال لیا جاتا۔

مومنین کی دعا مقبول ہونے کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے ○ (المومن:۶۰)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی دعا کے مقبول ہونے کا ضامن ہو گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مومنین کی بہت سی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، پھر اس آیت کا کیا محمل ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی اطاعت کے ساتھ مجھے پکارو، تو تم نے اپنی اطاعت سے جس چیز کو طلب کیا ہے میں وہ تم کو عطا فرماؤں گا اور بندہ کی اپنے رب کی اطاعت اس سے دعا کرنا ہے اور اپنی حاجات میں اس کی طرف رغبت کرنا ہے اور وہ اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگے اور یہ یقین رکھے کہ اس دعا کا پورا ہونا اللہ سبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۳۸۲۷، مسند احمد: ج ۲ ص ۴۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۲)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت ہی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے ○ (المومن:۶۰)

پس آپ نے دعا کا نام عبادت رکھا۔

(سنن ابوداؤد:۱۴۷۹، الادب المفرد:۷۱۴، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۴۵۰، کتاب الدعا للطبرانی:۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو گڑگڑا کر اور اصرار سے دعا کرتے ہیں۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۵۲، الکامل لابن عدی ج ۸ ص ۵۰۰، کتاب الدعا للطبرانی:۲۰، شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۳۸، رقم:۱۱۰۸)

اصرار اور گڑ گڑا کر دعا کرنے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نیک اعمال کے ساتھ اتنی دعا کرنا کافی ہے جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ اور سفیان سے کہا گیا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو انہوں نے کہا: گناہوں کو ترک کرنا ہی دعا ہے۔ سو یہ اقوال اصرار اور گڑ گڑا کر دعا کرنے کے خلاف ہیں۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ایسا نہیں ہے، کیونکہ انسان کی طبیعت جس پر پیدا کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اس شخص سے حاجت طلب کرے جو اس پر پہلے سے ناراض ہو تو اس کا دعا سے محروم ہونا زیادہ لائق ہے بہ نسبت اس کے کہ جس پر وہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے راضی ہو اور وہ اس کی ناراضگی سے اجتناب کرتا ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اس کا فلاں بندہ اس کا اطاعت گزار ہے اور وہ اس سے حاجت طلب کرتا ہے تو اس کی تھوڑی دعا بھی کافی ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ دعا کے مقبول ہونے کی علامات کیا ہیں؟

تو میں کہوں گا کہ شہر بن حوشب نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے ان سے کہا: اے شہر! کیا کبھی خوفِ الٰہی سے کبھی تمہارے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! تو انہوں نے کہا: تم اللہ سے دعا کرو کیونکہ اس وقت میں دعا قبول ہوتی ہے۔

ابورھم السماعی یہ کہتے تھے کہ دعا کے وقت چھینک آنا دعا کے مقبول ہونے کی علامت ہے۔

انبیاء کی ایک دعا قبول ہونے پر اعتراض کا جواب

اگر تم یہ کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لیے فرمایا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن:۶۰) تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر دعا کو قبول فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ایک دعا کی تخصیص کی ہے کہ وہ اس کو قبول فرمائے گا، تو نبوت کے درجہ کی فضیلت کہاں رہی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم نے گمان کیا ہے اور نہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر دعا کرنے والے کی دعا مقبول ہوتی ہے اور قتادہ نے کہا: وہ دعا مقبول ہوتی ہے جو تقدیر کے موافق ہو۔ اور حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی صرف ایک دعا مقبول ہوتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ کثرت دعائیں مقبول ہوئیں جو اسانید صحیحہ سے ثابت ہیں اور ان میں سے وہ دعا ہے جو آپ نے مشرکین کے خلاف کی تھی کہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات قحط کے سال مسلط کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری:۱۰۰۷، صحیح مسلم:۲۷۹۸)

اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ان کافر سرداروں کے خلاف دعا کی جو آپ کے معاند تھے اور وہ سب غزوۂ بدر میں قتل کر دیئے گئے۔ (صحیح البخاری:۲۴۰، ۱۷۹۴)

اور ان کے علاوہ بے شمار دعائیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبول کی گئیں، اور ہمیں کوئی ایسی حدیث نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی

دعا رد کردی گئی ہو، سوا اس دعا کے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کی امت آپس میں جنگیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا کے کرنے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے O (البقرہ: ۲۵۳)

اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دعا ہوتی ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے، کیونکہ نبی کا جو بلند درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اس کا عزت والا مقام ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی جو چاہے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی آرزو کو پورا فرمائے۔

اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے تہامہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دے، تو اللہ تعالیٰ ایسا کر دے گا۔ اور آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ بندہ اور نبی ہوں یا نبی اور بادشاہ ہوں تو آپ نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۷ ص ۸۸ رقم: ۶۹۳۷)

اور یہ درجہ عام لوگوں میں سے کسی کے لیے نہیں ہے۔ ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کے مقبول ہونے کی امید رکھیں۔ اور خوف اور امید کی درمیانی کیفیت میں رہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت

اس حدیث میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفاعت کی دعا کو قبول فرمالیا۔ اور اس دعا کو آپ کے حق میں یا آپ کے اہل بیت کے حق میں خاص نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی امت کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے اوپر رؤف اور رحیم ہیں، قرآن مجید میں ہے:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں اور مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O (التوبہ: ۱۲۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۷۷۔ ۱۸۲، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الدعوات'' کا لفظ ''دعوۃ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: سوال کرنا۔ اور دعا کا معنی ہے: طلب کرنا اور کسی کام کی دعوت دینا اور اس کام پر برانگیختہ کرنا۔ اور ''دعوت فلانا'' کا معنی ہے: میں نے اس سے سوال کیا، اور ''دعوتہ'' کا معنی ہے: میں نے اس سے مدد طلب کی۔ اور علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ دعا کا اطلاق عبادت پر بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ آیت ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس: ۱۰) اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی' پاک ہے تو اے اللہ!'' اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی:

''سلام (علیکم)'' اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا
''الحمدللہ رب العالمین''O

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (الاعراف:۵)
جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے O

امام راغب نے کہا ہے کہ دعا کا اطلاق نام لینے پر بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ آیت ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور:۶۳)
تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

علامہ راغب نے کہا ہے کہ دعا اور نداء دونوں کا معنی واحد ہے لیکن کبھی نداء کو اسم سے مجرد کر لیا جاتا ہے، لیکن دعا کو اسم سے مجرد نہیں کیا جاتا۔

اور شیخ ابوالقاسم قشیری نے ''الاسماء الحسنیٰ'' کی شرح میں لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دعا کئی معانی میں استعمال ہے، ان میں سے ایک معنی عبادت ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (یونس:۱۰۶)
اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے۔

اور دعا کا دوسرا معنی مدد طلب کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (البقرہ:۲۳)
اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔

اور دعا سوال کے معنی میں بھی قرآن مجید میں مذکور ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:۶۰)
تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا۔

اور دعا قول کے معنی میں بھی وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس:۱۰)
اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ!'' اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی: ''سلام (علیکم)'' اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا ''الحمدللہ رب العالمین''O

اور دعا کا لفظ قرآن مجید میں نداء کے لیے بھی وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۵۲)
جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے O

اور دعا کا لفظ قرآن مجید میں ثناء کے معنی میں بھی وارد ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ
آپ کہیے: تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، تم جس نام سے

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (الاسراء:۱۱۰) پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

آیا حالات کو اللہ پر چھوڑ دینا افضل ہے یا دعا کرنا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝ (المومن:۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے ۝

اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ دعا کرنا تقدیر پر تفویض سے افضل ہے، اور دعا کو تفویض پر ترجیح ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ دعا کو ترک کرنا افضل ہے اور اپنے حالات اور معاملات کو قضاء وقدر کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اور انہوں نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں لفظِ دعا سے مراد عبادت ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے "بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے"۔

اور بعض دوسرے علماء نے کہا: اس آیت میں دعا سے مراد ہے: گناہوں کو ترک کرنا۔ اور جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ "دعا ہی عبادت ہے" یہ اس لیے فرمایا کہ دعا کرنا بہت عظیم عبادت ہے، جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا: "حج عرفہ ہے" یعنی حج کا عظیم رکن وقوف عرفہ ہے۔ اور اس کی تائید امام ترمذی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دعا کرنا عبادت کا مغز ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ترغیب میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۲) دعا ان مصائب میں نفع پہنچاتی ہے جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے اللہ کے بندو تم پر دعا کرنا لازم ہے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام طبرانی نے کتاب الدعا میں اس حدیث کی ثقات کی سند سے روایت کی ہے۔

اور دعا میں اخلاص شرط ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۔ (المومن:۶۵) سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج اور غایت تذلل کا اظہار ہوتا ہے۔ اور تمام عبادات صرف اللہ عزوجل کی طرف افتقار اور خشوع اور خضوع کے ساتھ مشروع کی گئی ہیں، کیونکہ المومن: ۶۰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف تذلل اور خشوع نہ کرنے کو تکبر سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دعا کو اپنی عبادت کو قرار دیا۔

علامہ القشیری نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اولیٰ دعا کرنا ہے یا سکوت کرنا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا ہے، سو ایک قول یہ ہے کہ افضل دعا کرنا ہے اور اسی کو ترجیح دینا افضل ہے، کیونکہ دعا کرنے کے متعلق بہ کثرت دلائل ہیں۔ کیونکہ اس میں خشوع اور خضوع کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار اور احتیاج کا اظہار ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ سکوت اور رضا اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر اپنے آپ کو چھوڑ دینا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ان کا شبہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا چیز مقدر کی گئی ہے، پس اس کی دعا اگر تقدیر کے موافق ہے تو وہ تحصیل الحاصل ہے، اور اگر اس کی دعا قضاء وقدر کے خلاف ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے معاندہ ہے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ دعا بھی جملہ عبادات میں سے ہے کیونکہ اس میں خشوع اور افتقار ہے۔ اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ کا یہ اعتقاد ہے کہ وہی چیز واقع ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کی ہے تو پھر یہ معاندہ نہیں ہے۔ اور دعا کرنے کا فائدہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے ثواب کا حصول ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو اس نے دعا کی ہو اسی پر تقدیری معاملات موقوف ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات کا خالق ہے۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: جس دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ یا مسلمانوں کے ساتھ ہو، تو اس میں دعا کرنا افضل ہے، اور جس دعا کا تعلق اس کے اپنے نفس کے ساتھ ہو تو اس میں سکوت کرنا افضل ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے اس معنی کی اس طرح تاویل کی ہے کہ دوسروں کے لیے دعا کرنا مستحب ہے اور اپنے لیے دعا کو ترک کرنا افضل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کتنے لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، تو اگر یہ آیت اپنے ظاہر پر ہوتی تو اس کے خلاف نہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے: ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے لیکن قبولیت کی مختلف اقسام ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو اس نے دعا کی وہ بعینہٖ قبول ہو جاتی ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ اس دعا کے عوض میں اسے کوئی اور چیز عطا فرماتا ہے جیسا کہ امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر جب بھی کوئی مسلمان دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا فرماتا ہے، یا اس سے اس کی مثل کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس کی فوراً دعا قبول کر لیتا ہے یا اس کے اجر کو اپنے پاس ذخیرہ کر لیتا ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی کوئی دعا کرتا ہے بشرطیکہ اس میں کسی گناہ کا سوال نہ ہو، نہ قطع رحم کا سوال ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کے عوض اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا فرماتا ہے، یا تو اس کی دعا بعینہٖ قبول فرمالیتا ہے، یا اس کے اجر کو آخرت میں ذخیرہ فرمالیتا ہے، یا اس سے اس کی مثل کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اور دعا کی قبولیت کی اور بھی شرائط ہیں، ان میں سے یہ ہے کہ دعا کرنے والا حلال کھانا کھاتا ہو، اور حلال کپڑے پہنتا ہو، اور بیس ابواب کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث آئے گی کہ دعا کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ دعا کی قبولیت میں جلدی نہ کرے، یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ اس حدیث کی امام مالک نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص)

۳۶۳۔۳۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۴۔ ۶۳۰۵ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو صالح نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ یہ دعا میرے ہر اس امتی کو شامل ہوگی جو اس حال میں فوت ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کیا ہو۔ گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اس دعا کو مؤخر کریں، پھر آپ نے اس دعا کو کرنے کا عزم کیا اور وہ دعا کرلی اور اس کے وقوع کی امید رکھی۔ اور اس کلام کا تتمہ شفاعت اور اس کی اقسام کی بحث میں آئے گا ان شاء اللہ "کتاب الرقاق" کے اول میں۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث کے ظاہر پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام نے دعائیں کیں اور وہ قبول ہوئیں اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔ اور اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ہر نبی کی فقط ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ فقط ایک دعا قبول ہوتی ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ صرف ایک دعا قبول ہوتی ہے، اور اس کے ماسوا جو انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ہیں وہ قبولیت کی توقع پر ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا مستجاب ہوتی ہے یعنی جو اس کی دعاؤں میں سب سے افضل ہو، اور ان کی اور دعائیں بھی ہوتی ہیں۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہر نبی کی اپنی امت کے متعلق ایک عام دعا ہوتی ہے جو قبول ہوتی ہے یا وہ اس امت کو ہلاک کرنے کے متعلق یا اس امت کی نجات کرنے کے متعلق۔ رہی ان کی مخصوص دعائیں تو ان میں سے بعض مستجاب ہوتی ہیں اور بعض مستجاب نہیں ہوتیں۔

چوتھا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے جو وہ دنیا کے لیے کریں یا اپنے نفس کے لیے کریں جیسے نوح علیہ السلام نے دعا کی:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (نوح:۲۶)

اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ۝

اور جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے خاص اپنے نفس کے لیے دعا کی تھی:

وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِىْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ (مریم:۵۔۶)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما ۝ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو پسندیدہ بنا ۝

اور جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝ (ص:۳۵)

انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O

اشکالِ مذکور کا بعض شارحین کی طرف سے جواب اور اس پر علامہ طیبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی کا تعاقب

مصابیح السنہ کے بعض شارحین نے یہ کہا ہے: ''جان لو کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام دعائیں مستجاب ہوتی ہیں، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنی امت کے خلاف ہلاکت کی دعا کی مگر میں نے یہ دعا نہیں کی، تو اس دعا کے عوض مجھے شفاعت عطا کی گئی، کیونکہ میں نے اپنی امت کی اذیتوں پر صبر کیا اور امت سے مراد امت الدعوۃ ہے نہ کہ امتِ اجابت۔

علامہ الطیبی نے اس جواب پر تعاقب کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے کئی قبائل کے خلاف دعا کی اور قریش کے معین مردوں کے خلاف آپ نے دعا کی۔ آپ نے رعل اور ذکوان کے خلاف دعا کی اور مضر کے خلاف دعا کی۔

پھر علامہ طیبی نے کہا: زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لیے اس کی امت کے حق میں ایک دعا کو مستجاب کر دیا ہے، پس ہر نبی نے اس کو دنیا میں پالیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بعض امت دعوت کے متعلق دعا کی تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۝ (آل عمران:۱۲۸)

آپ ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیوں کہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں O

پس وہ دعائے مستجاب آخرت کے لیے ذخیرہ ہو گئی۔ اور غالب یہ ہے کہ آپ نے جن کے خلاف دعا کی آپ نے ان کی ہلاکت کا ارادہ نہیں کیا، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ شرک اور کفر سے باز آ کر توبہ کر لیں۔

رہا یہ کہ مصابیح کے بعض شراح نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام دعائیں مستجاب ہوتی ہیں تو وہ اس حدیث سے غافل ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں مجھے عطا فرما دیں اور ایک چیز سے مجھے منع فرما دیا۔۔۔الحدیث

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر کمالِ شفقت ہے اور مہربانی ہے کہ آپ نے ان کی مصلحتوں کی طرف نظر کرتے ہوئے اپنی مخصوص دعا کو مؤخر کر لیا تا کہ جب امت کو زیادہ ضرورت ہو تو اس موقع پر وہ دعا کی جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ یہ دعا ان شاء اللہ ہر اس امتی کو حاصل ہو گی جس کی وفات اس حال میں ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بالکل شرک نہ کرتا ہو، آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ جو شرک پر نہیں مرا اس کو دوزخ میں دائمی عذاب نہیں ہوگا، خواہ وہ اس حال میں مرا ہو کہ کبائر پر اصرار کرتا ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۴-۶۳۰۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی حسب ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل جنت کے لیے شفاعت کریں گے کہ ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چچا ابوطالب کے متعلق تخفیفِ عذاب کی شفاعت، جب آپ کی شفاعت کی وجہ سے صرف اس کے ٹخنوں تک آگ تھی اور اس کی آگ کی دو جوتیاں پہنائی گئیں جس سے اس کا دماغ کھول رہا تھا اور اس کا عذاب تمام اہلِ دوزخ کے عذاب سے کم تھا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تیسری قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافر کے لیے کبھی بھی شفاعت کرے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ آپ عنقریب ابوطالب کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ابوطالب نے اسلام کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نصرت کی تھی جیسی نصرت کسی کافر نے نہیں کی، پس اسی لیے آپ کو شفاعت کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔

قبولیتِ دعا کی شرائط

(۱) انسان صدقِ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر سوال کرے اور اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو کر سوال نہ کرے، کیونکہ جب تم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور وہ سوال ایسا تھا کہ جیسے تم اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہو اور تمہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی تو یہ دعا اس لائق ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جائے۔ پس ضروری ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو تم اپنی حاجت کا اظہار کرو اور اپنی احتیاج کا اللہ عزوجل کی طرف اظہار کرو۔

(۲) تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور تم اس دعا کے قبول ہونے کی امید رکھتے ہو اور اس دعا کے قبول ہونے کو مستبعد نہ جانتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا تجربہ نہ کرنا چاہتے ہو۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ سے بہ طورِ تجربہ دعا کی یا اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور وہ جانتا تھا کہ اس دعا کا قبول ہونا بہت بعید ہے تو اب یہ دعا بھی اس لائق ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جائے، اس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تمہیں اس دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو۔

(۳) دعا میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے، اگر اس نے دعا میں حد سے تجاوز کیا بایں طور کہ ایسی چیز کا سوال کیا جو مشروع نہیں ہے یا مقدر نہیں ہے تو یہ بھی دعا کے اندر حد سے تجاوز ہے اور یہ جائز بھی نہیں ہے اور یہ دعا قبول بھی نہیں ہوتی۔

پس جب کسی شخص نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ سے ظہر کی نماز کی فرضیت کو اٹھالے تو یہ دعا میں تجاوز ہے، اور اگر اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے نبی بنادے، تو یہ بھی دعا میں حد سے تجاوز ہے، یہ جائز نہیں ہے اور نہ یہ دعا قبول

ہوگی۔ اور دعا میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ آدمی کسی شخص کے متعلق ناحق دعا کرے۔ اگر کسی شخص کے متعلق ناحق دعا کی تو وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب کے متعلق فرمایا: ہماری دعائیں ان کے متعلق قبول ہوتی ہیں اور ان کی دعائیں ہمارے متعلق قبول نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ ظالم ہیں اور ہم حق پر ہیں، اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے متعلق ناحق دعا کرے۔

(۴) دعا کرنے والا حرام کے کھانے سے اجتناب کرے، اگر اس نے حرام غذا کھائی تو اس کی دعا کا مقبول ہونا بہت بعید ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ ایک مرد لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: اے میرے رب اے میرے رب! اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟

خلاصۂ بحث

اس بحث کے خلاصہ میں تین امور ہیں:

مسئلہ: جو شخص حرام غذا کھاتا ہو، کیا اس کی دعا بالکل قبول نہیں ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دعا کیسے قبول ہوگی، یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

جب کوئی شخص مضطر یعنی بے قرار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی مدح فرمائی ہے کہ وہ مضطر (بے قرار) کی دعا قبول فرماتا ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ (النمل: ۶۲)

(بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے، اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو O

جب کوئی شخص مظلوم ہو تو اس کی دعا ظالم کے متعلق قبول ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مظلوم کی دعا سے بچنا، کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا''۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۴۹۔۱۵۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: أَفْضَلِ الْاِسْتِغْفَارِ

مغفرت طلب کرنے کی سب سے افضل دعا

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ (نوح: ۱۰۔۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا O''

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ (آل عمران: ۱۳۵)

اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں سب سے افضل طلب مغفرت کی دعا کا بیان ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس میں استغفار کی فضیلت ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاری کا عنوان ہے ''افضل استغفار''۔ پس اگر تم یہ سوال کرو کہ افضل کا معنی یہ ہے کہ جس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو اس کی یہاں پر کیا توجیہ ہے، کیونکہ ثواب تو استغفار کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

تو میں کہتا ہوں کہ یہ کلام ایسے ہے جیسے کہا جائے: مکہ افضل ہے مدینہ سے، یعنی مکہ میں عبادت کرنے کا ثواب مدینہ میں عبادت کرنے کے ثواب سے زیادہ ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ اس قسم کے استغفار کا ثواب اس سے زیادہ ہے جو اس قسم کے بغیر ہو۔

باب مذکور کی تعلیقات کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے ان دونوں آیتوں سے یہ اشارہ کیا ہے کہ استغفار کرنا مشروع ہے اور استغفار کرنے پر برانگیختہ کیا ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کا عنوان ''افضل استغفار'' قائم کیا ہے۔ اور دوسری آیت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ استغفار ہر چیز میں حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید امام ثعلبی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک مرد حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی تو حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، پھر دوسرا آیا اور اس نے فقر اور تنگدستی کی شکایت کی تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، اور پھر تیسرا آیا اور اس نے کہا: آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرمائے، تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، پھر ایک اور آیا اور اس نے اپنے باغات کی خشک سالی کی شکایت کی، تو انہوں نے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس مختلف قسم کے لوگ مختلف شکایات لے کر آئے اور وہ اپنے معاملات میں سوال کرتے تھے، آپ نے سب کو استغفار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا: میں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کہا بلکہ میں نے اللہ عزوجل کی اس آیت میں غور کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ''استغفروا ربکم'' تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ (نوح: ۱۰۔۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا O''

حضرت نوح علیہ السلام نے بارش کے متعلق بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، اور یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہاری بیٹوں اور مال سے مدد فرمائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہارے لیے باغات بنادے گا اور تمہارے لیے دریا بہادے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہر قسم کی پیش آمدہ ضرورت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا جائے اور اس سے استغفار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرما دیتا ہے اور اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۱۔ ۴۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ الْعَدَوِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَيِّدُ الِاسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُولَ اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن بریدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بشیر بن کعب العدوی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث بیان کی، آپ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو: اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے عہد اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی استطاعت کے مطابق قائم ہوں، میں نے جو جو (برے) کام کیے، ان کے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں، تیری مجھ پر جو نعمتیں ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں اور میں تیرے حضور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں، سو تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ آپ نے فرمایا: جس نے یہ دعا یقین کے ساتھ صبح پڑھی، پھر وہ اسی دن شام سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔ اور جس نے یہ دعا رات کو یقین کے ساتھ پڑھی اور پھر وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۳۲۳، سنن ترمذی: ۳۳۹۳، سنن نسائی: ۵۵۲۲، مسند احمد: ۱۶۶۶۲)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "افضل الاستغفار" اور اس حدیث میں بھی سید الاستغفار کا ذکر ہے، کیونکہ سید اصل میں اس رئیس کو کہتے ہیں جس کا ضروریات اور حاجات میں قصد کیا جاتا ہے اور جس کی طرف معاملات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور جب کہ یہ دعا توبہ کے تمام معانی کی جامع ہے تو اس کے لیے اس اسم کا استعارہ کیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو قوم کا سید اور سردار ہوتا ہے وہ قوم میں افضل ہوتا ہے، اور یہ دعا بھی تمام دعاؤں کی سید اور سردار ہے اور وہ استغفار ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو معمر، یہ عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج المنقری المقعد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید العنبری البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسین، یہ ابن ذکوان المعلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن بریدہ، یہ ابن الحصیب الاسلمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشیر بن کعب، یہ العدوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت بن المنذر بن الحرام الانصاری، یہ حضرت حسان بن ثابت الشاعر رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں اور حضرت شداد جلیل القدر صحابی ہیں۔ یہ شام میں چلے گئے تھے اور ان کی کنیت ابو یعلیٰ ہے اور ان کے والد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ اور امام بخاری نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی صرف یہی حدیث ذکر کی ہے۔

اس حدیث کی امام نسائی نے استعاذہ کے باب میں روایت کی ہے اور "عمل الیوم والليلة" میں بھی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سید الاستغفار"۔ اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ اس دعا کو سید الاستغفار قرار دینے کی کیا حکمت ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ نام اور اس کی دیگر امثال تعبدیات میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ان کو زیادہ جاننے والا ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے اکمل اوصاف سے ہے اور اپنا ذکر انقص حالات سے ہے۔ اور یہ انتہائی عاجزی اور تواضع ہے، جس عاجزی اور تواضع کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا علی عهدك ما استطعت":

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ بندہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے تجھ سے جو عہد کیا ہے اور تجھ پر ایمان لانے کا جو وعدہ کیا ہے اور اچھے طریقہ سے تیری اطاعت کرنے کا جو وعدہ کیا ہے تو میں اس پر حتی المقدور قائم رہوں گا۔ اور اس میں استطاعت کی شرط اس لیے ہے کہ بندہ اپنے عجز کا اور قصور کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کماحقہٗ حق ادا نہیں کر سکتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا علی عهدك و وعدك" اس عہد سے مراد وہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تو وہ چیونٹیوں کی شکل تھے اور ان بندوں کو ان کے نفسوں پر گواہ کر کے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ اور "میں تیرے وعدہ پر قائم ہوں" یعنی وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بندوں کے ساتھ کیا تھا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا ہوگا

اور اس نے اللہ تعالیٰ کے فرض کیے ہوئے کاموں کو ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو کام اس پر فرض کیے گئے تھے اس نے اس کو ادا کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابوء لک بنعمتک علیّ"۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس سے بندہ اعتراف کا ارادہ کرتا ہے، کہا جاتا ہے "باء فلان بذنبه" جب کسی شخص نے کسی چیز کو اٹھایا جس کو اپنے نفس سے دور کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے: بندہ نے پہلے یہ اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا ہے اور انعام کو مقید نہیں کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو شامل ہو جائے۔ پھر اپنے نفس کی تقصیر اور کمی کا اعتراف کیا کہ اس نے ان نعمتوں کا پورا شکر ادا نہیں کیا۔ پھر اس میں مبالغہ کیا اور شکر کے ادا نہ کرنے کو گناہ قرار دیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "من قالها من النهار موقنا" جس نے دعا کے ان کلمات کو اخلاصِ قلب کے ساتھ کہا اور ان کلمات کے ثواب کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔ امام نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور عثمان بن ربیعہ کی روایت میں ہے: جس نے یہ کلمات کہے اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ مومن ان دعائیہ کلمات کو نہ کہے پھر بھی وہ اہلِ جنت میں سے ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعائیہ کلمات کہنے والا جنت میں ابتداءً داخل ہو جائے گا بغیر اس کے کہ وہ دوزخ میں داخل ہو، کیونکہ غالب یہ ہے کہ جو ان کلمات کی حقیقت پر یقین رکھتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ یا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس استغفار کی برکت سے معاف فرما دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۲۔ ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استغفار کا معنی، اس کا حکم اور اس معنی میں مروی دیگر احادیث

استغفار ان گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو گناہ اس کے مرتکب کی جان اور مال میں کسی حکم کو واجب نہیں کرتے خواہ اس کا گناہ کبائر میں سے ہو۔ لیکن جس نے اپنی جان اور مال میں کسی حکم کو واجب کر لیا ہے کسی گناہ کے کرنے کی وجہ سے تو پھر یہ استغفار اس کے لیے کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اس حکم کو قائم نہ کیا جائے اور وہ بندہ اس حکم سے باہر نہ ہو جائے۔

حدیث میں ہے: از بلال بن یسار بن زید از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: "استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه" اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا خواہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ دے کر بھاگا ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۷، سنن ترمذی: ۳۵۷۷)

کیونکہ جہاد سے بھاگنا اگرچہ کبائر میں سے ہے، لیکن یہ ان گناہوں میں سے ہے جو اس کے مرتکب پر اس کے جان اور مال میں سے کسی حکم کو واجب نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ مالک ہے کہ وہ معاف فرما دے یا درگزر فرمائے ہر اس گناہ سے جو شرک کے علاوہ ہو، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (آل عمران:۱۳۵)	اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیاO

نیز حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو اس حدیث سے وہ نفع عطا فرماتا جو نفع مجھے عطا فرمانا چاہتا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کوئی مرد مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف طلب کرتا، پس جب وہ حلف اٹھا لیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ اور مجھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مرد کوئی گناہ کرلے، پھر وہ کھڑا ہو کر وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ عزوجل سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (آل عمران:۱۳۵)	اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیاO

(سنن ابوداؤد:۱۵۲۱، سنن ترمذی:۴۰۶، سنن ابن ماجہ:۱۳۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی:۱۰۲۵۰)

گناہ پر اصرار کا معنی

اس آیت میں مذکور ہے "وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا" یعنی انہوں نے جو گناہ کرلیا ہے اس پر اصرار نہ کریں۔ مجاہد نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: اس گناہ پر جاری نہ رہیں۔ اور معروف یہ ہے کہ اصرار اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی کسی کام پر دوام کرے۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گناہ کے بعد استغفار کرلیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ بھی اس گناہ کا ارتکاب کرے۔

(سنن ابوداؤد:۱۵۱۴، سنن ترمذی:۳۵۵۹، مسند ابویعلیٰ:۱۳۷، سنن بیہقی:ج ۱۰ص ۱۸۸)

نیز اس آیت میں مذکور ہے "وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ" یعنی ان کو یہ علم ہو کہ وہ اس گناہ سے توبہ کر چکے ہیں۔

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت" یعنی وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ان کی اصل تخلیق کے وقت لیا جب بندوں کو ان کے آباء کی پشتوں سے نکالا اس وقت وہ چیونٹیوں کی مثل تھے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا اور فرمایا "الست بربکم؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) انہوں نے کہا "بلیٰ" (کیوں نہیں) تو بندوں نے اپنے تخلیق کے اندر

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار کر لیا۔ اور وعدہ سے مراد یہ وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبانِ رسالت سے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے کہ جو ان میں سے اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرما دے گا۔

پس ہر مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل سے یہ دعا کرے کہ وہ اسی عہد پر اس کا خاتمہ کر دے اور اس کو ایمان پر وفات دے، تا کہ وہ اس اجر کو حاصل کر لے جس کا اللہ عزوجل نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس قسم کی دعا انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب سے کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ (ابراہیم:۳۵) اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ O

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿١٠١﴾ (یوسف:۱۰۱) مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا O

اور ہمارے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا کی:

''اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے تو اپنی طرف اٹھا لینا اس حال میں کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں''۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۲۷)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''انا علی عهدك ووعدك ما استطعت'' یعنی میں اپنی استطاعت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر قائم ہوں، کیونکہ کوئی شخص بھی اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے تمام احسانات کے مطابق اس کی عبادت کرے اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کر سکتا ہے اور نہ اس کی تمام نعمتوں پر شکر ادا کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں، ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۔ (لقمان:۲۰) اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی تمام ظاہری نعمتوں کا شکر بھی ادا کون کر سکتا ہے چہ جائیکہ اس کی تمام باطنی نعمتوں کا بھی شکر ادا کرے۔ تو اس میں بندہ اپنے عجز اور قصور کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

دعاءِ مذکور کو استغفار کہنے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ کہو کہ اس دعا میں لفظِ استغفار کہاں ہے، حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس دعا کا نام سید الاستغفار رکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں استغفار کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرنا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا سوال کرنا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا۔ اور ہر وہ دعا جس میں یہ معانی ہوں تو وہ استغفار ہے، حالانکہ اس حدیث میں لفظِ استغفار بھی ہے اور وہ بندہ کا یہ قول ہے ''سو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا''۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۸۴۔۱۸۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں جو امور تحریر فرمائے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کو علامہ ابن ملقن اپنی شرح التوضیح میں لکھ چکے ہیں اور ان میں سے تقریباً تمام کو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ تاہم پھر بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کی چند امور قابل ذکر ہیں۔

فضیلتِ استغفار کے متعلق دیگر احادیث

امام احمد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابلیس نے کہا: اے میرے رب! میں ہمیشہ لوگوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت کی قسم! میں ہمیشہ ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

اور ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کو دہرائے۔

اس حدیث میں ستر مرتبہ کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے، ورنہ کتاب التوحید میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آ رہی ہے اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بندہ نے گناہ کیا، پس کہا: اے میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے سو تو مجھ کو معاف فرما دے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا۔ الحدیث۔ اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اس بندہ کو معلوم تھا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے، تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۶ میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو: اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے عہد پر اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں، میں ان کاموں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو میں نے کیے اور تیری جو مجھ پر نعمتیں ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، سو تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو بخشنے والا تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے، اور جس نے یہ دعائیہ کلمات یقین کے ساتھ دن میں کہے اور اسی دن وہ شام سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے، اور جس نے رات کو یہ دعائیہ کلمات یقین کے ساتھ کہے اور وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

سید الاستغفار کو سید الاستغفار کہنے کی توجیہ

علامہ ابن ابی جمرہ نے بیان کیا کہ اس حدیث میں بدیع، معانی اور حسین الفاظ کو جمع کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے اس استغفار کا یہ حق ہے کہ اس کو سید الاستغفار کا نام دیا جائے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدت کا اقرار ہے اور بندہ کی عبودیت کا اعتراف ہے اور یہ ماننا ہے کہ وہی خالق ہے اور اس اقرار کا عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی امید ہے اور بندہ کی طرف سے جو برے کام ہو گئے ان کے شر سے پناہ کا ذکر ہے، اور نعمتوں کی اضافت ان کے موجد کی طرف ہے

اور گناہ کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے اور اللہ کی مغفرت میں رغبت ہے اور یہ اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس مغفرت کے اوپر اور کوئی قادر نہیں ہے اور ان تمام چیزوں میں شریعت اور حقیقت کے اجتماع کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ تکالیفِ شرعیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو اور اتنی قدر حقیقت میں بھی ہوتی ہے۔ پس اگر یہ اتفاق ہو کہ بندہ نے اس کے خلاف کیا حتیٰ کہ اس پر وہ چیز جاری ہو گئی جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہے اور اس کے خلاف حجت قائم ہو گئی تو پھر دو چیزوں میں سے ایک چیز باقی رہے گی، یا تو اللہ تعالیٰ کے عدل کے تقاضا سے اس کو سزا ہو گی یا اللہ تعالیٰ کے فضل کے تقاضا سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔

اور نیز استغفار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نیت صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اور ادب ہو۔ پس اگر کسی ایک نے ان شرائط کو حاصل کر کے استغفار کیا خواہ یہ الفاظ مذکورہ نہ ہوں اور دوسرے الفاظ سے استغفار کیا، یا اس نے ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو کیا یہ دونوں امر برابر ہیں؟ پس جواب یہ ہے کہ جو چیز زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ یہ الفاظ جو اس حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں، یہی سید الاستغفار ہیں جب کہ ان شروطِ مذکورہ کے ساتھ یہ الفاظ ادا کئے جائیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۷۔ ۳۶۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استغفار کا معنی ہے: مغفرت کو طلب کرنا اور مغفرت دو چیزوں کو متضمن ہے:

ایک ہے گناہ کو ستر کرنا اور اس پر پردہ رکھنا اور دوسری چیز ہے گناہ سے درگزر کرنا اور اس پر عذاب نہ دینا، کیونکہ یہ لفظ ماخوذ ہے مِغفر سے، اور مغفر خود کو کہتے ہیں جو جنگ کے موقع پر سر پر لوہے کی ایک ٹوپی پہنی جاتی ہے اور اس سے ستر کی حفاظت ہوتی ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو کہ اے اللہ میری مغفرت فرما تو تم اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کا سوال کرتے ہو، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو لوگوں سے چھپائے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں پر مواخذہ نہ فرمائے اور ان کو معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اقوال کی جن قائلین کی طرف نسبت کی ہے، اس کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ (نوح: ۱۰۔ ۱۱)

''پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے ○ وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا ○

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔ حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے بعینہٖ یہ الفاظ نہیں کہے تھے، کیونکہ لغتِ عربی حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حادث ہوئی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی لغت عربی نہیں تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس قول کی ان کی طرف نسبت کی، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ۔ (البقرہ: ۵۴)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی امت سے کہا: اے میری امت! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو۔

حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بعینہ یہ الفاظ نہیں فرمائے تھے۔اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى۔ (المؤمن: ۲۶)

اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو۔

حالانکہ فرعون نے بھی بعینہ یہ الفاظ نہیں کہے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے: چونکہ ان قائلین نے اپنے اپنے زمانہ کی زبانوں میں جو الفاظ کہے تھے ان الفاظ کے معانی کو اللہ تعالیٰ نے لغتِ عربی میں نقل فرمادیا۔

لفظِ غفار کا معنی

اس آیت میں ارشاد ہے "اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا" :

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ عزوجل سے استغفار کریں اور اس کی علت یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے، اور غفار مبالغہ کا صیغہ ہے۔یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ لازمہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے کے ساتھ متصف ہے ازلاً اور ابداً اور بہت مغفرت کرنے والا ہے۔

اعترافِ معصیت کی فضیلت

حدیثِ سید الاستغفار میں مذکور ہے کہ "میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں"۔

کیونکہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں بہترین وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، اور ہمارے گناہ بہت ہوتے ہیں۔اور اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارے گناہ ہماری طاعت سے زیادہ ہیں تو ہم اس میں صادق ہوں گے، کیونکہ ہماری عبادات گناہوں کے ساتھ مخلوط ہوتی ہیں۔پس وہ کون ہے جو اپنی طاعت اور عبادت کو بر طریقِ مطلوب کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (ہود: ۱۱۴)

بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

سو ہماری خطائیں بہت ہیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کرنے کی تعلیم اور تلقین کی کہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، سو تو مجھے معاف فرما اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف فرمانے والا نہیں ہے۔اور یہ حدیث اس وجہ سے سید الاستغفار ہے، کیونکہ اس میں توحید ہے اور گناہ کا اعتراف ہے اور ایمان کی تقریر ہے اور اللہ کی نعمتوں کا اعتراف ہے۔اور یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ آدمی صرف یہ کہے کہ "اللھم اغفرلی" اسی وجہ سے اس کو سید الاستغفار فرمایا ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۱۔ ۱۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳- بَابُ: اِسْتِغْفَارِ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ

دن اور رات میں نبی ﷺ کے مغفرت طلب کرنے کا بیان

اس باب میں دن اور رات میں نبی ﷺ کے استغفار کرنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

۶۳۰۷- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً۔

(سنن ترمذی: ۳۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۸۱۶، مسند احمد: ۷۷۳۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اور اللہ کی قسم! بے شک میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں باب کے عنوان کے اجمال کی وضاحت کر دی ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں نبی ﷺ کے استغفار کی مقدار کا بیان نہیں تھا، اور اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ آپ دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔

نبی ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود آپ کے استغفار کرنے کی توجیہ

نبی ﷺ معصوم اور مغفور ہیں، اس کے باوجود آپ ستر مرتبہ سے زیادہ ایک دن میں استغفار فرماتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا عبادت ہے، تو آپ بطور عبادت کے استغفار فرماتے تھے، یا آپ امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کتنی مرتبہ استغفار کرے، یا جو کام آپ کسی حکمت کی وجہ سے ترکِ اولیٰ کرتے تو وہ اگرچہ گناہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود آپ اس پر استغفار فرماتے، یا آپ تواضعاً استغفار کرتے تھے، یا جو کام آپ سے سہواً سرزد ہو گئے آپ ان پر استغفار کرتے تھے، یا اعلانِ نبوت سے پہلے جو کام آپ نے کیے آپ ان پر استغفار کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ امت کی مصلحت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور دشمنانِ اسلام سے جہاد میں مصروف رہتے تھے اور نومسلموں کی تالیف میں مصروف رہتے تھے، اور اس طرح کے اور ایسے کاموں میں مشغول رہتے تھے جو آپ کو اپنے عظیم مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے مشغول رکھتے تھے، تو آپ اپنے مقامِ عالی کے اعتبار سے ان کاموں کو گناہ قرار دیتے، اگرچہ یہ کام عظیم طاعات میں سے ہیں اور افضلِ اعمال میں سے ہیں۔ لیکن ان کاموں میں بلند درجہ سے نزول ہوتا ہے اس لیے آپ ان پر استغفار فرماتے تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ اپنے احوال میں دائماً ترقی کرتے تھے۔ پس جب آپ دیکھتے کہ آپ کا کیا ہوا پہلا کام کم درجہ کا

ہے تو آپ اس پر استغفار کرتے، جیسے کہا گیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں)۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طبیعت میں غفلات طاری ہوتی ہیں جو استغفار کی محتاج ہوتی ہیں۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: بشر کی طبعی ہفوات سے کوئی محفوظ نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن وہ صغائر سے معصوم نہیں ہوتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انبیاء علیہم السلام صغائر اور کبائر تمام سے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے "میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں"۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں مبالغہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے معین عدد مراد ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں" یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس روایت کی تفسیر ہو جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اللہ عزوجل سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور امام نسائی نے از ابی سلمہ روایت کی ہے کہ میں اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہوں اور ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: انبیاء علیہم السلام کا استغفار کرنا ان کے درجات میں اضافہ اور بلندی کے لیے ہوتا ہے۔ و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اس لیے نہیں تھا کہ آپ سے کوئی گناہ ہوا تھا اور آپ اس پر استغفار کرتے تھے، بلکہ آپ کا استغفار آپ کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کا بہ کثرت استغفار کرنا

تمام بندوں میں سب سے زیادہ عبادت کی کوشش کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی معرفت رکھی ہے۔ پس وہ ہمیشہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور عبادت میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

مکحول نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے کسی ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مکحول بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور مکحول خود بھی بہ کثرت استغفار کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم صبح کے وقت ستر مرتبہ استغفار کریں۔

اور ابواسحاق نے از مجاہد از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں نے سنا کہ آپ یہ دعا کر رہے تھے، آپ نے کھڑے ہونے سے پہلے سو مرتبہ یہ دعا کی:

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ۔ میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ قائم ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ اپنے گھر والوں سے بہت تیز زبان سے بات کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! تم السحاۃ سے بے خبر ہو (یعنی مٹانے والی چیزیں)۔ انہوں نے پوچھا: وہ مٹانے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: الاستغفار۔ میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جب ان پر منافقین نے تہمت لگائی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، کیونکہ گناہ سے توبہ کرنا ندامت ہے اور استغفار ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے بہ کثرت پڑھتے تھے "سبحان اللہ وبحمدہٖ استغفر اللہ واتوب الیہ"۔ میں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت کو دیکھوں گا، پس جب آپ اس علامت کو دیکھیں تو بہ کثرت یہ پڑھا کریں، پس میں نے وہ علامت دیکھی، اور وہ علامت یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ (النصر:۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O

(یعنی اس آیت میں آپ کی وفات کی علامت کا ذکر ہے)۔

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جو مسلمان تین مرتبہ اس طرح استغفار کرتا ہے "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ" تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں اور خواہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہ کثرت پڑھتے تھے "الحمد للہ و استغفر اللہ" ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ نعمت ہے، تو میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، اور اگر یہ خطا ہے تو میں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا گویا کہ وہ ایک باغ میں ہیں، میں نے ان سے پوچھا: آپ نے اپنے کون سے عمل کو افضل پایا؟ تو انہوں نے کہا: الاستغفار۔

اور ابوعثمان نے از سلیمان روایت کی ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے وسعت اور کشادگی میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مصیبت اور بلاء نازل فرما دیتا ہے، وہ پھر دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ ایک کمزور مرد کی معروف آواز ہے جو اب کمزور ہو چکا ہے، پھر وہ اس کی شفاعت کرتے ہیں اور جب کوئی بندہ وسعت اور کشادگی میں زیادہ دعائیں نہیں کرتا اور اس پر مصیبت نازل ہوتی

ہے اور پھر وہ دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ ایک کمزور مرد کی اجنبی آواز ہے، وہ اس کی شفاعت نہیں کرتے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۳-۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت استغفار کرنے کی متعدد توجیہات

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت استغفار کر کے اپنی امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم کی اور یہ بتایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے خضوع اور خشوع پیش کریں اور عبودیت کا اظہار کریں اور اپنی تقصیر کا اعتراف کریں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نقص سے بری ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴ (کتاب الکسوف باب الصدقۃ فی الکسوف)، صحیح مسلم: ۹۰۱ (کتاب صلوٰۃ الکسوف، باب صلوٰۃ الکسوف))

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے تھا، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا: آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، تو آپ فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۴۴)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ استغفار اس لئے کرتے تھے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں گئے اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، پس جب ان کو خبر دی گئی تو گویا کہ انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا، سو انہوں نے کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تو اگلی پچھلی تمام ظاہری خطاؤں کی معافی فرمادی ہے، پس ان میں سے ایک نے کہا کہ رہا میں، تو میں ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھوں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا اور کوئی روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، سو جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، سنن نسائی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۳۶۳۱)

علامہ ابن الجوزی مالکی کی بیان کردہ توجیہ پر علامہ ابن الملقن الشافعی کا تعاقب

(۴) ہم نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت استغفار کی توجیہات بیان کی ہیں وہ اس سے کہیں اولیٰ ہیں جو ابن الجوزی نے بیان کی ہیں۔ انہوں نے کہا: ہفوات الطبع (طبیعتوں کی خرابی) سے کوئی شخص سلامت نہیں ہے، سو انبیاء علیہم السلام اگرچہ کبائر سے معصوم ہوتے ہیں لیکن وہ صغائر سے معصوم نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت پر غفلات طاری ہوتے ہیں، اس وجہ سے وہ استغفار کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ مختار مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں اور ان کی فطرت پاکیزہ ہوتی ہے۔

کثرتِ استغفار کے متعلق بعض دیگر علماء کی بیان کردہ توجیہات

(۵) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ترقی کرتے رہتے تھے، پس جب وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے تو اس سے پہلے کے حال کو کم خیال فرماتے اور اس سے استغفار کرتے، جیسا کہ کہا گیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں)۔

یہ ابو سعید الخراز کا قول ہے جیسا کہ خطیب بغدادی نے اس کی اپنی تاریخ میں روایت کی ہے۔ (ج ۴ ص ۲۷۶) اور حافظ ابن عساکر نے اس قول کی تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۴۳۷ میں روایت کی ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس قول کو حدیث گمان کیا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ شوکانی نے اپنی کتاب "الفوائد المجموعہ" میں اس کو وارد کیا ہے اور اس کو ابن عساکر کی طرف منسوب کر کے رد کیا ہے۔

(۶) بعض علماء نے بیان کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی شان یہ تھی کہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے لیکن بعض اوقات دیگر معاملات میں مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کا ذکر منقطع ہو جاتا، یا آپ امت کی اصلاح کی فکر میں رہتے اور ذکر میں منہمک نہ ہو سکتے۔ تو اس انقطاع ذکر کی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔

(۷) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمام بندوں میں سے سب سے زیادہ عبادت کی کوشش کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی معرفت رکھی ہے، پس وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور مکحول نے کہا: میں نے کسی شخص کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اور مکحول بھی بہ کثرت استغفار کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں امر کیا گیا کہ ہم صبح کے وقت ستر مرتبہ استغفار کیا کریں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ۹۴۸۴، علامہ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا: اس حدیث کی سند میں حسن بن ابی جعفر راوی ہے اور وہ متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۹)

ابو اسحاق از مجاہد از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو میں نے سنا آپ قیام سے پہلے سو مرتبہ یہ دعا کر رہے تھے: "استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ"۔

(الادب المفرد للبخاری: ۶۲۷، المعجم الطبرانی: ۱۳۵۲۲، ان دونوں کتابوں میں یہ عبارت ہے" کہ آپ مجلس میں سو مرتبہ یہ استغفار کرتے: اے میرے رب میری مغفرت فرما، میری توبہ قبول فرما اور مجھ پر رحم فرما بے شک تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ ان کی زبان ان کے اہل کے اوپر تیز ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حذیفہ! تم مٹانے والی چیزوں سے کہاں ہو، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: الاستغفار، بے شک میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

(مصنف ابن شیبہ: ۲۹۴۳۲، سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۱۱۷، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۱ ص ۲۷۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جب منافقین نے ان پر تہمت لگائی تھی: "اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق اس طرح کی اور اس طرح کی بات پہنچی ہے، پس اگر تم بری ہو تو عنقریب تم کو اللہ تعالیٰ بری کر دے گا، اور اگر تم نے گناہ کر لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے، پھر اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے"۔ (صحیح بخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۲۵۰۹۵)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جو مسلمان بھی تین مرتبہ یہ دعا کرتا ہے: "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ" تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں اور خواہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے "الحمد للہ واستغفر اللہ" ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: اگر یہ نعمت ہے پس میں اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد کرتا ہوں اور اگر یہ گناہ ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا گویا کہ وہ باغ میں ہیں، تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے کس عمل کو سب سے افضل پایا تو انہوں نے کہا: استغفار۔

اور ابوعثمان نے از حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے وسعت اور کشادگی میں دعا کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہے، پس وہ پھر دعا کرتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں: یہ ایک مردِ ضعیف کی آواز ہے جو جانی پہچانی ہے، پھر وہ اس کی سفارش کرتے ہیں اور جب وہ وسعت اور کشادگی میں بہ کثرت دعائیں نہیں کرتا اور اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے پھر وہ دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: یہ ایک مردِ ضعیف کی آواز ہے جو اجنبی ہے، وہ اس کی سفارش نہیں کرتے۔

اور علامہ ابن الملقن نے اس حدیث کی شرح میں اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کیا، البتہ یہ نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کیا تو اس کی سات سو خطاؤں کو بخش دیا جاتا ہے اور کونسا بندہ یا بندی ہے جو ہر دن سات سو گناہ کرتا ہے۔

استغفار کے فوائد

(۱) گناہوں کا مٹنا (۲) عیوب پر پردہ (۳) رزق میں وسعت (۴) مخلوق سے سلامت رہنا (۵) مال کی حفاظت (۶) امیدوں کا پورا ہونا (۷) مال میں برکت کا ہونا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۹۰۔ ۱۹۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق متعدد روایات

باب مذکور کی حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں''۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ مغفرت کو طلب فرماتے ہیں اور توبہ کا عزم فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حدیث میں الفاظ مذکور ہیں وہی بعینہٖ مراد ہوں۔ اور اس کی تائید امام نسائی کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں مجلس سے اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہے اور قائم ہے اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان الفاظ سے روایت ہے کہ ہم مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سو مرتبہ یہ دعا گنتے تھے: ''اے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت مغفرت فرمانے والا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور زہری نے یہ روایت کی ہے: بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور ابو سلمہ نے یہ روایت کی ہے کہ میں ہر دن سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

اور امام نسائی نے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا، پس فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

اور امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''بے شک میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ہر روز سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر ابر چھانے کی متعدد توجیہات

(۱) قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں غین کا لفظ ہے یعنی میرے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے یا ابر چھا جاتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جس ذکر کی شان یہ ہے کہ اس پر دوام کیا جائے، کبھی کسی وجہ سے اس ذکر میں کمی یا سستی ہو جاتی ہے تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذنب قرار دے کر اس کی وجہ سے استغفار کرتے۔

(۲) اس سے مراد وہ چیز ہے جو دل میں حدیثِ نفس واقع ہوتی ہے، یعنی کسی کام کی طرف ترغیب اور دل کا اس طرف مائل ہونا۔

(۳) اس سے مراد وہ سکینہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر استغفار کرنا عبودیت کے اظہار کے لیے ہے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ہے۔

(۴) یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ایک حالت ہے اور اس پر استغفار کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ پھر علامہ المحاسبی نے کہا: عام لوگوں کا خوف گناہوں پر مواخذہ کی وجہ سے عذاب کا خوف ہوتا ہے اور مقربین کا خوف اللہ تعالیٰ کے اجلال اور اعظام کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۵) الشیخ شہاب الدین السہر وردی نے کہا: یہ گمان نہ کیا جائے کہ آپ کے دل پر غین یا ابر کا چھا جانا کوئی نقص کی حالت ہے بلکہ وہ کمال ہے یا تتمہ کمال ہے، جیسا کہ کسی چیز کو مسلسل دیکھنے کی وجہ سے ہم آنکھ کو بند کر لیتے ہیں تا کہ آنکھ کو آرام حاصل ہو۔ اسی طرح تجلیات الٰہیہ کے مسلسل مشاہدہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ابر چھا جاتا ہے اور کچھ دیر کے لئے یہ حالت موقوف ہو جاتی ہے اور یہ درحقیقت حصولِ کمال کا سبب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کے باوجود آپ کے استغفار کرنے کی توجیہات

یہاں پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کیا حالانکہ آپ معصوم ہیں اور استغفار کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پہلے کسی معصیت کا وقوع ہو۔ اور اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں، بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ غین ہے یا وہ ابر ہے جو آپ کے قلب پر چھا جاتا ہے اور اس کی متعدد توجیہات ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ ہفوات الطبائع البشریہ یعنی بشری کمزوریوں سے کوئی نفس خالی نہیں ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن گناہ صغیرہ سے معصوم نہیں ہوتے۔ اور علامہ ابن الجوزی کا یہ جواب تحقیق کے خلاف ہے اور مختار نہیں ہے۔

(۳) علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کے اس حق کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے ہے جس حق کو ادا کرنا آپ پر واجب تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ آپ کئی مباح کاموں میں مشغول ہو جاتے مثلاً کھانے پینے میں یا جماع کرنے میں یا نیند کرنے میں یا آرام کرنے میں یا لوگوں سے باتیں کرنے میں اور لوگوں کی مصلحتوں کے متعلق غور کرنے میں اور دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ کرنے میں اور مؤلفین کی تالیف کرنے میں، اس طرح کے اور دیگر امور جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رکاوٹ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف گریہ وزاری کرنے اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور مراقبہ کرنے میں فرق آتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند مقام کے اعتبار سے ان احوال کو بھی ذنب خیال فرماتے، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل توجہ نہ رکھ سکتے، اس وجہ سے آپ استغفار فرماتے۔

(۴) اور یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم کے لیے تھا، یا امت کے گناہوں پر ان کی شفاعت کرنے کے لیے تھا۔

(۵) اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے رہتے تھے اور جب آپ کم درجہ کے حال کو دیکھتے تو اس کو اپنے بلند مقام کے اعتبار سے گناہ قرار دیتے اور اس پر استغفار فرماتے۔ لیکن یہ جواب اس ظاہر حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۸ ۳۔ ۶۹ ۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ الحافظ ابوالعباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ، لکھتے ہیں:

ہر دن سو مرتبہ استغفار اور توبہ کی تجدید کرنا

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ از الاغر المزنی (اور وہ صحابی ہیں) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے دل پر ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور میں اللہ عزوجل سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۱۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۰)

اس حدیث میں "لیغان" کا لفظ ہے۔ یہ "الغین" سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: پردہ، اور بادل اور ابر کو بھی الغین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب میں کسی گناہ کی وجہ سے ایسا اثر ہوا جس سے آپ کے دل پر پردہ پڑا، کیونکہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر صغائر کے ارتکاب کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہِ صغیرہ سرزد ہو تو اس سے ان کے دل میں اس طرح اثر ہو جاتا ہے جس طرح نافرمانوں کے دلوں میں گناہوں سے اثر ہوتا ہے بلکہ وہ مغفور ہیں اور ان کی تکریم کی گئی ہے اور ان پر ان میں سے کسی چیز کے سبب سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ پردہ یا ابر گناہ کے سبب سے نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر غین یا ابر تھا، اس کی توجیہات

(۱) ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ تھی کہ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے لیکن کبھی مختلف مشغولیات کی وجہ سے آپ یہ ذکر نہیں کر سکتے تھے تو ان مشغولیات کی بناء پر آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد جو آپ کی امت کے احوال ہوں گے ان پر آپ مطلع ہوتے، تو آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے استغفار کرتے تھے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی امت کے حالات اور معاملات پر غور و فکر کرتے اور آپ کی امت جو دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتی اس کے متعلق غور کرتے اور یہ بھی بہت عظیم مقام ہے اور عظیم عبادات میں سے ہے اور افضل اعمال میں سے ہے، لیکن اس میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے آپ دائماً جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اس میں رکاوٹ ہو جاتی تو اس پر آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار فرماتے تھے۔

(۴) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اللہ تعالیٰ کو عظیم جاننے کا ایک مقام ہے اور آپ جو استغفار کرتے وہ اس غین یا ابر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کھڑے ہوتے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میرے قلب پر پردہ پڑ جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

(۵) اور بعض اربابِ اشارات نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اپنے مقامات میں ترقی کرتے تھے اور ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ میں جلدی منتقل ہوتے تھے، پس جب آپ ایک مقام سے ترقی کر کے دوسرے مقام کی طرف جاتے تو نچلے مقام کو اپنے مقامِ عالی کے اعتبار سے نقص شمار فرماتے، تو اس نچلے مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے۔

اور جنید بغدادی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

"حسنات الابرار سیئات المقربین" کی شرح از مصنف

میں کہتا ہوں: "حسنات الابرار سیئات المقربین" کا معنی یہ ہے کہ بعض وہ کام جو نیکوں کی نیکیاں ہیں مثلاً دشمنانِ اسلام سے جہاد میں مشغول رہنا، مسلمانوں کی مصلحتوں میں غور و فکر کرنا وغیرہ، یہ بھی فی نفسہٖ نیکیاں ہیں لیکن مقربین جن کی شان یہ ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں اور کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے منقطع نہ ہوں اور ہر وقت تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ اور مراقبہ کرتے رہیں اور کسی آن اس میں انقطاع نہ ہو اور جس آن میں اس سے انقطاع ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر نہ رہیں تو وہ اس کو بھی گناہ خیال کرتے ہیں۔ ہر چند کہ جن وجوہ کی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس آن کے لیے حاضر نہ ہو سکے تھے وہ بھی فی نفسہٖ نیکی تھی لیکن اس سے بڑی نیکی جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے، وہ نہیں تھی، اس لیے وہ اس کو بھی گناہ خیال کر کے اس پر استغفار کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

توبہ کرنے کا لغوی اور شرعی معنی

نیز اس باب کی حدیث میں مذکور ہے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو جیسا کہ درج ذیل آیات میں ارشاد ہے:

وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور: ۳۱) اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ○

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم: ۸) اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الحجرات: ۱۱) اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں ○

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ توبہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو گناہ کرے اور لغت میں توبہ کا معنی ہے: رجوع کرنا۔ اور شرع میں توبہ کا معنی ہے: جو کام شرعاً مذموم ہو اس سے رجوع کر کے اس کام کو کرنا جو شرعاً محمود ہے۔

نیز امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں اللہ کی طرف ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۰)

یہ حدیث دائماً توبہ کرنے پر دلالت کرتی ہے اور انسان جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو دوبارہ توبہ کرے، کیونکہ گناہ کا حصول تو یقینی طور پر ہوا ہے اور گناہ کی سزا سے خروج مشکوک ہے، تو توبہ کرنے والے پر حق یہ ہے کہ اپنے گناہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور اس پر ہمیشہ افسوس کرتا رہے حتیٰ کہ محقق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو معاف فرما دیا ہے۔ اور اس کی امثال کا ہمارے لیے اسی وقت تحقق ہوگا جب ہماری اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔ پس انسان پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنے اوپر لازم رکھے اور جو اس سے گناہ کا کام ہو گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کا اظہار کرتا رہے اور یہ عزم کرتا رہے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کی طرف رجوع نہیں کرے گا اور اس گناہ کو اپنے آپ سے اکھاڑے گا۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہم پر یہ متحقق

ہو گیا ہے کہ ہمارا وہ گناہ معاف کر دیا گیا ہے تب بھی ہمارے اوپر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ حدیث میں ہے:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی کثرتِ عبادت کے متعلق سوال کیا کہ آپ تو مغفور ہیں پھر آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

(صحیح البخاری: ۴۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۵)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ وہ ہر روز اپنی توبہ کا تکرار کرتے ہیں حالانکہ آپ مغفور ہیں تا کہ آپ کی امت اس طریقہ پر بدرجہ اولیٰ عمل کرے، کیونکہ آپ کا غیر یہ کہے گا کہ جن کے ذنوب کی مغفرت متحقق ہو چکی ہے جب ان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ بھی اسی طرح بہ کثرت توبہ اور استغفار کرے، لیکن توبہ لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے منقسم ہوتی ہے۔

عوام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلات سے توبہ کرتے ہیں یعنی جس آن وہ کسی وجہ سے عبادت سے غافل رہیں اس پر توبہ کرتے ہیں۔ اور خواص الخواص حسنات کی طرف التفات کرنے سے توبہ کرتے ہیں۔

(المفہم شرح صحیح مسلم، ج ۷ ص ۲۶۔۲۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

کثرتِ استغفار کا استحباب

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ، لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ کثرت استغفار کرنا عبودیت کے اظہار کے لیے تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دائماً احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے تھا اور اللہ سبحانہٗ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے تھا۔ علامہ المحاسبی نے کہا ہے: ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا جو اللہ عزوجل سے خوف ہوتا ہے وہ اس کی عظمت کی وجہ سے خوف ہوتا ہے اگر چہ وہ عذاب سے مامون ہوتے ہیں اور ان کا استغفار کرنا اس کا شکر ادا کرنے کے لیے ہوتا ہے، نہ ابر اور پردہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں فرمائی ہیں: ایک یہ فرمایا ہے کہ میرے دل پر پردہ آ جاتا ہے، اور یہ فرمایا کہ میں اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہوں۔ ان میں سے کوئی امر دوسرے پر موقوف نہیں ہے۔ پس ابر کا ذکر کرنا ایک قضیہ ہے اور استغفار کرنا دوسرا قضیہ ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں عرض کرتے تھے: میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔ اور اس دعا میں آپ قرآن پر عمل کرتے تھے۔

اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کے ارتکاب کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آپ کا استغفار اس لیے تھا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ کی زبان یا آپ کے اعضاء سے کوئی ایسی چیز سرزد ہو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اگر چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی مغفرت فرما دی ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جو قلوبِ صافیہ پر طاری ہو جاتی ہے، کیونکہ نفس میں چھوٹی چھوٹی نافرمانیوں کا خیال آتا ہے اور غفلت طاری ہوتی ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہمارے بعض شیوخ یہ کہتے تھے کہ ان جوابات کی ضرورت نہیں ہے، اور اس حدیث

کا معنی یہ ہے کہ آپ ایک مقام سے اس سے اعلیٰ مقام کی طرف منتقل ہوتے تھے، پھر مقامِ اول کو مقامِ اعلیٰ کے اعتبار سے ابر اور پردہ خیال فرماتے اور پھر اس پر استغفار فرماتے تھے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے "میں ایک دن میں ایک سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ دائماً توبہ کرتا رہے اور بندہ جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو دوبارہ توبہ کرے، کیونکہ گناہ تو اس سے یقینی طور پر سرزد ہو چکا ہے اور اس کی توبہ مشکوک ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ مکرر توبہ کرتا رہے حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی ہے اور یہ یقین اسی وقت ہوگا جب اس پر موت آ جائے گی۔ پس واجب ہے کہ وہ خوف کو لازم رکھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی مغفرت کی بشارت دی جا چکی ہے جب وہ ہر دن سو مرتبہ توبہ اور استغفار کرتے تھے تو دوسروں کو کتنی زیادہ توبہ اور استغفار کرنے کی ضرورت ہوگی۔

(اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم ج ۹ ص ۱۰۳۔ ۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے کی توجیہات

اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے استغفار کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت فرما دی ہے۔ (ذنوب سے مراد خلاف اولیٰ کام ہیں نہ کہ گناہ)۔ اس کی متعدد توجیہات ہیں:

(۱) آپ سے جو سہواً کام واقع ہوئے ان پر آپ استغفار کرتے تھے۔

(۲) اعلانِ نبوت سے پہلے آپ نے جو کام کیے آپ ان پر استغفار کرتے تھے۔

(۳) آپ کا کوئی گناہ نہیں تھا لیکن آپ تواضع اور اظہارِ عبودیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) آپ امت کی رہنمائی اور انہیں اللہ تعالیٰ سے استغفار کی تعلیم دینے کے لیے استغفار کرتے تھے۔

اور حق بات یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی سند سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر غین (ابر) چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ)

علماء نے بیان کیا ہے: اس حدیث میں غین کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے ابر، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو ملاحظہ فرماتے اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرتے جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے یا امت کی مصلحتوں میں غور وفکر کرنے میں مشغول ہوتے جب کہ آپ پر حق یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں مستغرق رہتے جیسا کہ ملائکہ کروبین ہیں بلکہ ان سے زیادہ تو اس وجہ سے آپ استغفار کرتے، کیونکہ ابرار کی حسنات بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

امام غزالی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ترقی کرتے تھے، تو حالتِ سابقہ میں جب کم درجہ کو دیکھتے تو اس سے اگلے مرتبہ میں جا کر اس نچلے مرتبہ پر استغفار کرتے، لیکن مسلم کی یہ حدیث اس توجیہ کے مناسب نہیں ہے، اگرچہ امام غزالی کا یہ کہنا برحق ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی فرماتے تھے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۱۰ ص ۵۷۔ ۵۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرتِ استغفار کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا اس آیت میں اعلان فرمادیا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۱۔ ۲) (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی O تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

اس آیت کے نازل ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے، اور یہ ظاہر فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی محتاج ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس سے کوئی خطا واقع ہو جائے لیکن انبیاء علیہم السلام اپنی خطا پر برقرار نہیں رہتے تھے بلکہ ان کو اس خطا کے خلاف نیکی کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عظیم مقام کے حاصل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے اور اس کی طرف توبہ کرتے تھے تو ہم لوگوں کو کتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے دن اور رات میں استغفار کرنا چاہیے۔ ہم لوگ نماز میں یا نماز کے بعد تھوڑا بہت استغفار کرتے ہیں اور باقی وقت ہم غفلت میں گزار دیتے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ محمد تقی العثمانی، شیخ الحدیث دار العلوم کراچی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں جو غین کا ذکر ہے اس سے مراد وہ غفلت ہے جو ان لوگوں پر طاری ہو جاتی ہے جن کی شان یہ ہے کہ وہ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ پس جب ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سستی یا غفلت طاری ہو تو وہ اس کو ذنب قرار دیتے ہیں اور اس پر استغفار کرتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنی امت کے جن احوال پر مطلع ہوتے ہیں ان میں غور و فکر کرتے ہیں، پھر اپنی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنی امت کی مصلحتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان امور میں غور و فکر کرتے ہیں جن میں ان کی امت دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتی ہے۔ تو اس عظیم مقام سے رکاوٹ آجاتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دائماً اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اس کا ذکر کریں، سو اس کو وہ ذنب قرار دیتے ہیں اگرچہ یہ امور بہت عظیم طاعات میں سے ہیں اور افضلِ اعمال میں سے ہیں۔ پس یہ عالی درجہ سے نزول ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور اس کا مراقبہ کرنے سے ان امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے رکاوٹ آجاتی ہے تو وہ اس پر استغفار کرتے ہیں۔ (تکملۃ فتح الملہم ج ۵ ص ۵۶۳۔ ۵۶۴، مکتبہ

دار العلوم کراچی ۱۴)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کس وجہ سے یہ فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں''۔

اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق جو بندوں پر واجب ہے اس کی ادائیگی میں جو تقصیر ہوئی اس پر آپ استغفار کرتے تھے اور یہ تقصیر اس وجہ سے ہوئی کہ آپ بعض مباح امور میں مشغول رہتے تھے، کھانے میں پینے میں، جماع میں، سونے میں، آرام میں، لوگوں سے باتیں کرنے میں، اور دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے میں اور مؤلفۃ قلوب کی تالیف میں اور بہت سے ایسے امور جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری سے رکاوٹ ہو جاتی ہے اس وجہ سے آپ استغفار کرتے تھے، یا آپ اپنی امت کو استغفار کا طریقہ سکھانے کے لیے استغفار کرتے تھے، یا امت کے ذنوب کے اوپر آپ استغفار کرتے تھے اور یہ ان کی شفاعت کے حکم میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو جاننے والا ہے۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری، ج ۶ ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۷، کی شرح از شیخ محمد علی صابونی

الشیخ محمد علی الصابونی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبائر اور صغائر سے معصوم ہیں، آپ کا استغفار امت کی تشریع کے لیے تھا اور امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم دینے کے لئے تھا، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تو آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہٗ کے اس حکم پر عمل کرتے تھے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد:۱۹)

پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے۔

تاکہ آپ کی امت کے مسلمان مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں رہیں۔ اس میں آپ نے اپنی امت کی اس طرف رہنمائی کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے استغفار کریں اور توبہ کریں، کیونکہ ہر ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ (الشرح المیسر لصحیح البخاری، ج ۵ ص ۴۰۸)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں تو انہیں استغفار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کبائر اور اصرار علی الصغائر سے تو معصوم ہوتے ہیں لیکن صغائر سے معصوم نہیں ہوتے، استغفار صغائر کی وجہ سے کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ جواب مردود ہے، صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔
(سعیدی غفرلہ)

(۲) بعض علماء کے نزدیک انبیاء کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان کے نزدیک جواب یہ ہے کہ بسا اوقات خلاف اولیٰ کام انبیاء سے صادر ہو جاتے ہیں وہ اگرچہ گناہ کے زمرے میں داخل نہیں ہوتے لیکن انبیاء کی بلند شان اور ارفع مقام کی وجہ سے ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے قاعدے کی بناء پر انبیاء اسے بھی اپنے حق میں سیئہ سمجھتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔
(کشف الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الدعوات، ص۱۸۱، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کرنے کی توجیہات از مصنف

اس بحث میں یہ جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ (نصر:۳) — سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا تو آپ امتثال امر اور اس کا حکم ماننے کے لیے استغفار کرتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ۔ (بقرہ:۲۲۲) — اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

تو آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کے لیے دن میں سو بار سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔

اس بحث کو لکھتے وقت یہ دو جواب اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں القاء کیے۔ وللہ الحمد علی ذالک

۴۔ بَابُ: التَّوْبَةِ — توبہ کا بیان

قَالَ قَتَادَةُ ''تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا'' الصَّادِقَةُ: النَّاصِحَةُ۔ — اور قتادہ نے کہا: ''اللہ کی طرف خالص توبہ کرو''۔ یعنی سچی اور پکی توبہ کرو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں توبہ کا بیان کیا گیا ہے۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے: توبہ کا معنی ہے: گناہ سے رجوع کرنا۔ اسی طرح سے لفظ ''التوب'' ہے اور الاخفش نے کہا ہے ''التوب'' ''توبة'' کی جمع ہے ''تاب الی اللہ توبة ومتابة'' کہا جاتا ہے۔ اور ''وقد تاب اللہ علیہ'' اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق دی''۔ اور اس کی توبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس سلسلہ میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں۔ پس کسی نے کہا کہ توبہ کا معنی ندامت ہے، اور کسی نے کہا کہ توبہ کا معنی دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہے۔ اور کسی اور نے کہا کہ توبہ کا معنی ہے: گناہ کو اکھاڑ دینا۔ اور بعض علماء نے ان تینوں

امور کو جمع کیا اور وہ کامل ترین توبہ ہے۔

علامہ ابن المبارک نے کہا ہے کہ حقیقتِ توبہ کی چھ علامات ہیں:

(۱) گزشتہ گناہ پر نادم ہونا (۲) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا (۳) ہر وہ فرض جو گناہ سے ضائع ہو گیا اس کو ادا کرنا (۴) بندہ نے کسی پر ظلم کر کے کسی کا جو حق مارا ہے وہ حق اس کو ادا کرنا (۵) اور مالِ حرام سے جو اس نے اپنے بدن کو فربہ کیا ہے اس کو تفکرات اور غموں سے اتنا پگھلانا حتیٰ کہ اس کی کھال ہڈیوں کے ساتھ چمٹ جائے، پھر کھال اور ہڈی کے درمیان دوبارہ پاکیزہ گوشت پیدا ہو (۶) بدن کو عبادت کا درد چکھانا جس طرح اس نے بدن کو معصیت کی لذت چکھائی تھی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے، اس کی امام عبد بن حمید نے از شیبان از قتادہ روایت کی ہے اور قتادہ نے ''توبة النصوح'' کی تعریف کی ہے سچی توبہ۔ اور صاحب العین نے کہا ہے کہ توبہ خالص اور سچی ہوتی ہے۔ اور اس کو ''توبة النصوح'' اس لیے کہا گیا ہے کہ بندہ اس توبہ سے اپنے نفس کی خیر خواہی کرتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے بچاتا ہے۔

الاصمعی نے کہا ہے: ''الناصح'' کا معنی ہے: خالص شہد یا کوئی اور خالص چیز۔ اور ہر وہ چیز جو خالص ہو تو اس کو نصوح کہتے ہیں۔ اور ''وانتصح فلان'' اس کا معنی ہے فلاں نے نصیحت کو قبول کر لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۴۔۴۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ حَدِيثَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هٰكَذَا قَالَ أَبُو شِهَابٍ بِيَدِهِ فَوْقَ أَنْفِهِ ثُمَّ قَالَ لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ مَنْزِلًا وَبِهِ مَهْلَكَةٌ وَمَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ حَتّٰى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَ أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِي فَرَجَعَ فَنَامَ نَوْمَةً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَجَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از الاعمش از عمارہ بن عمیر از الحارث بن سوید، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان کیں، ان میں سے ایک از نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور دوسری ان کی اپنی طرف سے ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ بے شک مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا اور یہ سمجھے کہ اس کے اوپر پہاڑ گرنے والا ہے اور فاجر اپنے گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے مکھی اس کے ناک پر بیٹھی ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے ناک پر اشارہ کر کے اس مکھی کو اڑا دے، پھر (دوسری حدیث انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کی) اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے جس نے کسی ہلاکت کی جگہ قیام کیا، اس کے ساتھ اس کی سواری بھی تھی اور کھانے پینے کی

الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ سَمِعْتُ الْحَارِثَ وَقَالَ شُعْبَةُ وَأَبُو مُسْلِمٍ اسْمُهُ عُبَيْدُ اللهِ كُوفِيٌّ قَائِدُ الْأَعْمَشِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۴۴، سنن ترمذی: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۱۲۸۱۵)

چیزیں بھی تھیں، پھر وہ سر رکھ کر سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری غائب تھی، حتیٰ کہ اسے جب سخت گرمی اور پیاس لگی یا جو اللہ نے چاہا تو اس نے کہا: میں اپنی جگہ واپس جاتا ہوں، پس لوٹ گیا اور سو گیا، پھر سر اٹھایا تو اس کی سواری اس کے پاس موجود تھی۔

ابوشہاب کی متابعت ابوعوانہ اور جریر نے کی ہے از الاعمش۔

اور ابواسامہ نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ نے حدیث بیان کی، میں نے الحارث بن سوید سے سنا۔

اور شعبہ نے اور ابومسلم جن کا نام عبداللہ کوفی ہے اور وہ اعمش کے قائد تھے، نے بیان کیا از الاعمش از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید۔

اور ابومعاویہ نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عمارہ از الاسود از عبداللہ اور از ابراہیم التیمی از الحارث بن سوید از حضرت عبداللہ۔

صحیح البخاری: ۶۳۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "باب التوبه" یعنی توبہ کا بیان۔ اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، یہ احمد بن عبداللہ بن یونس التمیمی الیربوعی الکوفی ہیں۔ یہ اپنے دادا کی ظرف منسوب ہیں اور اسی کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشہاب، ان کا نام عبدربہ بن نافع الحناط ہے اور یہ ابوشہاب الحناط الصغیر ہیں۔ اور زرہے ابوشہاب الحناط الکبیر، وہ اس طبقہ کے شیوخ میں ہیں اور ان کا نام موسیٰ بن نافع ہے، اور یہ دونوں بھائی نہیں ہیں اور یہ دونوں کوفی ہیں اور اسی طرح اس سند کے باقی رجال بھی کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارہ بن عمیر التیمی، یہ تیم اللہ ہیں بنی تیم اللات بن ثعلبہ، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحارث بن سوید التیمی، یہ تیم الرباب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

یہ صحابی ہیں۔

اس حدیث میں نسق (بالترتیب) واحد سے تین تابعین کا ذکر ہے۔ان میں سے پہلے الاعمش ہیں اور یہ صغار تابعین میں سے ہیں اوران میں سے دوسرے عمارہ بن عمیر ہیں، یہ اوساط تابعین میں سے ہیں، اوران میں سے تیسرے الحارث بن سوید ہیں اور یہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان کیں ،ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے'':

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تصریح نہیں کی ، علامہ نووی اور علامہ ابن بطال نے بھی کہا ہے مرفوع حدیث وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں انہوں نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوتا ہے کہ جب کوئی مرد کسی جگہ ٹھہرے اور وہاں اس کی ہلاکت ہو۔۔الحدیث۔

اور پہلی حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے ،امام مسلم نے از جریر از الاعمش از عمارہ از الحارث روایت کی ہے کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے گیا اور وہ اس وقت بیمار تھے تو انہوں نے ہمیں دو حدیثیں بیان کیں ، ایک حدیث اپنی طرف سے اور دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔۔الحدیث

اس حدیث میں مذکور ہے''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مومن اپنے گناہوں کو اس طرح خیال کرتا ہے گویا کہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ور وہ ڈرتا ہو کہ پہاڑ اس کے اوپر آ کر گرے گا''۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مومن کا قلب منور ہوتا ہے، جب وہ اپنے نفس کا جائزہ لیتا ہے اور کوئی اپنا ایسا کام دیکھتا ہے جو اللہ عزوجل کے حکم کے خلاف ہو تو وہ اس کو بہت سنگین شمار کرتا ہے اور پہاڑ کے ساتھ مثال دینے میں حکمت یہ ہے کہ دوسری ہلاک کرنے والی چیزوں سے کبھی نجات حاصل ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف جب پہاڑ کسی بندہ کے اوپر گر جائے تو عادۃً اس سے نجات نہیں ہوتی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''اور فاجر یعنی عاصی اور فاسق جب گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے گناہ کو اس طرح قرار دیتا ہے جیسے مکھی اس کے ناک پر بیٹھی ہو اور وہ ہاتھ سے اس کو اڑا دیتا ہے''۔

یعنی عاصی اور فاسق اپنے گناہ کو بہت آسان خیال کرتا ہے، کیونکہ اس کے قلب میں تاریکی ہوتی ہے تو گناہ اس کے نزدیک بہت معمولی ہوتا ہے اور جس طرح ہاتھ سے مکھی اڑاتے ہیں تو وہ اس طریقہ سے اس گناہ کو اپنے سے دور کرتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے جب بندہ کسی ایسی جگہ ٹھہرے جو ہلاکت کی جگہ ہو اور اس کی سواری جس پر اس کے کھانے اور پینے کی چیز ہو وہ گم ہو جائے ،وہ اس کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے، پھر تھک ہار کر اپنی جگہ پر آ کر سو جائے''اور جلیل کی روایت میں ہے''میں اسی جگہ لوٹتا ہوں جہاں میں سو یا ہوا تھا حتیٰ کہ میں مر جاؤں، پھر اپنا سر اپنی کلائی کے نیچے رکھے تا کہ مر جائے پھر اس کو نیند آ جائے ،پھر جب وہ بیدار ہو تو اچانک اس کی

سواری وہیں کھڑی ہو جس پر اس کے کھانے اور پینے کی چیزیں رکھی ہوئی ہوں تو گویا اس کو از سرِ نو زندگی ملی تو کس قدر خوش ہوگا، سو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندہ کی توبہ سے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۵۔۴۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۰۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنَا هُدْبَةُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ وَقَدْ أَضَلَّهُ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی ﷺ ح اور ہمیں ہدبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے کہ تم میں سے جس کا اونٹ اچانک اسے مل جائے حالانکہ وہ ایک چٹیل میدان میں گم ہوا تھا۔

(صحیح مسلم: ۶۳۰۸، صحیح مسلم: ۲۷۴۴، سنن ترمذی: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۱۲۸۱۵)

صحیح البخاری: ۶۳۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی پہلی سند میں اسحاق کا ذکر ہے۔ الغسانی نے کہا: شاید یہ ابن منصور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حبان کا ذکر ہے، یہ ابن ہلال الباہلی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام بن یحییٰ کا ذکر ہے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

اور دوسری سند از ہدبہ بن خالد از ہمام الیٰ آخرہ ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بندہ اپنے گم شدہ اونٹ کے اچانک مل جانے سے خوش ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ کرنے سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"توبة النصوح" کے معانی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "توبة النصوح" یہ ہے کہ بندہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور پھر دوبارہ وہ گناہ نہ کرے۔

علامہ ابن المبارک نے کہا ہے کہ حقیقتِ توبہ کی چھ علامات ہیں:

(۱) گزشتہ گناہ پر نادم ہونا (۲) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا (۳) ہر وہ فرض جو گناہ سے ضائع ہو گیا اس کو ادا کرنا (۴) بندہ نے کسی پر ظلم کر کے کسی کا جو حق مارا ہے وہ حق اس کو ادا کرنا (۵) اور مالِ حرام سے جو اس نے اپنے بدن کو فربہ کیا ہے اس کو تفکرات اور غموں سے اتنا پگھلانا حتیٰ کہ اس کی کھال ہڈیوں کے ساتھ چمٹ جائے، پھر کھال اور ہڈی کے درمیان دوبارہ پاکیزہ گوشت پیدا ہو (۶) بدن کو عبادت کا درد چکھانا جس طرح اس نے بدن کو معصیت کی لذت چکھائی تھی۔

اور میمون بن مہران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کتنے ہی توبہ کرنے والے ہیں جو قیامت کے دن یہ گمان کریں گے کہ وہ توبہ کرنے والوں میں سے ہیں حالانکہ وہ توبہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں گے، کیونکہ انہوں نے توبہ کے دروازوں کو نہیں کھولا۔ (اس حدیث کی امام بیہقی نے شعب الایمان: ۷۱۷۹ میں روایت کی ہے)

عبداللہ بن سمیط نے کہا ہے: جب تک بندہ کا قلب کسی ایک گناہ کے اوپر اصرار کرتا رہتا ہے تو اس کے اعمال ہوا میں معلق ہوتے ہیں، اگر وہ اس گناہ سے توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اس کے اعمال ہمیشہ معلق ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب میرا بندہ میری طرف توبہ کرلیتا ہے تو میں اس کے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہوں اور اس جگہ سے وہ گناہ بھلا دیتا ہوں اور کراماً کاتبین سے وہ گناہ بھلا دیتا ہوں حتیٰ کہ وہ اس کے خلاف گواہی نہیں دیتے"۔

توبہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات

توبہ کرنا اللہ تعالیٰ سے ہر مسلمان کے اوپر فرض ہے خواہ اس نے صغیرہ گناہ کئے ہوں خواہ کبیرہ گناہ کئے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور: ۳۱)

اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ O

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ (التحریم: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

(۳) اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء: ۱۷)

توبہ کی مقبولیت اللہ پر صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں، پھر عنقریب توبہ کرلیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتماً) قبول فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے O

پس ہر گناہ کرنے والا جس وقت وہ گناہ کرتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے خواہ وہ عالم ہو۔ اور جس نے موت سے پہلے توبہ کر لی تو اس نے عنقریب توبہ کی۔

اور" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ندامت توبہ ہے"۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۲، مسند احمد: ۳۵۶۸، مسند بزار: ۱۹۲۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۷۹۹، المستدرک للحاکم: ۷۶۱۲، ۷۶۱۳، شعب الایمان للبیہقی: ۷۰۲۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۰۵۵۸)

ابن شہاب الزہری نے بیان کیا: جب بنی اسرائیل سے کہا گیا:

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ (البقرہ: ۵۴) پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو، سو تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔

تو وہ دو صفوں میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا حتیٰ کہ ان سے کہا گیا: کافی ہو گیا، تو یہ مقتول کی شہادت ہو گئی اور زندوں کی توبہ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے قتل کو اٹھا لیا کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں بہت کوشش کی، پس اللہ تعالیٰ کا اس امت پر اسلام کے بعد کتنا بڑا انعام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے کیے ہوئے برے کاموں پر نادم ہو کر اس سے توبہ کر لیں۔

مرد اپنی عمر کو گناہ میں فنا کر دیتا ہے اور وہ گناہوں میں اور نافرمانیوں میں اپنی عمر کو فنا کرتا ہے، پھر نادم ہوتا ہے اور اس گناہ کو اپنی ذات سے اکھاڑ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے گناہ کو ساقط کر دیتا ہے اور اس کو اپنا حبیب بنا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ (بقرہ: ۲۲۲) اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O

امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گناہ سے توبہ کر لیتا ہے، وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰، المطبرانی ج ۱۰ ص ۱۵۰، رقم الحدیث: ۱۰۲۸۱، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰، مسند الشہاب ج ۱ ص ۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۴)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے جو حدیث ذکر کی، اس میں یہ فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مومنین میں اس کا شمار ہو، تو وہ اپنے گناہوں سے ڈرے اور اس کو بہت زیادہ گناہوں سے خوف ہو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کم نہ سمجھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تھوڑی سی چیز پر بھی مواخذہ فرماتا ہے اور اسی کے لیے حجت بالغہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کی ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے بہت خوش ہوتا ہے جو توبہ کرتا ہے، اور خوشی کے معنی رضا ہیں، قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ (المومنون: ۵۳) ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو O

یعنی ہر گروہ اس سے راضی ہوتا ہے جس کام کو وہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے راضی ہوتا ہے۔

توبہ اور استغفار کا معنی لطیف یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور متقدمین اور متاخرین توبہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہے، اور انبیاء علیہم السلام نے بہ کثرت توبہ کی اور استغفار کیا اور وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور گناہوں سے براءت کا اظہار کرتے تھے اور استغفار میں توبہ کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ:۱۱۷)

بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ان کے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۹۸۔ ۲۰۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعاؤں کے بیان سے پہلے استغفار اور توبہ کی ضرورت کی توجیہ

امام بخاری نے ان دو بابوں کو یعنی استغفار اور توبہ کو کتاب الدعاء کے شروع میں وارد کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ قبولیت اس شخص کی دعا کی جلدی ہوتی ہے جو معصیت اور گناہ کے ساتھ متصف نہ ہو۔ پس جب امام بخاری نے توبہ اور استغفار کو دعا کی احادیث لانے سے پہلے ذکر کیا تو اس سے بندہ کی دعا کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

اور علامہ ابن الجوزی سے سوال کیا گیا، کسی شخص نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کروں یا اس سے استغفار کروں؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب کپڑا میلا کچیلا ہو تو انسان خوشبو لگانے کی بجائے صابن کی طرف زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ یعنی پہلے وہ اپنے کپڑے کو صاف کرے گا، پھر خوشبو لگائے گا۔ اسی طرح بندہ پہلے استغفار کر کے توبہ کرے گا اور پھر تسبیح پڑھے گا۔ اور استغفار کا معنی ہے: غفران کو طلب کرنا۔ اور کسی چیز کی اس سے حفاظت کرنا جو اس کو میلا کچیلا کرتی ہے۔ اور ہر چیز کا میل اور کچیل اس کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندہ کی مغفرت فرمانا اس لئے ہے کہ وہ اس کو عذاب سے محفوظ رکھے اور توبہ کا معنی ہے کہ بندہ گناہ کو ترک کرے۔ اور شرعی معنی یہ ہے کہ گناہ کی قباحت کی وجہ سے اس کو ترک کرے اور اس کے فعل پر نادم ہو اور یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا۔ اور جس شخص کا حق اس نے سلب کیا ہو وہ حق اس کو واپس کرے یا حق دار سے اس کے حق سے براءت کو طلب کرے اور یہ سب سے بلیغ عذر ہے۔

علامہ قرطبی کی توبہ کی تعریف

علامہ الحافظ ابو العباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

توبہ کی تعریف میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں۔ کسی نے کہا: توبہ ندامت ہے، اور دوسرے نے کہا: دوبارہ گناہ نہ کرنے کا

عزم توبہ ہے۔ اور تیسرے نے کہا: گناہ کو اکھاڑ دینا یہ توبہ ہے۔ اور بعض نے ان تینوں امور کو جمع کیا اور یہ توبہ کی سب سے کامل تعریف ہے۔

علامہ قرطبی کی تعریف کا مانع اور جامع نہ ہونا

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں ہے۔ مانع اس لئے نہیں ہے کہ کبھی یہ تینوں امور مجتمع ہوتے ہیں اور وہ شرعاً توبہ کرنے والا نہیں ہوتا، کیونکہ بسا اوقات وہ مال کی حرص کی وجہ سے ایسا کرتا ہے یا وہ اس لئے ایسا کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو ملامت نہ کریں اور اس کو عار نہ دلائیں۔

اور توبہ صرف اس وقت صحیح ہوتی ہے جب کوئی بندہ اخلاص سے توبہ کرے یعنی نہ مال کے لالچ کی وجہ سے اور نہ ملامت کے خوف کی وجہ سے اور جس نے غیر اللہ کی وجہ سے گناہ کو ترک کیا وہ بالاتفاق توبہ کرنے والا نہیں ہے۔

اور یہ تعریف جامع اس لئے نہیں ہے کہ اس تعریف سے یہ صورت نہیں نکلتی کہ جس آدمی نے مثلاً زنا کیا، پھر اس کا آلہ کاٹ دیا گیا تو اب اس سے گزشتہ فعل پر ندامت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، رہا یہ کہ وہ یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ زنا نہیں کرے گا تو اب یہ اس سے متصور ہی نہیں ہے۔

توبہ کی تعریف میں صرف ندامت کا کافی نہ ہونا

اور اسی طرح جس نے یہ کہا کہ توبہ کی تعریف میں ندامت کافی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جو شخص صرف نادم ہوا اور اس نے اس گناہ کو اپنی طبیعت سے نہیں اکھاڑا اور اس نے یہ عزم نہیں کیا کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا تو وہ بھی اتفاقاً توبہ کرنے والا نہیں ہے۔

توبہ کی صحیح تعریف

بعض محققین نے توبہ کی تعریف میں یہ کہا کہ انسان سے جو گناہ پہلے حقیقتاً ہو چکا ہے یا تقدیراً تو وہ محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کو ترک کر دے اور یہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ جامع توبہ کی تعریف ہے، کیونکہ توبہ کرنے والا اس گناہ کو ترک کرنے والا نہیں ہے جس کو وہ کر چکا ہے، کیونکہ وہ اس گناہ کے عین پر اور نہ اس کے ترک پر اور نہ اس کے فعل پر قادر ہے۔ وہ صرف اس پر قادر ہے کہ دوبارہ اس کی مثل گناہ کرے۔

اسی طرح جس سے کوئی گناہ واقع نہیں ہوا، اس سے یہ ممکن ہے کہ وہ اس گناہ کے کرنے سے بچے، سو وہ متقی ہے تائب نہیں ہے۔ اور اس پر باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے تنبیہ ہے جو شخص گناہ کی برائی اور اس کے ضرر کی وجہ سے گناہ کو چھوڑنا چاہتا ہے، کیونکہ گناہ ایک ہلاک کرنے والا زہر ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت کی سعادت کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حجاب میں رکھتا ہے۔ اور جب انسان کے اوپر ہلاکت کا خوف غالب ہو تو وہ اس کے تدارک کی توجہ کرے گا تاکہ اپنے نفس سے اس زہر کے اثر کو دور کر سکے، پس اس وقت وہ اپنے پچھلے کئے ہوئے کام پر نادم ہوگا اور دوبارہ اس کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرے گا۔

مختلف گناہوں کے اعتبار سے توبہ کی اقسام اور اس کے احکام

جان لو کہ توبہ یا کفر سے ہوتی ہے یا گناہ سے۔ پس کافر کی توبہ قطعی طور پر مقبول ہے اور گناہ گار کی توبہ سچے وعدہ کی وجہ سے مقبول ہے، اور قبول کا معنی ہے: گناہ کے ضرر سے خالی ہونا حتیٰ کہ انسان ایسا ہو جائے جیسے اس نے وہ گناہ نہیں کیا۔ پھر گناہگار کی توبہ یا اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے ہوگی یا کسی اور وجہ سے ہوگی، پس اگر اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے وہ توبہ کر رہا ہے تو اس توبہ میں یہ کافی ہے کہ وہ گزشتہ گناہ کو ترک کر دے۔ البتہ شریعت نے فقط ترک کو کافی نہیں قرار دیا بلکہ اس کی طرف قضاء کو یا کفارہ کو بھی لازم کیا ہے، مثلاً نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہے تو جو نمازیں نہیں پڑھیں ان کی قضاء کرے۔ اور اگر روزہ توڑنے یا قسم توڑنے یا قتل کرنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہے تو لازم ہے کہ روزہ توڑنے کا کفارہ ادا کرے یا قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے یا قتل کرنے کا کفارہ ادا کرے۔

اور جب اللہ کے غیر کے حق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہے تو اس میں ضروری ہے کہ اس کا وہ حق اس کے مستحق تک پہنچائے، ورنہ وہ اس گناہ کے ضرر سے خالی نہیں ہوگا۔ لیکن جو شخص حق دار تک اس کا حق پہنچانے پر پوری کوشش کے باوجود قادر نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہوگا اور اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

علامہ عبد اللہ بن المبارک کی بیان کردہ شرائط توبہ

علامہ عبد اللہ بن المبارک نے توبہ کی زیادہ شرائط ذکر کی ہیں۔ انہوں نے کہا: توبہ کی شرط ندامت ہے اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہے اور جو حقوق ادا نہیں کیے ان کو واپس کرنا ہے۔ اور جو فرائض ضائع کیے ہیں ان فرائض کو ادا کرنا ہے۔ اور اس کا جو بدن مال حرام سے بڑھا ہوا اس بدن کو غم اور تفکرات سے پگھلائے حتیٰ کہ پھر اس کے لیے صاف اور پاک گوشت پیدا ہو جائے۔ اور اپنے نفس کو عبادت کا درد اس طرح چکھائے جس طرح اس نے اپنے نفس کو معصیت کی لذت چکھائی تھی۔

علامہ عبد اللہ بن المبارک کی بیان کردہ شرائط توبہ پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان میں سے بعض چیزیں توبہ کی تکمیل کرنے والی ہیں۔ اور جن علماء نے توبہ کی تفصیل ندامت کے ساتھ کی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد اور امام ابن ماجہ اور دیگر محدثین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ندامت توبہ ہے۔ لیکن اس حدیث میں ان کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا معنی ہے توبہ پر برانگیختہ کرنا۔ اور یہ کہ ندامت توبہ کا سب سے عظیم رکن ہے نہ یہ کہ ندامت خود توبہ ہے۔

اور ہم نے جو کہا تھا کہ یہ توبہ اللہ کے لیے ہونی چاہیے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ گزشتہ کیے ہوئے کام پر ندامت ہونی چاہیے اور یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ اپنی طبیعت سے اس معصیت کی جڑ کو اکھاڑ دے۔ پس مثلاً جس شخص نے اپنے بیٹے کو قتل کیا اور وہ اس وجہ سے اس پر نادم ہوا کہ وہ اس کا بیٹا ہے (یعنی اس وجہ سے نادم نہیں ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی ہے) اور جس شخص نے کسی گناہ میں مال کو خرچ کیا، پھر وہ اس پر نادم ہوا کہ اس کا مال کم ہو گیا (یعنی وہ اس پر نادم نہیں ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی ہے) اس لیے ضروری ہے کہ جو شخص اپنے گزشتہ کیے ہوئے فعل پر نادم ہو تو اس کی وہ ندامت محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہو۔

اور حقوق العباد میں توبہ کی صحت کے لئے یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ جس شخص نے کسی مرد کی باندی کو چھین لیا اور اس سے زنا کیا تو اس کی توبہ اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ اس باندی کو اس کے مالک کی طرف واپس کر دے گا، اور جس شخص نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا تو اس کی توبہ اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ اپنے آپ کو اس مقتول کے ولی کے سپرد کر دے کہ وہ چاہے تو اس سے قصاص لے اور یا چاہے تو اس کو معاف کر دے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ غصب اور مقتول کے حق کی توبہ کے متعلق واضح ہے، لیکن ممکن ہے کہ اس کی توبہ زنا دوبارہ نہ کرنے کے ساتھ صحیح ہو اگر وہ باندی بدستور اس کے قبضہ میں رہے۔ اور اسی طرح قتل دوبارہ نہ کرنے سے اس کی توبہ صحیح ہو اگرچہ وہ اپنے آپ کو مقتول کے ولی کے سپرد نہ کرے۔

توبہ کی شرائط مذکورہ پر بعض علماء کا اضافہ کرنا

بعض محققین علماء نے توبہ کی شرائطِ مذکورہ پر درج ذیل شرائط کا اضافہ کیا ہے:

(۱) گناہ کرنے والا گناہ کی جگہ سے دور چلا جائے۔

(۲) اور اخیر عمر تک دوبارہ اس جگہ نہ جائے حتیٰ کہ اس کو موت آ جائے۔

(۳) اس وقت تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوا ہو۔

(۴) وہ اس گناہ کا دوبارہ ارتکاب نہ کرے، اگر اس نے اس گناہ کا دوبارہ ارتکاب کیا تو اس کی توبہ باطل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: پہلی شرط مستحب ہے۔ اور دوسری اور تیسری شرط حدِ تکلیف میں داخل ہے۔ اور چوتھی اور آخری شرط قاضی ابوبکر الباقلانی کی طرف منسوب ہے۔ اور بیس ابواب کے بعد ایک حدیث آ رہی ہے جو اس چوتھی شرط کو باطل کرتی ہے اور وہ باب ہے "فضل الاستغفار"۔

علامہ حلیمی نے الاسماء الحسنٰی میں "تواب" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنی رحمت کے فضل سے رجوع فرماتا ہے، وہ جب بھی عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی معصیت پر نادم ہوتا ہے تو اس نے پہلے جو نیکی کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس سے ثواب کا وعدہ کیا ہے اس سے ثواب کو محروم نہیں کرتا۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے "التواب" وہ ہے کہ جب بھی بندہ گناہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ (یعنی اس کی توبہ باطل نہیں ہوتی)۔

"توبۃ نصوحا" کی تحقیق

قتادہ نے کہا ہے کہ "توبۃ نصوحا" وہ ہے جو توبہ صادقہ ہو۔

کہا گیا ہے: اس کو توبۃ نصوحا اس لئے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہے یعنی اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔ اور اس کو مبالغہ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اپنی تفسیر میں "توبۃ نصوحا" کے متعلق حسب ذیل اقوال ذکر کئے

ہیں:

(۱) حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ "توبة النصوح" وہ ہے کہ جس کے بعد گناہ دوبارہ نہ کرے، جس طرح دودھ تھن سے نکلنے کے بعد اس میں واپس نہیں جاتا۔ اس حدیث کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(۲) اور قتادہ نے کہا ہے کہ "توبة النصوح" وہ ہے جو توبہ صادقہ ہو اور خالصہ ہو۔

(۳) حسن بصری نے کہا ہے کہ "النصوح" یہ ہے کہ بندہ گناہ سے اس طرح بغض رکھے جس طرح پہلے اس سے محبت رکھتا تھا اور جب بھی اس گناہ کو یاد کرے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ "توبة النصوح" یہ ہے کہ جس کے قبول ہونے کا وثوق نہ ہو اور بندہ ڈرتا رہے۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ "توبة النصوح" وہ ہے جس کے بعد مزید توبہ کی ضرورت نہ ہو۔

(۶) الکلبی نے کہا: "توبة النصوح" یہ ہے کہ دل سے گناہ پر نادم ہو، زبان سے استغفار کرے اور گناہ کو اکھاڑ دے اور اس کو یہ اطمینان ہو کہ اب وہ دوبارہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

(۷) اور سعید بن جبیر نے کہا کہ "توبة النصوح" توبة المقبولہ ہے، اور توبہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس میں تین شرطیں ہوں: ایک قبول نہ ہونے کا خوف، دوسرا قبول ہونے کی امید، اور تیسرا دائمی عبادات کرنا۔

(۸) سعید بن المسیب نے کہا: "توبة النصوح" وہ ہے جس کے ساتھ تم اپنے نفسوں کی خیر خواہی کرو۔

(۹) القرظی نے کہا: "توبة النصوح" میں چار چیزیں جمع ہوتی ہیں: زبان سے استغفار، بدن سے گناہ کو اکھاڑ پھینکنا، اور دل سے دوبارہ نہ کرنے کا عزم کرنا، اور برائی اور بدخلقی کو چھوڑ دینا۔

(۱۰) سفیان ثوری نے کہا: "توبة النصوح" میں چار چیزیں ہیں: "القلة، والعلة، والذلة، والغربة"۔

(۱۱) اور الفضیل بن عیاض نے کہا: توبة النصوح یہ ہے کہ گناہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو، پس وہ ہمیشہ اس کی طرف دیکھتا رہے۔

(۱۲) ابن السماک نے کہا کہ تم گناہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا کرو اور اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے حیاء کرو۔

(۱۳) ابوبکر الوراق نے کہا کہ تم یہ سمجھو کہ زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی ہے۔

(۱۴) ابوبکر الواسطی نے کہا: یہ وہ توبہ ہے جو کسی عوض کے فوت ہونے کی وجہ سے نہ ہو، کیونکہ جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا اپنے نفس کی آسائی کے لئے، پھر اس نے توبہ کی تاکہ اسے آخرت میں آسانی مل جائے تو اس کی توبہ اپنے نفس کی حفاظت کے لئے ہے اللہ کے لئے نہیں ہے۔

(۱۵) اور ابوبکر الدقاق المصری نے کہا: "توبة النصوح" یہ ہے کہ لوگوں کے چھینے ہوئے حقوق واپس کردے، دشمنوں سے کی ہوئی زیادتی کو معاف کرائے اور عبادات پر دوام کرے۔

(۱۶) رُوَیم نے کہا کہ توبہ صرف اللہ کے لئے ہو جیسا کہ معصیت صرف اپنے لیے کرتے تھے۔

(۱۷) ذوالنون نے کہا: "توبة النصوح" کی تین علامتیں ہیں: کم باتیں کرنا، کم کھانا اور کم سونا۔

(۱۸) شقیق بلخی نے کہا: جس نے گناہ کیا ہے وہ اپنے نفس کے اوپر زیادہ ملامت کرے اور کبھی ندامت سے الگ نہ ہو، تا کہ گناہ کی آفات سے نجات پائے۔

(۱۹) سری سقطی نے کہا کہ "توبة النصوح" اس وقت تک متحقق نہیں ہوگی جب تک کہ اپنے نفس اور تمام مومنین کی خیر خواہی نہ چاہے۔

(۲۰) اور جنید بغدادی نے کہا: "توبة النصوح" یہ ہے کہ گناہ کو بھول جائے اور کبھی اس کو یاد نہ کرے، کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہوتی ہے، وہ اللہ سے محبت کرنے والا ہو جاتا ہے، اور جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ کے ماسوا کو بھول جاتا ہے۔

(۲۱) اور ذوالاذنین یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہیں، اور اس کا دل غمزدہ ہو۔

(۲۲) فتح الموصلی نے کہا: "توبة النصوح" کی تین علامتیں ہیں: خواہش کی مخالفت کرے، زیادہ روئے، بھوک اور پیاس برداشت کرے۔

(۲۳) سہل بن عبداللہ التستری نے کہا: یہ توبہ اہل سنت و جماعت کی ہے، کیونکہ بدعتی کی کوئی توبہ نہیں ہوتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بدعتی کی توبہ سے حجاب میں ہے۔

(۲۴) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی آدمی کے شر کے لئے کافی ہے کہ گناہ سے توبہ کرے اور پھر اس گناہ کی طرف رجوع کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اقوال پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ علامہ قرطبی نے ان اقوال کو صوفیاء کے کلام سے مختلف عبارات سے اخذ کیا ہے اور یہ تمام اقوال توبہ کے مکملات میں سے ہیں، توبہ کی صحت کی شرائط سے نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فاسق کے گناہ پر تبصرہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب مومن سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح ڈرتا ہے جیسے پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ پہاڑ اس کے اوپر گر جائے گا۔ اور فاسق جب کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو اڑا دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مومن کے اوپر اس کے ایمان کی قوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہوتا اور یہی مسلمان کی شان ہے، وہ ہمیشہ خوفِ الٰہی میں رہتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو بھی کم سمجھتا ہے اور اس سے چھوٹا سا بھی گناہ ہو جائے تو اس کی پکڑ، گرفت اور عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ اور فاسق کا یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ اس گناہ کی وجہ سے اس کو کوئی بڑا عذاب ہوگا یا کوئی بڑا ضرر پہنچے گا جیسا کہ مکھی کا ضرر اس کے نزدیک آسان ہوتا ہے، اور اس کو دور کرنا بھی آسان ہوتا ہے، تو اسی طرح وہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو گناہ کیا ہے اس کا کوئی خاص عذاب نہیں ہوگا اور اس سے اس کو دور کرنا بھی آسان ہے۔

فاسق کی گناہ سے بے پرواہی اور مومن کے گناہ سے شدید خوف کے اوپر فقہاءِ اسلام کے تبصرے

المحب الطبری نے کہا ہے کہ مومن کی یہ صفت اللہ تعالیٰ سے شدتِ خوف کی وجہ سے اور اس کے عذاب کے شدتِ خوف کی وجہ سے ہوتی ہے، کیونکہ اس کو اپنے گناہ کا تو یقین ہوتا ہے اور مغفرت کا یقین نہیں ہوتا۔ اور فاسق و فاجر کی اللہ تعالیٰ سے بہت کم معرفت

ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کا خوف بھی کم ہوتا ہے اور وہ گناہ اور معصیت کو معمولی سمجھتا ہے۔

اور علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ فاجر کے قلب میں تاریکی ہوتی ہے تو اس کے نزدیک گناہ بہت کم اور معمولی ہوتا ہے۔

فاجر کے گناہوں کو مکھی اڑانے کے ساتھ تشبیہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مکھی سب سے ہلکا پرندہ ہے اور سب سے حقیر پرندہ ہے اور وہ چھوٹی سی چیز پر گر جاتی ہے، اور ناک کے ذکر میں یہ مبالغہ ہے کہ وہ گناہ کو بہت معمولی سمجھتا ہے۔ اور ہاتھ سے مکھی اڑانے میں یہ اشارہ ہے کہ فاسق یہ سمجھتا ہے کہ اس معمولی مقدار سے اس کا ضرر دور ہو جائے گا۔ اور اس میں یہ رہنمائی کی ہے کہ نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اور اس میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ وہ گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہتے اور خوارج وغیرہ کا رد ہے جو گناہ کی وجہ سے انسان کو کافر قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ خوف ہونا چاہیے خواہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قلیل گناہ پر بھی عذاب دیتا ہے، کیونکہ وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے۔

بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی فرح کا بیان

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: ہر وہ صفت جو تغیر کا تقاضا کرتی ہو، اللہ تعالیٰ کا اس صفت کے ساتھ موصوف ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر قرآن وحدیث میں کوئی ایسی چیز وارد ہے تو اس کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو، اس لئے یہاں فرحت کا معنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے پر جو احسان فرماتا ہے اور اس سے درگزر فرماتا ہے، اس کا کنایہ فرحت کے ساتھ کیا ہے، کیونکہ بادشاہ کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی کے کام سے خوش ہوتا ہے تو اس پر زیادہ احسان فرماتا ہے۔

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے: اس مثال سے یہ قصد کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے بندہ کی توبہ کو بہت جلد قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی توبہ قبول کر کے اس کی مغفرت فرماتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی خوش ہونے والا دوسرے کے ساتھ کرتا ہے۔

اور اس مثال کی توجیہ یہ ہے کہ عاصی اپنی معصیت کے سبب سے شیطان کے قبضہ میں اور اس کی قید میں ہوتا ہے اور اپنی ہلاکت کے قریب ہوتا ہے، پس جب اللہ تعالیٰ اس پر لطف فرماتا ہے اور اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اور وہ اس معصیت کے پنجہ سے نکل جاتا ہے اور شیطان کی قید سے نجات پاتا ہے اور اس ہلاکت سے نجات پاتا ہے جس کے قریب پہنچ گیا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس پر متوجہ ہوتا ہے اور مغفرت کے ساتھ اس پر توجہ فرماتا ہے، ورنہ جو فرح اور خوشی مخلوقین کی صفات میں سے ہے وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے، کیونکہ جب کسی انسان کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے یا وہ اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کرتا ہے یا نفع کو حاصل کرتا ہے تو اس پر خوشی سے بے حال ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ پر محال ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کامل ہے، اپنے وجود میں غنی ہے، اس کو کوئی نقص لاحق نہیں ہوتا اور نہ کوئی قصور طاری ہوتا ہے اور اس فرح کا ہمارے نزدیک ایک ثمرہ اور فائدہ ہے اور وہ کسی چیز پر متوجہ ہونا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بندہ کے اوپر اپنی کمال رحمت اور عظیم مغفرت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے جو اس کی

بارگاہ میں سچی توبہ کرتا ہے اور ندامت سے آنسو بہاتا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں متعدد فوائد ہیں:

(۱) کسی مرد کا تنہا سفر کرنے کا جواز، کیونکہ شارع علیہ السلام اسی چیز کی مثال دیں گے جو جائز ہو اور جس حدیث میں تنہا سفر کرنے کی ممانعت ہے، وہ تنزیہہ پر محمول ہے۔

(۲) جس جگہ پر کھانے پینے کی چیزیں دستیاب نہ ہوں، اس کو ہلاکت کی جگہ سے تعبیر کرنے کا جواز۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بشر کا خوش ہونا اور غم کرنا، وہ بہ طریقِ عادت جاریہ ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس بندہ کا غم اس وجہ سے تھا کہ اس کی سواری غائب ہوگئی اور سواری کے غائب ہونے کی وجہ سے اس کو خوراک میسر نہ تھی تو اس کو موت کا خوف ہوا اور خوشی اس وجہ سے تھی کہ سواری مل گئی اور عادۃً جن چیزوں سے حیات حاصل ہوتی ہے، وہ چیزیں مل گئیں۔

(۴) اور اس میں اللہ کے حکم ماننے کی برکت ہے، کیونکہ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو اپنی سواری کے ملنے سے مایوس ہو گیا تھا اور موت کو اپنے سامنے پا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرمایا کہ اس کی سواری اس کو مل گئی۔

(۵) اور اس حدیث میں مثال کو بیان کرنے کا جواز ہے تاکہ امورِ محسوسہ جو عقلوں کے قریب ہوتے ہیں، ان سے مسئلہ بیان کیا جا سکے اور انسان کو اپنے نفس کے محاسبہ پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اور ان علامات کا اعتبار کرنا ہے جو نعمت کی بقا پر دلالت کرتی ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۰۷-۳۔ ۴۷ ۳، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب انسان ایک گناہ سے توبہ کرے اور دوسری قسم کے گناہوں میں مشغول ہو تو اس کی توبہ مقبول ہوگی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب وہ ایک گناہ سے توبہ کر لے اور دوسری اقسام کے گناہوں میں مشغول ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کی توبہ صحیح ہوتی ہے خواہ وہ دوسرے قسم کے گناہوں میں مشغول ہو یا ان پر اصرار کرتا ہو، مثلاً اس نے اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے توبہ کی ہے یا ان سے بات کرنے سے توبہ کی ہے۔ اور دوسری قسم کے گناہ میں مشغول ہے مثلاً اس نے سودی کاروبار سے توبہ کی ہے اور وہ جھوٹ بولتا ہے، اس لئے کہ جھوٹ بولنا اور جنس ہے اور سودی کاروبار کرنا اور جنس ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جس نے کسی گناہ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، کیونکہ اس پر عمومی دلائل ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ اس کی جنس پر اصرار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

لیکن اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ توبہ مطلقہ جس کی وجہ سے انسان ثنا اور تعریف کا مستحق ہوتا ہے اور جو توبہ اس کو توابین میں داخل کرتی ہے، وہ توبہ اس وقت صحیح نہیں ہوگی جب وہ کسی اور قسم کے گناہ پر اصرار کرتا ہے یا اس میں مشغول ہوتا ہے، اور وہ تواب کا

صفت کے ساتھ متصف نہیں ہوگا۔

رہا مطلق توبہ، تو وہ صحیح ہے خواہ وہ دوسری قسم کے گناہ پر اصرار کرتا ہو، لیکن اس وجہ سے وہ ''تَوَّابِین'' کے زمرہ میں داخل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کو فرح کے ساتھ متصف کرنا

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس وصف کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے جس وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خود متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے کیا ہے بغیر تحریف کے اور تبدیل کے، پس ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں، یہ برحق ہیں لیکن بغیر تمثیل کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ (الشوریٰ:۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی فرح کا اور معنی ہے اور بندوں کی فرح کا اور معنی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۶۔۱۵۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابُ: الضَّجْعِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ دائیں کروٹ پر سونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دائیں کروٹ پر سونا مستحب ہے۔ ''الضجع'' کا معنی ہے: اپنا پہلو زمین پر رکھنا۔ اور کتاب الصلوٰۃ میں یہ باب گزر چکا ہے ''فجر کی دو سنتوں کے بعد دائیں کروٹ پر سونا''۔ اور اس باب کا تعلق کتاب الدعوات کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس باب کی احادیث سے یہ معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتّٰى يَجِيءَ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعات (تہجد) پڑھتے، پس جب فجر طلوع ہوتی تو آپ دو ہلکی رکعت سنتِ فجر پڑھتے، اس کے بعد آپ دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ موذن آتا، پس وہ آپ کو اقامتِ نماز کی اطلاع دیتا۔

(صحیح بخاری: ۶۲۶، ۹۹۴، ۱۱۲۳، ۱۱۶۰، ۱۱۷۰، ۶۳۱۰، صحیح مسلم: ۷۳۶، سنن نسائی: ۱۷۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۱۹۸، مسند احمد: ۲۴۵۸۱، سنن دارمی: ۱۴۷۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پھر آپ دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن محمد الجعفی، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں۔

یہ حدیث ابواب الوتر میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

سنتِ فجر کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنا اور گھر میں نماز کا انتظار کرنا بھی مسجد میں نماز کے انتظار کی مثل ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی دو رکعت پڑھنے کے بعد دائیں کروٹ پر لیٹنا سنت ہے، اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو رکعت پڑھے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۲۶۱، سنن ترمذی: ۴۲۰، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۵)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مستقل امام ہو، موذن کو اس کے پاس جا کر نماز کی خبر دینی چاہیے اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ گھر میں نماز کا انتظار کرنا مسجد میں نماز کے انتظار کی مثل ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ سے نکل کر مسجد میں آجاتے تاکہ آپ کو نماز کے انتظار کی فضیلت حاصل ہوتی کیونکہ نماز کا انتظار کرنے والے کا نماز میں شمار ہوتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۱۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیئات میں سے ایک ہیئت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے۔ اور اللہ ہی خوب جانتا ہے یہ ہیئت لیٹنے میں زیادہ مناسب اور ملائم ہے۔ یا آپ اس لئے کرتے تھے کیونکہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ تمام صورتیں مباح ہیں، ان میں سے کوئی ہیئت واجب نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص تہجد کی نماز سے تھک جائے اس کے لئے نمازِ فجر سے پہلے لیٹنا سنت ہے

یہ لیٹنا سنتِ فجر کے بعد ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ لیٹنا سنت ہے جو اپنے گھر میں نماز پڑھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنت نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صرف آرام کے لئے کیا ہے۔ پس بعض علماء نے کہا: اگر انسان نے تہجد کی نماز میں قیام کیا ہو اور اس کو نیند کرنے اور لیٹنے کی ضرورت ہو تاکہ آرام حاصل ہو اور صبح کی نماز تروتازگی کے ساتھ پڑھے تو اس کے لیے لیٹنا سنت ہے ورنہ نہیں ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس کو یہ خوف نہ ہو کہ فجر کی نماز بھی اس کی نیند میں گزر جائے گی۔ پس اگر اس کو

یہ خوف ہو کہ فجر کی نماز سے وہ سو جائے گا تو پھر یہ لیٹنا سنت نہیں ہوگا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ لیٹنا جائز بھی نہیں ہوگا۔

اور ابن حزم نے بہت مبالغہ کیا، انہوں نے کہا کہ یہ لیٹنا فجر کی نماز کی صحت کے لیے شرط ہے۔ پس جو شخص فجر کی سنت پڑھنے کے بعد دائیں کروٹ پر نہیں لیٹا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہے بلکہ باطل ہے۔ اور یہ قول غرائب علم سے ہے، کیونکہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا جب تک آپ نے اس کا حکم نہ دیا ہو۔ اور جس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی دو سنتیں پڑھے تو وہ دائیں کروٹ پر لیٹ جائے'' سو یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحیح صرف یہ ہے کہ یہ فقط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۸۔۱۵۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: إِذَا بَاتَ طَاهِرًا — باوضو سونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جب وہ باوضو سوئے۔ اس باب میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔

ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے باوضو سوئے، پھر رات کو وہ کسی وقت اٹھے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ سوال عطا فرماتا ہے۔ اور اس باب کی حدیث کو امام بخاری نے کتاب الدعوات میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں ایک عظیم دعا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۱۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ مَنْصُورًا عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوئَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ وَقُلِ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ فَقُلْتُ أَسْتَذْكِرُهُنَّ وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ قَالَ لَا وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے منصور سے سنا از سعد بن عبیدہ انہوں نے کہا: مجھے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آؤ، پھر تم ایسا وضو کرو جیسا نماز کے لیے وضو کرتے ہو، پھر تم دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ اور تم کہو: ''اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور میں نے اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا اور میں نے اپنے پشت تیری پناہ میں دے دی تجھ سے ڈرتے ہوئے اور تیری طرف رغبت کرتے ہوئے، نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ کوئی تجھ سے نجات کی جگہ ہے مگر تیری ہی طرف، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل فرمایا، اور تیرے اس نبی

پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا''، پس اگر تم مر جاؤ تو فطرت پر مرو گے اور اپنے ان دعائیہ کلمات کو اخیر میں کہنا۔ پس میں نے کہا اور میں ان کلمات کو یاد کرنے والا تھا: اور میں اس رسول پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا، تو آپ نے فرمایا: نہیں! وہی کہو میں اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا۔

(صحیح بخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جب کوئی شخص رات کو باوضو سوئے'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''پس تم ایسا وضو کرو جیسا کہ نماز کے لیے وضو کرتے ہو، پھر لیٹ جاؤ''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معتمر، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن عبیدہ، یہ ابو حمزہ الکوفی ہیں، یہ ابو عبدالرحمٰن کے داماد ہیں۔ اور عمر بن ہبیرہ کی جب کوفہ پر ولایت تھی اس وقت ان کی وفات ہوگئی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب تم اپنے بستر پر جاؤ اور ایسا وضو کرو جو نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ''۔ اس حدیث میں امر استحباب کے لیے ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا ہے: احادیث میں نیند کے وقت وضو کرنے کا ذکر نہیں ہے، سوا اس حدیث کے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی'' اور ابوذر اور ابوزید کی روایت میں ہے: میں نے اپنا چہرہ تیرے سپرد کر دیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نفس اور چہرہ دونوں سے مراد ذات اور شخص ہے یعنی میں نے اپنی ذات اور اپنے شخص کو تیرے سپرد کر دیا۔ اور ایک اور باب کے بعد ایک حدیث آئے گی اس میں یہ الفاظ ہیں ''میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور اپنا چہرہ تیرے سپرد کر دیا'' پس جب اس طرح ہو تو نفس سے مراد ہوگی ذات اور الوجہ (یعنی چہرہ) سے مراد ہوگی قصد۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اسلمت، استسلمت، انقدت'' ان سب کا معنی ہے: میں نے اپنے نفس اور اپنی ذات کو تیرے حکم کے تابع کر دیا، کیونکہ اس کی تدبیر پر مجھے قدرت نہیں ہے۔ اور نہ اس پر قدرت ہے کہ میں اس کے لیے نفع آور چیزوں کو کھینچوں اور نہ اس پر قدرت ہے

کہ میں اسے ضرر دینے والی چیزوں سے دور کردوں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وفوضت" یہ تفویض سے ماخوذ ہے، یعنی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "والجأت ظهري اليك" یعنی میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں دے دی۔ یعنی میں نے اپنے معاملات میں تجھ پر اعتماد کیا جیسا کہ انسان جب کسی چیز کے ساتھ اپنی پیٹھ کو ٹیک لگاتا ہے تو اس پر اعتماد کرتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ڈرتے ہوئے اور رغبت کرتے ہوئے" یعنی تیرے عذاب کے خوف سے ڈرتے ہوئے اور تیرے ثواب کی امید کرتے ہوئے۔

اور امام نسائی نے روایت کیا ہے "رهبة منك ورغبة اليك" تجھ سے ڈرتے ہوئے اور تیری طرف رغبت کرتے ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل کیا"۔ ہوسکتا ہے اس سے مراد قرآن مجید ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ کتاب ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

اور ابوزید المروزی کی روایت میں ہے "انزلته وارسلته" یعنی جس کتاب کو تو نے نازل کیا اور جس رسول کو تو نے بھیجا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وبنبيك الذي ارسلت" رسول اس نبی کو کہتے ہیں جو صاحب کتاب ہو اور یہ نبی سے خاص ہے، اور ہم نے اس کلام کی زیادہ شرح اپنی ہدایہ کی شرح میں یعنی ہدایہ کے دیباچہ میں کی ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: رسالت کو نبوت لازم ہے اور نبوت کو رسالت لازم نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس نے یہ کلمات پڑھے اور اس رات مر گیا تو وہ دین اسلام پر مرے گا"۔

اور مسند احمد کی روایت میں ہے "اگر تم مر گئے تو فطرت پر مرو گے اور تمہارے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا"۔

اور کتاب التوحید میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ "جب تم صبح اٹھو گے تو خیر کے ساتھ اٹھو گے" یعنی اس حال میں نیکی ہوگی اور نیک اعمال زیادہ ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت استذكرهن" یعنی حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ان کلمات کو حفظ کرنے کے لیے دہرایا اور نبی کے لفظ کی جگہ رسول کا لفظ کہا۔

نیز اس حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا "نہیں! وہی پڑھو (یعنی وبنبيك الذي ارسلت)" علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے کلام کو اس لیے رد فرمایا تاکہ دو منصب اور دو مرتبے جمع ہوں ایک نبوت کا مرتبہ اور دوسرا رسالت کا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے کلام کو التباس سے محفوظ رکھنے کے لیے اس طرح فرمایا، کیونکہ رسول کے لفظ میں تو حضرت جبریل بھی داخل ہوجاتے ہیں۔

اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ کلمات ذکر اور دعاء ہیں۔ پس ان کلمات میں انہی الفاظ پر اقتصار کیا جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہوں، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان خاص کلمات کی وہ تاثیر ہو جو دوسرے کلمات میں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۰۔۴۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باوضو سونے کے متعلق اقوال اور احادیث

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ آدمی وضو کر کے سوئے۔ پس جب وہ وضو کر کے سوئے گا تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ اس رات کو فوت ہو جائے تو وہ طہارت پر فوت ہوگا اور اس لیے کہ باوضو سونے سے اس کا خواب سچا ہوگا اور نیند میں شیطان کے کھیلنے سے محفوظ رہے گا۔

اور امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ از ابوبکر بن عیاش روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابویحییٰ نے خبر دی، انہوں نے مجاہد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم بغیر وضو کے ہرگز نہ سونا، کیونکہ روحیں اسی کیفیت پر اٹھائی جاتی ہیں جس کیفیت میں ان کو قبض کیا جاتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۸۴۴)

نیز امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ اعمش نے دیوار پر تیمم کیا، ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں وضو کرنے سے پہلے مجھے موت نہ آجائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۸۴۳)

حکم بن عتیبہ سے ایک مرد نے سوال کیا کہ کیا کوئی مرد بغیر وضو کے سو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ مکروہ ہے اور ہم ایسا کرتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۸۴۲)

ابوتو بہ الحلبی بیان کرتے ہیں: جو باوضو اپنے بستر پر گیا یا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سویا تو اس کا بستر مسجد ہوگا۔ اور اس کا نماز میں یا ذکر میں ہی شمار ہوگا حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۹۸۴۷)

اور دائیں کروٹ پر سونا اس لیے مطلوب ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر شرف حاصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں جانب سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ اور اس لیے بھی کہ دائیں کروٹ پر سونے سے آدمی جلدی بیدار ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۲۶، صحیح مسلم: ۲۶۸)

''وبرسولك الذی ارسلت'' پر انکار کی توجیہات

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے ''وبرسولك الذی ارسلت'' دہرایا تو آپ نے اس پر انکار فرمایا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ رسلِ ملائکہ کو بھی شامل ہے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ''وبنبیك الذی ارسلت'' کی تعلیم فرمائی، وہ ذکر اور دعا ہے، پس انہی کلمات پر اقتصار کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی الفاظ کے پڑھنے کی وحی فرمائی ہو، اس لیے انہی الفاظ کے ساتھ ادا کرنا متعین ہوگیا ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ''وبنبیك الذی ارسلت'' میں نبوت اور رسالت دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ''وبرسولك الذی

ارسلت'' میں لفظِ رسول کا تکرار ہے اور اہلِ بلاغت تکرار کو ناپسند کرتے ہیں۔

بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر روایت بالمعنی سے منع کیا ہے اور مجھے وزیر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ روایت بالمعنی اس وقت منع ہے جب اس سے معنی مختلف ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۰۶۔ ۲۰۸ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باوضو سونے کے متعلق دیگر احادیث اور فوائد

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص باوضو سوتا ہے اس کے لباس میں ایک فرشتہ سوتا ہے، پس جب وہ شخص بیدار ہوتا ہے تو فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! اپنے فلاں بندہ کی مغفرت فرما۔ اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ بندہ طہارت اور پاکیزگی پر رات گزارے تا کہ اچانک اس کو موت آئے تو وہ ہیئتِ کاملہ پر ہو۔ اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انسان موت کی تیاری کرے تو یہ مستحب ہے، کیونکہ بدن کی طہارت سے قلب کی طہارت اولیٰ ہے۔

اور دائیں کروٹ پر سونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ دائیں کروٹ پر سونے سے آدمی جلدی بیدار ہوتا ہے، نیز قلب دائیں جانب متوجہ ہوتا ہے، پس وہ نیند سے بوجھل نہیں ہوگا۔ اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اطباء نے تصریح کی ہے کہ یہ ہیئت بدن کے لیے زیادہ سودمند ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تھوڑی دیر دائیں جانب کروٹ لے کر سوئے، پھر بائیں جانب کروٹ بدل کر سوئے، کیونکہ پہلی صورت سے نیند میں کمی ہوگی اور کھانا جلدی ہضم ہوگا۔

الخرائطی نے مکارم الاخلاق میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب وہ اپنے بستر پر جائے تو کہے: اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میرا مالک ہے اور میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تیری ہی طرف میں نے اپنی ذات کو متوجہ کر دیا۔

کلماتِ دعائیہ کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں ''وجہ'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی ذات اور شخص ہے، یعنی میں نے اپنی ذات اور شخص کو تیری طرف سونپ دیا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابو اسحاق نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں نفس اور وجہ دونوں لفظوں کو جمع کیا ہے، اس کی عبارت اس طرح ہے'' میں نے اپنا نفس تیری طرف سپرد کر دیا اور اپنا معاملہ تیری طرف مفوض کر دیا اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر دیا''۔

اس حدیث میں ''اسلمت'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور میں نے اپنے نفس اور اپنی

ذات کو تیرے حکم کے تابع کر دیا، کیونکہ مجھے نفس کی تدبیر کے اوپر کوئی قدرت نہیں ہے، اور میں نفس کی نفع دینے والی چیزوں کو حاصل کر سکتا ہوں اور نہ ضرر دینے والی چیزوں کو نفس سے دور کر سکتا ہوں۔

اور فرمایا''وفوضت امری الیک''یعنی میں نے اپنے تمام معاملات میں تجھ پر توکل کیا ہے۔

اور فرمایا''والجات''یعنی میں نے اپنے تمام امور میں تجھ پر اعتماد کیا ہے تاکہ تو میری ان چیزوں میں مدد کرے جو مجھے نفع دیں۔

علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے: اس ذکر میں ایسے عجائب ہیں جس کو ماہر اہلِ بیان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ پس''اسلمت نفسی'' میں یہ اشارہ کیا کہ بندہ کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہیں جن چیزوں کا وہ حکم دے اور جن چیزوں سے وہ منع فرمائے۔

اور''وجهت وجهی''میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی ذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص ہے اور نفاق سے بری ہے۔

اور''فوضت امری''میں یہ اشارہ ہے کہ اس کے خارجی اور داخلی معاملات سب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا مدبر اور تدبیر کرنے والا نہیں ہے۔

اور''الجات ظهری''میں یہ اشارہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے بعد بھی اگر کوئی نقصان دہ چیز پیش آئے یا ایذاء پہنچانے والی چیز پیش آئے تو ان تمام اسباب میں وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور''رغبة و رهبة''میں یہ اشارہ ہے کہ میں نے اپنے تمام معاملات کو تیری طرف رغبت کی وجہ سے پیش کیا اور میں نے اپنی پشت کو تیرے خوف سے تیری طرف رکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''جس نے یہ دعائیہ کلمات کہے، پھر اسی رات کو وہ فوت ہو گیا تو وہ فطرت پر فوت ہوگا''۔

علامہ طیبی نے بیان کیا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ فطرت سے مراد ہے دینِ قویم جو ملتِ ابراہیم ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے احکام کی اطاعت کی، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ (الصّٰفّٰت: ۸۴) وہ قلبِ سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے ہیں O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے فرمایا:

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ (البقرہ: ۱۳۱) میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں O

نیز فرمایا:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۳) سو جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ان کلماتِ دعائیہ میں اور مرتے وقت کلمۂ ایمان کے پڑھنے کے ثمرات کا فرق

علامہ ابن بطال اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ فطرت سے مراد یہاں دینِ اسلام ہے اور یہ وہی ہے جس کا دوسری حدیث میں بیان ہے کہ جس شخص کا آخری کلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

علامہ القرطبی نے المفہم میں یہ کہا ہے کہ اسی طرح دیگر شیوخ نے بھی کہا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کلمات جو تاحیات توحید اور تسلیم و رضا کا تقاضا کرتے ہیں، جب ان کلمات کا کہنے والا اس شخص کی مثل ہوگا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے تو پھر ان کلماتِ عظیمہ کا کہنے والا بھی جنتی ہوا اور جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ بھی جنتی ہوا تو پھر ان کلمات کی کیا خصوصیت رہی؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: کہ اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ اگر چہ ان دونوں حدیثوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس کا خاتمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ہوا اور جس نے یہ دعائیہ کلمات پڑھے، دونوں کا خاتمہ فطرت پر ہوگا لیکن دونوں فطرتوں میں فرق ہے۔ پس اول کی فطرت مقربین کی فطرت ہے اور دوسری کی فطرت اصحاب الیمین کی فطرت ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث کے تین فوائد ہیں:

(۱) سوتے وقت وضو کرنا اگر چہ وہ پہلے سے باوضو ہو، کیونکہ مقصود ہے طہارت پر سونا۔

(۲) دائیں کروٹ پر سونا۔

(۳) اپنی دعا کو اللہ کے ذکر پر ختم کرنا۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر مشتمل ہے کہ انسان ان چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا اجمالاً واجب ہے، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر اور الٰہیات اور نبویات پر۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی طرف اسناد کرے۔ اور چہرہ اور نفس کے ذکر میں اور اپنی پشت کو اللہ کی طرف ٹیک لگانے کے ذکر میں توکل کا اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تقدیر پر راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ سب باعتبار معاش کے ہے۔ اور یہ اعتراف ہے کہ ثواب اور عقاب اور خیر اور شر یہ باعتبار معاد کے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۵ ۳۔ ۷۷ ۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابٌ: مَا يَقُولُ إِذَا نَامَ

جب کوئی شخص سوئے تو اس وقت کیا دعا کرے

۶۳۱۲۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا قَامَ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ يُنْشِرُهَا يُخْرِجُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الملک از ربعی بن حراش از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے "میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں" اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔"

"وہ اس کو اٹھاتا ہے: وہ اس کو نکالتا ہے"۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

صحیح البخاری: ۶۳۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں'' اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب بندہ نیند سے بیدار ہوتو پھر کیا کہے۔ تو باب کی حدیث میں عنوان پر اضافہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قبیصہ، یہ ابن عقبہ الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے سفیان، یہ الثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، یہ ابن عمیر ہیں۔ اور یہ حدیث از ربعی بن حراش از حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں الیمان کا ذکر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے: میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں''۔ یعنی جب تک میں زندہ ہوں تو تیرے نام سے زندہ رہوں گا اور جب میں وفات پاؤں گا تو تیرے نام سے وفات پاؤں گا۔

اس تقریر سے یہ سوال ساقط ہوجاتا ہے کہ حیات اور موت اللہ کے سبب سے ہے نہ کہ اس کے نام کے سبب سے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظِ اسم اس میں زائد ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور اسی کی طرف اٹھنا ہے''۔ یعنی قیامت کے دن لوگ اسی کی طرف زندہ ہو کر جمع ہوں گے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ زندہ ہونا اور مرنا نہیں ہے بلکہ بیدار ہونا اور سونا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ موت کا معنی ہے ''روح کے تعلق کا بدن سے منقطع ہوجانا'' اور کبھی یہ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ نیند ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیند موت کا بھائی ہے، یا ظاہراً اور باطناً ہے اور وہ موتِ متعارف ہے۔ اور اس پر زندہ کرنے اور مارنے کا اطلاق بطورِ تشبیہ کیا گیا ہے اور یہ استعارہ مصرحہ ہے۔

اور ابواسحاق الزجاج نے کہا ہے: جو نفس انسان سے نیند کے وقت الگ ہوجاتا ہے وہ نفس تمیز کے لیے ہے اور جو نفس موت کے وقت انسان سے الگ ہوجاتا ہے وہ حیات کے لیے ہے۔ اور نیند کو موت اس لیے کہا گیا ہے کہ نیند سے عقل اور حرکت زائل ہوجاتی ہے تو یہ اطلاق بطورِ تمثیل اور تشبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۱۔ ۴۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۱۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ رَجُلًا ح و حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن الربیع نے اور محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابواسحاق، انہوں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو حکم دیا ح اور ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ

أَوْصَى رَجُلًا فَقَالَ إِذَا أَرَدْتَ مَضْجَعَكَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق الہمدانی نے حدیث بیان کی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو وصیت کی کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یہ دعا کرو: "اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا، اور میں نے اپنا معاملہ تجھ پر چھوڑ دیا، اور میں نے اپنے چہرہ کو تیری طرف متوجہ کیا، اور میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں دے دی تیری طرف رغبت اور تیرے خوف کی وجہ سے، تیرے سوا نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ تجھ سے کوئی نجات کی جگہ ہے مگر تیری طرف۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل کیا اور اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے رسول بنایا (یعنی بھیجا)۔" پس اگر تم مر گئے تو فطرت پر مرو گے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن داری: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اسی حدیث کی مثل ہے جس کو امام بخاری نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہاں اس حدیث کی دو سندیں بیان کی ہیں۔ ایک سند سعید بن الربیع کی ہے جو البصری ہیں اور وہ ہرات کے کپڑے بیچتے تھے تو ان کو الہروی کہا جاتا ہے۔ اور محمد بن عرعرہ، یہ دونوں از شعبہ از ابی اسحاق از عمرو بن عبداللہ السبیعی روایت کرتے ہیں۔ اور دوسری حدیث از آدم از شعبہ از ابی اسحاق ہے۔

پہلی سند سے جو روایت ہے اس میں آپ نے ایک مرد کو حکم دیا۔ اور دوسری سند سے جو روایت ہے اس میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مرد کو وصیت کی، اور دونوں معنی متقارب ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور دعا کی حکمت

سوتے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مستحب ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کے اعمال کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو۔ اور جب صبح کرے تو اللہ کا نام لے تا کہ اس کے اعمال میں سے پہلا عمل اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہو اور کلمہ طیب ہو۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ ''آخر میں یہ دعائیہ کلمات کہنا'' یعنی اس کے بعد اور کوئی دنیاوی بات نہ کرنا جو تمہارے عمل کے خاتمہ پر دلیل ہو۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا''اگر تم مر گئے تو فطرت پر مرو گے''۔

اس حدیث میں موت سے مراد ہے نینداور''نشور'' سے مراد ہے قیامت کے دن زندہ کرنا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۱۰، ملخصا وملتقطا، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسم کا مسمّٰی کا عین ہونا

علامہ قرطبی نے کہا ہے: حدیث میں ہے''میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں''۔اس میں یہ دلیل ہے کہ اسم ہی مسمّٰی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے O

یعنی اپنے رب کی تسبیح پڑھیے۔اسی طرح اکثر شارحین نے کہا ہے۔انہوں نے کہا: میں نے بعض مشائخ سے ایک اور معنی کا استفادہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام''الاسماء الحسنیٰ'' رکھا ہے اور ان اسماء کے معانی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں؛ پس جو معنی بھی وجود میں ظاہر ہوتا ہے، وہ ان اسماء کے تقاضوں سے ظاہر ہوتا ہے۔پس گویا کہ آپ نے فرمایا: میں تیرے اس نام کے ساتھ جو زندہ کرنے والا ہے زندہ ہوتا ہوں اور میں تیرے اس نام کے ساتھ جو مارنے والا ہے مرتا ہوں۔

موت کے دیگر معانی

موت کا معنی ہے: روح کے تعلق کا بدن سے منقطع ہو جانا اور سانس کا زائل ہو جانا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موت سے مراد یہاں سکون ہو، جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں''ماتت الریح'' یعنی ہوا ساکن ہوگئی۔تو ہو سکتا ہے کہ یہاں سونے والے پر موت کا اطلاق اس لحاظ سے کیا گیا ہو کہ اب اس کی حرکات ساکن ہوگئیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ۔(یونس:۶۷) وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون پاؤ۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے: کبھی سخت احوال کے لیے بھی موت کے لفظ کا استعارہ کیا جاتا ہے جیسے الفقر اور ذلت اور سوال اور بڑھاپا اور معصیت اور جہالت۔

نیز علامہ الطیبی نے لکھا ہے: نیند کے اوپر موت کا اطلاق کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان حیات سے جو فائدہ اٹھاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو تلاش کرنا ہے اور اس کی اطاعت کا قصد کرنا ہے اور اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے اجتناب کرنا ہے۔پس جو شخص سو جاتا ہے تو اس سے یہ انتفاع زائل ہو جاتا ہے۔پس وہ میت کی طرح ہے۔پس وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر حمد کرتا ہے اور اس معنی کے زائل ہونے پر حمد کرتا ہے۔

اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ یہ تاویل دوسری حدیث کے موافق ہے جس میں مذکور ہے: "اگر تو نے اس روح کو بھیج دیا تو اس کی حفاظت کر جس طرح تو اپنے عباد صالحین کی حفاظت کرتا ہے" اور اسی کے ساتھ یہ قول منتظم ہو جاتا ہے "والیہ النشور" یعنی ثواب کے پانے میں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جس حدیث کا علامہ طیبی نے اشارہ کیا ہے وہ عنقریب اپنی شرح کے ساتھ آئے گی۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: "والیہ النشور" یعنی قیامت کے دن اسی کی طرف اٹھنا ہے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا زندہ کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے "نشر اللہ الموت فنشروا" یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا سو وہ زندہ ہو گئے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۸۔۳۷۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابُ: وَضْعِ الْيَدِ الْيُمْنٰى تَحْتَ الْخَدِّ الْأَيْمَنِ — دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سونے والے کا دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھنا مستحب ہے۔

۶۳۱۴۔ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک از ربعی از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب رات کے وقت بستر پر آتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور پھر یہ دعا کرتے "اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ زندہ ہوتا ہوں"۔ اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے"۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۲، ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ عنوان مقید ہے کہ دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے ہو اور حدیث میں یہ قید نہیں ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قید بھی مستفاد ہے یا تو اسی حدیث سے جس کی امام بخاری نے تصریح کی ہے اور وہ ان کی

شرط پر نہیں ہے، یا اس حدیث سے کہ نبی ﷺ ہر کام میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا سوتے وقت اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھنا اس لیے تھا تاکہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے

یہ وہی حدیث ہے جو صحیح البخاری: ۶۳۱۲ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکی ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اس لیے بیان کیا ہے کہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے یہ عجز کے اظہار کے لیے ہو اور موت کے حال کا شعور طلب کرنے کے لیے ہو اور نبی ﷺ نے یہ اس لیے کیا تاکہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے۔ اور وہ اس سے بے خوف نہ ہوں کہ نیند کی حالت میں اچانک ان پر موت آ جائے گی۔ اور وہ اچانک موت کے آنے پر تیاری پر ہوں۔ پس موت کے لیے تیار رہیں اپنی بیداری میں اور اپنے تمام احوال میں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''میں اللہ کے نام سے مرتا ہوں اور اسی کے نام سے زندہ رہتا ہوں''۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۱۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی تائید میں ایک اور حدیث

اس باب میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کی امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ اپنے بستر پر جاتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا کرتے:

''اے اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچانا''۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی ایک اور سند کے ساتھ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ یہ دعا تین مرتبہ کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۷ ۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب میں مذکور کیفیت کے ساتھ سونا صرف رات کی نیند کے متعلق ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ رات کو اپنے بستر پر جاتے۔ الحدیث۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب آپ دن میں نیند کرتے تھے تو اس طرح نہیں کرتے تھے یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے نہیں رکھتے تھے۔ اور بسا اوقات آپ رات کی نیند کے وقت یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام

سے زندہ ہوتا ہوں"۔ اور آپ یہ دعا کرتے: "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے"۔ کیونکہ قرآن مجید میں رات کی نیند کے متعلق فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام: ٦٠)

اور وہی رات میں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ میعاد پوری ہو، پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے ○

اگر چہ قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الزمر: ٤٢)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے)۔ پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ میعاد تک چھوڑ دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں ○

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موت وفات ہے خواہ وہ رات میں ہو یا دن میں ہو، لیکن ہم ہر حال میں حدیث کی اتباع کریں گے اور حدیث میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نیند کے وقت اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے، لہٰذا اس کیفیت سے سونا رات میں مستحب ہے، کیونکہ مطلق فعل استحباب پر دلالت کرتا ہے اور وجوب کا فائدہ نہیں دیتا، سوا اس صورت کے کہ اس میں کسی امر مجمل کا بیان ہو۔

سوال: نیند کے وقت بہ کثرت دعائیں وارد ہیں، کیا ان میں سے تمام دعائیں ہر روز پڑھی جائیں گی یا انسان کو اختیار دیا جائے گا کہ کسی دن کوئی دعا پڑھ لے اور کسی دن کوئی دعا پڑھ لے۔

جواب: جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ جو دعائیں اس طرح وارد ہیں ان سب پر عمل کیا جائے گا سوا اس کے کہ ہمیں معلوم ہو کہ ان میں سے بعض دعائیں بعض دوسری دعاؤں کے قائم مقام ہیں یا کسی دلیل سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کسی ایک دعا کی قسم پر اقتصار کیا جائے گا۔ (شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١٦١۔ ١٦٢، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٩۔ بَابُ: النَّوْمِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ

دائیں کروٹ پر سونے کا بیان

٦٣١٥۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد بن زیاد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں العلاء بن المسیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ

أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهِ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ اسْتَرْهَبُوهُمْ مِنَ الرَّهْبَةِ مَلَكُوتٌ مُلْكٌ مَثَلُ رَهَبُوتٌ خَيْرٌ مِنْ رَحَمُوتٍ تَقُولُ تَرْهَبُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَرْحَمَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے، پھر دعا کرتے: اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنا چہرہ تیری طرف پھیر دیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا اور اپنی پیٹھ تیری پناہ میں دی تجھ سے رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ تجھ سے نجات کی جگہ ہے مگر تیری طرف، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائی اور اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ کلمات کہے، پھر اسی رات کو فوت ہو گیا تو فطرت پر فوت ہوگا۔

''استرھبوھم'' کا لفظ رھبۃ سے ماخوذ ہے۔''ملکوت'' ملک کی مثل ہے اور رھبوت کا لفظ رحموت سے بہتر ہے، کہا جاتا ہے ''ترھب'' ترحم سے بہتر ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۳۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ اور اس میں بعض الفاظ کی زیادتی اور بعض کی کمی ہے۔

حدیث میں مذکور تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ''استرھبوھم'' کا لفظ ہے، اس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

قَالَ أَلْقُوا ۚ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿۱۱۶﴾ (الاعراف: ۱۱۶)

موسیٰ نے کہا: تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔

یعنی فرعون کے جادوگروں نے جب اپنی بھاری اور لمبی لمبی لکڑیاں ڈالیں تو وہ اچانک پہاڑوں کی مثل سانپ بن گئیں اور انہوں نے وادی کو بھر لیا اور بعض رسیاں بعض پر سوار تھیں، سو انہوں نے لوگوں کو ڈرایا اور لوگ خوفزدہ ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''رھبت'' کا لفظ ڈرانے کے معنی میں ہے۔

اور اس تعلیق میں دوسرا لفظ ''ملکوت'' ہے، یہ ''فعلوت'' کے وزن پر ہے۔ امام بخاری نے اس کی تفسیر مُلک کے ساتھ کی ہے اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ الملکوت وہ اسم ہے جو ملک سے بنایا گیا ہے جیسا کہ جبروت اور رہبوت جو کہ جبر اور رہبت سے

بنائے گئے ہیں۔

اور کہا جاتا ہے" رجل رهبوت "یعنی جو مرد ڈرایا گیا ہو اور یہ رحموت سے بہتر ہے، اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اس سے رحم کی دعا کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۳۔ ۴۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا دیگر احادیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے وقت یہ دعا کرتے تھے اور اس سے پہلے ایک حدیث میں گزرا ہے کہ آپ نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے بعد دوسری حدیث تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کو اس دعا کرنے کی وصیت کی۔ سوان احادیث میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعا کے پڑھنے کے حکم دینے میں اور اس کی وصیت کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اس حکم کو بطور تاکید کے وصیت سے تعبیر فرمایا اور رہا یہ کہ آپ خود بھی یہ دعا پڑھتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کو حکم دیتے تھے خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے، بلکہ بسا اوقات آپ کا عمل آپ کے قول سے زیادہ ہوتا تھا۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۶۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا انْتَبَهَ بِاللَّيْلِ

رات کے وقت جب بیدار ہو تو کیا دعا کرے

۶۳۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ بِتُّ عِنْدَ مَيْمُونَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَتَى حَاجَتَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ فَأَتَى الْقِرْبَةَ فَأَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءًا بَيْنَ وُضُوئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فَصَلَّى فَقُمْتُ فَتَمَطَّيْتُ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَرَى أَنِّي كُنْتُ أَتَّقِيهِ فَتَوَضَّأْتُ فَقَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَدَارَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَآذَنَهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی از سفیان از سلمہ از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سویا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے، آپ قضاء حاجت کو گئے، پھر آپ نے اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھوں کو دھویا، پھر آپ سو گئے، پھر آپ اٹھے، پھر آپ مشک کے پاس آئے اور اس کا منہ کھولا، پھر آپ نے دو وضوؤں کا درمیانی وضو کیا اور زیادہ پانی خرچ نہیں کیا لیکن اعضاء پر پوری طرح پانی کو پہنچایا پھر آپ نے نماز پڑھی، پس میں اسی طرح لیٹا رہا کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھیں کہ میں آپ کے انتظار میں جاگ رہا ہوں، میں نے بھی وضو کر لیا، سو آپ کھڑے ہوئے نماز پڑھ

نُوْرًا وَعَنْ يَمِيْنِي نُوْرًا وَعَنْ يَسَارِي نُوْرًا وَفَوْقِي نُوْرًا وَتَحْتِي نُوْرًا وَأَمَامِي نُوْرًا وَخَلْفِي نُوْرًا وَاجْعَلْ لِي نُوْرًا قَالَ كُرَيْبٌ وَسَبْعٌ فِي التَّابُوْتِ فَلَقِيْتُ رَجُلًا مِنْ وَلَدِ الْعَبَّاسِ فَحَدَّثَنِي بِهِنَّ فَذَكَرَ عَصَبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعَرِي وَبَشَرِي وَذَكَرَ خَصْلَتَيْنِ۔

رہے تھے، پس میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے گھمایا اور مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا، پھر آپ نے تیرہ رکعت نماز مکمل کی، پھر آپ لیٹ گئے، پھر آپ نے نیند کی، حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے اور آپ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پھر حضرت بلال نے آپ کو نماز کی خبر دی، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا، اور آپ اپنی دعاء میں یہ پڑھتے تھے: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے اور میری آنکھ میں نور کر دے اور میرے کان میں نور کر دے اور میرے دائیں طرف نور کر دے اور میرے بائیں طرف نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور بنا دے ۔ کُریب نے کہا: یہ سات دعائیں تابوت (یعنی بدنِ انسان کے لیے ہیں)، پس میری ملاقات حضرت عباس کی اولاد میں سے کسی سے ہوئی تو انہوں نے یہ کلماتِ دعائیہ مجھ سے بیان کیے اور اس میں ذکر کیا ''اور میرے پٹھوں کو اور میرے گوشت کو اور میرے خون کو اور میرے بالوں کو اور میری کھال کو'' پس انہوں نے دو خصلتوں کا ذکر کیا۔

(صحیح مسلم: ۷۶۳، سنن ترمذی: ۳۲۳۲، سنن نسائی: ۱۱۲۱، سنن ابوداؤد: ۱۳۵۳، مسند احمد: ۲۱۶۵، موطا امام مالک: ۲۶۷، سنن دارمی: ۱۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''رات کے وقت بیدار ہو تو کیا دعا کرے'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوئے تو آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور ابن مہدی کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن حسان العنبری البصری ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، یہ الثوری ہیں۔ اور سلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن کہیل ہیں۔ اور کریب کا ذکر ہے، یہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں از عبداللہ بن ہاشم روایت کی ہے اور کتاب الطہارت میں از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں از عثمان از وکیع روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے شمائل میں از بندار از ابن مہدی اس حدیث کے بعض حصوں کی روایت کی ہے۔ اور امام نسائی نے کتاب الصلوٰۃ میں از ھناد روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے کتاب الطہارۃ میں از علی بن محمد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ بنت الحارث الہلالیہ ام المومنین ہیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔

نیز اس حدیث میں "شناق" کا لفظ مذکور ہے، یہ وہ دھاگا ہے جس سے مشک کا منہ باندھا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ نے دو وضوؤں کے درمیان وضو کیا" یعنی آپ کا یہ وضو خفیف اور کامل تھا جو تمام وضو کی سنتوں کا جامع تھا۔

اور اس حدیث میں ہے کہ "آپ نے اکثار نہیں کیا" یعنی آپ نے ایک مرتبہ سے زائد اعضاء کو نہیں دھویا۔ اور آپ نے پانی کو اعضاءِ وضو کی ان جگہوں پر پہنچایا جہاں پر پانی کا پہنچانا واجب ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے عمدہ وضو کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انقیہ" یعنی میں آپ سے ڈرتا تھا یا بچتا تھا۔ اور نسفی اور دوسروں کی روایت میں ہے "ارقبہ" میں آپ کا انتظار کرتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے "انقبہ" یہ تنقیب سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تفتیش کرنا۔ اور اکثر روایات میں ہے "ارقبہ" یعنی میں آپ کا انتظار کرتا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "واجعلنی نورا" یعنی میرے لیے نور بنا دے۔ یہ لفظ عام ہے اور اس کے بعد لفظ خاص ہے اور تنوین اس میں تعظیم کے لیے ہے یعنی میرے لیے نور عظیم بنا دے۔

لفظ تابوت کی تفسیر میں متعدد اقوال

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وسبع فی التابوت" یعنی سات دوسرے کلمات تابوت میں، تابوت سے مراد ہے انسان کا بدن جو روح کے لیے بمنزلہ تابوت ہے۔ اور وہ بدن جس کا مآل یہ ہے کہ وہ تابوت میں ہو یعنی جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے، اور یہ پٹھے ہیں اور گوشت ہے اور خون ہے اور بال ہیں اور کھال ہیں اور دوسری دو خصلتیں ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: شاید کہ وہ چربی اور ہڈی ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ہڈی اور قبر ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بہت طویل بیان کی ہے۔ اس میں مذکور ہے: اے اللہ! میری ہڈیوں کو نور بنا دے اور میری قبر میں نور کر دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو خصلتوں سے مراد زبان اور نفس ہے، کیونکہ عقیل نے مسلم کی روایت میں اس کا اضافہ کیا ہے اور یہ بھی جسد کے اجزاء میں سے ہے۔

اور علامہ الدمیاطی نے اپنے حاشیہ میں وثوق سے کہا ہے کہ تابوت سے مراد سینہ ہے جو دل کا ظرف ہے۔ اور اسی طرح علامہ ابن بطال نے کہا ہے۔ پھر کہا: جو شخص علم کو محفوظ کر لے اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس کا علم تابوت میں رکھا ہوا ہے۔

اور علامہ نووی نے دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے کہا: تابوت سے مراد پسلیاں ہیں، اور جن چیزوں کو پسلیاں شامل ہیں یعنی قلب وغیرہ، اس میں تابوت کو تشبیہ دی ہے جس میں سامان کو محفوظ کر کے رکھا جاتا ہے، پس یہ سات کلمات میرے دل میں ہیں لیکن میں ان کو بھول گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات انوار ہیں جو اس تابوت میں لکھے ہوئے تھے جو بنی اسرائیل کا تھا جس میں سکینہ تھی۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: تابوت سے مراد صندوق ہے، یعنی سات مکتوبہ صندوق میں ہیں۔ اور اس وقت وہ مجھے محفوظ نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر دو خصلتوں کا ذکر کیا" تا کہ سات مکمل ہوں۔

اگر تم سوال کرو کہ اس حدیث میں نور سے کیا مراد ہے؟

تو میں کہوں گا کہ نور سے مراد ہے حق کا بیان اور تمام حالات میں توفیق۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: اعضاء کے لیے نور کو طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ یہ تمام اعضاء انوارِ معرفت سے آراستہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزین ہو جائیں اور اس کے ماسوا سے خالی ہو جائیں، کیونکہ شیاطین اپنے وسوسے چھ جہات سے ڈالتے ہیں، پس ان سے خلاصی کے لیے یہ انوار ہوں جو ان چھ جہات کا راستہ روک دیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۵۔۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری"۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے "اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے اور تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے (یعنی منوّر ہے)۔ (صحیح البخاری: ۷۴۹۹، ۱۱۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کے مختلف اوقات میں دعا کرتے تھے، سوتے وقت اور بیدار ہوتے وقت آپ مختلف دعائیں کرتے جو اس حال کے مناسب ہوتیں۔ اور بعض اوقات آپ خلوت میں دعا کرتے جب آپ کا دل مختلف چیزوں سے فارغ ہوتا اور آپ اصرار سے اور گڑگڑا کر دعا کرتے اور دعا میں بہت کوشش کرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے دل کو نور بنا دے، میرے کان کو نور بنا دے، میرے تمام اعضاء کو نور بنا دے۔ اور بعض وہ اوقات ہیں جن میں آپ جامع دعا کرتے اور معانی پر اقتصار کرتے اور تعیین اور شرح نہ کرتے۔ لہٰذا ان اوقات میں دعاؤں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنی چاہیے اور ہر حال میں آپ کی پیروی کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کو جاننے کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں اسی طرح لیٹا رہا کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سمجھیں کہ میں آپ کے انتظار میں جاگ رہا ہوں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ اس لیے کیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دکھائیں کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور وہ آپ کے احوال کو نہیں دیکھ رہے، کیونکہ ہر شخص جب اپنے گھر میں تنہا ہوتو وہ ایسے افعال کرتا ہے جن کے متعلق وہ کسی دوسرے کے مطلع ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس پر اس چیز نے برانگیختہ کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات میں حرکات کو اور آپ کے افعال کو دیکھ لیں اور اس سے ان کے علم کی حرص کا پتا چلتا ہے۔ اور ہم پہلے کتاب الصلوٰۃ میں لکھ چکے ہیں کہ ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ وصیت کی تھی کہ تم اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے احوال کو دیکھنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حصولِ علم کی حرص کرنی چاہیے اور علماء کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور جس چیز کے متعلق معلوم ہو کہ یہ علماء پر دشوار ہوگی اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

فائدہ

امام طبری نے از معقل بن یسار از حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شرک چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی طریقہ سے انسان میں داخل ہوتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس سے کس طرح نجات ہوگی یا اس سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جب تم وہ پڑھو تو تم قلیل اور کثیر اور صغیر اور کبیر شرک سے بری ہو جاؤ؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم یہ دعا کرو "اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس سے میں ایسا شرک کروں جس کو میں جانتا ہوں، اور تجھ سے اس شرک پر استغفار کرتا ہوں جس کو میں نہیں جانتا" اور یہ دعائیہ کلمات تم تین مرتبہ پڑھو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۱۴۔۲۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

دعائے نور کے متعلق مفصل روایت

امام ترمذی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں دعائے نور کی بعض تفصیلات ہیں:

اے اللہ! میرے لیے میری قبر میں نور کر دے، اور میرے دل میں نور کر دے، اور میرے آگے نور کر دے، اور میرے پیچھے نور کر دے، اور میرے دائیں طرف نور کر دے، اور میرے بائیں طرف نور کر دے، اور میرے اوپر نور کر دے، اور میرے نیچے نور کر دے، اور میرے کان میں نور کر دے، اور میری آنکھوں میں نور کر دے، اور میرے بالوں میں نور کر دے، اور میری کھال میں نور کر دے، اور میرے گوشت میں نور کر دے، اور میرے خون میں نور کر دے، اور میری ہڈیوں میں نور کر دے، اے اللہ! میرے لیے نور کو عظیم کر دے، اور مجھے نور عطا فرما، اور میرے لیے نور کر دے۔۔۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۳۴۱۹)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں نور کا معنی

علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ انوار جن کے حصول کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے، ان الفاظ کو ظاہر پر محمول کرنا بھی ممکن ہے۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اعضاء میں سے ہر عضو کے اندر ایک نور پیدا کردے جس کی وجہ سے وہ نور قیامت کے دن قیامت کے اندھیروں میں روشن ہو، آپ کے لیے بھی اور آپ کے متبعین کے لیے بھی یا جن کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے۔ علامہ قرطبی نے کہا: اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہاں نور سے علم اور ہدایت کا استعارہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (الزمر:۲۲)
پس کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ۔ (الانعام:۱۲۲)
کیا جو شخص پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔

علامہ القرطبی نے کہا: اور تحقیق یہ ہے کہ نور کے معنی سے وہ مراد ہے جس کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہو اور یہ اپنے مضاف کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس سماعت کا نور وہ ہے جو مسموعات کو ظاہر کرنے والا ہو اور بصر کا نور وہ ہے جو مبصرات کو کشف کرنے والا ہو، قلب کا نور وہ ہے جو معلومات کو کشف کرنے والا ہو اور اعضاء ظاہرہ کا نور وہ ہے جن سے عبادات ظاہرہ کے اعمال ظاہر ہوتے ہیں۔

علامہ طیبی نے کہا: ان اعضاء کے لیے نور کو طلب کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو معرفت کے انوار سے آراستہ کردے اور عبادات کے انوار سے مزین کردے اور ان کے ماسوا سے خالی کردے، کیونکہ شیاطین چھ جہات سے وسوسے ڈالتے ہیں، پس اس سے تخلص اس طرح ہوگا کہ ایسے انوار ہوں جو ان جہات میں شیطان کے راستہ کو روک دیں۔ اور ان تمام امور کا رجوع ہدایت، بیان اور حق کی روشنی کی طرف ہے۔

اور علامہ طیبی نے نیز کہا کہ سمع، بصر اور قلب کو حضور نے اپنے ساتھ خاص کیا یعنی میرے کان میں نور کردے اور میرے بصر میں نور کردے اور میرے قلب میں نور کردے، کیونکہ قلب اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے کے قرار کی جگہ ہے، اور سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کی آیات کی حفاظت کی جگہ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھتے۔ ان میں سے بعض آیات درج ذیل ہیں:

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران:۱۹۰)
بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۝

(۲) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد پر دلیل ہے، کیونکہ آپ نے گھر میں مشک لٹکائی ہوئی تھی جس میں وضو کے لیے اور پینے کے لیے پانی تھا۔ آپ ایک مد (ایک لیٹر) اور ایک صاع (چار لیٹر) سے غسل فرماتے تھے۔

(۳) اس حدیث میں تربیت کی کیفیت کا بیان ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ میں نے انگڑائی لی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ دیکھیں کہ میں آپ کے احوال کو جانچ رہا ہوں، کیونکہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ نیند سے اٹھتے ہیں تو انگڑائی لیتے ہیں۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نماز کے درمیان میں امامت کی نیت کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے درمیان میں بہ طور مقتدی داخل ہوئے۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب مقتدی ایک ہو تو اسے امام کی دائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں بائیں طرف کھڑا ہوا تو آپ نے مجھے کان سے پکڑ کر گھمایا اور دائیں طرف کر دیا۔

(۶) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز کی مصلحت کے لیے نماز میں حرکت کرنا جائز ہے۔

مقتدی کے دائیں طرف کھڑے ہونے کا حکم بہ طور استحباب ہے نہ کہ بہ طور وجوب

کیونکہ دائیں جانب افضل ہے۔ اہل علم کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں کہ آیا یہ واجب ہے یا مستحب ہے؟

ہمارے شیخ عبد الرحمٰن نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس فعل کا صدور ہوا ہے اور آپ کا فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اگر یہ واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اس پر متنبہ کرتے اور فرماتے کہ ایسا نہ کرنا جس طرح جب صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے ایام میں آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جب کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائیں، پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے انہیں خبر دی کہ امام کو صرف اس لیے امام بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بتایا ہو کہ ایک مقتدی کا امام کی بائیں طرف کھڑے ہونا جائز نہیں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعلیل قوی ہے اور حجت ظاہرہ ہے، کیونکہ اہل علم کے نزدیک یہ قاعدہ مقرر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا، وہ صرف استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نماز میں حرکت کرنے کی اصل میں ممانعت ہے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں طرف لانے کے لیے حرکت کی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس طرح سے قیام حرام ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ادنیٰ سبب کی وجہ سے نماز میں حرکت کرنا جائز ہے حتیٰ کہ بچہ کو رونے سے چپ کرانے کے لیے حرکت کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہما کو نماز کی حالت میں اٹھایا اور یہ بھی نماز میں حرکت ہے۔

خلاصہ یہ ہے جیسا کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک مقتدی کا امام کی دائیں طرف کھڑا ہونا سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اور جب ایک مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور دائیں جانب خالی رہے تب بھی نماز جائز اور صحیح ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی رکعات

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نمازِ تہجد کی تیرہ رکعات تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری حدیث میں روایت ہے کہ آپ نے تہجد کی نماز میں گیارہ رکعات پڑھیں اور اس حدیث میں روایت ہے کہ آپ نے تیرہ رکعات پڑھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تہجد کی نماز میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نیند سے وضو نہ ٹوٹنا آیا آپ کی خصوصیت ہے یا نہیں؟

شیخ ابن عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نیند وضو کو نہیں توڑتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوجاتے حتیٰ کہ آپ خراٹے لیتے اور ان کی آواز سنی جاتی اور آپ کھڑے ہوجاتے اور نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے، پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ نیند وضو کو نہیں توڑتی۔

لیکن اس پر کوئی قائل یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی نیند آپ کے وضو کو نہیں توڑتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔

ہم کہتے ہیں: اصل خصوصیت کا نہ ہونا ہے اور ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی آنکھیں سوتی ہیں اور آپ کا دل نہیں سوتا''، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نیند کی حالت میں بھی ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کیا حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک سفر میں رات کے آخری حصہ میں سو گئے اور سورج طلوع ہو گیا اور ان کو صرف سورج کی گرمی نے بیدار کیا، سو تم کیسے کہتے ہو کہ آپ نہیں سوتے تھے؟

ہم کہتے ہیں: ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کا جسم نہیں سوتا تھا، پس جو نہیں سوتا تھا وہ آپ کا دل ہے اور آپ کا احساسِ باطن آپ کے ساتھ رہتا تھا، اور رہا احساسِ ظاہر تو وہ سو جاتا تھا، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۶۵۔۱۶۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کی تحقیق پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن عثیمین کا یہ کہنا غلط ہے کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے، کیونکہ متعدد ین شارحین اور محققین علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سو کر اٹھنا اور پھر وضو کیے بغیر نماز پڑھنا آپ کی خصوصیت ہے۔ نیند سے وضو کے ٹوٹنے پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور آپ سجدہ میں تھے حتیٰ کہ آپ نے خراٹے لیے، پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ تو سو گئے تھے، آپ نے فرمایا: وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر یا کروٹ کے بل سوئے، کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے مفاصل اور جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۲، سنن ترمذی: ۷۷، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۵۶، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۵۹، ۱۶۰، سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۲۱)

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی حالتِ قیام میں سو جائے یا

حالت قعود میں سو جائے اس پر وضو نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ پہلو کے بل زمین پر لیٹ جائے۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۶۸)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا نیند سے ہل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے مجھے گود میں بھر لیا، میں نے دیکھا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مجھ پر وضو واجب ہو گیا؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک تم اپنا پہلو زمین پر نہ رکھو۔ (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۲۰، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۵۵)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، آنکھ سرین کی رسی ہے، جب آنکھ سو جاتی ہے تو یہ رسی ڈھیلی ہو جاتی ہے، امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''سو جو شخص سو جائے تو وہ وضو کرے''۔

(سنن دار قطنی: ۵۸۷، المعجم الکبیر: ۸۷۵، مسند احمد ج ۴ ص ۹۶۔ ۹۷، مسند ابو یعلیٰ: ۷۳۷۲، سنن دارمی: ۷۲۲، سنن ابن ماجہ: ۴۷۷، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۰۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴۷، الجامع الصغیر: ۵۷۴۹، الجامع الکبیر: ۱۴۵۶۳)

ہر چند کہ بعض احادیث کی سند ضعیف ہے لیکن جب کوئی حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور لائق استدلال ہوتی ہے۔ نیز اگر ضعیف حدیث سے مجتہدین استدلال کریں تب بھی وہ حدیث قوی ہوتی ہے اور لائق استدلال ہوتی ہے۔ اور اس حدیث سے تمام مجتہدین نے یہ استدلال کیا ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اب اس پر اجماع امت ہو گیا ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نیند سے وضو نہ ٹوٹنا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین نے جو یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک سفر میں رات کے آخری حصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سو گئے، وہ پوری حدیث درج ذیل ہے:

امام مالک از زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مکہ کے راستہ میں رات کے آخری حصہ میں ٹھہرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ ان کو نماز کے وقت بیدار کر دیں، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ سو گئے اور صحابہ بھی سو گئے، حتیٰ کہ جب وہ بیدار ہوئے تو ان پر سورج طلوع ہو چکا تھا، پس صحابہ بیدار ہوئے اور وہ گھبرائے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی سواریوں پر سوار ہوں حتیٰ کہ اس وادی سے نکل جائیں، اور آپ نے فرمایا: اس وادی میں شیطان ہے، پس وہ سوار ہوئے حتیٰ کہ اس وادی سے نکل گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ سواریوں سے اتریں اور وضو کریں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ نماز کی اذان کہیں یا اقامت کہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے ان کی گھبراہٹ کو دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر چاہتا تو ان روحوں کو اس وقت کے علاوہ کسی وقت میں لوٹا دیتا، پس جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے، پھر گھبرا کر اٹھے تو نماز پڑھ لے جس طرح نماز کو اپنے وقت پر پڑھتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا اور وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، اس نے بلال کو لٹا دیا اور ان کو اس طرح تھپکتا رہا جس طرح بچہ کو تھپکا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ سو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسی طرح خبر دی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں

گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (مؤطا امام مالک:۲۶)

یہ حدیث صحیح مسلم:۶۸۰، سنن ابوداؤد:۴۳۵، سنن ابن ماجہ:۶۹۷ میں بھی مذکور ہے۔

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت نماز پڑھتے، نہ پوچھو ان کے حسن اور ان کے طول سے، پھر آپ چار رکعات نماز پڑھتے، نہ پوچھو تم ان کے حسن اور ان کے طول سے، پھر آپ تین رکعات پڑھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح بخاری:۱۱۴۷، ۲۰۱۳، ۳۵۶۹، صحیح مسلم:۷۳۸، سنن ترمذی:۴۳۹، سنن نسائی:۱۶۹۷، سنن ابوداؤد:۱۳۴۱، مسند احمد:۲۳۵۵۳، موطا امام مالک:۲۶۵)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟''

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: گویا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ وہم کیا کہ وتر (عشاء کی) نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کا مشاہدہ کیا تھا کیونکہ وہ (عشاء کی) نماز کے بعد وتر پڑھتے تھے۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس کے خلاف دیکھا تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی کہ آپ کی دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور آپ کا دل نہیں سوتا۔ اور یہ مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کو حاصل نہیں تھا اور یہ انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام بشر سے قلب کی نیند میں مفارق ہوتے ہیں۔ اور آنکھ کی نیند میں تمام بشر کے مساوی ہوتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خراٹے لیتے اور پھر نماز پڑھتے۔

اور عکرمہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ تھے اور آپ نیند سے بیدار ہو کر وضو کرتے تھے اگرچہ آپ نیند کے بعد وضو نہیں کرتے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور یہ بعید نہیں ہے کہ آپ اس وقت وضو کرتے ہوں جب نیند آپ کے قلب پر غالب ہو جاتی ہو اور یہ بہت نادر ہے، جیسا کہ آپ ایک وادی میں اس وقت تک سوئے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تاکہ آپ امت کے لیے یہ سنت قائم کریں کہ وقت کے نکلنے سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اگرچہ وقت کا نکلنا نیند کی وجہ سے معلوم ہو یا نسیان کی وجہ سے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۱۱۳، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا بہت اعلیٰ مرتبہ ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے کیونکہ وہ دل کے سونے میں تمام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور آنکھوں کے سونے میں تمام لوگوں کے مساوی ہوتے ہیں۔

از ایوب از عکرمہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے خراٹے سنے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا، عکرمہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۸)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے اٹھ کر وضو کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے، اور یہ بعید نہیں ہے کہ جب نیند آپ کے قلب پر غالب آجائے تو آپ وضوء کریں اور یہ بہت نادر ہے جیسا کہ ایک سفر میں صبح کی نماز کے وقت آپ کو نیند تھی تا کہ آپ کی امت کے لیے یہ نمونہ ہو کہ وقت نکلنے کی وجہ سے نماز ساقط نہیں ہوتی، خواہ آپ پر نیند کا غلبہ ہو یا آپ بھول گئے ہوں۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۱۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے سے کیسے سو گئے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ اس کا جواب دو طریقوں سے ہے۔

زیادہ صحیح اور مشہور جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ قلب صرف ان محسوسات کا ادراک کرتا ہے جو قلب کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں جیسے درد وغیرہ۔ اور طلوع فجر وغیرہ کا ادراک قلب نہیں کرتا، اس کے ادراک کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہے اور اس کا ادراک آنکھ سے کیا جاتا ہے اور آنکھ سوئی ہوئی تھی اگرچہ قلب بیدار تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت یہ ہے کہ جس میں دل سو جاتا ہے اور اس موقع پر ایسا ہی تھا۔ اور دوسری حالت یہ ہے کہ آپ کا دل نہیں سوتا اور آپ کے غالب احوال یہی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۳ ص ۲۰۹۷، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ، صحیح مسلم کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المازری نے کہا: اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نماز کے وقت سے سو گئے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اور دوسری حدیث میں ہے: میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری، کتاب التہجد باب: ۱۶، صحیح مسلم، کتاب المسافرین ۱۲۵، سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ باب: ۷۹، سنن ترمذی: کتاب المواقیت، باب: ۲۰۸)

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اکثر اوقات میں میرا دل نہیں سوتا اور کم اوقات میں میرا دل سوتا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ کی نیند آپ پر مستغرق نہیں ہوتی حتیٰ کہ آپ بے وضو ہو جائیں اور میرے نزدیک اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا، کیونکہ طلوع فجر کا آنکھ سے ادراک کیا جاتا ہے نہ کہ دل کے ساتھ۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آپ کا دل اس لیے نہیں سوتا کہ آپ کے دل پر وحی کی جاتی ہے، پس آپ کے دل کے اوپر نیند کا استغراق جائز نہیں ہے اور آپ نیند میں بے وضو ہونے سے محفوظ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ سو جاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے خراٹے سنے جاتے اور آپ نماز پڑھتے اور آپ وضو نہیں کرتے۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۲ ص ۶۱۹-۶۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی المتوفی ۸۹۵ھ اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اشکال کا ایک جواب یہ ہے کہ اکثر اوقات میں میرا دل نہیں سوتا اور نادر اوقات میں سو جاتا ہے جیسا کہ اس وادی کے واقعہ میں ہوا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیند آپ پر مستغرق نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ آپ بے وضو ہو جائیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں جیسا کہ اس وادی میں سو گئیں اور طلوع فجر کا آنکھ سے ادراک کیا جاتا ہے نہ کہ دل کے ساتھ۔ (مکمل اکمال الاکمال، جز ۲ ص ۶۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری الازہری المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

تحقیق: علماء نے اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ساتھ تطبیق دی ہے کہ بے شک میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، بایں طور کہ دل کا ادراک ان محسوسات کے ساتھ ہوتا ہے جو دل کے ساتھ متعلق ہوں جیسا کہ درد وغیرہ۔ اور ان کے ساتھ دل کے ادراک کا تعلق نہیں ہوتا جن کے ادراک کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہے، کیونکہ آنکھ سوئی ہوئی تھی اور قلب بیدار تھا۔ علامہ نووی نے کہا کہ یہ جواب صحیح اور معتمد ہے۔ (شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ج ۱ ص ۸۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

تنبیہ: ہم نے جو شارحین کی عبارات نقل کی ہیں، ان بعض عبارات میں تکرار ہے لیکن ہم نے اس تکرار کو اس لیے نظر انداز کر دیا کہ ہمارا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اکثر علماء متقدمین اور متاخرین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ذکر کیا ہے کہ نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ اور شیخ ابن عثیمین نے جو اس خصوصیت کا انکار کیا ہے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۳۱۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے سلیمان بن ابی مسلم سے سنا از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو تہجد پڑھتے اور آپ یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان میں ہیں ان کا نور ہے (یعنی ان کو منور کرنے والا ہے) اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو ان میں ہیں ان کو قائم کرنے والا ہے، اور تیرے لیے ہی حمد ہے، تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تیرا قول حق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے اور انبیاء حق ہیں اور محمد حق ہیں، اے اللہ! میں تیرے لیے اسلام لایا اور تجھ پر ہی توکل کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیری طرف رجوع کیا اور

تیرے سبب سے میں نے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف میں نے محاکمہ کیا، سو تو میرے لیے بخش دے جو کام میں نے پہلے کیے اور جو کام میں نے بعد میں کئے، اور جو میں نے پوشیدہ طور پر کیے اور جو میں نے ظاہراً کیے، تو مقدم کرنے والا ہے اور تو مؤخر کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یا کہا: اور تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۲۰، ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹، صحیح مسلم: ۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۴۱۸، سنن نسائی: ۱۶۱۹، سنن ابوداؤد: ۷۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۵، مسند احمد: ۳۳۵۸، موطا امام مالک: ۵۰۰، سنن دارمی: ۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۶۳۱۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہجد کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور تہجد کے مباحث کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ عرب کے نزدیک تہجد کا معنی بیدار ہونا ہے اور رات کی نیند کے بعد جاگنا ہے، انہوں نے کہا: ''ھجود'' کا معنی نیند کرنا بھی ہے۔ آدمی نیند سے بیدار ہو تو تب بھی کہا جاتا ہے ''تھجّد'' اور جب سویا ہوا ہو تو اس وقت بھی کہا جاتا ہے ''تھجّد''۔

(شرح ابن بطال ج ۳ ص ۱۰۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی متوفی ۳۹۸ھ نے کہا: ''ھجدَ اور تھجّدَ'' کا معنی ہے جب رات کو سویا، اور یہ لغت اضداد سے ہے، اسی وجہ سے رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق تہجد فرمایا ہے، یعنی نیند کو ترک کر کے اٹھ کر نماز پڑھنا۔

(الصحاح للجوہری ج ۲ ص ۵۵، دارالعلم، بیروت، ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن الفارس نے کہا ہے کہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے والے کو متہجد کہا جاتا ہے۔ (مجمل اللغۃ ج ۲ ص ۸۹۹)

اور علامہ نووی نے علماء سے نقل کیا ہے کہ تہجد کا اصل معنی ہے: نیند چھوڑ کر رات کو نماز پڑھنا۔

(المجموع شرح المہذب ج ۳ ص ۵۳۴)

تہجد کی نماز پڑھنے کا شرعی حکم

قیام اللیل سنتِ مؤکدہ ہے۔ بعض سلف صالحین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پوری امت کے اوپر رات کا قیام کرنا واجب ہے، کم از کم اتنی مقدار جس کے اوپر تہجد کا اطلاق ہو جائے اگرچہ وہ صرف دودھ دوہنے کی مقدار ہو، اور یہ قول غلط اور مردود ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مطلق نفل جس کا کوئی سبب نہ ہو وہ دن میں پڑھنے کی بہ نسبت رات میں پڑھنا افضل ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کو نماز پڑھنا

ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۳، کتاب الصیام، باب فضل الصوم المحرم)

کیونکہ یہ نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے جو غفلت کا وقت ہے، پس اس کا پڑھنا اہم ہے۔ پس اگر اس نے رات کے دو حصے کیے تو دوسرے حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے یا تین حصے کیے تو درمیانی تہائی حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے، یا چھ حصے کیے تو رات کے چھٹے حصے میں نماز پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز کے متعلق حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے تھے اور تہائی رات میں نماز میں قیام کرتے تھے، اور چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ چھوڑتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۱، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن نسائی: ۱۶۳۰، سنن ابوداؤد: ۲۴۴۸، سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۲، مسند احمد: ۶۴۵۵، سنن دارمی: ۱۷۵۲)

اور پوری رات میں قیام کرنا مکروہ ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث صحیح ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو، میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سو تم ایسا نہ کرو، تم روزہ رکھو اور روزہ چھوڑو، اور رات کو قیام کرو اور نیند کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری دونوں آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہر مہینہ سے تین روزے رکھ لو، کیونکہ ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو یہ صیامِ دہر ہو جائیں گے۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۱۹۷۵، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن نسائی: ۲۳۹۱، مسند احمد: ۶۸۳۹)

بعض راتوں کو زندہ کرنا مکروہ نہیں ہے خصوصاً رمضان کی آخری دس راتوں کو ساری رات بیدار ہو کر عبادت کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں کو بھی، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جس نے راتوں کو زندہ کیا اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید کی دو راتوں میں اللہ کے لیے قیام کیا اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات نماز پڑھی تو اس کا دل نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مر جائیں گے۔ (المعجم الاوسط: ۱۵۹، مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۰۵ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

عید کی راتوں کو زندہ کرنے کے متعلق امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں احادیث روایت کی ہیں۔ اس کی سند میں عمر بن ہارون البلخی ہیں جن پر غالب ضعف ہے اور جماعتِ کثیرہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۸، رقم الحدیث: ۳۲۰۳، دار الکتب العربی، بیروت، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض تھی یا نفل، اس کی تحقیق

نفل کا لغت میں معنی ہے: اصل چیز پر زیادتی۔ اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کس وجہ سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تہجد کے ساتھ تخصیص کی گئی۔ بعض علماء نے کہا کہ آپ پر تہجد کی نماز فرض تھی اور دوسروں پر تہجد کی نماز نفل تھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو آپ کے لیے نفل بنا دیا۔ (جیسا کہ علامہ ابن بطال مالکی نے نقل کیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۰۸)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر واجب تھی، پھر اس کے وجوب کو منسوخ کیا گیا اور یہ نفل ہو گئی۔

امام طبری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کو نفل اس لیے قرار دیا کہ آپ نے پہلے کوئی ایسا فعل نہیں کیا تھا جو گناہ ہو اور یہ تہجد کی نماز اس کا کفارہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، تو آپ کے لیے یہ محض نفل اور فضل ہے۔ اور دوسروں کے لیے تہجد کی نماز ان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور یہ ان کے لیے نفل نہیں ہے اور اس کا نفل ہونا آپ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپ مغفور ہیں۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۱۳۰، رقم: ۲۲۶۱۸)

اور جن علماء نے یہ کہا کہ تہجد کی نماز آپ پر واجب تھی تو انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''نافلة لك'' یعنی یہ صرف آپ کے لیے فرض ہے اور پانچ فرضوں پر زائد ہے اور اس میں آپ کی، آپ کی امت سے تخصیص کی گئی ہے۔

اور امام طبری نے پہلی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

اور مجاہد کے اس قول کا کوئی معنی نہیں ہے کہ چونکہ آپ کی مغفرت کر دی گئی اس لیے آپ کو تہجد کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کی آیت (لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ) (الفتح: ۲) کے نزول کے بعد بھی بہ کثرت استغفار کرتے تھے۔ اور اس لیے کہ سورۃ الفتح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپس ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ پر یہ آیت نازل کی گئی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠ (النصر: ۱-۳)	جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں ○ سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے ○

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیات کے اخیر تک اپنے رب سے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ آپ کے مغفور ہونے کی آیت اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ سو معلوم ہوا کہ آپ کا مغفور ہونا آپ کے استغفار کرنے کے منافی نہیں ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کو گنتے تھے ایک سو مرتبہ۔ آپ دعا کرتے: ''رب اغفرلی وتب علی انك انت التواب الرحیم'' (اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۶، سنن ترمذی: ۳۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۴)

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ الاغر المزنی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ابر

چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲)

امام ابوجعفر طبری لکھتے ہیں:

ان احادیث سے مجاہد کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں تو پھر تہجد کی نماز پڑھنے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تہجد کی نماز تو اس لیے پڑھی جائے گی کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور آپ معصوم ہیں آپ نے کوئی گناہ کیا نہیں، اور بفرض محال اگر کوئی گناہ ہو تو اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی ہے۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۳۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مغفور ہونے کے باوجود آپ کے استغفار کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جب نبی معصوم اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرے تو اس کا معنی اس کے درجات کی بلندی ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو تہجد کی نماز میں لمبا قیام کرتے تھے اور آپ کے پائے مبارک سوج جاتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرنے کے لیے تھا، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا: آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، تو آپ فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۷۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ استغفار اس لئے کرتے تھے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں گئے اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، پس جب ان کو خبر دی گئی تو گویا کہ انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا، سو انہوں نے کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تو اگلی پچھلی تمام ظاہری خطاؤں کی معافی فرما دی ہے، پس ان میں سے ایک نے کہا کہ رہا میں، تو میں ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھوں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا اور کوئی روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، سو جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، سنن نسائی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۳۶۳۱)

نیز آپ کے استغفار کے درج ذیل محامل ہیں:

(۱) آپ اپنی تواضع اور انکسار کو ظاہر کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کو بیان کرنے کے لیے استغفار کرتے تھے۔

(۲) آپ امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تھے تاکہ وہ بھی آپ کی اقتداء میں استغفار کریں خواہ ان سے گناہ سرزد ہوا ہو یا نہ

ہوا ہو۔

(۳) چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ النصر: ۳ میں اس کی تصریح ہے، اس حکم پر عمل کرنے کے لیے آپ استغفار کرتے تھے۔

(۴) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۲) سو اس کی محبت کو حاصل کرنے کے لیے آپ استغفار کرتے تھے۔

کثرتِ استغفار کے متعلق دیگر احادیث

نیز کثرتِ استغفار کی فضیلت درج ذیل حدیثوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا ''استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ'' اس کی مغفرت کر دی جائے گی خواہ وہ میدانِ جہاد سے منہ موڑ کر بھاگا ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۱۵۱۷، سنن ترمذی: ۳۵۷۷)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مغفرت طلب کرنے کو لازم کر لیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ کر دے گا اور ہر فقر سے خوشی اور کشادگی کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۹)

حدیث میں مذکور دعاء کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انت قیم السمٰوٰت والارض'' یعنی تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم کرنے والا ہے۔ اور الموطا میں مذکور ہے ''انت قیام''۔ (الموطا: ۱۵۰)

الہروی نے کہا: ''قوام'' کہا جاتا ہے۔ اور مجاہد اور ابوعبید نے کہا ہے ''القیوم'' کا معنی ہے: ہر چیز کو قائم کرنے والا۔

(تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۷، رقم: ۵۷۶۷)

اور قیوم کے لفظ کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور قائم کی بھی تصریح ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ (الرعد: ۳۳) کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے)۔

قیم کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قیم وہ ذات ہے جو مخلوق کی تدبیر کرنے والی ہے اور قائم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیم کا معنی ہے: جو ہمیشہ قائم رہے اور کبھی زائل نہ ہو۔ اس کا معنی ہے: تو ہر نفس کے اوپر قائم ہے جس کا وہ نفس کسب کرتا ہے اور تو اس نفس کا خالق ہے اور رازق ہے اور اس کو مارنے والا ہے اور اس کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور اس کا ایک معنی ہے: جو ہر نفس کا محافظ ہے، نہ غافل ہوتا ہے اور نہ اکتاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اور جو ان میں ہیں''۔

یعنی تیرے نور سے ہدایت پاتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۱۰۹)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ تو آسمانوں اور زمینوں میں نور والا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا معنی مروی ہے یعنی آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۹ ص ۳۲۰، رقم: ۲۶۰۸۵)

اور مجاہد سے مروی ہے، اس کا معنی ہے: تو زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستاروں کی تدبیر کرنے والا ہے۔
(تفسیر الطبری ج ۹ ص ۳۲۱۔ ۳۲۰، رقم: ۲۶۰۸۵)

ابن عرفہ نے کہا: اس کا معنی ہے: تو زمین اور آسمان کو روشن کرنے والا ہے۔ اور جس نے کہا: اس کا معنی ہے: نور والا تو اس کا معنی ہے: اس کا نور قرآن ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ زمین اور آسمان والوں کو ہدایت دینے والا ہے، جس ہدایت سے کوئی شخص منور اور روشن ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو کہ مومنین کے قلوب کو روشن کرنے والا ہے۔

اور ابو العالیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے مزین کرنے والا ہے۔ اور زمین کو انبیاء اور اولیاء اور علماء سے مزین کرنے والا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۲۵۷)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے" یعنی ان کا مالک ہے اور جو آسمان اور زمین میں ہیں ان کا بھی مالک ہے اور جو ان میں ہیں ان کا خالق ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تو حق ہے" یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اور اس کا معنی ہے کہ اس کا وجود محقق ہے۔ ہر وہ چیز جس کا وجود صحیح ہو اور محقق ہو، وہ حق ہے۔

اور یہ وصف رب جل جلالہ کا حقیقت میں ہے اور اس کی خصوصیت ہے اور کسی اور کے لیے یہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود لنفسہٖ ہے، اس سے پہلے اس کا عدم نہیں ہے اور نہ اس کو عدم لاحق ہوتا ہے۔ اور اس کے ماسوا کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (لقمان: ۳۰)

اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو معبود کہا وہ حق ہے اور جس نے اس کے غیر کو معبود کہا وہ کذب ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تیرا وعدہ حق ہے"۔ یعنی اس کا وعدہ متحقق ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو مدت مقرر کی ہے اس کے خلاف نہیں ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ۔ (ابراہیم: ۲۲)

بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق وعدہ تھا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے والوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں ان کو دوزخ سے ڈرایا اور اس نے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے اٹھنے کا وعدہ کیا اور حشر کا اور ثواب کا اور عقاب کا۔ اس میں ان کا انکار ہے جو اس کے وعدہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کی ان چیزوں میں تکذیب کرتے ہیں جن کی انہوں نے تبلیغ کی ہے اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید سے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور تیری ملاقات حق ہے"۔ اس سے مراد مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے

مراد موت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو مارنے والا ہے اور ان کو اپنی ملاقات کے لیے اور جزاء کے لیے اٹھانے والا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور تیرا قول حق ہے" یعنی تیرا قول صدق اور عدل ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور جنت حق ہے اور نار حق ہے" یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو جنت اور دوزخ کی خبریں دی ہیں وہ حق ہے اور صدق ہے اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ جنت اور دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور قیامت حق ہے" یعنی قیامت کا آنا ضروری ہے تا کہ جن لوگوں کو دنیا میں ان کے ظلم پر سزا نہیں دی گئی قیامت کے بعد انہیں ان کے ظلم پر سزا دی جائے۔ اور جن لوگوں کو دنیا میں ان کی مظلومیت پر جزا نہیں دی گئی ان کو اس پر جزا دی جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور انبیاء حق ہیں اور محمد حق ہیں" یعنی انبیاء علیہم السلام اللہ کے رسول ہیں اور وہ حق ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان کی خصوصیت کی بناء پر الگ سے کیا گیا جیسا کہ ملائکہ کے عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ (البقرہ: ۹۸)

اس حدیث میں مذکور ہے "اللّٰھم لک اسلمت" یعنی اے اللہ میں نے تیرے احکام کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا جس چیز کا تو نے حکم دیا یا جس چیز سے تو نے منع کیا اس کے مطابق عمل کیا، اور تسلیم کیا اور میں راضی ہوا اور تیری اطاعت کی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وبک آمنت" یعنی میں نے تیری تصدیق کی اور تو نے جو خبریں نازل کیں ان کی تصدیق کی اور جو تو نے حکم دیا اور جس چیز سے تو نے منع کیا اس کی تصدیق کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان حقیقت میں اسلام نہیں ہے بلکہ ایمان حقیقت میں تصدیق ہے۔ قاضی ابوبکر نے کہا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا۔ (الحجرات: ۱۴) دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے، آپ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں! یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کے لیے اسلام کو ثابت کیا، پھر ان سے ایمان کی نفی کی۔ یعنی اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے اور ایمان سے مراد دل کی تصدیق ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وعلیک توکلت" یعنی میں نے اپنی قوت سے براءت کی اور معاملات کو تیری طرف سپرد کر دیا اور میں نے یقین کر لیا کہ مجھے وہی چیز پہنچے گی جو میرے لیے لکھی گئی ہے اور میں نے اپنے معاملات تیری طرف سپرد کر دیے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "والیک انبت" یعنی میں نے تیرے امر کی اطاعت کی۔ منیب وہ ہے جو اپنے رب جل جلالہ کی طرف اپنے دل سے رجوع کرنے والا ہو۔ یعنی تو میرے لیے جو بھی تدبیر کرے میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں اور تیری عبادت کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وبک خاصمت" یعنی تو نے جو مجھے براہین اور دلائل استدلال کے لیے عطا کیے ہیں، ان سے

میں استدلال کر کے تیرے حق میں جھگڑا کرتا ہوں، جو تجھ سے معاند ہو اس سے لڑتا ہوں۔ اور اس کے خلاف زبانی دلائل دیتا ہوں، یا تلوار سے اس کے خلاف جہاد کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والیك حاكمت" یعنی میں ہر معاملہ میں تجھے حاکم بناتا ہوں۔ نہ اس طرح جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں اور جاہلوں کو حکم بناتے تھے۔ پس جو تیری مخالفت کرے میرے اور اس کے درمیان تو ہی حاکم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاغفرلی ماقدمت" یعنی جو میں نے کام پہلے کیے ان کو معاف فرما دے، یہ تواضع اور خضوع اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے اجلال کی بناء پر دعا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں، اور یہ دعا اس لیے ہے کہ ہم اس دعا میں آپ کی پیروی کریں۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور انبیاء کا مرتبہ بلند کیا کیونکہ وہ نیک اعمال میں بہت کوشش کرتے تھے اور وہ اس کی عظمت کی معرفت رکھتے تھے۔ اور مغفرت کا معنی ہے: گناہ کو ڈھانپ لینا۔ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں اس کا معنی ہے: ان کے مراتب کو بلند کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انت المقدم وانت المؤخر" یعنی تو ہی اول ہے اور تو ہی آخر ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف بھیجنے میں دوسروں پر مقدم کیا۔ آپ نے فرمایا: "نحن الآخرون السابقون" (صحیح بخاری: ۲۳۸) یعنی دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں بھیجا اور قیامت کے دن شفاعت کے معاملہ میں آپ کو تمام انبیاء پر مقدم فرمائے گا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "لاحول ولا قوة الا بالله" یعنی میں کسی قول اور فعل میں تصرف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، نہ کسی قول اور فعل کی نیت کرنے کی طاقت رکھتا ہوں، مگر تیری مدد سے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۷۔ ۲۳ ملخصا وملتقطا، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۳۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی عصمت اور گناہوں سے معصوم ہونے کے متعلق شیخ ابن عثیمین کا نظریہ

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کبھی گناہ واقع ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے: آپ نے دعا کی "اے اللہ! میرے ان کاموں کو بخش دے جو میں نے پہلے کیا" اور بندہ سے جب گناہ واقع ہو تو اس سے اس کو ضرر نہیں ہوتا بلکہ کبھی انسان کو گناہ سے توبہ کرنے کے بعد وہ خیر حاصل ہوتی ہے جو غیر گناہ سے پہلے حاصل نہیں تھی، کیونکہ توبہ اس کے کیے ہوئے پہلے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ اور انسان گناہ کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی طرف منکسر ہوتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے: کیونکہ انسان پہلے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، پس جب وہ گناہ کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ عزوجل کے سامنے منکسر ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ — اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلاء

وَهَدٰى ﴿ (طٰہٰ: ۱۲۱۔ ۱۲۲) ہو گئے O پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا، اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی رہنمائی فرمائی O

اس آیت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے تین امور حاصل ہوئے جو پہلے حاصل نہیں تھے: ایک توبہ، دوسری بزرگی اور تیسری ہدایت۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے رسل کرام علیہم السلام گناہ سے ممنوع نہیں ہیں، وہ کبھی گناہ کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں اور گناہ پر اصرار نہیں کرتے، یہی فرق ہے ان کے اور تمام لوگوں کے درمیان، کیونکہ تمام لوگ بعض اوقات دائماً گناہ کرتے رہتے ہیں اور اس سے رجوع نہیں کرتے، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں پر اصرار کرنے سے معصوم ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق جو مجھے ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی معصیت شہوت اور خواہشِ نفس سے نہیں ہوتی، بخلاف عام لوگوں کی معصیت کے، وہ شہوت اور خواہشِ نفس سے ہوتی ہے۔

رہی انبیاء علیہم السلام کی معصیت تو کبھی وہ اجتہاد سے ہوتی ہے جیسے اجتہاد میں ان کو خطاء ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ان کا وہ اجتہاد ان میں گناہ کی ایک قسم پیدا کر دیتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین کے شبہات کے جوابات

شیخ ابن عثیمین نے انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطا کو بھی گناہ قرار دیا ہے حالانکہ اجتہادی خطا گناہ نہیں ہوتی، بلکہ اس پر بھی ایک اجر ملتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے ممنوع درخت سے کھایا، ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کی ممانعت کی ہے وہ تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ تنزیہ کے لیے ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ جب انہوں نے اس پر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کی خلافت عطا فرمائی اور نبوت عطا فرمائی۔ اور انہوں نے جنت سے اور آسمانوں سے زمین کی طرف ہجرت کی اور ہجرت کا بھی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین نے اپنے استدلال میں دوسری آیت یہ ذکر کی ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿ (التوبہ: ۴۳) اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے انہیں (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی، (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ (عذر پیش کرنے میں) کون سچے ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے O

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: کہ اس لطیف عتاب پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے عفو کا پہلے ذکر فرمایا پھر بعد میں فرمایا کہ آپ نے منافقین کو اجازت کیوں دی۔ اور یہ خطاب لطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زجر و توبیخ نہیں کی بلکہ زجر و توبیخ سے پہلے معاف فرما دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد میں نہ جانے کی اجازت دی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مصلحت کا گمان کرتے تھے۔

شیخ ابن عثیمین کی شرح پر مصنف کا جواب

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جس کام سے اللہ نے لازماً منع کیا ہو، اس کام کا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور جس کام سے اللہ نے لازماً منع نہ کیا ہو بلکہ ترجیحاً منع کیا ہو یعنی اس کام کا نہ کرنا راجح ہو تو اس کام کا کرنا گناہ تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے منافقین کو اجازت دینے سے لازماً منع کیا ہوتا تو یہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہوتا اور اگر ترجیحاً منع کیا ہوتا تو گناہ تو نہ ہوتا مگر یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منع کیا ہی نہیں تھا تو آپ کا ان کو اجازت دینا، کسی قسم کا گناہ ہے نہ یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، بلکہ آپ کے لیے ان کو اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعل مباح تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی کیوں اجازت دے دی، حالانکہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو پھر بھی یہ لوگ جہاد میں شریک ہونے والے نہ تھے، یعنی ان کے حق میں آپ کا اجازت دینا یا نہ دینا دونوں امر برابر تھے، لہٰذا آپ کا انہیں جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت دینا کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ہر اس گناہ سے معصوم ہوتے ہیں جو اخلاق کے منافی ہوں، جیسے زنا اور لواطت اور جو اس کے مشابہ گناہ ہوں، تو انبیاء علیہم السلام ان کے ارتکاب سے ممنون ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا ارتکاب رسالت کی بنیاد کو منہدم کر دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں تا کہ مکارمِ اخلاق کو مکمل کر دوں، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا فعل کریں جو اس کے منافی یا اس کے خلاف ہو۔

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اسی طرح کذب اور خیانت سے بھی معصوم ہوتے ہیں، پس یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام جھوٹ بولیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ خیانت کریں، کیونکہ اس سے ان کی رسالت پر طعن ہوگا، پس جب وہ کسی کی امانت میں خیانت کر سکتے ہیں اور جھوٹ بول سکتے ہیں تو اللہ کی وحی میں بھی خیانت کر سکیں گے اور جھوٹ بول سکیں گے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کذب اور خیانت سے معصوم ہیں، کیونکہ اس سے رسالت کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔

نیز انبیاء علیہم السلام شرک سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ شرک کریں، کیونکہ شرک ان کے دعویٰ توحید کے منافی اور متناقض ہے۔

شیخ ابن عثیمین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہوں پر قرآن اور سنت سے استدلال

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

اس کا کیا جواب ہے جو حدیثِ صحیح میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "افلح وابیہ ان صدق" (یہ شخص کامیاب ہو گیا اس کے باپ کی قسم! اگر اس نے سچ بولا)۔ (صحیح مسلم: ۱۱۔۱) اور یہ معلوم ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے لیکن یہ شرکِ اصغر ہے جب تک کہ قسم کھانے والا جس کی قسم کھائی گئی ہے اس کی تعظیم کا اس طرح اعتقاد نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے، کیونکہ اس کی اس طرح تعظیم کرنا جس طرح اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اس کو گناہ کبیرہ بنا دیتا ہے۔

پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ کلمہ ہے جو بلاقصد زبان پر جاری ہو جاتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ثکلتك امك" (تجھے

تیری ماں روئے، یعنی تو مر جائے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی گناہ ہو جاتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم جان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ اور عام لوگوں کے گناہوں میں کیا فرق ہے اور رہے وہ لوگ جو یہ زعم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بالکل گناہ نہیں کرتے، سو یہ وہ قول ہے جس کا کتاب اور سنت رد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِؕ (محمد:۱۹) پس آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کے استدلال کا مصنف کی طرف سے جواب

شیخ ابن عثیمین نے "افلح وابیہ" سے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کھائی اور یہ کم از کم شرک اصغر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں چار جگہ یہ حدیث مذکور ہے (صحیح بخاری: ۴۶، ۱۸۹۱، ۲۶۷۸، ۶۹۵۶) اور کسی حدیث میں بھی "وابیہ" کے لفظ نہیں ہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بھی دو جگہ یہ حدیث مذکور ہے۔ اصل حدیث صحیح مسلم: ۱۱ ہے جو مفصل ہے اور قتیبہ بن سعید سے مروی ہے، اس میں بھی "وابیہ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور صحیح مسلم کی دوسری روایت جو مجمل ہے اور یحییٰ بن ایوب سے مروی ہے، اس میں "وابیہ" کے الفاظ مذکور ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موثوق نہیں ہے۔ امام بخاری نے تو ان الفاظ کو روایت ہی نہیں کیا۔ اور امام مسلم نے بھی ایک جگہ ان الفاظ کو روایت کیا ہے دوسری جگہ روایت نہیں کیا۔ اور برتقدیر ثبوت اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس وقت ممنوع ہے جب یہ قصد کیا جائے کہ اگر اس قسم کے خلاف ہوا تو قسم کھانے والا حانث ہو جائے گا اور اگر یہ قصد نہ ہو اور صرف لغوی اعتبار سے غیر اللہ کی قسم کھائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خود اللہ عزوجل نے بہ کثرت آیات میں غیر اللہ کی قسم کھائی ہے: جیسے فرمایا "لَعَمْرُكَ" (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! (الحجر:۷۲) نیز فرمایا: "وَالطُّوْرِۙ" (الطور:۱) (اور پہاڑ) طور کی قسم!۔ اور فرمایا: "وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِۙ" (التین:۱)، انجیر اور زیتون کی قسم۔ اور "وَالضُّحٰىۙ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰىۙ" (الضحیٰ:۱۔۲) چاشت کے وقت کی قسم○ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے○

اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں بہ کثرت مزید آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کھائی۔

رہا شیخ ابن عثیمین (سورہ) محمد: ۱۹، کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب پر استدلال کرنا تو یہ بھی درست نہیں ہے، مفسرین کرام نے اس آیت کے متعدد جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ بعض ازاں یہ ہیں:

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس آیت کے دو جواب ہو سکتے ہیں (۱) اگر بالفرض آپ سے گناہ صادر ہو جائے تو آپ اللہ سے استغفار کریں (۲) آپ اللہ سے استغفار کرتے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۲۱)

امام رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں خطاب آپ کے ساتھ ہے اور مراد مومنین ہیں اور یہ جواب بعید ہے کیونکہ مومنین اور مومنات کا الگ سے

ذکر کیا گیا ہے اور بعض لوگوں نے کہا: ''لذنبك'' سے مراد ہے: آپ اپنے اہل بیت کے ذنب کیلئے استغفار کیجئے اور عام مومنین اور مومنات کے لیے استغفار کیجئے جو آپ کے اہل بیت سے نہیں ہیں۔ (۲) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی استغفار کا حکم دینا مراد ہے اور ذنب سے مراد ترک افضل (خلاف اولیٰ) ہے جو آپ کے مرتبہ کی بلندی کے اعتبار سے بہ ظاہر ذنب ہے اور ذنب کی حقیقت سے آپ بری ہیں اور بہت دور ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۲)

علامہ آلوسی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) اس آیت میں استغفار کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ہے: تواضع، انکسار اور تقصیر کا اعتراف (یعنی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا کما حقہ شکر ادا کر سکے، سو اس تقصیر کا اعتراف مراد ہے) اور یہ معانی استغفار کرنے کو لازم ہیں۔

(۲) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ذنب سے مراد ہے: ترکِ اولیٰ اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کام ایک شخص کے اعتبار سے نیکی ہو اور دوسرے کے اعتبار سے گناہ ہو، جیسے کہا گیا ہے: ''حسنات الابرار سیئات المقربین''۔

(روح المعانی ج ۲۶ ص ۸۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کے متعلق حاصل بحث

تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام گناہِ صغیرہ اور کبیرہ خواہ سہواً ہوں یا عمداً ہوں، اعلانِ نبوت سے پہلے اور اعلانِ نبوت کے بعد ان سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیگر انبیاء علیہم السلام سے بعض اوقات اجتہادی خطائیں ہو جاتی ہیں جو صورتاً خطا ہوتی ہیں حقیقتاً خطا نہیں ہوتیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہوتی ہیں، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا شجرِ ممنوع سے کھانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بہ ظاہر اور صورتاً تین جھوٹ بولنا جو حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے۔ اور ان کی حکمتیں اپنے مقام پر بیان کی جا چکی ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق محققین اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہادی خطاء سے بھی معصوم رکھا ہے، لہٰذا شیخ ابن عثیمین کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہوں کے صدور کو بیان کرنا نہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور عقیدت سے محرومی ہے بلکہ علمی تحقیق اور دیانت کے بھی خلاف ہے۔

۱۱۔ بَابُ: التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ الْمَنَامِ سوتے وقت اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنے کا بیان

اس باب میں سوتے وقت تکبیر یعنی اللہ اکبر اور تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا بیان ہے۔ اور امام بخاری کو چاہیے تھا کہ عنوان میں تحمید یعنی الحمدللہ پڑھنے کا بھی ذکر کرتے، کیونکہ اس باب کی حدیث ان تینوں امور پر مشتمل ہے۔

۶۳۱۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ شَكَتْ مَا تَلْقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحَى فَأَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تَجِدْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْتُ أَقُومُ فَقَالَ مَكَانَكِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابن ابی لیلیٰ از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے شکایت کی کہ ان کے ہاتھوں میں چکی پیسنے سے جو تکلیف ہوگئی ہے، سو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے کسی خادم کا سوال کیا، تو انہوں نے

فَجَلَسَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ إِذَا أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا أَوْ أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبِّرَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَهَذَا خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ وَعَنْ شُعْبَةَ عَنْ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ التَّسْبِيحُ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، انہوں نے اس بات کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کی خبر دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہم اپنے بستروں پر جا چکے تھے، میں اٹھنے لگا تو آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ رہو، پھر آپ ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے پاس پائی، آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہارے لیے خادم سے بہتر ہو؟ جب تم دونوں اپنے بستروں پر جاؤ یا تم دونوں اپنے بستروں کو پکڑو تو تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے، اور از شعبہ از خالد از ابن سیرین یہ روایت ہے کہ تسبیح چونتیس مرتبہ ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۱۱۳، ۳۷۰۵، ۵۳۶۱، ۵۳۶۲، ۶۳۱۸، صحیح مسلم: ۲۷۲۷، سنن ترمذی: ۳۴۰۸، سنن ابوداؤد: ۵۰۶۲، مسند احمد: ۱۱۴۵، سنن دارمی: ۲۶۸۵)

حدیث مذکور کی تفصیل اور اس حدیث کی سنن ابوداؤد میں روایت اور دیگر فوائد

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت علی نے کہا: حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی۔ حتیٰ سے پہلے عبارت اس طرح مقدر ہے: آپ ہمارے بستر میں داخل ہو گئے اور وہ سخت سردی کی رات تھی، اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بستر میں داخل ہو چکے تھے اور حضرت فاطمہ نے اپنا سر لحاف میں داخل کر لیا تھا، حضرت علی نے کہا: حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی اس طرح روایت کی ہے:

ام الحکم یا ضباعہ بنت الزبیر بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیدی حاصل کیے، پس میں اور میری بہن حضرت فاطمہ بنت محمد رسول اللہ کے پاس گئیں، پس ہم نے اپنے اپنے حال کی شکایت کی اور ہم نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ہمارے لیے کچھ قیدیوں کا حکم دیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر بدر کے قیدیوں نے سبقت کر لی ہے، پھر آپ نے تسبیح کا قصہ ذکر کیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ تسبیح پڑھنا خادم سے کس طرح بہتر ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر سے آخرت میں ثواب ہوگا، اور خادم کی وجہ سے چکی پیسنے کی مشقت سے راحت ملے گی اور آخرت کا ثواب دنیا کی مشقت کی راحت کے مقابلہ میں بہت زیادہ بہتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خمس کی تقسیم میں مذاہب فقہاء اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ترجیح

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام اپنے اجتہاد کے مطابق خمس کو تقسیم کرے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قیدی ملے تھے وہ خمس میں سے تھے، ان قیدیوں کے پانچ حصے تھے، چار تو وہیں مجاہدین کو دے دیئے گئے تھے اور ان کا پانچواں حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا گیا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خمس اپنے اقربین کو نہیں دیا اور دوسروں کو دے دیا اور اسی کے موافق امام مالک اور فقہاء احناف کا مذہب ہے۔

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ خمس میں سے ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو عطاء کرنا فرض ہے اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حصہ معین نہیں ہے، البتہ اگر وہ فقراء ہوں تو پھر وہ فقراء اور مساکین میں داخل ہیں اور جس طرح دیگر فقراء کو حصہ دیا جائے گا، اسی طرح ان کو بھی حصہ دیا جائے گا، اور اگر وہ غنی ہوں تو پھر ان کو خمس میں سے نہیں دیا جائے گا۔

اس حدیث میں امام مالک اور فقہاء احناف کے مسلک کی تائید ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قیدی حاصل ہوئے تھے وہ خمس میں سے تھے اور اگر خمس میں قرابت داروں کا حصہ ہوتا تو آپ کی صاحب زادی سیدتنا فاطمہ علیہا السلام نسب اور رحم کے لحاظ سے آپ کے سب سے زیادہ قریب تھیں، آپ نے قیدیوں میں ان کا حصہ نہیں رکھا اور نہ ان کو کوئی خادم دیا، اور آپ نے ان کو اللہ کے ذکر اور تحمید اور تہلیل کی طرف سونپ دیا اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھی۔ اس حدیث کے بقیہ فوائد حسب ذیل ہیں:

دینی طلباء کے حصہ کا مقدم ہونا، جب بیٹی اور داماد سوئے ہوئے ہوں تو ان کے درمیان بیٹھنے کا جواز، عبادت کا دنیا کے عظیم نفع سے بہتر ہونا

(۱) مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں علم دین کے طلبہ کا حصہ باقی حصہ داروں پر مقدم ہے۔ علامہ المہلب نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا سے اپنا کم سے کم حصہ لے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے آخرت میں جو حصہ رکھا ہے، اس کی توقع رکھے۔ (۲) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کے پاس اس وقت بھی جا سکتا ہے جب وہ اپنے خاوند کے ساتھ لیٹی ہوئی ہو یا سوئی ہوئی ہو۔ (۳) بیٹی اور داماد جب سوئے ہوئے ہوں یا لیٹے ہوئے ہوں تو ان کے درمیان بیٹھنا اور اپنے قدموں کو ان میں سے کسی کے جسم کے ساتھ ملانا۔ (۴) اعمال صالحہ میں سے تھوڑا عمل بھی امور دنیا کے زیادہ فوائد سے بہتر ہے، اور جب تسبیح و تہلیل کا اجر دنیا کے خادم اور اس کی خدمت سے بہت زیادہ ہے تو سوچیے نماز، حج، روزے اور زکوٰۃ کا اجر دنیاوی فوائد کے مقابلے میں کتنا زیادہ ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تسبیحات مذکورہ کے علاوہ رات کے وقت ایک اور دعا پڑھنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس قصہ میں ایک اور دعا کا ذکر کیا ہے اور اس کی عبارت امام طبری نے اپنی کتاب تہذیب میں از ابو صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے خادم کا سوال کرتی تھیں تو آپ نے فرمایا: کیا میں تمہاری اس چیز پر رہنمائی نہ کروں جو خادم سے بہتر ہے۔ تم تسبیح پڑھا کرو جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے، اور تم یہ دعا کرو:

اللھم رب السموٰت السبع ورب العرش العظیم، ربنا ورب کل شیء، منزل التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان، اعوذ بك من شر كل ذي شر، ومن شر کل دابة، انت اخذ بناصیتها، انت الاول فلیس قبلك شیء، وانت الأخر فلیس بعدك شیء، وانت الظاهر فلیس فوقك شیء، وانت الباطن فلیس دونك شیء، اقض عنی الدین واغننی من الفقر۔

اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور عرش عظیم کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، تورات اور انجیل اور زبور اور فرقان کے نازل کرنے والے، میں ہر صاحب شر کے شر سے تیری پناہ میں آتی ہوں، اور میں ہر سواری کے شر سے تیری پناہ میں آتی ہوں جس کو تو اس کے سر کے بالوں سے پکڑنے والا ہے، تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، اور تو ہی آخر ہے، سو تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، اور تو ہی باطن ہے اور تیرے پیچھے کوئی چیز نہیں۔ تو مجھ سے قرض کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے از سہیل بن ابی صالح از والد خود۔ اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی از طریق اعمش روایت کی ہے، لیکن اس میں ذکر ثانی پر اقتصار کیا ہے اور تسبیح کا ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یہ سوتے وقت ذکر کی ایک قسم ہے اور اس کا معنی اس ذکر پر برانگیختہ کرنا اور اس ذکر کا استحباب ہے نہ کہ ذکر کا وجوب۔ اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوتے وقت متعدد اذکار منقول ہیں جو احوال، اشخاص اور اوقات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اور ہر ذکر میں فضیلت ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فقر غنا سے افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم دونوں کو اس چیز پر رہنمائی نہ کروں جو تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے، پھر ان کو اس ذکر کی تعلیم فرمائی۔ پس اگر غنا فقر سے افضل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو خادم عطا فرما دیتے اور آپ نے ان کو اس ذکر کی تعلیم دی، پس جب آپ نے ان کو خادم سے منع کیا اور صرف ذکر پر اقتصار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کے لیے اس چیز کو اختیار فرمایا جو اللہ کے نزدیک افضل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ تقریر اس وقت مکمل ہوگی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت فاضل خادم ہوتے، اور حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خدام کے فروخت کرنے کی ضرورت تھی تاکہ آپ اس کی آمدنی کو اہل صفہ پر خرچ کریں۔ اسی وجہ سے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جو علماء اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ فقیر غنی سے افضل ہے، ان کی

اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں آپ نے جو فرمایا ہے کہ میں اس سے خیر پر تمہاری رہنمائی نہ کروں، اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ ان کو اس چیز کی تعلیم دیں جو عمل آخرت سے ہے اور وہ ہر حال میں امور دنیا سے افضل ہے۔ اور آپ نے اس پر اقتصار کیا کیونکہ آپ کے لیے خادم کو عطا کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھر ان کو یہ بتایا کہ انہوں نے جو طلب کیا ہے اس سے افضل وہ چیز ہے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ذکر کے سپرد کر دیا کیونکہ یہ ضرورت کے وقت دعا کرنے سے افضل ہے یا اس لیے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی کے لیے اس چیز کو پسند کیا جس کو آپ اپنے لیے پسند کرتے تھے کہ آپ فقر کو ترجیح دیتے تھے اور فقر کی شدت پر صبر کرتے تھے، کیونکہ اس کا عظیم اجر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی کی ضرورت پر اہلِ صفہ کی ضرورت کو ترجیح دینا

اور علامہ المہلب نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو اس ذکر کی تعلیم دی جس کا آخرت میں نفع زیادہ ہے۔ اور اپنی صاحبزادی کے اوپر اہلِ صفہ کو ترجیح دی کیونکہ انہوں نے اپنے نفسوں کو علمِ حدیث کے سماع کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو منضبط کرنے کے لیے انہوں نے بھوک و پیاس کو برداشت کیا ہوا تھا۔ وہ مال کمانے میں رغبت نہیں رکھتے تھے اور نہ عیال میں رغبت رکھتے تھے لیکن انہوں نے معمولی غذا کے عوض اپنے نفسوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، اور اس سے معلوم ہوا کہ مالِ خمس میں سے دینے کے لیے طلباءِ علم کو دوسروں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اسی پر صالحین کا عمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حمایت کی ہے اور یہی اکثر انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی منقبت ظاہرہ ہے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صاحبزادی اور اپنے داماد کے اوپر انتہائی نرمی، شفقت اور محبت کا بیان ہے، کیونکہ آپ ان دونوں کے بستر پر آ کر ان کے درمیان بیٹھ گئے۔ اور جو ان کے حال کے اعتبار سے بہتر تھا وہ ان کو عطا فرمایا، یعنی خادم کو عطا کرنے کے بجائے ان کو تسبیحات پڑھنے کی تلقین کی۔

(۳) اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جو چیز اہم ہو وہ چیز دینی چاہیے۔ اور اہم یہ ہے کہ آخرت کی تیاری کی جائے اور دنیا کی مشقتوں کے اوپر صبر کیا جائے۔

(۴) علامہ طیبی نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بہت زیادہ تھا، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سفارت کے لیے مخصوص کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تخصیص کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا قصد کیا تھا اور اس دن آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کی باری میں تھے اور جب

آپ کو نہیں پایا تو پھر اپنی ضرورت کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا۔

اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کا ذکر کیا تھا۔ ان میں اس طرح تطبیق ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر نہیں پایا تو پھر وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں اور ان سے اس بات کا ذکر کیا اور اس میں یہ احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں ازواج باقی ازواج پر فضیلت رکھتی تھیں، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان دونوں کے پاس گئیں۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص دائماً اللہ تعالیٰ کا سوتے وقت ذکر کرے تو اس کو کوئی تھکاوٹ حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب چکی پیسنے سے تھکاوٹ کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسبیحات پڑھنے کی طرف راغب کیا، اسی طرح شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اور یہ لازم نہیں آتا کہ دائماً تسبیحات پڑھنے سے بندہ کو تھکاوٹ نہ ہو، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دائماً تسبیحات پڑھنے سے اس کو کثرت عمل سے ضرر نہ ہو اور وہ اس پر دشوار نہ ہو خواہ تھکاوٹ اس کو حاصل ہو۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۶۔ ۳۸۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۱۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیوی پر شوہر کی خدمت کرنے کا بیان

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس قسم کے کاموں میں بیوی شوہر کی خدمت کرے، یعنی گندم پیسے، آٹا گوندے اور روٹی پکائے اور جو اس کے مشابہ کام ہوں حتیٰ کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بیوی مدینہ کے باہر سے باغات کی طرف کھجوروں کی گٹھلیاں اٹھا کر لاتی تھیں۔ اور اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عورت گھر کے کاموں میں سے کسی کام میں شوہر کی خدمت نہ کرے بلکہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ پکا پکایا کھانا لا کر بیوی کو مہیا کرے اور عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ اس میں سے کسی کام کی اصلاح کرے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ کپڑے دھوئے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرت کے خلاف ہے۔ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرت یہ ہے کہ بیوی اس قسم کے کاموں میں شوہر کی خدمت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ چکی پیسنے سے ان کے ہاتھوں میں تکلیف ہوگئی ہے تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم پر یہ واجب نہیں ہے، تم اپنے شوہر کو چھوڑو حتیٰ کہ وہ کوئی خادم لے کر آئے یا وہ خود پیسے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حال کو برقرار رکھا۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان الفت، محبت اور حسنِ صحبت کے تعلقات تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس باریک امر پر مطلع ہو گئیں۔

(۲) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر رہتی تھیں اور تمام ازواج میں وہ زیادہ

مقرب تھیں۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی اور داماد کے پاس رات کو ان کے بستر پر آ سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھے اور آپ سب سے زیادہ حیادار تھے، اس کے باوجود آپ ان دونوں کے بستر پر تشریف لائے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے خادم مہیا کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے، کیونکہ آپ کا ان کی ضرورت کے طلب سے عدول کرنا اس پر دلیل ہے کہ یہی افضل ہے اور انسان جب بھی خادم کے حصول سے صبر کرے تو یہ اس کے لیے افضل ہے اور یہی واقع ہے اور حق ہے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو قید کیا تھا اور ان کو غلام بنایا تھا ان میں غیر مسلم تھے۔ اور غیر مسلم کو گھر میں خادم بنانا آپ نے مناسب نہیں جانا، کیونکہ جب خادمہ کافرہ ہو تو یہ بہت زیادہ قبیح ہے، کیونکہ کافر خادمہ اللہ اور اس کے رسول کی اور مومنین کی دشمن ہے، تو تمہارے لیے کیسے مناسب ہوگا کہ تم اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے دشمن کو اپنے گھر میں رکھو۔ اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو دیکھوں۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۷۵-۱۷۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۲- بَابُ: التَّعَوُّذِ وَالْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْمَنَامِ

اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی آیات کو سوتے وقت پڑھنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن سورتوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے، ان سورتوں کو سوتے وقت پڑھنا مستحب ہے۔

۶۳۱۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ نَفَثَ فِي يَدَيْهِ وَقَرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ بِهِمَا جَسَدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الليث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے اور المعوذات (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) کو پڑھتے اور ان کو پڑھ کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے۔

(صحیح بخاری: ۵۰۱۷، ۵۷۴۸، ۶۳۱۹، سنن ترمذی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۶، مسند احمد: ۲۴۳۳۲)

صحیح البخاری: ۶۳۱۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المعوذات سے سوتے وقت اپنے اوپر دم کرنے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری میں اور اپنی نیند کے وقت اپنے اوپر المعوذات کو پڑھ کر دم کرتے تھے، اس میں یہ دلیل ہے کہ ان سورتوں کو پڑھ کر دم کرنے میں عظیم برکت ہے اور ہر جس چیز سے نیند میں خطرہ ہو تو آدمی ان سورتوں کو پڑھ کر اللہ کی پناہ طلب کرے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل میں نے نہیں سنی، وہ المعوذ تین ہیں یعنی ("''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ ''اور'' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ '')۔ (تفسیر عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۳۶، رقم الحدیث: ۳۷۵۹، صحیح مسلم: ۸۱۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں ایک مرتبہ اس طرح بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ ''اور''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ ''اور''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ ''، ان سے پناہ طلب کیا کرو، کیونکہ ان کی مثل کے ساتھ پناہ طلب نہیں کی گئی۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۲۵۴، صحیح مسلم: ۸۱۴)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کو پڑھ کر دم کیا، اور دم کے لیے ''نفث'' کا لفظ ہے، امام ابوعبید نے کہا کہ نفث کا لفظ ''التفل'' سے کم ہے، کیونکہ ''التفل'' میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی ہے۔ (غریب الحدیث ج ۱ ص ۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۱۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوتے وقت المعوذات کے علاوہ دیگر سورتیں اور دعائیں پڑھنے کا بیان

سوتے وقت قراءت کے متعلق متعدد احادیث صحیحہ وارد ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ سوتے وقت آیت الکرسی کو پڑھا جائے۔ یہ حدیث کتاب الوکالۃ وغیرہا میں گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں سوتے وقت پڑھنی چاہئیں، اور اس کا حوالہ فضائل قرآن میں گزر چکا ہے۔

(۳) فروہ بن نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوفل رضی اللہ عنہ سے کہا: تم ''قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ '' ہر رات میں پڑھا کرو اور اس کے اختتام پر سویا کرو، کیونکہ اس میں شرک سے براءت ہے۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن حبان اور حاکم نے روایت کی ہے۔

(۴) حضرت العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے المسبحات کی قراءت کرتے تھے، (یعنی جن سورتوں کے شروع میں سبح یا یسبح کا لفظ ہے)۔ اور آپ فرماتے: ان سورتوں کی ایک آیت کا پڑھنا ہزار آیتوں کے پڑھنے سے افضل ہے۔ اس حدیث کی بھی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتی کہ سورۃ الف لام تنزیل اور سورہ تبارک الذی پڑھ لیں۔ اس حدیث کی امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کی ہے۔

(۶) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بستر پر لیٹنے سے پہلے کتاب اللہ کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے جو اس کی ہر موذی چیز سے حفاظت کرتا ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

تعوذ کے متعلق دیگر دعاؤں کا بیان

(۱) ابو صالح ایک مسلمان مرد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شام کے وقت یہ پڑھو:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من شر ما خلق — میں ہر مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

توتم کو کوئی چیز ضرر نہیں دے گی۔ اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

(۲) امام ابوداؤد از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی ایک اپنے بستر پر جائے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم رب السمٰوٰت و رب الارض۔ الحدیث — اے اللہ! جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔

اور اس کے دوسرے الفاظ یہ ہیں:

اللھم فاطر السمٰوٰت والارض علم الغیب والشھادة و رب کل شیء و ملیکه اشھد ان لا الٰه الا انت اعوذ بك من شر نفسی ومن شر الشیطان الرجیم و شرکه۔ — اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور شہادت کے جاننے والے، ہر چیز کے رب اور مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اپنے نفس کے شر سے اور شیطانِ مردود کے شر سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے وقت یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بوجھك الکریم وکلماتك التامات من شر کل شیء انت اٰخذ بناصیته۔ — اے اللہ! میں تیرے کریم چہرہ اور تیرے کلمات تامہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس کو تو اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۷۔۳۸۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۔ باب: — ۱۳۔ باب:

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ باب عنوان کے بغیر مذکور ہے۔ علامہ ابن بطال کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور ہم

پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام بخاری جس باب کا عنوان قائم نہ کریں، وہ باب ابواب سابقہ کے لیے بمنزلہ فصل ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ تَابَعَهُ أَبُو ضَمْرَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ وَقَالَ يَحْيَى وَبِشْرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن ابی سعید المقبری نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی اپنے بستر پر لیٹے تو اپنے بستر کو اپنے تہبند کے کنارے سے جھاڑ لے، کیونکہ وہ شخص نہیں جانتا کہ اس کے بعد اس کے بستر پر کیا چیز آ گئی ہے، پھر یہ دعا کرے: اے میرے رب! تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے نام سے اپنے پہلو کو اٹھاؤں گا، اگر تو نے میری جان کو روک لیا (یعنی مجھ پر موت آ گئی) تو اس پر رحم فرمانا اور اگر تو نے اس کو چھوڑ دیا تو اس کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے صالحین کی حفاظت کرتا ہے۔

زہیر بن معاویہ کی متابعت ابوضمرہ اور اسماعیل بن زکریاء نے کی ہے از عبیداللہ۔

اور یحییٰ اور بشر نے کہا از عبیداللہ از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

اور اس حدیث کی امام مالک نے اور ابن عجلان نے از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے از نبی ﷺ۔

(صحیح بخاری: ۷۳۹۳، صحیح مسلم: ۲۷۱۴، سنن ترمذی: ۳۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۴، مسند احمد: ۷۸۵۲، سنن دارمی: ۲۶۸۴)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، اور وہ احمد بن عبداللہ بن یونس ہیں۔ اور ان کی شہرت اپنے دادا کی طرف نسبت

میں زیادہ ہے۔ اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہیر، یہ زہر کی تصغیر ہے، یہ ابن معاویہ ابوخیثمہ الجعفی ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن عمر، یہ العمری ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید المقبری، یہ اپنے باپ ابوسعید سے روایت کرتے ہیں اوران کا نام کیسان ہے جو بنولیث کے آزاد شدہ غلام ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں تین تابعین کا ذکر ترتیب سے ہے اوروہ سب مدنی ہیں۔ اول عبید اللہ بن عمر ہیں، یہ صغیر تابعی ہیں۔ ثانی سعید مقبری ہیں، یہ متوسط تابعی ہیں، اور ثالث ان کے والد کیسان ہیں، یہ کبیر تابعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اذا اوی احدکم الی فراشه" یعنی جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بستر پر سونے کے لیے لیٹے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فلینفض فراشه بداخلة ازاره" یعنی وہ اپنے تہبند کے کنارہ سے بستر کو جھاڑ لے۔ اور "داخلة الازار" سے مراد ہے تہبند کی وہ جانب جو انسان کے جسم کی طرف ہوتی ہے۔

علامہ بیضاوی نے کہا ہے: اس کو تہبند کے اندرونی کنارہ سے بستر کو جھاڑنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ اب وہ سونے کا ارادہ کرتا ہے، اور سوتے وقت اس کے تہبند کا بیرونی کنارہ اوپر ہوگا اور اندرونی کنارہ باقی رہے گا، تو اس کو جھاڑ لے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانه لا یدری ما خلفه علیه" یعنی وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد بستر پر کیا چیز آ گئی، اس لیے بستر کو جھاڑنا مستحب ہے کہ کہیں اس میں سانپ نہ ہو یا بچھونہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور موذی جانور کیڑا مکوڑا نہ ہو اوراس کو پتا نہ چلے۔ وہ اس طرح جھاڑے کہ اس کا ہاتھ تہبند کے کنارہ سے چھپا ہوا ہوتا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ آ جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یقول باسمك رب وضعت جنبی وبك ارفعه" یعنی پھر یہ دعا کرے کہ اے میرے رب! تیرے نام سے میں اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام سے اسے اٹھاؤں گا۔ اور اے میرے رب! اگر تو میری جان کو اور روح کو قبض کر لیتا ہے یعنی مجھ پر موت طاری کر دیتا ہے تو اس پر رحم فرمانا، کیونکہ رحمت اس کے مناسب ہے۔ اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ "اس کی مغفرت فرما دینا"۔ اور اگر تو میری روح کو چھوڑ دے یعنی دنیا میں باقی رکھے تو اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ زندگی کے مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زندگی کی حفاظت فرمائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۴۹۔۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا جدید فائدہ

اس حدیث میں ایک اور قسم کا بیان ہے جن کا احادیث متقدمہ میں ذکر نہیں ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے کا التزام ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ اقرار کرنا ہے کہ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ دم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا اسی وقت جائز ہے جب بندہ بیمار ہو، اور جب ایسی چیزوں کا خطرہ ہو جن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ پر دم کیا اور

المعوذات کو پڑھا اوران کو آپ نے اپنے جسم پر پھیرا۔ اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی اس چیز کے شر سے جو بعد میں حادث ہوئی ہو، اوراس کے بعد جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں ادبِ عظیم ہے جس کی شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ تہبند کے کنارہ سے سوتے وقت بستر کو جھاڑ لیں کہ کہیں بعض حشرات الارض یا کیڑے مکوڑے یا ضرر دینے والی چیزیں اس کے بستر پر نہ آ گئی ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۲۳۔ ۲۲۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوتے وقت کی دعائیں

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اللہ عزوجل کے اس قول کے موافق ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ (الزمر: ۴۲) اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: عبداللہ بن الحارث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو حکم دیا کہ جب وہ بستر پر لیٹے تو یہ دعا کرے: اے اللہ! تو نے میرے نفس کو پیدا کیا ہے اور تو ہی اس کو وفات دے گا، تیرے ہی لیے اس نفس کی موت ہے اوراس کی حیات ہے۔ اگر تو اس نفس کو زندہ رکھے تو اس کی حفاظت کرنا اور اگر تو اس پر موت طاری کرے تو اس کو بخش دینا۔

اس حدیث کی امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور ہم کو پلایا اور ہمیں کافی ہوا اور ہمیں پناہ دی۔ سو کتنے لوگ ایسے ہیں جن کی کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی ان کو پناہ دینے والا ہے۔

امام مسلم کے علاوہ امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: ''اور جس نے مجھ پر احسان کیا اور جس نے مجھ کو عطا کیا تو بہت زیادہ عطا کیا''۔

اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیرے کریم چہرہ اور تیرے کلماتِ تامہ کے ساتھ ان چیزوں سے پناہ طلب کرتا ہوں جن کو تو ان کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔ اے اللہ! تو گناہ کو اور قرض کو کھولتا ہے، اے اللہ! تیرا لشکر شکست نہیں کھاتا اور تیرے وعدہ کا خلاف نہیں ہوتا اور کوئی بخت والا اپنے بخت کی وجہ سے تیرے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتا، تو سبحان ہے اور تیرے لیے حمد ہے''۔

اور امام ابوداؤد نے ابوالازہر الانماری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے: ''اے اللہ!

میرے (ظاہری) گناہ کو بخش دے، اور مجھ سے میرے شیطان کو دور کر دے اور جس کو میں نے گروی رکھا ہے اس کو چھڑا دے، اور مجھ کو اعلیٰ ندا میں کر دے''۔

اس حدیث کی امام حاکم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام حاکم اور امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص بستر پر لیٹنے کے وقت تین مرتبہ یہ دعا کرے:

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب۔ میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

تو اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں اور خواہ اس کے گناہ جمع شدہ ریت کے ذرات سے زیادہ ہوں، اور اگرچہ اس کے گناہ ایامِ دنیا سے زیادہ ہوں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہبند کی اندرونی جانب سے بستر کو جھاڑنے کی حکمت

تہبند کے اندرونی کنارہ سے بستر کو جھاڑنے کی حکمت یہ ہے کہ تہبند کے بیرونی کنارہ پر دھول مٹی اور میل کچیل ہوتا ہے۔ اور اندرونی کنارہ صاف ہوتا ہے، اس وجہ سے تہبند کے اندرونی کنارہ سے بستر کو جھاڑنے کا حکم دیا ہے۔ اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ یہ تین مرتبہ کیا جائے۔

مسئلہ: کیا یہ جھاڑنا تہبند کے ساتھ مخصوص ہے؟

الجواب: ہوسکتا ہے اس میں خصوصیت ہو، اور تہبند کو اس لیے خاص کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اکثر لوگوں کی عادت یہ تھی کہ اوپر ایک چادر لپیٹتے تھے اور نیچے تہبند باندھتے تھے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے سونے کے لیے کوئی مخصوص کپڑا رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ بستر کو صاف کرے خواہ وہ تہبند نہ ہو مثلاً قمیص ہو یا شلوار ہو۔

(شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۷۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۴۔ باب: الدُّعَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ — آدھی رات کو دعا کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں آدھی رات کے وقت سے لے کر طلوعِ فجر تک دعا کرنے کی فضیلت ہے۔ علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: یہ وقت شریف ہے۔ اللہ عزوجل نے اس وقت کو آسمانِ دنیا سے نزول کے لیے مخصوص کیا ہے، تو وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں کی دعا کو اس وقت میں قبول فرماتا ہے اور ان کے سوال کو عطا فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور یہ غفلت کا وقت ہے اور

خلوت کا وقت ہے، اور اس وقت میں نیند انسان پر مستغرق ہوتی ہے اور وہ نیند سے لذت حاصل کرتا ہے اور لذت کو چھوڑنا انسان پر خصوصاً آرام طلب لوگوں پر دشوار ہوتا ہے اور سردی کے زمانہ میں، پس کامیاب وہ ہے جو اس وقت کو غنیمت جانتا ہے اور اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۱ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابوعبداللہ الاغر وابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، جب تہائی رات کا آخری حصہ باقی ہوتا ہے، فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول فرماؤں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا فرماؤں، اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کردوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۴۵، ۶۳۲۱، ۷۴۹۴، صحیح مسلم: ۷۵۸، سنن ترمذی: ۳۴۹۸، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۶، مسند احمد: ۹۹۴۰، موطا امام مالک: ۴۹۶، سنن داری: ۱۴۷۹)

صحیح البخاری: ۶۳۲۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آدھی رات یا تہائی رات کے وقت دعا کرنے کی توجیہ

جو شخص اپنے رب سے مناجات کے لیے اور اس کی طرف آہ وزاری کرنے کے لیے اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے اور اپنی گردن کو دوزخ سے چھڑانے کے لیے دعا کرتا ہے اور اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے جس وقت میں انسان بالعموم نیند کی لذت میں اور بستروں کے آرام میں ہوتا ہے تو یہ اس کی نیت کے اخلاص پر دلیل ہے اور یہ کہ اس کی اپنے رب کی طرف رغبت صحیح ہے، تو اس لیے اس کی دعا کی قبولیت متوقع ہوگی کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ مقرون ہے اور دعا میں اس کی نیت صادق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی غافل کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس حال میں کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس قلب سے دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل ہو اور لہو ولعب میں مشغول ہو۔

(سنن ترمذی: ۳۴۷۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۱۰۹، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳، امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند مستقیم ہے اور صالح مروی جو بصرہ کے زاہدوں میں سے ایک ہیں وہ اس کے ساتھ متفرد ہیں، اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات کو میرے پاس میرا رب تبارک وتعالیٰ حسین صورت میں آیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گمان کیا کہ آپ کے خواب میں آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس بات میں بحث کر رہے ہیں، میں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! وہ کفارات میں بحث کر رہے ہیں اور کفارات نمازوں کے بعد مساجد میں ٹھہرنا ہے اور پیدل چل کر نماز میں جماعت کے لیے جانا ہے اور تکلیف کے وقت پورا وضو کرنا ہے، جس نے یہ کیا تو وہ خیر کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر کے ساتھ فوت ہوگا۔ اور اس کی خطا ایسی ہوگی جیسے وہ اسی دن اپنی ماں سے پیدا ہوا ہو۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا: اے محمد! جب تم نماز پڑھ تو دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے فعل کا سوال کرتا ہوں، اور برائیوں کے ترک کا سوال کرتا ہوں اور مساکین کی محبت کا سوال کرتا ہوں، اور جب تو اپنے بندوں کے فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے اپنی طرف اس حال میں اٹھا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اور فرمایا: درجات یہ ہیں کہ بہ کثرت سلام کیا جائے اور کھانا کھلایا جائے اور رات کو نماز پڑھی جائے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(سنن ترمذی: ۳۲۳۳، ۳۲۳۵، مسند احمد: ج۱ ص۳۶۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں دعا کرنے پر تنبیہ کی ہے، کیونکہ اس وقت میں انسان کا دل دنیا کے خیالات سے خالی ہوتا ہے، تاکہ بندہ سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب سے دعا کرے تو اس کے لیے قبولیت متوقع ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے اوپر رحمت ہے، پس اسی کے لیے حمد ہے اور شکر ہے دائما کثیرا، کیونکہ اس نے بندوں کی مصلحتوں کے لیے اور ان کے منافع کے لیے الہام فرمایا۔

حدیث مذکور کے عنوان کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے آدھی رات کے وقت دعا کا عنوان قائم کیا ہے، حالانکہ حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل تہائی رات کے اخیر میں آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان کو قرآن مجید کی اس آیت سے اخذ کیا ہے:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ (المزمل: ۲۔۳)

رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا O آدھی رات یا اس سے کچھ کم کردیں O

پس اس حدیث کا عنوان قرآن مجید کی دلیل سے قائم کیا ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے کہ مقبولیت کا وقت تہائی رات ہے، مگر نصف کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے اس کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ بندہ منتظر ہو اور دعا کے قبول ہونے کے لیے تیار ہو، پس یہ اجابت کا سبب ہوگا۔ اور چاہیے یہ کہ رات یا دن کا کوئی وقت بھی نہ گزرے مگر بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے نزول کی توجیہ

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے اور نزول تو جسم اور جسمانیت کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے، تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہو کہ وہ اس وقت میں آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوں اور یہ نداء کریں۔

اور اوزاعی سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ سے ظاہر ہوا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۲۶۔ ۲۲۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اس تاویل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں نزول فرماتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے بلا تشبیہ اور بلا تمثیل۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق مذاہب علماء

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کو ثابت کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بلندی کی جہت ہے اور جمہور علماء نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ یہ قول اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کے ثبوت کی طرف لے جاتا ہے اور نزول کے معنی میں اقوال مختلف ہیں:

(۱) بعض علماء نے اس حدیث کو اپنے ظاہر اور حقیقت پر محمول کیا ہے اور وہ مشبہہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قول سے بلند ہے۔

(۲) بعض علماء نے اس موضوع پر احادیث وارِدہ کی صحت کا انکار کیا ہے اور وہ خوارج اور معتزلہ ہیں اور یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کی تو انہوں نے تاویل کی ہے اور حدیث کا انکار کیا ہے، یہ ان کا جہل ہے یا عناد ہے۔

(۳) اور بعض علماء نے اس حدیث کو اس کے مورد کے مطابق جاری کیا ہے اور ان کا اس پر اجمالاً ایمان ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی کیفیت اور تشبیہ سے تنزیہہ کرتے ہیں اور وہ جمہور سلف صالحین ہیں۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس موقف کو ائمہ اربعہ سے اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ سے اور حماد سے اور اوزاعی سے اور لیث وغیرہم سے نقل کیا ہے۔

(۴) اور بعض علماء نے اس حدیث کی ایسی تاویل کی ہے جو کلامِ عرب کے استعمال کے مناسب ہے۔

(۵) اور بعض علماء نے اس حدیث کی تاویل میں افراط سے کام لیا حتیٰ کہ قریب ہے کہ ان کی یہ تاویل تحریف تک پہنچ جائے۔

(۶) اور ان میں سے بعض نے تفصیل کی ہے کہ جو تاویل کلامِ عرب کے استعمال کے قریب ہے اس کے درمیان اور اس کے درمیان جو کلامِ عرب کے استعمال سے بعید ہے تو انہوں نے بعض میں تاویل کی اور بعض میں تفویض کی اور یہ امام مالک سے منقول ہے اور متاخرین میں سے ابن دقیق العید نے اس کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

امام بیہقی نے کہا کہ زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے بلا کیف اور اس کی مراد سے سکوت کیا جائے، سوا اس کے کہ اس کی مراد شارع علیہ السلام سے ثابت ہو۔ اور ان کا اس پر اتفاق ہے کہ تاویل معین واجب نہیں ہے، پس اس وقت اس حدیث کے مطلب کو شریعت کی طرف مفوض کر دینے میں زیادہ سلامتی ہے۔ اور اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ کتاب التوحید میں آئے گی۔

حدیث مذکور کی تاویلات

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: مبتدعین سے منقول ہے کہ وہ ان احادیث کو رد کرتے ہیں اور سلف صالحین ان احادیث کو قبول کرتے ہیں اور ایک قوم ان احادیث کی تاویل کرتی ہے۔ اور میں بھی اسی کے مطابق کہتا ہوں۔

رہا یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے"، یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی طرف راجع ہے نہ کہ اس کی ذات کی طرف، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ملک سے عبارت ہے۔ یعنی اس کا امر نازل ہوتا ہے اور اس کی نہی نازل ہوتی ہے۔

اور نزول جس طرح اجسام میں ہوتا ہے اسی طرح معانی میں ہوتا ہے۔ پس اگر تم احادیث میں مذکور نزول کو نزول حسی پر محمول کرو تو یہ اس فرشتہ کی صفت ہے جو اس حکم کو لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور اگر اس نزول کو تم نزولِ معنوی پر محمول کرو اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کام نہیں کیا، پھر اس کو کیا تو اس کو ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف نزول قرار دیا، تو یہ عربی کے مطابق ہے اور صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی تاویل دو طریقوں سے ہے۔ یا تو یہ معنی کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے یا فرشتہ اس کے حکم سے نازل ہوتا ہے۔ یا یہ تاویل کی جائے کہ یہ استعارہ ہے اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والوں کے اوپر لطف و کرم فرماتا ہے اور ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

اور اس تاویل کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مہلت دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ آدھی رات گزر جاتی ہے، پھر ایک نداء کرنے والے کو حکم دیتا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے۔۔۔ الحدیث

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک نداء کرنے والا نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے۔۔۔ الحدیث

علامہ قرطبی نے کہا: اس سے اشکال دور ہو جاتا ہے۔

اور علامہ بیضاوی نے کہا: جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ جسمیت سے اور مکان سے منزہ ہے تو اس کے اوپر ایسا نزول ممتنع ہے جو ایک جگہ سے اس سے نچلی جگہ کی طرف انتقال کے معنی میں ہو، پس اس سے مراد ہے: اس کی رحمت کا نور یعنی اس کے جلال کی صفت جو غضب کا تقاضا کرتی ہے اور انتقام کا تقاضا کرتی ہے اس سے وہ منتقل ہوتا ہے اکرام کی صفت کی طرف جو شفقت اور رحمت کا تقاضا کرتی ہے۔

تینوں دعاؤں کا فرق

اس حدیث میں تین دعاؤں کا ذکر ہے:

(۱) ''کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں'' (۲) ''کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں'' (۳) اور ''کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں''۔

ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ یا تو مطلوب ضرر کو دور کرنا ہوگا، یا نفع کو حاصل کرنا ہوگا۔ اور وہ نفع یا دینی ہوگا یا دنیاوی ہوگا۔ پس استغفار میں اول کی طرف اشارہ ہے یعنی دینی نفع کی طرف، اور سوال میں دوسرے کی طرف اشارہ ہے یعنی دنیاوی نفع کی طرف، اور دعا میں تیسرے مطلوب کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے کہ دعا میں یا تو کسی چیز کی طلب نہیں ہوگی جیسے وہ کہے: یا اللہ۔ اور سوال میں طلب ہوگی۔

بعض دیگر دعاؤں کا ذکر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے ''کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے تو میں اس کی توبہ قبول کروں''۔ اور ابو جعفر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''کون ہے جو مجھ سے رزق طلب کرے تو میں اس کو رزق دوں، اور کون ہے جو کسی تکلیف کو دور کرنے کی دعا کرے تو میں اس کی تکلیف کو دور کروں''۔ اور عطاء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''کون ہے جو بیمار ہو مجھ سے شفاء طلب کرے تو میں اس کو شفاء دوں''۔

اور ان دعاؤں میں عمل طاعت کی طرف ترغیب ہے اور زیادہ ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ اور زہری نے دار قطنی سے روایت کیا ہے کہ نماز فجر تک یہ دعا کرتا رہے۔

ان احادیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً۔ (البقرہ: ۲۴۵)

وہ کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے۔

اور رات کے وقت دعا کرنے کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ○ (آل عمران: ۱۷)

جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، (اللہ کی) اطاعت کرنے والے، (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے، رات کے پچھلے پہر اٹھ کر مغفرت طلب کرنے والے ہیں○

سو یہ اجابت اور قبولیتِ دعا کا وقت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض لوگ ان اوقات میں بھی دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قبولیتِ دعا کی کوئی شرط نہیں پائی جاتی، مثلاً وہ اپنے کھانے پینے اور پہننے میں حرام سے احتراز نہیں کرتے

یا قبولیتِ دعا میں جلدی کرتے ہیں، یا کسی گناہ کی یا قطعِ رحم کی دعا کرتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی دعا سے زیادہ بہتر کوئی اور چیز ہوتی ہے جو ان کی مصلحت کے مناسب ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۳۵۔۶۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ اللہ عزوجل کا آسمانِ دنیا کی طرف نزول حقیقتاً ہے اور اس سے مراد اس کے حکم کا نزول نہیں ہے

یہ حدیث بہت عظیم ہے اور بعض اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدِ تواتر تک پہنچتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ حدیث مستفیض مشہور ہے، شیخ ابن تیمیہ نے اپنی ایک مستقل کتاب میں اس کی شرح کی ہے اور اس کے فوائدِ عظیمہ بیان کیے ہیں اور اس میں یہ ثبوت ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا آسمانِ دنیا سے حقیقتاً نزول ہوتا ہے اور نزول اللہ تعالیٰ کی صفتِ فعلیہ سے ہے، کیونکہ یہ فعل ہے اور یہ نزول حقیقتاً ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نزول کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہیں اور اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ خیر خواہی کرنے والے ہیں اور کوئی شخص بھی مخلوق میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہی میں مساوی نہیں ہے، اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں سے صرف ہدایت کا ارادہ کرتے ہیں اور آپ یہ ارادہ نہیں فرماتے کہ بندے گمراہ ہو جائیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے عالم ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ مخلوق کے خیر خواہ ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ فصیح کلام کرتے ہیں۔ اور اسی طرح آپ صرف مخلوق کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں، پس جب آپ نے فرمایا کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے تو کونسا انسان ہے جو اس لفظ کے خلاف کہے، کیونکہ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تہمت لگائے گا کہ آپ مثلاً عالم نہیں ہیں، کیونکہ مراد تو ہے: اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عالم ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عالم ہیں۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تہمت لگاتے ہو کہ آپ فصیح نہیں ہیں، آپ کوئی بات کہنے کا ارادہ فرماتے لیکن کچھ اور فرماتے۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے لیکن آپ نے کہا کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے۔

مسئلہ: کیا اللہ عزوجل کا آسمان سے نزول اس کو مستلزم ہے کہ عرش خالی ہو جائے؟

الجواب: اس سوال کی اصل بدعت ہے، کیونکہ ہم سوال کرتے ہیں: کیا تم اللہ تعالیٰ کی صفات کی فہم میں صحابہ سے زیادہ حریص ہو، اگر وہ کہے کہ ہاں تو اس نے جھوٹ بولا، اگر وہ کہے: نہیں تو پھر صحابہ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا۔ اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ! جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے تو کیا اس سے عرش خالی ہو جاتا ہے۔

پس صحیح طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے اور سب سے ضعیف قول یہ ہے کہ عرش خالی ہو جاتا ہے اور ہم پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان نہیں کیا اور صحابہ نے اس کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا۔ اور اگر یہ ان چیزوں میں سے ہوتی کہ جس کا اعتقاد رکھنا ہم پر واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بیان فرما دیتا اور اس کا رسول کسی طریقہ

سے بیان فرمادیتا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کو اپنی طرف سے بیان فرمادیتے اور کبھی توقف فرماتے، پھر آپ پر وحی نازل ہوتی اور کبھی کوئی اعرابی آتا اور آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کرتا اور کبھی صحابہ سوال کرتے اور اس مسئلہ میں حدیث میں کوئی چیز وارد نہیں ہوئی۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ سوال بدعت ہے جیسا کہ ایک شخص نے امام مالک سے یہ سوال کیا تو امام مالک نے کہا: یہ سوال بدعت ہے، صحابہ نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا تو تم اب اللہ کے دین میں بدعت اختیار کر رہے ہو کیونکہ تم ایک امر دینی کے متعلق سوال کر رہے ہو جس کے متعلق صحابہ نے سوال نہیں کیا، اور وہ تم سے افضل ہیں اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی صفات جاننے میں حریص ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے یہ سوال نہیں کیا۔

مسئلہ: کیا اللہ عزوجل خود نزول فرماتا ہے؟

الجواب: بے شک اللہ عزوجل خود نزول فرماتا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور وہ تمام مخلوق سے زیادہ عالم ہیں، سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، سب سے زیادہ فصیح ہیں، سب سے زیادہ صادق ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ہمارا رب نازل ہوتا ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہے اور نہ آپ نے امت کو کوئی دھوکا دیا ہے اور نہ آپ نے کوئی غلط بات کہی اور نہ آپ نے جہالت کی بات کہی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ عزوجل نازل ہوتا ہے، لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسروں نے کہا: جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اور دوسروں نے کہا: جو نازل ہوتا ہے وہ اللہ کے فرشتوں میں سے فرشتہ ہے، سبحان اللہ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے کہ اس کی تعبیر اس طرح کرنی چاہیے، کیا آپ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے، کیا آپ نہیں جانتے تھے کہ اس نزول کی کس طرح تعبیر کرنی چاہیے۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ لوگ صفات کی نصوص میں تحریف کرتے ہیں اور یہ ان کو سمجھ نہیں سکتے اور اگر کوئی شخص اللہ کے احکام میں سے کسی حکم میں تحریف کرتا تو یہ باطل ہوتا کیونکہ اس کے احکام مصلحتوں کے ساتھ مربوط ہیں۔

پس ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے نہ کوئی بنیاد ہے جس کی وجہ سے یہ اس سلامتی کے طریقہ اور منہج حکیم سے عدول کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔ (الشوریٰ:١١) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن:٢٦۔٢٧) جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے ○ اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والا ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔

تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزول کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ (شرح صحیح

البخاری ج ٦ ص ١٨٠۔ ١٨٥ ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ١٤٢٩ھ)

شیخ ابن عثیمین کی تحقیق پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن عثیمین نے شیخ ابن تیمیہ کے قول کا صرف ایک رخ بیان کیا ہے، انہوں نے یہ لکھا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات ذکر کی گئی ہیں ان صفات کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ان صفات کی تاویل کرنا جائز ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھی ہے، اس کی آنکھیں بھی ہیں، اس کا چہرہ بھی ہے، اس کی پنڈلی بھی ہے لیکن وہ مخلوق کے ہاتھ اور اس کی آنکھوں اور اس کے چہرہ اور اس کی پنڈلی کی مثل نہیں ہے، بلکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہیں لیکن ان کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہ صفات اس کی کس طرح ہیں۔

اسی طرح بعض علماء نے شیخ ابن تیمیہ کی ان ظاہر عبارات کو دیکھ کر اس پر کفر اور گمراہی کا فتویٰ لگایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کے قائل ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علماء امت کے تبصرے

علامہ تقی الدین ابوبکر حصنی دمشقی متوفی ٨٢٩ھ لکھتے ہیں:

ابوالحسن دمشقی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم ابن تیمیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اس نے وعظ کیا اور استواء کی آیات کو بیان کیا، اس نے کہا: اللہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے جس طرح میں یہاں بیٹھا ہوں، یہ سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اس کی دتیوں سے مرمت کردی، اور اس کو بعض حکام تک پہنچایا، انہوں نے اس کا علماء سے مناظرہ کرایا، اس نے یہ آیت پیش کی ''الرحمٰن علی العرش استوٰی'' علماء اس پر ہنسے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ قواعد علم کو جاری کرنے سے جاہل ہے، پھر علماء نے اس پر یہ آیت پیش کی ''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' (البقرہ: ١١٥) ''تم جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) منہ پھیرو، اللہ اسی طرف متوجہ ہے'' اس نے اس آیت کی باطل تاویلات کیں۔ اس نے کہا: اللہ حقیقۃً ہمارے ساتھ ہے، اور اللہ عرش پر بھی حقیقۃً مستوی ہے، اور یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عداوت رکھتا تھا۔ علماء نے اس کو مارنے اور اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ قاضی مالکی کے حکم سے اس کو اور اس کے بھائیوں کو قید کردیا گیا، اس کو قید کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس نے کہا: انبیاء علیہم السلام مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے، امام برہان الدین فزاری نے اس کے خلاف چالیس سطروں کا فتویٰ لکھا جس میں اس کو کافر قرار دیا، اور شیخ شہاب الدین بن جہبل شافعی نے اور مالکی علماء نے بھی اس کی موافقت کی اور اس کے گمراہ، بدعتی اور زندیق ہونے پر اتفاق کیا، سلطان نے تمام قاضیوں کو جمع کیا اور قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ نے اس فتویٰ کو پڑھ کر اس پر مہر لگائی اور لکھا کہ اس قول کا قائل بدعتی اور گمراہ ہے اور حنفی اور حنبلی علماء نے اس فتویٰ کی موافقت کی، لہٰذا اس کے کفر پر اجماع ہو گیا۔ (کتاب دفع شبہ من شبہ وتمرد ص ٤١۔ ٤٥، مطبعہ دار الکتاب العربیہ، حلب، ١٣٥٠ھ)

علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی المتوفی ٧٧١ھ نے قصیدہ نونیہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے جس میں اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض عقائد کی سنت کے مطابق تصحیح کی ہے، اس میں یہ شعر بھی ہے:

کذب ابن فاعله یقول لجهله الله جسم لیس کالجسمان

زانیہ کے بیٹے نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ کہا کہ اللہ جسم ہے، حالانکہ اللہ جسموں کی مثل نہیں ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۹ ۷ ۳، دار احیاء الکتب العربیہ)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا، لیکن اس کی عقل میں کمی تھی، دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے، اس کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے کہا: ان اعتراضات کے جواب دو، اس نے کہا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور کوئی جواب نہیں دیا، دوبارہ کہا: اس نے یہی جواب دیا، اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا، میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن اس کے پیچھے جمعہ پڑھا، یہ مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا، دوران وعظ اس نے کہا: اللہ آسمان دنیا سے اس طرح اترتا ہے، یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا، پھر اس سے ابن الزہراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا۔ اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے، انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعزیر لگانے کا حکم دیا۔ اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں: اس نے کلمہ واحدہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا، قبر انور کی زیارت کرنے والے کے لیے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا، ملک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۱۲۔ ۱۱۱، مطبوعہ دار احیاء العلوم، بیروت)

امام ابو عبد اللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۸ ۴ ۷ ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا، اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں، یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا، اور مصر، قاہرہ، اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دمشق میں ۲۸ ۷ ھ میں فوت ہوا، اس کے بہت سے متفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک کے قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۷ ۹ ۱۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی، پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا: جس طرح میں اترا ہوں اللہ تعالیٰ اس طرح اترتا ہے، اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے۔

(الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۴، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، پیر، چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے۔ اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا، تو اس نے کہا: میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہیں، اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے، بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد نہیں مانگنی چاہیے، اس کے قول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے اور آپ کی تعظیم کا انکار ہے، بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا

تھا کہ آپ نے سترہ مقامات میں خطاء کی، اور کتاب اللہ کی مخالفت کی، وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی، انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور نا کام رہے، اور ان کی جنگ حکومت کے لیے تھی دین کے لیے نہیں تھی، نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان مال سے محبت کرتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے، وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا۔

(الدررالکامنہ ج ۱ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الجیل، بیروت)

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متقدمین کا مسلک

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی حد ہے، نہ کوئی ضد ہے، نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی مثل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے، پس وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں، اور یہ نہ کہا جائے کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے، کیونکہ اس قول سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔

(فقہ اکبر مع شرحہ ص ۳۶۔ ۳۷، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۵ھ)

الامام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ "ثم استویٰ علی العرش" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا: "استویٰ" کا معنی استقر ہے (رحمٰن عرش پر برقرار ہے) اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: عرش پر چڑھا اور معتزلہ نے الاستواء کی تاویل استیلاء سے کی ہے (وہ عرش پر غالب ہے) اور رہے اہلسنت تو وہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے، انسان پر واجب ہے کہ وہ استواء پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔ ایک شخص نے امام مالک بن انس سے اس آیت کے متعلق سوال کیا "الرحمن علی العرش استویٰ" کہ استواء کی کیا کیفیت ہے۔ امام مالک نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور ان کو پسینہ آ گیا، پھر انہوں نے کہا: "استواء" کا معنی معلوم ہے (معتدل و مستقیم ہونا، جم کر بیٹھنا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آ سکتی اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرے گمان میں تم محض گمراہ ہو، پھر امام مالک کے حکم سے اس کو نکال دیا گیا۔ اور سفیان ثوری، الاوزاعی، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک اور ان کے علاوہ دیگر علماء اہلسنت سے صفاتِ متشابہات کے متعلق مروی ہے کہ جس طرح یہ صفات وارد ہوئی ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف ماننا چاہیے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی الحنبلی المتوفی ۷۲۸ھ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ پر متعدد جگہ بحث کی ہے، اگر ان تمام ابحاث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل اور مفصل کتاب بن سکتی ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے، یا جس صفت کے ساتھ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کیا ہے، اور قرآن اور حدیث سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اور سلف کا مذہب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وہی صفت بیان کرتے تھے جو اللہ نے خود اپنی صفت بیان کی ہے یا جو صفت اس کے رسول نے بیان کی ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور بغیر کسی تکییف اور تمثیل کے (تحریف سے مراد ہے مثلاً ہاتھ سے مراد قوت

اور لعنت لینا، اور تعطیل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرنا اور کہنا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہے، اور تکییف سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ اس کیفیت کا ہے یا وہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے یا وہ آسمانِ دنیا کی طرف اس طرح نازل ہوتا ہے اور تمثیل سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی مثل ہے)، اور یوں ایمان رکھا جائے کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور وہ کیسا ہے اور کس طرح ہے یہ ہم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفت بیان کی ہے وہ برحق ہے، اس میں کوئی پہیلی یا مجازات نہیں ہے اور اس کے باوجود اللہ سبحانہٗ کی کوئی مثل نہیں ہے، اس کی ذات کی کوئی مثل ہے نہ اس کے اسماء اور صفات کی اور نہ اس کے افعال کی، پس جس طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی ذات اور اس کے افعال کی حقیقت ہے، اسی طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی صفات بھی حقیقی ہیں اور اس کی ذات اور اس کی صفات کی اور اس کے افعال کی کوئی مثل نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو کسی نقص یا حدوث کو واجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے حقیقتاً منزہ ہے اور اللہ سبحانہٗ اس کمال کا مستحق ہے جس سے بڑھ کر کمال متصور نہیں ہے۔

اور سلف کا مذہب تعطیل اور تمثیل کے درمیان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے، اور اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کرتے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی عالی صفات کو معطل نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کو ان کے معانی سے موڑ کر تحریف کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی آیات میں الحاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ وہ عرش پر اس استواء کے ساتھ مستوی ہے جو اس کی شانِ جلال کے موافق ہے اور اس کے ساتھ مختص ہے، پس جس طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے، اسی طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کے اثبات سے یہ لازم نہیں آتا کہ علم اور قدرت کے جو مخلوق کے عوارض ہیں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے لازم آئے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے استواء کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق کے استواء کے جو عوارض ہیں، ان کا ثبوت اللہ کے لیے لازم آئے، اور اللہ عزوجل عرش کے اوپر ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مخلوق میں سے کوئی چیز دوسرے کے اوپر ہوتی ہے اور یاد رکھو کہ سلف کے طریقہ کی مخالفت پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۱-۲۰، مطبوعہ دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے نزول اور استواء کے محامل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۴۵، الموطا، رقم الحدیث: ۲۱۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۷)

اس قسم کے جو اطلاقات قرآن اور سنت میں ہیں ان کے متعلق علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی کیفیت کو جانے بغیر ان پر ایمان لانا حق ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ نازل ہوتا ہے اور کیفیت نزول کو بیان نہیں کرتے اور نہ کیفیت استواء کو بیان کرتے ہیں۔ بعض عوام سے شریک نے کہا: بعض لوگ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نزول کا ذکر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس یہ احادیث ان ہی اسانید سے پہنچی ہیں جن اسانید سے نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے احکام کے متعلق

احادیث پہنچی ہیں اور ہم نے اللہ عزوجل کو ان احادیث سے ہی پہچانا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صرف اتباع ہے، اور بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی کہ رب کے نزول کا معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت اور اس کی نعمت نازل ہوتی ہے، یہ توجیہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت تو رات اور دن کے ہر وقت میں نازل ہوتی ہے۔ اس میں رات کے آخری تہائی حصہ یا کسی اور وقت کی خصوصیت کا کیا دخل ہے؟ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اپنی رحمت سے دعا قبول فرماتا ہے، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: آدھی رات کے بعد۔ (مسند احمد، ج ۵ ص ۱۷۹)

اور ہمیشہ نیک لوگ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے "وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ" (آل عمران: ۱۷) (الاستذکار ج ۸ ص ۱۵۳۔ ۱۵۱، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے بلندی کی جہت سے اشارہ کرنے کا محمل

امام مالک نے عمر بن الحکم سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میری ایک باندی بکریوں کو چراتی تھی، ایک دن ایک بکری گم ہوگئی، میں نے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ مجھے اس پر افسوس ہوا۔ میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کو تھپڑ مار دیا، اور مجھ پر (پہلے سے) ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ کیا میں اس غلام کی جگہ اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں۔ آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

(الموطا، رقم الحدیث: ۱۵۱۱، صحیح مسلم: صلوٰۃ ۳۳ (۵۳۷) ۱۱۷۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۹۳۰)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کہ دین حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اور جہت منتفی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن اور سنت میں ایسی بے شمار تصریحات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور باوجود اختلاف آراء اور تفرق ادیان کے سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلند جانب کی طرف دیکھتے ہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہت سے منزہ ہونا عام لوگوں کی عقلوں سے ماوراء ہے حتیٰ کہ جو چیز کسی سمت اور جہت میں نہ ہو لوگ اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور ان کے عرف کے زیادہ قریب اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے زیادہ لائق یہ تھا کہ ان سے ایسا کلام کیا جائے جس میں بظاہر تشبیہ ہو اور ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ہر سمت اور جہت سے منزہ ہے لیکن چونکہ بلند جانب تمام جوانب میں سب سے اشرف ہے اس لیے اس جانب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا اور عقلاء اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اس لیے متوجہ نہیں ہوتے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے، کیونکہ تمام خیرات اور برکات اور انوار اور بارشیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔

(شرح المقاصد ج ۴ ص ۵۱۔ ۵۰، مطبوعہ منشورات الرضی، قم ایران، ۱۴۰۹ھ)

۱۵۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ — بیت الخلاء میں دخول کے وقت دعا کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء میں دخول کا ارادہ کرے تو کیا دعا کرے۔

۶۳۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو دعا کرتے: اے اللہ میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲، ۶۳۲۲، صحیح مسلم: ۳۷۵، سنن ترمذی: ۶، سنن نسائی: ۱۹، سنن ابوداؤد: ۴، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶، مسند احمد: ۱۱۵۴۳، سنن داری: ۶۶۹)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

اس حدیث کو لفظ ''کانَ'' کے ساتھ ذکر کیا ہے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا کرتے۔

اور بعض روایات میں لفظ ''اذا'' کے ساتھ ذکر ہے، جیسا کہ سعید کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں دخول کا ارادہ کرتے۔

پس اگر قضائے حاجت کے لیے مخصوص مکان بنایا ہوا نہ ہو جیسے جنگل اور صحراء وغیرہ تو اس جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جائز ہے اور اگر قضائے حاجت کے لیے مخصوص مکانا بنایا ہوا ہو (جیسے واش روم) تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے۔ پس جنہوں نے دخول کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو مکروہ قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب دخول کا ارادہ کرے تو یہ دعا کرے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء کا ارادہ کرے تو کہے: ''اعوذ باللہ من الخبث والخبائث''۔

(سنن ابوداؤد: ۶، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۹۰۶، ۹۹۰۳، صحیح ابن خزیمہ: ۶۹، الطبرانی ج ۵ ص ۲۰۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۸۷، سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان جگہوں میں جنات اور شیاطین حاضر ہوتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی ایک ان میں داخل ہو تو کہے: ''اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث''۔ (کتاب الدعاء للطبرانی ج ۲ ص ۹۵۹)

ابن وہب از حیوۃ بن شریح از ابی عقیل روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعید مقبری سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لیے جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے، تو وہ ذکر اس کے اور جنات کے درمیان پردہ

ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرے گا تو جنات اس کی طرف دیکھیں گے اور مذاق اڑائیں گے اور ہنسیں گے۔
(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۷۰۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۸۰۳، کتاب الدعا للطبرانی: ۳۵۶، کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کا محمل

ظاہر یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ عبودیت کے لیے یہ دعا کی اور امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ ہیں۔ اور آپ نے ایک خبیث اور زبردست جن کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۱، ۱۲۱۰، ۳۲۸۴)

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے رب کی طرف متوجہ رہتے تھے اور تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی حفاظت کرتے تھے اور جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنی چاہیے وہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے اور جہاں سکوت کرنا چاہیے وہاں پر سکوت فرماتے تھے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو آپ دعا کرتے "غفرانک"۔
(سنن ابوداؤد: ۳۰، سنن ترمذی: ۷)

یعنی میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت کے متعلق استغفار کرتا ہوں جس حالت نے مجھے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے اور اس کے ذکر کرنے سے روک دیا، سو آپ بیت الخلاء میں جاتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور باہر آتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔

بیت الخلاء جاتے وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کا فقہی حکم

اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی اس دعاء کے استحباب پر علماء کا اجماع ہے خواہ قضائے حاجت کسی عمارت کے مکان میں کرے یا صحراء اور جنگل میں کرے، کیونکہ یہ جگہ شیاطین کا ماویٰ ہوتی ہیں۔

الشیخ ابو حامد الاسفرائینی نے لکھا ہے کہ یہ دعا اس جگہ کے ساتھ مخصوص ہے جو قضائے حاجت کے لیے بنائی گئی ہو اور جنگل اور صحراء شیاطین کا ماویٰ نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص پناہ طلب کرنے کی دعا کو بھول گیا اور بیت الخلاء میں داخل ہو گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اب پناہ طلب کرنے کی دعا کو مکروہ کہا ہے، اور دوسری جماعت جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، انہوں نے اس کی اجازت دی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن الملقن ان کا رد کرتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دخول سے مراد ہے: جب دخول کا ارادہ کرے اور اس کے متعلق آثار مختلف ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ بئر جمل سے آئے تو ایک مرد نے آپ کو سلام کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آپ نے دیوار پر تیمم کر لیا۔

امام بخاری نے اپنی کتاب "خلق افعال العباد" میں لکھا ہے کہ عطاء نے بیان کیا: جس انگوٹھی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اگر انسان اس انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہو یا وہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور وہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (خلق افعال العباد: ۳۷۷)

اور یہی حسن بصری کا قول ہے۔ اور وکیع نے سعید بن المسیب سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

امام بخاری نے بیان کیا کہ طاؤس نے کہا: کسی مرد کے کمر بند میں دراہم ہوں اور وہ قضائے حاجت کر رہا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (خلق افعال العباد: ۳۸۲)

اور ابراہیم نخعی نے کہا: لوگوں کے لیے اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے لیے دراہم کو رکھنا ضروری ہے۔

اور بعض تابعین نے کہا: مستحب یہ ہے کہ جس انگوٹھی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اسے لے کر بیت الخلاء میں نہ جائے۔

(خلق افعال العباد: ۳۸۳)

امام بخاری نے کہا: یہ عبارت بغیر تحریم کے صحیح ہے۔ (خلق افعال العباد: ۳۸۳، شرح ابن بطال ج ا ص ۲۳۲۔ ۲۳۴)

اور رہی بئر جمل والی حدیث تو وہ اختیار پر اور فضیلت پر محمول ہے، کیونکہ سلام کا جواب دینے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی وضو میں ہو۔ اس کو امام طحاوی نے بیان کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۸۸۔ ۹۵، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت کی بعض دیگر دعائیں

نیز علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے آئے تو یہ دعا کرے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے اس چیز کو نکال لیا جو مجھے ایذاء پہنچاتی، اور اس چیز کو روک لیا جو مجھے نفع دیتی۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن الملقن نے الشیخ ابو محمد سے نقل کیا ہے کہ بیت الخلاء سے آتے وقت یہ دعا کرنا مستحب ہے:

الحمد للہ الذی اذاقنی لذتہ واخرج عنی مشقتہ وابقی فی جسمی قوتہ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنی لذت عطاء کی اور مجھ سے مشقت کو نکال دیا اور میرے جسم میں اس کی قوت کو رکھا۔

(کتاب الدعاء للطبرانی: ۳۷۰، کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۲۵)

۱۶۔ باب: مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ

صبح اٹھتے وقت دعا کرنے کا بیان

یعنی جب انسان صبح کو اٹھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کرے۔

۶۳۲۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ سَيِّدُ الِاسْتِغْفَارِ اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن بریدہ نے حدیث بیان کی از بشیر بن کعب از حضرت شداد بن اوس از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے: اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی

فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ إِذَا قَالَ حِينَ يُمْسِي فَمَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِذَا قَالَ حِينَ يُصْبِحُ فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ مِثْلَهُ۔

مستحقِ عبادت نہیں ہے مگر تو، تو نے مجھے پیدا کیا، اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے اپنی طاقت کے مطابق کیے ہوئے عہد پر اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر قائم ہوں۔ میں تیرے لیے تیری دی ہوئی نعمت کا اعتراف کرتا ہوں اور میں تیرے لیے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ سو تو میری مغفرت فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا۔ میں نے جو برے کام کیے ان سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ جب بندہ نے شام کے وقت یہ دعا کی اور وہ فوت ہو گیا تو جنت میں داخل ہوگا یا فرمایا: اہلِ جنت میں سے ہوگا۔ اور جب اس نے صبح کو یہ دعا کی اور اسی دن فوت ہو گیا تو بھی اسی کی مثل فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۶۳۲۳، سنن ترمذی: ۳۳۹۳، سنن نسائی: ۵۵۲۲، مسند احمد: ۱۶۶۶۲)

یہ حدیث اس سے پہلے افضل استغفار کے باب میں گزر چکی ہے۔

۶۳۲۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قَالَ بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن عمیر از ربعی بن حراش از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند یا سونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا فرماتے: اے اللہ! تیرے نام سے میں مرتا ہوں اور تیرے نام سے میں زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تو دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

یہ حدیث بھی اس باب ''مایقول اذا نام'' میں گزر چکی ہے۔

۶۳۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابن حمزہ از منصور از ربعی بن حراش از خرشہ بن الحر از حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرے نام

فَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ کے ساتھ میں مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، ۷۳۹۵، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۷۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب التوحید میں روایت کی ہے۔ اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۶۳۱۲ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح اور شام اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت

صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے تا کہ اس کے اعمال کی ابتداء اور شروع اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ اسی طرح سوتے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے تا کہ اس کے عمل کا اختتام اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ پس کراماً کاتبین اپنے صحیفہ کے اول میں بھی اس کا عملِ صالح لکھیں اور صحیفہ کے اخیر میں بھی اس کا عملِ صالح لکھیں۔ پھر اس کے درمیان جو اس سے گناہ ہوئے ان کی مغفرت کی امید کی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میرا دن کی ابتداء میں ایک ساعت کے لیے ذکر کرو اور دن کے آخر کی ایک ساعت میں بھی میرا ذکر کرو تو پھر اس دن کے درمیان کے لیے میں تمہیں کافی ہو جاؤں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۱۳)

اور صالحین بازاروں میں دن کے اول میں اور دن کے وسط میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور یہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ صبح اور شام اللہ سے دعا کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تاجروں کو حکم دیتے تھے کہ تم دن کے اول کو اپنی آخرت کے لیے کرو اور اس کے ماسوا کو اپنی دنیا کے لیے کرو۔ اور اس معنی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے:

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابنِ آدم! کیا تم دن کی ابتداء میں چار رکعت پڑھنے سے عاجز ہو تو دن کے آخر میں، میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں۔

(سنن ترمذی: ۴۷۵، مسند احمد: ج ۵ ص ۲۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۶۸، مسند الشامیین للطبرانی ج ۱ ص ۱۷۳)

یہ تمام احادیث علامہ ابن الملقن نے ذکر کی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۳۔ ۲۳۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح کے وقت دیگر دعاؤں کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ دعا کی: ''اے اللہ! میں نے صبح کی، میں تیری گواہی دیتا ہوں اور تیرے حاملین عرش کی گواہی دیتا ہوں اور تیرے فرشتوں کی گواہی دیتا ہوں اور تیری تمام مخلوق کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں'' ۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے چوتھائی حصہ کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور جس نے یہ دعا دو مرتبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے نصف کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ الحدیث

اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

ابوسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت اور شام کے وقت یہ دعا کی: ''میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہوں اور محمد کو رسول مان کر راضی ہوں'' تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس کو راضی کرے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی سند ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور عبداللہ بن غنام البیاضی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ دعا کی: ''اے اللہ! صبح کو جو مجھے نعمت ملی یا تیری مخلوق میں سے کسی ایک سے نعمت ملی تو وہ صرف تیری طرف سے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے شکر ہے''، سو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہیں کیا چیز منع کرتی ہے کہ تم اس کو سنو جو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم جب صبح کر دیا جب تم شام کرو تو یہ دعا کیا کرو: ''یاحی یاقیوم'' ''تیری رحمت سے میں مدد طلب کرتی ہوں، میرے تمام احوال کی اصلاح فرما دے اور مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی میرے نفس کی طرف سپرد نہ کر''۔

اس حدیث کی امام نسائی اور امام البزار نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۳۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۷۔ بَابُ: الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں دعا کرنے کا بیان

اس باب میں نماز میں دعا کرنے کی کیفیت کا بیان ہے۔

۶۳۲۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ إِنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ لِلنَّبِيِّ ﷺ۔

خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یزید نے حدیث بیان کی از ابی الخیر از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما از حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: مجھے ایسی دعا کی تعلیم کیجئے جس کے ساتھ میں نماز میں دعا کروں۔ تو آپ نے فرمایا: تم دعا کرو: اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا، سو تو اپنے پاس سے میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور عمرو بن الحارث نے کہا از یزید از ابی الخیر، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا۔۔۔۔

(صحیح البخاری: ۸۳۴، ۶۳۲۶، ۷۳۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۰۵، سنن ترمذی: ۳۵۳۱، سنن نسائی: ۱۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۵، مسند احمد: ۸)

صحیح البخاری: ۶۳۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالخیر، ان کا نام مرثد ہے، ان کا نام ابن عبداللہ الیزنی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، یہ صحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کا نام عبداللہ بن عثمان ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ، نے کہا: کہ یہ دعا الجوامع سے ہے، کیونکہ اس میں انتہائی تقصیر کا اعتراف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اوپر بہت زیادہ ظلم کرنے والا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ سے انتہائی انعام کو طلب کیا ہے، اور یہ مغفرت اور رحمت ہے، کیونکہ مغفرت کا معنی ہے: گناہوں پر پردہ ڈالنا اور ان کو مٹا دینا۔ اور رحمت کا معنی ہے خیر کو پہنچانا۔ پس پہلی دعا کا مآل ہے دوزخ کے عذاب سے دور کرنا اور دوسری دعا کا مآل ہے جنت میں داخل کرنا اور یہی عظیم کامیابی ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے کرم سے ان لوگوں میں سے کردے جو تیرے کرم سے کامیاب ہونے والے ہیں اے اکرم الاکرمین۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ سُعَيْرٍ حَدَّثَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے

هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا أُنْزِلَتْ فِي الدُّعَاءِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن سعیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: ''وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا'' بنی اسرائیل: ۱۱۰ ''(اور آپ نماز میں نہ بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے)۔ یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۲۳، ۷۵۲۶، صحیح مسلم: ۴۴۷، موطا امام مالک: ۵۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۲۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی، اور وہ ابن سلمہ النیشاپوری ہیں۔ یہ الکلاباذی کا قول ہے۔

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا کہ علی بن سلمہ ہیں جیسا کہ میں نے سورۃ المائدہ کی تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علامہ عینی ان پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ وہم ڈالا ہے کہ وہی اس قول کے قائل ہیں، حالانکہ انہوں نے اس کو الکلاباذی سے نقل کیا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مالک بن سعیر، یہ السعر کی تصغیر ہے۔ اور تمیمی نے اس لفظ کو صاد کے ساتھ یعنی الصعیر ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی'' یعنی نماز میں دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے تا کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق ہو جائے۔ یہ علامہ الکرمانی کا قول ہے۔ لیکن یہ دعا عام ہے جو اس دعا کو بھی شامل ہے جو نماز میں ہو اور اس دعا کو بھی شامل ہے جو خارج از نماز ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۲۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلَاةِ السَّلَامُ عَلَى اللهِ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابو وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز میں کہتے تھے: اللہ پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ خود

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ إِلَى قَوْلِهِ الصَّالِحِينَ فَإِذَا قَالَهَا أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ صَالِحٍ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الثَّنَاءِ مَا شَاءَ۔

سلام ہے۔پس جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں بیٹھے تو یوں کہے: ''التحیات للہ ۔۔۔الصالحین تک''پس جب وہ یہ کہہ لے گا تو اللہ تعالیٰ کا ہر نیک بندہ جو آسمان اور زمین میں ہے اس کو یہ سلام پہنچ جائے گا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔پھر وہ ثنا میں سے جو چاہے اختیار کرے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱، صحیح مسلم: ۴۰۲، سنن ترمذی: ۲۸۹، سنن نسائی: ۱۱۶۸، سنن ابوداؤد: ۹۶۸، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۴۰۵۴، سنن دارمی: ۱۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۳۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔اور اس کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے اواخر میں باب التشہد کے اخیر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

اور سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۴۔۴۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز کے تشہد اخیر پڑھنے کے متعلق اختلاف فقہاء

المصنف میں مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف تشہد اور الاستخارہ کی حدیث کو لکھتے تھے۔اور علماء کا تشہد اخیر میں اختلاف ہے۔پس امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اوزاعی نے کہا ہے کہ تشہد اخیر فرض نہیں ہے۔(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶۳، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۲۲)

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ تشہد اخیر فرض ہے۔

(کتاب الام ج ۱ ص ۱۰۲، المہذب ج ۱ ص ۲۶۵، المجموع ج ۳ ص ۴۶۲، المغنی ج ۲ ص ۲۲۶، المحلیٰ ج ۱ ص ۲۷۴، شرح الزرکشی ج ۱ ص ۳۲۱)

تشہد اخیر کی فرضیت پر امام شافعی کے دلائل اور اس پر بحث و نظر

امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو کہے''التحیات للہ ۔۔ الحدیث'' اور امر وجوب کے لیے ہے۔

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ہر امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ تکبیرات انتقالات کا بھی امر کیا گیا ہے (یعنی رکوع سے پہلے تکبیر اور رکوع کے بعد تکبیر اور سجدہ سے پہلے اور سجدہ کے بعد تکبیر)۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ (الحاقۃ:۵۲) سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تسبیح کو تم اپنے رکوع میں رکھ لو۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے O

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تسبیح کو تم اپنے سجدہ میں رکھ لو۔

(سنن ابوداؤد: ۸۶۹، کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ، سنن ابن ماجہ: ۸۸۷، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ وسنۃ فیھا، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، سنن دارمی: ۱۳۴۴، کتاب الصلوٰۃ باب ما یقال فی الرکوع، صحیح ابن خزیمہ: ۶۰۰، کتاب الصلوٰۃ باب الامر بتعظیم الرب فی الرکوع، صحیح ابن حبان: ۱۸۹۸، کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ)

اور تمام فقہاء بشمول امام شافعی سب نے یہ کہا ہے کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان تسبیحات اور تکبیرات کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے یہ تسبیحات پڑھی ہیں اور تکبیرات پڑھی ہیں اس وجہ سے ان کی فرضیت کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشہد کے متعلق حکم دینا یہ بھی فرضیت پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ذکر ہیں اور اس میں کوئی بدن کا عمل نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح فرائض کا حکم دیتے تھے اسی طرح سنن کا حکم بھی دیتے تھے۔

نیز جس طرح تشہد اولیٰ اور تشہد اولیٰ میں بیٹھنے کے قائم مقام سجدہ سہو ہے، اسی طرح چاہیے کہ سجدہ سہو تشہد اخیر کے بھی قائم مقام ہو جائے جب نماز میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھنے سے اس کو سہو ہو جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ القعدۃ الاخیرہ فرض ہے، اسی طرح اس کا ذکر بھی فرض ہونا چاہیے جیسا کہ قعدہ اولیٰ سنت ہے اور اس کا ذکر بھی سنت ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ قعدہ اخیرہ تشہد کے پڑھنے کے لیے مقرر نہیں ہے بلکہ یہ سلام پڑھنے کے لیے مقرر ہے۔ اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ جس نے آخری سجدہ کرنے کے بعد سر اٹھا لیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی (یعنی اس نے قعدہ اخیرہ کیا اور نہ اس میں تشہد اخیر پڑھا)۔ یہ حضرت علی اور ابن المسیب اور حسن بصری اور ابراہیم سے مروی ہے۔

(تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۲۲، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶۳، عیون المجالس ج ۱ ص ۳۰۵، بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۵۰، المجموع ج ۳ ص ۴۲۳)

اور عطاء نے کہا: جو شخص تشہد بھول گیا اس کی نماز جائز ہے اور حکم اور حماد سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

امام طبری اور امام طحاوی نے کہا ہے: علماء امت میں سے تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تشہد میں صلوٰۃ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اور امام شافعی کا یہ شاذ قول ہے۔ انہوں نے کہا: جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشہد اخیر میں سلام سے پہلے صلوٰۃ نہیں پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہے اور اگر اس نے تشہد سے پہلے صلوٰۃ پڑھ لی تو یہ اس کو کفایت نہیں کرے گا۔ اور امام

شافعی کے اس قول کے موافق کسی کا قول نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی سنت مروی ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ امام طبری اور امام طحاوی کا یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ امام شافعی کے اس قول کے مطابق صحابہ کی ایک جماعت نے کہا ہے اور امام احمد سے بھی اس کے متعلق روایت ہے۔

التوضیح کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ امام احمد بن حنبل کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں، ایک روایت یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا فرض ہے اور یہی شوافع کا مذہب ہے۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا واجب ہے اور یہ الخرقی اور ابوالبرکات کا مختار ہے۔

(الانتصار ج ۲ ص ۲۸۴۔۲۸۶، المغنی ج ۲ ص ۲۲۸، کتاب الفروع ج ۱ ص ۴۶۴، شرح الزرکشی ج ۱ ص ۳۲۱)

اور مالکیہ میں سے ابن مواز کا بھی یہی قول ہے۔ (الذخیرہ ج ۲ ص ۲۱۸)

علامہ الرویانی نے حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ عنہم سے اس کی حکایت کی ہے اور علامہ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی ۴۵۰ھ، نے از محمد بن کعب القرظی التابعی اس کی حکایت کی ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۳۷، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے از الشعبی از علی بن الحسین اس کی روایت کی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۵۳۰، نشر السنہ، ملتان)

اور امام اسحاق بن راہویہ نے کہا: اگر کسی نے تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کو عمداً ترک کر دیا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اگر سہواً ترک کیا تو مجھے امید ہے اس کی نماز کافی ہو جائے گی۔ (المجموع ج ۳ ص ۴۴۹)

امام ابن حبان اور امام حاکم دونوں نے اپنی صحیح میں حضرت ابومسعود عقبہ بن عمر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد آیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور ہم آپ کے پاس تھے، اس نے کہا: یارسول اللہ! رہا آپ پر سلام پڑھنا تو ہم نے اس کو جان لیا، پس ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں جب ہم اپنی نمازوں میں آپ پر صلوٰۃ پڑھیں، آپ نے فرمایا: تم کہو "اللھم صل علی محمد"۔

(صحیح ابن حبان: ۱۹۵۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۶۸، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔)

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ سے بشیر بن سعد نے پوچھا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے، سو ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی کہ انہوں نے آپ سے یہ سوال نہ کیا ہوتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس طرح پڑھو:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت　اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما اور آل

علی آل ابراهیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید۔

(سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما جیسے تو نے آل ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر برکت نازل فرما اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر تمام جہانوں میں برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔

اور سلام اسی طرح پڑھو جس طرح تم جانتے ہو۔ (صحیح مسلم:۴۰۵، سنن ابوداؤد:۹۸۰، ۹۸۱، مسند احمد:۲۲۴۱۵)

یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے:

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں: مجھ سے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ملے، پس انہوں نے کہا: کیا میں تمہیں ایک ہدیہ نہ دوں؟ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، پس ہم نے کہا: ہم نے جان لیا کہ ہم کس طرح آپ پر سلام پڑھیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اللهم صل علی محمد وعلی آلِ محمد کما صلیت علی ابراهیم انك حمید مجید، اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم انك حمید مجید''۔

(صحیح البخاری:۶۳۵۷، صحیح مسلم:۴۰۶، سنن ابوداؤد:۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، سنن ترمذی:۴۸۳، سنن ابن ماجہ:۹۰۴، مسند احمد:۱۸۱۵۶)

نیز ایک اور سند کے ساتھ روایت ہے:

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح پڑھیں، آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اللهم صل علی محمد وعلی ازواجه وذریته کما صلیت علی ابراهیم وبارك علی محمد وعلی ازواجه وذریته کما بارکت علی آل ابراهیم انك حمید مجید''۔ (صحیح مسلم:۴۰۷، سنن ابوداؤد:۱۵۳۰، سنن ترمذی:۳۸۵، مسند احمد:۲۳۶۶۱)

نیز امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی ۳۸۵ھ، اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے: ''السلام علی الله قبل عباده السلام علی جبریل ومیکائیل السلام علی فلان'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہ نہ کہو: السلام علی اللہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے لیکن تم کہو''التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله ۔۔۔۔

امام بیہقی نے کہا: یہ سند صحیح ہے۔ (سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۳۸، نشر السنہ، ملتان، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۵۰)

علامہ ابن الملقن شافعی فرماتے ہیں: اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں:

ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''تشہد کے فرض ہونے سے پہلے''، اس میں یہ دلیل ہے کہ تشہد فرض ہوگئی تھی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قولوا'' ''تم کہو'' یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تشہد میں اتنی دیر بیٹھنا واجب ہے جتنی دیر میں تشہد پڑھ لیا جائے اور تشہد کا پڑھنا واجب ہے نہ

ہے۔(بدائع الصنائع ج ا ص ۱۶۳، تبیین الحقائق ج ا ص ۱۲۲)

امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھنا واجب ہے جتنی دیر میں سلام پڑھ لیا جائے۔

پھر جان لو کہ اس باب میں متعدد تشہدات مروی ہیں جن کی تعداد تیرہ ہے۔

اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۴۰۳، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد فی الصلوٰۃ، سنن ابوداؤد: ۹۷۴، سنن ترمذی: ۲۹۰، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۰)

اور امام مالک نے الموطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔

عبدالرحمن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا جس وقت وہ منبر پر تھے اور وہ لوگوں کو تشہد کی تعلیم دے رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے: پڑھو "التحيات لله الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله"۔ (الموطا امام مالک ص ۷۷، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد فی الصلوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی ۴۵۶ھ، نے کہا ہے۔(المحلی ج ۳ ص ۲۷۰)

اور امام ابوحنیفہ اور اکثر محدثین اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ا ص ۲۱۴، المبسوط ج ا ص ۲۷، المغنی ج ۲ ص ۲۲۰، المجموع ج ا ص ۴۴۵)

اس حدیث میں مذکور ہے "التحيات" یہ تحیۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ملک ہے یا بقاء ہے یا عظمت ہے یا سلامتی ہے یا حیات ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الصلوات" اس سے مراد ہے پانچ نمازیں یا نوافل یا عبادات یا دعا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الطيبات" یعنی پاکیزہ اقوال اور پاکیزہ اعمال۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۲۶۸۔ ۲۷۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: معروف یہ ہے کہ "التحيات" کا معنی ہے قولی عبادتیں۔ اور "الصلوات" کا معنی ہے بدنی عبادتیں اور "الطيبات" کا معنی ہے مالی عبادتیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تشہد اخیر میں تشہد کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر دلائل اور امام شافعی کے دلائل کے جوابات

تنبیہ: علامہ ابن الملقن الشافعی نے تشہد کی بحث میں امام شافعی کے اس قول کو ثابت کیا ہے کہ نماز کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کو پڑھنا فرض ہے، اور امام شافعی کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں تشہد پڑھنے پر دوام کیا اور یہ فرضیت کی دلیل ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے "السلام على الله، السلام على جبريل وميكائيل" پڑھا کرتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ پہلے تشہد فرض نہیں تھا بعد میں فرض ہوا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قولوا" یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ سو ہم یہاں پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو دلائل سے پیش کرتے ہیں۔

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا: ''جب تم نے اپنا سر آخری سجدہ سے اٹھایا اور تشہد کی مقدار بیٹھ گئے تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی''۔ آپ نے نماز کے تمام کو صرف قعدہ کی مقدار پر موقوف کیا اور اگر تشہد فرض ہوتا تو بغیر تشہد کے نماز کا تمام ہونا ثابت نہ ہوتا۔ لیکن یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوام کی وجہ سے واجب ہے۔ اور آپ کا دائماً تشہد پڑھنا اس کے وجوب کی دلیل ہے، لہٰذا تشہد پڑھنا واجب ہے فرض نہیں ہے۔ اور حدیث وجوب پر دلالت کرتی ہے نہ کہ فرضیت پر، کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد وجوب کی صلاحیت رکھتی ہے نہ کہ فرضیت کی۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۸۹۔۶۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں مغفرت کی دعا کی تعلیم دینا

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ نمازی کے لیے جائز ہے کہ اپنی تمام نماز میں وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیا اور آخرت کی حاجات کے متعلق دعا کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ تعلیم دی کہ وہ نماز میں اپنے رب سے مغفرت کا سوال کریں اور بندہ کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بڑی حاجت اور ضرورت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرے۔ اسی طرح باقی ضروریات میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں سجدہ میں دعا کرتا ہوں اپنے ستر بھائیوں کے لیے اور ان کا نام لیتا ہوں اور ان کے آباء کا نام لیتا ہوں۔ (مسند ابو الجعد: ۱۰۹۸)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب امام ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتا تو وہ کہتے تھے:

اللھم بحولک وقوتک اقوم واقعد۔ اے اللہ! تیری دی ہوئی طاقت اور قوت سے میں کھڑا ہوتا ہوں اور بیٹھتا ہوں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۶)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

اور اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان کا لفظ اسی کے لائق ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو اور کوئی جرم نہ ہو، کیونکہ جرائم کے مرتکبین یہ زعم کرتے ہیں کہ وہ مومن نہیں ہیں اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ سب بڑے گناہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صدیقین میں سے تھے اور اہل ایمان میں سے تھے، اس کے باوجود شارع علیہ السلام نے ان کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا کہ ''اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیے ہیں تو تو میری مغفرت فرما''۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب سے ڈرتا رہے خواہ وہ عبادت میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دین میں بہت عظیم مقام تھا، اس کے باوجود وہ اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کرنے کی دعا کرنے کے محتاج تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۶۔۲۳۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز میں دعا کی مشروعیت اور حدیث میں مذکور دعا کی فضیلت

علامہ ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے: اس حدیث میں نماز کے اندر دعا کے مشروع ہونے کا بیان ہے اور اس دعاء مذکور کی دیگر دعاؤں پر فضیلت ہے۔ اور یہ کہ اپنے سے اعلیٰ سے دعا کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ اور دعا کو نماز میں اس لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے، سو تم سجدہ میں زیادہ دعا کیا کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جو اس دعا کی تعلیم کی اس میں دنیا کے اوپر آخرت کے معاملات کو ترجیح دینے کا اشارہ ہے۔ اور گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حال سے یہ جان لیا تھا کہ یہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۲۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں بیٹھے اور التحیات للہ۔۔۔ سے لے کر صالحین پڑھے تو اس کا یہ سلام آسمان اور زمین کے درمیان ہر نیک بندہ کو پہنچ جائے گا"۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبدہ و رسولہ، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے جو چاہے ثنا کرے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں تشہد میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور تشہد بھی نماز کا ایک حصہ ہے۔ اور اس حدیث میں ثناء پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ثناء سے مراد دعا ہے۔ اور سجدہ میں بھی دعا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکا ہے کہ بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب سجدہ میں ہوتا ہے، سجدہ میں کثرت سے دعا کرو۔

نماز کے چھ مقامات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس سے دعا کا بیان

(۱) تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا کرے:

اللهم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب، اللهم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس، اللهم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد۔

اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے، اے اللہ! مجھے خطاؤں سے صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے، اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولوں سے دھو دے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۴، صحیح مسلم: ۵۹۸، سنن نسائی: ۸۹۵، سنن ابوداؤد: ۷۸۱، سنن ابن ماجہ: ۸۰۵، مسند احمد: ۱۰۰۳۶، سنن دارمی: ۱۲۴۴)

(۲) امام مسلم نے اعتدال کی بحث میں "من شیء بعد" کے بعد حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث روایت کی ہے:

اللھم طھرنی بالثلج والبرد والماء۔ — اے اللہ! مجھے برف سے اور اولوں سے اور ٹھنڈے پانی سے پاک کردے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے لیکن صحیح مسلم میں اعتدال کی بحث میں درج ذیل حدیث ہے:

اللھم ربنا لك الحمد ملء السماوات وملء الارض وملء ما شئت من شیء بعد، اھل الثناء والمجد، لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منك الجد۔ (صحیح مسلم: ۴۷۱)

اے اللہ ہمارے رب! تیرے لیے ہی اتنی حمد ہے جس سے تمام آسمان اور تمام زمینیں بھر جائیں اور جس چیز کو تو چاہے وہ بھر جائے، اہل الثناء اور مجد تیری حمد کرتے ہیں، جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روکے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے، اور تیرے مقابلہ میں کسی کوشش کرنے والے کی کوشش نفع نہیں دے سکتی۔

(۳) رکوع میں دعا:

سبحانك اللھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی۔ — اے اللہ! تو پاک ہے ہمارے رب، اور تیری حمد کے ساتھ، اے اللہ میری مغفرت فرما۔

(صحیح البخاری: ۷۹۴، صحیح مسلم: ۴۸۴، سنن نسائی: ۱۰۴۷، سنن ابوداؤد: ۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۲۴۲۶۴)

(۴) سجدہ میں آپ اکثر دعا کرتے تھے۔

(۵) دو سجدوں کے درمیان آپ دعا کرتے تھے "اللھم اغفرلی" اے اللہ! میری مغفرت فرما۔

(۶) تشہد میں دعا، اس کا بیان آچکا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۲۔ ۳۹۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ وسیلہ سے دعا کرنے کی انواع اور اقسام

(۱) اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا اپنے حال کے وسیلہ سے دعا کرے، مثلاً دعا کرے "اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا" جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی۔ اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾ (القصص: ۲۴) — اے میرے رب! بے شک میں اس خیر کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ○

اور جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ (الانبیاء: ۸۳) — بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○

(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے وسیلہ سے دعا کرنا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں میں سے اس سے دعا کرو۔

جیسا کہ اس حدیث کے اخیر میں ہے:

انك انت الغفور الرحيم۔ بے شک تو بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کے ساتھ توسل کرنا:

جیسے ''اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم ''۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر صلوٰۃ نازل فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اس فعل کے وسیلہ سے دعا کی ہے کہ جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے، اس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صلوٰۃ اور سلام نازل فرما۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی صفات کے وسیلہ سے دعا کرنا:

جیسے کوئی شخص یہ دعا کرے ''اے اللہ! میں تیرے علم غیب کے وسیلہ سے اور مخلوق پر تیری قدرت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تیرے علم میں میرے لیے حیات بہتر ہو''۔ کیونکہ علم غیب اور خلق پر قدرت اللہ تعالیٰ کی صفات کے باب سے ہے۔

(۵) صالحین کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل پیش کرنا:

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی کو تیری بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے ہیں، سو تو ہم پر بارش نازل فرما۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے اور اللہ عزوجل سے دعا کرتے، یہ توسل کی وہ اقسام ہیں جو جائز ہیں۔

نیز شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تیری بارگاہ میں محمد کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ بشر کی ذات ان میں سے نہیں ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کر دے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں تجھ سے خُلقِ محمد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں یا جاہِ محمد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۹۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: شیخ ابن عثیمین نے صحیح نہیں لکھا اور حدیث اس کے خلاف ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب قحط پڑتا تو وہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کو طلب کرتے اور یوں دعا کرتے: اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا، اور بے شک ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، تو تو ہم پر بارش نازل فرما، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس ان پر بارش نازل ہوتی۔ (صحیح البخاری: ۱۰۱۰، ۳۷۱۰)

اس حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس دعا کے بعد حضرت عباس کھڑے ہو کر دعا کرتے تو بارش ہوتی، یہ شیخ ابن عثیمین نے اپنے عقیدۂ نجدیت کے تحفظ کے لیے حدیث میں ازخود اضافہ کیا ہے، بلکہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ذوات کے وسیلہ سے بھی دعا کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اور بعد میں انہوں نے آپ کے محترم چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی اور بارش ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ذواتِ قدسیہ کے وسیلہ کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس کہنے لگا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس آئے ہیں، ہمارا اونٹ بھوک سے بلبلا رہا ہے اور بچے بھوک سے رو رہے ہیں، پھر یہ شعر پڑھا:

وليس لنا الا اليك فرارنا	واين فرار الناس الا الى الرسل
ہم بھاگ کر صرف آپ کے پاس ہی آسکتے ہیں	اور لوگ بھاگ کر صرف رسولوں کے پاس ہی آسکتے ہیں

امام عبد الرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عید گاہ میں نماز پڑھائی، پھر حضرت عباس سے کہا: آپ کھڑے ہو کر بارش کی طلب کے لیے دعا کریں، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر دعا کی۔

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ مالک الداری سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط پڑ گیا، پس ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں، پھر اس شخص سے خواب میں یہ کہا گیا کہ تم عمر کے پاس جاؤ۔۔ (الحدیث)

سیف نے فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے، جو صحابی ہیں۔

الزبیر بن بکار نے "الانساب" میں اس واقعہ کو اپنی سند سے روایت کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وسیلہ سے دعا کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا میں کہا: اے اللہ! ہر مصیبت کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور ہر مصیبت صرف توبہ سے دور ہوتی ہے، اور یہ قوم اس مصیبت میں میرے پاس آئی ہے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ میرا تیرے نبی کے نزدیک کیا مقام تھا، اور ہم نے تیری طرف اپنے گناہ گار ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور توبہ کے ساتھ اپنی پیشانیاں تیرے حضور جھکائی ہوئی ہیں، ہم پر بارش نازل فرما! پھر پہاڑوں کی مثل آسمان پر بادل امڈ آئے اور اتنی بارش ہوئی کہ زمین سرسبز ہوگئی اور لوگ خوش حال ہو گئے۔

زید بن اسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قحط کے سال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عباس کا اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح اولاد اپنے والد کا احترام کرتی ہے، پس اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کے بارے میں آپ کی اقتداء کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس وسیلہ بناؤ، پس وہ ابھی وہاں سے روانہ نہ ہوئے تھے کہ بارش ہوگئی۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ قحط کا یہ سال ۱۸ھ میں تھا۔

حضرت عباس کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ اہل صلاح، اہل خیر اور اہل بیت نبوت سے شفاعت طلب کرنا مستحب ہے اور اس

حدیث میں حضرت عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے تواضع کرنا ہے اور ان کے حق کا اعتراف کرنا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۳۷۔۵۳۶ ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ سے استمداد کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنی آپ کی قبر پر گئے اور آپ سے خطاب کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں، پھر خواب میں حضرت بلال بن حارث سے یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ اور ان پر میرا سلام پڑھو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر عنقریب بارش ہوگی، اور ان سے کہو کہ تم فہم سے کام لو، پھر حضرت بلال بن حارث، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اسی کام کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۶۶۵ مجلس علمی، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۰۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۲ ص ۳۲، ادارۃ القرآن)

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ (تاریخ کبیر: ۱۲۹۳ ج ۷ ص ۱۸۴، کتاب الجرح والتعدیل: ۹۴۴، امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے، ج ۶۰ ص ۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو امام بیہقی کی روایت سے بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔)

امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا اور کہا گیا: اے امیر المومنین! ان پر لعنت کیجئے، انہوں نے کہا: نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شام میں ابدال ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے ایک مرد فوت ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مرد بدل دے گا، ان کے سبب سے بارش ہوگی اور دشمنوں کے خلاف مدد ہوگی اور اہل شام سے عذاب کو دور کیا جائے گا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۲، مشکوٰۃ: ۶۲۷۷)

۱۸۔ بَابٌ: الدُّعَاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

نماز کے بعد دعا کا بیان

اس حدیث میں فرض نماز کے بعد دعا کا بیان کیا گیا ہے۔

۶۳۲۹۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا وَرْقَاءُ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ قَالَ كَيْفَ ذَاكَ قَالُوا صَلَّوْا كَمَا صَلَّيْنَا وَجَاهَدُوا كَمَا جَاهَدْنَا وَأَنْفَقُوا مِنْ فُضُولِ أَمْوَالِهِمْ وَلَيْسَتْ لَنَا أَمْوَالٌ قَالَ أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَمْرٍ تُدْرِكُونَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَتَسْبِقُونَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكُمْ وَلَا يَأْتِي أَحَدٌ بِمِثْلِ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا مَنْ جَاءَ بِمِثْلِهِ تُسَبِّحُونَ فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے خبر دی از سمی از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مال دار لوگ درجات کو لے گئے اور دائمی جنت کو لے گئے، آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں جس طرح ہم جہاد کرتے ہیں اور اپنے زائد اموال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور

دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمَدُونَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا

تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ سُمَيٍّ وَرَوَاهُ ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سُمَيٍّ وَرَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ وَرَوَاهُ جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمارے پاس اموال نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جس سے تم اپنے پہلوں کے اجر کو پالو گے اور تم اپنے بعد کے لوگوں پر سبقت کرو گے، اور کوئی شخص اس اجر کو حاصل نہیں کر سکے گا سوا اس شخص کے جو تمہاری مثل عمل کرے، تم ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ پڑھو اور دس مرتبہ الحمدللہ پڑھو اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو۔

سمی کی متابعت عبداللہ بن عمر نے کیا ہے از سمی۔

اس حدیث کو ابن عجلان نے از سمی ورجاء بن حیوۃ روایت کیا ہے۔

اور اس حدیث کو جریر نے از عبدالعزیز بن رُفیع از ابوصالح از حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

اور اس حدیث کو سہیل نے از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۴۳، ۶۳۲۹، صحیح مسلم: ۵۹۵، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۴، سنن ابن ماجہ: ۹۲۷، مسند احمد: ۲۰۲۷، موطا امام مالک: ۴۸۸، سنن دارمی: ۱۳۵۳)

صحیح البخاری: ۶۳۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ ابن منصور ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ابن راہویہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن ہارون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ورقاء، یہ اورق کی تانیث ہے، یہ ابن عمر الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سمی، یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، یہ الذکوان الزیات السمان ہیں۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی حدیث کی دیگر روایات

امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے، پس کہا کہ مال دار لوگ تو بلند درجات کو لے گئے اور دائمی جنت کو لے گئے، آپ نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا: وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں

اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے، اور غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم ان کے درجہ کو پالو گے جنہوں نے تم پر سبقت کی ہے اور اپنے بعد والوں پر تم سبقت کرو گے، اور ان میں سے کوئی بھی تم سے افضل نہیں ہوگا سوا ان کے جو تمہاری مثل وہ کام کریں۔ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم سبحان اللہ کہو اور اللہ اکبر کہو اور الحمد للہ کہو ہر نماز کے بعد تینتیس، تینتیس مرتبہ۔

ابو صالح نے کہا: پھر فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے یہ سن لیا جو ہم کرتے تھے تو انہوں نے بھی اس کی مثل کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ عطا کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۲۹، صحیح مسلم: ۵۹۵)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھا اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ پڑھا اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا اور یہ ننانوے مرتبہ ہے اور سو پورا کرنے کے لیے کہے "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر" تو اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ جتنے ہوں۔ (صحیح مسلم: ۵۹۷، مسند احمد: ۸۸۴۲، ۱۰۲۷۱)

حدیث مذکور کے بعض الفاظ کے معانی

اس حدیث میں "الدثور" کا لفظ ہے، علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی ہے غنا اور "الدثور" کا معنی مناجی ہے، سو یہ لغت اضداد میں سے ہے۔

اس حدیث میں "الدرجات" کا لفظ ہے، ہوسکتا ہے یہ درجات حسی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ درجات معنوی ہوں۔

اس حدیث میں "کل صلوٰۃ" کا لفظ ہے، یہ فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے، اگرچہ حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث میں فرض نماز کی قید ہے۔

غنی شاکر کی فقیر صابر پر فضیلت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غنی شاکر، فقیر صابر سے افضل ہے۔ اس سلسلہ میں پانچ مذاہب ہیں اور یہی سب سے صحیح مذہب ہے، اگرچہ جمہور صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ فقیر صابر کو ترجیح ہے، کیونکہ اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے فقراء کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور اغنیاء سے سوال کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فی نفسہٖ نہ فقیر صابر افضل ہے اور نہ غنی شاکر افضل ہے، بلکہ افضل فقیر شاکر ہے۔ کیونکہ جس کے پاس مال نہ ہو تو وہ صبر کے علاوہ اور کیا کرے گا اور جس کے پاس مال ہو وہ شکر کے علاوہ اور کیا کرے گا۔ فضیلت تو اس کی ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

امام رازی سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مبارک کی شقیق بلخی سے ملاقات ہوئی، عبداللہ بن مبارک نے شقیق بلخی سے پوچھا کہ تمہارے ہاں کے فقراء کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: انہیں کچھ نہ ملے تو صبر کرتے ہیں اور کچھ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ تو ہمارے ہاں کے کتوں کا حال ہے کہ اگر انہیں کچھ کھانے کو نہ ملے تو مالک کے اوپر بھونکتے نہیں

ہیں اور مل جائے تو مالک کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں، شقیق بلخی نے کہا: پھر آپ کے ہاں کے فقراء کا کیا حال ہے؟ عبداللہ بن مبارک نے کہا: اگر ان کو کچھ نہ ملے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور کچھ مل جائے تو دوسرے ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام طبرانی نے از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جب نماز قائم کی جاتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول کی جاتی ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۹۰۰)

نیز علامہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے افضل ہے، کیونکہ فرض نماز نفل نماز سے افضل ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ عبدالرحمٰن بن الاسود نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ دل ظرف (برتن) ہیں، ان کو قرآن کے ساتھ بھرو اور غیر قرآن کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ ص ١٢٦)

پس ان میں سے کون افضل ہے اللہ کا ذکر کرنا یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا؟

میں کہتا ہوں کہ میں نے عمرو بن ابی سلمہ الاوزاعی سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ سعید سے سوال کرو، سو انہوں نے سعید سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: بلکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا افضل ہے۔ پھر اوزاعی نے سعید سے کہا: قرآن مجید کی تلاوت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، لیکن سلف صالحین کی سیرت یہ ہے کہ وہ طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

امام طبری نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو طلوع فجر کے بعد سے لے کر طلوع شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر میں ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کے بعد سے لے کر غروب شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو وہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (شعب الایمان: ۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلواریں چلانے سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت زیادہ مال دینے سے افضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۹۔۲۴۱، ج ۷ ص ۳۰۲۔۳۰۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے "الدعاء بعد الصلوٰۃ" اور اس عنوان سے امام بخاری نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا بالکل مشروع نہیں ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

امام مسلم از عبداللہ بن الحارث از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر بیٹھتے تھے

جتنی دیر میں یہ پڑھا جائے "اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام "۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نمازی سلام پھیرنے کے بعد اسی ہیئت پر بیٹھا رہے جس ہیئت پر سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھا ہوا تھا، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اپنے اصحاب کی طرف مڑتے، پس نماز کے بعد جو دعائیں وارد ہیں وہ اس پر محمول ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اپنے اصحاب کی طرف مڑتے تو وہ دعائیں کرتے۔

شیخ ابن القیم نے "الہدی النبوی" میں لکھا ہے: رہا نماز کا سلام پھیرنے کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنا خواہ امام کرے یا منفرد نمازی کرے یا مقتدی کرے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بالکل نہیں ہے۔ اور نہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سند صحیح یا حسن سے منقول ہے۔ اور بعض علماء نے اس کو فجر اور عصر کی دو نمازوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اور نہ آپ کے بعد خلفاء نے کیا اور نہ اس کی طرف امت کی رہنمائی کی، یہ صرف استحسان ہے جس کو بعض علماء نے فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے کے عوض میں اختیار کیا ہے۔

نیز ابن قیم نے کہا: عام دعائیں نماز کے ساتھ متعلق ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں وہ دعائیں کیں۔

نیز ابن قیم نے کہا: نمازی کے حال سے یہی مناسب ہے، کیونکہ نمازی اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور جب سلام پھیر لیتا ہے تو وہ مناجات منقطع ہو جاتی ہیں۔

پھر ابن قیم نے کہا: لیکن وہ اذکار جو فرض نماز پڑھنے کے بعد وارد ہیں، ان میں مستحب یہ ہے کہ نمازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے بعد وہ اذکار کرے اور ان سے فارغ ہونے کے بعد جو چاہے اپنے رب سے دعا کرے۔ اور فرض نماز کے بعد دعا نہ کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فرض نماز کے بعد بالکل دعا نہ کی جائے وہ مردود ہے، کیونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے بعد دعائیں کی ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے معاذ! بے شک اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں، پس تم ہر نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑو "اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك "۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اللھم انی اعوذ بك من الکفر والفقر وعذاب القبر "۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اللھم ربنا ورب کل شیء ۔۔۔ الحدیث "۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے مڑنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اللھم اصلح لی دینی ۔۔ الحدیث "۔ اس حدیث کی امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

نیز امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کہا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو

آپ نے فرمایا: آدھی رات کے اخیر کی دعا۔ اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اور کہا: یہ حدیث حسن ہے۔
اور امام طبری نے امام جعفر بن محمد صادق سے روایت کی ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے افضل ہے جیسا کہ فرض نماز، نفل نماز سے افضل ہے۔

تسبیحات کی تعداد میں تعارض کا جواب

صحیح البخاری: ۶۳۲۹ میں مذکور ہے "جس نے ان تسبیحات کو دس، دس مرتبہ پڑھا" اور صحیح البخاری: ۸۴۳ میں مذکور ہے "جس نے ان تسبیحات کو تینتیس، تینتیس مرتبہ پڑھا"۔
اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت راجح ہے جس میں تینتیس، تینتیس مرتبہ پڑھنا مذکور ہے، کیونکہ جس روایت میں زیادہ الفاظ ہوں وہ مقدم ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۲۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے باب کے عنوان کی توجیہ

اس حدیث کے باب میں مذکور ہے "نماز کے بعد دعا"۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کوئی ایسی حدیث روایت نہیں کی جو صراحۃً دعا پر دلالت کرتی ہو۔ یا تو امام بخاری نے اشارہ کیا ہے اس حدیث کی طرف جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے جیسا کہ وہ اکثر باب کا عنوان لکھتے ہیں اور ان میں ایسی احادیث وارد کرتے ہیں جو باب کے عنوان پر دلالت نہیں کرتیں، لیکن وہ اشارہ کرتے ہیں دوسری احادیث کی طرف جو اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں، لیکن وہ ان کی شرط کے موافق نہیں ہوتیں اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اور ان کی ذکاوت ہے، کیونکہ اس باب میں تسبیحات اور ذکر کی روایت ہے۔ ہو سکتا ہے امام بخاری نے ذکر کو دعا قرار دیا ہو، کیونکہ ذکر کرنے والا اپنے ذکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کے عذاب سے نجات کی توقع رکھتا ہے اور اس صورت میں ذکر بھی دعا ہوگا اور یہ دلالتِ لزوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ دلالتِ مطابقی یا تضمنی، کیونکہ ذکر کو دعا لازم ہے، کیونکہ اگر تم ذاکر سے سوال کرو کہ تم نے کس لیے ذکر کیا تو وہ کہے گا: میں اللہ کے ثواب کی امید رکھتا تھا اور اس کے عذاب سے ڈرتا تھا۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام کو مسابقت کی حرص تھی اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عبادت کرنا چاہتے تھے۔
نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ نیک اعمال پر رشک کرنا چاہیے اور یہ حسد نہیں ہے، لیکن فقراء کو اس پر رشک آیا کہ اغنیاء نے ان پر سبقت حاصل کر لی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۹۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از مسیب بن رافع از وراد جو حضرت مغیرہ بن

أَبِي سُفْيَانَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ إِذَا سَلَّمَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُسَيَّبَ۔

شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف مکتوب لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ ذکر کرتے: (ترجمہ:) ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو منع کردے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی کا نسب تیرے مقابلہ میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ کسی کا بخت تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کی کوشش اور جدوجہد تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتی ہے''۔ اور شعبہ نے کہا از منصور، میں نے المسیب سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن داری: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۶۳۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المسیب، یہ ابن رافع الکاہلی ہیں۔ یہ بہت روزہ رکھنے والے اور بہت قیام کرنے والے تھے۔ ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ورّاد، یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام اور ان کے منشی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکر بالجہر پر دلیل

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف مکتوب لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد یہ ذکر کرتے تھے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد — اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو واحد ہے اور اس کا کوئی

وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذالجد منك الجد

شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو منع کردے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی کا نسب تیرے مقابلہ میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ کسی کا بخت تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کی کوشش اور جدوجہد تیرے مقابلہ میں فائدہ پہنچا سکتی ہے"۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اس ذکر کی روایت کی اور ان کا سننا اسی صورت میں متصور ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ ذکر کیا ہو۔ اور یہ ذکر بالجہر کی واضح دلیل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۹۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ: ۱۰۳) وَمَنْ خَصَّ أَخَاهُ بِالدُّعَاءِ دُونَ نَفْسِهِ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے"۔ اور جس نے اپنے بھائی کو دعا کے ساتھ خاص کیا نہ کہ خود کو۔

وَقَالَ أَبُو مُوسَى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ۔

اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما، اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" جمہور کی روایت میں اتنا ہی مذکور ہے، اور بعض نسخوں میں اس پر اضافہ ہے اور وہ یہ ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۗ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (التوبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے ۝

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ اور اس کا معنی ہے کہ "آپ ان کے لیے دعا کیجئے اور استغفار کیجئے"۔ یعنی آپ کی دعا ان کے لیے ثابت قدم رہنے اور طمانیت کا سبب ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ''جس نے اپنے بھائی کو دعا کے ساتھ خاص کیا اور اپنے لیے دعا نہیں کی''۔اس تعلیق میں امام طبری کی روایت کے رد کی طرف اشارہ ہے۔

امام طبری اپنی سند کے ساتھ سعید بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک مرد کا ذکر کیا اور اس پر رحمت بھیجی یعنی کہا: ''اللہ اس پر رحم فرمائے'' تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے میرے سینے پر تھپڑ مارا اور مجھ سے فرمایا: اپنے نفس سے یا اپنے آپ سے دعا کی ابتداء کرو۔

اور اسی طرح ابراہیم النخعی سے روایت ہے، وہ کہتے تھے: جب تم دعا کرو تو اپنے نفس سے دعا کی ابتداء کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تمہاری کون سی دعا مقبول ہوگی۔اور اس باب کی احادیث ان روایات کا رد کرتی ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی اپنے بھائی کے لیے اس کے پسِ پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے ''اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو''۔

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس استدلال میں اعتراض ہے، کیونکہ اس حدیث میں عام ہے کہ دعا کرنے والا اس غائب کے ساتھ دعا کو خاص کرتا ہو یا اپنے نفس کا بھی ذکر کرتا ہو، اور اس سے عام ہے کہ وہ اس غائب کے لیے دعا کی ابتداء کرتا ہو یا اپنے لیے دعا کی ابتداء کرتا ہو۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ''اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما، اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما''۔

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید ابی عامر اور حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی ہے اور اپنے لیے دعا نہیں کی۔

یہ تعلیق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو غزوۂ اوطاس میں تفصیلاً ذکر ہو چکی ہے اور اس میں حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا قصہ ہے اور وہ حضرت ابوموسیٰ مذکور کے چچا ہیں اور وہی عبداللہ بن قیس ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت عبید رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی، پھر ان سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ان کے لیے بھی دعا کریں تو آپ نے ان کے لیے بھی دعا کی: اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ کو معاف فرما۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۵۷۔۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے جس حدیث کا اجمالاً ذکر کیا ہے، اس کی پوری روایت حسب ذیل ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از بُرید بن عبداللہ از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک

لشکر کے ساتھ حضرت ابوعامر کو وادیٔ اوطاس کی طرف بھیجا، پس وہاں درید بن الصمہ سے مقابلہ ہوا، سو درید کو قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر کو شکست دے دی، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اور آپ نے مجھے حضرت عامر کے ساتھ بھیجا، پس حضرت ابوعامر کے گھٹنے میں ایک جشمی کا تیر لگا اور وہ ان کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا، پس میں نے حضرت ابوعامر کے پاس جا کر پوچھا: اے میرے چچا! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ تو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ کو اشارہ سے بتایا کہ وہ میرا قاتل ہے جس نے مجھے تیر مارا ہے، سو میں اس کا قصد کر کے اس سے جا ملا، جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ پیٹھ موڑ کر بھاگا، پس میں نے اس کا پیچھا کیا اور میں اس سے کہہ رہا تھا کہ تجھے حیا نہیں آتی! تو ٹھہرتا کیوں نہیں! پس وہ ٹھہر گیا، پھر ہم دونوں کی تلواریں ٹکرائیں، پس میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر میں نے حضرت ابوعامر سے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے قاتل کو مار ڈالا، انہوں نے کہا: تم میرے گھٹنے سے یہ تیر نکال لو، میں نے ان کے گھٹنے سے وہ تیر نکالا تو اس سے پانی نکلنے لگا، انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر میرا اسلام پیش کرو اور آپ سے عرض کرو کہ میرے لیے بخشش کی دعا کریں، اور حضرت ابوعامر نے مجھے لوگوں پر اپنا جانشین بنایا، پس وہ تھوڑی دیر زندہ رہے، پھر وہ فوت ہو گئے، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ اپنے گھر میں کھجور کی رسیوں سے بنی ہوئی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور اس پر بستر تھا، چارپائی کی بنائی آپ کی پشت اور پہلوؤں پر نقش ہو گئی تھی، میں نے آپ کو اپنی خبریں بتائیں اور حضرت ابوعامر کی خبر بتائی اور میں نے بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں تو آپ نے پانی منگا کر وضو کیا، پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی: اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے اور میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، پھر آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو قیامت کے دن اپنی مخلوق میں بہت لوگوں کے اوپر درجہ عطا فرمانا، میں نے عرض کیا: اور میرے لیے بھی بخشش طلب کریں تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو معاف فرما اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ میں داخل فرما دینا! حضرت ابوبردہ نے کہا: ان میں سے ایک دعا حضرت ابوعامر کے لیے تھی اور دوسری دعا حضرت ابوموسیٰ کے لیے تھی۔ (صحیح البخاری: ۴۳۲۳)

۶۳۳۱ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَى خَيْبَرَ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَيَا عَامِرُ لَوْ أَسْمَعْتَنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ فَنَزَلَ يَحْدُو بِهِمْ يُذَكِّرُ

تَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا

وَذَكَرَ شِعْرًا غَيْرَ هٰذَا وَلٰكِنِّي لَمْ أَحْفَظْهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ هٰذَا السَّائِقُ قَالُوا عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْلَا مَتَّعْتَنَا بِهِ فَلَمَّا صَافَّ الْقَوْمُ قَاتَلُوهُمْ فَأُصِيبَ عَامِرٌ بِقَائِمَةِ سَيْفِ نَفْسِهِ فَمَاتَ فَلَمَّا أَمْسَوْا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید مولیٰ سلمہ، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن الاکوع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے تو قوم میں سے ایک مرد نے کہا: اے عامر! اپنی حدیث سناؤ تو وہ پڑھنے لگے اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

"اللہ کی قسم! اگر اللہ (کا حکم) نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے"۔

اس کے علاوہ انہوں نے دوسرے اشعار بھی پڑھے جو مجھے یاد نہیں ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ان سواریوں کو کون ہنکار رہا ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ عامر بن الاکوع ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس پر رحم فرمائے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص

أَوْقَدُوا نَارًا كَثِيرَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا هٰذِهِ النَّارُ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ قَالُوا عَلَى حُمُرٍ إِنْسِيَّةٍ فَقَالَ أَهْرِيقُوا مَا فِيهَا وَكَسِّرُوهَا قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نُهَرِيقُ مَا فِيهَا وَنَغْسِلُهَا قَالَ أَوْ ذَاكَ۔

نے عرض کیا یارسول اللہ! کاش ابھی آپ ان سے ہمیں اور فائدہ اٹھانے دیتے۔ پھر جب صحابہ نے صفیں باندھیں تو مسلمانوں نے کفار سے جنگ کی اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی جو خود ان کے پاؤں پر لگ گئی اور اس سے ان کی وفات ہوگئی، جب شام ہوئی تو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کیسی آگ ہے، اسے کیوں جلایا گیا ہے، صحابہ نے کہا کہ پالتو گدھوں (کا گوشت) پکانے کے لیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ ان دیگچیوں میں ہے اسے پھینک دو اور دیگچیوں کو توڑ دو، ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اجازت دیں تو ایسا نہ کرلیں کہ دیگچیوں میں جو کچھ ہے اسے پھینک دیں اور دیگچیوں کو دھولیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا یونہی کرلو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۷، ۴۱۹۶، ۵۴۹۷، ۶۱۴۸، ۶۳۳۱، ۶۸۹۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۱۹۵، مسند احمد: ۱۶۰۷۶)

صحیح البخاری: ۶۳۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال رجل من القوم" اس سے مراد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ای عامر" اور ایک روایت میں ہے "یاعامر" اور دونوں لفظ برابر ہیں۔ اور عامر سے مراد عامر بن الاکوع ہیں جو سلمہ کے چچا ہیں اور اس حدیث کے راوی ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: وہ ان کے بھائی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هنيهاتك" یہ "هنيهة" کی جمع ہے اور هنة کی تصغیر ہے، اس کی اصل هنوة ہے، اور اس سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے اشعار ہیں جیسے رجز کا چھوٹا چھوٹا کلام ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مذکور شعر نہیں ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مقصود یہ مصرع ہے اور اس کے بعد اور بھی مصاریع ہیں جو کتاب الجہاد میں گزر چکے ہیں۔ اور اس پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ ان اراجیز کے ساتھ ارتجاز خندق کھودنے کی حدیث میں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ دونوں مواقع پر یہ مصرعے پڑھے گئے ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قوم میں سے ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے ان سے ہمیں کیوں نہ فائدہ پہنچنے دیا" یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عامر بن الاکوع کے لیے دعا کی: اللہ اس پر رحم فرمائے، اور یہ دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جو وفات پاچکا ہو، تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ اب اس جنگ میں حضرت عامر بن الاکوع فوت ہوجائیں گے یا شہید ہوجائیں گے، تبھی آپ

نے یہ دعا کی: اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ یعنی آپ کی اس دعا سے ان پر شہادت واجب ہوگئی، کاش! آپ ان کو ہمارے لیے چھوڑ دیتے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ جس انسان کے لیے بھی کسی جہاد میں رحم کو طلب کیا جائے تو وہ شہید ہو جاتا ہے، تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا سنی تو انہوں نے کہا: کاش! ہمیں آپ عامر سے نفع یاب ہونے دیتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی حمر انسیة" اس سے مراد ہے پالتو گدھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الا نهریق ؟" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ان دیگچیوں کا گوشت الٹ دو اور ان دیگچیوں کو توڑ دو، تو کسی صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ایسا نہ کریں کہ ان دیگچیوں کا گوشت الٹ دیں اور ان دیگچیوں کو دھو دیں۔ تو آپ نے فرمایا: یا ایسا کرلو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس مشورہ کو قبول فرمالیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۸۔۴۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کو ضائع کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان دیگچیوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا جن میں پالتو گدھوں کا گوشت پکایا گیا، لیکن بعد میں آپ نے صحابہ کے مشورہ سے یہ فرمایا کہ دیگچیوں کو الٹ کر پالتو گدھوں کے پکائے ہوئے گوشت کو گرا دیا جائے اور دیگچیوں کو دھو کر رکھ لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے دیگچیوں کے توڑنے کے حکم کو منسوخ فرما دیا، کیونکہ دیگچیوں کے توڑنے سے مال کو ضائع کرنا لازم آتا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے کہ "جن مشکوں میں خمر ہے ان کو توڑ دیا جائے" اس کا بھی کوئی معنی نہیں ہے، کیونکہ وہ مال کو ضائع کرنا ہے اور جس کو پانی سے دھو کر پاک کرلیا جائے اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگچیوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو دھو لیا جائے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میری گود میں جو یتیم بچے ہیں ان کے لیے میں نے خمر کو خریدا ہے، تو آپ نے فرمایا: خمر کو بہا دو اور مشکوں کو توڑ دو۔ (سنن ترمذی: ۱۲۹۳)

سو یہ حدیث بھی باب مذکور کی حدیث کی بناء پر منسوخ قرار پائے گی، کیونکہ مشکوں کو دھو کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اور امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری لی اور بازار کی طرف گئے، وہاں پر مشکوں میں خمر تھی جو مشکیں شام سے لائی گئی تھیں، آپ نے چھری سے ان مشکوں کو پھاڑ ڈالا اور مجھے حکم دیا کہ میں تمام بازاروں میں جاؤں اور جہاں پر بھی کسی مشک میں خمر ہو تو اس کو پھاڑ ڈالوں تو میں نے ایسا کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۳۔۱۳۲)

مشکوں کو پھاڑنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ امام مالک نے یہ کہا کہ پانی سے مشک پاک نہیں ہوگی، کیونکہ مشک کے اندر خمر سرایت کر چکی ہے اور دوسرے ائمہ نے کہا کہ مشک بھی پاک کی جا سکتی ہے، اس کو بھی پانی سے دھویا جا سکتا ہے، کیونکہ پانی بھی اس میں سرایت کر جاتا ہے اور اس میں جو خمر سرایت کی جا چکی ہے وہ اس کو پاک کردے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں کے پکائے ہوئے گوشت کو گرانے کا حکم دیا تا کہ تحریم میں مبالغہ ہو۔اور اس سے پہلے گدھوں کا گوشت کھایا جاتا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۶ ص ۲۷۔۲۸،ملخصاً وملتقطاً،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو هُوَ ابْنُ مُرَّةَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہما كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَتَاهُ رَجُلٌ بِصَدَقَةٍ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ فَأَتَاهُ أَبِي فَقَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ،انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے سنا،وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی مرد صدقہ لے کر آتا تو آپ دعا کرتے: اے اللہ! آلِ فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما۔پس آپ کے پاس میرے والد اپنا صدقہ لے کر آئے تو آپ نے کہا: اے اللہ! ابو اوفیٰ کی آل کے اوپر صلوٰۃ نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۷، ۴۱۶۶، ۶۳۳۲، ۶۳۵۹، صحیح مسلم: ۱۰۷۸، سنن نسائی: ۲۴۵۹، سنن ابوداؤد: ۱۵۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۹۱۵)

صحیح البخاری: ۶۳۳۲،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''وَصَلِّ عَلَيْهِمْ''یعنی اے اللہ! ان پر صلوٰۃ نازل فرما،اور اس حدیث میں مذکور ہے''اے اللہ! فلاں کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما''۔

علامہ ابن التین نے کہا: یعنی فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل فرماتے تھے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور انکے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے،بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے ۝

لفظِ صلوٰۃ کے ساتھ صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے بالاستقلال دعا کی جاتی ہے۔اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے بالاستقلال لفظ صلوٰۃ کے ساتھ دعا نہیں کی جاتی بلکہ تبعاً دعا کی جاتی ہے،مثلاً کہا جاتا ہے''اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسلم،اور وہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ ابن ابراہیم ہیں۔اور اس میں مذکور ہے عمرو،وہ ابن

مرہ ہیں۔اور حضرت ابوعوفی کا نام ہے عبداللہ ،اوران کے بیٹے کا نام ہے علقمہ،اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔
یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۵۹،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۳ - حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ إِسْمَاعِیلَ عَنْ قَیْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِیرًا قَالَ قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا تُرِیحُنِی مِنْ ذِی الْخَلَصَةِ وَهُوَ نُصُبٌ كَانُوا یَعْبُدُونَهُ یُسَمَّی الْكَعْبَةَ الْیَمَانِیَةَ قُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ إِنِّی رَجُلٌ لَا أَثْبُتُ عَلَی الْخَیْلِ فَصَكَّ فِی صَدْرِی فَقَالَ اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِیًا مَهْدِیًّا قَالَ فَخَرَجْتُ فِی خَمْسِینَ فَارِسًا مِنْ أَحْمَسَ مِنْ قَوْمِی وَرُبَّمَا قَالَ سُفْیَانُ فَانْطَلَقْتُ فِی عُصْبَةٍ مِنْ قَوْمِی فَأَتَیْتُهَا فَأَحْرَقْتُهَا ثُمَّ أَتَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ وَاللّٰہِ مَا أَتَیْتُكَ حَتّٰی تَرَكْتُهَا مِثْلَ الْجَمَلِ الْأَجْرَبِ فَدَعَا لِأَحْمَسَ وَخَیْلِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی ،انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس،انہوں نے کہا: میں نے جریر سے سنا،انہوں نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھ کو ذی الخلصة سے راحت نہیں پہنچاتے؟،اور وہ ایک بت تھا جس کی لوگ عبادت کرتے تھے اور اس کا نام الکعبۃ الیمانیہ رکھا گیا تھا۔حضرت جریر نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ایسا مرد ہوں جو گھوڑوں پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور پھر دعا کی: اے اللہ! اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔حضرت جریر نے بتایا کہ میں اپنی قوم کے پچاس بہادر سواروں کے ساتھ نکلا اور بسا اوقات سفیان نے کہا کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا،پھر میں اس بت کے پاس آیا اور میں نے اس کو جلا دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! میں آپ کے پاس اسی وقت آیا ہوں جب میں نے اس کو خارش زدہ اونٹ کی طرح چھوڑ دیا،تو آپ نے میری قوم کے بہادروں اوران کے گھوڑوں کے لیے دعا کی۔

(صحیح البخاری: ۳۰۲۰، ۳۰۳۶، ۳۰۷۶، ۳۸۲۳، ۴۳۵۵، ۴۳۵۶، ۴۳۵۷، ۶۰۸۹، ۶۳۳۳، صحیح مسلم: ۲۴۷۶، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۲، سنن ابن ماجہ: ۱۵۹، مسند احمد: ۱۸۷۲۲)

صحیح البخاری: ۶۳۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احمس (بہادروں) کے لیے اوران کے گھوڑوں کے لیے دعا فرمائی" اس کا

معنی یہ ہے کہ آپ نے دعا کی: اے اللہ! احمس (بہادروں) کے اوپر صلوٰۃ نازل فرما یعنی رحمت نازل فرما اور ان کے گھوڑوں پر۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، اور وہ ابن ابی خالد الاحمسی الکوفی ہیں۔ اور ابو خالد کا نام سعید ہے اور ایک قول ہے کہ ہرمز ہے اور دوسرا قول ہے کہ کثیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس، اور وہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، اور وہ حضرت جریر بن عبداللہ الاحمسی الصحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد ''باب حرق الدور والنخیل'' میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الخلصۃ'' کا معنی

اس حدیث میں ''الخلصۃ'' کا لفظ ہے، یہ ایک بت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی تھی۔ اور القتبی نے کہا ہے: یہ ایک بت ہے یا پتھر ہے، زمانہ جاہلیت میں اس کے اوپر جانور رکھ کر ذبح کیا جاتا تھا۔

اس حدیث میں ''ذوالخلصۃ'' کا لفظ ہے، یہ خثعم کا گھر ہے جس کو کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا اور اس میں ایک گھر تھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ خلصہ کا گھر ہے، پھر اس گھر کو منہدم کر دیا گیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۴۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَسٌ خَادِمُكَ قَالَ اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انس آپ کا خادم ہے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد میں کثرت فرما۔ اور جو تو نے اس کو عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۳، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال اور اولاد کی کثرت کی دعا کی ہے اور ان کے رزق میں برکت کی دعا کی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الربیع، یہ ابوزید الہروی ہیں۔ یہ ہروی کپڑے فروخت کیا کرتے تھے تو اس لیے ان کی نسبت ہروی کی طرف ہوگئی اور یہ اہلِ کوفہ میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! انس آپ کی خدمت کرنے والے ہیں تو آپ ان کے لیے دعا کیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تین دعائیں کیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے تین دعاؤں کے معانی

پہلی دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دعا یہ کی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مال زیادہ ہو حتیٰ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بصرہ میں باغ تھا جو ہر سال دو مرتبہ پھل دیتا تھا، اور اس میں جو پھول تھے ان سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

دوسری دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے دوسری دعا یہ کی کہ ان کی اولاد زیادہ ہو، اور ان کی ایک سو بیس اولاد ہوئی۔ دوسرا قول ہے کہ اسی اولاد ہوئی جن میں سے ۷۸ مرد تھے اور ۲ بیٹیاں تھیں حفصہ اور ام عمرو۔

علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے: جب حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد ایک سو بیس تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے گرد گھومتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی اولاد میں سے ستر نفوس ہوتے تھے۔

تیسری دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تیسری دعا لمبی عمر کی فرمائی تھی، جس پر یہ دلیل ہے کہ آپ نے دعا میں کہا کہ اے اللہ! تو نے اس کو جو کچھ دیا ہے اس میں برکت عطا فرما، اور سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ ان کی عمر زیادہ ہوئی، پس ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی، اس کو امام احمد نے از معتمر از حمید روایت کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو تین (۱۰۳) سال تھی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو دس (۱۱۰) سال تھی۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو سات (۱۰۷) سال تھی۔

کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لایا ہو اور جس نے تیرے دیے ہوئے احکام کی تصدیق کی ہو اس کے مال اور اس کی اولاد میں کمی فرما۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور یہ حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کی اور اولاد کو طلب کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ مال کی کثرت سرکشی کو پیدا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ (العلق: ۶-۷)

بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۔ (التغابن: ۱۴)

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، سوان سے ہوشیار رہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال اور اولاد کی کثرت کے لیے جو دعا کر رہے ہیں وہ مال اور اولاد کے ضرر اور شر سے محفوظ رہیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۵ ۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا فِي سُورَةِ كَذَا وَكَذَا ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک مرد مسجد میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، تو آپ نے دعا کی: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۵، ۵۰۳۷، ۵۰۳۸، ۵۰۴۲، ۶۳۳۵، صحیح مسلم: ۷۸۸، سنن ابوداؤد: ۱۳۳۱، مسند احمد: ۲۴۵۴۸)

صحیح البخاری: ۶۳۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس مرد نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان آیتوں کو بھول چکا تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کے بھولنے کی نسبت کس طرح جائز ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نسیان آپ کے اختیار میں نہیں ہے اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان امور میں نسیان جائز ہے جن امور کا تعلق تبلیغ کے ساتھ نہ ہو، بشرطیکہ آپ کو اس نسیان پر برقرار نہ رکھا جائے۔ لیکن جن امور کا تعلق تبلیغ سے ہے ان میں آپ کا بھولنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ (الاعلیٰ: ۶-۷)

ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے O مگر جو اللہ چاہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۱۔ ۴۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۶۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ هَذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَغَضِبَ حَتَّى رَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ وَقَالَ يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے خبر دی از ابی وائل از حضرت عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ تقسیم کیا تو ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ سو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دی، پس آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے چہرہ میں غضب کے آثار دیکھے اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی، انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۰، ۳۴۰۵، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۶۰۵۹، ۶۱۰۰، ۶۲۹۱، ۶۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۰۶۲، مسند احمد: ۳۵۹۷)

صحیح البخاری: ۶۳۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعا ہے۔ اور اس باب میں دوسروں کے لیے دعاؤں کی احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، اور وہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو وائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے عبداللہ، وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے وجہ (چہرہ یا ذات) کا ارادہ نہیں کیا گیا"۔ یعنی اس تقسیم میں اخلاص نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ چہرہ اور جہت سے پاک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسروں کے لیے دعائیں کرنے کے متعلق دیگر احادیث

اس باب میں امام بخاری نے چھ احادیث روایت کی ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے لیے دعائیں کی ہیں۔ اور دیگر احادیث میں بھی اس کا ثبوت ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: مسلمان مرد کے پس پشت اس کے حق میں دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس کے سرہانے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ مقرر فرشتہ کہتا ہے: آمین اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۷۳۳، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل دعاء للمسلمین بظہر الغیب)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کی قبولیت بہت جلد ہوتی ہے، وہ غائب کی غائب کے لیے دعا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۳۵، سنن ترمذی: ۱۹۸۰)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ دعائیں مقبول ہوتی ہیں: (۱) مظلوم کی دعا حتیٰ کہ وہ انتقام لے لے (۲) حج کرنے والے کی دعا حتیٰ کہ وہ واپس آجائے (۳) مجاہد کی دعا حتیٰ کہ وہ جہاد سے لوٹ آئے (۴) بیمار کی دعا حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے (۵) اور ایک بھائی کی اپنے بھائی کے لیے دعا۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۴۷-۴۶، رقم الحدیث: ۱۱۲۵)

بعض متقدمین سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے دعا کرے تو اپنی ذات سے ابتداء کرے۔ ابراہیم نخعی نے کہا: جب تم دعا کرو تو اپنی ذات سے ابتداء کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کون سی دعا مقبول ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۹)

یہ تمام احادیث علامہ ابن الملقن نے اپنی شرح میں ذکر کی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۴۶-۲۴۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۰- بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّجْعِ فِي الدُّعَاءِ — مقفّی کلام کے ساتھ دعا کرنے کی کراہت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مقفّی کلام کے ساتھ دعا کرنے کی کراہت کا بیان ہے۔ اور "السجع" کا معنی ہے: ایسا کلام جو مقفّی ہو اور اس میں وزن کی رعایت نہ کی گئی ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سجع کا معنی ہے کلام کی رعایت کرنا۔ اور یہ "سجعة الحمامة" سے ماخوذ ہے جب کبوتر اپنی آواز کو بار بار دہرائے۔ اور کہا جاتا ہے: سجع اس وقت مکروہ ہے جب تکلف کے ساتھ مقفّی کلام کے ساتھ دعا کی جائے، لیکن اگر بالطبع مقفّی کلام کے ساتھ دعا کی جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ دعا میں سجع سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ سجع کو طلب کرنے میں تکلف اور مشقت ہے اور یہ خشوع سے اور اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر دعا کرنے سے مانع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ جو بہ کثرت دعائیں قافیہ بندی کے ساتھ کرتا ہو اور اس کا اکثر کلام مسجع مقفیٰ ہو تو وہ ممنوع ہے۔ اور قرآن میں بھی کلام مقفیٰ بہ کثرت ہے، اسی طرح احادیث میں بھی بہ کثرت کلام مقفیٰ ہے۔ لیکن اگر یہ کلام مقفیٰ اخلاص سے مانع نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جو شخص دعا میں سجع اور قافیہ بندی کا طالب ہوگا، وہ اپنے کلام میں ہم وزن الفاظ کو لانے کی فکر میں ہوگا، اور اس کا دل خشوع سے غافل ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کلام مقفیٰ کے ساتھ دعا کرنے سے منع کیا ہے، حالانکہ احادیث میں اس طرح کی دعائیں ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مشرکین کے خلاف دعا کی تو آپ نے کہا:

اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، اللھم اھزم الاحزاب، اللھم اھزمھم وزلزلھم۔

اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، اے اللہ! کفار کی جماعتوں کو شکست دے، اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۳، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ترمذی: ۱۶۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۶۲۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ جو تکلف سے قافیہ بندی کی جائے وہ مکروہ ہے اور اگر اتفاقاً دعا میں ہم وزن الفاظ آجائیں تو وہ مکروہ نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۰، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۳۳۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ أَبُو حَبِيبٍ حَدَّثَنَا هَارُونُ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مِرَارٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ فَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ يَعْنِي لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن محمد بن السکن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان بن ہلال ابو حبیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون المقری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزبیر بن الخریت نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا: لوگوں کے سامنے ہر جمعہ کے دن حدیث بیان کرو، اگر تم اس کا انکار کرو تو دو مرتبہ بیان کرو، اور اگر تم اور زیادہ بیان کرنا چاہو تو تین مرتبہ بیان کرو، اور لوگوں کو اس قرآن سے اکتاہٹ میں نہ ڈالو، اور میں تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ اپنی باتوں میں سے کسی باتوں میں مشغول ہوں، تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو اور ان کی باتوں

الاجتناب۔ (تحفۃ الاشراف:۶۰۹۰)۔

کو منقطع کرو تو وہ تنگ ہوں گے اور ملال میں ہوں گے۔ لیکن تم خاموش رہو، پس جب وہ تمہیں کہیں پھر تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو جب کہ انہیں حدیث سننے کا شوق ہو۔ اور دعا میں قافیہ بندی اور سجع کو دیکھو، پس اس سے اجتناب کرو، کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ رہا ہوں، وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ یعنی وہ صرف قافیہ بندی سے اجتناب کرتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۳۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن محمد بن السکن، یہ البزار ہیں۔ ان کی حدیث ''صدقۃ الفطر'' میں گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان بن ہلال، ان کی کنیت ابو حبیب الباہلی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہارون، یہ ابن موسیٰ المقری ہیں۔ یہ نحوی ہیں اور الاعور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزبیر بن الخریت، ان کی حدیث ''کتاب المظالم'' میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہر جمعہ کو حدیث بیان کرو''۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ نصیحت اور خیر خواہی کے لیے ہے اور اس کی حکمت حدیث میں بیان کر دی ہے کہ لوگوں کو ملال میں اور اکتاہٹ میں جتلا نہ کرو۔ اور لوگوں کو قرآن سے اکتاہٹ میں نہ ڈالو۔ اور جب لوگ اپنی گفتگو میں مصروف ہوں اس وقت ان کے سامنے کسی حدیث کا وعظ نہ کرو بلکہ اس وقت ان کو احادیث سناؤ جب وہ احادیث سننے کو طلب کریں اور اس کے مشتاق اور خواہش مند ہوں۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بھی افراط مکروہ ہے، کیونکہ اس سے اکتاہٹ کا خطرہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے، آپ اپنے اصحاب کو وعظ اور نصیحت کرنے میں ان کی حفاظت فرماتے تھے تاکہ صحابہ کو اکتاہٹ نہ ہو۔

(۲) حدیث بیان کرنے والے کو چاہیے کہ اس وقت حدیث بیان نہ کرے جب لوگ اپنی باتوں میں مشغول ہوں بلکہ اس وقت بیان کرے جب لوگ اس کے خواہش مند ہوں۔

(۳) حکمت اور علم کی باتوں کو ان کے سامنے نہ بیان کیا جائے جن کو ان کے سننے کی حرص نہیں ہے اور ان کو سیکھنے کا شوق نہیں ہے،

کیونکہ اس سے علم کو ذلیل کرنا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے علم کا مرتبہ بلند فرمایا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۳۔۴۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں ان فقہی مسائل کو بیان کیا ہے۔اور علامہ عینی نے وہیں سے ان مسائل کو اخذ کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجع اور مقفّٰی کلام کے ساتھ دعا کرنے کی ممانعت کی حکمت

امام غزالی نے کہا ہے: وہ سجع مکروہ ہے جس میں تکلف ہو، کیونکہ تکلف سے جو دعا کی جائے وہ اظہارِ ذلت اور گڑگڑانے کے مناسب نہیں ہے ورنہ جو دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان میں ایسے کلمات ہیں جو ایک وزن پر ہوتے ہیں لیکن ان میں تکلف نہیں ہے، جیسے یہ دعا ہے:

اعوذ بك من عين لا تدمع، ونفس لا تشبع، وقلب لا يخشع۔

میں اس آنکھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو آنسو نہ بہائے، اور اس نفس سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو سیر نہ ہو اور اس دل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔

الازہری نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مسجع کلام کے ساتھ دعا کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ کاہنوں کے کلام کے مشابہ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۱۔ بَابٌ: لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ

پورے عزم اور وثوق کے ساتھ دعا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے

۶۳۳۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ وَلَا يَقُولَنَّ اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ۔
(صحیح البخاری: ۷۴۶۴، صحیح مسلم: ۲۶۷۸، مسند احمد: ۱۱۵۶۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے خبر دی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ سوال کرے اور اس طرح ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "پورے عزم کے ساتھ سوال کرے" یعنی قطعیت کے ساتھ سوال کرے اور اس کو مشیت کے اوپر معلق نہ کرے، کیونکہ جب وہ مشیت پر معلق کرے گا تو اس میں اپنے مطلوب سے استغناء کی صورت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۳۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز اس طرح دعا نہ کرے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت کر دے، اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اسے چاہیے کہ پورے عزم کے ساتھ سوال کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۹، سنن ترمذی: ۳۴۹۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۳، مسند احمد: ۷۲۷۲، موطا امام مالک: ۴۹۴)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ پوری کوشش سے اور اصرار کے ساتھ دعا کرے۔ اس طرح دعا کرے جیسا کہ کوئی محتاج فقیر گڑگڑا کر اصرار سے دعا کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بار بار دعا کرنے اور اصرار کرنے کا بیان

اس حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے" یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کے جبر کے بغیر۔ پس مومن کو چاہیے کہ وہ جدوجہد اور کوشش سے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے مقبول ہونے کی توقع رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کیونکہ مومن کریم سے دعا کر رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں متعدد احادیث مروی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو ہرگز یہ نہ کہے "اگر تو چاہے تو مجھے عطا کرے" لیکن وہ اپنی عظیم رغبت کا اظہار کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز عظیم نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۷۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بندہ میرے ساتھ جو گمان کرتا ہے میں اس کے گمان کے ساتھ ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھے تو میں اس کی طرف دو ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۷۴۰۵، صحیح مسلم: ۲۶۷۵، سنن ترمذی: ۳۶۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۷۴۲۳)

اور ابو عاصم نے از ابن جریج از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اسی حال میں مرے جس حال میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھتا ہو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۴، صحیح مسلم: ۲۸۷۷)

امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی عبدِ مومن کو اللہ کے ساتھ حسنِ ظن سے بہتر چیز عطا نہیں کی۔ اور اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے بندہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گمان کے مطابق اس کو عطا فرماتا ہے، کیونکہ تمام خیر اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔ (موسوعہ ابن ابی الدنیا: ۸۳)

اور سفیان بن عیینہ نے کہا: کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے نہ روکے، کیونکہ تمام مخلوق میں سب سے بدتر ابلیس ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا بھی قبول فرمائی ہے، قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ (الحجر: ۳۶-۳۷)

اس نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے یوم حشر تک مہلت دے ○ فرمایا: بے شک تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے ○

سفیان بن عیینہ کے اس قول کی امام بیہقی نے شعب الایمان: ۱۱۴۷، میں روایت کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۲۵۳-۲۵۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے انتہائی رغبت اور اصرار کے ساتھ بار بار دعا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کتاب التوحید میں روایت ہے کہ اس طرح دعا نہ کرے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انتہائی عزم کے ساتھ دعا کرے اور عظیم رغبت کے ساتھ دعا کرے اور بار بار دعا کرے اور اصرار کرے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے دے، خواہ وہ امورِ دین سے متعلق سوال کرے یا امورِ دنیا سے متعلق سوال کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ علامہ ابن عبد البر نے اس ممانعت کو تحریم پر محمول کیا ہے اور علامہ نووی نے اس ممانعت کو تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۳۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کرنے کی خرابیاں

جب کوئی شخص دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف کرے تو اس میں حسب ذیل خرابیاں ہیں:

(۱) اس شخص کی دعا سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا ہے۔

(۲) اس شخص کی ایسی دعا سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس نے جو سوال کیا ہے، وہ اتنا بڑا سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دینے پر قادر نہیں ہے۔

(۳) اس شخص کی ایسی دعا سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے سوال اور دعا میں اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہے، کیونکہ وہ دعا کرتا ہے: اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرمائے اور اگر تو چاہے تو میری مغفرت کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سے اس کائنات میں کوئی مستغنی نہیں ہے۔

سوال: اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی بخارزدہ مریض سے یہ فرماتے: کوئی حرج نہیں ہے ان شاء اللہ یہ پاک کرنے والا ہے، کیا آپ کی یہ دعا اس حدیث کے معارض ہے؟

الجواب: یہ دعا اس حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان شاء اللہ فرمایا، یہ تعلیق کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اور جب کوئی شخص یہ کہے "اگر تو چاہے" تو اس میں ایک قسم کی بے ادبی ہے، اور جب وہ کہے "ان شاء اللہ" تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۰۰-۲۰۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۲- بَابٌ: يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَعْجَلْ

بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ دعا کے قبول ہونے کے لیے جلدی نہ کرے

۶۳۴۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ يَقُولُ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از ابی عبید جو مولی ابن ازہر ہیں از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ جلدی نہ کرے، پس وہ یہ کہے: میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

[صحیح مسلم: ۲۷۳۵، سنن ترمذی: ۳۳۸۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۳، مسند احمد: ۸۹۰۳، موطا امام مالک: ۴۹۵]

صحیح البخاری: ۶۳۴۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عبید، ان کا نام سعد بن عبید ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مولیٰ ابن ازہر، ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یستجاب لاحدکم مالم یعجل"۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے "یستجاب" اجابت کے معنی میں ہے، یعنی تم میں سے ہر شخص کی دعا اس وقت قبول ہوگی جب کہ وہ قبولیت کے لیے جلدی نہ کرے۔

ابن بطال نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: وہ آدمی مایوس ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے، یا وہ آدمی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرنے سے عاجز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو عطا کرنے سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔ علامہ کرمانی نے کہا:

دعا کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک تو جلدی نہ کرے اور دوسرا یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس پر سوال یہ ہے کہ آدمی یہ دونوں باتیں تو نہ کہے تو پھر اس کی دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرہ:۱۸۶) دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، تو چاہیے کہ وہ (بھی) میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں O

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جب یہ دو باتیں نہ پائی جائیں یعنی نہ تو آدمی جلدی کرے اور نہ یہ کہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی، تو پھر اس کی دعا قبول ہوگی۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں دے دیں اور ایک چیز سے مجھے منع کر دیا، اور وہ میرا یہ سوال تھا کہ میری امت کے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو ضرر نہ پہنچائیں یا ان سے جھگڑا نہ کریں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جلدی کرنا انسان کی فطرت میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء:۳۷) انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

اس لیے دعا کی قبولیت میں یہ شرط کہ انسان جلدی نہ کرے بعض احوال میں بہت مشکل ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی بعض صورتیں

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے جب تک وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے، یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اور جب تک دعا کی قبولیت میں جلدی کو طلب نہ کرے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جلدی کو طلب کرنے کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کہے کہ میں نے دعا کی اور میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پس وہ حسرت کا اظہار کرے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۵، کتاب الذکر والدعاء، باب: بیان انہ یستجاب للداعی ما لم یعجل)

اور امام اسحاق بن راہویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بندہ کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو میری دعا قبول نہیں ہوئی، یا یہ کہے کہ مجھے کسی چیز سے مستغنی نہیں کیا گیا۔ (مسند اسحاق بن راہویہ: ۳۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یعنی بندہ دعا قبول نہ ہونے سے مایوس نہ ہو۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے: بندہ اس وقت جلدی کرتا ہے جب اس کی غرض دنیا کی کسی چیز کے متعلق سوال کرنا ہو اور وہ چیز اس کو نہ ملے تو اس پر مزید دعا کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور واجب یہ ہے کہ بندہ کی غرض دعا سے صرف اللہ کے لیے ہو، اور صرف اللہ عزوجل سے اپنی احتیاج اور افتقار کو ظاہر کرنا ہو، اور وہ عبودیت سے الگ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگا رہے اور ذلت اور خشوع سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اصرار کے ساتھ اور گڑ گڑا کر دعا کی جائے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی دعا کرتا ہے اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ملتی ہے، یا تو اس کی وہ دعا قبول ہو جاتی ہے، یا اللہ تعالیٰ اس دعا کا اجر اپنے پاس ذخیرہ کر لیتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کے کسی گزشتہ گناہ کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸، الادب المفرد للبخاری: ۷۱۰، مسند ابو یعلیٰ: ۱۰۱۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۳، شعب الایمان للبیہقی: ۱۱۲۸)

اور قتادہ نے بیان کیا کہ بندہ کی وہ دعا قبول ہوتی ہے جو تقدیر کے موافق ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے بعض افراد کو دوسرے بعض افراد سے جنگ میں مبتلا نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ چیز مقرر تھی کہ امت کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ہو گا۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی دعا کو مسترد نہیں فرماتا، البتہ کبھی دعا کے قبول ہونے میں تاخیر کی وجہ کوئی مصلحت ہوتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ نے جو سوال کیا ہوتا ہے وہ اس کے حال کے مناسب نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں بندہ کو وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جو اس کے حال کے مناسب ہوتی ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو موخر کرتا ہے اور اس کے عوض میں قیامت کے دن اسے اجر عطا فرماتا ہے، سو مومن کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کو نہ چھوڑے، کیونکہ وہ دت

کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسلیم ورضا کا پیروکار ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۵۔۲۵۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۰ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبولیتِ دعا کے آداب

قبولیت دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا کرنے والا طلب کو لازم رکھے، اور دعا قبول نہ ہونے کی وجہ سے مایوس نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف افتقار اور احتیاج کو ظاہر کرتا رہے حتیٰ کہ بعض متقدمین نے کہا ہے کہ میری دعا قبول نہ ہو اس سے زیادہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میں دعا کرنے سے محروم ہو جاؤں۔ اور اس میں درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ ہے:

امام ترمذی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا، اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے۔

اور میں نے کتاب الدعاء کے اول میں لکھا ہے کہ مومن کی دعا مسترد نہیں ہوتی، جب کہ وہ قبولیت میں جلدی نہ کرے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا تو قبول نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس سے کوئی برائی اور مصیبت ٹال دیتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتا ہے جو اس کے سوال سے بہتر ہوتا ہے۔

اور آدابِ دعا میں سے یہ ہے کہ ان اوقات میں دعا کرے جو فضیلت والے اوقات ہیں اور احوال ہیں، مثلاً سجدہ میں دعا کرے، اذان کے وقت دعا کرے، دعا سے پہلے وضو کرے اور نماز پڑھے اور ہاتھوں کو بلند کرے اور اس سے پہلے توبہ کرے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرے، اور اخلاص سے دعا کرے، اور حمد اور ثناء سے نماز کی ابتداء کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ سے دعا کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۳۔ بَابُ: رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الدُّعَاءِ

دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنے کا بیان

وَقَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ: دَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرمایا اور میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: رَفَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی: اے اللہ! میں اس کاروائی سے تیری طرف بری ہوتا ہوں جو خالد نے کی ہے۔

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنا مشروع اور جائز ہے۔

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے، اور اس حدیث میں وہ طویل قصہ ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت ابوعامر اشعری کے شہید ہونے کے متعلق ہے اور یہ قصہ کتاب المغازی میں سندِ موصول کے ساتھ غزوۂ حنین میں بیان کیا جاچکا ہے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں خالد کا ذکر ہے، وہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ تعلیق بھی اس قصہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو غزوۂ بنوجذیمہ میں بھیجا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی دعوت دیں، بنوجذیمہ کے لوگ اچھی طرح یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے یا ہم نے اسلام قبول کیا، بلکہ وہ کہتے تھے "صبأنا" یعنی ہم ایک دین سے دوسرے دین میں منتقل ہوگئے، پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں اس کاروائی سے تیری طرف بری ہوتا ہوں جو خالد نے کی ہے۔

۶۳۴۱۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَشَرِيكٍ سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ۔

اور امام ابوعبداللہ نے کہا: اور الاویسی نے بیان کیا کہ مجھے محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید اور شریک، ان دونوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔

(صحیح البخاری:۱۰۳۱، صحیح مسلم:۸۹۵، سنن ابوداؤد:۱۱۷۰، سنن ابن ماجہ:۱۱۸۰، مسند احمد:۱۲۴۹۲)

صحیح البخاری:۶۳۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعبداللہ مذکور ہے، یہ خود امام بخاری ہیں۔ اور الاویسی میں اویس کی طرف نسبت ہے، یہ اوس کی تصغیر ہے، اور اوس سے مراد اوس بن حارثہ ہیں، یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے۔ اور یہ تغلب اور الازد اور خثعم میں ہے، اور الاویسی یہ اویس بن سعد بن ابی سرح کی طرف نسبت ہے حتیٰ کہ یہ غالب بن فہر کی طرف ختم ہے اور ان کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمر بن اویس القرشی العامری الاویسی المدنی ہیں۔ یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد جعفر کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر الانصاری ہیں، اور یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ الانصاری المدنی ہیں۔ اور شریک کا ذکر ہے، یہ شریک بن عبداللہ بن نمیر القرشی المدنی ہیں۔

دعا میں دونوں ہاتھوں کے بلند کرنے کی کیفیت میں علماء کا اختلاف

یہ حدیث، حدیث استسقاء کی مختصر ہے اور یہ تعلیقات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دعا میں ہاتھ بلند کرنے چاہئیں، لیکن اس میں یہ دلالت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرتے تھے یا زمین کی طرف۔ اور اس باب میں بہت اختلاف ہے۔ پس بعض علماء نے دونوں ہاتھوں کے بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، انہوں نے کہا کہ جب اللہ سے اپنی حاجت میں دعا کرے تو سبابہ (انگشتِ شہادت) سے اشارہ کرے۔

اور شعبہ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کچھ لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا تو انہوں نے کہا: یہ لوگ کس چیز کو لے رہے ہیں۔ پس اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ کسی لمبے پہاڑ کی چوٹی پر ہوں، تب بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اور حضرت جبیر بن مطعم نے ہاتھوں کے بلند کرنے کو مکروہ کہا اور حضرت شریح نے ایک مرد کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کو بلند کر رہا تھا تو آپ نے کہا: یہ کس کو لے رہا ہے، تیری ماں نہ رہے۔

اور مسروق نے ان لوگوں سے کہا جو اپنے ہاتھ کو بلند کر رہے تھے اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو کاٹ دے۔

اور قتادہ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے۔

اور بعض لوگوں نے ہتھیلیوں کے پھیلانے کو اختیار کیا ہے نہ کہ ان کے بلند کرنے کو۔ پھر اس کی صفت میں ان کا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کہا: دونوں ہاتھوں کو اپنے سینہ کے سامنے تک بلند کرے اور ہاتھوں کے بطن کو چہرہ کی طرف رکھے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب ایک شخص نے اپنے ہاتھوں کو سینہ تک بلند کیا تو یہ دعا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہتھیلیوں کے باطن سے دعا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

صالح بن کیسان از محمد بن کعب القرظی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو اس سے اپنی ہتھیلیوں کے باطن کے ساتھ سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو اور ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ کے ساتھ ملو۔

اور بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ چہرہ کے بالمقابل ہاتھوں کو بلند کیا جائے۔ یہ حضرت ابن عمر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ ہاتھوں کو بلند کیا جائے حتیٰ کہ چہرہ کے بالمقابل ہو اور ہاتھوں کی پشت ان کے چہرہ کے قریب ہو۔

اور بعض علماء نے کہا کہ ہاتھوں کے بطون کو آسمان کی طرف کرے جب رغبت سے دعا کرے اور جب خوف سے دعا کرے تو زمین کی طرف کرے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ہاتھوں کے بطون کو آسمان کی طرف ہر حال میں مطلقاً کرے۔

علامہ داؤدی نے کہا: ایک حدیث میں ہے کہ دعا کرنے والا دعا کے اخیر میں اپنے چہرہ پر ہاتھوں سے مسح کرے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: گویا کہ علامہ داؤدی نے اس حدیث کا ارادہ کیا ہے جس کو محمد بن کعب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اس کو کئی سندوں سے روایت کی ہے۔ حافظ المزی نے کہا: یہ تمام سندیں ضعیف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۶۔ ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف اور اس سلسلہ میں احادیث اور آثار

نماز کے علاوہ دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، جیسا کہ امام طبری نے کہا ہے: پس بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت میں دعا کرے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرے اور وہ کہتے تھے کہ یہی اخلاص ہے۔

اور دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا مکروہ ہے، شعبہ وغیرہ نے اور خالد نے از حصین از عمارہ بن رؤیبہ روایت کی ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر رہے تھے، تو انہوں نے اس کو سب و شتم کیا اور کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ نہیں کرتے تھے یعنی انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۸۷۴، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ، صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۵۱، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۱۰)

اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو دعا میں ہاتھوں کو بلند کر رہے تھے، تو انہوں نے کہا: یہ لوگ کس چیز کو لے رہے ہیں۔ پس اللہ کی قسم! اگر یہ کسی لمبے پہاڑ کی چوٹی پر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ کہا، اور حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کر رہے تھے تو انہوں نے کہا: تم ان ہاتھوں سے کس چیز کو لے رہے ہو تمہاری ماں نہ رہے۔

اور مسروق نے ان لوگوں سے کہا جو اپنے ہاتھ دعا میں بلند کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو کاٹ ڈالے۔ اور ابن المسیب نے دعا میں ہاتھ اٹھانے کو اور آواز نکالنے کو مکروہ قرار دیا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۳۲۵۱)

اور قتادہ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے۔ اور سعید بن جبیر نے ایک مرد کو دیکھا جو دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہا تھا تو انہوں نے کہا: ہمارے دین میں تکفیر نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب کسی آدمی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سینہ کے بالمقابل رکھا تو یہ دعا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے دعا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو اور ہتھیلیوں سے اپنے چہروں پر مسح کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۷۷۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۶)

حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا مختار یہ تھا کہ اپنے ہاتھوں کو چہروں تک بلند کریں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ عرفہ میں کھڑے ہوئے، آپ دعا کر رہے تھے اور آپ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو چہرہ کے قریب کیا اور ہاتھوں کو سینہ کے اوپر اور کندھے سے نیچے تک بلند کیا۔(مسند احمد ج ۳ ص ۸۵، رقم الحدیث:۱۱۸۰۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص ایک انگلی سے اشارہ کرے تو وہ اخلاص ہے اور جب دونوں ہاتھ سینہ تک بلند کرے تو وہ دعا ہیں۔اور جب سر سے اوپر ہاتھوں کو بلند کرے اور ہاتھوں کا ظاہر چہرہ کے قریب ہو تو وہ الابتہال ہے۔(ابتہال کا معنی ہے: شدت سے اور گڑگڑا کر دعا کرنا)۔(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۵۰، رقم الحدیث:۳۲۴۷)

اور ان کا استدلال حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

پس صحیح بات یہ ہے جیسا کہ امام طبری نے کہا ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ تمام آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں اور متفق ہیں، ان میں اختلاف نہیں ہے، اور جس طریقہ پر بھی عمل کیا جائے وہ صحیح ہے۔رہا ایک انگلی سے اشارہ کرنا تو یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ہے کہ اس میں اخلاص ہے، اور دونوں ہاتھوں کو پھیلانا یہ دعا ہے، اور دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا، یہ ابتہال ہے۔

اور عمر بن نبہان نے از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر اور باطن کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔اور ہوسکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہو، کیونکہ دعا کے احوال مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اس لیے کیا ہو کہ آپ یہ بتائیں کہ اس معاملہ میں گنجائش ہے، اور لوگوں کے لیے جائز ہے وہ جس حال میں بھی دعا کریں۔

رہی وہ حدیث جو قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استسقاء کے علاوہ اور کسی دعا میں ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔(صحیح مسلم:۸۹۵، کتاب: صلوٰۃ الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھوں کو زیادہ بلند صرف نمازِ استسقاء میں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاتھوں کو صرف سات مقامات پر بلند کیا جائے: نماز کی ابتداء میں، اور جب تم بیت اللہ کو دیکھو، اور صفا اور مروہ پر، اور میدانِ عرفات کی شام میں، اور مزدلفہ میں، اور جمرتین کے وقت۔(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۷۲، مسند الشافعی:۸۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنا بھی ثابت ہے۔جعفر بن میمون از ابی عثمان از حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب حیاء کرنے والا ہے، کریم ہے، جب کوئی بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ عطاء اور طاؤس اور مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز کے بعد ہاتھوں کے بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس وقت کہا ہے جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گڑگڑا کر دعا کرنے کے محتاج ہوں۔اس صورت میں اسی طرح ہے۔اور اگر وہ کسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف

دعا کرنے کے محتاج ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے وہ مصیبت دور کر دے، ایسی صورت میں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا امام مالک کے نزدیک مستحسن ہے۔

المدونہ میں مذکور ہے کہ امام مالک نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور ہاتھوں کے بطون زمین کی طرف تھے اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف تھی اور امام مالک نے کہا کہ اگر ہاتھوں کو بلند کیا جائے تو اس طرح کیا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خوف کی حالت میں تو اسی طرح ہے اور رغبت کی حالت میں دونوں ہتھیلیوں کے بطون کو آسمان کی طرف کرے، اور ایک قول یہ ہے کہ ہر حال میں دونوں ہاتھوں کے بطون کو آسمان کی طرف کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۵۸ ۔ ۲۶۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے کا ثبوت

بعض علماء نے دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرنے سے منع کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ اور کسی دعا میں ہاتھوں کو بلند نہیں کرتے تھے''۔ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس حدیث میں اور بعد کی احادیث میں تطبیق دی گئی ہے کہ جس حدیث میں نفی ہے وہ خاص صفت کی نفی ہے، ہاتھوں کو مطلقاً بلند کرنے کی نفی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز استسقاء میں ہاتھوں کو زیادہ بلند کرنا دوسری احادیث کے خلاف ہے۔ یا تو اس لیے کہ استسقاء میں دونوں ہاتھوں کو چہرہ کے بالمقابل بلند کیا جائے اور عام دعاؤں میں کندھوں تک ہاتھوں کو بلند کیا جائے۔ یا اس طرح کہ استسقاء میں دونوں ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوں اور دعا میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔

علامہ المنذری نے کہا ہے کہ اگر ان حدیثوں کو جمع کرنا مشکل ہو تو جن احادیث میں دعا میں رفع یدین کا ثبوت ہے، وہ نفی کی احادیث سے راجح ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جب کہ بہ کثرت احادیث دعا میں رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانے) کے متعلق وارد ہیں۔

امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث وارد کی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس عرض کیا کہ دوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، آپ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ یہ حدیث صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے اور اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو نے ہجرت کی، پھر اس شخص کا قصہ ذکر کیا جس نے ان کے ساتھ ہجرت کی اور اس میں یہ جملہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی بھی مغفرت فرما، اور آپ نے اپنے دونوں

ہاتھوں کو بلند کیا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں صرف بشر ہوں۔۔۔ الحدیث۔ اس کی سند صحیح ہے۔

اور اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ میں سے وہ ہیں جن کی امام بخاری نے اپنے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' میں روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کر رہے تھے۔

اور امام مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث کسوف کے قصہ میں روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کر رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی کسوف میں یہ دعا منقول ہے۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اہل بقیع کے لیے دعا کی اور اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ بلند کیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث فتح مکہ کے باب میں ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ دعا کر رہے تھے۔

اور صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوحمید کی حدیث ہے ابن اللتبیۃ کے قصہ میں، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور کہا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا: اے اللہ! میری امت۔

اور امام ترمذی اور نسائی اور حاکم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز آتی، ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی اور پھر یہ کیفیت منقطع ہو گئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا فرمائی۔

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا فرما رہے تھے تو آپ کی سواری لڑکھڑائی تو اس کی مہار گر گئی۔

اور امام ابوداؤد نے قیس بن سعد سے روایت کی ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور آپ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! تیری صلوات اور رحمتیں سعد بن عبادہ کی آل پر نازل ہوں۔۔۔ الحدیث، اور اس کی سند جید ہے۔ اور اس سلسلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے تتبع سے خارج از نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، وہ اچھی طرح سے یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے، وہ کہنے لگے ''صبانا صبانا'' (ہم نے دین بدل دیا) حضرت خالد نے ان کو قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کو انہوں نے ایک قیدی دیا حتیٰ کہ جس صبح کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا ذکر کیا، تب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر (دوسری روایت میں ہے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر) یہ دعا کی: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف بری ہوں۔ (صحیح البخاری: ۴۳۳۹، سنن نسائی: ۵۴۲۰)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتیوں میں سے ایک اعرابی جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے، بچے اور لوگ ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو بلند کر رہے تھے، ابھی ہم مجلس سے اٹھے نہیں تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔۔۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۱۰۲۹، سنن ابوداؤد: ۱۱۶۸، ۱۱۷۳)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ (صحیح البخاری: ۱۰۳۰، صحیح مسلم: ۸۹۵، سنن نسائی: ۱۷۴۸)

(۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابو عامر کو ایک لشکر کا امیر بنا کر اوطاس کی طرف بھیجا، ان کا مقابلہ درید بن الصمہ سے ہوا۔۔ اس حدیث کے اخیر میں ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں: جب میں لوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر حاضر ہوا، آپ ایک چارپائی پر بغیر بستر کے لیٹے تھے، آپ کی پشت مبارک اور پہلو پر چارپائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے، میں نے آپ سے اپنا اور حضرت ابو عامر کا ماجرا عرض کیا اور یہ بتایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ سے کہنا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے پانی منگوایا، وضو کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے بندہ ابو عامر کی مغفرت فرما، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے کہا: اے اللہ! قیامت کے دن اس کو اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت عطا فرمانا۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۴۳۲۳، صحیح مسلم: ۱۶۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ رقم الحدیث: ۸۱۷۸)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے خیبر پہنچے، اس وقت وہ لوگ اپنے کدال اور پھاوڑے لے کر نکل رہے تھے، جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر سمیت آپہنچے، اور انہوں نے قلعہ کی طرف دوڑنا شروع کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا کی: خیبر تباہ ہو گیا۔ بے شک ہم جس قوم کے صحن میں نازل ہوتے ہیں تو لوگوں کی کیسی صبح ہوتی ہے جن کو ڈرایا جا چکا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۱۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۳، ۱۱۱)

(۶) سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرہ اولیٰ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے، پھر نرم جگہ کا قصد کرتے، پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل قیام کرتے، پھر دونوں ہاتھ بلند کرتے، پھر اسی طرح جمرہ وسطیٰ پر کنکریاں مارتے، پھر بائیں جانب نرم جگہ کا قصد کرتے اور قبلہ کی طرف منہ کرتے اور دونوں ہاتھوں سے دعا کرتے، پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرتے اور وہاں نہ ٹھہرتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۷۵۲، سنن نسائی: ۳۰۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۰۳۲)

(۷) زہری بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرہ کی رمی کرتے جو مسجد منیٰ کے قریب ہے تو سات کنکریاں مارتے اور ہر مرتبہ رمی کے بعد اللہ اکبر کہتے، پھر آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے ٹھہر جاتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے اور طویل قیام کرتے۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۱۷۵۳، سنن نسائی: ۳۰۸۳، سنن دارمی: ۱۹۰۳)

(۸) وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ دعا کرتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔(اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔(الادب المفرد: ۶۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کر رہے تھے: میں محض بشر ہوں، تو میرا مواخذہ نہ فرمانا، میں جس مومن کو بھی اذیت دوں یا برا کہوں تو تو اس پر میرا مواخذہ نہ فرما۔

(الادب المفرد: ۶۲۵، یہ حدیث صحیح ہے)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! دوس نافرمانی کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں، ان کے خلاف دعائے ضرر کیجئے، آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کے خلاف دعائے ضرر کریں گے، آپ نے کہا: اے اللہ! دوس کو ہدایت فرما اور ان کو لے آ۔(الادب المفرد: ۶۲۶، تہذیب تاریخ دمشق ج ۷ ص ۶۶، مسند حمیدی: ۱۰۵۰)

(۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کا ایک مضبوط قلعہ کے متعلق کیا خیال ہے جو دوس کا قلعہ ہے۔ آپ نے اس کا انکار فرمایا کیونکہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقرر کر دی تھی۔ پھر حضرت طفیل نے ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی، وہ شخص بیمار پڑ گیا اور اس شخص نے بے صبری کی اور چھری سے اپنے ہاتھ کی رگیں کاٹ ڈالیں اور وہ مر گیا۔ حضرت طفیل نے اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا، انہوں نے پوچھا: تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ مجھے بتایا گیا کہ ہم اس کو ہرگز ٹھیک نہیں کریں گے جس کو تم نے خود خراب کیا۔ حضرت طفیل نے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی معاف فرما دے۔

(الادب المفرد: ۶۲۹)

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، یہ اس رات کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تھے، آپ نے کروٹ لی، چادر اوڑھی اور جوتے نکال کر اپنے قدموں کے سامنے رکھے، اور چادر کی ایک طرف اپنے بستر پر بچھا کر لیٹ گئے، تھوڑی دیر میں نیند کے خیال سے لیٹے رہے، پھر آہستہ سے چادر اوڑھی، جوتا پہنا، چپکے سے دروازہ کھولا، آرام سے باہر نکلے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا، میں نے بھی چادر سر پر اوڑھی اور ایک چادر اپنے گرد لپیٹی اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ آپ بقیع میں پہنچے اور وہاں پر طویل قیام کیا اور تین بار (دعا کے لیے) اپنے ہاتھ بلند کیے اور لوٹ آئے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۳، ۹۷۴، سنن نسائی: ۲۰۳۶، مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۱)

(۱۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حیادار کریم ہے، جب کوئی شخص اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو نامراد لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۵، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۵، ۴۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۸، کتاب الدعاء للطبرانی ص ۸۴، رقم الحدیث: ۲۰۲)

(۱۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں دونوں ہاتھ بلند فرماتے تو جب تک اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر تے نہیں تھے ان کو نیچے نہیں کرتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۳۹۸)

(۱۵) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے حیا فرماتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور اس کے ہاتھوں میں کچھ نہ رہے۔

(سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۵، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۳۱۴، کتاب الدعا للطبرانی: ۲۰۲)

(۱۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور ہاتھوں کی پشت دونوں سے سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۸۷)

(۱۷) سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے اور اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرتے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۹۲)

(۱۸) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی آواز سنائی دیتی، ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی، ہم کچھ دیر ٹھہرے رہے اور جب وہ کیفیت ختم ہوگئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ دے اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں عزت دے اور ہمیں ذلت سے بچا اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر اور ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی کر اور ہم سے راضی رہ۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۳۱۷۳، سنن کبریٰ للنسائی: ۱۴۳۹، مسند احمد: ۲۲۳، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۵)

(۱۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ ستر قاریوں کی شہادت کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ بلند کر کے ان کے قاتلوں کے خلاف دعائے ضرر کرتے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۱)

(۲۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دو آدمیوں کے خلاف دعا کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۷۲۴)

(۲۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخلاص اس طرح ہے، آپ نے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا اور یہ دعا ہے، آپ نے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کیے اور یہ ابتہال ہے اور پھر آپ نے اور زیادہ ہاتھ بلند کیے۔ (کتاب الدعا للطبرانی: ۲۰۸)

(۲۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگِ احزاب کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی تو آپ نے چادر پھینک دی اور بغیر (اوپر کی) چادر کے کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ خوب بلند کر کے دعا کی۔

(اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشر ج: ۶۹۴۳)

(۲۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں کھڑے ہوئے اس طرح دعا کر رہے تھے، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتیوں تک بلند کیے اور ہتھیلیوں کو زمین کی جانب رکھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸، سنن نسائی: ۳۰۱۷)

(۲۴) حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کا سوال کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنی جانب رکھتے اور جب کسی چیز سے پناہ طلب کرتے تو اپنے ہاتھوں کی پشت کو اپنی جانب رکھتے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۵۶، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۲۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میدانِ عرفات میں دعا کرتے ہوئے دیکھا، آپ کے دونوں ہاتھ سینہ کی جانب تھے جیسے کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو۔ (المعجم الاوسط: ۲۹۱۳)

(۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے حتیٰ کہ میں ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے اکتا جاتی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۵، اس کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۲۷) حضرت ابو برزہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے حتیٰ کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔ (مسند ابو یعلیٰ: ۷۴۴۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۸)

(۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ (مسند البزار: ۳۱۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۸)

(۲۹) حضرت یزید بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ آئے حتیٰ کہ آپ نے المریطاء کے نزدیک قرن پر قیام کیا۔ اس وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے دعا کر رہے تھے۔

(المعجم الاوسط: ۸۹۱۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

(۳۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب حیاء کرنے والا کریم ہے، جب مرد اس کی طرف دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرتا ہے تو اس کو اس سے حیاء آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے اور ان میں کوئی خیر نہ ہو، پس جب تم میں سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ بلند کرے تو یہ تین بار کہے "یا حی یا قیوم لا الٰہ الا انت یا ارحم الراحمین"۔ پھر اپنے چہرے پر خیر کو انڈیل دے (یعنی اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیرے)۔ (المعجم الکبیر: ۱۳۵۵۷)

(۳۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تنگ دستی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور اللہ تعالیٰ سے فراخی کا سوال کرو۔ (المعجم الکبیر: ۳۸۴۳)

(۳۲) حضرت خلاد بن السائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو چہرہ تک بلند کرتے۔ (المعجم الکبیر: ۱۱۸۵)

(۳۳) حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۲، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹)

(۳۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیت اللہ کو دیکھو، جب صفا اور مروہ پر ہو اور جب میدانِ عرفات میں ہو، اور جب مزدلفہ میں ہو اور جب شیطان پر کنکریاں مارو اور جب نماز قائم کرو تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا۔

(المعجم الاوسط: ۱۷۰۹)

(۳۵) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم جو بات بھی کرتا ہے وہ لکھ لی جاتی ہے، جب وہ کوئی خطا کرے اور اس پر توبہ کرنا چاہے تو اسے بلند ہونے والا نور لانا چاہیے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرے اور یہ کہے کہ میں اس خطا سے توبہ کرتا ہوں اور میں یہ دوبارہ کبھی نہیں کروں گا تو اس کی وہ خطا بخش دی جائے گی جب تک کہ وہ اس خطا کو دوبارہ نہ کرے۔ (کتاب الدعاء للطبرانی: ۲۰۷)

۲۴۔ بَابُ: الدُّعَاءِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ — قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر دعا کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دعا کرنے والے کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو تو پھر بھی دعا کرنا جائز ہے۔

۶۳۴۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا فَتَغَيَّمَتِ السَّمَاءُ وَمُطِرْنَا حَتَّى مَا كَادَ الرَّجُلُ يَصِلُ إِلَى مَنْزِلِهِ فَلَمْ تَزَلْ تُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ فَقَامَ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا فَقَدْ غَرِقْنَا فَقَالَ اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَقَطَّعُ حَوْلَ الْمَدِينَةِ وَلَا يُمْطِرُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن محبوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، تو ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم پر بارش نازل فرمائے۔ پس آسمان پر بادل آ گئے اور ہم پر بارش ہوئی حتیٰ کہ قریب تھا کہ کوئی مرد اپنے گھر تک نہ پہنچ سکے، پھر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، پھر وہی مرد کھڑا ہوا یا کوئی دوسرا، سو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم سے اس بارش کو پھیر دے، پس ہم تو غرق ہو گئے۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد نازل فرما، ہم پر نازل نہ فرما۔ پھر بادل مدینہ کے گرد پھٹتے رہے اور اہلِ مدینہ پر بارش نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری: ۹۳۲، ۹۳۳، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۲۹، ۱۰۳۳، ۳۵۸۲، ۶۰۹۳، ۶۳۴۲، صحیح مسلم: ۸۹۷، سنن نسائی: ۱۵۱۵، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۴، مسند احمد: ۱۲۶۰۴)

صحیح البخاری: ۶۳۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غیر قبلہ کی طرف دعا کرنے کا ثبوت

اس حدیث سے باب کے عنوان پر استدلال کی دلیل یہ ہے کہ خطیب کے لیے یہ جائز ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے، اور یہ منقول نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو مرتبہ دعا کی تو آپ نے گھوم کر قبلہ کی طرف منہ کر لیا۔ اور کتاب الاستسقاء میں گزر چکا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کے اخیر میں ہے کہ یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر پلٹی اور نہ قبلہ کی طرف منہ

کیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابُ: الدُّعَاءِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والا جب دعا کرے تو قبلہ کی طرف منہ کرے۔

۶۳۴۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى هَذَا الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَدَعَا وَاسْتَسْقَى ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از عباد بن تمیم از عبداللہ بن زید، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عیدگاہ کی طرف گئے بارش کو طلب کرنے کے لیے، پس آپ نے دعا کی اور بارش کو طلب کیا، پھر آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنی چادر کو پلٹا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰۵، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۶۳۴۳، صحیح مسلم: ۸۹۴، سنن ترمذی: ۵۵۶، سنن نسائی: ۱۵۱۱، سنن ابوداؤد: ۱۱۶۷، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۷، مسند احمد: ۱۵۹۹۹، موطا امام مالک: ۴۴۸، سنن دارمی: ۱۵۳۳)

صحیح البخاری: ۶۳۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قبلہ کی طرف دعا کے بعد منہ کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ جب آپ نے دعا کا ارادہ کیا تو قبلہ کی طرف منہ کیا اور چادر کو پلٹا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کے متعلق دیگر احادیث

امام مسلم اور امام ترمذی نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، جب غزوہ بدر کا دن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا، پھر قبلہ کی طرف منہ کیا، پھر اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے، پھر اپنے رب سے دعا کی۔۔۔الحدیث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کیا اور قریش کی جماعت کے خلاف آپ نے دعا کی۔۔۔الحدیث۔۔۔اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

عبدالرحمن بن طارق از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یعلیٰ کے مکان سے نکلے تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ ذوالبجادین کی قبر کے پاس دیکھا، پس جب آپ اس کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور آپ نے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا۔ اس حدیث کی امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۲۔ ۴۰۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۶۔ بَابُ: دَعْوَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِخَادِمِهِ بِطُولِ الْعُمُرِ وَبِكَثْرَةِ مَالِهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خادم کے لیے لمبی عمر اور کثرت مال کی دعا کرنے کا بیان

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کا بیان ہے کہ آپ نے ان کے لیے لمبی عمر اور کثرت مال کی دعا کی۔

۶۳۴۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَتْ أُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ خَادِمُكَ أَنَسٌ ادْعُ اللهَ لَهُ قَالَ اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ (حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا: یارسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کیجئے، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت کر دے، اور جو کچھ تو نے اس کو دیا ہے اس میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۰، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک اعتراض کا جواب

اس باب کے عنوان میں لمبی عمر کا بھی ذکر ہے، حالانکہ حدیث میں لمبی عمر کی دعا کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کے لیے یہ دعا کی کہ جو (حضرت) انس (رضی اللہ عنہ) کو عطا فرمایا ہے اس میں برکت نازل فرما، یہ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، اور اس میں دعا کرنا لمبی عمر کو شامل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض دیگر سندوں کے ساتھ اس حدیث میں یہ روایت ہے، آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کی حیات

لمبی کر، اس کو امام بخاری نے الادب المفرد میں ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی الاسود کا ذکر ہے، اور یہ عبداللہ بن محمد بن ابی الاسود ہیں۔ اور ابوالاسود کا نام حمید بن الاسود ہے جو عبدالرحمٰن بن مہدی البصری الحافظ کے بھانجے ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۹۔ ۴۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے لمبی عمر کی دعا کی توجیہ

اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے لمبی عمر کے لیے دعا کی۔ اگرچہ دوسری سندوں کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کثرتِ ولد کی دعا کی اور کثرتِ اولاد متعدد سالوں میں ہوتی ہے۔ پس کثرتِ اولاد کی دعا کرنا اس کو مستلزم ہے کہ ان کی عمر لمبی ہے۔

نیز آپ نے یہ بھی دعا کی کہ جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس میں برکت نازل فرما، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر بھی عطا کی تھی۔ اور عمر میں برکت کی دعا اس کو مستلزم ہے کہ ان کی عمر لمبی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کا بیان

رہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مال کی کثرت تو ان کی کھجوریں ایک سال میں دو مرتبہ پھل دیتی تھیں۔ اور رہا ان کی اولاد کی کثرت تو حضرت انس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جو اس وقت تک فوت نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنی پشت سے ایک سو نرینہ اولاد کو دیکھ لیا۔ اور خود حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حجاج بن یوسف جب بصرہ آیا تو اس وقت تک میں ایک سو اور کچھ اولاد کو دفن کر چکا تھا۔ اور حجاج بن یوسف ۷۵ھ میں بصرہ آیا تھا۔ اور اس کے آنے کے بعد جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوئی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے تھی۔ اور رہی ان کی عمر تو وہ ایک سو سے زائد سال تھی۔

عمر کی طوالت پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ کہو کہ لمبی عمر کی دعا کا کیا معنی ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ عمر کی مدت میں نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کمی ہوتی ہے بلکہ وہ اتنی ہی رہتی ہے جتنی عمر اس کی اس وقت لکھ دی گئی تھی جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح لکھتا ہے کہ اگر اس کے بندہ نے اس کی اطاعت کی اور اس سے ڈرتا رہا اور گناہوں کو ترک کیا تو اس کی عمر اتنی ہوگی ورنہ اس سے کم ہوگی۔ اور اس کی وضاحت درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌۙ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِۙ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّىؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (نوح: ۲۔۴)

(نوح) نے کہا: اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں O کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو O وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا، بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا، کاش تم جانتے O

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو تمہاری زندگی کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے گا، اور اگر تم نے نافرمانی کی تو اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے کہ ان کی عمر کی کیا مقدار ہوگی۔

علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: اسی کی مثل وہ روایت ہے کہ صدقہ تقدیرِ مبرم کو ٹال دیتا ہے اور دعا مصیبت کو دور کر دیتی ہے، حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مرد اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوتا ہے، پھر وہ اگر صدقہ کر دے تو اس سے وہ سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

اور اس کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ خفیہ طور پر صدقہ دینا رب تبارک وتعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۴۲۱، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۱ ص ۲۸۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۵، شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۴)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول کی جگہ ہوتا ہے، اور جب صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب زائل ہو جائے تو عذاب بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو دعا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتی ہے اور کوئی مصیبت آسمان سے نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اس دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو زائل کر دیتا ہے، اور ان تمام چیزوں کے متعلق قلم تقدیر لکھ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ صدقہ کرے گا یا دعا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنے غضب کو زائل کر دے گا اور مصیبت کو ٹال دے گا۔

اور اس حدیث کے اندر غنی کی فقیر پر فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال کی کثرت کی دعا کی اور ہم ان شاء اللہ اس بحث کو دوبارہ کتاب الرقاق میں ذکر کریں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۶۷۔ ۲۶۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے طویل عمر کی دعا کی توجیہ

اس حدیث میں لمبی عمر کی دعا کا ذکر نہیں ہے، تو امام بخاری نے عنوان میں لمبی عمر کی دعا کا ذکر کیسے کیا؟

بعض شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ان کے لیے کثرتِ اولاد کا ذکر ہے، اور کثرتِ اولاد طول عمر کو مستلزم ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی ملازمہ نہیں ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کی عام عادت یہ ہے کہ جب اولاد کثیر ہوتی ہے تو عمر زیادہ ہوتی ہے لیکن بہتر جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو الادب المفرد میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں کہ انس آپ کا خادم ہے، آپ اس کے لیے دعا نہیں فرماتے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال میں کثرت کر، اس کی اولاد میں کثرت کر، اس کی حیات لمبی کر اور اس کی مغفرت فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد کی کثرت کا بیان

اور ان کی اولاد کی کثرت کا بیان یہ ہے کہ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ کی قسم! میرا مال کثیر ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج ایک سو سے زیادہ ہیں۔ اور کتاب الطب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ مجھے میری بیٹی امینہ نے خبر دی کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری پشت سے ایک سو بیس اولاد مدفون ہو چکی ہیں۔ اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحابہ میں سب سے زیادہ اولاد تھی۔ اور علامہ ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ بصرہ میں تین مرد ایسے تھے جو اس وقت تک نہیں فوت ہوئے حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد سے ایک سو مرد دیکھ لیے جو ان کی پشت سے پیدا ہوئے تھے: حضرت ابوبکرہ، حضرت انس اور حضرت خلیفہ بن بدر اور بعض علماء نے چوتھے کا ذکر بھی کیا ہے اور وہ معلق بن ابی صفرہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مال کی کثرت کا بیان

اور مال کی کثرت کا بیان یہ ہے: امام ترمذی نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے باغ میں ہر سال دو مرتبہ پھل لگتے تھے اور ان کے پھلوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کے طول کا بیان

اور رہا ان کی عمر کا طویل ہونا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر نو سال تھی اور ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو تین سال ہوئی۔ یہ خلیفہ کا قول ہے اور یہی معتبر ہے۔ اور ان کی عمر کے متعلق جو زیادہ سے زیادہ روایت ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی عمر ایک سو اور سات سال تھی اور کم سے کم عمر کی روایت یہ ہے کہ ان کی عمر ۹۹ سال تھی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۷ - بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الْكَرْبِ — غم اور پریشانی کے وقت دعا کرنا

کرب کا معنی ہے: ایسا غم جو انسان کو اپنی گرفت میں لے اور پریشانی۔

۶۳۴۵ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے

الله عنهما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو عِنْدَ الْكَرْبِ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از ابی العالیہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ غم اور پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے:
''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عظیم ہے اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، اور عرش عظیم کا رب ہے''۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۶، ۷۴۲۱، ۷۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۳۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۳، مسند احمد: ۲۰۱۲)

صحیح البخاری: ۶۳۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ ابن ابوعبداللہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالعالیہ، یہ ''العلو'' سے ماخوذ ہے، ان کا نام رفیع الریاحی ہے۔

سندِ مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام بخاری کی اس سند میں قتادہ کا ذکر ہے، اور قتادہ مدلس ہیں کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کتاب الطہارۃ میں ابوخالد الدالانی کی حدیث کے بعد لکھا ہے از قتادہ از ابی العالیہ، شعبہ نے کہا کہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے چار حدیثوں کا سماع کیا ہے: (۱) یونس بن متی کی حدیث (۲) حضرت ابن عمر کی حدیث کتاب الصلوٰۃ میں (۳) اور حدیث القضاۃ ثلاثۃ (۴) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ''میرے نزدیک کچھ مرد پسندیدہ ہیں''۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری کے نزدیک یہ حصر معتبر نہیں ہے، کیونکہ شعبہ مدلسین میں سے کسی سے روایت نہیں کرتے تھے سوا اس صورت کے کہ اس مدلس نے اپنے شیخ سے سماع کیا ہو۔ اور اس حدیث کی شعبہ نے قتادہ سے روایت کی ہے، اس لیے امام بخاری نے اس حدیث کو اپنے عنوان کے آخر میں وارد کیا ہے جس مقام پر یہ کہا کہ وہب نے بیان کیا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ اسی کی مثل جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی ﷺ کرب کے وقت یہ دعا کرتے تھے'' یعنی جب پریشانی نازل ہوتی تو آپ یہ دعا کرتے تھے۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے اور پریشانی کے وقت یہ کلمات پڑھتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا الٰہ الا اللہ العظیم الحلیم'' یہ کلمات توحید کے اوپر مشتمل ہیں۔ اور یہ ان تنزیہات کی اصل

ہے جن کا نام اوصافِ جلالیہ رکھا گیا ہے۔ اور اس میں عظمت کا ذکر ہے جو قدرتِ عظیمہ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عاجز عظیم نہیں ہوتا۔ اور اس میں حلم کا ذکر ہے جو علم پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو کسی چیز سے جاہل ہو اس سے حلم متصور نہیں ہوتا۔ اور علم اور حلم صفاتِ وجودیہ حقیقیہ کی اصل ہیں جن کا نام اوصافِ اکرامیہ رکھا گیا ہے۔ اور اس دعا میں حلیم کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مومن کا غم اور پریشانی غالباً اطاعت میں کسی قسم کی تقصیر کی وجہ سے ہوتا ہے، یا کسی حال میں عبادت سے غافل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کی امید ہے جس سے غم کم ہو جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کلمات ذکر ہیں نہ کہ دعا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر سے دعا کو شروع کیا جاتا ہے تا کہ پریشانی دور ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رب السمٰوٰت والارض" اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا اور پوری کائنات کا رب ہے لیکن ان کلماتِ دعائیہ میں آسمانوں اور زمینوں کے ذکر کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ہمارے مشاہدات میں سب سے عظیم چیز آسمان اور زمین ہیں۔

لغت میں رب کا معنی مالک، سید، تدبیر کرنے والا، پالنے والا، نعمت پوری کرنے والا اور نعمت دینے والا ہے۔ رب کا لفظ مطلقاً اسی وقت بولا جاتا ہے جب اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر پر رب کا اطلاق کیا جائے تو کہا جائے گا: فلاں چیز کا رب۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "رب العرش العظیم" یہ کلماتِ دعائیہ بھی توحید اور ربوبیت پر مشتمل ہیں اور عرش کی عظمت کو متضمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنیٰ میں سے رب کے لفظ کو اس لیے خاص فرمایا ہے کہ پریشانی کو دور کرنے کے لیے اور غم کو ٹالنے کے لیے رب کا لفظ بہت مناسب ہے، کیونکہ یہ تربیت کا مقتضی ہے۔

اور عرش کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ عالم کے تمام اجسام میں سب سے عظیم ہے اور تمام چیزیں عرش کے نیچے داخل ہیں جیسے ادنیٰ، اعلیٰ میں داخل ہوتا ہے۔ پھر لفظِ عظیم عرش کی صفت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۹۔ ۴۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ وَقَالَ وَهْبٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام از ابو عبد اللہ از قتادہ از ابو العالیہ، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غم اور پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے:

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عظیم اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو آسمانوں کا رب ہے اور زمینوں کا رب ہے اور عرشِ کریم کا رب ہے"۔

اور وہب نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ اسی

حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۶، ۷۴۲۶، ۷۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۳۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۳، مسند احمد: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۶۳۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور کی دوسری سند ہے۔ پہلی سند کے ساتھ حدیث میں "رب العرش العظیم" ہے۔ اور دوسری سند کے ساتھ "رب العرش الکریم" ہے۔ اور کریم کا معنی ہے کہ وہ کیفیت کی جہت سے حسن ہے اور ذات اور صفت کے لحاظ سے ممدوح ہے۔ اور حدیث سابق میں عرش کی صفت عظیم ہے، وہ باعتبار مقدار کے ہے، یعنی اس کی جسامت بہت بڑی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ حدیث مذکور میں دعا کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا ذکر ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دعا سے پہلے اس طرح کے دعائیہ کلمات کہنے چاہئیں جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے وہ کلمات ہوں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ الاعمش نے النخعی سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا ذکر کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور جب حمد و ثناء سے پہلے دعا کرے تو اس دعا کے مقبول ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اس طرح تنبیہ کی ہے: جب تم کو کسی امیر یا حاکم سے اپنے اوپر ظلم کا خطرہ ہو تو یہ دعا کرو: اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور عرش عظیم کے رب! میرے لیے فلاں سے پناہ ہو جا اور جنات اور انسانوں میں سے اس کے معاونین سے پناہ ہو جا کہ وہ میرے اوپر کوئی زیادتی کریں یا مجھ پر کوئی سرکشی کریں، جب تم یہ دعا کرو گے تو اللہ عز و جل تم کو اس سے پناہ میں رکھے گا اور وہ تمہیں کوئی ناپسندیدہ ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

دعائے مذکور کی برکات اور ثمرات

حسین مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں کون سا ذکر زیادہ کرتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا: آپ یہ ذکر کرتے تھے "لا الٰہ الا اللہ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر وللہ الحمد" پھر مجھ سے سفیان نے کہا: یہ ذکر ہے اور اس میں دعا نہیں ہے، پھر مجھ سے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے: جب بندہ مجھ سے سوال کرنے کے بجائے میری حمد و ثناء کرنے میں مشغول ہو تو میں اس کو ان سے زیادہ عطا کرتا ہوں جس کا سائلین سوال کرتے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے مجھے یہ حدیث بیان کی اور ابن مہدی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: مجھے ابوبکر رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں اصفہان میں شیخ ابونعیم کے پاس تھا اور ان سے حدیث لکھتا تھا اور وہاں ایک اور شیخ بھی تھے جو ابوبکر بن علی کے نام سے معروف تھے اور تمام شہر والے انہی سے فتوے لیتے تھے۔ بعض شہر والوں نے ان سے حسد کیا اور ان کے خلاف سلطان سے شکایت کی، سلطان نے ان کو قید کرنے کا حکم دیا اور یہ رمضان کے مہینہ کا واقعہ ہے۔ ابوبکر رازی نے بیان کیا: پس میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں طرف تھے اور آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے اور مسلسل تسبیح پڑھ رہے تھے، پس مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر بن علی سے کہو کہ وہ دعائے کرب کو پڑھیں جو صحیح البخاری میں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پریشانی کو دور کردے، پس میں صبح کو ان کے پاس آیا اور ان کو اپنے خواب کی خبر دی، انہوں نے وہ دعا کی اور چند دن کے بعد ان کو قید سے نکال دیا گیا۔ پس اس خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بخاری کی اس کتاب کی صحت کی خبر دی ہے اور جبریل علیہ السلام کے سامنے دی ہے اور شیطان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں متمثل ہو جائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی حسین مروزی کی روایت سے ابوبکر بن علی کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۷۵۔ ۲۷۶، ملخصاً و ملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابوبکر بن علی کے واقعہ کے فوائد اور مسائل

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے مظلومین کے احوال پر مطلع فرمایا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مظلوم کسی مصیبت میں مبتلاء ہو، اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ کو اس مصیبت کے دور کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح البخاری کے ابواب اور اس کی احادیث پر مطلع ہیں اور اپنی امت کو ان احادیث کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف صحیح البخاری کے ابواب اور احادیث پر مطلع نہیں تھے بلکہ آپ احادیث کے رواۃ اور ان کی ثقاہت پر بھی مطلع تھے اور امت کو اس پر آگاہ فرماتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احادیث کے رواۃ پر مطلع ہونا اور امت کو اس سے آگاہ فرمانا

امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
ہمیں سوید بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اور حمزہ الزیات نے ابان بن ابی عیاش سے تقریباً ایک ہزار احادیث کا سماع کیا۔ علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میری ملاقات حمزہ سے ہوئی تو

انہوں نے مجھے خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے سامنے ابان بن ابی عیاش سے سنی ہوئی احادیث کو پیش کیا، تو آپ نے ان میں سے صرف چند احادیث کو پہچانا، وہ پانچ یا چھ احادیث تھیں۔

(مقدمہ امام مسلم: ۸۰، صحیح مسلم: ص ۲۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمن نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابونعیم احمد بن محمد بن ابراہیم البزار نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحامد بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالازہر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی حکیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، انہوں نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کی امت میں ایک مرد ہے جس کو سفیان ثوری کہا جاتا ہے تو وہ کیسا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا بأس بہ" یعنی اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر (تفسیر سورۃ الاسراء)، ج ۳ ص ۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان دو مستند حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حدیث کے راویوں پر بھی تھی اور ان کے ضعف اور قوت کو بھی آپ پہچانتے تھے اور امت کو اس سے آگاہ بھی فرماتے تھے۔

کرب اور مصیبت کے وقت صرف اللہ کو یاد کرنے اور اس سے مدد طلب کرنے کی تعلیم اور تلقین

نیز صحیح البخاری میں جو کرب اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تعلیم اور تلقین ہے، اس میں زیادہ اہمیت کے ساتھ یہ ہدایت ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرنا چاہیے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ اور یہ کہ مصیبت اللہ کا نام لینے سے ہی ٹلتی ہے، اس لیے بندہ کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور یاد کرتا رہے اور اسی سے لو لگائے رکھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہی تعلیم تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مشن تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت کی: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(ابن ابی عاصم فی السنۃ: ۳۱۶، سنن ترمذی: ۲۵۱۶، المعجم الطبرانی: ۱۲۹۸۸، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۴۲۵، شعب الایمان للبیہقی: ۱۹۵، الآجری فی الشریعۃ ص ۱۹۸، مسند عبد بن حمید: ۶۳۶، العقیلی فی الضعفاء: ج ۳ ص ۵۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۰۷۳، مسند ابو یعلیٰ: ۱۰۹۹، تاریخ بغداد، ج ۱۴ ص ۱۲۵، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۹، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۹، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصیبت اور پریشانی دور کرنے کے لیے دیگر دعاؤں کے متعلق احادیث

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو

ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جب تم ان کلمات کو پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے گا حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کیے ہوئے ہو، (وہ کلمات یہ ہیں:) ''لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم ،لا الٰہ الا اللہ العلی العظیم، سبحان اللہ رب السموٰت السبع ورب العرش الکریم ،الحمد للہ رب العالمین''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲۹۳۴۶)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے دعائے کرب کے باب میں اپنی سند کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت زدہ کے لیے یہ دعائیہ کلمات فرمائے:

اللھم رحمتك ارجوا ،فلا تکلنی الی نفسی طرفة عین، واصلح لی شانی کلہ، لا الٰہ الا انت۔

اے اللہ! میں تیری رحمت سے امید رکھتا ہوں ،تو مجھے پلک جھپکنے کی مقدار بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر، اور میرے تمام احوال کی اصلاح فرما، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۲۹۱۴۵)

امام احمد نے سندِ جید کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تعلیم دی کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو میں یہ دعا کروں: ''لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ وتبارك اللہ رب العرش العظیم ، الحمد للہ رب العالمین''۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۹۱)

نیز امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انصار صحابہ میں سے ایک مرد تھا جس کی کنیت ابو معلق تھی اور وہ تاجر تھا، اس کو چوروں نے پکڑ لیا اور اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، اس انصاری نے کہا: مجھے اجازت دو میں چار رکعت نماز پڑھ لوں، انہوں نے کہا: پڑھ لو، اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا کی:

یاودود یاودود، یا ذالعرش المجید، یا فعالا لما ترید، اسألك بعزتك التی لا ترام، وملکك الذی لا یضام ، وبنورك الذی ملأ ارکان عرشك ان تکفینی شر ھذا اللص یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی۔

اے محبت کرنے والے، اے محبت کرنے والے، اے عرشِ مجید کے مالک! اے وہ جو اپنے ہر ارادہ کے متعلق کام کرتا ہے، میں تیری عزت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو کبھی جھکتی نہیں ہے، اور تیرے ملک کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اس میں کبھی کمی نہیں ہوتی۔ اور تیرے اس نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کے پایوں کو بھر لیا کہ تو اس چور کے شر سے مجھے کافی ہو جا، اے مدد کرنے والے میری مدد فرما، اے مدد کرنے والے میری مدد فرما، اے مدد کرنے والے میری مدد فرما۔

پس اچانک ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں مارنے کا آلہ لے کر آیا اور اس نے چور کو قتل کر دیا، اس انصاری نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ اس نے کہا: میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں، جب تو نے دعا کی تو آسمان والوں نے تمہاری فریاد سنی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اس چور کے قتل پر مامور کردے، سو اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پس جان لو کہ جس نے چار رکعت نماز پڑھی اور پھر یہ دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جائے گی خواہ وہ مصیبت زدہ ہو یا غیر مصیبت زدہ ہو۔

(مجابو الدعوۃ ص ۶۳، رقم: ۴۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۷۱ - ۲۷۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مصیبت کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی تلقین

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے، اسی سے سوال کرنا چاہیے، اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔ ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں اور اپنے مصائب میں اور اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے۔ ہر چند کہ نمازوں کے بعد اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتے ہیں لیکن وہ رسمی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، اخلاص سے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں، اسی سے سوال کریں، اسی سے دعا کریں، اسی سے مدد چاہیں۔ اور ہر پیش آمدہ مصیبت اور آفت میں اللہ تعالیٰ کو پکاریں، جیسا کہ مسند احمد اور سنن ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس حدیث کا پورا متن اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کو یاد رکھو تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو سو اللہ سے سوال کرو، اور جب تم مدد طلب کرو، سو اللہ سے مدد طلب کرو۔ اور جان لو کہ پوری امت اگر تمہیں کسی چیز پر نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں کسی چیز کا نفع نہیں پہنچا سکتی سوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر پوری امت تمہیں ضرر پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتی، سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ضرر لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے لکھ کر خشک ہو گئے ہیں۔

(ابن ابی عاصم فی السنۃ: ۳۱۶، سنن ترمذی: ۲۵۱۶، المعجم للطبرانی: ۱۲۹۸۸، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۴۲۵، شعب الایمان للبیہقی: ۱۹۵، الآجری فی الشریعۃ ص ۱۹۸، مسند عبد بن حمید: ۶۳۶، العقیلی فی الضعفاء: ج ۳ ص ۵۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۴۱ - ۵۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۰۷۳، مسند ابو یعلیٰ: ۱۰۹۹، تاریخ بغداد، ج ۱۴ ص ۱۲۵، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۹، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور اس سے دعا کرنے کی وجہ سے مصیبت ٹلنے کے متعدد واقعات

امام ابن ابی الدنیا نے "کتاب الفرج بعد الشدۃ" میں عبد الملک بن عمیر سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ولید بن عبد الملک نے عثمان بن حبان کو لکھا کہ الحسن بن الحسن (رضی اللہ عنہما) کو پکڑو اور ان کو سو کوڑے مارو، اور لوگوں کے سامنے پیش کرو، پھر حضرت حسن بن حسن کو بلایا گیا تو حضرت علی بن حسین (حضرت زین العابدین) ان کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: اے میرے چچا کے بیٹے! آپ مصیبت ٹلنے کی دعاؤں کو یاد کریں اور پڑھیں، اللہ تعالیٰ آپ سے مصیبت ٹال دے گا۔ تو حضرت الحسن بن الحسن

(رضی اللہ عنہما) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ الفاظ کہے (لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم، لا الہ الا اللہ رب السماوات والارض و رب العرش الکریم) حضرت الحسن بن الحسن (رضی اللہ عنہما) نے وہ کلمات پڑھے تو ان کی طرف عثمان بن حبان نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: میں دیکھتا ہوں کہ اس مرد کے خلاف جھوٹ بولا گیا ہے، ان کا راستہ چھوڑ دو اور میں عنقریب امیر المومنین (ولید بن عبدالملک) کو ان کا عذر لکھ کر بھیج دوں گا، سو حضرت الحسن بن الحسن (رضی اللہ عنہما) کو رہا کر دیا گیا۔

امام نسائی اور امام طبری نے از الحسن بن الحسن بن علی (رضی اللہ عنہم) روایت کی ہے، کہ جب حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو ان سے فرمایا: اگر تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو تم یہ دعا کرنا: "لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم، سبحان اللہ رب العرش العظیم، الحمد للہ رب العالمین" ۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حجاج بن یوسف نے مجھے بلایا تو میں نے یہ دعا پڑھی تو حجاج نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں بلایا تھا اور اس وقت میں تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا لیکن اب تم مجھے روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہو۔ اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ اپنی حاجت بیان کیجئے۔

اور اسی قبیل سے امام ترمذی کے سوا باقی اصحاب السنن نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات کی تعلیم نہ دوں جن کو تم مصیبت نازل ہونے کے وقت پڑھو؟ (وہ کلمات یہ ہیں) "اللہ، اللہ ربی، لا اشرك به شیئا" (یعنی اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتی)۔

امام طبری نے از ابوالجوزاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی کی مثل بیان کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اور اس حدیث کو امام ابن حبان نے از حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

مصیبت زدہ کی دعاؤں میں سے یہ بھی ہے:

اللھم رحمتك ارجو فلا تکلنی الی نفسی طرفة عینی، واصلح لی شانی کله لا اله الا انت۔

اے اللہ! میں تیری رحمت سے امید رکھتا ہوں، تو مجھے پلک جھپکنے کی مقدار بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر، اور میرے تمام احوال کی اصلاح فرما، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۵، ملخصاً و ملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ

مصیبت کی مشقت سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مصیبت کی مشقت سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، جَہد اور جُہد دونوں کا معنی مشقت ہے۔ جب بھی انسان کو شدید مشقت اور ایسی مصیبت پہنچے جسے برداشت کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو اور وہ از خود اس مصیبت کو دور کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ "جهد البلاء" ہے یعنی مصیبت کی مشقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے جهد البلاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: مال کا کم ہونا اور عیال کا زیادہ ہونا یہ جهد البلاء ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۴۷ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي سُمَيٌّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ قَالَ سُفْيَانُ الْحَدِيثُ ثَلَاثٌ زِدْتُ أَنَا وَاحِدَةً لَا أَدْرِي أَيَّتُهُنَّ هِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سمی نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مصیبت کی مشقت کے حصول اور بدبختی کے حصول اور بری قضاء سے اور دشمنوں کی خوشی سے پناہ طلب کرتے تھے۔ سفیان نے کہا: حدیث میں تین چیزیں ہیں اور میں نے ایک کا اضافہ کر دیا، اور میں از خود نہیں جانتا کہ وہ اضافہ شدہ ان تین چیزوں میں سے کون سی چیز ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۱۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۷، سنن نسائی: ۵۴۹۲، مسند احمد: ۷۳۰۸)

صحیح البخاری: ۶۳۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سمی، یہ مولیٰ ابوبکر بن عبدالرحمٰن المخزومی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے ابوصالح، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ پناہ طلب کرتے تھے'': اکثر احادیث میں اسی طرح ہے اور مسدد نے از سفیان اپنی سند کے ساتھ اس کی لفظِ عمرو کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ہے ''تعوذوا'' یعنی تم مصیبت کی مشقت وغیرہ سے پناہ طلب کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور آپ ''درک الشقاء'' سے پناہ طلب کرتے تھے'': ۔ ''درک'' کا معنی ہے: ادراک اور لحوق، یعنی کسی چیز کو پانا اور اس کا حصول۔ اور ''شقاء'' کا معنی ہے: شدت، اور تنگی اور یہ سعادت کی ضد ہے یعنی بدبختی۔ اور اس کا اطلاق اس سبب پر کیا جاتا ہے جو ہلاکت کی طرف پہنچائے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ ''درک الشقاء'' کی دو قسمیں ہیں، ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔

اسی طرح ''سوء القضاء'' یعنی بری تقدیر، یہ بھی عام ہے نفس میں اور مال میں اور اہل میں اور خاتمہ میں اور آخرت میں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ''سوء القضاء'' سے پناہ طلب کرتے تھے۔ قضاء سے مراد ہے المقضی، یعنی اللہ تعالیٰ

نے جس چیز کا حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حسن ہے، اس کے کسی حکم میں برائی نہیں ہے۔ علماء نے قضاء اور قدر کی تعریف میں بیان کیا ہے کہ قضاء کا معنی ہے: ازل میں کلیات کا بطورِ اجمال حکم کرنا۔ اور قدر کا معنی ہے: ان کلیات کی جزئیات کے وقوع پر بطور تفصیل کے حکم لگانا۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر:۲۱) اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں O

اس آیت میں ''خزائنہ'' کا لفظ ہے، یہ خزانہ کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، یا اس جگہ انسان اپنی چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کے اسباب جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں، عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس خزانہ سے مراد بارش ہے، کیونکہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کو رزق کی فراہمی بھی بارش کے ذریعہ ہوتی ہے۔ بارش سے سبزہ اگتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، جس میں انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب کے لیے غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سال سب جگہ یکساں بارش نازل نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت سے کسی جگہ کم بارش نازل فرماتا ہے، کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ بالکل بارش نازل نہیں فرماتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''و شماتة الاعداء'' اس کا معنی ہے کہ دشمنوں کی خوشی پر غم ناک ہونا اور جب دشمن اس کے غم پر خوش ہوں تو اس سے دل میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور بہت زیادہ قلق ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ہے۔

اور تعوذ کے یہ کلمات جامعہ ہیں، کیونکہ مصیبت یا تو مبدأ کی جہت سے ہوگی اور وہ بری تقدیر ہے۔ یا معاد کی جہت سے ہوگی اور وہ بدبختی کا حصول ہے، کیونکہ حقیقی بدبختی وہی ہے جو آخرت میں بدبختی ہو یا دنیا کی زندگی کے اعتبار سے مصیبت ہوگی یا دوسروں کی وجہ سے ہوگی یا اس کے اپنے نفس کی وجہ سے ہوگی۔ اگر دوسروں کی وجہ سے ہو تو وہ دشمنوں کا خوش ہونا ہے۔ اور اگر اپنے نفس کی وجہ سے ہو تو وہ جهد البلاء ہے یعنی مصیبت کی مشقت ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے سفیان، اور یہ سفیان بن عیینہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اور یہ تعلیق اسی سند کے ساتھ موصول ہے۔

سفیان نے کہا کہ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے اور میں نے اس میں ایک چیز کا اضافہ کر دیا تو یہ چار ہو گئیں۔ اور میں از خود نہیں جانتا کہ وہ چوتھی چیز ان میں سے کون سی ہے۔ یعنی جس چوتھی چیز کا میں نے اضافہ کیا وہ کونسی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: سفیان بن عیینہ کے لیے یہ کس طرح جائز ہوا کہ وہ اپنے کلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ساتھ ملا دیں اس طرح کہ ان دونوں میں فرق نہ کیا جا سکے؟

پھر انہوں نے یہ جواب دیا کہ انہوں نے اس طرح نہیں ملایا کہ ان پر وہ تین معین چیزیں مشتبہ ہو گئی ہیں۔ اور انہوں نے جان

...کہ یہ تین چیزیں چار چیزوں میں سے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اس روایت کی تحقیق کے لیے چار کا ذکر کیا۔ کیونکہ وہ اضافہ شدہ چیز ان ...سے خارج نہیں تھی۔

اور امام بخاری نے کتاب القدر میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں ان چاروں چیزوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا ہے اور اس میں کسی تردد اور شک کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ اس میں کسی زیادتی یا کمی کا ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۱-۴۷ ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ عینی کی مذکور شرح، علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح سے ماخوذ ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۷۷-۲۷۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۷ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"درک الشقاء" اور "سوء القضاء" کا معنی

"درک الشقاء" کا معنی ہے کہ مجھے بدبختی لاحق ہو، اور "شقا" سعادت کی ضد ہے۔ اور "سوء القضاء" سے ہوسکتا ہے یہ مراد ہو کہ جو قضاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاحق ہوتی ہے، کیونکہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اگرچہ برائی کے اسباب ہم مہیا کرتے ہیں لیکن وہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہوتا ہے، اور قضاء وہی ہے جو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے "ہم اپنے نفسوں کے شرور سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں"۔

"شماتۃ الاعداء" کا معنی

"شماتۃ الاعداء" کا معنی یہ ہے کہ ہمیں جو مصائب اور تکلیفیں پہنچتی ہیں، ہمارے دشمن ان پر خوش ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے تو ان کے دشمن اس سے خوش ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کرنے کے لیے آئے اور بیت اللہ تک پہنچے اور طواف کرنے لگے تو کفار قریش پردوں کے پیچھے سے دیکھ رہے تھے اور صحابہ کو سب وشتم کر رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ عنقریب تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے رکن یمانی تک رمل کریں یعنی بھاگ بھاگ کر چلیں، اور دو رکنوں کے درمیان عام رفتار سے چلیں، تو رمل تمام چکروں میں نہیں تھا بلکہ حجر اسود سے رکن یمانی تک تھا، لیکن حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں چکروں میں رمل کیا اور حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۱۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابُ: دُعَاءِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "اللهم الرفيق الاعلیٰ" کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ دعا کی: "اللهم الرفيق الاعلیٰ" اور "الرفيق الاعلیٰ" پر نصب ہے، اس کا معنی ہے میں نے "الرفيق الاعلیٰ" کو اختیار کیا، یا میں "الرفيق الاعلیٰ" کو اختیار کرتا ہوں یا ارادہ کرتا ہوں۔

علامہ داؤدی نے کہا: "الرفيق الاعلیٰ" جنت ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ "الرفيق الاعلیٰ" سے مراد ہے انبیاء علیہم السلام کی جماعت جو اعلیٰ علیین میں رہتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷ ۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۴۸۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى قُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا وَعَلِمْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيحٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى۔

(صحیح البخاری: ۴۴۳۷، صحیح مسلم: ۲۴۴۴، مسند احمد: ۲۴۰۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے اور عروہ بن الزبیر نے اہل علم کے مردوں کے درمیان خبر دی، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تندرست تھے تو آپ فرمار ہے تھے کہ کسی نبی کی ہرگز روح قبض نہیں کی جاتی حتیٰ کہ اسے اس کا جنت میں ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری آئی اور آپ کا سر میرے زانو پر تھا تو ایک ساعت کے لیے آپ پر غشی طاری ہوئی پھر آپ کو ہوش آیا، پھر آپ کی نظر چھت کی طرف لگ گئی، پھر آپ نے دعا کی "اللهم الرفيق الاعلیٰ" میں نے (دل میں) کہا اب آپ ہم کو اختیار نہیں کریں گے، اور میں نے جان لیا کہ یہ وہ حدیث ہے جو آپ ہمیں تندرستی کی حالت میں بیان کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہ آخری بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی "اللهم الرفيق الاعلیٰ"۔

صحیح البخاری: ۶۳۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عفیر، وہ سعید بن محمد بن عفیر المصری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، اور وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''فی رجال من اھل العلم''یعنی سعید بن المسیب نے اور عروہ بن زبیر نے اس حدیث کو اس وقت بیان کیا جب اہل علم کی ایک جماعت اس حدیث کو سن رہی تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''ثم یخیر''یعنی آپ کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ آپ جنت میں اپنے ٹھکانہ کی طرف منتقل ہو جائیں یا دنیا کی زندگی کو اختیار کریں۔نیز اس حدیث میں مذکور ہے''فلما نزل به''یعنی جب آپ پر وفات کا وقت آ گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۴۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الرفیق الاعلیٰ'' کی دعا کا رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہونا

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے''اے اللہ! الرفیق الاعلیٰ''اور یہ نہیں کہا: رفیق الاعلیٰ کے لیے دعا کا باب۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سمجھا ہو کہ اس دعا کی مثل صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ اسم تفضیل ہے اور وہ انتہائی بلندی پر دلالت کرتا ہے، اور انتہائی بلندی صرف رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے اور اولوالعزم کے لیے ہے۔پس جب انسان کوئی ایسی دعا کرے گا جو دعا صرف رسولوں کے لیے ہوتی ہے تو ایسی دعا کے اندر حد سے تجاوز ہوگا، کیونکہ ہم بتا چکے ہیں دعا میں تجاوز یہ ہے کہ انسان ایسی چیز کو طلب کرے جو جائز نہ ہو۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ شرعاً متعذر ہو، یا تقدیراً متعذر ہو۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے یہ ارادہ نہ کیا ہو لیکن یہ بیان کیا ہو کہ اس امت میں سب سے پہلے جنہوں نے رفیق اعلیٰ کی دعا کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اس بناء پر واجب ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد عموماً اہل جنت ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور انسان رفیق اعلیٰ کی دعا کرے تو پھر اس سے مراد یہ ہوگا کہ وہ عموماً اہل جنت کی دعا کرتا ہے۔

عام مومنین کے لیے''الرفیق الاعلیٰ''کے مرتبہ کی توجیہ

شیخ ابن عثیمین نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ جب''الرفیق الاعلیٰ''سے اسم تفضیل کا قصد کیا جائے تو یہ رسولوں کا مرتبہ ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول کا مرتبہ جنت میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے بھی اس مرتبہ کو پائیں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت بالا خانوں سے ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح چمک دار ستارہ افق میں دیکھا جاتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب ہیں یا انہوں نے کہا کہ شہداء کے مراتب ہیں اور ان کے علاوہ دوسرا نہیں پا سکتا۔آپ نے فرمایا: نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ وہ مرد ہیں

جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، اور یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے درجہ میں ہوں گے بلکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے درجات نہیں ہیں، بلکہ ان لوگوں کے درجات ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، اور انبیاء علیہم السلام کے درجات اس سے بہت بلند ہیں، اور علو مطلق جنت میں رسولوں کے سوا اور کسی کے لیے نہیں ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وفات کے وقت شدت طاری کرنے کی حکمت

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات کے وقت شدت پیش آئی تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوئی، اور آپ نے سکرات الموت (موت کی سختیوں) میں شدت کو محسوس کیا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر کے سبب سے بلند درجات کو پالیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صبر کرنے والوں سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرتے ہیں، پس آپ رات کو قیام کرتے حتیٰ کہ آپ کے مبارک پاؤں میں ورم آجاتا، اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی معصیت سے اپنے آپ کو روکنے کے لیے صبر کیا، اور کارِ رسالت میں جو تکلیفیں آپ نے اٹھائیں، ان پر صبر کیا۔ آپ نے قریش کی اذیت پر صبر کیا۔ اور تقدیر میں آپ کے لیے جو مشکلات لکھی ہوئی تھیں ان پر صبر کیا، کیونکہ آپ کو عام انسانوں کی بہ نسبت دگنا بخار چڑھتا تھا، اور موت کے وقت آپ پر سختی اور شدت کی گئی، اور یہ سب اس لیے تھا تا کہ آپ صبر کرنے والوں میں سب سے بلند درجہ کو پالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کے سردار ہیں، اور صبر بہت بلند درجہ ہے اور وہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر شدت اور سختی کی گئی، پھر صالحین پر، پھر جوان کے قریب ہیں اور پھر جوان کے قریب ہیں۔ اور جب انسان اس مسئلہ پر غور کرے گا تو اس پر دنیا کی مشکلات آسان ہو جائیں گی اور مصیبتیں سہل ہو جائیں گی، کیونکہ وہ یہ جان لے گا کہ ان مشکلات اور مصائب پر صبر کی وجہ سے بلند درجہ کو پالے گا۔ اور "الرفیق الاعلیٰ" سے مراد انبیاء علیہم السلام کا درجہ ہے یا خود انبیاء علیہم السلام ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ (النساء:٦٩)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں ○

(شرح صحیح البخاری، ج ٦ ص ٢١٣، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٣٠- بَابُ: الدُّعَاءِ بِالْمَوْتِ وَالْحَيَاةِ — موت اور حیات کی دعا کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ موت کی دعا کرنا مکروہ ہے، اور عنوان میں مذکور ہے "اور حیات کی" یعنی جب بندہ کے لیے حیات شر ہو تو پھر حیات کی دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٢ ص ٤٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٦٣٤٩- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عَنْ قَيْسٍ قَالَ أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا قَالَ لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، (انہوں نے کسی بیماری کی وجہ سے گرم لوہے سے) اپنے جسم پر سات داغ لگوائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۳۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

باب کے عنوان میں موت اور حیات دونوں کے لیے دعاؤں کا ذکر ہے، اور اس میں ابہام ہے۔ اور حدیث نے اس ابہام کو اٹھالیا اور بتایا کہ یہاں پر موت کی دعا کرنے کی کراہت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور قیس کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، اور وہ ابن الارت بن جندلہ مولیٰ خزاعہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے (گرم لوہے سے) سات داغ لگوائے ہوئے تھے''۔ یعنی ان کے پیٹ میں کسی قسم کا درد تھا، اس کو زائل کرنے کے لیے لوہا گرم کر کے سات داغ لگوائے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں تو لوہے سے داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ داغ لگوانے سے شفاء ہوتی ہے لیکن جس کا یہ اعتقاد ہو کہ شفاء دینے والا اللہ عزوجل ہے تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یا ممانعت اس کے لیے ہے جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر ہو اور جو کوئی اور دوا کے حصول پر قادر نہ ہو تو وہ اگر گرم لوہے سے داغ لگوائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۔ ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا فِي بَطْنِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہوں نے اپنے پیٹ

پر (گرم لوہے سے) سات داغ لگوائے ہوئے تھے، پس میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۳۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو ابھی مسدد سے روایت کی گئی ہے، اور امام بخاری نے اس حدیث کا محمد بن المثنیٰ کی سند سے اعادہ کیا ہے، کیونکہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے پیٹ پر داغ لگوائے ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۱ـ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا لِلْمَوْتِ فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن عُلَیَّہ نے خبر دی از عبد العزیز بن صہیب، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز اس تکلیف کی وجہ سے جو اس پر آئی ہو موت کی تمنا نہ کرے، پس اگر اس نے ضرور موت کی تمنا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے، اور مجھ کو اس وقت موت دینا جب موت میرے لیے بہتر ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۱، ۶۳۵۱، ۷۲۳۳، صحیح مسلم: ۲۶۸۰، سنن ترمذی: ۹۷۱، سنن نسائی: ۱۸۲۰، سنن ابو داؤد: ۳۱۰۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۵، مسند احمد: ۱۱۵۶۸)

صحیح البخاری: ۶۳۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے": یہ خطاب صحابہ کرام کو ہے اور مراد صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد کے مسلمان بھی ہیں۔ اس حدیث میں مذکور ہے "اس تکلیف کی وجہ سے جو اس کو پہنچی ہے": یہ مرض کو بھی شامل ہے اور دوسری چیزیں جو تکلیف کی اقسام سے ہیں ان کو بھی شامل ہے۔

آیا موت کی تمنا کرنا منسوخ ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں مصیبت نازل ہونے کے وقت موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی تھی:

تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (یوسف:۱۰۱) مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا ۝

اور اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی:

وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (النمل:۱۹) اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے ۝

اور اس باب کی حدیث صحیح البخاری: ۵۶۷۴ میں مذکور ہے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے"۔ اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی ہے۔ اور اس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقارن ہو گئی تھی اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان کاملین کے درجات کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے، وہ ضعیف ہے۔ اس حدیث کی روایت معمر نے از علی بن زید کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی تمنا کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ از سلمہ بن ابی زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی تمنا نہ کرو، کیونکہ موت کی ہولناکی شدید ہے اور مرد کی سعادت اس میں ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔ امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد اللہ بن قیس روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل نیک ہوں۔

(سنن ترمذی: ۲۳۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۷)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھے ہوں، پھر اس نے کہا: لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر طویل ہو اور عمل برے ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۳۰)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حارثہ بن مضرب سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انہوں نے اپنے پیٹ میں لوہے سے داغ لگوایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: میرے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک پر بھی جتنے مصائب نہیں آئے جتنے مصائب مجھ پر آئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجھے ایک درہم بھی میسر نہ تھا، اور اب میرے گھر کی ایک جانب میں چالیس ہزار درہم ہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع نہ کیا ہوتا یا کہا: ہمیں موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ (سنن ترمذی: ۹۷۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

حدیث مذکور کی فقہ

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: اس باب کا حکم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی مصیبت کے نازل ہونے کے وقت وہ موت کی تمنا کرے، اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ جب ان کے لیے موت میں خیر ہو تو اس وقت ان پر موت آئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے موت کی دعا کی، سو یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان حضرات نے اس وقت یہ دعا کی جب موت مقارن ہو گئی تھی اور ان کی مراد یہ تھی کہ ہمیں صالحین کے درجات کے ساتھ ملا دے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اور شاید مراد یہ تھی کہ جب تو مجھے وفات عطا کرے تو ایسا کرنا۔ سو یہ دعا ہے، تمنا نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی کہ مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو موت کا اختیار دیا گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن متحقق ہو گئی تھی، کیونکہ فرشتے آپ کے پاس یہ بشارت دینے کے لیے آئے تھے کہ آپ کی اپنے رب کے ساتھ ملاقات ہو گی اور اللہ نے جو آپ کے لیے نعمتیں تیار فرمائی ہیں ان سے آپ ملاقات کریں گے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب اور تکلیف نہیں ہو گی۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت کی تمنا کا قصہ یہ ہے کہ معمر نے از الحسن از سعید بن ابی العاص روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک رات دیکھ رہا تھا، آپ البقیع میں گئے اور یہ صبح کا وقت تھا، میں بھی آپ کے پیچھے گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میری بصارت کمزور ہو گئی ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ میری رعیت میں انتشار ہو گا تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے دراں حالیکہ میں نہ عاجز ہوں اور نہ ملامت کیا ہوا۔

زہری نے کہا از ابن المسیب ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۱۵)

اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۸۔ ۳۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت یوسف اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے موت کی تمنا نہیں کی بلکہ خاتمہ بالخیر کی دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۳۵۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی دعاء کرنے سے ممانعت کی حکمت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ''تم میں سے کسی شخص کو جب کوئی بیماری یا تکلیف آئے تو وہ اس پر موت کی دعا نہ کرے، کیونکہ کبھی اس تکلیف میں اس کے دین اور دنیا میں اس کے لیے خیر ہوتی ہے'' یا تو اس تکلیف کی وجہ سے اس کے گزشتہ گناہ جھڑ جاتے ہیں اور وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بوڑھے شخص سے کہا جس کی آپ نے اس کے مرض میں عیادت کی اور اس کو بخار چڑھا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، ان شاء اللہ یہ بخار تمہیں پاک کرنے والا ہے، اور کبھی اس شخص کے لیے مرض میں کئی منافع ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نفع یہ ہے کہ اس مرض کی وجہ سے وہ شخص گناہوں سے باز رہتا ہے جب کہ وہ صحت کی حالت میں وہ گناہ کرتا تھا۔ یا اس تکلیف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے بدن اور مال سے اس کی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔ پس اللہ عزوجل اپنے بندہ مومن کے حال کو خوب جاننے والا ہے، پس بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مرض میں اور صحت میں راضی رہے اور تقدیر پر تہمت نہ لگائے۔ اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بہ نسبت اس کے حال کو زیادہ جاننے والا ہے اور مرض کی وجہ سے تنگ ہو کر اور دنیا کی مشکلات کی وجہ سے موت کا سوال نہ کرے۔

موت کی دعا کے جواز کی وجوہ

(۱) جب انسان کو یہ خطرہ ہو کہ وہ ایسے فتنہ میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے اس کا دین ضائع ہو جائے گا تو اس وقت اس کے لیے موت کی تمنا کرنا مباح ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اپنی طرف اس حال میں اٹھالینا کہ میں فتنہ میں مبتلاء نہ ہوں۔

(۲) جب انسان کو یہ خطرہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں وہ ان کو کما حقہ ادا نہیں کر سکے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا اس کے لیے مشکل ہوگا اور وہ ضعیف ہو تو وہ موت کی دعا کر سکتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی، میری قوت کمزور ہوگئی اور میری رعیت منتشر ہے، تو مجھے اس حال میں اپنی طرف اٹھالے کہ میں اپنے حقوق کو ضائع کرنے والا نہ ہوں اور نہ اس میں کمی کرنے والا ہوں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ اگر ان کی عمر لمبی ہوگئی اور ان کا ضعف زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں وہ ان کو ادا نہیں کر سکیں گے اور اپنی رعیت کے امور کو انجام نہیں دے سکیں گے اور جس سال انہوں نے یہ دعا کی اس سال ان کی عمر ساٹھ سال تھی یا اس کے لگ بھگ تھی، اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کیا، جب انہوں نے چالیس سال کی عمر میں اپنے لیے موت کا سوال کیا، کیونکہ زندہ رہنے کی صورت میں خطرہ تھا کہ حالات متغیر ہو جائیں گے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۵۔۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۱۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلصِّبْيَانِ بِالْبَرَكَةِ وَمَسْحِ رُءُوسِهِمْ

بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے کا بیان

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: وُلِدَ لِي غُلَامٌ وَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْبَرَكَةِ.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا لڑکا پیدا ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے برکت کی دعا کی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنے کا بیان ہے، یعنی ان کی نشوونما عمدہ طریقہ سے ہو اور وہ توفیق پر اور شرف پر قائم رہیں۔ برکت کا لفظ "برك البعير" سے ماخوذ ہے جب اونٹ کو ایک جگہ پر بٹھا دیا جائے اور وہ اس جگہ پر لازم رہے۔ اور برکت کا اطلاق زیادتی اور اضافہ پر بھی ہوتا ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اصل اول ہے۔

امام بخاری نے عنوان میں بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں درج ذیل حدیث ہے:

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کے ہاتھ کے نیچے اس یتیم کے سر کے جتنے بال آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان بالوں کے برابر اس کے لیے نیکیاں لکھ دے گا۔ اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

اور امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ہے عبداللہ بن قیس الاشعری۔ اور یہ تعلیق حدیث موصول کی ایک طرف ہے جو کتاب العقیقہ میں گزر چکی ہے اور ان کے لڑکے کا نام ابراہیم تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷-۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از الجعد بن عبدالرحمٰن، انہوں نے کہا: میں نے حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بھانجے کے سر میں درد ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پیا۔ پھر میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دو کندھوں کے درمیان آپ کی مہرِ نبوت کو دیکھا جو چھپر کٹ (مسہری) کی گھنڈی (بٹن) کی شکل تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰، ۳۵۴۰، ۳۵۴۱، ۵۶۷۰، ۶۳۵۲، صحیح مسلم: ۲۳۴۵، سنن ترمذی: ۳۶۴۳)

صحیح البخاری: ۶۳۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حاتم، ان کا نام ہے ابن اسماعیل الکوفی، یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجعد، ان کو الجعید بھی کہا جاتا ہے، یہ ابن عبدالرحمن بن اوس الکندی ہیں اور ان کو التیمی المدنی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے السائب، یہ لفظ سَیِّب کا اسمِ فاعل ہے، یہ ابن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الزِر" یہ قمیص کے ازرار میں سے ایک ہے۔ اور اس سے مراد ہے بٹن۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "الحجلة" یہ وہ مسہری ہے جو دلہن کے لیے تیار کی جاتی ہے اور اس کے چاروں طرف کپڑے کے پردے لٹکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کے کونوں میں ایک قسم کے بٹن ہوتے ہیں جن سے ان پردوں کو ٹانکا ہوا ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۔ ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مہرِ نبوت کا معنی اور مفہوم

اس حدیث میں مہرِ نبوت کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ چیز ہے جو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا، قاضی بیضاوی نے کہا: خاتم النبوۃ آپ کے دو کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے، کتب متقدمہ میں اس کی صفت بیان کی گئی ہے اور مہرِ نبوت اس بات کی علامت ہے کہ آپ وہی نبی ہیں جس کا آسمانی کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔

مہرِ نبوت کے متعلق متعدد روایات

اس حدیث میں بیان ہے کہ آپ کی مہرِ نبوت چھپرکٹ کی گھنڈی کی مثل تھی، اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں مہرِ نبوت کو دیکھا، وہ کبوتر کے انڈے کی طرح تھی۔

(صحیح مسلم: ۲۳۴۴، الرقم المسلسل: ۵۹۷۰، سنن ترمذی: ۳۶۴۳، شمائل ترمذی: ۱۷، مسند احمد ج ۵ ص ۹۰، ۹۵، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۷، المعجم الکبیر: ۱۹۰۸۔ ۱۹۱۸، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۶۷)

عمر بن اخطب انصاری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو زید! قریب آؤ اور میری پشت پر ہاتھ پھیرو، میں نے آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو میری انگلیاں مہرِ نبوت پر تھیں، راوی نے پوچھا: مہرِ نبوت کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: وہ بالوں کا گچھا تھا۔ (شمائل ترمذی: ۲۰، مسند احمد ج ۵ ص ۷۷۔ ۳۴۱، صحیح ابن حبان: ۶۰۹۶، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۶)

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مہرِ نبوت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ آپ کی پشت میں ابھرا ہوا گوشت کا ٹکڑا تھا۔ (شمائل ترمذی: ۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۶۹)

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں گھوم کر آپ کے پیچھے آ گیا، آپ سمجھ گئے کہ میرا کیا ارادہ ہے، آپ نے اپنی پشت سے چادر گرا دی تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ملی ہوئی انگلیوں کے مجموعہ کی طرح مہر نبوت دیکھی، اس کے گرد تل تھے، وہ چنے کے برابر متے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۴۶، الرقم المسلسل: ۵۹۷۳، شمائل ترمذی: ۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۸۳۔۸۲)

۶۳۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عَقِيلٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ هِشَامٍ مِنَ السُّوقِ أَوْ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ عُمَرَ فَيَقُولَانِ أَشْرِكْنَا فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی ایوب نے حدیث بیان کی از ابی عقیل، انہیں ان کے دادا عبداللہ بن ہشام بازار سے لے جاتے تھے یا بازار کی طرف لے جاتے تھے، پس وہ غلہ خریدتے، پھر ان سے حضرت ابن الزبیر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوتی، وہ دونوں ان سے کہتے: ہمیں بھی شریک کرلو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے برکت کی دعا کی تھی، پس وہ ان کو شریک کر لیتے، پھر بسا اوقات ابن ہشام (نفع میں) پوری سواری حاصل کرتے اور اس کو اپنے گھر کی طرف بھیج دیتے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۰۱، ۲۵۰۲، ۶۳۵۳، ۷۲۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۵)

صحیح البخاری: ۶۳۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب المصری اور سعید بن ابی ایوب القضاعی المصری، اور ابوایوب کا نام مقلاص ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعقیل، ان کا نام زہرہ بن معبد ہے، یہ عبداللہ بن ہشام القرشی التیمی کے بیٹے ہیں جو بنو تیم بن مرہ سے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کیا ہے اور ان سے ان کے پوتے زہرہ مذکور نے حدیث روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۶۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلب معاش کے لیے بازار میں جانا چاہیے اور برکت جہاں سے بھی ملے اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

(۲) اس حدیث میں ان جاہل اور بناوٹی زاہدوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ معاش کو طلب کرنا مذموم ہے۔

(۳) جو بچہ شارع علیہ السلام سے کسی حدیث کو بھی یاد رکھے وہ صحابی ہے۔

(۴) اس حدیث میں تجارت کو طلب کرنے کا ثبوت ہے اور شرکت کے سوال کا بھی ثبوت ہے۔

۶۳۵۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمود بن الربیع نے خبر دی اور یہ وہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے چہرہ میں ان کے کنوئیں سے کلی کی تھی اور یہ اس وقت لڑکے تھے۔

(صحیح البخاری: ۷۷، ۱۸۹، ۸۳۹، ۱۱۸۵، ۶۳۵۴، ۶۴۲۲ سنن ابن ماجہ: ۶۶۰، مسند احمد: ۲۳۱۰۹)

صحیح البخاری: ۶۳۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بہ ظاہر یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنا، لیکن بچے کے منہ پر شفقت سے کلی کرنا ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنے کے قائم مقام ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہوگئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ بن عمر القرشی العامری الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، یہ ابن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ لڑکے تھے، یعنی محمود بن ربیع کم عمر بچہ تھے۔ حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ انہوں نے چار سال یا پانچ سال کی عمر میں اس واقعہ کو یاد رکھا اور یہ ۹۶ ھ میں فوت ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

لعابِ دہن کی فضیلت

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمود بن ربیع کے منہ پر کلی کی تھی اور کلی کا مطلب ہے اپنا لعابِ دہن کسی چیز پر ڈالنا۔ اور پانی کی فضیلت کے کئی مراتب ہیں۔ دنیا کے پانیوں میں زمزم کا پانی بہت افضل ہے اور اس سے بھی افضل کوثر و تسنیم جنت کے دریاؤں کا پانی ہے۔ اور اس سے بھی افضل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن ہے۔ اور اس سے بھی افضل وہ پانی ہے جو کئی مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا۔

لعابِ دہن کے ثمرات اور برکات

رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعابِ دہن کئی صحابہ کرام کو عطا فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زہر خوردہ ایڑھی پر لعابِ دہن لگایا تو اس سے زہر کا اثر جاتا رہا۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعابِ دہن لگایا وہ جڑ گئی، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ پر لعابِ دہن لگا کر اس کی جگہ پر واپس رکھ دی تو وہ پہلے سے بہتر روشن ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لعابِ دہن لگایا تو اس کو شفاء ہوگئی۔ اس طرح کی اور بھی نظائر ہیں۔

۶۳۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُو لَهُمْ فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا، سو آپ ان کو دعا دیتے۔ پس ایک بچہ کو لایا گیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگا کر اس کپڑے کے اوپر بہا دیا اور اس کو (زیادہ شدت سے) نہیں دھویا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲، ۵۴۶۸، ۶۰۰۲، ۶۳۵۵، صحیح مسلم: ۲۸۶، سنن نسائی: ۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۵۲۳، مسند احمد: ۲۵۲۴۰، موطا امام مالک: ۱۴۲)

صحیح البخاری: ۶۳۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الطہارۃ کے باب بول الصبیان میں امام مالک کی دو سندوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے "فاتبعہ" یعنی آپ نے اس کے بعد اس پر پانی بہایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فائدہ:

امام شافعی اور امام احمد، یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے اور جس کپڑے پر اس نے پیشاب کیا اس کو دھونا ضروری نہیں ہے، اس پر صرف پانی چھڑک لینا کافی ہے۔ ان کا استدلال مذکور الصدر حدیث سے ہے۔

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ دودھ پیتی بچی ہو یا دودھ پیتا بچہ ہو، دونوں کا پیشاب نجس ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیشاب سے بچو، کیونکہ عام عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے۔ (سنن دار قطنی: ۴۵۷)

۶۳۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ مَسَحَ عَنْهُ أَنَّهُ رَأَى سَعْدَ بْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر نے خبر دی

أَبِي وَقَّاصٍ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ. (مسند احمد: ۲۳۱۵۳) اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھا، وہ ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا" اور اس کی وضاحت غزوۃ الفتح کی اس تعلیق سے ہوتی ہے: زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرہ پر فتح مکہ کے سال ہاتھ پھیرا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن ثعلبہ، یہ ابن صُعَیر العذری ہیں، انہیں ابن ابی صعیر بھی کہا جاتا ہے، یہ ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۹ ھ میں ان کی وفات ہوئی، وفات کے وقت ان کی عمر ترانوے (۹۳) سال تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہجرت کے بعد پیدا ہوئے اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۴ سال تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ کتاب الوتر میں، وتر کے متعلق تمام ابحاث گزر چکی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

فائدہ:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دم کٹی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایک رکعت وتر پڑھے۔ (تمہید ج ۵ ص ۲۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ ھ)

اور امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتیں پڑھ کر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (سنن نسائی: ۱۶۹۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

مذکورہ احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور کی احادیث کا خلاصہ

اس باب کی احادیث میں یہ بتایا ہے کہ بچوں کو صالحین کی طرف لے جانا چاہیے اور ان سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ وہ بچوں کے لیے برکت کی دعا کریں اور نیک شگون کے لیے ان کے سروں پر ہاتھ پھیریں اور ان کی دعا سے تبرک حاصل کریں۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۴ میں حضرت محمود بن ربیع کی حدیث ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اور اہل فضل کو بچوں کے ساتھ خوش طبعی اور دل لگی کرنی چاہیے۔اور یہ صالحین کے اخلاق میں سے ہے۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۳ میں ابوعقیل کی حدیث ہے،اس میں سلف صالحین نے جائز نفع کی ترغیب دی ہے اور ان کو تجارت کی برکت پر حریص کیا ہے اور یہ کہ وہ تجارت کرتے تھے اور رزق کو طلب کرنے کے لیے کوشش کرتے تھے تا کہ اس وجہ سے وہ لوگوں کے محتاج نہ ہوں اور لوگوں کے آگے اپنی ضروریات کے لیے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۵۲ میں حضرت ابویزید السائب بن یزید بن سعید کی روایت ہے۔یہ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے اور بچوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع کی طرف گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آ رہے تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور یہ حجۃ الوداع میں بھی حاضر ہوئے،ان کی عمر ۹۴ سال تھی۔اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی السائب بن یزید نام کا صحابی نہیں ہے۔

حضرت السائب کے آزاد شدہ غلام نے کہا کہ حضرت السائب کے سر کے اگلے حصہ کے بال سیاہ تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔(معرفۃ الصحابہ لابن مندہ:۴۸۵)

اور السائب نام کے صحابہ میں بیس سے زیادہ صحابہ ہیں۔اور حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا سارا سر سفید ہو گیا تھا سوا اس جگہ کے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیرا تھا،وہ جگہ سیاہ تھی حتیٰ کہ حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔

حضرت محمود بن الربیع بن سراقہ الخزرجی کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر پانچ سال تھی۔ان کو یاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر کلی کی تھی،اسی وجہ سے ان کا صحابہ میں شمار ہے۔

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابن التین نے لکھا ہے کہ انہوں نے دس صحابہ کو پایا،ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہ، حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ ہیں۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دو حدیثوں کا سماع کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۸۵۔۲۸۷،ملخصاً وملتقطاً،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر،۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۵۲،کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از الجعد بن عبدالرحمٰن،انہوں نے کہا: میں نے حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا،وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں،سو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بھانجے کے سر میں درد ہے،پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پیا۔پھر میں آپ کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دو کندھوں کے درمیان آپ کی مہر نبوت کو دیکھا جو چھپر کٹ (مسہری) کی گھنڈی (بٹن) کی مثل تھی۔

بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کے لیے برکت کی دعا کرنی چاہیے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔ اور یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر برکت نازل فرمائے۔ اور جب کسی شخص پر برکت نازل ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کے قول میں اور اس کے فعل میں، اور اس کی اولاد میں اور اس کے تمام احوال میں برکت نازل فرمائے گا۔

بچوں کے ساتھ انسان کو نرمی اور ملائمت کا سلوک کرنا چاہیے

انسان کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ رقت اور نرمی کا معاملہ کرے، کیونکہ اس سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات آنکھ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اور بچوں کے ساتھ نرمی کرنے کی وجہ سے جو دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اس میں عجیب وغریب حکمت ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور وفکر کرے اور مخلوقات کی کیفیت میں تدبر کرے، یہ بوڑھا آدمی ہے، اور یہ ادھیڑ عمر کا ہے اور یہ جوان ہے اور یہ کم عمر ہے اور یہ بچہ ہے۔

اور ان تمام اصناف میں انسان کو تدبر کرنا چاہیے، کیونکہ آج کوئی بچہ ہے، کل وہ بالغ ہوگا، پھر جوان ہوگا، پھر ادھیڑ عمر کا ہوگا اور پھر وہ بوڑھا ہوگا۔ اور خود انسان کے اوپر بھی یہ تمام ادوار آئیں گے۔

بچہ اس کو بھولتا نہیں ہے کہ کسی نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب تم کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیرو گے اور شفقت کرو گے تو بچہ اس بات کو کبھی نہیں بھولے گا کہ فلاں شخص نے فلاں سال میں میرے ساتھ یہ شفقت کا سلوک کیا تھا اور ہوسکتا ہے کہ بعد میں بڑا ہوکر وہ اس نیک سلوک کرنے والے کے لیے دعا کرے۔

شیخ ابن عثیمین کے نزدیک برکت کے حصول کا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنا اور آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو پینا، یا آپ کے پسینہ سے، یا آپ کے کپڑے سے برکت حاصل کرنا۔ یہ تمام امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ خصوصیت پر کیا دلیل ہے؟

تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے دوسرے بعض صحابہ سے برکت حاصل نہیں کی۔ وہ حضرت ابوبکر سے، حضرت عمر سے، حضرت عثمان سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے اور دیگر صحابہ سے برکت حاصل نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ امور جائز ہوتے تو صحابہ سب سے پہلے یہ کام کرتے۔ پس جب انہوں نے یہ کام نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اور انسان اس سے نفع حاصل نہ کرے۔

اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ جس چیز کا نفع شرعاً ثابت نہ ہو تو اس کو نفع کا سبب بنا لینا، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، کیونکہ انسان کسی حکم کو یا کسی چیز میں کسی تاثیر کو ثابت کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ بنایا ہو تو اس امر میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شریک ہوگا۔

(شرح صحیح بخاری ج ٦ ص ١٦-٢١٧، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

شیخ ابن عثیمین کے صحابہ کی برکت کے انکار پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات تمام رسولوں کی برکتوں سے زیادہ عظیم ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں برکت کے حصول کا سبب رکھا ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور اولیاء اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے برکت کا سبب بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ (کہف:۸۲) اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی، کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں کی گئی۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۲۸۸۲)

اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برکات درج ذیل احادیث سے ظاہر ہوتی ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقراء لوگ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو، وہ پانچویں کو لے جائے یا چھٹے کو لے جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین فقراء کو لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس فقراء کو لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رات کا کھانا کھایا، پھر وہیں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی، پھر آپ لوٹ کر آئے۔ پھر آپ ٹھہرے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا کھالیا۔ پھر رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد آئے تو ان کی بیوی نے کہا: آپ کو اپنے مہمانوں سے کس نے روک رکھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا، ان کی بیوی نے بتایا کہ انہوں نے کھانے سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ آ جائیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا: میں اللہ کی قسم! کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اور ان کی بیوی نے قسم کھائی کہ وہ بھی کھانا نہیں کھائیں گی، اور ان کے مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی کھانا نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ قسم کھانا شیطان کی طرف سے تھا، پھر انہوں نے کھانا منگایا اور انہوں نے بھی کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا۔ پس جب بھی وہ لقمہ اٹھاتے تو اس کے نیچے سے اس سے زیادہ نکل آتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ تو کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ پھر سب نے کھایا اور وہ کھانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا، پس ذکر کیا گیا کہ آپ نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔

(صحیح البخاری: ۳۵۸۱، صحیح مسلم: ۲۰۵۷، سنن ترمذی: ۱۸۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۵، سنن دارمی: ۲۰۴۴، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اصحاب صفہ اور فقراء صحابہ کی برکت سے کھانا تین گنا زیادہ ہو گیا۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لیے برکت کا ثبوت نہیں ہے۔ نیز وہ برکت والا کھانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا، ان کی بیوی نے بھی کھایا اور فقراء صحابہ نے بھی کھایا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھیج دیا اور آپ نے

اس کھانے سے تناول فرمایا۔ حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد، اولاد در اولاد، اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

امام احمد، حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے، اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے، اور امام ابن عساکر کی روایت میں ہے، ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے، انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ کتب آیۃ اللہ العظمی، ایران)

۳۲۔ بَابُ: الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم — نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود پڑھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے مطلقاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا عنوان قائم کیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اس کا حکم ہو اور اس کی فضیلت ہو اور اس کی صفت ہو اور اس کے محل کو بیان کرنا ہو۔ اور امام بخاری نے عنوان پر جو اقتصار کیا ہے وہ تیسری صورت کے ارادہ پر دلالت کرتا ہے یعنی صلوٰۃ کی صفت، اور اس سے دوسری صورت بھی ماخوذ ہو سکتی ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی فضیلت۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اس باب کی دونوں حدیثیں اس باب کے عنوان کے اطلاق کا فائدہ دیتی ہیں، کیونکہ دونوں حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں اور عنوان اور حدیث کے اندر مطابقت مطلوب ہوتی ہے اور مطابقت اسی صورت میں حاصل ہوگی جو صورت ہم نے بیان کی ہے یعنی یہ باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کے بیان میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، علامہ بدرالدین عینی حنفی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کو بغور پڑھو اور تعجب کرو۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۰۵، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس عنوان سے مراد یہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم اور اس کی فضیلت اور اس کا حکم اور اس کا محل۔ اور قطعی طور پر یہ نہیں لکھا کہ اس عنوان سے یہی مراد ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۳۵۷ ۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى قَالَ لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحکم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، سو انہوں نے کہا: کیا میں آپ کو ایک ہدیہ نہ دوں، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، پس ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم کو معلوم ہے ہم آپ پر کس طرح سلام پڑھتے ہیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ (درود شریف) کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما، اور آلِ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی، بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے، اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر برکت نازل فرما، اور آلِ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۷۰، ۴۷۹۷، ۶۳۵۷ صحیح مسلم: ۴۰۶، سنن ترمذی: ۴۸۳، سنن نسائی: ۱۲۸۹، سنن ابوداؤد: ۹۷۶، سنن ابن ماجہ: ۹۰۴، مسند احمد: ۱۷۶۳۹، سنن دارمی: ۱۳۴۲)

صحیح البخاری: ۶۳۵۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جو ابہام تھا، اس حدیث سے وہ ابہام دور ہو گیا۔ اور حدیث نے یہ بیان کر دیا کہ باب کے عنوان سے مراد صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی کیفیت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، یہ ابن ابی ایاس ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے اور ان کی اصل خراسان سے ہے اور یہ عسقلان میں رہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حکم، یہ ابن عتیبہ ہیں، یہ "عتبۃ الدار" کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، یہ کبار تابعین میں سے ہیں اور یہ محمد کے والد ہیں اور اہل کوفہ کے فقیہ ہیں۔ اور ابو لیلیٰ کا نام یسار ہے، اور ابو عمرو نے کہا: ان کے لیے صحابیت اور روایت ثابت ہے، اور یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ اور حضرت کعب بن عجرہ انصار کے حلیف ہیں اور یہ بیعتِ رضوان میں حاضر ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے "علمنا" یعنی ہم کو صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت کی تعلیم دیجئے، اور وہ یہ ہے کہ کہا جائے "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو سلام پڑھنے کی کیفیت ہے اور علامہ عینی کا مقصود ہے صلوٰۃ پڑھنے کی کیفیت۔ اور وہ کیفیت اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم درودِ ابراہیمی پڑھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرمانے کی دعا کا معنی

یعنی دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کر کے آپ کی دعوت کو غلبہ دے، اور آپ کی شریعت کو بقا عطا کر کے آپ کو عظمت عطا فرما۔ اور آخرت میں آپ کی شفاعت کو قبول فرما کر اور ان کے اجر و ثواب کو دگنا چوگنا کر کے ان کو مکرم فرما، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تو نے ہم کو ان پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے، ہم ان کے مرتبہ و مقام سے واقف نہیں ہے، اے اللہ! تو ہی ان کے مقام اور مرتبہ کو جاننے والا ہے، سو تو ہی ان پر صلوٰۃ نازل فرما۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دینے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں ہے "جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے"۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشبہ ہیں، اور مشبہ بہ، مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ سے قوی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "کما صلیت" میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ تعلیل کے لیے ہے، یعنی چونکہ تو نے حضرت ابراہیم پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے، اس لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صلوٰۃ نازل فرما۔

۶۳۵۸- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم اور دراوردی نے حدیث بیان کی از یزید از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ پر سلام ہے، پس ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے فرمایا تم کہو: اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما جو تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں جیسے تو نے ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی، اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر برکت نازل فرما اور آل (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برکت نازل فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری: ۳۳۷۰، ۴۷۹۸، ۶۳۵۸، سنن نسائی: ۱۲۹۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۳، مسند احمد: ۱۱۰۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن حمزہ، یہ ابواسحاق الزبیری المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، یہ عبدالعزیز بن ابی حازم ہیں اور ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الدراوردی، یہ عبدالعزیز بن محمد ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن عبداللہ بن اسامہ بن الہاد اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن خباب، یہ مولیٰ بنی عدی بن النجار الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں اور ان کا نام سعد بن مالک ہے۔

حدیث مذکور میں تشبیہ پر اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ تشبیہ کی شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ زیادہ قوی ہوتا ہے اور یہاں معاملہ بالعکس ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ تشبیہ ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے باب سے نہیں ہے، بلکہ یہ تشبیہ غیر معروف کو معروف کے ساتھ لاحق کرنے کے باب سے ہے اور اس میں یہ شرط نہیں ہے۔ یا یہ مجموعہ کی تشبیہ مجموعہ کے ساتھ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آل ابراہیم، آل محمد سے افضل ہیں، کیونکہ آل ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور آل محمد میں کوئی نبی نہیں

ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷۸۔۴۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنا آیا فرض ہے یا نہیں، پس ہمارے نزدیک نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنا واجب ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۳۷)

اور امام شافعی اس مسئلہ میں منفرد نہیں ہیں جیسا کہ امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ اور امام احمد سے ایک یہی روایت ہے۔

علامہ الرویانی نے البحر میں حضرت عمر سے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے اور حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہم سے اس کی حکایت کی ہے۔ اور علامہ الماوردی نے اس کو محمد بن کعب القرظی التابعی سے نقل کیا ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۳۷)

اور امام بیہقی نے اس کی شعبی وغیرہ سے از علی بن الحسین رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔ اور ابن المواز المالکی کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ ابن القصار نے نقل کیا ہے۔ اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۳۷)

علامہ ابن بطال مالکی نے اس کی جمہور علماء سے روایت کی ہے اور کہا ہے: ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، کیونکہ انسان پر واجب ہے کہ وہ دو مرتبہ شہادت دے، ایک مرتبہ زندگی میں اور ایک مرتبہ جب اس کو قدرت ہو۔ پھر کہا: امام شافعی کا یہ شاذ قول ہے کہ انہوں نے یہ زعم کیا کہ یہ نماز میں فرض ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۱۱۳)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: متعدد مالکی علماء نے اس طرح لکھا ہے، اور میں اس عبارت پر راضی نہیں ہوں، کیونکہ تم جانتے ہو کہ صحابہ کی ایک جماعت بھی اس سے پہلے یہ کہہ چکی ہے۔ اور ابن المواز بھی مالکیوں میں سے ہیں۔

اور حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: یہ درود شریف نماز میں ہے۔ اور ابراہیم بن محمد نے اس حدیث کو از سعید بن اسحاق از ابن ابی لیلیٰ کعب بن عجرہ روایت کیا ہے۔

امام طحاوی نے یہ کہا ہے: امام شافعی کے مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد ان محدثین میں سے نہیں ہیں جن کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ ثابت بھی ہو تو ان کی حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اس درود شریف کو نماز میں پڑھنا فرض ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور آپ نے حکم دیا کہ وہ آیتیں نماز میں پڑھی جائیں لیکن آپ کی یہ مراد نہیں تھی کہ ان آیتوں کو پڑھنا فرض ہے۔ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب "فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝" (الواقعہ: ۷۴) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں رکھو، اور جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝" (الاعلیٰ: ۱) نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں رکھو۔ اور جو شخص رکوع اور سجود میں ان تسبیحات کو نہ پڑھے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، تو معلوم ہوا کہ ان تسبیحات کو پڑھنا فرض نہیں ہے۔

اسی طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز میں تشہد کی تعلیم دی۔ اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس کا ذکر صحیح البخاری: ۸۳۱ میں ہو چکا ہے۔ یعنی صحیح البخاری: ۸۳۱ میں صرف تشہد پڑھنے کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ سو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہوتا تو یہاں پر اس کا بھی ذکر ہوتا۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: لیکن حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کے بعد صلوٰۃ پڑھنے کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم: ۴۰۵، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی بعد التشہد میں مذکور ہے۔ اور سنن ابوداؤد: ۱۴۸۱، سنن ترمذی: ۳۴۷۷، سنن نسائی: ۱۲۸۴ میں مذکور ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۹۰۔۲۹۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: مذکور الصدر روایات میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا ذکر تو ہے لیکن اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس درود شریف کو پڑھنا فرض ہے، جب کہ امام شافعی کا مطلوب یہ ہے کہ نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ لہٰذا امام طحاوی کی دلیل مضبوط ہے اور علامہ ابن الملقن کا عذر اس سلسلہ میں مفید نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۳۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے متعلق مذاہب علماء

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی لکھتے ہیں:

میں جو اس سلسلہ میں علماء کے کلام پر واقف ہوا ہوں تو اس میں درج ذیل دس مذاہب ہیں:

(۱) امام ابن جریر طبری نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنا مستحبات میں سے ہے اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

(۲) ابن قصار وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فی الجملہ صلوٰۃ (درود) پڑھنا واجب ہے، لیکن اس کا شمار نہیں ہے۔ اور کم سے کم عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے۔

(۳) زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور یہ کلمۂ توحید کی مثل ہے۔ یہ امام ابوبکر رازی حنفی کا قول ہے اور ابن حزم وغیرہ نے بھی کہا ہے اور علامہ قرطبی المفسر نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ اور یہ ہر وقت سننِ مؤکدہ کی طرح واجب ہے۔

(۴) نماز کے تشہد اخیر میں سلام کے بعد آپ پر درود پڑھنا واجب ہے۔ اور اس کے بعد نماز کو ختم کرنے کے لیے سلام پڑھا جائے، یہ امام شافعی اور ان کے متبعین کا قول ہے۔

(۵) الشعبی اور اسحاق بن راہویہ نے کہا ہے کہ تشہد میں آپ پر درود پڑھنا واجب ہے۔

(۶) امام ابوجعفر الباقر نے کہا ہے کہ نماز میں بغیر تعیین محل کے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

(۷) ابوبکر مالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنا واجب ہے اور اس میں کسی عدد کی تعیین نہیں ہے۔

(۸) امام طحاوی نے کہا ہے اور حنفیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، اور حلیمی اور فقہاء شافعیہ کی ایک جماعت نے بھی کہا ہے۔ اور ابن العربی مالکی نے کہا ہے: اسی میں زیادہ احتیاط ہے، اسی طرح علامہ زمخشری نے بھی کہا ہے۔

(۹) علامہ الزمخشری نے کہا ہے: ہر مجلس میں ایک مرتبہ آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے، اور اگر آپ کا ذکر کئی مرتبہ کیا جائے تو کئی مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

(۱۰) نیز علامہ زمخشری نے کہا ہے: ہر دعا کے اندر آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

رہا یہ کہ کس جگہ آپ پر نماز میں درود شریف پڑھا جائے، تو یہ اس سے معلوم ہو جاتا ہے جو ہم نے درود شریف پڑھنے کے حکم میں علماء کی آراء بیان کی ہیں۔

رہا یہ کہ درود شریف پڑھنے کی صفت کیا ہے، تو اس کی صفت وہی ہے جس کا اس باب کی دونوں حدیثوں میں ذکر ہے۔

درود شریف پڑھنے کی صفت اور کیفیت

امام طبری نے از الحکم یہ روایت کی ہے کہ "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑا ہوا، پس میں نے کہا: آپ پر سلام پڑھنے کو تو ہم نے پہچان لیا، پس آپ پر صلوٰۃ کس طرح ہوگی یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: تم کہنا اللھم صل علی محمد ۔۔۔ الحدیث"۔

حضرت زید بن خارجہ کی حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر درود پڑھو اور بہت کوشش سے دعا کرو اور کہو اللھم صل علی محمد ۔۔۔ الحدیث"۔

صحابہ کرام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ (درود شریف) پڑھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام پڑھنے کے متعلق تو ان کو معلوم تھا کہ اس کے الفاظ مخصوص ہیں اور وہ یہ ہیں "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تو صحابہ نے اس سے یہ سمجھا کہ صلوٰۃ کا بھی کوئی لفظ مخصوص ہوگا اور انہوں نے خود قیاس نہیں کیا، کیونکہ ممکن تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر کے معلوم کر لیتے، خاص طور پر ذکر کے الفاظ جن میں قیاس نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں فرمایا کہ تم یوں کہو "الصلوٰۃ علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور نہ آپ نے یوں فرمایا "الصلوٰۃ والسلام علیک" بلکہ آپ نے دوسرا صیغہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا تم کہو "اللھم صل علی محمد"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھی جانے والی صلوٰۃ (درود) کا معنی

ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثناء کرنا۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنی ہے: آپ کے لیے دعا کرنا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ (درود) پڑھنا اس کا مغفرت فرمانا ہے، اور ملائکہ کا صلوٰۃ (درود) پڑھنا استغفار کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رب کی صلوٰۃ کا معنی ہے رحمت اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنی ہے: استغفار۔

اور الضحاک بن مزاحم نے کہا: اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) اس کی رحمت ہے، اور ایک روایت ہے کہ اس کی مغفرت ہے۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ (درود) دعا ہے۔ ان دونوں کی اسماعیل قاضی نے روایت کی ہے اور گویا کہ دعا سے ان کی مراد مغفرت ہے۔

المبرّد نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (درود) رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ، رحمت کو طلب کرنا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ (درود) اور رحمت میں مغایرت کی ہے، قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہیں اور رحمت ہے۔ (البقرہ: ۱۵۷)

اسی طرح صحابہ کرام نے بھی صلوٰۃ اور رحمت میں مغایرت کو سمجھا تھا، حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیفیتِ صلوٰۃ سے متعلق سوال کیا حالانکہ سلام کے ساتھ رحمت کا ذکر ہے "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته"۔ اس کے باوجود انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلوٰۃ (درود) کی کیفیت کے متعلق سوال کیا۔ اگر صلوٰۃ رحمت کے معنی میں ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: تم سلام میں اس طریقہ کو جان چکے ہو۔

علامہ الحلیمی نے کہا: یہ جائز ہے کہ صلوٰۃ آپ پر سلام کے معنی میں ہو اور یہ درست نہیں ہے۔ اور اس باب کی حدیث اس پر رد کرتی ہے۔ اور بہترین قول وہ ہے جو ابو العالیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) آپ کی حمد وثنا اور آپ کی تعظیم ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ اور دوسروں کی صلوٰۃ اس تعظیم کو اور اس میں اضافہ کو طلب کرنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر صلوٰۃ (درود) خاص بھی ہوتی ہے اور عام بھی ہوتی ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام پر جو صلوٰۃ ہے وہ ان کی حمد وثنا ہے اور ان کی تعظیم ہے۔ اور دوسروں پر جو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔

اور قاضی عیاض نے بکر بن القشیری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو صلوٰۃ ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کو بیان کرنا ہے اور آپ کی زیادہ تکریم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ پر جو صلوٰۃ ہے وہ رحمت ہے۔ اور اس تقریر سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باقی مومنین کے درمیان صلوٰۃ (درود) کا فرق واضح ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ۔ (الاحزاب: ۴۳) وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی)۔

اور یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کا مرتبہ اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے جو مومنین پر صلوٰۃ نازل ہوتی ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ("صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا" الاحزاب: ۵۶) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تعظیم اور تکریم ہے جو دوسری آیات میں نہیں ہے۔

اور علامہ الحلیمی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ کا معنی آپ کی تعظیم ہے، پس جب ہم کہتے ہیں "اللھم صل علی محمد" تو اس کا معنی ہے: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعظیم کر، اور مراد یہ ہے کہ دنیا میں آپ کے ذکر کو بلند کر کے اور آپ کے دین کو غالب کر کے اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر آپ کی تعظیم ہو۔ اور آخرت میں آپ کی تعظیم سے مراد یہ ہے کہ آپ کو عظیم ثواب عطا کیا جائے

اور آپ کو آپ کی امت کے حق میں شفاعت کرنے والا بنایا جائے اور آپ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے۔ پس قرآن مجید میں جو ارشاد ہے "صَلُّوْا عَلَيْهِ" اس کا معنی ہے: تم اپنے رب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) کی دعا کرو۔

اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ پر آپ کی آل اور آپ کی ازواج اور آپ کی ذرّیت کا بھی عطف ہوتا ہے، تو اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ ان کی تعظیم کی بھی دعا کی جائے، کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبہ اور درجہ کے مناسب ہوتی ہے۔ اور ابوالعالیہ کا قول زیادہ واضح ہے، کیونکہ اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ جب لفظِ صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور ملائکہ کی طرف ہو اور مومنین کی طرف ہو جنہیں صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سب کا ایک معنی ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غیر انبیاء کے لیے بھی رحمت کی دعا کرنا جائز ہے۔ اور غیر انبیاء پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ اور اگر "اللھم صل علی محمد" کا معنی یہ ہوتا کہ اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما، تو پھر یہ غیر انبیاء کے لیے بھی جائز ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے متعدد الفاظ اور صیغے

علامہ نووی نے شرح المہذب میں کہا ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے جتنے بھی الفاظ وارد ہیں، ان سب کو جمع کرنا چاہیے۔ پس یوں صلوٰۃ پڑھی جائے: "اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی ابراھیم وآلِ ابراھیم وبارک فی العالمین"۔

امام سعید بن منصور، امام طبرانی، امام طبری اور ابن فارس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیثِ طویل روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: "اللھم اجعل شرائف صلواتک ونوامی برکاتک ورأفۃ تحیتک علی محمد عبدک ورسولک۔ الحدیث"۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "اللھم اجعل صلواتک وبرکاتک ورحمتک علی سید المرسلین امام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک۔ الحدیث"۔

اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام طبری نے روایت کی ہے۔

اور ابن قیم نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر بلکہ کل احادیث میں یہ تصریح ہے کہ محمد اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر آلِ ابراہیم کے ساتھ کیا جائے۔

ابوالعباس سراج نے از داؤد بن قیس از نعیم از مجمر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ صحابہ کرام نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھیں، تو آپ نے فرمایا: تم کہو "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت وبارکت علی ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید"۔

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یوں کہو "اللھم اجعل صلواتک ورحمتک وبرکاتک علی محمد وعلی آل محمد کما جعلتھا علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم"۔ اس حدیث کی اصل امام احمد کے نزدیک ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس میں اور اضافہ بھی ہے اور وہ یہ ہے: "وارحم محمدا وآل محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم۔ الحدیث"۔

امام طبری نے اپنی تہذیب میں از حنظلہ بن علی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم وبارک علی محمد

وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم ''تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔اس حدیث کی سند صحیح ہے سوا اس کے کہ اس میں سعید بن سلیمان ایک راوی مجہول ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھتے ہوئے آپ کے اوپر رحمت کے ذکر کی تحقیق

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھا جائے یا صلوٰۃ پڑھی جائے تو اس کے ساتھ رحمت کا ذکر کرنا جائز ہے اور علامہ ابن العربی الصید لانی الشافعی نے کہا ہے کہ یہ منع ہے۔اور ابوالقاسم الانصاری نے کہا کہ صلوٰۃ اور سلام کے ساتھ رحمت کا ذکر کرنا جائز ہے، اور صلوٰۃ اور سلام کے بغیر آپ کے اوپر رحمت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔

اور قاضی عیاض نے جمہور سے جواز کو مطلقاً نقل کیا ہے۔اور علامہ قرطبی نے المفہم میں کہا ہے کہ یہی صحیح ہے، کیونکہ احادیث میں آپ کے لیے رحمت کا بھی ذکر ہے۔اور دوسرے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے۔پس فقہاء احناف کی کتاب الذخیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام محمد نے کہا: یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس میں نقص کا وہم ڈالنا ہے، کیونکہ رحمت عموماً اس فعل پر کی جاتی ہے جس فعل پر ملامت کی جائے۔اور علامہ ابن عبدالبر نے وثوق سے اس کو منع کیا ہے، انہوں نے کہا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے تو کہے'' رحمه الله'' کیونکہ آپ نے فرمایا''من صلی علی'' (جس نے مجھ پر صلوٰۃ پڑھی) اور آپ نے یہ نہیں فرمایا ''من ترحم علی'' (جس نے میرے لیے رحمت کی دعا کی) اگرچہ صلوٰۃ کا معنی بھی رحمت ہے، لیکن صلوٰۃ کا لفظ تعظیم کے لیے خاص ہے، لہٰذا اس لفظ کو چھوڑ کر دوسرا لفظ نہیں بولا جائے گا، بلکہ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔(النور:٦٣) تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اور یہ بہت عمدہ بحث ہے۔

حدیث مذکور میں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصداق

اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصداق کون ہے۔پس راجح قول یہ ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد آپ کی وہ آل ہے جن کو صدقہ دینا حرام ہے۔امام شافعی نے اسی کی تصریح کی ہے اور یہی جمہور کا مختار ہے۔اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:''انا آل محمد لا تحل لنا الصدقه'' (ہم آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں ہمارے لیے صدقہ جائز نہیں ہے)۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقہ لوگوں کے لیے میل ہے، اور یہ صدقہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام احمد نے کہا: تشہد کی حدیث میں آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد آپ کے اہلِ بیت ہیں۔اور اس بناء پر کیا اس حدیث میں آل کے بجائے اہل کا لفظ کہنا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں، کیونکہ اس حدیث کی اکثر سندوں میں

"آل محمد وازواجه وذریته" کے لفظ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آل سے مراد آپ کی تمام امتِ اجابت ہے۔علامہ ابن العربی مالکی نے کہا: امام مالک کا اسی قول کی طرف میلان ہے۔اور ازہری کا بھی یہی مختار ہے۔اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (الانفال: ۳۴) اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں O

اور بعض علماء نے اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آل محمد کل تقی" (ہر متقی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے)۔اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند بہت کمزور ہے،اور امام بیہقی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

اس سوال کے متعدد جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ (درود) سے تشبیہ دی گئی ہے

مشہور سوال یہ ہے کہ مشبہ، مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں، حالانکہ آپ آلِ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے افضل ہیں۔اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی تعلیم اس وقت دی تھی جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم نہیں دیا تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں، کیونکہ امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یاخیر البریة" (اے وہ جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں)۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیر البریة" حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں،اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم ہو گیا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں تو پھر آپ اس درود کو متغیر کر دیتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درود کی یہ تعلیم تو اضعاً دی تھی اور امت کے لیے بھی تواضع کو مشروع کیا تا کہ وہ بھی تواضع کی فضیلت کو حاصل کر لیں۔

(۳) یہاں پر نفسِ صلوٰۃ کو نفسِ صلوٰۃ (درود) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ صلوٰۃ کے مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صلوٰۃ (درود) نازل کی گئی ہے وہ اس سے عظیم درجہ کی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) نازل کی گئی ہے۔اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ (النساء: ۱۶۳) (اے رسول معظم!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی۔

اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی نازل کی گئی ہے،اس کو اس وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی گئی تھی۔اور یہ تشبیہ بھی نفسِ وحی میں ہے وحی کی کیفیت میں نہیں ہے۔اسی طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (البقرۃ: ۱۸۳) تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا۔

اس آیت میں ہم پر جو روزے فرض کیے گئے ہیں ان روزوں کو پچھلی امتوں کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ بھی نفس

صیام میں ہے کیفیتِ صیام میں نہیں ہے اور نہ مقدارِ صیام میں ہے، کیونکہ ان کا روزہ ہمارے روزوں سے مقدار میں بہت بڑا ہوتا تھا۔

(۴) اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے، یعنی اے اللہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) نازل فرما کیوں کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) نازل فرمائی ہے۔اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا (البقرہ:۱۵۱) کیونکہ ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ (البقرہ:۱۹۸) کیوں کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس لیے اس کا ذکر کرو۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ اپنا خلیل بنائے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لسانِ صدق عطا فرمائے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لسانِ صدق عطا فرمائی ہے، اگرچہ دونوں کے خلیل ہونے میں اور دونوں کی لسانِ صدق میں بہت فرق ہے۔

(۶) ''اللھم صل علی محمد'' میں محمد کی تشبیہ نہیں ہے بلکہ آلِ محمد کی تشبیہ ہے۔یعنی آلِ محمد پر ایسی صلوٰۃ (درود) نازل فرما جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) نازل فرمائی تھی۔اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم نہیں آئے گا بلکہ آلِ ابراہیم سے افضل ہونا لازم آئے گا۔اب اس پر یہ سوال ہوگا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر صلوٰۃ (درود) بھیجنا کس طرح درست ہوگا جب کہ غیر انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ (درود) بھیجنا جائز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے ساتھ دی گئی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں انبیاء علیہم السلام بھی ہیں۔یہ جواب امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔

(۷) یہ تشبیہ مجموع کی مجموع کے ساتھ ہے یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

(۸) یہ تشبیہ نمازی کی طرف راجع ہے، گویا نمازی یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا مجھے ایسا اجر عطا فرما جیسا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا اجر عطا فرماتا ہے۔

(۹) ہم یہ نہیں مانتے کہ ہمیشہ مشبہ بہ، مشبہ سے افضل ہوتا ہے بلکہ کبھی مشبہ، مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (النور:۳۵) اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال طاق کے چراغ کے ساتھ دی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلہ میں چراغ کے نور کی کیا حیثیت ہے۔لیکن جب کہ مشبہ بہ میں مشابہت ظاہر ہوتی ہے تو تشبیہ عمدہ ہوتی ہے، تو جو طاق میں چراغ ہو اس کا نور ظاہر ہوتا ہے، اس لیے اس کے نور کے ساتھ اللہ کے نور کو تشبیہ دی گئی ہے۔اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم ان پر صلوٰۃ پڑھنے کی وجہ سے مشہور تھی تو اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

(۱۰) علامہ الحلیمی نے کہا ہے کہ اس تشبیہ کا سبب یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیت کے متعلق کہا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ اے اہل بیت اتم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ

مَّجِیۡدٌ ﴿۷۳﴾ (ہود: ۷۳) حمد و ثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے ○

اور یہ معلوم ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت میں سے ہیں، گویا نمازی کہتا ہے: اے اللہ! ان فرشتوں کی دعا قبول فرما جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا جیسا کہ تو نے ان کے متعلق دعا قبول فرمائی ہے۔ علامہ نووی نے ان میں سے بعض جوابات کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ بہترین جواب وہ ہے جو امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ کہ تشبیہ نفسِ صلوٰۃ کی ہے نہ کہ کیفیتِ صلوٰۃ کی، یا مجموعہ کی مجموعہ کے ساتھ تشبیہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی کیفیت

ہمارے شیخ مجد الدین شیرازی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی افضل کیفیت یہ ہے کہ یوں صلوٰۃ پڑھے: ''اللهم صل على محمد عبدك ورسولك النبي الامي وعلى آله وازواجه وذريته وسلم عدد خلقك ورضا نفسك وزنة عرشك ومداد كلماتك''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کو پورا پورا اجر دیا جائے، وہ جب ہم پر صلوٰۃ پڑھے تو یوں پڑھے: ''اللهم صل على محمد النبي وازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم...۔ الحدیث''۔

صلوٰۃ (درود) اور سلام دونوں کو ملا کر پڑھا جائے یا الگ الگ بھی پڑھا جا سکتا ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو ○

(الاحزاب: ۵۶)

اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو سلام پڑھنے کی تعلیم پہلے دی گئی اور صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی تعلیم بعد میں دی گئی، کیونکہ انہوں نے کہا: ہم نے جان لیا کہ ہم کس طرح آپ پر سلام پڑھیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟

اور اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صلوٰۃ (درود) اور سلام کو الگ الگ پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ سلام کی تعلیم صلوٰۃ (درود) کی تعلیم سے پہلے ہے۔ پس پہلے نماز میں ایک عرصہ تک صرف سلام پڑھا جاتا تھا پھر بعد میں صلوٰۃ کو پڑھنا شروع کیا گیا۔ ہاں یہ مکروہ ہے کہ آدمی صرف صلوٰۃ کو پڑھے اور آپ پر سلام کو بالکل نہ پڑھے، لیکن اگر اس نے ایک وقت میں صلوٰۃ (درود) پڑھ لی اور دوسرے وقت میں سلام پڑھ لیا تو وہ بھی اس آیت پر عمل کرنے والا ہو جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کی فضیلت میں بہت احادیث قویہ ہیں، امام بخاری نے ان میں سے کسی کی روایت نہیں کی۔ وہ احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ (درود) پڑھی، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔

(۲) امام نسائی حضرت ابو بردہ بن نیار اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جس نے مجھ پر اخلاص قلب کے ساتھ صلوٰۃ (درود) پڑھی، اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات نازل فرماتا ہے اور اس کے دس درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کی دس برائیوں کو مٹا دیتا ہے۔

(۳) امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن وہ شخص میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھتا ہوگا۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن میری امت کی صلوٰۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے، پس جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھتا ہوگا، وہ میرے زیادہ قریب ہوگا۔

(۵) امام احمد، امام ابوداؤد، امام ابن حبان اور امام حاکم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے۔ اس حدیث کی امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔

(۶) امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جو مجھ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا بھول گیا، وہ جنت کے راستہ سے خطا کرے گا۔

(۷) امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی ناک خاک آلودہ کرے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہیں پڑھی۔

(۸) امام عبدالرزاق نے قتادہ کی مرسل روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بے وفائی میں سے یہ ہے کہ کسی شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے۔

(۹) امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ پر بہت زیادہ صلوٰۃ (درود) پڑھتا ہوں، میں آپ پر کتنی صلوٰۃ (درود) پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا: جتنی مرتبہ تم چاہو، اس نے کہا: تہائی مرتبہ، آپ نے فرمایا: جتنی مرتبہ تم چاہو، اگر تم اس سے زیادہ پڑھو تو بہتر ہے، اس نے کہا کہ میں کل وقت میں آپ پر صلوٰۃ پڑھوں گا، آپ نے فرمایا: پھر یہ تمہارے مقصود کے لیے کافی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے فوائد

علامہ حلیمی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ہم پر حق ہے اس کو ادا کیا جائے۔ اور علامہ ابن عبدالسلام نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے وجوب پر دلائل

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا فائدہ نمازی کی طرف لوٹتا ہے، کیونکہ اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا اس کے عقیدہ کی صحت پر اور اس کی نیت کے اخلاص پر اور اس کی محبت کے اظہار پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے دوام پر اور آپ کے واسطہ کریمہ کے احترام پر دلالت کرتا ہے۔ اور انہوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کو اس وقت واجب کیا ہے جب آپ کا ذکر کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی ناک خاک آلودہ کرے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھے، اور اس کو بخیل فرمایا اور اس کو جفا کار فرمایا۔ اور یہ سب وعیدات ہیں۔ اور ترک پر وعید وجوب کی علامت ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا حکم آپ کے احسان کے بدلہ کے لیے ہے اور آپ کا احسان تو دائم اور مستمر ہے، لہٰذا آپ پر صلوٰۃ (درود) بھی دوام اور استمرار کے ساتھ پڑھی جائے۔ اور انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (النور: ۶۳)

تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور کوئی مسلمان آپ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے تو وہ آپ کو عام لوگوں کی طرح قرار دے رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے عدم وجوب اور استحباب پر دلائل

جو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کو واجب نہیں قرار دیتے، ان کے دلائل یہ ہیں:

(۱) صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا واجب ہے، سو یہ من گھڑت قول ہے، اور اگر یہ بر سبیل عموم ہوتا تو مؤذن پر لازم ہوتا کہ جب اذان دے تو آپ پر درود پڑھے، اسی طرح اذان سننے والے پر لازم ہوتا کہ اذان سنے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھے، اور قرآن پڑھنے والے پر لازم ہوتا کہ جب بھی قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پڑھے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھے۔ اور جو شخص اسلام میں داخل ہو تو جب بھی وہ کلمہ شہادت پڑھے تو آپ پر صلوٰۃ پڑھے، اور اس میں مشقت اور حرج ہے اور شریعت اس کے خلاف سہل ہے۔

(۲) اگر ایسا ہوتا تو جب بھی اللہ عزوجل کا ذکر کیا جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرنا واجب ہوتی اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

(۳) فقہاء احناف میں سے صاحب القدوری نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب بھی ذکر کیا جائے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے وجوب کا قول اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ محفوظ نہیں ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوں تو یہ کہتے ہوں "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک"۔ اور یہ اسی لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو سننے والا دوسری عبادت سے فارغ نہ ہوتا۔

اور انہوں نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ بطور مبالغہ اور بطور تاکید کے وارد ہیں اور اس شخص سے متعلق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) کے ترک کرنے کو اپنی عادت بنالیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جب بھی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو آپ پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا

واجب ہے۔اور تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص آپ پر صلوٰۃ (درود) نہ پڑھے تو وہ فرض یا لازم کا تارک نہیں ہے اور گناہ گار نہیں ہے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا حکم استحباب کے لیے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے مواقع

تشہدِ اول میں، جمعہ اور دیگر خطبات میں، نمازِ جنازہ میں۔

جن مواقع میں درود شریف پڑھنے کی خصوصی احادیث میں تاکید ہے، ان میں سے اکثر احادیث کی سند جید ہے اور وہ یہ ہیں: موذن کے کلمات کا جواب دینے کے بعد اور دعا سے پہلے، دعا کے وسط میں، دعا کے آخر میں اور دعا کے اول میں درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے۔اور قنوت کے آخر میں، اور تکبیراتِ عید کے درمیان میں اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے باہر آتے وقت اور لوگوں کے ساتھ اجتماع کے وقت اور ان سے تفریق کے وقت اور سفر میں، اور تہجد کی نماز کے وقت، ختمِ قرآن کے وقت، غم اور فکر کے وقت، گناہ سے توبہ کے وقت، حدیث پڑھنے کے وقت، علم کی تبلیغ کے وقت، ذکر کے وقت، جب کوئی چیز بھول جائے۔

اور بعض احادیثِ ضعیفہ میں وارد ہے کہ حجرِ اسود کی تعظیم کے وقت، تلبیہ پڑھنے کے وقت، وضو کے وقت، ذبح کے وقت اور چھینک کے وقت۔اور ان دونوں مواقع پر درود شریف پڑھنے کی ممانعت بھی وارد ہے اور جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے جیسا کہ حدیثِ صحیح میں ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۹۔۴۲۲، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے، انہوں نے اس حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے متعلق بہت عمدہ اور جامع شرح لکھی ہے اور درود شریف سے متعلق کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا۔میں تقریباً چالیس (۴۰) سال سے شروحاتِ حدیث کا مطالعہ کر رہا ہوں اور میں نے کسی کتاب میں درود شریف سے متعلق اختصار کے ساتھ اتنی جامع بحث نہیں پڑھی۔اللہ تعالیٰ ہمیں درود شریف کو زیادہ سے زیادہ محبت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔اور میں نے انتہائی مشقت اور محنت کے ساتھ فتح الباری سے ان مباحث کو اخذ کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو بھی اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے۔آمین۔(سعیدی غفرلہٗ)

۳۳۔ بَابٌ: هَلْ يُصَلَّى عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی صلوٰۃ (درود) پڑھی جائے گی؟

وقول الله تعالىٰ: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (التوبہ: ۱۰۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور آپ ان پر صلوٰۃ (درود) بھیجئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے“۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ (درود) پڑھی جائے گی یا طبعاً؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لفظ میں فرشتے اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور مومنین داخل ہیں۔

امام بخاری نے اس عنوان کو استفہام کے ساتھ شروع کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کے جواز کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔سو بعض فقہاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا مطلقاً انکار کیا ہے اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام ابوبکر بن ابی شیبہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میرے علم میں نہیں ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے اوپر صلوٰۃ (درود) پڑھے''۔

یہ قول امام مالک سے منقول ہے۔اور اسی کی مثل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے اور سفیان سے بھی منقول ہے۔

اور بعض فقہاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر طبعاً صلوٰۃ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور استقلالاً پڑھنے کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔یہ امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔

اور بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے یعنی استقلالاً بھی اور طبعاً بھی۔

رہا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ (درود) پڑھنا، اس کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو اللہ کے دیگر انبیاء پر بھی صلوٰۃ (درود) پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح مبعوث کیا ہے جس طرح مجھے مبعوث کیا ہے۔اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حفظِ قرآن کی دعا کے متعلق حدیث ہے جس میں مذکور ہے: مجھ پر صلوٰۃ (درود) نازل فرما اور تمام انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ نازل فرما۔اس حدیث کی امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔

رہا فرشتوں پر درود پڑھنا، تو ممکن ہے کہ اس کا حدیثِ مذکور سے استنباط کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی رسل فرمایا ہے۔

اور رہے مومنین، تو اس باب کی حدیث ان پر صلوٰۃ پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس میں وہ اختلاف ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے اس آیت سے اس باب کو شروع کیا ہے تا کہ اس پر دلیل قائم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی صلوٰۃ (درود) پڑھنا جائز ہے۔نیز یہ حدیث اس ابہام کو اٹھا دیتی ہے جو حدیث کے عنوان میں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے''وَصَلِّ عَلَيْهِمْ''اس کا معنی ہے: ان کے لیے دعا کیجئے اور ان کے لیے استغفار کیجئے، کیونکہ صلوٰۃ کا معنی دعا ہے۔اور علامہ ثعلبی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جب حاکم صدقہ کو وصول کرے تو کہے''جو کچھ تم نے عطا کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر دے''۔

اور قتادہ اور کلبی سے منقول ہے کہ اس میں صدقہ دینے والوں کے لیے یہ اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے صدقہ کو ان سے قبول کرلیا ہے۔اور ابو معاذ سے منقول ہے کہ یہ ان کا تزکیہ ہے۔اور ابوعبیدہ سے منقول ہے: یہ ان کو ثابت قدم رکھنا ہے۔(عمدۃ

القاری ج ۲۲ ص ۴۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۵۹ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ إِذَا أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِصَدَقَتِهِ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے صدقہ کو لے کر آتا تو آپ دعا فرماتے: ”اے اللہ! اس پر صلوٰۃ نازل فرما، پس آپ کے پاس میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ابواوفیٰ کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما“۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۷، ۴۱۶۶، ۶۳۳۲، ۶۳۵۹، صحیح مسلم: ۱۰۷۸، سنن نسائی: ۲۴۵۹، سنن ابوداؤد: ۱۵۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۹۱۵)

صحیح البخاری: ۶۳۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی اوفی کا ذکر ہے، ابواوفی کے بیٹے کا نام عبد اللہ ہے اور ابواوفی کا نام علقمہ بن خالد الاسلمی ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث کی تحقیق کتاب الزکوٰۃ کے باب مذکور میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از عبد اللہ بن ابی بکر از والد خود از عمرو بن سلیم الزرقی، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوحمید الساعدی نے خبر دی کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر کیسے صلوٰۃ (درود) پڑھیں، تو آپ نے فرمایا: تم کہو: ”اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی اولاد پر صلوٰۃ نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے، اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی ہے، بے شک تو تعریف کیا ہوا بزرگ ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۶۹، ۶۳۶۰، صحیح مسلم: ۴۰۷، سنن نسائی: ۱۲۹۴، سنن ابوداؤد: ۹۷۹، سنن ابن ماجہ: ۹۰۵، مسند احمد: ۲۳۰۸۹، موطا امام مالک: ۳۹۷)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) کا بیان" اور اس حدیث میں اس ابہام کی وضاحت ہے جو باب کے عنوان میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی بکر ہیں، یہ اپنے والد ابوبکر بن عمرو بن حزم الانصاری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحمید، یہ عبدالرحمن الانصاری المدنی الصحابی ہیں، اور ان کے نام میں اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔

یہ حدیث "احادیث الانبیاء علیہم السلام" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وذریتہ" اس کا معنی ہے نسل۔ اور کبھی اس کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کا اطلاق اصل پر ہوتا ہے اور یہ "ذرأ" سے ماخوذ ہے، یعنی اس کو پیدا کیا گیا ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے اس میں تخفیف کی گئی ہے اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ "الذر" سے ماخوذ ہے، یعنی ان کو چیونٹیوں کی مثل پیدا کیا گیا ہے۔

آل پر صلوٰۃ (درود) بھیجنے کا بیان

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں۔ اور بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ آل پر صلوٰۃ بھیجنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں آل کا ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ دوسری احادیث میں آل کا بھی ذکر ہے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: "صل علی محمد واھل بیتہ وازواجہ وذریتہ"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صلوٰۃ (درود) کا معنی اور غیر نبی پر صلوٰۃ پڑھنے کے متعلق مذہب مختار

ضحاک نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی رحمت ہے، اور فرشتوں کی صلوٰۃ دعا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنا کتاب اور سنت کی دلیل سے جائز ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی شخص صدقہ لے کر آتا تو آپ دعا کرتے "اللھم صل علیہ" اے اللہ! اس پر صلوٰۃ نازل فرما۔ اور ابوحمید کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج اور اولاد پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر ہیں۔ سو اس باب میں ان فقہاء کا رد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کا انکار کرتے ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ پڑھنے کے دلائل

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تشہد میں مجھ پر صلوٰۃ پڑھنے کو اور اللہ کے انبیاء پر صلوٰۃ پڑھنے کو ترک نہ کرو۔۔۔ الحدیث۔

اور امام بیہقی نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نبیوں پر صلوٰۃ (درود) بھیجو۔۔ الحدیث

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو اللہ تعالیٰ کے دیگر نبیوں پر بھی صلوٰۃ پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح بھیجا ہے جس طرح مجھے بھیجا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ (درود) بھیجنے میں مذاہب

قاضی عیاض نے کہا: عام اہلِ علم کا مختار جواز ہے اور سفیان نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنا مکروہ ہے۔ اور امام مالک نے کہا: انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کو میں مکروہ قرار دیتا ہوں اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

اور یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ لفظِ صلوٰۃ رحمت کی دعا ہے، پس بغیر کسی نص صریح یا اجماع کے اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔

قاضی عیاض نے کہا: اور جس چیز کی طرف میرا میلان ہے، وہ امام مالک اور سفیان کا قول ہے۔ اور وہی محققین، متکلمین اور فقہاء کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے رضی اللہ عنہ کہا جائے گا یا غفر لہ کہا جائے گا۔ اور غیر انبیاء پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنا معروف نہیں ہے، بنو ہاشم کی حکومت میں یہ چیز حادث ہوئی۔

نیز اس پر دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سلام کی تعلیم دی تو فرمایا: "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" اس سے معلوم ہوا کہ سلام انبیاء پر بھی پڑھا جائے گا اور غیر انبیاء پر بھی پڑھا جائے گا۔ اور جب آپ نے صحابہ کو صلوٰۃ کی تعلیم دی تو آپ نے صرف اس پر اقتصار کیا "اللھم صل علی محمد وعلی اھل بیت" اس قول کو علامہ قرطبی نے المفہم میں اختیار کیا ہے۔ اور ابوالمعالی حنبلی نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ کا بھی یہی مختار ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر طبعاً مطلقاً صلوٰۃ پڑھنا جائز ہے اور استقلالاً جائز نہیں ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا

ہے کہ استقلالاً پڑھنا مکروہ ہے اور طبعاً پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ امام احمد سے منقول ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا کہ مطلقاً جائز ہے اور امام بخاری کے عنوان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس آیت سے اس باب کو شروع کیا ہے جس میں مذکور ہے "صل علیھم" اور وہ حدیث روایت کی ہے جو مطلقاً جواز پر دلالت کرتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کے جواز کے متعلق دیگر دلائل

قیس بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ دعا کر رہے تھے: "اللھم اجعل صلواتك و رحمتك علی آل سعد بن عبادة" (اے اللہ! اپنی صلوات اور رحمت کو سعد بن عبادہ کی آل پر نازل فرما)۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور اس کی سند جید ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھ پر صلوٰۃ پڑھیے اور میرے خاوند پر صلوٰۃ پڑھیے، تو حضور نے صلوٰۃ پڑھی۔ اس حدیث کی امام احمد نے طویل روایت کی ہے اور مختصر روایت بھی کی ہے اور امام ابن حبان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں "صلی اللہ علیك وعلی جسدك" (اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے جسم پر صلوٰۃ نازل فرمائے)۔

نیز ان علماء نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ۔ (الاحزاب: ۴۳) وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی)۔

اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۔ (البقرہ: ۱۵۷) یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں اور رحمت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ پڑھنے کے مانعین کے جوابات

مانعین نے قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ صلوٰۃ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے اور ان کے لیے جائز ہے کہ وہ جس کو چاہیں جس دعا کے ساتھ خاص کرلیں اور ان کے غیر کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر صلوٰۃ سے منع کیا ہے، وہ اس پر محمول ہے کہ جب غیر نبی پر بطور تعظیم کے صلوٰۃ پڑھی جائے لیکن جب بطور رحمت کی دعا اور برکت کی دعا کے صلوٰۃ پڑھی جائے تو پھر منع نہیں ہے۔

اور ابن القیم نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اور ملائکہ پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر اور آپ کی آل پر اور آپ کی اولاد پر اور اہل طاعت پر اجمالاً صلوٰۃ پڑھی جائے۔ اور غیر انبیاء کے لیے خصوصی طور پر صلوٰۃ نہ پڑھی جائے جیسا کہ رافضی کرتے ہیں۔ اور اگر کسی وقت بھی غیر انبیاء پر صلوٰۃ پڑھی جائے اور اس کو شعار نہ بنایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر سلام پڑھنے کا شرعی حکم

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر سلام پڑھنے میں بھی اختلاف ہے جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ زندہ پر سلام پڑھنا جائز ہے۔پس ایک قول یہ ہے کہ غیر انبیاء علیہم السلام پر مطلقاً سلام پڑھنا مشروع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر بھی تبعاً سلام پڑھنا چاہیے اور کسی ایک کے لیے خصوصی طور پر سلام نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ رافضیوں کا شعار ہے۔اور علامہ نووی نے اس کو الشیخ محمد بن الجوینی سے نقل کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۲۔ ۴۲۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۰ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ (درود) کی دعا کرنے کا بیان

امام بخاری نے حضرت ابن ابی اوفیٰ اور حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہم کی حدیث روایت کی ہے، حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابواوفیٰ رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صدقہ لے کر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی ''اللھم صل علیه''۔ اور حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللھم صل علیٰ محمد وازواجه وذریته۔۔۔الحدیث'' اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اور اولاد پر صلوٰۃ کی دعا کا ذکر ہے۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ جب کسی دعا کا کوئی سبب ہو اور اس کو اس شخص معین کے لیے دعا کا شعار نہ بنایا جائے، اس پر صلوٰۃ کی دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔اور اگر یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تو پھر کسی کے لیے بالاستقلال صلوٰۃ کی دعا کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! بالتبع صلوٰۃ کی دعا کی جاسکتی ہے جیسے کہا جائے ''اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ازواجه وذریته''۔(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ آذَيْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَرَحْمَةً

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: میں نے جس کو تکلیف دی ہو تو اے اللہ! وہ تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ اور رحمت بنا دے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی ہے کہ ''مجھ سے اگر کسی کو تکلیف یا اذیت پہنچی ہو تو اے اللہ! وہ تکلیف اس کے گناہوں کی طہارت اور اس کے جنت میں درجات کی بلندی اور صلوٰۃ اور رحمت کا سبب بنا دے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۰۔ ۴۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُمَّ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح مسلم: ۲۶۰۱، مسند احمد: ۱۰۰۳۱، سنن دارمی: ۲۷۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! میں نے جس مومن کو بھی برا کہا ہو تو وہ اس کے لیے قیامت تک اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔

صحیح البخاری: ۶۳۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن صالح کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن وہب المصری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، وہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اگر کسی مسلمان کو برا کہا ہو اور وہ اس برائی کا سبب نہ ہو تو اس کے لیے آپ کا اسے برا کہنا اس کی طہارت کا سبب ہوگا۔ اور اگر وہ اس برائی کا مستحق ہو تو پھر وہ اس کے لیے طہارت نہیں ہوگی۔ اور دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس صورت پر محمول ہے جب وہ مسلمان اس برائی کا مستحق نہ ہو۔

نبی ﷺ کی دعائے مذکور کے ثبوت میں متعدد احادیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں: اس کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں بشر ہوں، اس طرح راضی ہوتا ہوں جس طرح بشر راضی ہوتا ہے اور اس طرح ناراض ہوتا ہوں، جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، پس میں اپنی امت میں سے جس شخص کے خلاف کوئی ایسی دعا کروں کہ وہ اس دعا کا اہل نہ ہو تو اے اللہ! اس کے لیے اس دعا کو طہارت اور زکوٰۃ اور قرب کا ذریعہ بنا دے، جس سے وہ قیامت تک قرب حاصل کرتا رہے۔

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں صرف ایک بشر ہوں اور میں نے اپنے رب سے یہ شرط کی ہے کہ میں جس مسلمان کو بھی برا کہوں یا اس کے خلاف

دعا کروں تو میری اس دعا کو اس کے لیے طہارت اور اجر بنادے۔

اور نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں صرف بشر ہوں، پس میں جس مرد کو بھی برا کہوں یا جس کو لعنت کروں یا جس کو سزا دوں تو اس کو اس کے لیے طہارت اور رحمت بنادے۔

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ جب آپ کی اس دعا پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ دعا اس بندہ کے لیے رحمت بنادی جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خُلق کریم میں سے ایک خلق ہے اور آپ کے کرمِ عمیم میں سے ایک کرم ہے، کیونکہ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ سے جو بھی ایسی چیز واقع ہو اس کو خیر اور کارآمد بنادیا جائے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خُلق عظیم پر فائز ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خُلق عظیم اور کرم عمیم کا بیان

یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کی تصدیق کرتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ میری امت ان کی طاقت نہیں رکھتی، کچھ تخفیف فرمایئے حتیٰ کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہوگئیں اور فرمایا کہ یہ تعداد میں پانچ نمازیں ہیں اور اجر میں پچاس نمازیں ہیں۔ (ملخصاً) (صحیح البخاری: ۳۴۹)

اور آپ کا یہ عمل مومنین کی فلاح پر حریص ہونے کے سبب سے تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۳۹)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو برا نہیں کہتے تھے اور نہ کسی کو ظلماً ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کی شریعت میں اس کو واجب کردیا گیا ہے۔ اور آپ اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں عفو کو رکھا ہے اور کرم کو رکھا ہے۔ اور صحیح البخاری کی بابِ مذکور کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کو آپ نے برا کہا ہو اس کے دل میں اُنس پیدا کیا جائے تاکہ اس کے اوپر شیطان غالب ہو کر اس کو مایوس نہ کردے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کے خلاف دعا کی وجہ سے اسے عنقریب کوئی ضرر ہوگا، کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے، تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ آپ مومنین کے خلاف جو دعا کریں اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے قرب کا ذریعہ بنادے اور اس کو پاکیزگی اور رحمت بنادے اور اس دعا

کو اس کے لیے سزا نہ بنائے اور عذاب نہ بنائے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطور تادیب کسی کو برا کہتے تھے اور حد سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اور کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے اس لیے آپ نے اس کے عوض میں یہ دعا کی کہ اگر آپ کسی کے خلاف دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے آپ کی دعا کو رحمت بنا دے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۹۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، نے اس حدیث کی یہ تقریر علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے اخذ کی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے باب مذکور کی حدیث کی تائید میں دیگر احادیث

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ از ابن شہاب از عم خود، روایت کرتے ہیں: اے اللہ! میں نے تجھ سے یہ عہد لیا ہے جس عہد کے تو خلاف نہیں کرے گا کہ میں نے جس مومن کو بھی برا کہا ہو یا اس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے قیامت کے دن کفارہ بنا دے۔

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: اے اللہ! میں صرف بشر ہوں، پس جس مسلمان کو بھی میں نے برا کہا ہو یا جس پر لعنت کی ہو یا جس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے طہارت اور رحمت بنا دے۔

نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: میں نے مومنین میں سے جس کو بھی اذیت پہنچائی ہو یا اس کو برا کہا ہو یا اس پر لعنت کی ہو یا اس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے رحمت اور طہارت اور قیامت تک اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔

نیز امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ نے دعا: کی اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف بشر ہے، وہ اس طرح ناراض ہوتا ہے جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، اور میں نے تجھ سے یہ عہد لیا ہے جس کی تو مخالفت نہیں کرے گا، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے: پس جس مومن کو بھی میں نے ایذاء پہنچائی ہو۔۔ الحدیث

نیز امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو مرد آئے اور انہوں نے کسی معاملہ کے متعلق آپ سے گفتگو کی، میں نہیں جانتی کہ وہ کیا معاملہ تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں نے ناراض کیا، آپ نے ان کو برا کہا اور ان پر لعنت کی، پس جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتی کہ میں نے اپنے رب سے کیا شرط لگائی ہے؟ میں نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! میں صرف بشر ہوں، پس جس مسلمان پر بھی میں لعنت کروں یا اس کو برا کہوں تو اس کو اس کے لیے طہارت اور اجر بنا دے۔

نیز امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں صرف بشر ہوں، میں اس طرح راضی ہوتا ہوں جس طرح بشر راضی ہوتا ہے اور اس طرح ناراض ہوتا ہوں جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، پس میں اپنی امت میں سے جس کسی کے

خلاف بھی کوئی دعا کروں اور وہ اس دعا کا اہل نہ ہو تو میری اس دعا کو اس کے لیے طہارت بنادے اور رحمت بنادے اور قیامت تک اپنے قرب کا ذریعہ بنادے۔

جو شخص آپ کی دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو، اس کے خلاف آپ کی دعائے ضرر کی توجیہات

علامہ المازری نے کہا ہے: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف دعا کیسے کریں گے جو آپ کی دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ وہ اس دعا کا اہل یا مستحق نہ ہو اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تیرے نزدیک باطنِ امر میں وہ اس دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو نہ کہ ظاہرِ حال کے اعتبار سے اور ظاہری جرم کے اعتبار سے جب میں نے اس کے خلاف دعا کی، پس گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی کہ جس مسلمان کا باطنی امر تیرے نزدیک اس قبیل سے ہو کہ تو اس سے راضی ہو تو اس کے خلاف میری اس دعا کو جو میں نے ظاہرِ حال کے تقاضا سے کی ہے اس کو اس مسلمان کے لیے طہارت اور رحمت بنادے۔ علامہ المازری نے کہا کہ یہ معنی صحیح ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہرِ حال کے اعتبار سے عبادت کرتے تھے اور باطنِ امر میں جو لوگوں کا حساب ہے اسے اللہ پر چھوڑ دیتے تھے۔

یہ جواب ان علماء کے قول پر مبنی ہے جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں اجتہاد کرتے تھے اور آپ اپنے اجتہاد کے اعتبار سے جو فیصلہ فرماتے اس پر عمل کرتے تھے، لیکن جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف وحی کے مطابق حکم دیتے تھے، ان کے قول کی تقدیر پر یہ جواب نہیں بن سکتا۔

پھر علامہ المازری نے کہا: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہے کہ میں اس طرح ناراض ہوتا ہوں جس طرح بشر ناراض ہوتا ہے، کیونکہ اس قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کے خلاف دعا کی، وہ جوشِ غضب کے تقاضا سے کی نہ کہ شرعی تقاضا سے کی۔ پھر دوبارہ سوال لوٹ آئے گا۔

پھر اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کا ارادہ یہ ہو کہ آپ نے جس کے خلاف دعا کی یا جس کو آپ نے برا کہا یا کوڑا مارا تو آپ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اس کے خلاف یہ دعا کریں یا جرم کرنے والے کو سزا دیں یا ترک کردیں۔ پس آپ کا غضب اللہ تعالیٰ کے لیے تھا جس نے آپ کو اس کے اوپر لعنت کرنے پر برانگیختہ کیا یا کوڑے مارنے پر، اور یہ شریعت سے خارج نہیں ہے۔

علامہ المازری نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کیا ہو اور آپ کو جو اس شخص پر غضب تھا اس نے جرم کرنے والے کو زیادہ سزا دینے پر نہ برانگیختہ کیا ہو، یا آپ کو یہ خطرہ تھا کہ آپ کے غضب نے جرم کرنے والے کو تھوڑی سی زیادہ سزا دینے پر برانگیختہ کیا ہو اور آپ کا یہ فعل گناہِ صغیرہ سے ہوگا اور یہ ان کے نزدیک ہے جو آپ کے لیے گناہِ صغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

علامہ المازری نے چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے جس پر لعنت کی یا جس کو برا کہا یہ بلاقصد کیا۔ اور یہ اس طرح نہیں ہے کہ آپ نے کسی پر لعنت کی ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس لعنت کے قبول کرنے کی دعا کی ہو۔

قاضی عیاض نے اس آخری احتمال کو ترجیح دی ہے، انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو برا کہا یا دعا کی وہ مقصود

نہیں تھا اور نہ آپ کی نیت تھی، لیکن اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اپنے کلام میں اور اپنے خطابات میں عتاب کے وقت اس طرح کے کلمات کہتے ہیں اور ان کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ ان کلمات کا وقوع ہو جیسے کہتے ہیں: تم زخمی ہو جاؤ، تمہارا سر مونڈ دیا جائے، تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہو جائیں، تو آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں واقع میں ایسا نہ ہو جائے اور آپ کی یہ دعا قبول نہ ہو جائے، تو آپ نے اپنے نفس سے عہد کیا اور اس کی طرف رغبت کی اور آپ نے یہ دعا کی کہ اللہ اس کو رحمت اور اپنا قرب بنادے۔ (علامہ مازری کا کلام ختم ہوا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ احتمال عمدہ ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ میں نے جس کو کوڑا مارا ہو تو اس کو بھی اس کے لیے رحمت بنادے، تو یہ جواب وہاں نہیں چل سکے گا، کیونکہ بغیر قصد کے کوڑا نہیں مارا جاتا، اور آپ نے تمام امور کو ایک ترتیب سے ذکر کیا ہے سوا اس کے کہ کوڑے سے مراد ایک کوڑا ہو۔

پھر قاضی عیاض نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت غضب میں بھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہتے تھے اور نہ کوئی کام خلاف حق کرتے تھے لیکن اللہ کے لیے جو آپ کا غضب ہوتا تھا وہ کبھی آپ کو برانگیختہ کرتا کہ آپ مخالف کو جلد سزا دیں اور معاف کرنے اور درگزر کرنے کو ترک کردیں اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہیں لیا سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: پھر اس احتمال کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہوگا کہ میں جس کے لیے دعائے ضرر کروں اور وہ دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یعنی میں جلدی اس کے لیے دعائے ضرر کردوں یا جلدی اس کو سزا دے دوں اور اس سے درگزر نہ کروں۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر انتہائی درجہ شفیق تھے اور آپ کا خلق بہت جمیل تھا اور آپ کا کرم بہت عمیم تھا، کیونکہ اگر آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا تو آپ اس کی تلافی کرتے اور اس کے لیے دعا کرتے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۱ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق اور آپ کی عادت میں فحش کلام کا نہ ہونا

اس باب میں جو احادیث روایت کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق اور آپ کی عادت اور آپ کی فطرت میں فحش کلام نہیں تھا۔ اور اس میں فرق ہے کہ کسی انسان کی فطرت اور عادت میں تو فحش کلام نہ ہو لیکن کبھی کبھار اس سے کوئی سخت بات صادر ہو اور یہ اس کی عصمت کے خلاف نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ المازری نے جو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا قصد اگر کسی کو برا کہیں یا لعنت کریں یا اس کو کوڑا ماریں تو اس کے متعلق آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس کو اس شخص کے لیے رحمت بنادے، اس کی نظیر درج ذیل حدیث میں ہے:

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں لشکر کی صفیں سیدھی کر رہے تھے، حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ صف کے آگے سے نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیٹ میں دھکا دیا یا تیر چبھویا اور آپ نے فرمایا: اے سواد! صف میں سیدھے رہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! آپ مجھے اس کا قصاص دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا کہ تم قصاص لے لو۔ وہ آپ کے ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے آپ کو بوسا دیا، آپ نے پوچھا: تمہیں اس فعل پر کس چیز نے برانگیختہ کیا، انہوں نے کہا: اللہ کی تقدیر سے وہ ہونے والا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور مجھے یہ خوف ہوا کہ آج میں قتل کر دیا جاؤں تو میں نے ارادہ کیا کہ میرا آخری کام یہ ہو کہ میں آپ کے ساتھ گلے لگ چکا ہوں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۳۳۔ ۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

۳۵۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ — فتنوں سے پناہ طلب کرنے کی دعا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِتن، فتنة کی جمع ہے، اس کا زیادہ استعمال اس میں ہے جب کسی مکروہ چیز کے ساتھ آزمائش کی جائے۔ اور پھر اس کا استعمال گناہ، کفر، قتال، جلانے اور زائل کرنے اور کسی چیز کو پھیرنے میں بھی کیا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۲۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم حَتَّى أَحْفَوْهُ الْمَسْأَلَةَ فَغَضِبَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافٌّ رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي فَإِذَا رَجُلٌ كَانَ إِذَا لَاحَى الرِّجَالَ يُدْعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبِي قَالَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صلی الله علیه وسلم رَسُولًا نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم مَا رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ إِنَّهُ صُوِّرَتْ لِي الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتَّى رَأَيْتُهُمَا وَرَاءَ الْحَائِطِ وَكَانَ قَتَادَةُ يَذْكُرُ عِنْدَ هَذَا الْحَدِيثِ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا حتیٰ کہ بہت زیادہ سوال کیا۔ آپ ناراض ہو گئے اور منبر پر چڑھے، پھر آپ نے فرمایا: تم مجھ سے آج کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس چیز کا بیان کروں گا۔ پھر میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو ہر مرد کپڑے میں اپنا سر لپیٹے ہوئے رو رہا تھا، پھر ایک مرد تھا جب اس کا مردوں سے جھگڑا ہوتا تو اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے بلایا جاتا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا: حذافہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر

تَسُؤْكُمْ﴾۔ (المائدہ:۱۰۱)

راضی ہیں، ہم فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے آج کی مثل خیر اور شر کو کبھی نہیں دیکھا، بے شک میرے لیے جنت اور دوزخ کی تصویر مہیا کی گئی حتیٰ کہ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پیچھے دیکھا، اور قتادہ اس حدیث کو روایت کرتے وقت یہ آیت پڑھتے تھے:

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں''۔ (المائدہ:۱۰۱)

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۹۴۳)

صحیح البخاری: ۶۳۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی احفوہ المسألۃ'' یعنی حتیٰ کہ صحابہ نے بہت زیادہ سوالات کیے۔ ''الحوا علیہ فی السوال'' کا معنی ہے انہوں نے سوال کرنے میں مبالغہ کیا اور بہت زیادہ سوالات کیے۔ علامہ داؤدی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ نے ایسے سوالات کیے جن کا جواب دینا آپ کو ناپسند تھا تا کہ آپ کی امت پر تنگی نہ ہو۔ اور ان سوالات کا تعلق دین کے ساتھ تھا نہ کہ مال کے ساتھ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس شخص کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے بلایا جاتا تھا''۔ یعنی جب اس شخص کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہوتا تو لوگ اس شخص کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کر کے بلاتے، تو اس شخص نے چاہا کہ وہ اپنے نسب کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے معلوم کرلے اور تحقیق کرلے تو اس نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ حذافہ ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو یہ حکم دیا کہ ان کے باپ حذافہ ہیں، یا تو آپ کو وحی سے معلوم ہوا تھا یا آپ نے فراست سے یہ جواب دیا یا قیافہ سے یہ جواب دیا۔ اور جب حضرت عبد اللہ اپنی ماں کے پاس لوٹے تو ان کی ماں نے ان سے کہا: تم کو اس سوال پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہماری طرف کتاب ہے ہم اس پر راضی ہیں، اور ہمارے نبی کی جو سنت ہے ہم اس پر راضی ہیں'' اور اس وجہ سے ہمیں سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا تا کہ رسول اللہ ﷺ کی تکریم ظاہر ہو اور مسلمانوں پر شفقت کرنے کے لیے تا کہ وہ نبی ﷺ سے زیادہ سوالات کر کے آپ کو ایذاء نہ پہنچائیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

• اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب آپ کی کامل قضاء سے مانع نہیں تھا۔ اس کے خلاف باقی فیصلہ کرنے والے جو ہیں وہ حالتِ غضب میں غلط فیصلہ کر دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم معلوم ہوئی اور ان کے علم کی فضیلت معلوم ہوئی، کیونکہ انہیں یہ خطرہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کرنا کہیں آپ کی ناراضگی کا موجب نہ ہو۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عالم سے صرف ضرورت کے وقت سوال کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وراء الحائط" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب کی دیوار کے پیچھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۸۲۔ ۴۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرو گے میں تمہیں اس کا جواب دوں گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا فرما دیا ہے حتیٰ کہ اس مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا آپ اس کا جواب دیتے۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، ہر شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے کہ اس سے جس چیز کا سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے دے، مثلاً میں حدیث پڑھاتا ہوں، اب مجھ سے کوئی شخص سوال کرے کہ زمین کی حرکت کی کیا رفتار ہے؟ یا سورج کی حرکت کی کیا رفتار ہے؟ ظاہر ہے مجھے اس کا جواب معلوم نہیں ہے، لیکن اس سے میرے حدیث پڑھانے کے منصب پر تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے اور آپ کا دعویٰ ہو کہ میں ہر سوال کا جواب دوں گا اور آپ جواب نہ دیں سکیں تو آپ کے تو دعویٰ نبوت میں فرق آجائے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی اس مرتبہ کا نہیں ہے کہ وہ یہ دعویٰ کر سکے کہ مجھ سے جو مرضی آئے سوال کرو میں اس مجلس میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں گا۔ اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت اور آپ کے علمِ کلی اور علمِ ما کان و ما یکون پر واضح دلیل ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرام کو یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماؤں کے رحم اور باپوں کی پشت پر بھی مطلع ہیں، تبھی حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ بتایئے میرا باپ کون ہے؟ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ کس شخص کا باپ کون ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت اور دوزخ کو دیکھنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیوار کے پیچھے جنت اور دوزخ کی تصویر اللہ تعالیٰ نے بنا دی۔ بعض لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتہً جنت اور دوزخ کو نہیں دیکھا تھا بلکہ ان کی تصویروں کو دیکھا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نمازِ کسوف کی ایک حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت دکھائی گئی اور آپ نے جنت کے خوشوں کو توڑنے کا ارادہ کیا۔ اگر آپ کو صرف تصویر دکھائی گئی ہوتی تو تصویر کو دیکھ کر تو کوئی اس کے خوشوں کو توڑنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ جس حدیث کا ہم نے حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت طویل قیام کیا۔۔۔۔۔اس حدیث کے اخیر میں ہے: صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے کسی چیز کو پکڑ رہے تھے، پھر ہم نے آپ کو دیکھا آپ پیچھے ہٹ رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا، پھر اس میں سے ایک خوشہ کو میں نے پکڑنا چاہا، اگر میں اس کو پالیتا تو تم اس کو رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔ پھر مجھے دوزخ دکھائی گئی، اور میں نے آج کی طرح کوئی ڈراؤنا منظر نہیں دیکھا۔۔۔الحدیث

(صحیح البخاری: ۲۹، ۴۳۱، ۷۴۸، ۱۰۵۲، ۳۲۰۲، ۵۱۹۷، صحیح مسلم: ۹۰۷، ۸۸۴، سنن نسائی: ۱۴۹۳، مسند احمد: ۲۷۰۶، موطا امام مالک: ۴۴۵)

صحیح البخاری: ۶۳۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غضب اور آپ کی ناراضگی آپ کے حکم دینے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ آپ حق کے سوا بات نہیں کہتے خواہ آپ ناراض ہوں یا راضی ہوں، اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم کا ثبوت ہے اور ان کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فتنہ کی دو قسمیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فتنہ سے پناہ طلب کرنا

یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ فتنوں سے پناہ کی طلب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر نماز میں فتنوں سے پناہ طلب کریں۔ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللهم انی اعوذبك من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحيا والممات ومن فتنة المسيح الدجال۔

اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور عذاب نار سے اور زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۷۷، صحیح مسلم: ۵۸۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۴، سنن نسائی: ۵۵۰۶، سنن ابوداؤد: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۹، مسند احمد: ۱۰۳۸۹)

اور فتنہ کبھی کسی شبہ کی وجہ سے ہوتا ہے، انسان کو کوئی شبہ عارض ہوتا ہے اور اس پر حق مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ حق کو نہیں پہچان سکتا، اور کبھی فتنہ شہوت کی بناء پر ہوتا ہے اور انسان گناہ کرتا ہے اور اس کو علم ہوتا ہے کہ یہ گناہ ہے، پس پہلا فتنہ علم میں شبہ کی وجہ سے ہے اور دوسرا فتنہ قصد میں شبہ کی وجہ سے ہے اور انسان ہمیشہ ان دونوں امروں کے درمیان رہتا ہے، وہ اپنے دین کے اندر جو فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے تو ان دو سببوں کی وجہ سے ہوتا ہے، یا تو جہل ہوتا ہے یا اس کی خواہش اور شہوت ہوتی ہے۔ پس تم انسان کو پاؤ گے، مثلاً وہ جہل کی وجہ سے خطا کرتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ خطا ہے، اور کبھی وہ شہوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ

گناہ ہے، اور یہ دونوں امر فتنہ ہیں اگر اللہ تعالیٰ تم کو ان سے پناہ میں نہ رکھے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

سوال میں اصرار نہیں کرنا چاہیے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو سوال میں اصرار نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں اور کسی شخص نے کوئی ایسا سوال کیا اور اس کے سوال کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو حرام کر دیا، پس وہ شخص بہت عظیم جرم کا مرتکب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اسی طرح انسان کو سوال میں اصرار نہیں کرنا چاہیے، سوا اس شخص کے کہ جس کے اوپر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہو، پس وہ اس مصیبت کے متعلق سوال کرے یا اس کو یہ توقع ہو کہ اس کو کوئی مصیبت نازل ہوگی اور وہ اس کے متعلق سوال کرے۔ اور وہ مرد جو علم حاصل کرتا ہے اور حصولِ علم میں بحث کرتا ہے اور علم کو حاصل کرنے کے لیے سوال کرتا ہے، پس پہلی قسم وہ ہے کہ جس میں کوئی مصیبت نازل ہوئی یا اس کو کوئی توقع تھی کہ مصیبت نازل ہوگی اور اسے اس کے متعلق سوال کرنا ہوگا۔ سو ان صورتوں میں سوال میں اصرار کرنا جائز ہے۔

صحابہ کرام کا اپنے سر کو کپڑے میں لپیٹ کر رونے کا سبب

جب بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے با اصرار سوال کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض ہوئے اور آپ منبر پر چڑھ گئے اور آپ نے فرمایا: تم آج مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا۔ اور اس نے صحابہ کے لیے حد قائم کی کہ وہ زیادہ اصرار سے سوال نہ کریں اور آپ کو مشقت اور تھکاوٹ میں مبتلا نہ کریں، اسی لیے انہوں نے اپنے اوپر تنقید کی اور اپنے اوپر ملامت کی اور پھر ان میں سے ہر شخص اپنے سر پر کپڑا لپیٹ کر رو رہا تھا۔ پس وہ با اصرار سوال کرنے پر نادم ہوئے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ طٰہٰ پر درود پڑھو؟

الجواب: جب کوئی تم سے کہے کہ طٰہٰ پر درود پڑھو، تو تم اس سے کہو: طٰہٰ قرآن مجید میں حروف ہجائیہ ہیں، ہاں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے طٰہٰ ہے اور میرا گمان ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے اسماء میں سے یٰسٓ ہے۔ اور ان کے قاعدہ پر ہم کہتے ہیں کہ آپ کے اسماء میں سے نون ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ طٰہٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے نہیں ہے اور نہ یٰس ہے اور نہ نون ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ کے بعض شعراء نے کہا ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر　　　وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

۳۶۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ غَلَبَةِ الرِّجَالِ　　مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرنے کی دعا کا بیان ہے۔ یعنی مردوں کے قہر سے پناہ طلب کرنا۔ کہا جاتا ہے:

"اقلان مغلب" یعنی فلاں شخص مقہور ہے اور از خود اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غلبہ سے مراد ہے ان کا تسلط اور ہلاک کرنے کے لیے ان کا دباؤ۔ اور یہ عوام کے غلبہ کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۳- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ الْتَمِسْ لَنَا غُلَامًا مِنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ يُرْدِفُنِي وَرَاءَهُ فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ كُلَّمَا نَزَلَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ فَلَمْ أَزَلْ أَخْدُمُهُ حَتَّى أَقْبَلْنَا مِنْ خَيْبَرَ وَأَقْبَلَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَدْ حَازَهَا فَكُنْتُ أَرَاهُ يُحَوِّي وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ أَوْ كِسَاءٍ ثُمَّ يُرْدِفُهَا وَرَاءَهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا فَأَكَلُوا وَكَانَ ذَلِكَ بِنَاءَهُ بِهَا ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا بَدَا لَهُ أُحُدٌ قَالَ هَذَا جُبَيْلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو مولی المطلب بن عبد اللہ بن حنطب، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لیے اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکا تلاش کرو جو میری خدمت کرے، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے نکالا اور اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر لائے، پس میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، جب بھی آپ گھر میں ہوتے تو میں اکثر آپ سے سنتا تھا، آپ دعا کرتے تھے: "اے اللہ! میں فکر اور غم سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عجز اور سستی سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور بخل اور بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور قرض کی شدت سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور مردوں کے غلبہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، پھر میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہا حتیٰ کہ ہم خیبر سے آئے اور آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب کر لیا تھا، پس میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نے ان کو اپنی چادر سے پردہ میں رکھا ہوا تھا اور ان کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا ہوا تھا حتیٰ کہ جب مقام صہباء پر پہنچے تو آپ نے ایک قسم کا حلوہ تیار کرایا اور اس کو چمڑے کے دستر خوان پر رکھا، پھر مجھے بھیجا، میں نے لوگوں کو دعوت دی، پس لوگوں نے اس کو کھایا، یہ آپ کا ان کے ساتھ شب باشی کا ولیمہ تھا۔ پھر آپ آگے بڑھے حتیٰ کہ آپ کو احد پہاڑ دکھائی دیا، پھر آپ نے فرمایا: یہ ایک پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو اس طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت

ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔اے اللہ! ان کے مد میں اور ان کے صاع میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۱۳۱۳۶، ۱۲۲۰۵)

صحیح البخاری: ۶۳۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرنا'' اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ ''اے اللہ! میں مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن ابی عمرو، اور وہ مطلب کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور وہ ابن عبداللہ بن حنطب ہیں اور وہ المخزومی القرشی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل الانصاری ہے، یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اور حضرت ام سلیم حضرت انس کی والدہ ہیں رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث میں ''ھم'' اور ''حزن'' کا ذکر ہے۔''ھم'' مستقبل میں پیش آنے والی کسی پریشانی کو کہتے ہیں۔اور ''حزن'' ماضی میں واقع کسی پریشانی کو کہتے ہیں۔اور بخل، کرم کی ضد ہے اور ''جُبن'' شجاعت اور بہادری کی ضد ہے۔اور بعض نسخوں میں مذکور ہے ''والحزن والعجز والکسل'' اور ''عجز'' قدرت کی ضد ہے اور ''کسل'' کے معنی ہیں سستی، یعنی آدمی میں چستی اور پھرتی نہ ہو۔اور ''ضلع الدین'' کا معنی ہے قرض کا بوجھ، شدت اور اس کی قوت۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا'' یعنی آپ کی وفات تک۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وحازھا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے حضرت صفیہ بنت حیی کو اپنے لیے چن لیا اور ان کو اپنے لیے لے لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یحوی'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کو گھما کر اونٹ کے کوہان کے ساتھ باندھ دیا، اس خطرہ سے کہ کہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا گر نہ جائیں۔

اور اس حدیث میں ''عباءۃ'' کا ذکر ہے اور یہ چادر کی ایک قسم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الصھباء'' یہ خیبر اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حیسا'' یہ کھجوریں، گھی اور پنیر کو ملا کر ایک قسم کا ملیدہ (حلوہ) بنایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بناؤ بھا" یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزارنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یحبنا ونحبہ" یعنی احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبت سے مراد حقیقی محبت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو شامل ہے کہ احد پہاڑ میں حقیقی محبت پیدا کر دے اور اس میں مجاز بھی ہو سکتا ہے یعنی احد پہاڑ کے رہنے والے ہم سے محبت کرتے ہیں اور وہ اہل مدینہ ہیں اور ہم ان اہل مدینہ سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میں ان دو پہاڑوں کی درمیانی جگہ کو اس طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا"۔ یہ تشبیہ نفسِ حرمتِ شکار میں ہے، نہ شکار کی جزا وغیرہ میں۔

اور اس حدیث میں مد اور صاع کا ذکر ہے، صاع سے مراد ہے چار کلو گرام وزن اور مد سے مراد ہے ایک کلو گرام وزن۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۔ ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا حتیٰ کہ ہم خیبر سے آئے"۔

غزوۂ خیبر کی تاریخ

غزوۂ خیبر جمادی الاولیٰ سات (۷) ہجری میں پیش آیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۶)

اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد خیبر کی طرف عزم کرتے ہوئے نکلے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۷۸)

اور اس وقت چھ ہجری کے چند دن باقی تھے۔ اور مکی بن ابراہیم البلخی نے از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ از ابی نضرہ از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ (۱۲) رمضان کو خیبر کی طرف نکلے، پس لوگوں کے ایک گروہ نے روزہ رکھا اور دوسروں نے روزہ چھوڑا۔ پھر روزہ رکھنے والوں نے روزہ چھوڑنے والوں کو ملامت نہیں کی اور نہ روزہ چھوڑنے والوں نے روزہ رکھنے والوں پر ملامت کی۔ (صحیح مسلم: ۱۱۱۶)

اور امام ترمذی اور امام نسائی نے اس کو روایت کیا ہے کہ کسی نے دوسرے پر ملامت نہیں کی۔

(سنن ترمذی: ۷۱۲، سنن نسائی: ج ۴ ص ۱۸۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی دعاء کا جوامع الکلم سے ہونا

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حدیث مذکور میں جو دعا ہے یہ جوامع الکلم میں سے ہے، کیونکہ رذائل کی تین قسمیں ہیں: نفسانی، بدنی اور خارجی۔ پس پہلی انسان کی قوتوں کے اعتبار سے ہے اور وہ تین ہیں: عقلی، غضبی اور شہوانی۔ پس ''ھم'' اور ''حزن'' قوت عقلیہ کے اعتبار سے ہے اور ''جبن'' قوتِ غضبیہ کے اعتبار سے ہے اور ''بخل'' قوتِ شہوانیہ کے اعتبار سے ہے۔ اور ''عجز اور کسل'' قوتِ بدنیہ کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسری رذیلہ اس وقت ہوتی ہے جب انسان کے اعضاء سلامت ہوں اور تمام آلات اور قویٰ کارآمد ہوں۔ اور پہلی رذیلہ اس وقت ہوتی ہے جب کسی عضو میں کمی ہو۔ اور غلبہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان کے مال میں کمی ہو۔ اور دعاء ان تمام رذائل سے پناہ کی طلب پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۷۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذابِ قبر سے پناہ طلب کرنے کا بیان

۶۳۶۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ أُمَّ خَالِدٍ بِنْتَ خَالِدٍ قَالَ وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرَهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (صحیح البخاری: ۱۳۷۶، ۶۳۶۴، مسند احمد: ۲۶۵۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ام خالد بنت خالد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ نبی ﷺ سے ان کے علاوہ کسی نے سنا ہو، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۳۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، یہ عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ ہیں جو اپنے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن عُقبہ، عُقبہ میں عین پر پیش ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ام خالد، ان کا نام امۃ بنت خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ہے۔ امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ نبی ﷺ کے عہد میں یہ بہت چھوٹی تھیں، انہوں نے آپ سے حدیث کو یاد رکھا اور ان کی وفات بعد میں ہوئی اور ان سے حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا، اور صحابہ میں بھی ام خالد بنتِ خالد بن یعیش بن قیس النجاریہ ہیں جو حارثہ بن النعمان کی بیوی ہیں۔ ابن سعید نے کہا کہ یہ تابعیہ ہیں اور صحابہ میں ان کا شمار نہیں ہے۔ صاحب التوضیح نے اسی طرح کہا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے بھی ان کا صحابیات میں ذکر کیا ہے، ام خالد بنت الاسود بن عبد یغوث، ان سے عبید اللہ

بن عبداللہ نے روایت کی ہے۔ اور ام خالد بنت خالد کا بھی ذکر کیا ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر سے پناہ طلب کرنا اپنی امت کی تعلیم اور رہنمائی کے لیے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۔ ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ مُصْعَبٍ كَانَ سَعْدٌ يَأْمُرُ بِخَمْسٍ وَيَذْكُرُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِهِنَّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا يَعْنِي فِتْنَةَ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الملک نے حدیث بیان کی از مصعب، انہوں نے کہا: حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ چیزوں کا حکم دیتے تھے اور ان پانچ چیزوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حکم دیتے تھے، آپ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں بزدلی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا یا جاؤں، اور میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں آپ نے دجال کا فتنہ مراد لیا، اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

صحیح البخاری: ۶۳۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الملک، یہ ابن عمیر بن سوید بن حارثہ الکوفی ہیں اور یہ شعبی کے بعد کوفہ میں قاضی مقرر ہوئے اور سعید بن عثمان بن عفوان کے ساتھ خراسان میں جہاد کرنے کے لیے گئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بلخ میں جیحون کا دریا عبور کیا اور یہ سمرقند کے راستہ پر ہے، اور یہ تابعین میں سے ہیں۔ یہ ایک سو چھتیس (۱۳۶) ہجری میں فوت ہوئے۔ اور جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن ان کی عمر ایک سو تین (۱۰۳) سال تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت سعد پانچ چیزوں کا حکم دیتے تھے" یعنی ان پانچ چیزوں سے پناہ طلب کرنے کا ذکر کرتے تھے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میں اس سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا یا جاؤں"۔ ارذل عمر سے مراد ہے

بڑھاپا، جب انسان کی جسامت کم ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۔ (یٰس:۶۸) اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) الٹ دیتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ارذل عمر کا معنی ہے: ایسا بڑھاپا جس میں قوت اور عقل کم ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۳۶۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَتْ عَلَيَّ عَجُوْزَانِ مِنْ عُجُزِ يَهُوْدِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَتَا لِي إِنَّ أَهْلَ الْقُبُوْرِ يُعَذَّبُوْنَ فِي قُبُوْرِهِمْ فَكَذَّبْتُهُمَا وَلَمْ أُنْعِمْ أَنْ أُصَدِّقَهُمَا فَخَرَجَتَا وَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ عَجُوْزَيْنِ وَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ صَدَقَتَا إِنَّهُمْ يُعَذَّبُوْنَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ كُلُّهَا فَمَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ فِي صَلَاةٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میرے پاس دو بوڑھی عورتیں آئیں جو مدینہ کی بوڑھی عورتوں میں سے تھیں، ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے تو میں نے ان دونوں کی تکذیب کی، اور میں نے ان کی تصدیق نہیں کی، پس وہ دونوں چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! دو بوڑھیں عورتیں آئی تھیں اور میں نے آپ سے ان کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ان دونوں نے سچ کہا، ان لوگوں کو عذاب دیا جاتا ہے جس عذاب کو تمام جانور سنتے ہیں، پھر میں نے آپ کو اس کے بعد دیکھا کہ آپ جب بھی نماز پڑھتے تو اس میں عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۵۵، ۱۳۷۲، ۶۳۶۶، صحیح مسلم: ۹۰۳، سنن نسائی: ۲۰۷۶، ۱۴، مسند احمد: ۷۴۷، ۲۳، موطا امام مالک: ۴۴۶، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۳۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "لوگوں کو عذاب دیا جاتا ہے جس عذاب کو تمام جانور سنتے ہیں"۔ اور کتاب الجنائز میں گزر چکا

ہے کہ میت کی آواز ہر چیز سنتی ہے سوا انسان کے۔

اس پر سوال کیا گیا ہے کہ عذاب تو سنائی نہیں دیتا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مقصود ان انسانوں کی آواز ہے جن کو عذاب دیا جاتا ہے، یا بعض عذاب سنائی دیتے ہیں، مثلاً قبر والے کو جو مار لگائی جاتی ہے تو اس مار کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

القاضی ابوبکر بن الطیب وغیرہ نے کہا ہے: عذابِ قبر کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کی تصدیق میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو O (مومن: ۴۶)

اور اس پر اتفاق ہے کہ آخرت میں صبح اور شام نہیں ہے، صبح اور شام صرف دنیا میں ہے۔ پس آل فرعون کو ان کی موت کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے عذاب میں داخل کیا جائے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو ان کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۱۵۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآن اور احادیث سے دلائل

اہل علم نے اس آیت سے عذابِ قبر پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ آل فرعون کو صبح اور شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا، کیونکہ اس عذاب پر عطف کر کے فرمایا: اور قیامت کے دن بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جا رہا ہے اور قیامت کے بعد بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا۔ نیز آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آل فرعون کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کرو، اس سے معلوم ہوا کہ نفس شدید عذاب انہیں پہلے دیا جا چکا ہے اور وہ قبر کا عذاب ہے۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عذابِ قبر کے قائلین کے نزدیک عذابِ قبر قیامت تک دائمی ہوگا اور اس آیت سے صرف صبح اور شام کے وقت عذابِ قبر ثابت ہو رہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دن کی دو طرفیں صبح اور شام ہیں، پس ان دو طرفوں کا ذکر فرمادیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو قیامت تک دائمی عذاب ہوتا رہے گا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق ارشاد ہے:

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۔ (نوح:۲۵) یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کر دیئے گئے، پس ان کو فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔

اس آیت میں جس دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہ آگ نہیں ہے جس میں کافروں کو قیامت کے بعد ڈالا جائے گا، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: ان کو غرق ہوتے ہی فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا، اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ فوراً نہیں ہوگا، غرق ہونے کے فوراً بعد جو عذاب ہوگا، وہ قبر میں ہی ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں عذابِ قبر کی صاف تصریح ہے، نیز عذابِ قبر کے متعلق یہ احادیث بھی ہیں:

(۱) حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۶۴)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عاجزی سے، سستی سے، بزدلی سے اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۷۳۶۷)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا حتیٰ کہ جانور بھی ان کی آوازوں کو سنیں گے۔ (المعجم الکبیر: ۱۰۴۵۹)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عذابِ قبر کی نفی کی، پھر اس کے بعد عذابِ قبر کو ثابت فرمایا

باب الکسوف میں از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوال کرنے کے لیے آئی تو اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعا دی: اللہ آپ کو عذابِ قبر سے اپنی پناہ میں رکھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا لوگوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ سے اس کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ پھر آپ دوسرے دن ایک سواری پر سوار ہوئے تو سورج کو گہن لگ گیا، اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ عذابِ قبر سے پناہ طلب کریں۔ اور اس میں زہری کی روایت کی موافقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اس کا علم نہیں تھا۔ اور اس سے زیادہ صریح وہ روایت ہے جس کو امام احمد نے امام بخاری کی شرط کے ساتھ سعید بن عمرو بن سعید اموی سے روایت کی ہے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس کے ساتھ کوئی نیکی کرتیں تو وہ یہودی عورت یہ دعا دیتی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہود جھوٹ بولتے ہیں، قیامت کے علاوہ کوئی عذاب نہیں ہے، پھر آپ ٹھہرے رہے جتنی مدت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھہرانا چاہا، پھر ایک دن دوپہر کے وقت آپ نکلے اور آپ بلند آواز سے یہ

اعلان کررہے تھے کہ اے لوگو! عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ عذابِ قبر برحق ہے۔ اور ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر کا آخر میں مدینہ میں علم ہوا جیسا کہ صلوٰۃ کسوف کی تاریخ میں اپنی جگہ ثابت ہے۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے مکہ میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (مومن:۴۶)

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو O

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ مومن کی یہ آیت آلِ فرعون کے متعلق ہے اور جو کفار آلِ فرعون کے ساتھ لاحق ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عذابِ قبر کا انکار کیا وہ موحدین کے اوپر عذابِ قبر تھا۔ پھر بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کے اوپر عذابِ قبر نازل فرمائے گا، تو پھر آپ کو اس پر وثوق ہو گیا کہ عذابِ قبر موحدین کو بھی ہوگا، اور پھر آپ نے عذابِ قبر سے پناہ طلب کرنے میں بہت مبالغہ کیا اور اپنی امت کو تعلیم دی اور رہنمائی کی۔ پس الحمد للہ تعارض اٹھ گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عذابِ قبر اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۸۰۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۶۳۶۶ کی شرح میں لکھا ہے:

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ مومنین کی قبر میں آزمائش کی جائے گی تو آپ نے فرمایا کہ یہود کی قبر میں آزمائش کی جائے گی۔ سو آپ نے اپنے علم کے مطابق یہ فرمایا۔ پھر جب آپ کو یہ علم دیا گیا کہ غیر یہود کو بھی عذاب دیا جائے گا تو پھر آپ نے عذابِ قبر سے پناہ طلب کی اور آپ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ عذابِ قبر سے پناہ طلب کریں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبر میں عذاب اور ثواب کی کیفیت

مسئلہ: کیا عذابِ قبر بدن پر ہوتا ہے یا روح پر؟

الجواب: قرآن مجید کی ظاہر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ عذاب بدن پر ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (الانعام:۹۳)

نکالو اپنی جانوں کو، آج تمہیں ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم اللہ پر ناحق بہتان تراشتے تھے اور تم اس کی آیتوں (پر ایمان لانے) سے تکبر کرتے تھے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری روحوں کو عذاب چکھایا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو O (مومن: ۴۶)

اسی طرح اس آیت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صبح اور شام آل فرعون کے بدنوں اور جسموں پر عذاب کو پیش کیا جائے گا۔

پس قرآن مجید کی ظاہر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عذاب بدن پر ہوگا اور روح کو اس کے درد کا ادراک ہوگا لیکن یہ عذاب جو بدن کو پہنچتا ہے اس کا بدن کے اوپر اس طرح حسی ظہور نہیں ہوتا جس طرح دنیا میں کسی چوٹ کا بدن پر حسی ظہور ہوتا ہے، مثلاً قبر میں عذاب کے وقت مردہ کو جو گرز لگائے جاتے ہیں یا اس کے اوپر قبر تنگ کردی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل آتی ہیں تو کوئی نشان مردہ پر نہیں ہوتا۔ اور عذابِ قبر، عذابِ غیبی ہے، دنیا کے عذاب کی طرح نہیں ہے جس طرح ثوابِ قبر بھی ثوابِ غیبی ہے۔ اور ظاہر نصوص یہ ہیں کہ یہ عذاب اور ثواب بدن کو ہوتا ہے۔

اور بعض اہلِ علم نے کہا ہے: بلکہ یہ عذاب اور ثواب روح کو ہوتا ہے اور بدن کو بالکل عذاب نہیں ہوتا۔ اور دوسرے علماء نے یہ کہا: بلکہ عذاب اصل میں روح کو ہوتا ہے لیکن اس کا اتصال بدن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک معتمد قول پہلا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اگر ہم قبر کو کھودیں تو مردہ اس میں اسی طرح پڑا ہوگا جس طرح کل اس کو دفن کیا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امورِ غیبیہ ہیں اور مشاہدہ میں ان کا ظہور ممکن نہیں ہے، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نشانی دکھانا چاہے ورنہ اصل یہ ہے کہ عذاب بھی غیبی ہے اور ثواب بھی غیبی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

زندگی اور موت کی آزمائش سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں زندگی اور موت کی آزمائش سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے۔ یعنی زندگی کے زمانہ اور موت کے زمانہ کے زمانہ سے مراد ہے کہ جب انسان کی روح بدن سے منفصل (جدا) ہوتی ہے، اس وقت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المعتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عجز، سستی،

بزدلی، بخل اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اور میں
عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں زندگی اور موت کی
آزمائش سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۳، ۴۷۰۷، ۶۳۶۷، ۶۳۷۱ صحیح مسلم: ۲۷۰۶، سنن ترمذی: ۳۴۸۵، سنن نسائی: ۵۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۴۰، مسند احمد: ۱۲۷۰۳)

صحیح البخاری: ۶۳۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، وہ اپنے باپ سلیمان بن طرخان التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زندگی اور موت کی آزمائش کا بیان

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس دعا میں کلمہ جامعہ ہے جو معانی کثیرہ پر مشتمل ہے اور مرد کو چاہیے کہ اس پر جو بلائیں نازل ہوئی ہیں ان کے اٹھانے میں اپنے رب کی طرف رغبت کرے اور جو مصیبتیں نازل نہیں ہوئیں، ان کو دفع کرنے میں بھی اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔ اور تمام معاملات میں اپنے رب کا محتاج رہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے تاکہ آپ کی امت سے یہ آزمائشیں دور ہو جائیں اور آپ اپنی امت کو یہ تعلیم دیں کہ وہ کس طریقہ سے اور کس صفت سے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: زندگی کے فتنہ سے مراد وہ امور ہیں جو انسان کو زندگی کی مدت میں عارض ہوتے ہیں کہ وہ دنیا اور شہوات اور جہالات کی آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑا فتنہ العیاذ باللہ یہ ہے کہ موت کے وقت اس کا خاتمہ فتنہ پر ہو، اور موت کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت جو آزمائش ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قبر کی آزمائش ہو، کیونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تم اپنی قبروں میں ایسے فتنوں میں مبتلا کیے جاؤ گے جو دجال کے فتنہ کے قریب ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زندگی کے فتنہ سے مراد ہے کہ انسان کسی آزمائش میں مبتلا ہو اور وہ صبر نہ کر سکے۔ اور موت کے فتنہ سے مراد ہے کہ قبر میں اس سے سوال کیا جائے اور وہ حیرت میں مبتلا ہو۔ اور یہ عام کا ذکر ہے خاص کے بعد، کیونکہ عذابِ قبر بھی موت کے فتنہ میں داخل ہے اور دجال کا فتنہ زندگی کے فتنہ میں داخل ہے۔

اور الحکیم الترمذی نے نوادر الاصول میں سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ میت سے جب سوال کیا جاتا ہے تیرا رب کون ہے

تو اسے شیطان دکھائی دیتا ہے اور وہ شیطان اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں ہوں تیرا رب، پس اس لیے یہ دعا وارد ہے کہ بندہ مومن اس سوال کے جواب میں ثابت قدم رہے۔ اور پھر انہوں نے سندِ جید کے ساتھ عمرو بن مرۃ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اسے مستحب قرار دیتے تھے کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو وہ کہے: اے اللہ! اس کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھنا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فتنہ کا معنی

فتنہ کا اصل معنی ہے امتحان اور آزمائش، اور شریعت میں فتنہ کا استعمال ہوتا ہے کسی مصیبت کو دور کرنے کی آزمائش۔ اور فتنہ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

یعنی تم اپنے مال اور اولاد کی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل ہو جاتے ہو۔

نیز فتنہ کا استعمال گمراہی، کفر، عذاب اور رسوائی میں بھی ہوتا ہے اور جیسا قرینہ ہو اس کے اعتبار سے ویسا معنی کیا جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۹۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ — گناہ اور قرض سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں مأثم کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے اثم اور گناہ۔ اور مغرم کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے: جس چیز کا ادا کرنا تم پر لازم ہو جیسا کہ قرض اور دیت۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۸۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ اللّٰهُمَّ اغْسِلْ عَنِّي خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، گناہ، قرض اور قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے اور دوزخ کی آزمائش اور دوزخ کے عذاب سے اور غنیٰ کی آزمائش کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور فقر کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور المسیح الدجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! مجھ سے میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو ڈال اور میرے دل کو گناہوں سے اس

طرح صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جس طرح مشرق اور مغرب کے درمیان تو نے دوری رکھی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں فتنۂ قبر اور عذابِ قبر کا ذکر ہے، فتنۂ قبر سے مراد ہے منکر اور نکیر کا سوال۔ اور عذابِ قبر اس کے بعد مجرمین کو ہوتا ہے، پس گویا کہ فتنۂ قبر عذابِ قبر کا مقدمہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن فتنۃ النار" فتنۃ النار سے مراد ہے: دوزخ کے فرشتوں کا بطور ڈانٹ ڈپٹ کے دوزخیوں سے سوال کرنا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ (الملک: ۸)

جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اس سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا○

اور دوزخ کا عذاب اس کے بعد ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن شر فتنۃ الغنی" یعنی مال و دولت کی آزمائش کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ مال و دولت کی آزمائش کا شر ہے جیسے سرکشی اور اترانا، اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور دیگر مالی حقوق ادا نہ کرنا۔ اور فقر میں شر کا صراحتہً ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس کا ضرر دوسری چیزوں کے ضرر سے زیادہ ہے یا مالداروں پر تغلیظ کے لیے حتیٰ کہ وہ اپنے مال و دولت سے دھوکہ میں نہ آئیں اور مال و دولت کے مفاسد سے غافل نہ رہیں۔ اور اس کی دوسری خرابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "اور میں فقر کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں"۔ کیونکہ بسا اوقات فقر انسان کو ایسے کاموں پر برانگیختہ کرتا ہے جو دین داروں کے لائق نہیں ہوتے اور ان کو حرام کے ارتکاب پر آمادہ کرتا ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور بسا اوقات فقر کی وجہ سے آدمی ایسے کلمات بولتا ہے جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومن فتنۃ المسیح الدجال" مسیح فعیل کے وزن پر ہے اور یہ مفعول کے معنی میں ہے، یعنی

دجال کی آنکھ رگڑی ہوئی ہوگی۔ یا اس کا معنی ہے: وہ بہت سرعت اور تیزی کے ساتھ زمین کی مسافت کو قطع کرے گا۔

ابن فارس نے کہا ہے: مسیح وہ ہے کہ جس کے چہرہ کی ایک جانب رگڑی ہوگی اور اس کی آنکھ نہیں ہوگی اور نہ اس کا ابرو ہوگا۔ اور دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: ڈھانپنا، کیونکہ وہ ایک کثیر جماعت کو زمین میں ڈھانپ لے گا، یا وہ حق کو کذب کے ساتھ ڈھانپ لے گا، یا زمین کو تیزی سے قطع کرے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''خطایای'' اور خطایا کی اصل ہے خطائی، یہ فعائل کے وزن پر ہے اور جب دو ہمزہ جمع ہو گئے تو دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ اس سے پہلے کسرہ ہے اور پھر وہ ثقیل تھا تو اس کو حذف کر دیا۔ اور پھر یاء کو الف سے تبدیل کر دیا گیا، پھر پہلے ہمزہ کو یاء سے تبدیل کر دیا کیونکہ وہ دو الفوں کے درمیان خفیف تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''برف اور پانی کے اولوں سے''۔ اس حدیث میں برف اور اولوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ بہت صاف ہوتے ہیں اور نجاست کے ملنے سے بہت بعید ہوتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ونق'' یہ ''نقّی ینقی تنقیة'' سے ماخوذ ہے اور اس کو تاکید کے لیے ذکر کیا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ مجاز ہے یعنی جب کسی چیز کو برف اور اولوں کے پانی سے دھویا جاتا ہے تاکہ جو چیز عارض ہوئی ہو وہ دھل کر صاف ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ جب دھونے میں مبالغہ کا ارادہ کیا جائے تو گرم پانی سے دھویا جاتا ہے نہ کہ ٹھنڈے پانی سے، خاص طور پر برف کے پانی سے۔

اور علامہ خطابی نے اس کا جواب دیا ہے کہ ان مثالوں کے ساتھ اعیانِ مسمیات کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس سے گناہوں کی تطہیر میں مبالغہ اور تاکید کا ارادہ کیا ہے کہ گناہ بالکل مٹ جائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۔۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۶۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرض سے پناہ طلب کرنے کا بیان

امام نسائی نے از سلمہ بن سعید بن عطیہ از معمر از زہری روایت کی ہے اور اس حدیث کا اختصار سے ذکر کیا ہے اور اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرض اور گناہ سے پناہ طلب کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ قرض سے بہت زیادہ پناہ طلب کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جو شخص مقروض ہو وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اس حدیث کی راویہ ہیں۔

غنیٰ کے شر اور فقر کے شر کا بیان

غنیٰ اور فقر کو شر کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے اندر ایک اعتبار سے خیر ہوتی ہے تو جس چیز سے پناہ طلب کی ہے وہ غنیٰ کا شر ہے اور فقر کا شر ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

امام غزالی نے کہا ہے: غنیٰ کا فتنہ مال کو جمع کرنے کی حرص ہے اور مال کی محبت ہے حتیٰ کہ بندہ مال کو حاصل کرے خواہ حرام

طریقہ سے ہو۔ اور مال جمع کرنے کی حرص میں جس مال کو خرچ کرنا اس پر واجب ہے وہ نہ کرے اور مالی حقوق ادا نہ کرے۔ اور فقر کے فتنہ سے مراد یہ ہے کہ وہ فقر اور فاقہ کی وجہ سے حرام کا ارتکاب کرے۔

گرم پانی سے دھونے کے بجائے برف اور اولوں کے پانی سے دھونے کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میری خطاؤں کو برف کے پانی اور اولوں کے پانی سے دھودے"۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ گرم پانی سے دھودے، حالانکہ عادت یہ ہے کہ گرم پانی میل کچیل کے زائل کرنے میں زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ برف کا پانی اور اولے کا پانی دونوں طاہر پانی ہیں جن کو ہاتھ نہیں چھوتے۔ اور وہ استعمال سے آلودہ نہیں ہوتے، پس ان کا ذکر اس مقام میں زیادہ مؤکد ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس سوال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں، پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ آپ نے اپنے گناہوں کو دھونے کی دعا کی

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف کے پانی اور اولوں کے پانی سے دھو ڈال، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں اور آپ سے کسی قسم کا کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا جس کے لیے توبہ کی ضرورت ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے کی ہے کہ امت جب اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کرے تو اس طرح دعا کرے۔ یا تشریع کے لیے کی ہے تاکہ ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنا مشروع ہو جائے اور دعا کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ادا کرنے کی سنت کا ثواب مل جائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی مسئلہ کی تعلیم کے لیے خلاف اولیٰ کام کرتے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لیے زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، یا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لیے منہ اندھیرے اول وقت میں فجر کی نماز پڑھی حالانکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ زیادہ اجر اس وقت ہوتا ہے جب فجر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب روشنی پھیل جائے۔ اسی طرح کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ کی تعلیم کے لیے کوئی مکروہ تنزیہی کام کرتے جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ فصد لگانے کی اجرت نہ دی جائے اس کے باوجود آپ نے ایک بار فصد لگانے کی اجرت دی، تاکہ یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ فصد لگانے کی اجرت دینا بھی جائز ہے مگر یہ مکروہ تنزیہی ہے، تو اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حکمتوں کی وجہ سے کبھی خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا اور کبھی مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیا، اگرچہ یہ امور گناہ نہیں ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً ان کو بھی گناہ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کو دھونے کی دعا کی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۰- بَابُ: الْاِسْتِعَاذَةِ مِنَ الْجُبْنِ وَالْكَسَلِ — بزدلی اور سستی سے پناہ طلب کرنے کا بیان

كُسَالَى وَكَسَالَى وَاحِدٌ۔ — کُسالیٰ اور کَسالیٰ (ست) کا ایک ہی معنی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"جُبن" کا معنی ہے: بزدلی اور یہ بہادری کے خلاف ہے۔ اور "کسل" کا معنی ہے: سستی اور کسی کام کے کرنے سے بوجھل

ہونا، اور یہ چستی کے خلاف ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی کُسالیٰ میں کاف پر پیش بھی ہے اور کاف پر زبر بھی ہے، اور یہ دو قرائتیں ہیں، اور جمہور نے اس کو پیش کے ساتھ یعنی کُسالیٰ پڑھا ہے اور الاعرج نے اس کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ بنو تمیم کی لغت ہے۔

(فتح الباری ج ۲۳ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۶۹ ـ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن ابی عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے فکر، غم، عجز اور سستی اور بزدلی اور بخل اور قرض کے غلبہ، اور مردوں کے غلبہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۳، ۲۷۰۷، ۴، ۶۳۶۷، ۶۳۶۹، ۶۳۷۱، صحیح مسلم: ۲۷۰۶، سنن ترمذی: ۳۴۸۵، سنن نسائی: ۵۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۴۰، مسند احمد: ۱۲۷۰۳)

صحیح البخاری: ۶۳۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خالد بن مخلد کا ذکر ہے، مَخلد میں میم پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، اور یہ ابن بلال ہیں۔ اور ابوزید المروزی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن ابی عمرو کا ذکر ہے، یہ المطلب بن عبداللہ بن حنطب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث عنقریب باب ''التعوذ من غلبة الرجال'' میں گزر چکی ہے اور حدیث میں مذکور الفاظ کی تصریح بھی بیان کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۱ ـ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْبُخْلِ

بخل سے پناہ طلب کرنے کا بیان

الْبُخْلُ وَالْبَخَلُ وَاحِدٌ، مِثْلُ: الْحُزْنِ وَالْحَزَنِ۔

لفظ بُخل اور بَخل کا ایک معنی ہے جیسے حُزن اور حَزن کا ایک معنی ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

"بُخل" میں باء پر پیش ہے اور "بَخل" میں باء پر زبر ہے، لفظوں میں فرق ہے اور معنی ایک ہے۔ اور اس کی نظیر حُزن اور حَزن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی الله عنه كَانَ يَأْمُرُ بِهَؤُلَاءِ الْخَمْسِ وَيُحَدِّثُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از مصعب بن سعد از حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، اور وہ ان پانچ باتوں کا حکم دیتے تھے۔ اور ان پانچ باتوں کو نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے: اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے، اور میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں عذابِ قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

صحیح البخاری: ۶۳۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے اور وہ محمد بن جعفر ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب "التعوذ من عذاب القبر" میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں":

شعبہ نے کہا: میں نے عبدالملک بن عمیر سے دنیا کے فتنہ سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: دنیا کا فتنہ دجال ہے۔ اسی طرح اسماعیلی کی روایت میں ہے، اور دجال پر دنیا کے فتنہ کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ اس کا فتنہ بہت بڑا ہوگا۔ اور دنیا کے تمام فتنوں سے بڑا دجال کا فتنہ ہوگا۔ اور اس کا ذکر اس حدیث میں صراحۃً ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ روئے زمین میں جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے دجال کے فتنہ سے بڑا اولادِ آدم کے لیے کوئی فتنہ نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

ارذلِ عمر سے پناہ طلب کرنے کا بیان

أَرَاذِلُنَا: أَسْقَاطُنَا۔

اراذِلُنا کا معنی ہے: ''اسقاطنا'' اور اس کا معنی ہے: ہمارے نچلے درجہ کے کمینے اور پسماندہ لوگ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ارذلِ عمر سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے۔ اور ارذلِ عمر کا معنی ہے بڑھاپا اور بے عقلی کی وجہ سے ایسی بات کرنا جس پر ہنسی آئے، اور جب انسان کے احوال پچھلی طرف لوٹ جائیں، قرآن مجید میں ہے:

وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (النحل: ۷۰)

اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، تاکہ انجام کار وہ حصولِ علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے، بے شک اللہ نہایت علم والا بے حد قدرت والا ہے ۝

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

النحل: ۷۰ کی تفسیر از مصنف

حکماء نے انسان کی عمر کے چار مراتب ذکر کیے ہیں:

پہلا مرتبہ اس کی عمر کا وہ زمانہ ہے جب اس کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور یہ ولادت سے لے کر بیس سال تک کی عمر ہے۔

اور دوسرا مرتبہ وہ ہے جب اس کی عمر اپنے شباب کو پہنچ جاتی ہے، اور یہ بیس سال سے چالیس سال تک کی عمر ہے۔

اور تیسرا مرتبہ دورِ انحطاط ہے، جب اس کی عمر ڈھل جاتی ہے اور وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ جاتا ہے، یہ چالیس سال سے ساٹھ سال تک کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس کو کہولت کہتے ہیں۔

اور چوتھا مرتبہ انحطاطِ کبیر کا ہے، یہ بڑھاپے کا زمانہ ہے، یہ ساٹھ سال سے لے کر ستر، اسی سال کی عمر تک کا زمانہ ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہو جانے کے بعد جاہل ہو جائیں گے تاکہ اللہ تم کو اپنی قدرت دکھائے کہ جس طرح وہ مارنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے، اسی طرح وہ عالم بنانے کے بعد جاہل بنانے پر قادر ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۷)

۶۳۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَعَوَّذُ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب، از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پناہ طلب کرتے ہوئے دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں سستی سے تیری پناہ طلب

کرتا ہوں اور میں بزدلی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں بڑھاپے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں"۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۳، ۶۳۶۷، ۴۷۰۷، ۶۳۷۱، صحیح مسلم: ۲۷۰۶، سنن ترمذی: ۳۴۸۵، سنن نسائی: ۵۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۵۴۰، مسند احمد: ۱۲۷۰۳)

صحیح البخاری: ۶۳۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ باب کا عنوان ہے "ارذل عمر" اور حدیث میں ارذلِ عمر کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں بڑھاپے کا ذکر ہے، اور بڑھاپا ارذلِ عمر کا معنی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومعمر، ان کا نام عبد اللہ بن عمر ہے۔ نیز اس حدیث میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید البصری ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

اس حدیث کی شرح عنقریب گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۳۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِرَفْعِ الْوَبَاءِ وَالْوَجَعِ — وباء اور درد کو دور کرنے کی دعا کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں وباء اور درد کو دور کرنے کا بیان ہے، وباء کا معنی ہے: ایسا مرض جو عام ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: تیز رفتار موت۔

اور وباء، طاعون سے عام ہے، کیونکہ اس کی حقیقت ایک عام مرض ہے جو آب و ہوا کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ وباء اور طاعون دونوں مترادف ہیں۔ اور اس پر دوسروں نے رد کیا کہ طاعون مدینہ میں داخل نہیں ہوتا اور وباء مدینہ میں داخل ہوئی ہے جیسا کہ عرینیین کی حدیث میں ہے: جن کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس میں بحث ہے، کیونکہ طاعون مرضِ عام ہے، اسی طرح وبا بھی مرضِ عام ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ طاعون مدینہ میں داخل نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد طاعون داخل نہیں ہوتا۔

اور اس باب کے عنوان میں "الوجع" یعنی درد کا بھی ذکر ہے، یعنی درد کو دور کرنے کی دعا کرنا۔ اور اس کا اطلاق ہر قسم کے مرض پر ہوتا ہے۔ تو یہ عام کا خاص پر عطف ہے، لیکن اس اعتبار سے کہ وباء کا منشاء خاص ہے اور وہ آب و ہوا کی خرابی ہے، اس کے برخلاف درد کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ اور ایک اعتبار سے وباء کا اطلاق مرضِ عام پر ہوتا ہے۔ اور درد کا اطلاق بھی مرضِ عام پر

ہوتا ہے، تو یہ عام کا عام پر عطف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَمَا حَبَّبْتَ إِلَيْنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! مدینہ کو ہماری طرف محبوب بنادے جیسا تو نے مکہ کو ہماری طرف محبوب بنایا ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور مدینہ کے بخار کو الجحفہ کی طرف منتقل کردے، اور ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۳۷۶، مسند احمد: ۲۵۷۰۸، موطا امام مالک: ۱۶۴۸)

صحیح البخاری: ۶۳۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "وباء اور درد کو دور کرنے کی دعا"۔ اور اس حدیث میں وباء کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دعا ہے کہ مدینہ کے بخار کو الجحفہ کی طرف منتقل کردے۔ اور بخار بھی ایک مرض عام ہے جس کی وباء کے ساتھ مناسبت ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں کے ساتھ اس طرح روایت ہے کہ ہم مدینہ میں آئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے زیادہ وباء والی جگہ تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بعید وجہ ہے، کیونکہ مطابقت باب کے عنوان میں اور باب کی اس حدیث کے درمیان ہوتی ہے جو اس باب میں بعینہٖ ذکر کی گئی ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث مختصر ہے، اس کے شروع میں ہے کہ "جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر کو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار آ گیا"، اور یہ کتاب الحج کے آخر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

"الجحفہ" کے خلاف دعاءِ ضرر کرنے کی توجیہ

اور "الجحفہ" یہ اہلِ مصر کا اور شام کا قدیم میقات ہے۔ اور اب اہلِ شام کا میقات وہی ہے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے، اور اس وقت الجحفہ میں یہود رہتے تھے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے خلاف بیماریوں اور وباؤں کی دعاءِ ضرر کرنا جائز ہے۔

صاع اور مد میں برکت کی دعا سے مقصود

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہمارے صاع اور مد میں برکت نازل فرما"۔ یہ دو پیمانے ہیں۔ مد ایک کلو گرام کے برابر ہے

صاع چار کلوگرام کے برابر ہے، اور ان کی برکت ان چیزوں کی برکت کو مستلزم ہے جن کو ان پیمانوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ مدینہ میں بہ کثرت روزی ہو، پھل زیادہ ہوں اور غلہ زیادہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ عَادَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ شَكْوَى أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَلَغَ بِي مَا تَرَى مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قُلْتُ فَبِشَطْرِهِ قَالَ الثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ قُلْتُ آأُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ دَرَجَةً وَرِفْعَةً وَلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ قَالَ سَعْدٌ رَثَى لَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَنْ تُوُفِّيَ بِمَكَّةَ۔

(صحیح البخاری: ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، صحیح مسلم: ۱۰۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی از عامر بن سعد، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری اس بیماری کی عیادت کی جس میں، میں موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کتنا درد ہو رہا ہے، اور میں مال دار ہوں۔ اور میری وارث میری صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنے دو تہائی مال کو صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: اچھا میں نصف مال کو صدقہ کر دوں؟ تو آپ نے فرمایا: تہائی مال بہت ہے، اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو، وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں، اور بے شک تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کرو گے تو تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ تم جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتے ہو (اس پر بھی اجر ملے گا)۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنے اصحاب کے بعد پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے، تم جو بھی ایسا عمل کرو گے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کرو گے، تمہارا اس سے درجہ بلند ہوگا، اور شاید کہ تم پیچھے رہو گے حتیٰ کہ کچھ لوگوں کو تم سے فائدہ ہوگا اور دوسرے لوگوں کو تم سے ضرر ہوگا۔ اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر نہ لوٹانا۔ لیکن سعد بن خولہ پر افسوس ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر اظہارِ افسوس کیا کہ ان کی وفات مکہ میں ہوگئی تھی۔

صحیح البخاری: ۶۳۷۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس کا تعلق باب کے عنوان کے رکنِ ثانی کے ساتھ ہے، کیونکہ اس حدیث کی بعض روایات میں ہے: ''آپ نے اس درد کے لیے دعا کی جوان کو تھا''۔

علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عنوان میں مطلقاً درد کو دور کرنے کی دعا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ معترض اس حدیث کے بقیہ کلام سے غافل ہے، کیونکہ امام مسلم کی بعض سندوں میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے شفاء دے، تو آپ نے تین مرتبہ دعا کی: اے اللہ سعد کو شفاء دے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری، ج ۲ ص ۴۰۹، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر نہ لوٹانا، کیونکہ اس دعا میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے درد سے شفاء کی دعا کی طرف اشارہ ہے، تاکہ وہ اپنے دارِ ہجرت یعنی مدینہ میں لوٹ کر چلے جائیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عادنی'' یعنی آپ نے میری عیادت کی۔ اس کا معنی ہے: مجھے جو بیماری ہوئی تھی اس کی وجہ سے آپ مجھے دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اشفیت منه'' اس کا معنی ہے: میں اس مرض کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ چکا تھا، ان کی مراد شدتِ مرض میں مبالغہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اِلَّا ابنة لی واحدة'' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: مگر میری صرف ایک بیٹی ہے، اور علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس کا نام عائشہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذو مال'' یعنی میں بہت مالدار ہوں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فتوحات سے بہت زیادہ مال حاصل ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان تذر ورثتك اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتكففون الناس'' یعنی اگر تم اپنے ورثاء کو خوشحال چھوڑو تو اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو۔ ''عالة'' العائل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: فقیر۔ ''یتكففون الناس'' یعنی وہ سوال کے لیے لوگوں کے آگے ہاتھ دراز کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی فی امراتك'' یعنی ''فی فم امراتك'' اس کا معنی ہے: تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ رکھو گے تم

اس میں بھی اجر ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا بیان اور آپ کا معجزہ

اس حدیث میں مذکور ہے''ولعلك تخلف حتی ینتفع بك اقوام'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ شاید کہ تم پیچھے چھوڑے جاؤ گے حتیٰ کہ کچھ اقوام تم سے نفع حاصل کریں گی۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر لمبی ہوگی۔اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے، کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بعد میں زندہ رہے حتیٰ کہ انہوں نے عراق کو فتح کیا اور ان سے کچھ اقوام کو فائدہ پہنچا،اس سے آپ کی مراد ہیں مسلمان، یعنی مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ویضر بك آخرون'' یعنی دوسرے لوگوں کو تمہاری وجہ سے نقصان ہوگا۔اس سے آپ نے مشرکین کا ارادہ فرمایا۔دوسرا قول یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر بن سعد کو اس لشکر کا امیر بنادیا جن کا حضرت سیدنا الحسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا تھا۔پس وہ کربلا کی زمین میں شہید کردیے گئے اور ان کا قصہ مشہور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اللھم امض لاصحابی ھجرتھم'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری اور باقی رکھنا، یعنی ان کی ہجرت کو مکمل فرمانا اور ان کی ہجرت کو ان پر کم نہ کرنا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ مہاجرین اولین کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنا مشن پورا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن سے زیادہ ٹھہریں،تو آپ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین کو اس پر ثابت قدم رکھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لکن البائس'' یہ لفظ البئوس سے ماخوذ ہے یعنی فقر اور بدحالی۔علامہ کرمانی نے کہا ہے: البائس وہ ہے جس کو بہت شدید حاجت ہو۔

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ پر اظہارِ افسوس کی وجہ

حضرت سعد بن خولہ بنو عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھے۔اور دوسروں کے نزدیک وہ ان کے حلیف تھے۔اور انہوں نے حبشہ سے ہجرت کی تھی جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔علامہ واقدی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے افسوس کا اظہار کیا، کیونکہ وہ مکہ میں ہی فوت ہوگئے تھے اور یہ وہی زمین تھی جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی۔

اور التوضیح میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے اس لیے افسوس کا اظہار کیا کیونکہ حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: جس نے کسی شہر سے ہجرت کی اس کو ہجرت کا ثواب ملتا رہے گا، جس زمین سے اس نے ہجرت کی ہے، سو جس زمین کی طرف اس نے ہجرت کی ہے، اس زمین کی طرف ہجرت کرنے کا ثواب اسے قیامت تک ملتا رہے گا۔سو حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ جب مکہ میں فوت ہوگئے تو وہ اس اجر سے محروم ہوگئے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ بدر میں حاضر ہونے کے بعد وہ مکہ لوٹ آئے تھے اور وہاں پر بغیر عذر کے کافی طویل قیام کیا۔اور اگر ان کا کوئی عذر ہوتا تو وہ گناہگار نہ ہوتے، اور ان کی وفات حجۃ الوداع میں ہوئی۔

اور ابن المزین مالکی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اس لیے اظہارِ افسوس کیا کہ وہ اسلام لائے اور مکہ میں مقیم رہے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی۔اور اس قول پر انکار کیا گیا ہے، کیونکہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے۔(عمدۃ

القاری ج ۲۳ ص ۱۲۔ ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری میں دعا کرنا

امام بخاری نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کا ذکر نہیں کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیماری میں دعا فرمائی تھی، آپ نے دعا کی: اے اللہ! سعد کو شفاء عطا فرما۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۶۷۵ میں تعلیقاً گزر چکی ہے۔

وباء کو دور کرنے کی دعا کی توجیہ

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ولی اور حاکم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے خلاف دعا کریں اور کسی وباء کو دور کرنے کی دعا کریں۔ اور جس حاکم نے ایسا کیا تو اس کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، لیکن یہ قول ساقط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! ہماری طرف مدینہ کو محبوب کر دے اور مدینہ کے بخار کو "الجحفه" کی طرف منتقل کر دے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی دعا کی ہے اور کوئی شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توکل کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

اور "الجحفه" اس وقت اللہ تعالیٰ کے شہروں میں ایسا شہر تھا جس میں سب سے زیادہ بخار ہوتا تھا۔ اور لوگ اس کے چشمہ سے پانی پینے سے اجتناب کرتے تھے، اس چشمہ کو "عین الحمیٰ" کہا جاتا تھا، کیونکہ جو اس چشمہ سے پانی پیتا اس کو بخار آجاتا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت اہلِ جحفہ مشرکین تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ مدینہ کا بخار الجحفہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۱۴۔ ۳۱۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۴۔ بَابُ: اَلْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَفِتْنَةِ النَّارِ

ارذل عمر سے اور دنیا کے فتنہ سے اور دوزخ کے فتنہ سے پناہ طلب کرنا

اس باب میں ارذلِ عمر سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، اور ارذلِ عمر کی تفسیر کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ اور دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے اور اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا کے فتنہ سے مراد دجال ہے۔ اور فتنہ نار سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، یعنی دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے۔

۶۳۷۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ تَعَوَّذُوا بِكَلِمَاتٍ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین نے خبر دی از زائدہ از عبد الملک از مصعب بن سعد از والد خود، انہوں نے کہا کہ ان دعائیہ کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرو جن دعائیہ کلمات کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پناہ طلب کرتے تھے: اے اللہ! میں بزدلی

وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔	سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے، اور میں دنیا کے فتنہ سے اور عذاب قبر کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

صحیح البخاری: ۶۳۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن نصر السعدی البخاری ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسحاق بن راہویہ ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسین، یہ ابن علی بن الولید الجعفی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زائدہ، وہ ابن قدامہ ابوالصلت الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، وہ ابن عمیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مصعب، وہ ابن سعد ہیں جو اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب "التعوذ من البخل" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۷۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔	امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے سستی اور بڑھاپے اور قرض اور گناہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں اور دوزخ کے فتنہ سے اور قبر کے فتنہ سے اور عذاب قبر سے اور غنیٰ کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے فتنہ کے شر سے، اور مسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف کے پانی سے اور اولوں سے دھو ڈال، اور میرے دل کو گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا

ہے ،اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کردے جتنی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ''الھرم'' کا ذکر ہے اور اس کی تفسیر ارذل عمر کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب الدعوات میں از ابوکریب ہے، اور سنن ابن ماجہ میں از علی بن محمد مروی ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۵۔ بَابُ: الِاسْتِعَاذَةِ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى

غنیٰ کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان

۶۳۷۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَالَتِهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلام بن ابی مطیع نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از ان کی خالہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اس طرح پناہ طلب کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے فتنہ قبر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے عذاب قبر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے غنیٰ کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے فقر کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے مسیح الدجال کے فتنہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سلام کا ذکر ہے، جو ابن ابی مطیع الخزاعی البصری ہیں۔ یہ ایک سو سڑسٹھ (۱۶۷) ہجری میں فوت ہو گئے

تھے۔اور ہشام اپنے والد عروہ بن الزبیر سے اور وہ اپنی خالہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں دوزخ کے فتنہ کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کو دیکھنے سے محفوظ رکھے، کیونکہ اس کے بعد عذاب نہیں ہوگا۔

اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۔۱۵، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ — فقر کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان

اس باب میں فقر سے مراد فقر مدقع ہے، یعنی وہ فقر جو بندہ کو ذلیل کر دے۔

۶۳۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ اللّٰهُمَّ اغْسِلْ قَلْبِي بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور غنیٰ کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے فتنہ کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے المسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میرے دل کو برف کے پانی اور اولوں سے دھو دے، اور میرے دل کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح صاف کپڑے کو میل کچیل سے تو نے پاک کر دیا ہے۔ اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کر دے جتنی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں کی ہے۔ اے اللہ! میں سستی اور گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

صحیح البخاری: ۶۳۷۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ یا تو ابن سلام ہیں، یا ابن المثنیٰ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابومعاویہ کا ذکر ہے، وہ

محمد بن حازم ہیں۔ اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۷۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْمَالِ مَعَ الْبَرَكَةِ — برکت کے ساتھ کثرتِ مال کی دعا کرنے کا بیان

اس باب میں برکت کے ساتھ کثرتِ مال کی دعا کا ذکر ہے، اور السرخسی کے نسخہ میں یہ باب مذکور نہیں ہے۔

۶۳۷۸، ۶۳۷۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَسٌ خَادِمُكَ ادْعُ اللهَ لَهُ قَالَ اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انس آپ کے خادم ہیں، آپ اللہ سے ان کے لیے برکت کی دعا کریں، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد کو زیادہ کر، اور جو کچھ تو نے اس کو عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔

اور از ہشام بن زید روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل سنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۱، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۷۸، ۶۳۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، اور وہ محمد بن جعفر ہیں۔

اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۸۔ بَابُ: الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ — برکت کے ساتھ کثرتِ اولاد کی دعا کا بیان

۶۳۸۰، ۶۳۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ أَنَسٌ خَادِمُكَ قَالَ اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوزید سعید بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انس آپ کا خادم ہے تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کے مال کو اور اس کی اولاد کو زیادہ کر، اور جو کچھ تو نے اس کو عطا کیا ہے، اس میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۱۹۸۲، ۶۳۳۴، ۶۳۴۴، ۶۳۷۸، ۶۳۸۱، صحیح مسلم: ۲۴۸۱، مسند احمد: ۱۲۵۴۱)

صحیح البخاری: ۶۳۸۰، ۶۳۸۱ : کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الربیع، یہ ابوزید الہروی ہیں۔ یہ ہروی کپڑے فروخت کرتے تھے تو ان کی اس کی طرف نسبت کردی۔ اور یہ اہلِ بصرہ میں سے ہیں اور دو سو گیارہ (۲۱۱) ہجری میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

اس حدیث کی شرح بھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۹۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الِاسْتِخَارَةِ — استخارہ کے وقت کی دعا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس دعا کا بیان ہے جو استخارہ کے وقت کی جاتی ہے۔ استخارہ سے مراد ہے کسی چیز کی خیر کو طلب کرنا۔ کہا جاتا ہے:

''استخر الله يخر لك'' تم اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو وہ تمہارے لیے خیر مقدر کر دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۲۔ حَدَّثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَبُو مُصْعَبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَالسُّورَةِ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا هَمَّ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدُرْهُ لِي وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مطرف بن عبداللہ ابومصعب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی الموال نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمیں تمام امور میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی کسی صورت کی تعلیم ہو (آپ نے فرمایا:) جب کوئی اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو: ''اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں، اور تیرے فضلِ عظیم سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جاننے والا ہے اور میں جاننے والا نہیں ہوں، اور تو علام الغیوب ہے (غیوب کو بہت جاننے والا) اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے میرے دین میں اور میرے معاش میں اور میرے انجامِ کار میں بہتر ہو یا کہا: میرے مقدم کام میں یا مؤخر کام میں، تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے

اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے شر ہے میرے دین میں اور معاش میں اور میرے انجامِ کار میں یا کہا: میرے مقدم امر میں یا مؤخر امر میں، تو اس کو مجھ سے دور کردے اور مجھے اس سے دور کردے، اور میرے لیے خیر کو مقدر کردے جہاں بھی ہو، پھر مجھ سے راضی ہو جا، پھر اپنی ضرورت کا نام لے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۶۶، سنن ترمذی: ۴۸۰، سنن نسائی: ۳۲۵۳، سنن ابوداؤد: ۱۵۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۳، مسند احمد: ۱۴۲۹۷)

صحیح البخاری: ۶۳۸۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا بیان

مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے اور اپنی قوت اور طاقت سے بری ہو، اور اس کو چاہیے کہ چھوٹے کام ہوں یا بڑے کام ہوں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو خیر کی طرف لے جائے اور شر سے اس کو دور رکھے۔ اور یہ یقین رکھے کہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو استخارہ میں سنت ہے اس پر عمل کرے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کسی صورت کی تعلیم دیتے تھے، کیونکہ لوگوں کو اپنی تمام حاجات میں استخارہ کی شدید حاجت ہوتی ہے جس طرح نماز میں قراءت کی شدید حاجت ہوتی ہے۔

اور اس حدیث میں قدریہ کے خلاف دلیل ہے جن کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کو پیدا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ان کے افتراء سے پاک ہے، اور اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ظاہر فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ شر کا مالک ہے اور خالق ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۲۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

استخارہ کرنے کا طریقہ

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض متقدمین سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورت کے بعد اس آیت کا اضافہ کرے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ (القصص: ۶۸-۶۹)

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے، اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ پاک ہے اور ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں ○

اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورت کے بعد اس آیت کا اضافہ کرے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۞ (الاحزاب: ۳۶)

اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا O

مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ آدمی باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھ کر سو جائے، اگر اس کو خواب میں سفید یا سبز چیز نظر آئے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کام میں خیر ہے، اور اگر اس کو سیاہ یا سرخ چیز نظر آئے تو وہ اس کام کے شر ہونے کی علامت ہے، پھر اس کام سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۴۱۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

اگر پہلی بار اس کو خواب میں کوئی چیز نظر نہ آئے تو دوسرے دن پھر استخارہ کرے، پھر تیسرے دن استخارہ کرے، پھر مسلسل سات دن تک استخارہ کرتا رہے، اگر پھر بھی کوئی چیز نظر نہ آئے تو جس چیز کی طرف اس کا دل جم گیا ہے اسی کو اللہ کی طرف سے گمان کرے۔

واضح رہے کہ ہر شخص اپنے لیے خود استخارہ کرے، کوئی شخص دوسرے کے لیے استخارہ نہیں کر سکتا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں متکلم کے صیغوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ آج کل بعض لوگ مسجد کے امام سے کہتے ہیں: آپ ہمارے فلاں کام کے لیے استخارہ کریں، یا ٹی وی پر کوئی صاحب دوسروں کے لیے استخارہ کر کے مسئلہ کا حل بتاتے ہیں، یہ دونوں طریقے غلط اور خلاف حدیث ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استخارہ کے متعلق دیگر احادیث

حضرت سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔ اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو دعا کرتے ''اللھم خرلی واخترلی'' اے اللہ! اس کام کو میرے لیے اختیار کر اور پسند فرمالے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے استخارہ کیا، وہ نا کام نہیں ہو گا۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

کن امور میں استخارہ کرنا چاہیے

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: واجب اور مستحب کام میں استخارہ نہیں کیا جائے گا، اور حرام اور مکروہ کے ترک میں بھی استخارہ نہیں کیا جائے گا۔ پس استخارہ صرف مباح کام میں کیا جائے گا اور جب مستحب کام میں دو امر متعارض ہوں کہ وہ کس کام سے ابتداء کرے تو اس میں بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استخارہ کی دعا کرنے کے بعد مطلوب کے خیر ہونے پر کیسے واقفیت ہوگی؟

حسب ذیل متعدد امور سے مطلوب کا خیر ہونا معلوم ہوسکتا ہے:

(۱) دو کاموں میں سے کسی ایک کام کے لیے اگر اس کا شرح صدر ہو جائے تو جس کام پر اس کا شرح صدر ہوا ہے اسی کو اختیار کرلے۔

(۲) وہ کوئی خواب دیکھے جس سے ان دو کاموں میں سے کوئی ایک کام راجح قرار پائے۔

(۳) کوئی نیک اور خیر خواہ شخص اس کو ان دو کاموں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کی طرف اشارہ کرے تو وہ یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کام میں خیر رکھی ہے۔

(۴) وہ فال سے معلوم کرے مثلاً وہ کوئی ایسی چیز سنے جس سے ان دو کاموں میں سے کوئی ایک کام متعین ہو جائے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۲۴۷۔ ۲۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عِنْدَ الْوُضُوءِ — وضو کے وقت کی دعا کا بیان

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وضو کے وقت کیا دعا کرنی چاہیے۔

۶۳۸۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ بِهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ۔

(صحیح البخاری: ۴۳۲۳، صحیح مسلم: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۲۲۴۰۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبد اللہ از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پانی منگایا، پھر آپ نے اس پانی سے وضو کیا، پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے، پس آپ نے دعا کی: اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما، اور میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو قیامت کے دن اپنی مخلوق میں سے اکثر لوگوں کے اوپر فوقیت عطا فرمانا۔

صحیح البخاری: ۶۳۸۳: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "وضو کے وقت دعا کرنے کا بیان" اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وضو کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ ابن عبداللہ ہیں اور یہ اپنے دادا ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عامر بن ابی موسیٰ الاشعری ہے۔اور حضرت ابوموسیٰ کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔

یہ حدیث ایک طویل حدیث سے اختصار ہے جس کو امام بخاری نے کتاب المغازی میں باب غزوۂ اوطاس میں روایت کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۔۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا عَلَا عَقَبَةً

جب کسی گھاٹی پر چڑھے، تو اس وقت دعا کرنے کا بیان

۶۳۸۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله عنه قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا وَلَكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ قُلْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ أَوْ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ هِيَ كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی عثمان، از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پس جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو، کیونکہ تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے ہو اور نہ غائب کو پکار رہے ہو، تم اس کو پکار رہے ہو جو بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔ پھر نبی ﷺ میرے پاس آئے اور میں اپنے دل میں پڑھ رہا تھا: ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' (اللہ کی مدد کے بغیر گناہوں سے پھرنا اور نیک کام کرنے کی طاقت ممکن نہیں ہے)۔ تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کہو ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ''، یہ دونوں کلمات جنت کے خزانوں میں سے خزانہ ہیں، یا فرمایا: کیا میں تمہیں اس کلمہ کی رہنمائی نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے خزانہ ہے، وہ ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۹۲، ۴۲۰۵، ۶۳۸۴، ۶۴۰۹، ۶۶۱۰، ۷۳۸۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، مسند احمد: ۱۹۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۳۸۴: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، اور وہ سختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان، وہ عبدالرحمن بن مل
النہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ، اور وہ اشعری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یایھا الناس اربعوا علی انفسکم" یعنی اے لوگو اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو، یعنی بلند آواز کے ساتھ ذکر نہ کرو، یا جہر میں مبالغہ نہ کرو۔

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کا خزانہ ہونا

یعنی ان کلمات کے پڑھنے کا اجر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہے، اور اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اوپر گردن جھکا دینا ہے، اور تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے اوپر چھوڑ دینا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ برائی کو دور کرنے اور خیر اور نیکی کے حصول میں کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۔۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا — وادی سے اترنے کے وقت کی دعا

فِيهِ حَدِيثُ جَابِرٍ۔ — اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

باب میں مذکور تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ ہے جو کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے۔ وہاں عنوان ہے "التسبیح اذا ھبط وادیا" اور اس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب ہم کسی گھاٹی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب کسی گھاٹی سے اترتے تو ہم سبحان اللہ کہتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب میں مذکور تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

بلندی پر چڑھنے کے وقت اللہ اکبر پڑھنے اور بلندی سے اترنے کے وقت سبحان اللہ پڑھنے کی توجیہ

بلندی پر چڑھنا بندہ کو محبوب ہوتا ہے تو اس وقت بندہ اللہ اکبر کہے اور اس بلندی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر بلندی سے بلند ہے، پس اللہ تعالیٰ کی تکبیر پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بلندی پر چڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور بلندی سے اترتے وقت سبحان اللہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ تنگی اور پھسلنے کا موقع ہے، تو اس موقع پر ان اسباب کو یاد کرے جن سے کشادگی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سات ظلمات کے اندر تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی تو اللہ

تعالیٰ نے ان کو غم سے نجات دی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۳۔ بَابُ: الدُّعَاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَوْ رَجَعَ

جب آدمی کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرے یا واپس آنے کا ارادہ کرے، تو اس وقت کی دعا کا بیان

فِيهِ يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسٍ

اس باب میں یحییٰ بن ابی اسحاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے اس باب میں ''ما یقول اذا رجع من الغزو''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد سے واپس آتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے، پھر یہ دعا کرتے:

آیبون ان شاء الله، تائبون، عابدون، حامدون، لربنا ساجدون، صدق الله وعده، ونصر عبده، وهزم الاحزاب وحده۔

ہم لوٹنے والے ہیں ان شاء اللہ، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں، اپنے رب کے لیے سجدہ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور کفار کے لشکر کو تنہا اس نے شکست دی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ ثُمَّ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع، از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ سے لوٹتے یا حج کرتے یا عمرہ کرتے تو زمین کی ہر بلند جگہ پر تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے، پھر یہ دعا کرتے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا (کفار کے) لشکر کو شکست دی۔

(صحیح البخاری: ۱۷۹۷، ۲۹۹۵، ۳۰۸۴، ۴۱۱۶، ۶۳۸۵، صحیح مسلم: ۱۳۴۴، سنن ترمذی: ۹۵۰، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۴۶۲۲، موطا امام مالک: ۹۶۰)

صحیح البخاری: ۶۳۸۵: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں، ان میں سے ایک ہے "سفر کے ارادہ کے وقت کی دعا" اور دوسرا جزو ہے "سفر سے واپسی کے وقت کی دعا"۔ پس یہاں پر جز اول کے مطابق حدیث کہاں ہے، اور جو حدیث امام بخاری نے از یحییٰ بن ابی اسحاق ذکر کی ہے، وہ بھی جز ثانی کے متعلق صریح ہے۔

میں کہوں گا: حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے جو صحیح مسلم میں علی بن عبداللہ الازدی از ابن عمر کی روایت سے ہے، اس کے شروع میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹ پر سیدھے بیٹھتے اور کسی سفر میں نکلتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر پڑھتے: "سبحٰن الذی سخر لنا ھذا ۔۔ الحدیث۔ یہاں تک کہ جب آپ واپس آتے تو پھر یہ دعا کرتے: آیبون تائبون ۔۔۔ الحدیث۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں چند الفاظ ایک وزن پر ہیں اور وہ ہیں: "صدق اللہ وعدہ، ونصر عبدہ، وھزم الاحزاب وحدہ" اور اس کو سجع کہتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجع سے منع فرمایا ہے اور یہ سجع ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی سجع سے منع فرمایا جو کاہنوں کی سجع ہوتی ہے، کیونکہ وہ تکلف سے الفاظ ایک وزن پر لاتے ہیں اور وہ الفاظ باطل کو متضمن ہوتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور سفر کے دعائیہ کلمات آیا سفر طاعت کے ساتھ خاص ہیں یا سفر معصیت کو بھی شامل ہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ یا حج یا عمرہ سے واپس آتے تو زمین کی ہر بلندی پر تین مرتبہ تکبیرات پڑھتے"۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعائیہ کلمات ان تین سفروں کے ساتھ مخصوص ہیں اور جمہور فقہاء کے ۔۔ اس طرح حکم نہیں ہے، بلکہ یہ ہر سفر میں مشروع ہے خواہ وہ سفر اطاعت کا ہو جیسے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے یا طلب علم کے لیے، کیونکہ یہ تمام وہ سفر ہیں جو اطاعت کے لیے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلمات دعائیہ سفرِ مباح کو بھی شامل ہیں، کیونکہ سفرِ مباح میں مسافر کو کوئی ثواب نہیں ہوتا، تو اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ وہ ایسا فعل کرے جس سے اس کو ثواب حاصل ہو۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دعائیہ کلمات سفرِ معصیت کو بھی شامل ہیں، کیونکہ سفرِ معصیت کا مرتکب دوسروں کی بہ نسبت ثواب کے حصول کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

اور اس دلیل پر اعتراض کیا گیا ہے، کیونکہ جو دعا سفرِ طاعت کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو سفرِ مباح میں پڑھنا منع نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرنے میں کوئی معصیت نہیں ہے، بحث اس میں ہے کہ یہ مخصوص ذکر اس مخصوص وقت میں کیا جائے۔ پس ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ یہ عباداتِ مخصوصہ ہیں اور ان میں ذکرِ مخصوص مشروع ہے۔ پس یہ اس کے ساتھ خاص ہوگا جیسا کہ اذان کے بعد جو ذکر منقول ہے اور نماز کے بعد جو ذکر منقول ہے، وہ انہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور صحابی نے ان تین سفروں پر اقتصار کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ان تین انواع میں منحصر تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۴۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلْمُتَزَوِّجِ

نکاح کرنے والے کے لیے دعا کا بیان

۶۳۸۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ أَوْ مَهْ قَالَ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اوپر زرد رنگ کا اثر دیکھا، آپ نے فرمایا: یہ کیسے نشان ہیں، انہوں نے بیان کیا: میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی سونے کے عوض نکاح کیا تو آپ نے دعا دی: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۴۹، ۲۲۹۳، ۳۷۸۱، ۳۹۳۷، ۵۰۷۲، ۵۱۴۸، ۵۱۵۳، ۵۱۵۵، ۵۱۶۷، ۶۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۹۳۳، سنن نسائی: ۳۳۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷، مسند احمد: ۱۲۵۶۴، موطا امام مالک: ۱۱۵۷، سنن دارمی: ۲۲۰۴)

صحیح البخاری: ۶۳۸۶ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نکاح کرنے والے کے لیے دعا کا بیان" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بارک الله لک" "اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے"۔ اور یہ ان کے لیے دعا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "صفرة" اس کا معنی ہے: وہ خوشبو جس کو شب زفاف میں استعمال کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مهیم" یعنی تمہارا کیا حال ہے یا تمہاری کیا شان ہے۔

امام ابوحنیفہ پر ایک اعتراض کا جواب

التوضیح میں مذکور ہے کہ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! یہ کیسی فہم ہے؟ کیونکہ ایک گٹھلی سونے کا وزن پانچ درہم سونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ ساڑھے تین مثقال ہے، اور پانچ درہم سونے کا وزن دس درہم سے زیادہ ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۔۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٣٨٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ ثَيِّبًا قَالَ هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ أَوْ تُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ قُلْتُ هَلَكَ أَبِي فَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ فَكَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ قَالَ فَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقُلْ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ہوگئی اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑیں، پس میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جابر تم نے نکاح کر لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کنواری سے یا بیوہ سے۔ میں نے کہا: بیوہ سے، آپ نے فرمایا: کیوں نہ تم نے ایک لڑکی سے نکاح کیا تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی (تم اس سے خوش طبعی کرتے وہ تم سے خوش طبعی کرتی)، فرمایا: تم اس کو ہنساتے وہ تم کو ہنساتی۔ میں نے عرض کیا: میرے والد فوت ہو گئے اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑی تھیں، میں نے ناپسند کیا کہ میں ان لڑکیوں کی مثل کوئی لڑکی نکاح کر کے لے آؤں، تو پس میں نے ایک عورت سے نکاح کیا جو ان کی تربیت کرے، آپ نے دعا دی: "بارك الله عليك" (اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل فرمائے)۔

ابن عیینہ اور محمد بن مسلم نے از عمرو "بارك الله عليك" نہیں کہا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، مسند احمد: ۱۴۴۴۷، سنن دارمی: ۲۲۱۶)

صحیح البخاری: ۶۳۸۷ : کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بکرا ام ثیبا؟" یعنی تم نے کنواری لڑکی سے نکاح کیا ہے یا بیوہ عورت سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھلا جاریة" یعنی تم نے کسی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا، یعنی کنواری لڑکی سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بارك الله عليك" اس سے پہلے حدیث میں مذکور تھا "بارك الله لك" لام کے ساتھ اور اس میں علیک کے ساتھ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے، پہلی روایت میں برکت کا ان کے ساتھ اختصاص ہے کیونکہ لام اختصاص کے لیے آتا ہے، اور دوسری روایت میں برکت کا استعلاء ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاح کرنے والے کے لیے دیگر دعاؤں کا بیان

امام نسائی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے بنو جشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو ان کو مبارک باد دی گئی کہ تم دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور تمہیں اولاد نصیب ہو، تو انہوں نے ان سے کہا: اس طرح دعا دو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تم میں برکت نازل کرے یا اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل کرے یا خاص تم پر برکت نازل کرے۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۸)

اور سنن ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی نکاح کرنے والے کو مبارک باد دیتے تو فرماتے "بارك الله لك وبارك عليك" اور فرماتے "اللہ تعالیٰ تم دونوں کو خیر کے ساتھ جمع رکھے"۔ پھر کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۰۹۱)

"الرفأو البنين" کا معنی

اور "الرفاء والبنين" کا معنی ہے: تمہارے درمیان اچھی صحبت ہو اور بیٹے پیدا ہوں اور "الرفأ" کا معنی ہے ملنا اور ملائمت۔

اور ابن السکیت نے کہا: اس کا معنی ہے سکون اور طمانیت، یہ اس وقت ہے جب اس لفظ پر ہمزہ نہ ہو۔

گٹھلی کے وزن کی تحقیق

پہلی حدیث میں "النواة" کا ذکر ہے: ابن وہب نے کہا: اس کا وزن پانچ درہم کے برابر ہے، جب سونا نہ ہو تو، جیسا کہ چالیس درہم کو اوقیہ کہا جاتا ہے۔ اور ابن عیینہ نے کہا: گٹھلی کا وزن پانچ قیراط کے برابر ہے، امام احمد نے کہا: سونے کی گٹھلی کا وزن تین درہم اور ایک تہائی ہے۔ اور اسحاق نے کہا: اس کا وزن پانچ درہم اور نصف ہے۔ اور اس حدیث میں امام ابوحنیفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن کے اس اعتراض کا جواب علامہ عینی نے اپنی شرح میں ذکر کر دیا ہے جس کو ہم نقل کر چکے ہیں۔

ولیمہ کا شرعی حکم

نیز پہلی حدیث میں مذکور ہے" آپ نے فرمایا: ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے"۔ چونکہ یہ امر کا صیغہ ہے اس لیے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا واجب ہے اور یہ ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کا قول ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ولیمہ کرنا مستحب ہے اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ منعقد ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۳۱۔ ۳۳۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۵۔ بَابُ: مَا يَقُولُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ — جب کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا دعا کرے

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرے تو کیا دعا کرے۔

۶۳۸۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ بِاسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سالم از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے: اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھ اور شیطان کو اس سے دور رکھ جو تو ہمیں اولاد عطا فرمائے، کیونکہ اگر ان کے درمیان کوئی اس عمل کے سبب سے اولاد مقدر کی جائے تو پھر شیطان اس کو کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱، ۳۲۷۱، ۳۲۸۳، ۵۱۶۵، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴، سنن ترمذی: ۱۰۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۹، مسند احمد: ۱۹۱۱، سنن دارمی: ۲۲۱۲)

صحیح البخاری: ۶۳۸۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، وہ ابن ابی الجعد ہیں، اور کریب بن مسلم کا ذکر ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جب کوئی مرد اپنے اہل کے پاس آئے" اہل سے مراد بیوی ہے، اور آنے سے مراد ہے: جب وہ اس سے جماع کا ارادہ کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شیطان اس کو ضرر نہیں دے سکے گا" یعنی اس پر اس طرح مسلط نہیں ہوگا کہ اس کے دین میں یا اس کے بدن میں ضرر پہنچانے پر قادر ہو۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اس کو وسوسہ بھی نہیں ڈال سکے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (البقرہ: ۲۰۱)

نبی ﷺ کی یہ دعا: اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں اچھائی عطا فرما

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب نبی ﷺ کی اس دعا کے بیان میں ہے کہ اے ہمارے رب! تو ہم کو دنیا میں اچھائی عطا فرما۔ حسن نے کہا: دنیا میں اچھائی علم اور عبادت ہے اور آخرت میں اچھائی جنت ہے۔ قتادہ نے کہا: دنیا میں اچھائی عافیت ہے۔ سدی نے کہا: دنیا میں اچھائی مال ہے اور آخرت میں اچھائی جنت ہے، اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: نیک بیوی اچھائیوں میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ہمارے رب! ہم کو دوزخ کے آگ سے بچا" یعنی ہم کو دوزخ کی آگ سے دور رکھنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۸۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اللّٰهُمَّ ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما، اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔ (البقرہ: ۲۰۱)

(صحیح البخاری: ۴۵۲۲، ۶۳۸۹، صحیح مسلم: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد: ۱۵۱۹، مسند احمد: ۱۳۱۶۸)

صحیح البخاری: ۶۳۸۹: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، وہ ابن سعید البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، وہ ابن صہیب البصری ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ اکثر دعا کرتے تھے، کیونکہ یہ دعا دنیا اور آخرت کے تمام معانی کو شامل ہے۔ اور ''حسنة'' سے مراد ہے نعمت، پس آپ نے دنیا اور آخرت کی نعمت کا سوال کیا اور عذاب سے بچنے کا سوال کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''حسنة'' کی تفسیر میں متعدد اقوال

حسن بصری نے کہا: دنیا میں ''حسنة'' سے مراد علم اور عبادت ہے، اس کی امام ابن ابی حاتم سے سند صحیح کے ساتھ روایت ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم سے سندِ ضعیف کے ساتھ روایت ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' سے مراد ہے پاکیزہ رزق اور علمِ نافع اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد ہے جنت۔

علامہ ابن المنذر نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' ہے پاکیزہ رزق اور علم، اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد ہے جنت۔ اور الثعلبی نے از سدی اور مقاتل روایت کی ہے: دنیا کی حسنہ رزق حلال واسع ہے اور عملِ صالح ہے اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد ہے مغفرت۔

اور عطیہ سے روایت ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' سے مراد علم اور عمل صالح ہے اور آخرت میں ''حسنة'' سے مراد حساب کا آسان ہونا اور دخولِ جنت ہے۔

اور اسی سند کے ساتھ عوف سے مروی ہے: جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور قرآن عطا کیا اور اہل اور مال عطا کیا اور اولاد عطا کی تو اس کو دنیا میں اور آخرت میں ''حسنة'' عطا کر دی۔

اور کشاف میں مذکور ہے کہ دنیا میں ''حسنة'' نیک بیوی ہے اور آخرت میں ''حسنة'' حور ہے۔ اور دوزخ کا عذاب بری بیوی ہے۔

اور شیخ عماد الدین بن کثیر نے کہا ہے: دنیا میں ''حسنة'' ہر مطلوبِ دنیوی کو شامل ہے، عافیت ہو اور وسیع گھر ہو اور خوبصورت بیوی ہو، اور نیک اولاد ہو، اور رزقِ واسع ہو، اور علمِ نافع ہو، اور عملِ صالح ہو، اور سہولت والی سواری ہو، اور ثنائے جمیل ہو۔ یہ تمام چیزیں دنیا کی ''حسنة'' میں درج ہیں اور آخرت کی ''حسنة''، سو وہ جنت میں بلند درجہ ہے اور محشر کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہنا ہے، اور حساب کا آسان ہونا ہے۔ اور عذابِ نار سے بچنا، اس کا تقاضا ہے کہ دنیا میں عذابِ نار سے بچے، حرام کاموں سے اجتناب کرے، شبہات کو ترک کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۷۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا

دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا بیان ہے، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کے فتنہ سے مراد ہے دجال کا فتنہ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا کے فتنہ سے مراد مال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۰۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَمَا تُعَلَّمُ الْكِتَابَةُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیدہ بن حمید نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از مصعب بن سعد بن ابی وقاص از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمیں ان کلماتِ دعائیہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح کتابت سکھائی جاتی ہے: اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں ارذلِ عمر کی طرف لوٹایا جاؤں، اور میں دنیا کے فتنہ اور عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۵۴۴۷، مسند احمد: ۱۶۲۴)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے "باب التعوذ من البخل" میں گزر چکی ہے۔

۵۸۔ بَابُ: تَكْرِيرِ الدُّعَاءِ

مکرر دعاء کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دعاء کی تکرار کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک بار دعا کرنے کے بعد دوسری بار دعا کی جائے، کیونکہ دعا کے تکرار میں فقر کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کا بیان ہے اور تذلل اور خضوع ہے۔ اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کو یہ پسند تھا کہ تین مرتبہ دعا کی جائے اور تین مرتبہ استغفار کیا جائے۔ اس حدیث کی امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُنْذِرٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طُبَّ حَتّٰى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ

إِلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ صَنَعَ الشَّيْئَ وَمَا صَنَعَهُ وَإِنَّهُ دَعَا رَبَّهُ ثُمَّ قَالَ أَشَعَرْتِ أَنَّ اللهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ جَائَنِي رَجُلَانِ فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ مَا وَجَعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوبٌ قَالَ مَنْ طَبَّهُ قَالَ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ قَالَ فِي مَاذَا قَالَ فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ قَالَ فَأَيْنَ هُوَ قَالَ فِي ذَرْوَانَ وَذَرْوَانُ بِئْرٌ فِي بَنِي زُرَيْقٍ قَالَتْ فَأَتَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَ وَاللهِ لَكَأَنَّ مَائَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُسُ الشَّيَاطِينِ قَالَتْ فَأَتَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهَا عَنِ الْبِئْرِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَهَلَّا أَخْرَجْتَهُ قَالَ أَمَّا أَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللهُ وَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا زَادَ عِيسَى بْنُ يُونُسَ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ النَّبِيُّ ﷺ فَدَعَا وَدَعَا وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا، اور آپ نے اپنے رب سے دعا کی، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا جواب دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کیا جواب ہے؟ آپ نے بیان فرمایا کہ میرے پاس دو مرد آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا میرے دونوں پاؤں کی جانب بیٹھ گیا، پھر ان میں سے ایک نے اپنے صاحب سے کہا: اس مرد کو کیسا درد ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے، اس نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے بتایا: لبید بن اعصم نے، کہا: کس چیز میں جادو کیا گیا ہے، اس نے کہا: کنگھی پر کھجور کے زرخوشے میں، اس نے پوچھا: وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتایا کہ ذروان میں، اور ذروان بنو زریق کا کنواں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اس کنوئیں پر گئے، اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ آئے، آپ نے فرمایا: بخدا! اس کنوئیں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا نچوڑا ہوا پانی ہو اور گویا اس کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے شیاطین کے سر ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پھر رسول اللہ ﷺ وہاں گئے، اور اس کنویں کی خبر دی، میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے اس جادو کو نکالا کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دے دی، اور میں نے لوگوں میں شر کے پھیلانے کو برا جانا۔

عیسیٰ بن یونس اور لیث بن سعد نے از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا، سو آپ نے دعا کی اور دعا کی۔ اور پھر اس کے بعد حدیث بیان کی۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱، صحیح مسلم: ۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۵، مسند احمد: ۲۴۳۷۹)

صحیح البخاری: ۶۳۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے دعا کی، اور دعا کی" اور اس میں دعا کی تکرار کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "طب" یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی آپ پر جادو کیا گیا، اور مطبوب کا معنی ہے مسحور، جس پر جادو کیا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا": علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ کام آپ نہیں کرتے تھے، خصوصاً بیویوں کے متعلق اور بیویوں سے جماع کے متعلق۔ اس کے سوا آپ پر جادو کا اور کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور اس میں آپ کی نبوت پر ضرر نہیں ہے۔ اور انبیاء کے ابدان میں جادو کا اثر قتل سے زیادہ نہیں ہے اور زہر سے زیادہ نہیں ہے۔ اور قتل اور زہران کی فضیلت کو دور کرنے والا نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف آزمائش ہے، اور جس چیز کا نبوت کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا کہ آپ کی نبوت میں کوئی فساد واقع ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دو مرد آپ کے پاس آئے"۔ ایک حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور دوسرے حضرت میکائیل علیہ السلام تھے، اور وہ مردوں کی صورت میں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "لبید بن الاعصم نے آپ پر جادو کیا تھا"۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ یہودی تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ منافق تھا۔ اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ یہودی ہو اور پھر اسلام لے آیا ہو اور اپنے نفاق کو چھپاتا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مشط اور مشاطۃ" مشط کا معنی ہے کنگھی اور مشاطۃ کا معنی ہے کہ کنگھی سے جو بال نکلتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذروان" یہ مدینہ میں بنو زریق کا ایک کنواں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رؤس الشیاطین" صاحب التوضیح نے کہا: اس سے مراد ہے سانپ، اور کھجور کے درختوں کو شیطان کے سروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ بھی دیکھنے میں غیر مانوس ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

اب تک میں نے دلائل سے یہی سمجھا ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور یہ غلط ہے کہ چالیس راتوں تک آپ پر جادو کا اثر رہا یا چھ ماہ تک آپ پر جادو کا اثر رہا یا ایک سال تک آپ پر جادو کا اثر رہا۔ لیکن چونکہ علماء امت کی عظیم اکثریت کا یہ مذہب ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا تو میں یہ سوچتا ہوں کہ علماء امت کی عظیم اکثریت کے مقابلہ میں میری منفرد رائے کیا حیثیت رکھتی ہے، ہوسکتا ہے یہاں پر ایسے دلائل ہوں جو مجھ پر منکشف نہ ہوئے ہوں اور ان دلائل کے اعتبار سے آپ پر جادو کا اثر ہوا ہو، سو اگر واقع میں ایسا ہے تو میں اپنی تحقیق سے رجوع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ میرے مطالعہ میں کمی ہو اور میری فکر میں نقص ہو اور میں اس معاملہ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، میں نے وہی لکھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت اور آپ کی عظمت اور شان کے مطابق سمجھا، لیکن میں بہت گناہگار انسان ہوں اور میری فکر اور عقل بھی نارسا ہے، ہوسکتا ہے جس طرح جمہور علماء نے کہا ہے اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی عظمت ہو اور میں اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہوں، سو اگر ایسا ہے تو میں اپنی اس تحقیق سے رجوع کرتا ہوں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث کی مفصل شرح کے لیے صحیح البخاری: ۵۷۶۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

۵۹۔ بَابُ: الدُّعَاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ

مشرکین کے خلاف دعا کرنا

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ وَقَالَ: اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات قحط کے سال کی مثل سات سال مسلط کر کے ان کے خلاف میری مدد فرما۔ اور اے اللہ! ابوجہل کی گرفت فرما۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: دَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الصَّلَاةِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ (آل عمران: ۱۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی: اے اللہ! فلاں پر لعنت کر اور فلاں پر لعنت کر، حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "آپ ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان دعاؤں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے خلاف کی تھیں۔ یہاں پر مطلق دعا کا ذکر ہے اور کتاب الجہاد میں ذکر ہے کہ "مشرکین پر شکست اور زلزلہ کی دعا کرنا"۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور پہلی دعا کتاب الاستسقاء میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

اور تعلیق مذکور میں دوسری دعا کا معنی ہے کہ اے اللہ! ابوجہل کو ہلاک کر دے۔ اور یہ حدیث کتاب الطہارۃ کے آخر میں گزر چکی ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کے موافق حدیث غزوہ احد میں گزر چکی ہے اور سورہ آل عمران کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن) نے کہا ہے: اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کے خلاف دلیل ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نماز میں وہی دعا کی جائے جو قرآن میں ہو۔ اور اگر نماز میں وہ دعا کی گئی جو قرآن میں نہیں ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ نفل نماز تھی اور امام ابوحنیفہ نے جو کہا ہے وہ فرض نماز کے متعلق کہا ہے۔

علاوہ ازیں یہ آیت نماز میں منافقین پر لعنت کرنے اور ان کے خلاف دعا کرنے کے لیے ناسخ ہے۔ اور اس کے عوض صبح کی نماز میں دعائے قنوت کو مشروع کر دیا گیا ہے۔ یہ ابن وہب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى قَالَ دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از ابن ابی خالد، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب (کفار کی جماعتوں) کے خلاف دعا کی: اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، کفار کی جماعتوں کو ہلاک کر دے، ان کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے اور ان میں زلزلہ برپا فرما۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۳، ۲۹۶۵، ۳۰۲۵، ۴۱۱۵، ۶۳۹۲، ۷۴۸۹، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ترمذی: ۱۶۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۶۲۸)

صحیح البخاری: ۶۳۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سلام، وہ محمد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی خالد، وہ اسماعیل ہیں اور ابو خالد کا نام سعد ہے اور انہیں ہرمز بھی کہا جاتا ہے اور کثیر البجلی الاحمسی الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔ اور ابن ابی اوفی، یہ حضرت عبد اللہ ہیں، اور حضرت ابو اوفی کا نام علقمہ ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ مشرکین کے گناہوں اور ان کے جرائم کے اعتبار سے ان کے خلاف دعا کرتے تھے۔ اور آپ اس کے خلاف دعا میں مبالغہ کرتے جس نے مسلمانوں کو بہت شدید ایذاء پہنچائی ہوتی تھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب آپ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! مضر کے اوپر اپنی گرفت کو سخت کر دے۔ اور آپ

نے ابوجہل کے خلاف ہلاکت کی دعا کی۔ اور آپ نے کفار کی ان جماعتوں کے خلاف ہزیمت اور زلزلہ کی دعا کی جو خندق کے دن آپ کے خلاف جمع ہو گئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف آپ کی دعا قبول فرمائی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہود پر لعنت کرنے سے منع فرمایا تھا اور آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ نرمی کریں اور ان کو ایسا ہی جواب دیں جیسا انہوں نے کہا ہے (کیونکہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہوئے کہا تھا "السام علیکم" اور اس کا معنی ہے موت، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا "السام علیکم ولعنکم اللہ" (صحیح البخاری: ۶۴۰۱)) اور ان کے لیے اضافہ کرنے کو جائز نہیں قرار دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ آپ نے ان یہودیوں کے متعلق فرمایا ہو جن کے اسلام لانے کی آپ کو توقع تھی تو آپ نے تالیفِ قلب کے طور پر ایسا فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۔۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۳۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ قَنَتَ اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن ابی عبداللہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز کی دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے تو آپ دعائے قنوت پڑھتے، اور آپ دعا کرتے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ! کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اے اللہ! ان کے اوپر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے قحط کے سالوں کی طرح سال مسلط کر دے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵، سنن نسائی: ۱۰۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۴، مسند احمد: ۷۲۱۹، سنن دارمی: ۱۵۹۵)

صحیح البخاری: ۶۳۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مشرکین کے خلاف دعائے ضرر" اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے: اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن فضالہ، اس میں معاذ کی میم پر پیش ہے اور فضالہ کی فاء پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی

سند میں ہشام بن ابوعبداللہ کا ذکر ہے، یہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو مُضر کے خلاف روندنے کی دعا فرمائی، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے، کیونکہ جو شخص کسی کو اپنے پاؤں کے ساتھ روندے، وہ اس کو بُری طرح ہلاک کرتا ہے۔ اور مُضر ایک قبیلہ ہے۔ اور اس حدیث میں مضاف محذوف ہے یعنی مضر کے کافروں کو سختی سے روند ڈال۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ فَأُصِيبُوا فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ عَلَى شَيْءٍ مَا وَجَدَ عَلَيْهِمْ فَقَنَتَ شَهْرًا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَيَقُولُ إِنَّ عُصَيَّةَ عَصَوُا اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از عاصم از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا جن کو قرّاء (قرآن کے قاری) کہا جاتا تھا، سو ان کو شہید کردیا گیا، پس میں نے نبی ﷺ کو کسی چیز کے اوپر اتنا غمزدہ نہیں دیکھا جتنا غم آپ کو ان کی شہادت پر ہوا تھا۔ پس نبی ﷺ ایک مہینہ تک فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے اور آپ دعا کرتے تھے کہ عُصَیَّہ نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۳۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۱۴، ۳۰۶۴، ۳۱۷۰، ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰، ۴۰۹۱، ۴۰۹۲، ۴۰۹۴، ۴۰۹۵، ۴۰۹۶، ۶۳۹۴، ۷۳۴۱، صحیح مسلم: ۶۷۷، سنن نسائی: ۱۰۷۱، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۱۸۴، مسند احمد: ۱۲۴۳۸، سنن دارمی: ۱۵۹۹)

صحیح البخاری: ۶۳۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے "مشرکین کے خلاف دعائے ضرر" اور اس حدیث میں مذکور ہے آپ نے "دعائے قنوت" پڑھی۔ اور دعائے قنوت مشرکین کے خلاف دعائے ضرر کو متضمن ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحسن بن الربیع کا ذکر ہے، یہ البجلی الکوفی ہیں۔ اور ابوالاحوص کا ذکر ہے، یہ سلّام بن سلیم الحنفی الکوفی ہیں۔ اور عاصم کا ذکر ہے، وہ ابن سلیمان الاحول ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا": سریہ لشکر کی اس جماعت کو کہتے ہیں جن کا انتہائی عدد چار سو ہو، انہیں دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اور اس کی جمع سرایا ہے۔ ان کو سریہ اس لیے کہا ہے کہ یہ لشکر کا خلاصہ اور لشکر کے بہترین افراد تھے اور السری کا معنی ہے: نفیس۔

ستر قرّاء کی شہادت کی تفصیل

جن کو القرّاء کہا جاتا تھا، ان کو قرّاء اس لیے کہتے تھے کہ یہ دوسروں کی بہ نسبت قرآن مجید زیادہ پڑھتے تھے۔ یہ متفرق لوگ تھے جو صفہ میں ٹھہرتے تھے اور قرآن مجید کو سیکھتے تھے اور مسلمانوں کی مدد کرتے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ستر قاریوں کو اہلِ نجد کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دیں، پس جب وہ قرّاء بئر معونہ کے پاس اترے تو عامر بن الطفیل نے چند لوگوں کی جماعت کے ساتھ ان کو ہلاک کرنے کا قصد کیا، سوان سب کو شہید کر دیا۔

اور اس حدیث میں "اصیبوا" کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: ان سب کو شہید کر دیا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے۔

اور اس حدیث میں "عصیة" کا لفظ ہے، یہ العصو کی تصغیر ہے اور یہ ایک قبیلہ ہے، اور کتاب الجہاد میں گزرا ہے کہ آپ نے چالیس دن تک ان کے خلاف دعائے قنوت پڑھی۔ اور عدد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ستر قاریوں کے متعلق حدیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رعل، الذکوان اور عصیہ اور بنولحیان نے اپنے دشمن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی، تو آپ نے ستر انصار سے ان کی مدد کی، جن کو ہم ان کے زمانہ میں القراء (قرآن پڑھنے والے) کہتے تھے، وہ دن میں جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے، حتیٰ کہ جب وہ بئر معونہ کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان قراء کے خلاف غداری کی اور ان کو قتل کر دیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ ایک ماہ تک عرب کے قبیلوں میں سے چند قبیلوں کے خلاف صبح کی نماز میں دعا کرتے رہے، رعل، الذکوان، عصیہ اور بنولحیان کے خلاف۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس ہم نے قرآن میں یہ آیت پڑھی، پھر اس آیت کو اٹھا لیا گیا، ہماری قوم تک ہماری طرف سے یہ خبر پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کر لی، سو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہم کو راضی کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۴۰۹۰)

۶۳۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كَانَ الْيَهُودُ يُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُونَ السَّامُ عَلَيْكَ فَفَطِنَتْ عَائِشَةُ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَوْلِهِمْ فَقَالَتْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا يَقُولُونَ قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي أَنِّي أَرُدُّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَقُولُ وَعَلَيْكُمْ

کو سلام کرتے تھے اور کہتے تھے "السام علیك" (آپ پر موت ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قول کی مراد سمجھ لی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "علیکم السام واللعنة" (تم پر موت اور لعنت ہو) تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! نرمی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے سنا نہیں یہ لوگ کیا کہہ رہے تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا میں اسی کو ان کے اوپر لوٹا رہا تھا، پس میں کہہ رہا تھا "وعلیکم" (اور تم پر)۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۸، مسند احمد: ۲۴۰۵۷)

صحیح البخاری: ۶۳۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "وعلیکم" یعنی نبی ﷺ نے یہودیوں کے جواب میں فرمایا: تم پر بھی وہی چیز نازل ہو جو تم نے میرے متعلق کہی ہے اور یہ ان کے خلاف دعائے ضرر ہے۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن محمد، یہ السندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن یوسف الصنعانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یہودی نبی ﷺ کو سلام کرتے تو کہتے تھے "السام علیك" سام کے معنی موت ہیں، یعنی وہ آپ پر بددعا کرتے تھے کہ آپ پر موت آئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "مهلا یا عائشه" یعنی اے عائشہ! نرمی سے بات کرو"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن حسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی،

الْخَنْدَقِ فَقَالَ مَلَأَ اللّٰهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ۔

انہوں نے کہا: ہمیں عبیدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ خندق کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! کفار کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے، جس طرح انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، اور وہ عصر کی نماز تھی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۱، ۴۱۱۱، ۴۵۳۳، ۶۳۹۶، صحیح مسلم: ۶۲۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۴، سنن نسائی: ۴۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۹، سنن ابن ماجہ: ۶۸۴، مسند احمد: ۱۲۲۵، سنن دارمی: ۱۲۳۲)

صحیح البخاری: ۶۳۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں مشرکین کے خلاف دعائے ضرر کا صراحۃً ذکر ہے کہ اے اللہ! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الانصاری، یہ محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ القاضی ہیں اور یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ یہاں امام بخاری نے ان سے بالواسطہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن حسان، بعض محدثین نے کہا ہے کہ ان کا حافظہ درست نہیں تھا، لیکن یہ محمد بن سیرین سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ روایت کو یاد رکھنے والے اور اس کو حفظ کرنے والے تھے۔ اور سعید بن ابی عروبہ نے کہا کہ ابن سیرین کی روایات میں ہشام بن حسان سے زیادہ کوئی حافظ نہیں تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عبیدہ کا ذکر ہے، یہ سلمانی ہیں۔

یہ حدیث غزوۂ خندق میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم خندق کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے" یعنی غزوۂ خندق کے دن اور اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے" یعنی جب وہ مُردہ ہوں، اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے، یعنی جب وہ زندہ ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس طرح انہوں نے ہم کو درمیانی نماز کے پڑھنے سے مشغول رکھا"۔ اس حدیث میں وجہ تشبیہ

ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تمام محبوب عبادات سے مشغول رکھا تو اللہ تعالیٰ ان کو آگ کے ساتھ مشغول رکھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور وہ عصر کی نماز ہے''۔علامہ کرمانی نے کہا: یہ درمیانی نماز کی راوی نے تفسیر کی ہے اور یہ حدیث مدرج ہے۔اور اس میں بحث ہے کیونکہ مغازی میں واقع ہے کہ عصر کی نماز میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ سورج غروب ہوگیا اور اس میں یہ خبر ہے کہ وہ عصر کی نماز قضاء ہوئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حدیث میں ہے ''حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا'' اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ فقط عصر کی نماز قضا ہوئی تھی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ظہر کی نماز بھی قضاء ہوئی ہو، کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ درمیانی نماز ظہر ہے۔اور یہ حدیث مدرج نہیں ہے، کیونکہ حدیث مرفوع میں ہے کہ انہوں نے ہم کو نمازِ عصر سے مشغول رکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس باب میں مذکور احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشرکین کے گناہوں اور جرائم کے اعتبار سے ان کے خلاف دعا میں مبالغہ کا بیان

اس باب کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکینِ مُضر کے خلاف اس دعا کا ذکر ہے ''اے اللہ! مُضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے خلاف ان کے گناہوں اور ان کے جرائم کے اعتبار سے دعا کرتے تھے۔اور جن کی مسلمانوں پر شدید اذیت ہوتی، ان کے خلاف دعا کرنے میں مبالغہ فرماتے تھے۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہوگئے تو آپ نے فرمایا ''اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد کر''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے خلاف ہلاکت کی دعا کی۔اور غزوۂ احزاب میں جو کفار کی جماعتیں حملہ کرنے کے لیے آئی تھیں، ان کے خلاف شکست کی اور زلزلہ کی دعا کی۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو ان کے متعلق قبول فرمایا۔اور جن لوگوں نے ستر قاریوں کو شہید کر دیا تھا، ان کے خلاف ایک ماہ تک قنوت پڑھتے رہے اور غزوۂ خندق میں کفار کی جماعتوں کے خلاف دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ میں جلا دے۔

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرکین کے خلاف ہلاکت وغیرہ کی دعا جائز ہے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے ان آثار متواترہ میں دعا کی ہے۔

صلوٰۃ وسطیٰ کا بیان

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صلوٰۃ عصر ہے۔(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۷۶)

اور ابن حبیب مالکی نے کہا کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔(المنتقیٰ ج ۱ ص ۲۴۵)

اور ابن القصار نے اس حدیث کی شرح میں کہا کہ اس دن کفار نے مسلمانوں کو ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں سے مشغول کر دیا تھا، اور عصر ان تین نمازوں کے درمیان تھی۔

اور ابن القابسی نے کہا: وسطیٰ دو نمازیں ہیں، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے، اور سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ اور اس میں اور بھی مذاہب ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۴۲۔ ۳۴۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب میں مذکور احادیث کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن ابی عبداللہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز کی دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے تو آپ دعائے قنوت پڑھتے، اور آپ دعا کرتے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے، اے اللہ! کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈال، اے اللہ! ان کے اوپر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے قحط کے سالوں کی طرح سال مسلط کر دے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۹۳)

حدیث مذکور کے مسائل

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے گی، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس کے خلاف دعا کی جائے یا جس کے حق میں دعا کی جائے اس کی نماز میں تعیین کرنا یا اس کو نماز میں معین کرنا جائز ہے، مثلاً تم نماز میں کہو ''اللھم اغفر لفلان''، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں عیاش بن ابی ربیعہ کا نام لے کر اور الولید بن ولید کا نام لے کر اور سلمہ بن ہشام کا نام لے کر ان کے حق میں دعائیں کیں۔ اور مُضر کے کفار کے خلاف آپ نے نام لے کر دعا کی۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ الولید نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے، اس کے برخلاف بعض لوگوں نے کہا کہ الولید نام رکھنا مکروہ ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو نہیں بدلا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برّہ کا نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا، اور آپ جو نام مکروہ ہو اس کو تبدیل کر دیتے تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ انسان ولید نام رکھ سکتا ہے۔

(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی دعا بھی کی ہے اور خصوصی دعا بھی کی ہے۔ آپ نے مشرکین کے خلاف عمومی دعا کی اور مسلمانوں کے حق میں عمومی دعا کی، کیونکہ آپ نے فرمایا: اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔

نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے متعلق مذاہب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرائض میں دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے، لیکن علماء نے اس کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی مصیبت نازل ہو یا کوئی حادثہ پیش آئے۔ اور ایسی صورت میں تمام فرائض میں قنوت پڑھی جائے گی صرف

فجر کی نماز میں نہیں۔

دعائے قنوت صرف امام پڑھے گا یا ہر نمازی؟

ایک قول یہ ہے کہ صرف امام دعائے قنوت پڑھے گا اور باقی لوگ نہیں پڑھیں گے، ان کا استدلال اس سے ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت پڑھتے تھے اور مدینہ کی دیگر مساجد کے اندر نمازی دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ اور اگر یہ بالعموم مشروع ہوتا تو سب لوگ دعائے قنوت پڑھتے۔ اور اس لیے بھی کہ امت کی جنگ اور صلح میں امام سے سوال کیا جاتا ہے، لہٰذا مصائب کے نزول کے وقت امام ہی دعائے قنوت پڑھے گا۔

اور بعض علماء نے کہا ہے: بلکہ ہر امام مسجد دعائے قنوت پڑھے گا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اور رہا وہ جو اکیلے نماز پڑھتا ہے تو وہ بالکل قنوت نہ پڑھے۔

اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ دعائے قنوت ہر نمازی کے لیے مشروع ہے حتیٰ کہ جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو وہ بھی پڑھے اور حتیٰ کہ عورتیں بھی پڑھیں، اس لیے کہ یہ امر عام مسلمانوں کے ساتھ متعلق ہے، لہٰذا یہ عام مسلمانوں کے لیے مشروع ہے کہ وہ دعائے قنوت کو پڑھیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۰۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ — مشرکین کے لیے دعا کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مشرکین کے لیے دعا کرنے کا بیان ہے اور یہ عنوان کتاب الجہاد میں گزر چکا ہے لیکن وہاں پر کہا تھا: مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنا تا کہ ان کی دلجوئی ہو، پھر وہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی جو اس باب کی حدیث میں ہے۔ اب یہاں دو باب ہیں، ایک باب تو مشرکین کے خلاف دعا کرنا اور ایک باب ہے: مشرکین کے حق میں دعا کرنا، اور یہ دو مختلف اعتباروں سے ہے۔ پس پہلے باب میں مشرکین کے خلاف دعاء ہے، کیونکہ وہ اپنے کفر پر ڈٹ جاتے ہیں اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں، اور دوسرے باب میں ان کے لیے اسلام کی ہدایت کی دعا ہے تا کہ ان کی دلجوئی ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں، تو میں کہوں گا: اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو اسلام کی ہدایت دے جس کے ساتھ مغفرت صحیح ہے، کیونکہ کفر کے گناہ کی مغفرت نہیں کی جاتی، یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی مغفرت فرما اگر وہ اسلام قبول کر لیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۷ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَدِمَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ دَوْسًا قَدْ عَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللهَ عَلَيْهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل بن عمرو رسول

فَظَنَّ النَّاسُ أَنَّهُ يَدْعُو عَلَيْهِمْ فَقَالَ اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! دوس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور اسلام لانے سے انکار کیا ہے، آپ ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجئے، لوگوں نے گمان کیا کہ بے شک آپ ان کے خلاف دعا کریں گے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے آ۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۷، ۴۳۹۲، ۶۳۹۷ صحیح مسلم: ۲۵۲۴، مسند احمد: ۱۰۱۴۸)

صحیح البخاری: ۶۳۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں، اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور الاعرج کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "الطفیل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے" ان کا پورا نام ہے الطفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن غنم بن دوس الدوسی، یہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت طفیل مکہ میں اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، پھر اپنی قوم کے شہروں کی طرف سرزمین دوس میں چلے گئے، پھر وہیں رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی۔ پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب آپ خیبر میں تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی تھی، پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مقیم رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ رہے حتیٰ کہ جنگِ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ دوسرا قول ہے کہ جنگِ یرموک میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شہید کیے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "دوس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اسلام لانے سے انکار کیا"۔ دوس، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ان کو یہاں لے آ" یعنی قبیلہ دوس کے لوگ اسلام قبول کر کے یہاں آ جائیں۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم ہے اور تمام جہانوں پر آپ کی رحمت ہے، کیونکہ آپ نے ان کے حق میں دعا کی حالانکہ لوگوں نے ان کے خلاف دعا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مشرکین کے حق میں دعا کرنا، مشرکین کے خلاف دعا کرنے کی ناسخ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَلِمُونَ (آل عمران:۱۲۸)

آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں O۔

اور اکثر علماء کا مختار یہ ہے کہ مشرکین کے خلاف دعا کرنا منسوخ نہیں ہے۔اور مشرکین کے خلاف دعا کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۹۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشرکین کے خلاف دعاء کرنے کی توجیہات

اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرکین کے خلاف دعا کرنا جائز ہے، اور جن مشرکین کے اسلام لانے کی توقع ہو تو ان کی تالیفِ قلب کے لیے ان کے خلاف دعا کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔اور مشرکین کے خلاف دعا کرنے کی ممانعت اور جواز میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ اگر مشرکین کے خلاف دعا کا یہ تقاضا ہو کہ ان کو کفر میں سرکشی پر زجر و توبیخ کی جائے تو پھر یہ جائز ہے۔اور اگر مشرکین کے خلاف دعاء کا تقاضا یہ ہو کہ ان کو ان کے کفر پر ہلاک کر دیا جائے تو پھر یہ دعا ممنوع ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعا کی کہ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے آ۔اس میں یہ رہنمائی ہے کہ جس دوسری حدیث میں آپ نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما، کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو زیادتی کی ہے اس کو معاف فرما دے، اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے، کیونکہ کفر کا گناہ نہیں مٹایا جاتا، یا آپ نے جو دعا کی کہ اے اللہ! ان کی مغفرت فرما، اس کا یہ معنی ہے کہ اے اللہ! ان کو اسلام کی ہدایت دے، کیونکہ اسلام کے ساتھ مغفرت صحیح ہے۔یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ اسلام لے آئیں تو پھر ان کی مغفرت فرما۔اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۱۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا: "اے اللہ! میرے لیے میرے ان کاموں کی مغفرت فرما دے جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے بعد میں کیے"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا تواضعاً کی ہے اور اپنے نفس کے اوپر گناہ کا شمار کیا ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ آپ سے سہواً جو اگلے اور پچھلے گناہ ہو گئے ان کو معاف فرما دے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے جو آپ سے ایسے کام ہو گئے ان کی مغفرت فرما دے۔اور ہر حال میں آپ مغفور ہیں، اور آپ کے تمام بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کام خواہ وہ پہلے ہوئے

ہوں یا بعد میں ہوئے ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ سو آپ نے یہ دعا تواضعاً کی ہے، اس لیے کہ دعا کرنا عبادت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ آپ نے اپنی امت کی رہنمائی کی ہے اور ان کو تعلیم دی ہے، کیونکہ آپ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہیں خواہ نبوت سے پہلے ہوں یا نبوت کے بعد ہوں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ نے پہلے جو فاضل کام کیا ہو اور بعد میں جو افضل کام کیا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو بِهَذَا الدُّعَاءِ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي كُلِّهِ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطَايَايَ وَعَمْدِي وَجَهْلِي وَهَزْلِي وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ وَحَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِنَحْوِهِ۔

(صحیح البخاری: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، صحیح مسلم: ۲۷۱۹، مسند احمد: ۱۹۲۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الملک بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از ابو موسیٰ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے میرے رب! میرے لیے میری خطا کو بخش دے اور میرے جہل کو، اور میرے تمام کاموں میں اسراف کو بخش دے، اور ان کو بخش دے جن کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے، اے اللہ! میرے لیے میری خطاؤں کو بخش دے اور میرے عمداً کاموں کو اور میرے جہالت سے کاموں کو اور جو کام میں نے سنجیدگی سے کیے اور ہر وہ کام جو میرے نزدیک ہیں، اے اللہ! میرے لیے ان کاموں کی مغفرت فرما دے جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے بعد میں کیے اور جو میں نے چھپ کر کیے اور جو میں نے ظاہراً کیے، تو مقدم کرنے والا ہے اور تو موخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور عبید اللہ بن معاذ نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابو اسحاق از ابو بردہ بن ابو موسیٰ از والد خود از نبی ﷺ اسی حدیث کی مثل۔

صحیح البخاری: ۶۳۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الملک بن صباح، یہ البصری ہیں۔ اور امام بخاری نے ان کی صرف اسی جگہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسحاق، یہ عمرو بن عبد اللہ السبیعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی موسیٰ۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس کے بعد یہ حدیث جس سند سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ابو بردہ

بن ابی موسیٰ ہیں یعنی عامر، اور جو روایت اس کے بعد ہے ایک سند کے ساتھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو بکر بن ابی موسیٰ ہیں، لیکن الکلاباذی نے کہا ہے کہ یہ عمرو بن ابی موسیٰ ہیں۔ اور ابو موسیٰ کا نام عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اے اللہ! میری خطا کو بخش دے"۔ خطا کا معنی ہے ذنب یعنی گناہ۔

(میں کہتا ہوں: یہاں گناہ سے مراد ہے کہ وہ کام جو بہ ظاہر گناہ ہو اور حقیقت میں گناہ نہ ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور میرے جہل کی مغفرت فرما"۔ جہل سے مراد ہے علم کی ضد۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور میرے اسراف کو معاف فرما"۔ اسراف کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فی امری" یعنی میں نے اپنے کام میں جو اسراف کیا ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وعمدی" عمد کا معنی ہے جو سہو کے خلاف ہو اور اس کی ضد ہو، اور جہل سے مراد ہے علم کی ضد اور ہزل کا معنی ہے: سنجیدگی کی ضد، اور عمد کا جو خطا پر عطف ہے، یہ خاص کا عام پر عطف ہے، اس اعتبار سے کہ خطا عام ہے کہ وہ دانستہ ہو یا نادانستہ، یا ایک مقابل کا عطف دوسرے مقابل پر ہے۔ یا خطیئۃ سے مراد وہ کام ہے جو بطورِ خطا ہوا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انت المقدم" یعنی تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مقدم کرتا ہے اس کو توفیق دے کر، اور جس کو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں سے اس کو مؤخر کر دیتا ہے اس کو شرمندہ اور رسوا کر کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۔ ۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۳۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى وَأَبِي بُرْدَةَ أَحْسِبُهُ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي وَخَطَايَايَ وَعَمْدِي وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي۔

(صحیح البخاری: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹، صحیح مسلم: ۲۷۱۹، مسند احمد: ۱۹۲۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عبدالمجید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے حدیث بیان کی از ابی بکر بن ابی موسیٰ وابی بردہ، میں گمان کرتا ہوں کہ یہ از ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا کرتے تھے: "اے اللہ! میرے لیے میرے گناہ کو بخش دے اور میری جہالت کے کاموں کو اور میں نے جو اپنے معاملہ میں اسراف کیا ہے اس کو بخش دے، اور جن کاموں کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے ان کو بخش دے، اے اللہ! میں نے مذاق سے جو کام کیے ان کو بخش دے، اور جو سنجیدگی سے کام کیے ان کو بخش دے اور جو میں نے خطا سے کیے اور جو میں نے دانستہ کیے، اور وہ سب تیرے نزدیک ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۳۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے جو محمد بن مثنیٰ سے روایت ہے اور وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عبد المجید الحنفی البصری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، یہ ابن یونس ہیں جو اپنے دادا ابو اسحاق عمرو سے روایت کرتے ہیں از ابو بکر اور ابو بردہ، یہ دونوں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں از حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے": یعنی ان گناہوں کو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "کل ذالك عندی" یعنی میں ان کاموں کے ساتھ متصف ہوں، سو تو ان کو معاف فرما دے۔

مرتکب کبیرہ کی مغفرت کا بیان

علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے کہ علامہ القرافی نے کتاب القواعد میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص یہ دعا کرے کہ اے اللہ! میری مغفرت فرما اور تمام مسلمانوں کی، تو یہ محال کی دعا ہے، کیونکہ تمام مسلمانوں میں مرتکب کبیرہ بھی ہے اور مرتکب کبیرہ دوزخ میں داخل ہوگا اور دوزخ میں داخل ہونا مغفرت کے منافی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ ممنوع ہے، کیونکہ ہم اس منافات کو نہیں مانتے، کیونکہ مغفرت کے منافی یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل ہے جیسا کہ کفار داخل ہوتے ہیں جب کہ مرتکب کبیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نکل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے مغفرت فرما دے گا، پھر بھی دوزخ سے نکل جائیں گے۔ اور اس پر یہ معارضہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تمام مومنین کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (نوح: ۲۸)

اے میرے رب! میری، میرے والدین کی اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما اور جملہ مومنین اور مومنات کی (بھی مغفرت فرما)۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ الکرمانی نے اس قول کو مغلطائی کی اتباع سے نقل کیا ہے جو انہوں نے القرافی سے نقل کیا ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کے رد میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے جو اس قول کو القرافی سے نقل کیا ہے اس میں انہوں نے کسی کی اتباع نہیں کی۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے جو مغلطائی کا نام صراحۃً لیا ہے، اس میں ادب کو ترک کر دیا ہے۔ اور اگر شیخ علاؤ الدین مغلطائی ان کے شاگرد ہوتے یا ان کے ساتھ

پڑھنے میں شریک ہوتے تب بھی ادب کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ ان کا نام بغیر تعظیم کے لیتے۔

(علامہ علاؤ الدین مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ دراصل حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی دونوں کے استاذ ہیں۔سعیدی غفرلہٗ)

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح کے آخر میں لکھا ہے: مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس باب میں اس مسئلہ کو لکھنے کی کیا مناسبت تھی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کی مناسبت تو ہر چیز سے ظاہر ہے،اور اصحاب التحقیق پر وہ چیز ظاہر ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کو اپنے قصور کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوئی۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳،دار الکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی پر رد کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس مناسبت کا ظہور تو بالکل ظاہر ہے تو ان پر لازم تھا کہ اس مناسبت کا بیان بھی کرتے ،اور وہ جو انہوں نے مغلطائی کی طرف سے مدافعت کی ہے اور کہا ہے کہ ان کا نام بغیر تعظیم کے لیا ہے تو خود علامہ عینی اس سے زیادہ شدید بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ وہ قاضی عیاض کا نام بغیر کسی تعظیم کے لکھتے ہیں مثلاً یوں نہیں کہتے کہ امام عیاض نے کہا یا شیخ عیاض نے کہا، وہ لکھتے ہیں عیاض نے کہا، حالانکہ قاضی عیاض کا مرتبہ مغلطائی سے بہت زیادہ بڑا ہے۔تو ان دونوں ناموں میں سے کس کی تعظیم کرنا زیادہ لائق تھا!۔(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۱۱ ،مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف گناہوں کی نسبت کی ہے خواہ وہ دانستہ ہوں یا نادانستہ ہوں، اور خواہ وہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معصوم ہیں اور نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد آپ سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا نہ سہواً اور نہ عمداً اس لیے ان دعاؤں کا محمل یا تو یہ ہے کہ آپ نے یہ امت کی تعلیم کے لیے اپنی طرف گناہوں کی نسبت کی ہے کہ ہمیں اس طرح دعا کرنی چاہیے،اور یا گناہوں سے مراد وہ کام ہیں جو بہ ظاہر خلافِ اولیٰ ہیں۔(سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۳۹۸، ۶۳۹۹ ،کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،ان حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعائے مغفرت کا محمل

میں کہتا ہوں کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعائیں امت کی تعلیم کے لیے کی ہیں۔

امام طبری نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کی کیا توجیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ رب تبارک وتعالیٰ آپ کے گناہوں کی مغفرت فرمادے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہوں کی مغفرت فرمادی ہے۔پھر اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت کے سوال کی کیا توجیہ ہے جب کہ وہ گناہ بخشے ہوئے ہیں اور کیا یہ جائز ہے کہ آدمی اپنے رب سے یہ سوال کرے کہ اس کا رب اسے بنو آدم میں سے بنادے، حالانکہ وہ بنو آدم میں سے ہے،اور کیا یہ جائز ہے کہ آدمی اپنے رب سے یہ سوال کرے کہ اس کا رب اس کے لیے دو ہاتھ اور دو پیر بنادے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دو

ہاتھ اور دو پیر بنا دیے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں یہ دعا اس وقت کی جب آپ کی وفات قریب ہو گئی، اور جب یہ آیت نازل ہو چکی تھی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۧ (النصر: ۱۔۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کرنے اور مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے تھے اور اس سے استغفار کرتے تھے باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما چکا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں اور اس سے استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۳۰۷)

اور معصوم کا اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنا اور استغفار کرنا دراصل اس کے درجات میں ترقی اور بلندی کے لیے ہوتا ہے۔ سو آپ کا یہ استغفار آپ کے اخروی درجات میں بلندی اور ترقی کے لیے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار یعنی طلبِ مغفرت کے متعلق معتزلہ کا مذہب

معتزلہ نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نہ کبائر جائز ہیں اور نہ صغائر۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ان کاموں کی مغفرت فرمائی ہے جو ان سے سہواً سرزد ہوئے اور غفلت سے سرزد ہوئے اور اجتہاد سے سرزد ہوئے، یا وہ کام جو حقیقت میں ان کے منصب کے اعتبار سے نہیں تھا، ایسی چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمائی ہے اور ان کو ذنب قرار دیا ہے، کیونکہ ذنب وہی ہے جو عمداً ہو اور قصداً ہو، اور جو عمد اور قصد کے بغیر کام ہو، وہ ذنب نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ معتزلہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف انہی کاموں پر استغفار کرتے ہیں جو ان سے بطور سہو صادر ہوا ہو یا غفلت سے صادر ہوا ہو، کیونکہ عام مسلمانوں سے بھی جو کام غفلت یا سہو سے صادر ہوا ہو ان پر بھی ان کاموں میں استغفار کرنا واجب نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام پر ان کاموں میں استغفار کرنا کس طرح واجب ہوگا!

اس سوال کا ایک اور جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اپنے ذنب پر مغفرت طلب کی، یہ اظہارِ خضوع اور اظہارِ عبودیت کے لیے ہے اور تقصیر کا اعتراف کیا ہے تا کہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد میں اتنا زیادہ قیام کرتے کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا، آپ سے کہا گیا کہ آپ کے تو اگلے اور پچھلے ذنب کی تو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر دی ہے پھر آپ اتنی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح البخاری: ۱۱۳۰)

پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعا میں زیادہ کوشش کرنا اور اپنی خطاؤں کا اور تقصیر کا اعتراف کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کا اقرار

ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ عبادت کرنا حتیٰ کہ آپ کے پیر سوج جائیں، یہ محض اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے تھا، کیونکہ دعا اللہ تعالیٰ کی عظیم عبادت ہے، تا کہ آپ امت کے لیے یہ نمونہ اور سنت قرار دیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس سے مسلسل دعائیں کرنا چاہیے اور بے خوف ہونے کی طرف مائل نہیں ہونا چاہیے، خواہ ان کے اعمال بہت زیادہ ہوں اور ان کی عبادات بہت زیادہ ہوں، تب بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ علامہ المحاسبی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ملائکہ کو اور انبیاء علیہم السلام کو جو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے، وہ اس کی عظمت کا خوف ہوتا ہے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ چونکہ بے نیاز ہے اور جو چاہے کرے اس کا مالک ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے پناہ طلب کرتے ہیں اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۴۸۔ ۳۵۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۳۹۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے نفع اور ضرر کے مالک ہیں یا نہیں؟

ابن عثیمین نے کہا ہے: ان دونوں حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے نفع کے مالک ہیں نہ ضرر کے مالک ہیں، اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔

شیخ ابن عثیمین کی اس شرح پر مصنف کا تعاقب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کا ثبوت

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (التوبہ: ۷۴) اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضل سے مسلمانوں کو غنی کرتے ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷) اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی۔

جس شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور یہ آپ کا ان پر انعام ہے جس کا قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ انعام بھی فرماتے ہیں اور یہ بھی آپ کی نفع رسانی ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عباس بن عبد المطلب قال یا رسول اللّٰه! هل حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے

نفعت ابا طالب بشیء، فانه کان یحوطك ویغضب لك، قال نعم، هو فی ضحضاح من نار، لولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔

(صحیح البخاری:۶۲۰۸، صحیح مسلم:۲۱۰، مسند احمد:۱۱۰۷۸)

کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ نفع پہنچایا؟ کیونکہ وہ آپ کی مدافعت کرتے تھے اور آپ کے لیے لوگوں پر غضب ناک ہوتے تھے، آپ نے فرمایا: ہاں، وہ ٹخنوں تک دوزخ کی آگ میں ہیں، اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفع پہنچانے کی واضح تصریح ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے گناہ گار عذاب سے نجات پائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے لوگ جنت میں جائیں گے، اگر کوئی شخص ساری عمر کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا رہے اور محمد رسول اللہ نہ پڑھے تو وہ ایمان اور اسلام میں داخل نہیں ہوگا اور جنت کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور اگر مرنے سے پہلے ایک مرتبہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لے تو وہ جنت کا مستحق ہو جائے گا۔ سو جن کے نام کا یہ نفع ہے ان کی ذات کی نفع رسانی کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کا منکر ہو، وہ آپ کا نام نہ لے اور ہمیں جنت میں جا کر دکھا دے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما انا قاسم واللہ یعطی

میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری:۷۱، صحیح مسلم:۱۰۳۷، سنن ابن ماجہ:۲۲۱، مسند احمد:۱۶۴۰۷، موطا امام مالک:۱۶۶۷، سنن دارمی:۲۲۴)

شیخ ابن عثیمین کا انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کو منسوب کرنا اور مصنف کا اس پر تعاقب

نیز شیخ ابن عثیمین نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہ ہوتے ہیں۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۲۶۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اگر کسی آیت یا حدیث میں کسی نبی کے لیے ذنب کا لفظ آیا ہے تو وہ اطلاقِ مجازی ہے، اس سے مراد صورتاً ذنب ہے یا ظاہراً ذنب ہے، حقیقتاً ذنب سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۲۔ بَابُ: الدُّعَاءِ فِی السَّاعَةِ الَّتِی فِی یَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن دعا کرنے کی ساعت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جمعہ کے دن کی اس ساعت کو بیان کیا گیا ہے جس میں دعا کے مقبول ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ اور امام بخاری نے کتاب الجمعہ میں یہ باب قائم کیا ہے "باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ" اور یہ معین نہیں کیا کہ وہ کون سی ساعت ہے نہ وہاں

پڑا اور نہ یہاں پر، اور اس ساعت کی تعیین میں بہت سے اقوال ہیں جن کا ہم نے کتاب الجمعہ میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۴۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ وَقَالَ بِيَدِهِ قُلْنَا يُقَلِّلُهَا يُزَهِّدُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ جب مسلمان اس ساعت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ سے جس خیر کا بھی سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس خیر کو عطا فرماتا ہے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا: ہم نے کہا کہ آپ اس ساعت کی کمی اور اختصار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۹۳۵، ۵۲۹۴، ۶۴۰۰، صحیح مسلم: ۸۵۲، سنن ترمذی: ۴۹۱، سنن نسائی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۷، مسند احمد: ۹۹۲۹، موطا امام مالک: ۲۴۲، سنن دارمی: ۱۵۶۹)

صحیح البخاری: ۶۴۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم، وہ اسماعیل بن علیہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، اور وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، وہ ابن سیرین ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”جب مسلمان نماز پڑھ رہا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ خیر عطا فرماتا ہے“۔ اس حدیث میں خیر کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ وہ دعا نکل جائے جو انسان کسی گناہ کی دعا کرے یا رحم کے رشتہ کو قطع کرنے کی دعا کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمعہ کی ساعتِ اجابت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس ساعت کو عصر کے بعد آخری ساعت میں

تلاش کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۸، سنن نسائی: ج ۳ ص ۱۰۰، المستدرک ج ۱ ص ۲۷۹)

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس ساعت کو عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک تلاش کرو۔

(سنن ترمذی: ۴۸۹، علامہ نووی نے المجموع میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے)

ساعتِ جمعہ کے متعلق علماء امت کے اقوال

(۱) یہ ساعت عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے، یہ ایک جماعت کا قول ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ابوسعید خدری، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔

(۲) حسن بصری اور ابوالعالیہ نے کہا: یہ ساعت زوال کے بعد ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۵۵۷۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۶، الاوسط لابن المنذر ج ۴ ص ۹)

(۳) یہ ساعت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک ہے۔ (المجموع ج ۴ ص ۴۲۳)

(۴) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: یہ ساعت اذان کے وقت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب مؤذن صبح کی نماز کے لیے اذان دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۹، ۵۴۷۰)

(۵) جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو نماز کے ختم ہونے تک یہ ساعت ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۶ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰)

علامہ ابن التین نے کہا: میرے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا کہ امام کے نکلنے سے نماز پڑھانے تک یہ ساعت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب نماز کی اقامت کہی جائے حتیٰ کہ اس سے فراغت ہو جائے۔

(۶) یہ ساعت نمازِ جمعہ کے وقت ہے۔ اس کو علامہ ابن بطال نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ ساعت تکبیرِ تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۳)

(۷) زوالِ آفتاب سے لے کر اس وقت تک جب کہ مرد نماز میں داخل ہو۔

یہ ابوالسوار العدوی نے ذکر کیا ہے۔ اور ابن صباغ نے کہا ہے: یہ زوالِ آفتاب سے لے کر امام کے نماز میں داخل ہونے تک ہے۔ اور قاضی ابوالطیب نے کہا: زوالِ آفتاب سے لے کر امام کے خروج تک ہے۔

(۸) جب سورج ایک بالشت سے لے کر ایک ہاتھ تک بلند ہو اس وقت یہ ساعت ہے۔ (التمہید ج ۴ ص ۵۷)

(۹) امام ابن ابی شیبہ نے از حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ مجھے توقع ہے کہ یہ ساعت جمعہ کے دن کئی ساعتوں میں سے ایک ساعت ہے، جب مؤذن اذان دے، یا امام منبر پر ہو، یا نماز کی اقامت ہو رہی ہو۔ (المصنف: ۵۴۶۵)

(۱۰) جمعہ کی اذان کے وقت جب بیع حرام ہو جاتی ہے، اس وقت سے لے کر بیع کے حلال ہونے تک یہ ساعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶۷)

(۱۱) یہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ وہ ساعت ہے جس وقت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۵۵۷۵)

(۱۲) یہ ساعت پورا دن مخفی رہتی ہے جیسے لیلۃ القدر مخفی ہے، اور صلوٰۃ وسطیٰ مخفی ہے۔ اور اس کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ کوشش اور جدوجہد کریں اس کو طلب کرنے میں، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو مخفی رکھا ہے تاکہ لوگ صالحین کے ساتھ حسن ظن کریں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۶۱۸۔ ۶۲۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن نے پانچ اور اقوال ذکر کیے ہیں، لیکن ہم نے جو اقوال ذکر کیے ہیں وہ کافی ہیں۔

۶۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ يُسْتَجَابُ لَنَا فِي الْيَهُودِ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِينَا

نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ یہود کے متعلق ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ہمارے متعلق ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی ﷺ کے اس ارشاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہماری جو دعا یہود کے متعلق ہوتی ہے وہ قبول کی جاتی ہے، کیونکہ ہم جو دعا بھی کرتے ہیں وہ حق ہوتی ہے، اور یہود کی ہمارے متعلق دعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ہمارے خلاف ظلم کی دعا کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ الْيَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ أَوِ الْفُحْشَ قَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہود نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: السام علیک، (یعنی آپ پر موت آئے) نبی ﷺ نے فرمایا: "وعلیکم" (یعنی تم پر آئے)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "تم پر موت ہو، اور تم پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے، اور اللہ تعالیٰ تم پر غضب ناک ہو" پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! نرمی کرو، تم ملائمت کو اختیار کرلو، اور تم ملامت کرنے سے گریز کرو، یا فرمایا: درشت کلامی کرنے سے گریز کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ میں ان کی دعا ان پر لوٹا دی، پس میری دعا ان کے متعلق قبول

ہوگی اوران کی دعا میرے متعلق قبول نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری:۲۹۳۵،۶۰۲۴،۶۰۳۰،۶۲۵۶،۶۳۹۵،۶۴۰۱،۶۹۲۷،صحیح مسلم:۲۱۶۵،سنن ترمذی:۲۷۰۱،سنن ابن ماجہ:۳۶۹۸،مسند احمد:۲۴۵۷۰)

صحیح البخاری:۶۴۰۱،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے،یہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے،وہ سختیانی ہیں۔اور ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے،وہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی ملیکہ ہیں اوران کا نام زہیر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''وعلیکم''اس کا معنی ہے:تم پرموت آئے،کیونکہ قرآن میں ہے:

''کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾''(الرحمٰن:۲۶)''جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے O''

اس حدیث کی شرح عنقریب''باب الدعاء علی المشرکین''میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۴۰۱،کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود کی دعا قبول نہ ہونے کا سبب

یہود کی دعا ہمارے خلاف اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ یہود ہدایت کو ترک کر کے گمراہ ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات ظاہرہ سے عناد رکھتے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ آیات ان پر منکشف ہو چکی ہیں،پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں۔اس وجہ سے ان کی دعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوتی،کیونکہ وہ ظالم ہیں۔اور ہمارے خلاف اپنی دعاؤں میں بھی ظلم کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ (الرعد:۱۴) اور کافروں کی دعا صرف گمراہی میں ہے O

اور یہ ظالم کی دعا کے متعلق اصل اور قاعدہ ہے کہ ظالم جس کے خلاف دعا کرے،اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔اللہ تعالیٰ تک اسی کی دعا پہنچتی ہے جو حق کے موافق ہو اور صدق پر مبنی ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۵۳۔ملخصاً وملتقطاً،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۴۔بَابُ:التَّأْمِینِ — آمین کہنے کا بیان

اس باب میں دعاء کے بعد آمین کہنے کا بیان ہے۔

۶۴۰۲۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ الزُّهْرِیُّ حَدَّثَنَاهُ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ أَبِی

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں سفیان نے

هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ زہری نے کہا: ہمیں انہوں نے یہ حدیث از سعید بن المسیب بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قاری (قرآن پڑھنے والا) آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، پس جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری:۷۸۰، ۶۴۰۲، صحیح مسلم:۴۱۰، سنن ترمذی:۲۵۰، سنن نسائی:۹۲۸، سنن ابوداؤد:۹۳۶، سنن ابن ماجہ:۸۵۱، مسند احمد:۷۲۰۳، موطا امام مالک:۱۹۵، سنن دارمی:۱۲۴۶)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جب قاری آمین کہتا ہے تو تم آمین کہو" اس سے مراد عام ہے، خواہ وہ اس نماز میں امام ہو یا نماز کے غیر میں قرآن پڑھ رہا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے"، یا تو موافقت سے مراد زمانہ میں موافقت ہے یعنی اسی وقت آمین کہیں اور یا صفت میں موافقت ہے یعنی جس طرح فرشتے خشوع سے آمین کہتے ہیں اسی طرح آمین کہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے، کیونکہ فرشتے بھی آہستہ آمین کہتے ہیں تو ان کے ساتھ موافقت جب ہی ہوگی جب نمازی آہستہ آمین کہیں گے۔ اور جہراً اور بلند آواز سے آمین کہنے سے فرشتوں کی موافقت نہیں ہوگی۔ سو اس حدیث میں فقہاءِ احناف کی دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں"۔ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق اللہ عزوجل کے حقوق کے ساتھ ہے۔ رہے وہ گناہ جن کا تعلق بندہ کے حقوق کے ساتھ ہیں تو جب تک بندہ معاف نہ کرے وہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔ نیز علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں، کیونکہ گناہِ کبیرہ یا اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض سے معاف ہوتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور یا توبہ سے۔

اس حدیث کی مکمل شرح کتاب الصلوٰۃ کے باب "جھر الامام بالتامین" میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳،

دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے بندہ کے جتنے بھی گناہ ہوں، وہ آمین کہنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ وضو کرنے سے بھی وضو کرنے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کا نماز کی طرف جانا نفل ہوتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ بشارت دی ہے۔ اور اگر بندہ کے گناہ پہلے معاف ہو چکے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وضو کے بعد اس نے کوئی گناہ کیا ہو تو آمین کہنے سے وہ گناہ معاف ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۴-۳۵۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آمین کہنے کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ماجہ اور امام ابن خزیمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود کو تمہارے خلاف کسی چیز پر اتنا حسد نہیں ہے جتنا وہ سلام میں اور آمین کہنے میں تمہارے اوپر حسد کرتے ہیں۔

نیز امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود نے آمین کہنے پر تمہارے خلاف حسد کیا ہے، تو تم کثرت کے ساتھ آمین کہا کرو۔ اور امام حاکم نے حبیب بن مسلمہ الفہری سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب بھی کوئی جماعت جمع ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے دعا کریں اور دوسرے اس پر آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیتا ہے۔

اور امام ابوداؤد نے ابوزہیر النمیری سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس کھڑے ہوئے تھے جو بہت اصرار سے دعا کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: اس کی دعا کا قبول ہونا واجب ہوگا اگر یہ اس دعا پر مہر لگا دے، اس نے پوچھا: کس چیز کے ساتھ مہر لگاؤں، آپ نے فرمایا: آمین کے ساتھ، پھر وہ ایک مرد کے پاس آیا اور کہا: اے فلاں! آمین کے ساتھ دعا کو ختم کرو اور بشارت کو قبول کرو۔ اور ابوزہیر کہتے تھے کہ آمین اس طرح ہے جس طرح کسی صحیفہ پر مہر لگاتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۶-۴۴۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آمین کہنے میں فرشتوں کی موافقت کا علم کیسے ہوگا؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب انسان کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی تو اللہ

تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امر مجہول پر حکم کو معلق کیا ہے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ ہماری آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امام آمین کہے گا اور ہم بھی آمین کہیں تو ہم جان لیں گے کہ ہماری آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی یہ علت بیان کی ہے کہ ہم اس وقت آمین کہیں جب امام آمین کہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ جس نے امام کے ساتھ آمین کہی تو اس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی۔

یہ آمین اسم فعل ہے اور اس کا معنی ہے "استجب" یعنی ہماری دعا کو قبول فرما۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٢٦٩، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٦٥ - بَابُ: فَضْلِ التَّهْلِيلِ — لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی فضیلت کا بیان

اس باب میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

٦٤٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از سمی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک، ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" تو اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا، اور اس کے لیے ایک سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور اس کے ایک سو گناہ مٹا دیے جائیں گے، اور اس دن شام تک اس کی شیطان سے حفاظت رہے گی۔ اور کوئی شخص اس کے اتنی بار پڑھنے سے افضل عمل نہیں کرے گا مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ عمل کرے۔

(صحیح البخاری: ٣٢٩٣، ٦٤٠٣، صحیح مسلم: ٢٦٩١، سنن ترمذی: ٣٤٦٨، سنن ابن ماجہ: ٣٧٩٨، مسند احمد: ٨٠٠٧، موطا امام مالک: ٤٨٦)

صحیح البخاری: ٦٤٠٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سُمَی، یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن المخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، ان کا نام ذکوان الزیات ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں لفظ "عدل" مذکور ہے۔الاخفش نے کہا: یہ زیر کے ساتھ یعنی عِدل ہے اور اس کا معنی ہے: مثل۔
اور یہ لفظ زبر کے ساتھ عدل بھی ہے۔کہا جاتا ہے "عدلت لهذا عدلا حسنا" یہ بھی مثل کے معنی میں ہے۔
یہ حدیث کتاب بدء الخلق میں "باب صفة ابليس وجنوده" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۔۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "الحمد للہ" پڑھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: افضل الذکر التہلیل ہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور افضل الدعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔
(سنن ترمذی: ۳۳۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۰، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۰۸، صحیح ابن حبان: ۸۴۶، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۸، شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۹۰)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے جو افضل ذکر کیا وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔
اور امام طبری نے از سعید بن ابی عروبہ از عبد اللہ بن باباہ المکی از حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، یہ روایت کی ہے کہ جس مرد نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، تو یہ وہ کلمہ اخلاص ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ کہے۔پس جب اس نے کہا: الحمد للہ، تو یہ کلمہ شکر ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کا شکر قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ کہے۔
(کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۶۰۲، مصنف عبد الرزاق: ۲۰۵۷۹)

اور الاعمش نے از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے: جس نے کہا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"۔(المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۳۸)
اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں "الحمادون" داخل ہوں گے، جو لوگ خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔
(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۹، المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۴۰، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۱، رقم الحدیث: ۲۸۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۴)

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بیان

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: "میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ مجھے صبح کو جو بھی نعمت ملی ہے، وہ صرف تیری طرف سے ملی ہے لا شریک لک لک الحمد والشکر"، تو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا۔

(سنن ابوداؤد: ۵۰۷۳، الاحاد والمثانی ج ۴ ص ۱۸۳، سنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۵، رقم الحدیث: ۹۸۳۵، شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۸۹، صحیح ابن حبان: ۸۶۱، کتاب الدعاء للطبرانی: ۳۰۶)

اور جس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو اور اس نے کہا "الحمد للہ علی کل حال" اور جس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے وہ خوش ہوا اور کہا "الحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات"۔ (تو اس نے بھی اس دن کا شکر ادا کر دیا)۔

(کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۷۶۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۹، شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۹۱)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ ھ)

۶۴۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ مَنْ قَالَ عَشْرًا كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ قَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ مِثْلَهُ فَقُلْتُ لِلرَّبِيعِ مِمَّنْ سَمِعْتَهُ فَقَالَ مِنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ فَأَتَيْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ فَقُلْتُ مِمَّنْ سَمِعْتَهُ فَقَالَ مِنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى فَأَتَيْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى فَقُلْتُ مِمَّنْ سَمِعْتَهُ فَقَالَ مِنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ يُحَدِّثُهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَوْلَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الرَّبِيعِ قَوْلَهُ وَقَالَ آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ سَمِعْتُ هِلَالَ بْنَ يَسَافٍ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ وَعَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَوْلَهُ وَقَالَ الْأَعْمَشُ وَحُصَيْنٌ عَنْ هِلَالٍ عَنِ الرَّبِيعِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَوْلَهُ وَرَوَاهُ أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الملک بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ابی زائدہ نے حدیث بیان کی از ابو اسحاق از عمرو بن میمون، انہوں نے کہا: جس نے دس مرتبہ پڑھا تو یہ ایسا ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام کو آزاد کیا۔

اور عمر بن ابی زائدہ نے کہا: اور ہمیں عبد اللہ بن ابی السفر نے حدیث بیان کی از الشعبی از الربیع بن خثیم اسی کی مثل۔ پس میں نے ربیع سے کہا: تم نے اس حدیث کو کس سے سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا: عمرو بن میمون سے، پھر میں عمرو بن میمون کے پاس گیا، میں نے کہا: آپ نے اس حدیث کو کس سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ابن ابی لیلیٰ سے، پھر میں ابن ابی لیلیٰ کے پاس گیا اور کہا آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے۔

اور ابراہیم بن یوسف نے کہا از والد خود از ابو اسحاق، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن میمون نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ از حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اس قول کو از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور موسیٰ نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از داؤد از عامر از عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ از ابو ایوب از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اسماعیل نے کہا از شعبی از الربیع بن خثیم، ان کا قول۔

اور آدم نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:

ﷺ كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَالصَّحِيحُ قَوْلُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْحَافِظُ أَبُو ذَرٍّ الْهَرَوِيُّ صَوَابُهُ عُمَرُ وَهُوَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ اليونيني قلت و على الصواب ذكره ابو عبدالله البخاری فی الاصل كما تراه لا عمرو۔ (صحیح مسلم: ۲۶۹۳، مسند احمد: ۲۳۰۴۳)

ہمیں عبدالملک بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ہلال بن یسار سے سنا از الربیع بن خثیم اور عمرو بن میمون از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کا قول۔

اور الاعمش نے کہا اور حصین نے از ہلال از الربیع از حضرت عبداللہ ان کا قول۔

اس کو روایت کیا ابو محمد الحضرمی نے از ابوایوب از نبی ﷺ: وہ شخص اس کی مثل ہوگا جس نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے ایک غلام آزاد کیا۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: صحیح قول عبدالملک عمرو کا ہے۔

حافظ ابوذر الہروی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ عمر ہے، اور وہ ابن ابی زائدہ ہیں۔ یونینی نے بیان کیا: میں نے کہا: ابوعبداللہ بخاری نے جو اصل میں ذکر کیا ہے وہی صحیح ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یہ لفظ عمرو نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک بن عَمرو (عین پر زبر) یہ ابوعامر العقدی ہیں، ان کی کنیت ان کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عُمر بن ابی زائدہ، ان کا نام خالد ہے اور دوسرا قول ہے کہ ان کا نام میسرہ ہے، اور یہ زکریاء بن ابی زائدہ الہمدانی کے بھائی ہیں۔ اور زکریاء کی احادیث ان سے زیادہ ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ یہ ایک سو انچاس (۱۴۹) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

عمرو بن میمون کا تذکرہ

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسحاق، یہ عمرو بن عبداللہ السبیعی التابعی الصغیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن میمون، یہ الاودی ہیں، یہ تابعی کبیر ہیں، المخضرم ہیں، انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا تھا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے بندروں کے سنگسار کرنے کی حدیث روایت کی ہے اور اس کی حکایت مشہور ہے۔ یہ شام میں رہتے تھے، پھر بغداد میں رہائش اختیار کر لی، انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یمن اور شام میں سماع کیا ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب سے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے، یہ امام بخاری کے نزدیک ہے اور انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، یہ امام مسلم کے نزدیک ہے، اور یہ حجاج کی حکومت کے دوران وفات پا گئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے دس مرتبہ پڑھا''۔ یعنی جس نے دس مرتبہ یہ پڑھا ''لا الٰه الا الله وحدهٗ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علٰی کل شیء قدیر'' تو یہ شخص اس کی مثل ہوگا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام کو آزاد کیا۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۳ میں روایت ہے کہ وہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلاموں کو آزاد کیا اور اس حدیث میں ہے کہ وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے ایک غلام کو آزاد کیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ مخفی نہ رہے کہ دونوں حدیثوں میں نسبت محفوظ ہے، کیونکہ سو کی نسبت دس کی طرف ایسی ہے جیسے دس کی نسبت ایک غلام کی طرف ہے۔ اسی طرح امام بخاری نے اختصار کے ساتھ مرسلاً روایت کی ہے۔

اور امام مسلم نے طویل روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے ''ہمیں سلیمان بن عبید اللہ ابو ایوب الغیلانی نے حدیث روایت کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر یعنی العقدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ابی زائدہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از عمرو بن میمون، انہوں نے بیان کیا: جس نے لا الٰه الا الله وحدهٗ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علٰی کل شیء قدیر، دس مرتبہ پڑھا تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کیے۔

پس اگر تم سوال کرو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلام کو آزاد کرنے کے ذکر کی کیا تخصیص ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلاموں کو آزاد کرنا، دوسرے غلاموں کے آزاد کرنے پر فضیلت رکھتا ہے، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دوسرے کی جزو ہیں۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

از ابی محمد الحضرمی از ابو ایوب الانصاری روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو میرے پاس ٹھہرے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ایوب! کیا میں تمہیں نہ سکھاؤں، میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی صبح اٹھے اور یہ پڑھے: ''لا الٰه الا الله وحدهٗ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علٰی کل شیء قدیر'' تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے، اور وہ شام تک شیطان سے پناہ میں رہے گا۔ اور جو شخص شام کو یہ کلمات کہے تو وہ بھی اسی طرح ہے۔

ثمامہ بن حزن نے کہا: میں نے ابو محمد سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث خود حضرت ابو ایوب سے سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ حدیث حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۔۴۷، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکرِ مذکور کے متعلق دیگر احادیث

امام الدارقطنی نے از حماد بن الحسن از حجاج بن نصیر از شعبہ از عبداللہ بن ابی السفر از الشعبی از ابن ابی لیلیٰ از حضرت ابوایوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: جس نے "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ الملك، ولہ الحمد وھو علیٰ كل شیء قدیر" پڑھا تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے دس غلام آزاد کیے۔ (علل الدارقطنی ج ۶ ص ۱۰۲-۱۰۳)

پھر دوسری جگہ امام دارقطنی نے از عمر بن ابی زائدہ از ابن ابی السفر از الشعبی از الربیع روایت کی ہے اور اس میں ہے از ابی عامر از عمر بن ابی زائدہ از ابی اسحاق از عمرو بن میمون: جس نے "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ الملك، ولہ الحمد وھو علیٰ كل شیء قدیر" دس مرتبہ پڑھا تو وہ اس کی مثل ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کیے۔

(علل الدارقطنی ج ۶ ص ۱۰۴-۱۰۵)

امام ابن ابی شیبہ نے از طلحہ از عبدالرحمٰن بن عوسجہ از حضرت البراء روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ الملك، ولہ الحمد بیدہ الخیر وھو علیٰ كل شیء قدیر" دس مرتبہ پڑھا، تو وہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلام آزاد کیے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۹)

اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ الملك، ولہ الحمد وھو علیٰ كل شیء قدیر" تو اس کو دس غلام آزاد کرنے کا اجر ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۶۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۵۷-۳۶۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں اجر کی مقدار میں تعارض کی تطبیق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس نے یہ ذکر کیا اس کا اجر دس غلاموں کو آزاد کرنے کی مثل ہے۔ اور ابو اسحاق کی از عمرو بن میمون روایت میں مذکور ہے کہ جس نے دس مرتبہ یہ ذکر کیا تو وہ ایسا ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلاموں کو آزاد کیا۔ اور ابو محمد الحضرمی سے روایت ہے کہ وہ شخص اس کی مثل ہوگا جس نے اولادِ اسماعیل (علیہ السلام) سے چار غلاموں کو آزاد کیا ہو۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ راجح وہ روایت ہے جس میں چار غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ چار غلام اولادِ اسماعیل سے ہیں۔ اور اولادِ اسماعیل سے جو غلام ہیں ان کو عام غلاموں کے اوپر فضیلت ہے۔ اور جس حدیث میں دس غلاموں کے

آزاد کرنے کا ذکر ہے وہ عام غلام ہیں۔یعنی اولادِ اسماعیل کے چار غلام، دس عام غلاموں کے برابر ہیں۔

اور علامہ قرطبی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ زیادہ اجر اس کو ملے گا جو ذکر کرتے وقت ان الفاظ کے معانی پر غور کر کے ذکر کرے گا۔اور اس طرح بھی تطبیق دی گئی ہے کہ جو صبح کی نماز کے بعد یہ ذکر کرے گا اس کو زیادہ اجر ملے گا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۸ ملخصاً وملتقطاً دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۶۔ بَابُ: فَضْلِ التَّسْبِيحِ — تسبیح پڑھنے کی فضیلت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب تسبیح پڑھنے کی فضیلت میں ہے اور تسبیح ''سبحان اللہ'' کہنا ہے۔اور یہ اسم مصدر ہے۔

اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ان تمام نقائص سے براءت بیان کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شریک کی نفی کرنا، اور بیوی کی نفی کرنا، اور اولاد کی نفی کرنا اور تمام رذائل کی نفی کرنا۔

اور کبھی تسبیح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مراد تمام الفاظِ ذکر ہوتے ہیں۔اور کبھی تسبیح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے مراد نفل نماز ہوتی ہے۔علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: تسبیح کی اصل نقائص سے براءت کو بیان کرنا ہے، پھر اس کا استعمال بہ طور وسعت کے تقرب کی جگہوں میں کیا گیا۔اور اس کا اطلاق ذکر پر بھی ہوتا ہے اور نفل نماز پر بھی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے ''قضيت سبحتى'' یعنی میں نے نفل نماز ادا کی۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۔۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از سُمَی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' پڑھا، اس کے تمام گناہ مٹا دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۶۹۱، سنن ترمذی: ۳۴۶۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۲، مسند احمد: ۸۶۱۷)

صحیح البخاری: ۶۴۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی سند ہے جو اس سے پہلے باب میں مذکور تھی۔اور اس میں یہ مذکور تھا کہ جس نے ایک دن میں سو مرتبہ ''لا الٰه الا الله وحده لا شريك له۔الخ'' پڑھا، اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا۔اور یہاں پر ہے کہ جس نے سو مرتبہ ''سبحان الله وبحمده'' پڑھا تو اس کے تمام گناہ مٹا دیے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سبحان اللہ" یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے "سبحت" فعل محذوف ہے، اس کا معنی ہے: میں نے تسبیح پڑھی سبحان اللہ۔ اس کا خلاصہ ہے "میں نے اللہ تعالیٰ کی تمام نقائص اور عیوب سے براءت کو بیان کیا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبحمدہ" اس کا معنی ہے: میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں جو میری حمد کے ساتھ مقارن ہے، کیونکہ اس نے مجھے تسبیح پڑھنے کی توفیق دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی یوم" علامہ طیبی نے کہا ہے: یوم کا لفظ مطلق ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وقت میں یہ تسبیح پڑھنی ہے۔

صاحب المظہر نے کہا ہے: اس حدیث میں وقت کا لفظ مطلق ہے اور وہ یہ خبر دیتا ہے کہ یہ اجر مذکور اس شخص کے لیے حاصل ہوگا جس نے سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھی خواہ اس نے پے در پے اور مسلسل پڑھی ہو یا کئی مجالس میں متفرق طور پر پڑھی ہو، یا بعض تسبیحات دن کے اول میں پڑھی ہوں اور بعض تسبیحات دن کے آخر میں پڑھی ہوں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ یہ تسبیحات دن کے اول حصہ میں پے در پے پڑھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے گناہ مٹا دیے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں"۔ یعنی اللہ کے حقوق میں سے جو حقوق اس نے ضائع کیے ہیں ان کا گناہ مٹا دیا جائے گا، کیونکہ لوگوں کے حقوق اس وقت تک ساقط نہیں ہوتے جب تک کہ اس شخص کا خصم راضی نہ ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۶۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی از عمارہ از ابی زرعہ، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلموں کو پڑھنا زبان پر ہلکا ہے اور میزان میں بھاری ہیں، اور رحمٰن کی طرف محبوب ہیں، "سبحان اللہ العظیم، سبحان اللہ وبحمدہ"۔

(صحیح البخاری: ۶۶۸۲، ۷۵۶۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۸۰۶، مسند احمد: ۷۱۲۷)

صحیح البخاری: ۶۴۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن فضیل، وہ محمد بن فضیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمارہ، یہ ابن القعقاع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو زرعہ، ان کا نام ھرم بن عمر بن جریر البجلی الکوفی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دو کلمے ایسے ہیں جن کا زبان پر پڑھنا آسان ہے''۔
اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں جو دو کلمے ذکر کیے گئے ہیں وہ ''سبحان اللہ العظیم'' اور ''سبحان اللہ وبحمدہ'' ہیں، اور یہ دونوں کلام ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر کلمے سے مراد کلمہ اصطلاحی نہیں ہے جو مفرد ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد کلمہ لغوی ہے جو کلام کو بھی شامل ہے جیسے کہا جاتا ہے ''کلمۃ الشھادۃ'' یا کہا جاتا ہے ''کلمۂ طیبہ''، حالانکہ یہ دونوں کلمے بھی کلام ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''یہ دو کلمے میزان میں بھاری ہیں''۔ اس حدیث میں ثقل سے مراد حقیقت ہے کیونکہ اعمال کو میزان کے وقت مجسم کیا جائے گا اور میزان وہ چیز ہے جس میں قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو وزن کیا جائے گا۔ اور اس کی کیفیت میں کئی اقوال ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک جسمِ محسوس ہے۔ اس کی ایک ڈنڈی ہے اور دو پلڑے ہیں (یعنی ترازو)۔ اور اللہ تعالیٰ اعمال کو ان جسموں کی طرح کردے گا جن کا وزن کردیا جاتا ہے، یا اعمال کے صحیفوں کو وزن کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۔۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اعمال کو وزن کرنے کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی یہ عبارت دراصل اس سوال کا جواب ہے کہ وزن تو اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا جسم ہو اور اعمال تو از قبیلِ اعراض ہیں، ان کا وزن کیسے ہوگا؟

اس کا ایک جواب تو علامہ عینی نے دیا ہے کہ اعمال کو جسم بنا دیا جائے گا یا صحیفۂ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ اعراض کا بھی وزن کیا جاتا ہے مثلاً حرارت اور برودت اعراض ہیں، اور تھرمامیٹر سے بخار کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے کہ کتنے سینٹی گریڈ بخار ہے یا کتنے فورن ہائیٹ بخار ہے۔ اسی طرح مٹھاس بھی ایک کیفیت اور عرض ہے اور جس مشین سے شوگر کی مقدار معلوم کی جاتی ہے اس سے مٹھاس کا وزن معلوم ہوجاتا ہے، خون کے ایک قطرہ کو اسٹرپ پر لگا کر مشین میں ڈالتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس قطرہ میں کتنے ملی گرام مٹھاس ہے۔ اسی طرح چکنائی بھی عرض ہے، اور اس کی مقدار بھی مشین سے معلوم ہوجاتی ہے کہ انسان نے جو کچھ کھایا ہے اس میں کتنے ملی گرام کولیسٹرول تھا۔ اسی طرح آلات سے ہوا کے دباؤ کی مقدار کا بھی علم ہوجاتا ہے، اور یہ سب اعراض ہیں۔ تو جب انسان آلات کے ذریعہ اعراض کی مقدار اور اس کے وزن کو معلوم کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو ان تمام چیزوں کا خالق ہے، اس کے لیے کیا بعید ہے کہ وہ انسان کے اعمال کا میزان میں وزن کرلے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حبیبتان'' یعنی وہ دو کلمے رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں۔ حبیبتان، حبیبۃ کا تثنیہ ہے، اور یہ فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ دو کلمے محبوب ہیں۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ ان کلموں کا پڑھنے والا اللہ کے نزدیک محبوب ہوجاتا ہے۔ اور اللہ کی بندہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف خیر اور تکریم کو پہنچاتا ہے۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ جب فعیل کا لفظ مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر اور مؤنث برابر ہوتے ہیں تو پھر یہاں پر اور خاص طور پر جب اس کا موصوف مذکر ہو تو پھر تانیث کی علامت کو لانے کی کیا وجہ ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہو تو وہ مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے، یہ نہیں ہے کہ اس کا مذکر اور مؤنث ہونا واجب ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا وجوب مفرد میں ہوتا ہے تثنیہ میں نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹-۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تاء کی آٹھ قسمیں

میں کہتا ہوں: یہاں پر تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ تاء کی کئی اقسام ہیں:

(۱) وحدت کی تاء: جیسے تمرۃ ایک کھجور، یا دُرّۃٌ ایک موتی۔

(۲) مصدریت کی تاء: جیسے فاعلیت اور مفعولیت کی تاء، یعنی کسی لفظ کا فاعل یا مفعول بنانا۔

(۳) مبالغہ کی تاء: جیسے علّامۃ، کیونکہ اس لفظ میں علّام سے زیادہ مبالغہ ہے۔

(۴) عوض کی تاء: جیسے عِدۃٌ، یہ لفظ اصل میں وِعدتھا، واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں تاء لے آئے۔ اسی طرح زِنۃٌ۔

(۵) زائدہ: جیسے حجارۃ، جمع کا وزن حجار ہے، اور یہ تاء زائدہ ہے۔ اور اسی طرح ملائکۃٌ، اس میں بھی تاء زائدہ ہے۔

(۶) تذکیر کی تاء: جیسے ثلاثۃ رجال، اور جیسے قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا۔ (الحاقۃ: ۷)

رِجال اور ایام کے لفظ مذکر ہیں اور ان کا ممیز ثلاثۃ اور ثمانیۃ ہے۔ سو یہ تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ تذکیر کی ہے۔

(۷) تانیث کی تاء: جیسے ضاربۃ، قائمۃ

(۸) اسمیت کی تاء: یعنی کسی وصف کو اسم بنانے کے لیے آخر میں تاء لگا دیتے ہیں جیسے کافیۃ، شافیۃ۔

اسی طرح یہاں بھی حبیبتان کے اندر تاء، اسمیت کی ہے یعنی حبیب کا لفظ جو کہ وصف تھا اس کے آخر میں تاء لگا کر اس کو اسم بنا دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اسماءِ حسنیٰ میں سے لفظِ رحمٰن کو خاص کرنے کی توجیہ

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "الی الرحمٰن" یعنی یہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ تو بہت ہیں اور یہاں ان اسماء میں سے لفظِ رحمٰن کو خاص کیا گیا ہے، کیونکہ یہاں مقصود اللہ تعالیٰ کی بندوں پر رحمت کی وسعت ہے، کیونکہ وہ تھوڑے عمل کے اوپر بہت ثواب عطا فرماتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر لفظِ رحمٰن کو اس لیے خاص کیا گیا ہو کہ یہ اسم "کلمتان" اور "ثقیلتان" اور

"المیزان" کے مناسب ہیں۔اور رعایت سجع اس وقت ممنوع ہے جب کاہنوں کی طرح الفاظ کو ایک وزن اور ایک سجع پر لایا جائے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "سبحان الله"، لفظِ سبحان اللہ تسبیح کا عَلَم ہے جیسے عثمان مرد کا علم ہے۔اور علم کی دو قسمیں ہیں:
ایک علم شخصی اور ایک علم جنسی۔اور کبھی یہ عین کے لیے ہوتا ہے اور کبھی معنی کے لیے ہوتا ہے۔پس یہ علم جنسی ہے جو معنی کے لیے ہے۔
اب یہاں یہ سوال ہے کہ آپ نے بتایا کہ سبحان علم ہے، اور یہ لفظ واجب الاضافۃ ہے، اور یہاں بھی اس کی اضافت لفظ اللہ کی طرف ہے، اور علم مضاف نہیں ہوتا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ علم کو نکرہ کر دیا جائے تو پھر اس کی اضافت جائز ہے۔
نیز اس حدیث میں لفظ سبحان کا دو مرتبہ ذکر ہے "سبحان الله العظیم" اور "سبحان الله وبحمده": اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق نقائص سے منزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح اس کی حمد کے ساتھ مقارن ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت سلبیہ کا بھی ذکر ہو اور صفتِ ایجابیہ کا بھی ذکر ہو۔اللہ تعالیٰ کا نقائص سے بری ہونا صفتِ سلبیہ ہے اور اس کا حمد کے ساتھ مقارن ہونا صفت ایجابیہ ہے۔اور حمد صفتِ کمال پر ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مطلقاً صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے اور مطلقاً نقائص سے بری ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۔۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کے متعلق دیگر احادیث

امام دیلمی نے از وہب بن منبہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جو بندہ بھی "سبحان الله وبحمده" کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے سچ بولا اور میں سبحان ہوں اور میری حمد ہے۔اگر اس نے سوال کیا تو میں اس کے سوال کے مطابق عطا فرماؤں گا، اور اگر وہ خاموش رہا تو میں اس کی اتنی مغفرت کروں گا جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔(کنز العمال: ۲۰۲۹)

امام طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کی صلوٰۃ التسبیح ہے۔پس آسمانِ دنیا کے فرشتے سجدہ میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان ذی الملك والملكوت" اور دوسرے آسمان کے فرشتے حالتِ قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان ذی العزة والجبروت" اور تیسرے آسمان کے فرشتے حالتِ قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان الحی الذی لا یموت"۔(تفسیر الطبری: ۶۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ" (الکہف: ۴۶) کی تفسیر میں کہا: "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر"۔(تفسیر الطبری: ۲۳۰۹۴)

اگر تم سوال کرو کہ بار بار سبحان اللہ اور الحمد للہ کی تکرار کا کوئی قائم مقام ہے؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں چار ہزار گٹھلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے ایک کلمہ پڑھوں جو تمہاری تسبیح سے افضل ہو، میں نے پوچھا: وہ

کون سا کلمہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ عدد ما خلق''۔

(سنن ترمذی: ۳۵۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۷۴، المعجم الاوسط ج ۸ ص ۲۳۶، رقم: ۸۵۰۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۴۷)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے، وہ اپنی جائے نماز پر صبح کے وقت اللہ کا ذکر کر رہی تھیں اور اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں، پس آپ اپنے کام سے چلے گئے، پھر دن چڑھنے کے بعد واپس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: تم جب سے اسی جگہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسے کلمات پڑھے ہیں کہ اگر ان کو تمہارے پڑھے ہوئے کلمات کے ساتھ وزن کیا جائے تو وہ راجح ہوں گے، وہ کلمات یہ ہیں: ''سبحان اللہ عدد ما خلق، سبحان اللہ رضا نفسہ، سبحان اللہ زنۃ عرشہ، سبحان اللہ مداد کلماتہ، والحمد للہ مثل ذلک''۔ (صحیح مسلم: ۲۷۲۶، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النھار وعند النوم)

''سبحان اللہ وبحمدہ'' سے تمام گناہوں کا معاف ہونا آیا صرف متقین کے لیے ہے یا تمام لوگوں کے لیے

بعض علماء نے کہا ہے کہ تسبیح پڑھنے کے یہ فضائل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں کہ جس نے ''سبحان اللہ وبحمدہ'' ایک سو مرتبہ کہا تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کی مثل ہوں، یہ بشارت ان لوگوں کے لیے ہے جو دین میں بزرگ ہیں اور کاملین ہیں اور بڑے بڑے جرائم سے پاک ہیں اور یہ نہ گمان کیا جائے کہ جس نے یہ تسبیح پڑھی اور اپنی شہوات پر اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی بے حرمتی کرتا رہا تو وہ بھی سابقین مطہرین کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور ان کے مرتبہ کو پالے گا خواہ اس میں نہ تقویٰ ہو نہ اخلاص ہو اور نہ اعمالِ صالحہ ہوں۔ اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہوں اور اللہ کے دین پر عمل کرنے کے بجائے اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۶۴۔ ۳۶۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

اس قول پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ جو کاملین اور متقین ہیں ان کے کب اتنے گناہ ہوتے ہیں جو سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔ سو جب کاملین سو مرتبہ اس تسبیح کو پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے بے حد و بے حساب درجات کو بڑھا دے گا۔ باقی رہا یہ کہ اگر چور اور ڈاکو اور قاتل اور زانی بھی سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ تو بھائی اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، اگر اللہ تعالیٰ مرتکبین کبائر کے گناہ کو بھی معاف فرما دے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت ہے، آپ کو اس سے کیا تکلیف ہے؟

نیز یہ درست ہے کہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں، لیکن سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے کی توفیق ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ جو قاتل، زانی اور شدید مرتکبِ کبیرہ ہوں، ان کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ اب جیسے سننِ نسائی میں یہ حدیث ہے کہ جو فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے، اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہوتی ہے یعنی وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا، تو اگر مرتکبِ کبیرہ یہ پڑھے تو وہ بھی مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا، لیکن ہر ایک کو یہ توفیق نہیں ہوتی۔ جو مرتکبِ کبیرہ ہوں انہیں کہاں نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، چہ جائیکہ فرض

نماز کے بعد مصلاً وہ آیت الکرسی بھی پڑھیں۔لیکن اگر بالفرض وہ پڑھ لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ نہیں کرتے ،"ان رحمتی وسعت کل شیء" اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور بڑے سے بڑا گناہِ کبیرہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر:۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا دامن تھام کر دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے اور میرے تمام قارئین کے گناہوں کو معاف فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تسبیح اور تہلیل کی احادیث کا موازنہ

صحیح البخاری: ۶۴۰۳ میں مذکور ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ کہا "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" تو یہ اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور وہ شخص اس دن شام تک شیطان سے حفاظت میں رہے گا۔الحدیث۔

اور صحیح البخاری: ۶۴۰۵ میں مذکور ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہٖ" کہا، اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کی مثل ہوں۔

بہ ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح پڑھنے کا ثواب "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنے سے زیادہ ہے، کیونکہ سمندر کے جھاگ کا عدد وہ سو نیکیوں سے کئی گنا زیادہ ہے، لیکن "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ...الحدیث" پڑھنے کے متعلق حدیث میں ہے کہ جس نے ایک دن میں سو مرتبہ یہ پڑھا تو یہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلام آزاد کیے۔اور غلام آزاد کرنے کا اجر بہت بڑا ہے۔حدیث میں ہے: جس نے اللہ کے لیے غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دیا جائے گا، تو اس سے معلوم ہوا کہ جس کو غلام آزاد کرنے کا اجر ہوگا اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔اور اس کے اندر یہ بھی ہے کہ اس کے سو درجے بڑھا دیئے جائیں گے۔

اور اس کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے کہ افضل الذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا ہے، اور یہ اس لیے افضل ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اسمِ اعظم ہے۔اور اس سے پہلے تسبیح کی شرح میں

یہ گزر چکا ہے کہ تسبیح پڑھنے سے ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ اور یہ "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علٰی كل شیء قدیر" کے ضمن میں داخل ہے۔

نیز امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سب سے افضل ذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا ہے۔

بہ ظاہر اس کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام "سبحان الله وبحمدہٖ" ہے، اور ایک روایت میں ہے، آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ کلام سب سے پسندیدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند کرلیا ہے اور وہ کلام ہے "سبحان الله وبحمدہٖ"۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ "سبحان الله وبحمدہ" ان چار کلمات کا اختصار ہو اور وہ یہ ہیں: "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر"۔

سبحان اللہ، میں ان چیزوں سے تنزیہہ ہے جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کی صفات کی نقائص سے تقدیس ہے تو اس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معنی مندرج ہو جاتا ہے۔ اور "بحمدہٖ" الحمد لله کے معنی میں صریح ہے اور یہ الله اکبر کے معنی کو شامل ہے۔

اس تمام بحث کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ سبحان اللہ کہنا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے افضل ہے، کیونکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں توحید کی تصریح ہے اور تسبیح توحید کو متضمن ہے۔

امام مسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام چار ہیں، تم ان میں سے جس سے بھی ابتداء کرو گے تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے: "سبحان الله، والحمد لله، ولا اله الا الله، والله اکبر"

کیونکہ ان تمام کلمات کا حاصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تنزیہہ ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی، اس نے اس کی تعظیم کی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی، اس لیے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب ان اذکار کے متعلق مطلقاً کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ محبوب اذکار ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اذکار اور ان کی مثل جو دوسرے اذکار ہیں۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ جو حدیث میں ہے کہ افضل الذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے، اس سے مراد ہے جب بندہ ذکر کرے، ورنہ مطلقاً قرآن افضل الذکر ہے۔

اور علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام سے مراد کلام بشر ہے، کیونکہ "سبحان الله، والحمد لله، ولا اله الا الله، والله اکبر" میں پہلے تین کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور چوتھے کا ذکر یعنی "الله اکبر" قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اور جو قرآن مجید میں نہ ہو وہ اس سے افضل نہیں ہوگا جو قرآن مجید میں ہے۔

امام طبری نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب مرد نے کہا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' تو یہ کلمۃ الاخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ اور جب اس نے کہا ''الحمدللہ'' تو یہ کلمۃ الشکر ہے اور بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا جب تک کہ الحمد للہ نہ کہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے کہا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد الحمدللہ بھی کہے۔

امام نسائی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے ایسی چیز کی تعلیم دے جس سے میں تجھے یاد کروں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیں: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے کہ اگر سات آسمانوں کو اور جو کچھ ان میں ہے اور سات زمینوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو وہ پلڑا راجح ہوگا جس میں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' سے ذکر کرنا الحمدللہ سے ذکر کرنے پر راجح ہے۔

اور اس کے معارض حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الحمد للہ'' میزان کو بھر لیتی ہے، کیونکہ بھرنا مساوات پر دلالت کرتا ہے اور راجح ہونا زیادہ ہونے میں صریح ہے، پس ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا ذکر اولیٰ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۱۔ ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۷۔ بَابُ: فَضْلِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ　　اللہ عزوجل کے ذکر کی فضیلت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ کے ذکر کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے ذکر سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ ان الفاظ کو پڑھا جائے جن کے پڑھنے کی اور جن کے بہ کثرت ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس عمل کو واجب کیا ہے اس پر دوام اور مواظبت کی جائے۔ یا جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے جیسے قرآن مجید کی تلاوت اور حدیث کو پڑھنا اور علم کا تکرار اور نفلی نمازیں پڑھنا۔

اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے: زبان کے ذکر سے مراد وہ الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید اور تمجید پر دلالت کریں۔ اور ذکر بالقلب سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے دلائل میں غور کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو، ان کے دلائل میں غور و فکر کرنا، حتیٰ کہ ان کی حکمتوں پر اور ان کے اسرار پر آدمی کو اطلاع حاصل ہو۔ اور انسان کے ظاہری اعضاء کا ذکر یہ ہے کہ اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی طاعات میں مستغرق رہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے

رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (صحیح مسلم: ۷۷۹)

حدیث بیان کی از برید بن عبد اللہ از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کی مثال جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ کی مثل ہے اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت ہے اور یہی باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، وہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید بن عبد اللہ، جو اپنے دادا ابو بُردہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عامر ہے اور وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عبد اللہ بن قیس ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں اللہ کے ذکر کرنے والے کو زندہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وجہِ شبہ یہ ہے کہ زندہ بھی کسی چیز سے نفع حاصل کرتا ہے اور کسی چیز سے مدد حاصل کرتا ہے، تو اللہ کا ذکر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نفع حاصل کرتا ہے اور اس سے مدد حاصل کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، اس کو مُردہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ مُردہ بھی بہ ظاہر معطل ہوتا ہے اور باطن میں باطل ہوتا ہے، تو اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو وہ بھی اجر و ثواب سے معطل ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۴۰۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا يَقُولُ عِبَادِي قَالُوا يَقُولُونَ

۶۴۰۸ - امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں، پس جب وہ دیکھتے ہیں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں تو آواز دیتے ہیں: آؤ اپنی حاجت کی طرف،

يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ قَالَ فَيَقُولُ هَلْ رَأَوْنِي قَالَ فَيَقُولُونَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَأَوْكَ قَالَ فَيَقُولُ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا قَالَ يَقُولُ فَمَا يَسْأَلُونِي قَالَ يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ قَالَ يَقُولُونَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُولُ فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(صحیح مسلم:۲۶۸۹، سنن ترمذی:۳۶۰۰، مسند احمد:۷۴۲۷)

آپ نے فرمایا: پھر فرشتے ان لوگوں کا اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک احاطہ کر لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے میرے بندے کیا کہتے تھے؟ وہ کہتے ہیں وہ تیری تسبیح کرتے تھے اور تیری تکبیر پڑھتے تھے اور تیری حمد کرتے تھے اور تیری تعظیم کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: نہیں! اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے، آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو پھر کس طرح ہوتا؟ آپ نے بتایا: فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو اس سے زیادہ عبادت کرتے، اس سے زیادہ تیری بزرگی بیان کرتے اور اس سے زیادہ تیری تسبیح پڑھتے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے تھے؟ آپ نے بتایا کہ فرشتے کہتے ہیں: وہ تجھ سے جنت کا سوال کرتے تھے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: نہیں! اللہ کی قسم! اے رب! انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر کس طرح ہوتا؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کو جنت کی بہت زیادہ حرص ہوتی اور بہت زیادہ طلب ہوتی اور اس میں بہت زیادہ رغبت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس وہ کس چیز سے پناہ طلب کرتے تھے؟ آپ نے بتایا فرشتے کہتے ہیں: وہ دوزخ سے پناہ طلب کرتے تھے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ آپ نے بتایا وہ کہتے ہیں: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا ہے، آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ آپ نے بتایا کہ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اس سے

بہت زیادہ فرار حاصل کرتے اور بہت زیادہ اس سے خوف زدہ ہوتے۔ آپ نے بتایا: پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کے گناہوں کو بخش دیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ پھر فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ کہتا ہے: ان ذکر کرنے والوں میں فلاں بندہ تھا جو ان میں سے نہیں تھا، وہ تو کسی کام سے آیا تھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ وہ بیٹھنے والے ہیں کہ جو ان کے ساتھ بیٹھا ہو وہ بھی نامراد نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی شعبہ نے از اعمش روایت کی ہے اور اس کی مرفوع روایت نہیں کی۔

اور اس حدیث کی سہیل نے از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صحیح البخاری: ۶۴۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، وہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے گھومتے پھرتے ہیں ان کے لیے فضل ہے، وہ ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں۔۔ الحدیث

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ جو فرشتے مخلوق کے ساتھ مترتب ہوتے ہیں یہ فرشتے ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ فضل، فاضل کی جمع ہے، یعنی وہ فرشتے فضیلت والے ہیں۔

حدیث مذکور میں اللہ کے ذکر سے مراد عام ذکر ہے یا خاص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر ہے

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ فرشتے ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں''۔ ذکر کرنے والوں سے مراد عام ہے خواہ وہ نماز پڑھتے ہوں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوں، یا حدیث کی قراءت کرے ہوں، یا علوم کی تدریس کرتے ہوں، یا علماء علمی مسائل میں مباحثہ کرتے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۔۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر ذکر کرنے والوں سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تہلیل اور تسبیح کرتے ہوں۔ یعنی ''لا الہ الا اللہ وحدہ لا

شریك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير'' پڑھتے ہوں اور ''سبحان الله وبحمده'' پڑھتے ہوں۔ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ امام بخاری نے تہلیل اور تسبیح کی فضیلت کی حدیث کے بعد اس حدیث کی روایت کی ہے۔

نیز بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہو جیسے صوفیاء کرام مساجد میں حلقے بنا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اور اگر کوئی شخص تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو تو بہ ظاہر یہ حدیث اس کو شامل نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضلِ عمیم سے توقع ہے کہ جو شخص تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو اور اللہ تعالیٰ سے جنت کو طلب کر رہا ہو اور دوزخ سے پناہ مانگ رہا ہو اس کو بھی یہ حدیث شامل ہو گی۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی معیت کعبہ اور لیلۃ القدر سے زیادہ فیض رساں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص ذکر کرنے کے قصد سے ذاکرین کے ساتھ نہ بیٹھا ہو بلکہ اتفاقاً یا کسی کام کی وجہ سے ان کے ساتھ جا بیٹھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی محروم نہیں کرے گا اور اس کو بھی اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ اور جو لوگ نیک لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھیں اس کا شمار بھی نیکوں میں ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ شعر ہے:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

غور فرمائیں! کوئی مسلمان کعبہ میں نماز پڑھے تو اس کو اجر تو زیادہ ملتا ہے لیکن کعبہ میں نماز پڑھنا جنت کی ضمانت نہیں ہے، اور کوئی شخص لیلۃ القدر کو پا کر عبادت کرے تو اسے ہزار ماہ سے زیادہ عبادت کا اجر تو ملے گا لیکن اس کی بخشش کی گارنٹی نہیں ہے، لیکن جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ کسی مجلس میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش کی ضمانت دی ہے، کیونکہ اس سے پہلے حدیث میں مذکور ہے کہ وہ ذکر کرنے والے جنت کا سوال کرتے تھے اور دوزخ سے پناہ طلب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے ان کو بخش دیا۔ پھر جب کوئی فرشتہ یہ کہے گا کہ ان میں سے کوئی شخص ذکر کرنے کے قصد سے نہیں بیٹھا تھا کسی اور کام سے آ کر بیٹھ گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ذکر کرنے والے ایسے ہیں کہ جو ان کے ساتھ آ ملے وہ بھی محروم نہیں ہوتا۔ یعنی اس کو بھی دوزخ سے پناہ ملے گی اور اس کو بھی جنت عطا کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کریم کعبہ بھی ہے اور کریم لیلۃ القدر بھی ہے اور اللہ کے نیک بندے بھی کریم ہیں لیکن اللہ کے نیک بندوں کا کرم کعبہ اور لیلۃ القدر کے کرم سے زیادہ ہے۔

اور میرا حال یہ ہے کہ ؂

احب الصالحين ولست منهم   لعل الله يرزقني صلاحا

میں خود تو نیک نہیں ہوں لیکن اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرتا ہوں   شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرما دے۔ آمین

صحیح البخاری: ۶۴۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے متعلق دیگر احادیث

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح اور تہلیل کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے چچا! مجھے وصیت کیجئے! انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا ہے، پس آپ نے فرمایا: دن اور رات میں سے کوئی دن یا رات نہیں گزرتی مگر اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہوتا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وہ صدقہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں وہ اپنا ذکر ڈال دے۔

(الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۹۸۷، کشف الاستار: ۶۹۴، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۷۔۲۳۶، حافظ نورالدین الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں حسین بن عطاء راوی ہے جس کو ابوحاتم وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کا کتاب الثقات ج ۶ ص ۲۰۹ میں ذکر کیا ہے۔)

(۲) امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ دونوں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے تو فرشتے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ان میں ذکر کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰۰، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر)

(۳) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۳۷۷، از سفیان از ابی اسحاق، سنن ابن ماجہ: ۳۷۹۰، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۶، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۳۹۴)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص رات کی عبادت کی تکلیف برداشت کرنے سے عاجز ہو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کرے اور اللہ کی راہ میں دشمن کے خلاف جہاد کرنے سے بزدلی کرے، اسے چاہیے کہ وہ بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

(المنتخب لعبد بن حمید: ۶۴۱، مسند البزار: ۴۹۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۱۲۱، شعب الایمان للبیہقی: ۵۰۸)

حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی امام بزار، امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی ابویحییٰ القتات ہے اور اس کی توثیق کی گئی ہے اور جمہور نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور مسند البزار کے باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۴)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھیں تو ان کے اوپر وہ حسرت اور ندامت کا باعث ہے، پس اگر اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا اور اگر اللہ چاہے گا تو ان کو بخش دے گا۔ (سنن ترمذی: ۳۳۸۰، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۵۔۴۹۴)

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے باغات میں چلا کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کی مجالس، پس تم اللہ کے ذکر میں صبح کرو یا شام کرو اور اپنے دلوں میں ذکر کرو اور جو شخص اسے پسند کرتا ہو کہ وہ جان لے کہ اللہ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے، پس وہ اس پر غور کرے کہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا

کیا مرتبہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندہ کو اس مقام پر رکھتا ہے جس مقام پر بندہ اللہ تعالیٰ کو رکھتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ: ۱۸۶۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۵۰۱، المستدرک للحاکم: ۴۹۵۔ ۴۹۴، شعب الایمان للبیہقی: ۵۲۸)

حافظ نورالدین الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی امام ابو یعلیٰ، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کی ہے، اس حدیث کی سند میں عمر بن عبداللہ مولیٰ غفرہ ہے، اس کی متعدد محدثین نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اس حدیث کے بقیہ رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔

(۷) سالم بن ابوالجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ایک آدمی نے ایک سو غلام آزاد کیے، انہوں نے کہا: یہ ایک مرد کے مال سے بہت ہے اور اس سے افضل وہ ایمان ہے جس میں رات اور دن عبادت کا التزام کیا گیا ہو، اور تم میں سے کسی ایک شخص کی زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۴۵۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۱۹، شعب الایمان للبیہقی: ۶۲۷)

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا: اے میرے رب! کونسی عبادت تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: جو بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۶۸۱)

(۹) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، جب تک وہ ذکر کرتے رہیں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ متفرق ہو جائیں۔ اور فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں جب تک وہ اس جگہ ہوتے ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۶۷۱)

ان تمام احادیث کو امام طبری نے آداب النفوس میں ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی فقہ

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندہ کو اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے، یہ اس لیے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس بندہ کی مغفرت کا سبب ہو جائے اور اس بندہ پر رحمت کا ذریعہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ (البقرہ: ۱۵۲) سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کا ذکر کرنا، بندہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

ثابت البنانی نے کہا کہ ابو عثمان النہدی نے بیان کیا: میں اس ساعت کو جانتا ہوں جس ساعت میں اللہ تعالیٰ میرا ذکر کرتا ہے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: ۱۵۲) (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا)۔

علامہ ابن الجوزی نے زاد المسیر (ج ۱ ص ۱۰۷) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ تم اپنی طاعت کے ساتھ مجھے یاد کرو میں اپنی مغفرت کے ساتھ تمہیں یاد کروں گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں نے تمہیں جو نعمت عطا کی ہے تم اس کا شکر ادا کر کے میرا ذکر کرو، اور میں اپنی رحمت کے ساتھ اور نعمتوں میں اضافہ کر کے تمہارا ذکر کروں گا۔

السدی نے کہا ہے: جو بندہ بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرتا ہے۔ جب مومن اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے، اور جب کافر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے یا جن کاموں سے منع کیا ہے ان احکام کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا یعنی اس کو یاد کرنا۔ اور دوسری قسم ہے زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اور ان دونوں میں اجر ہے مگر احکام کی ادائیگی کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان احکام کو ادا کرنا یہ زبان کے ساتھ ذکر کرنے سے افضل ہے یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اس کے امر اور نہی کی مخالفت کرے۔ اور پوری فضیلت اور شرف اس میں ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی کو بھی یاد رکھے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور کسی امر اور نہی کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کو نہ بھولے، نہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھولے۔

آیا کراماً کاتبین اس ذکر کو بھی لکھتے ہیں جو دل سے کیا جائے؟ اور سلف کے اس میں کیا اقوال ہیں، اس کا بیان عنقریب باب الاعتصام میں آئے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں تنہائی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب میرا بندہ جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔
(صحیح البخاری: ۷۴۰۵)

اگر تم یہ سوال کرو: کیا بندہ پر کوئی ایسا حال بھی ہوتا ہے جس حال میں اس کے اوپر دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا فرض ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! جن احوال میں اس کے اوپر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور باقی فرائض کو ادا کرنا فرض ہے، ان احوال میں اس پر لازم ہے کہ وہ دل سے اللہ کا ذکر کرے اور اس کو یاد کرے۔ پس اس پر لازم ہے کہ ان فرائض کی ادائیگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور جب اپنے عمل سے ان فرائض کو مکمل کرے تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اور جو عبادات نفل ہیں ان میں اگرچہ اس پر دل سے اللہ کا ذکر کرنا فرض نہیں ہے تاہم اگر وہ دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو اس کو بہت نفع حاصل ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۶۸۔ ۳۷۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے ان تمام احادیث اور آثار کو اور ان تمام مباحث فقہیہ کو علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح بخاری سے من وعن اخذ کیا ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۴۱۔ ۱۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ) اور ہم علامہ ابن ملقن کے حوالہ سے اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ مخرجین نے علامہ ابن ملقن کی ذکر کردہ تمام احادیث کی تخریج کی ہے ہم اس تخریج کو نقل کرنے کی حرص میں ابن ملقن کے حوالہ سے لکھتے ہیں اور چونکہ علامہ ابن بطال کی شرح پر کسی نے تخریج نہیں کی اس لیے ان کی کتاب کا ذکر نہیں کرتے، اگرچہ علامہ ابن ملقن نے اپنی شرح میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب علامہ ابن بطال کی کتاب ہی کی من وعن نقل ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۰۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکر کی اقسام

بعض عارفین سے منقول ہے کہ ذکر کی سات قسمیں ہیں:

(۱) آنکھوں کا ذکر آنسوؤں کا بہنا ہے (۲) کانوں کا ذکر توجہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سننا ہے (۳) زبان کا ذکر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا ہے (۴) ہاتھوں کا ذکر ضرورت مندوں کو عطا کرنا ہے (۵) بدن کا ذکر وعدہ کو پورا کرنا ہے (۶) دل کا ذکر اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس سے رحمت کی امید ہے (۷) اور روح کا ذکر اللہ کی تقدیر پر تسلیم اور رضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت میں دیگر احادیث

(۱) امام بخاری نے کتاب التوحید کے اواخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے اس گمان کے ساتھ ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اگر وہ میرا تنہائی میں ذکر کرے تو میں اس کا تنہائی میں ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا مجلس میں ذکر کرے تو میں اس کا مجلس میں ذکر کرتا ہوں۔

(۲) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان تم میں سے کسی ایک کے سر کے پچھلے حصہ یعنی گدی کے اوپر اس کے سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر لکھ دیتا ہے: تمہارے لیے لمبی رات ہے سو جاؤ، پس اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر وہ صبح کو تر وتازہ اور خوش دلی سے اٹھتا ہے ورنہ وہ صبح کو خبیث النفس اور سستی سے مارا ہوا اٹھتا ہے۔

(۳) امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان میں سکینہ نازل ہوتی ہے۔

(۴) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند فرمایا ہے ''سبحان ربی وبحمدہ۔۔۔الحدیث''

(۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، سو انہوں نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔

(۶) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام چار ہیں ''لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، سبحان اللہ، والحمد للہ'' تم ان میں سے جس سے بھی ابتداء کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں یہ کہتا ہوں کہ ''سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر'' اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

(۸) امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کو سندِ صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے از الحارث بن الحارث الاشعری، یہ ایک حدیثِ طویل ہے جس میں مذکور ہے: ''میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور بے شک اس کی مثال

اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی دشمن کے تعاقب میں تیزی سے نکلا حتیٰ کہ وہ ایک مضبوط قلعہ پر آیا اور اس نے اپنے نفس کو اس قلعہ میں ان سے حفاظت میں کر لیا، اسی طرح بندہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ شیطان سے حفاظت میں رکھتا ہے''۔

(۹) حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کے احکام مجھ پر بہت زیادہ ہو گئے ہیں، مجھے کسی ایسی چیز کی خبر دیجئے جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی مثل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۱۰) امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو تمہارے اس عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر ہے اور تمہارے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جس کا درجہ تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے اور جو تمہارے لیے سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو، پس تم ان کی گردنوں کو مارو اور وہ تمہاری گردنوں کو ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: وہ اللہ عزوجل کا ذکر ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اوائل جہاد میں مجاہد کی فضیلت میں یہ حدیث آئی ہے کہ مجاہد اس روزہ دار کی طرح ہے جو روزہ چھوڑتا نہیں ہے اور اس شخص کی طرح نماز میں قیام کرنے والا ہے جو قیام سے تھکتا نہیں ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام اعمالِ صالحہ میں جہاد سب سے افضل ہے۔

اور ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اللہ کے ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو کامل ہو، یعنی جس میں زبان کا ذکر بھی ہو اور اس کے ساتھ دل کا ذکر بھی ہو، یعنی دل سے وہ اس ذکر کے معنی پر غور و فکر کرے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ذہن میں حاضر کرے۔ اور جس کو یہ ذکر حاصل ہو گا وہ اس شخص سے افضل ہو گا جو کفار سے قتال کرتا ہے اور اس کا ذہن اس میں مستحضر نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ جہاد کی افضلیت زبان کے خالی ذکر سے ہے جس کے ساتھ ذکرِ قلب اور تفکر نہ ہو۔ اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا مثلاً وہ زبان سے اور قلب سے اللہ کا ذکر کرتا ہے اور ذہن میں اللہ کی عظمت مستحضر ہوتی ہے اور نماز کا حال ہو یا روزہ کا حال ہو یا صدقہ کرنے کا حال ہو، یا کفار سے قتال کرنے کا حال ہو، ہر حال میں اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت مستحضر رہتی ہے تو وہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اور قاضی ابوبکر بن العربی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ جو بھی نیک عمل ہو اس میں اس کی صحت کے لیے ذکر کی شرط ہے، پس جو شخص صدقہ کرتے وقت یا روزہ رکھتے وقت یا مثلاً کسی بھی نیک عمل کو کرتے وقت دل سے اللہ کا ذکر نہ کرے اور اللہ کی عظمت کو ذہن میں مستحضر نہ رکھے تو اس کا عمل کامل نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ذکر اس حیثیت سے افضل الاعمال ہے، اور اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بلیغ ہے۔

مجالسِ ذکر کے مصادیق

اس حدیث میں ذکر ہے: جب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا کہ میرے بندے کیا کہتے تھے تو فرشتے کہیں گے: تیری تسبیح

کرتے تھے اور تیری تکبیر کرتے تھے اور تیری حمد کرتے تھے۔

اور ابومعاویہ کی روایت میں ہے: فرشتے کہیں گے کہ ہم نے اس کو اس حال میں چھوڑا وہ تیری حمد کرتے تھے اور تیری تمجید کرتے تھے اور تیرا ذکر کرتے تھے۔

اور سہیل کی روایت میں ہے: ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آئے جو زمین میں تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تکبیر پڑھتے ہیں اور تیری تہلیل کرتے ہیں اور تیری حمد کرتے ہیں اور تجھ سے سوال کرتے ہیں۔

اور امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ تیری نعمتوں کی تعظیم کرتے ہیں اور تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور تیرے نبی پر درود پڑھتے ہیں اور تجھ سے اپنی آخرت اور دنیا کے متعلق سوال کرتے ہیں۔

ان احادیث کے مجموعہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مجالس ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ مجالس جو اللہ تعالیٰ کے اذکار و اوراد کی تمام انواع پر مشتمل ہوں جن میں تسبیح ہو اور تکبیر ہو۔ اور یہ ان مجالس پر بھی مشتمل ہیں جن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب کی تلاوت ہو اور دنیا اور آخرت کی خیر کی دعا ہو اور جن مجالس میں حدیث نبوی کی قراءت ہو، اور علمِ شرعی کی تدریس ہو اور علمِ شرعی کا مذاکرہ ہو، نفلی نمازوں پر اجتماع ہو۔ تاہم اس میں بحث ہے، زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مجالس تسبیح اور تکبیر کی مجالس کے ساتھ اور تلاوتِ قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں، اگرچہ حدیث شریف کا پڑھنا، اور علم کی تدریس اور مناظرہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں داخل ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکر اور ذاکرین میں فضیلت ہے اور ذکر کے لیے جمع ہونے میں فضیلت ہے اور جو ان کے پاس آ کر بیٹھ جائے اس کا بھی انہی میں شمار ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان ذاکرین کو اپنے فضل سے ان کی تکریم کے لیے جو نعمت عطا فرماتا ہے وہ نعمت ان کے پاس بیٹھنے والے کو بھی عطا فرماتا ہے خواہ وہ ان کے ساتھ اصلِ ذکر میں شامل نہ ہو۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بنو آدم سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے ذاکرین کی تلاش میں زمین میں گھومتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا: میرے بندے کیا کرتے تھے، کیا سوال کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کبھی سائل کسی سے سوال کرتا ہے اور جس سے سوال کیا جائے وہ اس سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے، اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کے اوپر زیادہ توجہ مبذول کرانا مقصود ہوتا ہے اور اس کے شرف کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ ملائکہ سے جو خصوصیت کے ساتھ اہلِ ذکر کے متعلق سوال کرے گا، اس میں ملائکہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ (البقرہ: ۳۰)

کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

گویا کہ اب فرشتوں سے فرمایا گیا ہے: دیکھو میرے بندے کس طرح تسبیح اور تقدیس کر رہے ہیں حالانکہ ان کے اوپر شہوات کو مسلط کیا گیا ہے اور شیطان کے وسوسوں کو ان کے اوپر ڈالا گیا ہے، تو انہوں نے کس طرح شہوات اور وساوسِ شیطان کا مقابلہ کیا اور تسبیح اور تقدیس میں تمہارے مشابہ ہو گئے۔

(۵) اور اس حدیث سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ بنو آدم سے جو ذکر حاصل ہوتا ہے وہ فرشتوں سے حاصل شدہ ذکر سے اعلیٰ اور اشرف ہے، کیونکہ بنو آدم کا ذکر کثرتِ مشاغل کے باوجود ہے اور ذکر سے روکنے والی متعدد چیزوں کے باوجود ہے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بن دیکھے کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے کے لیے نہ کوئی مشغولیت ہے اور نہ کوئی ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں۔

(۶) اس میں ان زنادقہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں ظاہراً دیکھتے ہیں، حالانکہ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھو گے حتیٰ کہ تم فوت ہو جاؤ۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو امر محقق ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی قسم تاکید اور تعظیم کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا: کیا بندوں نے مجھے دیکھا ہے؟ تو فرشتے کہیں گے: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے"۔

(۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت تمام خیرات کی انواع پر مشتمل ہے اور دوزخ تمام انواع مکروہہ پر مشتمل ہے۔ اور رغبت اور طلب اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۵۔۴۵۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ان نعت گو شعراء کا رد ہے جو جنت کی تنقیص اور تحقیر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "جنت کی طلب چیز ہے کیا اور بھی کچھ مانگ"۔ حالانکہ انبیاء اور رسل نے خود سید الرسل نے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا ہے۔ مزید اس میں ان شعراء کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں "ڈراتا مجھ کو تو کیوں ہے عذابِ قبر سے واعظ" کیوں کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ ذاکرین اللہ تعالیٰ سے جہنم کے عذاب سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ اور قبر کا عذاب بھی اللہ کے عذابوں میں سے ایک عذاب ہے جس سے پناہ طلب کرنے کا ذکر متعدد احادیث میں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے تمام عذابوں سے محفوظ رکھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "فرشتے ان ذکر کرنے والوں کا اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک احاطہ کر لیتے ہیں"۔

اس میں یہ اشکال ہے کہ بہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے ان ذکر کرنے والوں کو آسمانِ دنیا تک لے جاتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ ذکر کرنے والے زمین میں ہیں اور ان کو اوپر نہیں اٹھایا گیا۔ تو یا تو اس کی تاویل میں یہ کہا جائے گا کہ اللہ عزوجل ایسے اجسام پیدا فرماتا ہے جو ان ذاکرین کے مشابہ ہوتے ہیں اور ان کو فرشتے آسمانِ دنیا تک لے جاتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے کہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو آسمانِ دنیا تک لے جاتا ہے اور وہ سوئے ہوئے نہیں ہوتے حتیٰ کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیند

حالت میں آسمانِ دنیا تک لے جاتا ہے۔(شرح صحیح البخاری ج۶ ص ۲۷۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۸۔ بَابُ: قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھنے کی فضیلت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز رہنا اللہ تعالیٰ کی عصمت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے او پر قوت کا حصول اللہ تعالیٰ کی اعانت کے بغیر ممکن ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ فِي عَقَبَةٍ أَوْ قَالَ فِي ثَنِيَّةٍ قَالَ فَلَمَّا عَلَا عَلَيْهَا رَجُلٌ نَادَى فَرَفَعَ صَوْتَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ قَالَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ قَالَ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان تیمی نے خبر دی از ابی عثمان از حضرت ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک گھاٹی میں یا بتایا ایک وادی میں چلنا شروع کیا، پس جب ایک مرد اس کی بلندی پر پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا: "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اور رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے تو آپ نے فرمایا: بے شک تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ کسی غائب کو، پھر آپ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ، یا فرمایا: اے ابوعبداللہ! کیا میں تمہیں ایسے کلمہ کی رہنمائی نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے، میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: "لاحول ولاقوۃ الا باللہ"۔

(صحیح البخاری: ۴۲۰۵، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۴، مسند احمد: ۱۹۱۰۲)

صحیح البخاری: ۶۴۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابن طرخان التیمی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوعثمان کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہیں۔ اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن قیس ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب "الدعاء اذا علا عقبة" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اخذ" اس کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چلنا شروع کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او قال فی ثنیة" یعنی راوی کو شک ہے کہ اس حدیث میں "ثنیة" کا لفظ ہے یا "عقبة" کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راوی حدیث کے الفاظ نقل کرنے میں بہت احتیاط کرتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ حدیث کے لفظ کو بعینہ نقل کرے، جب کہ "عقبة" اور "ثنیة" دونوں کا معنی گھاٹی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "کیا میں تمہاری رہنمائی اس کلمہ پر نہ کروں جو جنت کے خزانہ سے ہے؟" اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کلمہ جنت کے خزانہ سے کس طرح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خزانہ کی مثل ہے، کیونکہ جس طرح خزانہ میں نفیس چیزیں اکٹھی کی جاتی ہیں جن سے نفع حاصل کرنے کی توقع ہوتی ہے، اسی طرح اس کلمہ کو پڑھنے کے ثواب میں امورِ کثیرہ ہیں جن کے حصول کی توقع کی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۔ بَابٌ: لِلّٰهِ مِائَةُ اسْمٍ غَيْرَ وَاحِدٍ

اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں (یعنی ننانوے)

۶۴۱۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً قَالَ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا لَا يَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وَتْرٌ يُحِبُّ الْوَتْرَ۔

(صحیح مسلم: ۲۶۷۷، مسند احمد: ۷۴۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو ابو الزناد سے محفوظ رکھا ہے از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو۔ جو شخص بھی ان اسماء کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور اللہ وتر (فرد) ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبد اللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں، اور ابو الزناد کا نام ہے عبد اللہ بن ذکوان، اور الاعرج کا نام ہے عبد الرحمن بن ہرمز۔

دیگر کتب حدیث میں حدیث مذکور کا ذکر

اس حدیث کی بھی امام مسلم نے کتاب الدعوات میں روایت کی ہے از زہیر بن حرب، اور اس میں مذکور ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں، جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے: جس نے ان اسماء کو یاد کر لیا اور ایک روایت میں بخاری کے الفاظ کی مثل ہے مگر اس کے آخر میں یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کو یاد کر لیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کی از ابن ابی عمر روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ کے لیے ننانوے اسم ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا ''ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم ۔۔۔ الحدیث'' اور امام ترمذی نے ان تمام اسماء کا شمار کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس کی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ کے جو اسماء حدیث میں مذکور ہیں، ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں یا نہیں؟

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان اسماء کے سوا اور کوئی اسم نہیں ہے، کیونکہ اگر ان اسماء کے سوا اور کوئی اسم ہوتا تو اس عدد کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا متناہی ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی مدح فرمائی ہے اور اپنی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، وہ غیر متناہی ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں ان اسماء کا حصر نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے علاوہ اور کوئی اسم نہیں ہے بلکہ ان کا معنی یہ ہے کہ ان اسماء کو جس نے یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اسماء کو یاد کرنے سے بندہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور یہ خبر دینا مقصود نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ان مذکور اسماء میں حصر ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اگرچہ اس سے زیادہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کے معانی ان مذکورہ اسماء میں محصور ہیں، پس اس وجہ سے ان مذکورہ اسماء میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا حصر کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے مشہور نام لفظِ اللہ ہے، کیونکہ تمام اسماء کی اضافت لفظِ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہی اسم اعظم ہے۔

ابوالقاسم القشیری نے بیان کیا ہے کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ اسم عینِ مسمّٰی ہے، کیونکہ اگر اسم مسمّٰی کا غیر ہوتا تو پھر یہ اسماء اللہ کے غیر کے ہوتے۔ اور دوسروں نے کہا: اگر اسم مسمّٰی کا غیر ہوتا تو جب حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں تو اس سے لازم آتا ''الٰھۃ'' متعدد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسم سے مراد یہاں پر لفظ ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اسم کا لفظ اس معنی میں بھی آتا ہے، اختلاف اس چیز میں ہے کہ کیا اسم کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مسمّٰی کا عین مراد ہوتا ہے اور تعدد اسماء سے مسمّٰی کا تعدد لازم نہیں آتا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جن الفاظ کا اللہ سبحانہٗ پر اطلاق کیا جاتا ہے، وہ ایک اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ حقیقیہ یا صفتِ غیر حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اعتبارات اور صفات میں تعدد ہو نہ کہ ذات میں تعدد ہو، اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کو یاد کرنے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "جو بھی ان اسماء کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا":

یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ دل سے ان اسماء کو پڑھے، پس یہ تکرار سے کنایہ ہے کیونکہ حفظ تکرار کو مستلزم ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حفظ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو ان اسماء کے تقاضوں پر عمل کرے اور ہر اسم کے معنی پر ایمان لائے اور اطاعت کرے۔ اور دوسری روایت میں اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص دعا میں ان اسماء کا شمار کرے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو ان اسماء کی رعایت کرے اور ان کے تقاضوں کی حفاظت کرے اور ان کے معانی کی تصدیق کرے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ "من احصاھا" کا معنی یہ ہے کہ جو ان کے مجموعہ کی تکرار کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دخل الجنة" یعنی وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ یہاں لفظِ ماضی تحقیقاً ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ ایسا یقیناً ہوگا۔

وتر کے پسندیدہ ہونے کی وجوہ

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ وتر ہے" یعنی اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یحب الوتر" یعنی اللہ تعالیٰ وتر (طاق) کو اعمال میں فضیلت دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نمازیں پانچ رکھی ہیں، اور طواف میں سات چکر رکھے ہیں، اور اکثر اعمال میں تین دفعہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور آسمان بھی سات پیدا کیے اور زمینیں بھی سات پیدا کیں اور ان سب میں طاق کا عدد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۔ ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اور قرآن مجید کی منزلیں بھی سات ہیں، اور ہفتہ کے بھی سات دن ہوتے ہیں، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ طاق کا عدد اللہ کا پسندیدہ عدد ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے غیر متناہی ہونے پر دلیل

حدیث مذکور میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کا ذکر ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان ننانوے اسماء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور اسماء نہیں ہیں، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء غیر متناہی ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ

اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ

(لقمٰن:۲۷) ہو،تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف:۱۰۹) آپ کہیے: اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا،خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں O

اور حدیث میں جو ان ننانوے اسماء کا ذکر ہے،اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو ان اسماء کے ساتھ دعا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۔(الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں،تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔

سو اس عدد کا ذکر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ان اسماء کے ساتھ کی جائے۔

علامہ المہلب نے کہا ہے: یہ قول دلوں کی طرف زیادہ میلان کرتا ہے۔اور علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۷ص ۵)

کیونکہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرنے والے اس کی کنہ (حقیقت) تک نہیں پہنچ سکتے۔اور اس کی حمد وثنا کرنے والے اس کی صفات کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکتے۔اس دلیل سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء،ان مذکور اسماء کے علاوہ اور بھی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفات متناہی ہو جائیں گی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں۔اور یہ ابوالحسن الاشعری کا قول ہے اور اہلِ علم کی ایک جماعت کا بھی قول ہے۔

علامہ ابن الطیب نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس سے زیادہ نہیں ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کو بطور تعظیم کے یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اگر چہ اس کے اور اسماء بھی ہیں۔

اللہ عزوجل کے اسماء کے توقیفی ہونے کی تحقیق

علامہ القابسی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات توقیفی ہیں،یعنی جن اسماء کا ذکر کتاب اور سنت میں آچکا ہے اور کتاب اور سنت میں ان اسماء کے علم سے ہی اللہ تعالیٰ کے اسماء کا علم ہوتا ہے۔اور جن اسماء کا ذکر کتاب وسنت میں نہ ہو ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔اور قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس کے اسماء کا کوئی معین عدد مذکور نہیں ہے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو ہیں۔اور بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ننانوے اسماء کا استخراج کیا ہے۔اور ان میں سے بعض اسماء ہیں اور بعض صفات ہیں۔

علامہ الداؤدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ننانوے اسماء کی تصریح کی ہے۔

علامہ ابن القابسی نے کہا ہے کہ امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ کعب الاحبار سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: جو کلمات میں پڑھتا ہوں اگر وہ نہ ہوتے تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے، ان سے پوچھا گیا: وہ کیا کلمات ہیں؟ تو انہوں نے بتایا:

اعوذ بوجه الله العظیم ، الذی لیس له شیء اعظم منه ، وبکلمات الله التامات التی لایجاوزهن بر ولا فاجر وباسماء ه الحسنیٰ کلها ، ما علمت منها ، ومالم اعلم من شر ما خلق وذرأ وبرأ۔ (الموطا: ص ۲۹۰)

میں اللہ کی عظیم ذات کی پناہ میں آتا ہوں، جس سے عظیم کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامات کی پناہ میں آتا ہوں جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور میں اس کی ہر مخلوق کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور زمین میں منتشر کیا ہے اس کے تمام اسماءِ حسنیٰ کی پناہ میں آتا ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے اور بعض متقدمین بزرگ بھی یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اسمِ اعظم کا بیان

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا ایک مرد یہ دعا کر رہا تھا:

اللهم انی اسالك بانی اشهد انك لا اله الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو ہی عبادت کا مستحق ہے اور تو ہی واحد بے نیاز ہے، جس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے، اور اس کا کوئی ہمسر اور مماثل نہیں ہے۔

تو انہوں نے کہا: اس نے اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کی ہے۔ اور جس نے بھی اس اسم کے ساتھ دعا کی اس کی دعا مقبول ہوگئی، اور جو اس اسم کے وسیلہ سے سوال کرے گا اسے عطا کیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۷، مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۷، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۰۴)

اور شہر بن حوشب نے حضرت اسماء بنتِ یزید سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ''وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝'' (البقرہ: ۱۶۳)

(سنن ابوداؤد: ۱۴۹۶، سنن ترمذی: ۳۴۷۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۱)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وہ اسمِ اعظم کہ جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائے، اور جب اس کے وسیلہ سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے، وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کی دعا ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۸۔۸۷)

پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو پاک ہے، بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا O تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم

نجات دے دی، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں O

(المستدرک للحاکم ج ۱ص ۵۰۶)

اور دوسرے علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم وہ (لفظ) ''اللہ'' ہے۔کیا تم نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (الحشر: ۲۲۔۲۴)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر غیب اور شہادت (باطن وظاہر) کا جاننے والا ہے وہ نہایت رحم فرمانے والا بے حد مہربان ہے O وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ بادشاہ ہے، بہت پاک، ہر نقص سے سالم، امان دینے والا، نگہبان، بہت غالب، نہایت عظمت والا، سب سے بڑا، مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں اس سے پاک ہے O وہی اللہ ہے خالق، موجد، صورت بنانے والا، تمام اچھے نام اسی کے ہیں، آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں، اور وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

''احصاء'' کے معنی کی تحقیق

اس حدیث میں ہے ''جس نے اسماء کا احصاء کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا''۔

امام بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ احصاء کا معنی ہے: حفظ کرنا اور یاد کرنا۔اور یہی صحیح ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے ''مَن حفظها''۔(صحیح البخاری: ۷۳۹۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جس نے دعا میں ان اسماء کا شمار کیا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کی عمدہ رعایت کی اور ان اسماء کے تقاضا کی حفاظت کی اور ان کے معانی کی تصدیق کی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: جس نے ان اسماء کے تقاضوں پر عمل کیا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ''احصاء'' کا معنی ہے: عقل اور معرفت، پس اس کا معنی ہے: جس نے ان اسماء کی معرفت حاصل کی اور ان کے معانی کو سمجھا اور ان پر ایمان لایا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔اور یہ لفظ ماخوذ ہے ''الحصاة'' سے جس کا معنی عقل ہے۔ عرب کہتے ہیں ''فلان ذو حصاة'' یعنی وہ شخص عقل والا ہے۔(غریب الحدیث للخطابی ج ۱ص ۷۰۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ص ۳۷۹۔۳۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام جعفر اور امام ابوزید کے تتبع سے قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

امام ابونعیم نے از طبرانی از احمد بن عمرو الخلال از ابن ابی عمر و روایت کی ہے کہ ہمیں محمد بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوجعفر بن محمد الصادق سے الاسماء الحسنیٰ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ قرآن میں ہیں۔ پس ہم سے سفیان نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارے لیے قرآن سے یہ اسماء نکالیں گے، پھر انہوں نے تاخیر کر دی۔ پھر ہم ابوزید کے پاس آئے تو انہوں نے ان اسماء کو ہمارے لیے نکالا، پھر ہم نے ان اسماء کو سفیان پر پیش کیا، انہوں نے اس پر چار مرتبہ غور کیا اور کہا: ہاں! وہ یہی ہیں۔ اور اسی کو جعفر ابوزید نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: سورۃ الفاتحہ میں پانچ اسماء ہیں: "(۱) الله (۲) رب، (۳) الرحمٰن (۴) الرحیم، (۵) مالك"۔ اور سورۃ البقرہ میں یہ اسماء ہیں: "(۶) محیط، (۷) قدیر، (۸) علیم، (۹) حکیم، (۱۰) علی، (۱۱) عظیم، (۱۲) تواب، (۱۳) بصیر، (۱۴) ولی، (۱۵) واسع (۱۶) کاف، (۱۷) رؤف، (۱۸) بدیع، (۱۹) شاکر، (۲۰) واحد (۲۱) سمیع، (۲۲) قابض، (۲۳) باسط، (۲۴) حی، (۲۵) قیوم، (۲۶) غنی، (۲۷) حمید، (۲۸) غفور، (۲۹) حلیم، اور جعفر نے اضافہ کیا: (۳۰) اله، (۳۱) قریب، (۳۲) مجیب، (۳۳) عزیز، (۳۴) نصیر، (۳۵) قوی، (۳۶) شدید (۳۷) سریع، (۳۸) خبیر۔

اور جعفر اور ابوزید نے کہا کہ آل عمران میں یہ اسماء ہیں: (۳۹) وهاب، (۴۰) قائم۔ اور جعفر نے اضافہ کیا (۴۱) الصادق (۴۲) باعث (۴۳) منعم (۴۴) متفضل، اور سورۃ النساء میں یہ اسماء ہیں: (۴۵) رقیب، (۴۶) حسیب، (۴۷) شهید، (۴۸) مقیت (۴۹) وکیل۔

اور جعفر نے اضافہ کیا: (۵۰) علی، (۵۱) کبیر۔ اور سفیان نے اضافہ کیا: (۵۲) عفو۔ اور سورۃ الانعام میں ہے (۵۳) فاطر، (۵۴) قاهر، اور جعفر نے اضافہ کیا: (۵۵) ممیت، (۵۶) غفور (۵۷) برهان۔ اور سفیان نے اضافہ کیا: (۵۸) لطیف (۵۹) خبیر (۶۰) قادر۔ اور سورۃ الاعراف میں ہیں: (۶۱) محی (۶۲) ممیت۔

اور سورۃ الانفال میں یہ اسماء ہیں: (۶۳) نعم المولی و نعم النصیر، اور سورۂ ہود میں یہ اسماء ہیں: (۶۴) حفیظ، (۶۵) مجید (۶۶) ودود، (۶۷) فعال لما یرید۔ اور سفیان نے اضافہ کیا: (۶۸) قریب، (۶۹) مجیب، اور سورۃ الرعد میں ہیں: (۷۰) کبیر، (۷۱) متعال، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے کہ سورۃ ابراہیم میں (۷۲) منان، اور جعفر نے اضافہ کیا: (۷۳) صادق، (۷۴) وارث۔ اور سورۃ الحجر میں ہے: (۷۵) خلاق۔ اور سورہ مریم میں ہے: (۷۶) صادق (۷۷) وارث، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے: (۷۸) فرد، اور سورۃ طٰہٰ میں صرف جعفر کے نزدیک ہے (۷۹) غفار، اور سورۃ المومنین میں ہے: (۸۰) کریم۔ اور سورۃ النور میں ہے (۸۱) حق مبین، اور سفیان نے اضافہ کیا ہے: (۸۲) نور، اور سورۃ الفرقان میں ہے: (۸۳) هاد، اور سورۃ السبا میں ہے: (۸۴) فتاح، اور سورۃ الزمر میں ہے (۸۵) عالم، اور یہ صرف جعفر کے نزدیک ہے، اور سورۃ المومن میں ہے (۸۶) غافر، (۸۷) قابل، (۸۸) ذی الطول، اور سفیان نے اضافہ کیا ہے: (۸۹) شدید، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے: (۹۰) رفیع، اور سورۃ الذاریات میں ہے (۹۱) رزاق، (۹۲) ذو القوة (۹۳) المتین، اور سورۃ الطور میں ہے (۹۴) بر، اور سورۃ القمر میں ہے (۹۵) مقتدر، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے (۹۶) ملیك، اور سورۃ الرحمٰن میں ہے: (۹۷) ذو الجلال و الاکرام، اور

جعفر نے ضافہ کیا (۹۸) رب المشارقین والمغربین۔ اور سورۃ الحدید میں ہے (۹۹) اول، (۱۰۰) آخر، (۱۰۱) ظاہر، (۱۰۲) باطن، اور سورۃ الحشر میں ہے (۱۰۳) قدوس، (۱۰۴) سلام، (۱۰۵) المومن، (۱۰۶) المھیمن (۱۰۷) العزیز (۱۰۸) الجبار، (۱۰۹) المتکبر، (۱۱۰) خالق، (۱۱۱) البادی، (۱۱۲) مصور، اور جعفر نے اضافہ کیا ہے (۱۱۳) ملک، اور سورۃ البروج میں ہے (۱۱۴) مبدیء (۱۱۵) معید، اور سورۃ الفجر میں ہے (۱۱۶) وتر، یہ صرف جعفر کے نزدیک ہے۔ اور الاخلاص میں ہے: (۱۱۷) الاحد، (۱۱۸) الصمد۔

جعفر اور ابوزید نے جو اسماء قرآن مجید سے نکالے ہیں یہ ان کا آخری بیان ہے۔ اور اس میں شدید اختلاف ہے اور تکرار ہے اور کئی لفظ اسم کے ساتھ وارد نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

''صادق، منعم، متفضل، منان، مبدیء، معید، باعث، قابض، باسط، برہان، ممیت، معین، باقی''۔

اور کئی اسم مضاف ہیں جیسے ''فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی'' (الانعام: ۹۵) اور جیسے ''قابل التوب'' اور ''شدید العقاب'' اور ''رفیع الدرجات'' اور جیسے ''قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ'' (الرعد: ۳۳)۔ اور سورۃ الفاطر میں ہے ''فاطر السمٰوٰت'' اور سورۃ الانعام میں ہے ''وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' (الانعام: ۶۱)۔ اور ''عالم الغیب'' (الرعد: ۱۰۲)، اور المومن ۳ میں ہے ''غَافِرِ الذَّنْبِ'' اور غالب کا لفظ ہے جیسے ''واللہ غالب علیٰ امرہٖ'' اور ''رفیع الدرجات'' میں رفیع ہے۔ اور حافظ اس آیت میں ہے ''فاللہ خیر حفظاً'' (المومن: ۳) اور اس آیت میں ہے ''وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (الحجر: ۹)۔ اور حفی کا لفظ ہے اس آیت میں ''سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا'' (مریم: ۴۷)۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی تفصیل از امام ترمذی

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں، جس نے ان کو سمجھ کر یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (وہ اسماء یہ ہیں:)

''ھو اللہ الذی لا الٰہ الا'' (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں) ''ھو الرحمٰن'' (جو بغیر کسی غرض کے بغیر کسی عوض کے از خود رحم فرمانے والا ہے) ''الرحیم'' (جو آخرت میں رحم فرمانے والا ہے) ''الملک'' (جو حقیقی بادشاہ ہے) ''القدوس'' (جو ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے) ''السلام'' (جو ہمیشہ سلامت رہنے والا ہے) ''المؤمن'' (جو امن اور عافیت دینے والا ہے) ''المھیمن'' (جو نگہبانی کرنے والا ہے) ''العزیز'' (جو غالب ہے) ''الجبار'' (جو صاحب جبروت ہے اور تمام مخلوق اس کے زیر تصرف ہیں) ''المتکبر'' (کبریائی جس کا حق ہے) ''الخالق'' (پیدا کرنے والا ہے) ''البارى'' (ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے) ''المصور'' (صورت بنانے والا ہے) ''الغفار'' (بہت بخشنے والا ہے) ''القھار'' (جو بہت غلبہ اور قہر والا ہے) ''الوھاب'' (بہت عطا کرنے والا ہے) ''الرزاق'' (بہت رزق دینے والا ہے) ''الفتاح'' (رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے) ''العلیم'' (بہت زیادہ علم والا ہے) ''القابض'' (تنگی کرنے والا ہے) ''الباسط'' (فراخی کرنے والا ہے) ''الخافض'' (پست کرنے والا ہے) ''الرافع'' (بلند کرنے والا ہے) ''المعز'' (عزت دینے والا ہے) ''المذل'' (ذلت دینے والا ہے) ''السمیع'' (از خود بہت سننے والا ہے) ''البصیر'' (از خود بہت دیکھنے والا ہے) ''الحکم'' (فیصلہ کرنے والا

ہے) ''العدل'' (انصاف کرنے والا ہے) ''اللطیف'' (جو از خود لطف و کرم کرنے والا ہے) ''الخبیر'' (ہر چیز کی از خود خبر رکھنے والا ہے) ''الحلیم'' (بردبار ہے) ''العظیم'' (بہت عظمت والا ہے) ''الغفور'' (بہت معاف کرنے والا ہے) ''الشکور'' (شکر کی بہت جزاء دینے والا ہے) ''العلی'' (بہت بلند ہے) ''الکبیر'' (بہت بڑا ہے) ''الحفیظ'' (بہت حفاظت کرنے والا ہے) ''المقیت'' (سب کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے والا ہے) ''الحسیب'' (سب کے لیے کافی ہے) ''الجلیل'' (بہت بزرگ ہے) ''الکریم'' (بہت عزت والا ہے) ''الرقیب'' (بہت نگہبان ہے) ''المجیب'' (دعاؤں کو بہت قبول کرنے والا ہے) ''الواسع'' (بہت وسعت والا ہے) ''الحکیم'' (بہت حکمت والا ہے) ''الودود'' (بہت محبت کرنے والا ہے) ''المجید'' (بہت بزرگ ہے) ''الباعث'' (مُردوں کو اٹھانے والا ہے) ''الشہید'' (از خود ہر چیز پر حاضر ہے) ''الحق'' (ہمیشہ ثابت ہے) ''الوکیل'' (حقیقی کارساز ہے) ''القوی'' (بہت قوت والا ہے) ''المتین'' (بہت مضبوط ہے) ''الولی'' (سرپرست اور مددگار ہے) ''الحمید'' (اس کی بہت تعریف کی ہوئی ہے) ''المحصی'' (شمار کرنے والا ہے) ''المبدیء'' (ابتداءً پیدا کرنے والا ہے) ''المعید'' (لوٹانے والا ہے) ''المحیی'' (زندہ کرنے والا ہے) ''الممیت'' (مارنے والا ہے) ''الحی'' (ہمیشہ زندہ ہے) ''القیوم'' (از خود قائم ہے) ''الواجد'' (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا ہے) ''الماجد'' (بزرگی اور عظمت والا ہے) ''الواحد'' (اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے) ''الصمد'' (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) ''القادر'' (ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے) ''المقتدر'' (کامل قدرت رکھنے والا ہے) ''المقدم'' (جس کو چاہے آگے کرنے والا ہے) ''المؤخر'' (جس کو چاہے پیچھے کرنے والا ہے) ''الاول'' (سب سے پہلے) ''الآخر'' (سب کے بعد) ''الظاہر'' (دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ ظاہر) ''الباطن'' (اور وجود کے اعتبار سے سب سے مخفی) ''الوالی'' (مالک اور کارساز ہے) ''المتعالی'' (بلند و اعلیٰ) ''البر'' (بہت بڑا محسن) ''التواب'' (توبہ قبول کرنے والا) ''المنتقم'' (سزا دینے والا) ''العفو'' (بہت معاف کرنے والا) ''الرؤف'' (بہت مہربانی کرنے والا) ''مالک الملک'' (تمام جہانوں کی ملکیت والا) ''ذوالجلال والاکرام'' (بہت بزرگی اور عزت والا) ''المقسط'' (عدل کرنے والا) ''الجامع'' (تمام مخلوق کو میدانِ حشر میں جمع کرنے والا) ''الغنی'' (جو بے نیاز ہے) ''المغنی'' (جو اپنے بندوں کو بھی بے نیاز بنا دیتا ہے) ''المانع'' (جس چیز کو چاہے منع کرنے والا) ''الضار'' (جس چیز سے چاہے ضرر دینے والا) ''النافع'' (جس چیز سے چاہے نفع دینے والا) ''النور'' (روشن اور واضح) ''الہادی'' (ہدایت دینے والا) ''البدیع'' (ابتداءً بنانے والا) ''الباقی'' (ہمیشہ رہنے والا) ''الوارث'' (سب کے فنا ہونے کے بعد باقی رہنے والا) ''الرشید'' (جس کا ہر فعل درست ہے) ''الصبور'' (سب سے زیادہ صبر کرنے والا)۔

امام ابوعیسیٰ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، ہمیں صفوان بن صالح سے متعدد نے یہ حدیث بیان کی ہے مگر ہم اس حدیث کو صرف صفوان سے پہچانتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۵۰۷، المستدرک للحاکم: ج ۱ ص ۱۶، رقم الحدیث: ۴۱)

امام ترمذی کے بیان کردہ ننانوے اسماءِ حسنیٰ پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے ان اسماء کا تتبع کیا جو قرآن میں اسم کے صیغہ کے ساتھ مذکور ہیں اور ان کا امام ترمذی کی روایت میں ذکر نہیں ہے۔

وہ یہ اسماء ہیں: (۱) الرب، (۲) الالٰہ، (۳) المحیط، (۴) القدیر، (۵) الکافی، (۶) الشاکر، (۷) الشدید، (۸) القائم، (۹) الحاکم، (۱۰) الفاطر، (۱۱) الغافر، (۱۲) القاهر، (۱۳) المولیٰ، (۱۴) النصیر، (۱۵) الغالب، (۱۶) الخالق، (۱۷) الرفیع، (۱۸) الملیک، (۱۹) الکفیل، (۲۰) الخلاق، (۲۱) الاکرم، (۲۲) الاعلیٰ، (۲۳) المبین، (۲۴) الحفی (۲۵) القریب (۲۶) الاحد (۲۷) الحافظ۔

سو یہ ستائیس اسماء ہیں۔ اور ان ستائیس اسماء کو جب امام ترمذی کی روایت کے ساتھ ملایا جائے جو انہوں نے اسم کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیے ہیں تو ننانوے کا عدد پورا ہو جاتا ہے اور یہ سب اسماء قرآن مجید میں مذکور ہیں، لیکن بعض اسماء اضافت کے ساتھ ہیں جیسے "شَدِيدُ الْعِقَابِ" (المومن:۳) اور جیسے رفیع ہے "رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ" میں (المومن:۱۵)، اور قائم اس آیت میں ہے: "قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ" (الرعد:۳۳)، اور الفاطر اس آیت میں ہے "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ" (فاطر:۱)، اور القاہر ہے اس آیت میں "وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" (الانعام:۶۱)، اور المولیٰ والنصیر ہے اس آیت میں "نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ" (الانفال:۴۰)، اور عالم اس آیت میں ہے "عٰلِمُ الْغَيْبِ" (الرعد:۹)، اور خالق اس آیت میں ہے "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (الانعام:۱۰۲)، اور الغافر اس آیت میں ہے "غَافِرِ الذَّنْۢبِ" (المومن:۳) اور غالب اس آیت میں ہے "وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ" (یوسف:۲۱)، اور رفیع اس آیت میں ہے "رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ" (المومن:۱۵)، اور الحافظ، یہ اس آیت میں ہے "فاللّٰه خیر حٰفظا" (المومن:۳)، اور اس آیت میں ہے "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" (الحجر:۹)۔

اور امام ترمذی کی روایت میں بھی اس طرح کے اسماء ہیں جیسے المحیی یہ اس آیت میں ہے "لَمُحْيِ الْمَوْتٰى" (الروم:۵۰)، اور المالک، یہ اس آیت میں ہے "مالك الملك" اور النور، یہ اس آیت میں ہے "نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (النور:۳۵) اور البدیع، یہ اس آیت میں ہے "بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (الانعام:۱۰۱)، اور الجامع، یہ اس آیت میں ہے "جامع الناس" (آل عمران:۲۶)، اور الحکم، یہ اس آیت میں ہے "اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا" (الانعام:۱۱۴) اور الوارث، یہ اس آیت میں ہے "وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ" (الحجر:۲۳)۔

اور وہ اسماء جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور امام ترمذی کی روایت میں ان کا ذکر ہے، اور وہ قرآن مجید میں اسم کے صیغہ کے ساتھ مذکور نہیں ہیں، اور یہ ستائیس اسم ہیں:

القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، العدل الجلیل، الباعث، المحصی، المبدی، المعید، الممیت، الواجد، الماجد، المقدم، المؤخر، الولی، ذوالجلال والاکرام، المقسط، المغنی، المانع، الضار، النافع، الباقی، الرشید، الصبور۔

اگر امام ترمذی کی روایت میں ان اسماء کے ماسوا پر اقتصار کیا جائے اور ان مذکورہ ستائیس کے بدلہ میں ان ستائیس اسماء کا ذکر کیا جائے جن کا میں نے ذکر کیا ہے تو اس سے ننانوے کا عدد پورا ہو جائے گا اور یہ سب قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اسم کے صیغہ کے ساتھ وارد ہیں۔ اور ان کے مقامات قرآن مجید میں ظاہر ہیں سوا "الحفی" کے۔ کیونکہ یہ سورۂ مریم میں حضرت ابراہیم کے اس قول میں

مذکور ہے "سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا" (مریم: ۴۷)، اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس باریکی پر متنبہ ہوئے ہوں۔

ان متعدد اسماء صفات کا ذکر جو ایک صفت سے مشتق ہیں اور ان کو الگ الگ شمار کرنے کی توجیہ

اس تفصیل کے بعد اب صرف اس چیز میں غور کرنا رہ گیا کہ بعض متعدد اسماء ایک صفت سے مشتق ہیں جیسے: القدیر، المقتدر، القادر، الغفور، الغفار، الغافر، اسی طرح: العلی، الاعلی، المتعال، اور اسی کی مثل ہے: الملك، المليك، المالك، اور اسی کی نظیر ہے: الکریم، الاکرم، اور اسی طرح ہے: القاهر، القهار، اور اسی طرح ہے: الخالق، الخلاق، اور اسی کی مثل ہے: الشاکر، الشکور، اور اسی طرح ہے: العالم، العلیم۔

پس اس کی توجیہ میں یہ کہا جائے گا کہ جن علماء نے ان کو الگ الگ اسم شمار کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء میں فی الجملہ تغایر ہے، کیونکہ بعض اسماء میں ایک زائد خصوصیت ہے جو دوسرے میں نہیں ہے۔ اسی طرح: الرحمٰن اور الرحیم دونوں اسم صفتِ واحدہ سے مشتق ہیں۔ اور اگر ان کو الگ الگ شمار کرنے سے منع کیا جائے تو پھر جو دو اسم ایک معنی میں مشترک ہیں ان کو شمار نہ کیا جائے جیسے الخالق، الباری، المصور، لیکن ان کو شمار کیا جاتا ہے اگر چہ یہ ایجاد اور اختراع کے معنی میں مشترک ہیں۔ اور ان میں ایک اعتبار سے تغایر ہے اور وہ یہ ہے کہ خالق کا معنی ہے: جو ایجاد پر قادر ہو، اور الباری کا معنی ہے: جو جوہرِ مخلوق کا موجد ہو، اور المصور کا معنی ہے: جو صورت بنائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۱، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے تتبع سے قرآن مجید میں ننانوے اسماء حسنیٰ کی تحقیق جو اسم کے صیغہ کے ساتھ وارد ہیں

(۱) اللہ (۲) الرحمٰن (۳) الرحیم (۴) الملك (۵) القدوس (۶) السلام (۷) المومن (۸) المهيمن (۹) العزيز (۱۰) الجبار (۱۱) المتكبر (۱۲) الخالق (۱۳) البارى (۱۴) المصور (۱۵) الغفار (۱۶) القهار (۱۷) التواب (۱۸) الوهاب (۱۹) الخلاق (۲۰) الرزاق (۲۱) الفتاح (۲۲) العليم (۲۳) الحليم (۲۴) العظيم (۲۵) الواسع (۲۶) الحكيم (۲۷) الحی (۲۸) القيوم (۲۹) السميع (۳۰) البصير (۳۱) اللطيف (۳۲) الخبير (۳۳) العلی (۳۴) الكبير (۳۵) المحيط (۳۶) القدير (۳۷) المولىٰ (۳۸) النصير (۳۹) الكريم (۴۰) الرقيب (۴۱) القريب (۴۲) المجيب (۴۳) الوكيل (۴۴) الحسيب (۴۵) الحفيظ (۴۶) المقيت (۴۷) الودود (۴۸) المجيد (۴۹) الوارث (۵۰) الشهيد (۵۱) الولی (۵۲) الحميد (۵۳) الحق (۵۴) المبين (۵۵) القوى (۵۶) المتين (۵۷) الغنی (۵۸) المالك (۵۹) الشديد (۶۰) القادر (۶۱) المقتدر (۶۲) القاهر (۶۳) الكافی (۶۴) الشاكر (۶۵) المستعان (۶۶) الفاطر (۶۷) البديع (۶۸) الغافر (۶۹) الاول (۷۰) الآخر (۷۱) الظاهر (۷۲) الباطن (۷۳) الكفيل (۷۴) الغالب (۷۵) الحكم (۷۶) العالم (۷۷) الرفيع (۷۸) الحافظ (۷۹) المنتقم (۸۰) القائم (۸۱) المحی (۸۲) الجامع (۸۳) المليك (۸۴) المتعالی (۸۵) النور (۸۶) الهادی (۸۷) الغفور (۸۸) الشكور (۸۹) العفو (۹۰) الرؤف (۹۱) الاكرم (۹۲) الاعلیٰ (۹۳) البر (۹۴) الحفی (۹۵) الرب (۹۶) الاله (۹۷) الواحد (۹۸) الاحد (۹۹) الصمد (لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد)۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۱، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے امام جعفر اور امام ابوزید کے حوالہ سے قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کیا، پھر اس پر یہ جرح کی کہ ان اسماء میں اختلاف شدید ہے اور تکرار ہے اور کئی ایسے اسماء ہیں جو لفظِ اسم کے ساتھ وارد نہیں ہیں۔ پھر امام ترمذی نے جو اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ذکر کیے ہیں اس میں یہ اصلاح کی کہ اس میں ستائیس ایسے اسماء کا ذکر نہیں ہے جو قرآن مجید میں ہیں اور امام ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں۔ پھر یہ بتایا کہ امام ترمذی کی روایت میں ستائیس ایسے اسماء کا ذکر کیا گیا ہے جو اسماء متقابل ہیں اور قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اور اگر ان ستائیس اسماء کو ان اسماء سے بدل لیا جائے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور امام ترمذی نے ان کو ذکر نہیں کیا تو ننانوے کا عدد پورا ہو جائے گا اور قرآن مجید کے مطابق ہو جائے گا۔ پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے از خود قرآن مجید میں وارد ننانوے اسماء ذکر کیے جو صیغہ اسم کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور اس تحقیق میں حافظ ابن حجر عسقلانی منفرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔ (سعیدی غفرلہٗ)

آیا اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ ننانوے کے عدد میں منحصر ہیں یا اس سے زائد ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ننانوے کے عدد میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اسماءِ حسنیٰ اس عدد میں منحصر ہیں یا اس سے زیادہ ہیں۔ لیکن ننانوے کا عدد اس لیے مخصوص ہے کہ جس نے ان ننانوے اسماء کو سمجھ کر یاد کر لیا اور ان کے تقاضوں پر عمل کیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ پس جمہور کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ ننانوے سے زیادہ ہیں اور علامہ نووی نے کہا ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے، پس انہوں نے کہا: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ننانوے میں حصر نہیں ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان ننانوے اسماء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اور اسم نہیں ہے۔ اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ ان اسماء کو جس نے سمجھ کر یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ پس اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے ان ننانوے اسماء کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور یہ مراد نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ننانوے کے عدد میں منحصر ہیں۔ اور اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کی امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے:

اسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم الغيب عندك۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس اسم کے ساتھ تو نے اپنا نام رکھا ہے، یا تو نے جس اسم کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یا تو نے جس اسم کی اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو تعلیم دی ہے، یا جس اسم کو تو نے اپنے علم غیب میں اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔

اور امام مالک نے کعب احبار کی یہ دعا روایت کی ہے:

واسالك باسمائك الحسنیٰ ما علمتُ منها وما لم اعلم۔

اور میں تجھ سے تیرے ان اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

امام طبری نے از قتادہ اس حدیث کی مثل روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس دعا کی مثل کے

ساتھ دعا مانگی۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں ان اسماء مخصوصہ کا اس عدد کے ساتھ اثبات ہے۔ اور اس حدیث میں ان اسماء کے سوا مزید اسماء کی ممانعت نہیں ہے۔ اور ان اسماء کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان اسماء کے معانی بہت واضح ہیں۔

اور علامہ ابن بطال نے قاضی ابوبکر بن الطیب سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صرف یہی ننانوے اسماء ہیں بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے ان اسماءِ حسنیٰ کو سمجھ کر یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اور حصر نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ان اسماءِ حسنیٰ میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں۔

نیز اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ان اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ (الاعراف: ۱۸۰)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ ننانوے اسماء ہیں، ان کے ساتھ دعا کی جائے اور ان اسماء کے غیر کے ساتھ دعا نہ کی جائے۔

علامہ ابن بطال نے اس قول کو المہلب سے نقل کیا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ بہ کثرت احادیثِ صحیحہ کے اندر ان اسماء کے ساتھ دعا وارد ہے جو اسماء قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قیامِ لیل کی حدیث میں ہے "انت المقدم وانت المؤخر۔" وغیرذالك۔ اور مقدم اور مؤخر ان اسماءِ حسنیٰ میں مذکور نہیں ہیں۔

اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے: جب کہ اسماء صفات میں سے بھی ہیں اور صفات یا ثبوتیہ حقیقیہ ہیں جیسے الحی، یا صفات اضافیہ ہیں جیسے العظیم یا صفات سلبیہ ہیں جیسے القدوس۔ یا حقیقیہ اور اضافیہ ہیں جیسے القدیر۔ یا صفات سلبیہ اضافیہ ہیں جیسے اول اور آخر۔ اور یا حقیقیہ اور اضافیہ اور سلبیہ ہیں جیسے الملک۔ اور سلوب غیر متناہی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی امور کا عالم ہے اور غیر متناہی امور پر قادر ہے۔ پس اس میں کوئی امتناع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق کوئی اسم ہو، پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء غیر متناہی ہیں۔

القاضی ابوبکر بن العربی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں اور ابن العربی نے کہا: یہ کم ہیں۔ اور الفخر الرازی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار اسم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک ہزار علم کے ساتھ منفرد ہے اور کسی کو ان کا علم نہیں ہے اور بقیہ اسماء کا علم اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو تعلیم کیا۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ان میں سے دو ہزار اسماء کی تعلیم دی، اور باقی لوگوں کو ایک ہزار اسماء کی تعلیم دی۔ اور یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔

اور بعض علماء نے اس قول پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس باب کی نفسِ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر سے محبت کرتا ہے۔ اور جس روایت میں، مَیں نے اسماء کو لکھا ہے اس میں وتر کا ذکر نہیں ہے؟ پس اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کے علاوہ اور بھی اسماء ہیں۔

اور جن لوگوں کا مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ان ننانوے اسماء میں حصر ہے جیسے ابن حزم۔ اور ابن حزم ان لوگوں میں سے

ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا حصر ننانوے اسماء میں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو ہیں۔ انہوں نے کہا: اگر ان اسماء کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء ہوں تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سو ہوں، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو ہوں۔

اور ابن حزم کی یہ دلیل حجت نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث میں ننانوے اسماء میں حصر اس اعتبار سے ہے کہ جس نے ان اسماء کو یاد کرلیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ وعدہ اس سے ہے جس نے ننانوے سے زائد اسماء کو یاد کیا تو اس نے خطاء کی۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہاں پر کوئی اسم ان اسماء کے علاوہ ہو۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ (الاعراف: ۱۸۰)

اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں غلط راہ اختیار کرتے ہیں۔

اور مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارا جائے جو نام کتاب یا سنتِ صحیحہ میں وارد نہیں ہے۔ اور ان میں سے کئی اسماء کا سورۃ الحشر کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت پر یہ سورت ختم کی گئی ہے کہ ''له الاسماء الحسنیٰ''۔

اور بعض جن لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ اسماءِ حسنیٰ کی تعداد ننانوے سے زیادہ ہے، ان کے وہم کی بنیاد یہ ہے کہ بعض اسماء لفظاً مکرر ہیں جیسے الغافر، الغفار، الغفور۔ پس معدود ان میں سے ایک ہے۔ پس جب اس کا اعتبار کیا جائے اور ان اسماء کو جمع کیا جائے جن کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور حدیث صحیح میں تصریح ہے تو وہ اسماء ننانوے سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور دوسرے علماء نے کہا کہ الاعراف: ۱۸۰ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اسماءِ حسنیٰ ہیں، ان ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ یہ وہ اسماء ہیں جن کا حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں۔ اگر کسی حدیث میں ان کی تعیین وارد ہو تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے ورنہ اسماءِ حسنیٰ کے تتبع کے لیے قرآن مجید و سنتِ صحیحہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی طرف حوالہ کرنا زیادہ اقرب ہے اور الحمد للہ! قرآن مجید کے تتبع سے ننانوے کا عدد حاصل ہو گیا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔ پس اسی پر اقتصار کرنا چاہیے۔ اور اس عددِ مذکور کو مکمل کرنے کے لیے احادیثِ صحیحہ کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیے اور یہ ایک اور طریقہ ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قوت سے اس پر مدد فرمائے گا۔ آمین

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۲۔ ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسماءِ حسنیٰ کے ننانوے کے عدد میں انحصار کی حکمت

امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ننانوے میں ان اسماء کا منحصر ہونا یہ امرِ تعبدی ہے۔ اس عدد کی حکمت عقل سے معلوم نہیں کی جا سکتی، جیسے فرض نمازیں پانچ میں منحصر ہیں یا جیسے رکعات کی تعداد منحصر ہے مثلاً فجر کی نماز دو رکعتوں میں منحصر ہے، ظہر، عصر اور عشاء کی نماز چار رکعتوں میں منحصر ہے اور مغرب کی نماز تین رکعتوں میں منحصر ہے تو یہ بھی امرِ تعبدی ہے عقل

سے نہیں جانا جاسکتا کہ پانچ نمازیں فرض کیوں ہیں چھ کیوں نہیں ہیں۔اور فجر کی نماز کی رکعت مثلاً دو کیوں ہیں تین کیوں نہیں ہیں۔
اور اسی طرح نصاب زکوٰۃ کی مقدار کا معاملہ ہے، مثلاً سونے کا نصاب بیس مثقال سونا ہے (ساڑھے سات تولہ)۔اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے (ساڑھے باون تولہ چاندی)۔تو یہ مقدار بھی عقل سے معلوم نہیں کی جاسکتی، شارع علیہ السلام نے جو مقدار بتادی بس وہی مقدار معین ہوگئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ننانوے کے عدد میں انحصار کی حکمت یہ ہے کہ عدد یا زوج (جفت) ہوگا یا فرد (طاق) ہوگا۔اور فرد، زوج سے افضل ہے۔اور افراد کی بغیر تکرار کے انتہا ننانوے پر ہوتی ہے، اس لیے کہ سو اور ایک میں واحد یعنی ایک مکرر ہو جاتا ہے۔اور فرد، زوج سے اس لیے افضل ہے کیونکہ وتر شفع (دوگانہ) سے افضل ہے، کیونکہ وتر خالق کی صفت ہے اور شفع (دوگانہ، جفت) مخلوق کی صفت ہے اور شفع (جفت) وتر (طاق) کا محتاج ہوتا ہے اور وتر (طاق) شفع (جفت) کا محتاج نہیں ہوتا۔

بعض علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سو ہیں، ان کے دلائل

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ عدد میں کمال سو سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ اعداد کی تین اجناس ہیں: اُحاد (اکائی) عشرات (دہائی) اور مئات (سینکڑہ)۔اور ہزار دوسری اکائی کی ابتداء کی جگہ ہے۔پس اللہ تعالیٰ کے اسماء سو ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کے علم کے ساتھ منفرد ہے اور وہ ایک اسم اعظم ہے، پس اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا۔
اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سو ہیں لیکن ایک ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔اور جس اسم کے ساتھ سو کا عدد مکمل ہوتا ہے وہ مخفی نہیں ہے بلکہ وہ لفظ اللہ ہے۔اور جن علماء نے اس پر وثوق کیا ہے ان میں سے علامہ سہیلی ہیں، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سو ہیں اور وہ جنت کے درجات کے مطابق ہیں۔اور جس اسم سے سو اسماء مکمل ہوتے ہیں وہ اسم لفظ ''اللہ'' ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰)۔پس اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں اور ایک اسم ان پر زائد ہے اور اسی سے سو کا عدد مکمل ہوتا ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اس مبحث کی تحقیق کہ آیا اسم مسمّٰی کا عین ہے یا غیر؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
علامہ ابو القاسم القشیری نے ''شرح اسماء اللہ الحسنیٰ'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث میں اس پر یہ دلیل ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے، کیونکہ اگر اسم مسمّٰی کا غیر ہو تو پھر اسماء الحسنیٰ اللہ تعالیٰ کا غیر ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔
اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارے گا یا ان کے ساتھ دعا کرے گا تو لازم آئے گا کہ وہ غیر اللہ کو پکار رہا

ہے یا غیر اللہ سے دعا کر رہا ہے، اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں۔
پھر علامہ القرطبی نے کہا ہے کہ کبھی کہا جاتا ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے کہ ہم جب یہ اسم کا کلمہ بولتے ہیں تو اس سے مراد اس کا مسمّٰی ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ۝

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی تسبیح کیجئے، یہ نہیں ہے کہ اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے۔ پس اسم سے مراد مسمّٰی کا عین ہے۔
پس متکلمین اسم کا اطلاق کرتے ہیں اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسمِ معنوی مسمّٰی کا عین ہے یا نہیں ہے اور ان کا اسمِ لفظی کے اندر اختلاف نہیں ہوتا، اسمِ لفظی سے صرف نحوی بحث کرتے ہیں۔
پھر علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اگرچہ متعدد ہیں لیکن اس کی ذات میں تعدد نہیں ہے اور نہ اس کی ذات میں ترکیب ہے اور نہ اس کی ذات جسمیات کی طرح محسوس ہے اور نہ عقلیات کی طرح محدود ہے، یہ اسماء ان اعتبارات کے لحاظ سے متعدد ہیں جو ذات پر زائد ہیں۔ پھر ان اسماء کی دلالت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:
(۱) جو لفظ صرف ذاتِ مجردہ پر دلالت کرے جیسے لفظِ ''اللہ''۔ پس یہ لفظ اللہ کی ذات پر مطلقاً دلالت کرتا ہے بغیر کسی قید کے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کی معرفت ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ، رحمٰن کے اسماء میں سے ہے۔ اسی وجہ سے صحیح قول یہ ہے کہ لفظِ ''اللہ'' اسمِ علم ہے، نہ مشتق ہے اور نہ صفت ہے۔
(۲) وہ اسم جو ان صفات پر دلالت کرے جو ذات کے لیے ثابت ہیں جیسے علیم، قدیر، سمیع اور بصیر۔
(۳) وہ اسم جو اللہ تعالیٰ کی طرف کسی چیز کی اضافت پر دلالت کرے جیسے خالق اور رازق، کیونکہ خالق کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کا وہ خالق ہو، اور رازق کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مرزوق ہو جس کو وہ رزق دے۔
(۴) وہ اسم جو کسی چیز کے سلب اور نفی پر دلالت کرے جیسے العلی، القدوس۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۳۴۔ ۶۳۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یا عقلی ہیں؟

(توقیفی کا معنی یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے واقف کیے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کا علم نہیں ہو سکتا۔ اور عقلی کا معنی یہ ہے کہ عقل کے نزدیک جو معنی اللہ کے لیے ثابت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
اس میں اختلاف ہے کہ اسماءِ حسنیٰ آیا توقیفی ہیں اس معنی میں کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو افعال اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، ان افعال سے اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم بنائے۔ (مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:۳۱) اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

اب کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں عَلَّمَ کا لفظ آیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو معلم کہنا جائز ہے لیکن چونکہ

قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے معلم کا لفظ وارد نہیں ہوا، اس لیے اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اِلَّا یہ کہ جب کتاب یا سنت کی کسی نص میں کسی اسم کی تصریح ہو تو اسی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہوگا۔

امام فخر الدین رازی نے کہا ہے: ہمارے اصحاب سے یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ اور المعتزلہ اور الکرامیہ نے یہ کہا ہے کہ جب عقل اس پر دلالت کرے کہ فلاں لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں ثابت ہے تو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرنا جائز ہے۔ اور القاضی ابوبکر اور الغزالی نے کہا ہے کہ اسماء توقیفی ہیں نہ کہ صفات۔ اور کہا ہے کہ یہی مختار ہے۔

اور امام غزالی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نام رکھیں جو آپ نے اپنا نام نہیں رکھا اور نہ آپ کے والد ماجد نے آپ کا وہ نام رکھا، تو جب مخلوق میں یہ جائز نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق کیسے جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکارا جائے جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنا نہ رکھا ہو۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی ایسے اسم اور کسی ایسی صفت کا اطلاق جائز نہیں ہے جس سے نقص کا وہم پیدا ہوتا ہو خواہ نصِ قرآن میں اس کا ذکر آچکا ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ (الذّٰریٰت: ۴۸) پس ہم کیسا اچھا فرش بنانے والے ہیں O

پس اللہ تعالیٰ کی ذات پر "ماھد" کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے فرش بنانے والا، کیونکہ یہ معنی موہمِ نقص ہے۔ فرش تو مزدور اور مستری بناتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۶۴) اس کو (حقیقت میں) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O

سو اللہ تعالیٰ کو "زارع" کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ زارع کسان کو کہتے ہیں اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے موہمِ نقص ہے۔

اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ (الانعام: ۹۵) بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔

سو اللہ تعالیٰ کو "فالق" کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ پھاڑنا مخلوق کی صفت ہے، اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ (آل عمران: ۵۴) اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی۔

اس آیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو ماکر یا مکار کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا (الذّٰریٰت: ۴۷) اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا۔

سو اس آیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو بانی کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے مکان بنانے والا اور یہ مزدور اور مستری بناتے ہیں اور یہ موہمِ نقص ہے۔

اور ابوالقاسم القشیری نے کہا ہے کہ اسماء کو کتاب، سنت اور اجماع سے حاصل کیا جاتا ہے، پس ہر وہ اسم جس کا ذکر کتاب میں ہو یا سنت میں ہو یا اجماع سے ثابت ہو، اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے اور جس میں وارد نہ ہو اس کا اطلاق جائز نہیں ہے خواہ اس کا معنی صحیح ہو۔

اور ابواسحاق الزجاج نے کہا ہے: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان اسماء کے ساتھ دعا کرے جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت نہیں کی۔

اور ضابطہ یہ ہے کہ جن اسماء کے ساتھ شریعت نے دعا کی اجازت دی ہو خواہ وہ اسم مشتق ہو یا غیر مشتق ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اور ہر وہ اسم جس کا اس کی طرف منسوب ہونا جائز ہے خواہ اس میں تاویل کا دخل ہو یا نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

عقائد کے اعتبار سے اسماءِ حسنیٰ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ الحلیمی نے کہا ہے: عقائد کے اعتبار سے اسماءِ حسنیٰ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) معطلین اور دہریہ کا رد کرنے کے لیے باری تعالیٰ کا اثبات۔ اور اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں: الحی، الباقی، الوارث اور جو اسماء ان کے معنی میں ہوں۔

(۲) مشرکین کا رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں: الکافی، العلی، القادر (میں کہتا ہوں: اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء مناسب ہیں: ''والھکم الٰہ واحد، ھو اللہ احد''۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۳) مشبہہ کا رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: القدوس، المجید، المحیط وغیرہا۔ (المشبہہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے مشابہ مانتا ہے)۔

(۴) ان فلاسفہ کا رد کرنے کے لیے جو کہتے ہیں کہ یہ کائنات علت اور معلول کے طریقہ سے وجود میں آئی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: الخالق، الباری، المصور، القوی۔ یعنی کسی علت کے وجود سے یہ کائنات موجود نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے موجود ہوئی ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں مدبر ہے اور اس میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: القیوم، العلیم، الحکیم۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اسمِ اعظم کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام جعفر طبری، امام ابوالحسن الاشعری اور ان کے بعد علماء کی ایک جماعت مثلاً ابوحاتم بن حبان اور قاضی ابوبکر الباقلانی وغیرہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اسمِ اعظم نہیں ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو اس کے دوسرے بعض اسماء پر

فضیلت دینا جائز نہیں ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمِ اعظم کے علم کو اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور مخلوق میں سے کسی کو اپنے اسمِ اعظم پر مطلع نہیں کیا۔ اور بعض دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم "ھُوَ" ہے۔ اس کو امام فخر الدین رازی نے بعض اہلِ کشف سے نقل کیا ہے۔

(۲) لفظِ "اللہ"۔ کیونکہ یہ وہ اسم ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے غیر پر اطلاق نہیں کیا جاتا، اور اس لیے کہ الاسماء الحسنیٰ میں یہی اصل ہے، اس لیے تمام صفات کی اضافت اس کی طرف کی جاتی ہے۔

(۳) "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو اسمِ اعظم کی تعلیم دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور اس طرح دعا کی:

اللھم انی ادعوك الله، وادعوك الرحمٰن، وادعوك الرحيم، وادعوك باسمائك الحسنىٰ كلها ما علمت منها وما لم اعلم۔۔ الحديث

اے اللہ! میں تجھ سے اللہ کہہ کر دعا کرتی ہوں، اور تجھ سے رحمٰن کہہ کر دعا کرتی ہوں، اور تجھ سے رحیم کہہ کر دعا کرتی ہوں، اور میں تجھ سے تیرے تمام اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے دعا کرتی ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم انہی اسماء میں ہے جن کے ساتھ تم نے دعا کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس حدیث سے استدلال میں بحث ہے۔

(۴) "الرحمٰن الرحيم الحى القيوم" کیونکہ امام ترمذی نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے: "وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾" (البقرہ: ۱۶۳) اور "اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾"۔ (آل عمران: ۲)

اس حدیث کی امام نسائی کے سوا باقی اصحاب السنن نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(۵) "الحى القيوم"، کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ اسمِ اعظم تین سورتوں میں ہے: البقرہ، آل عمران، اور طٰہٰ۔ القاسم راوی نے کہا کہ مجھ سے ابوامامہ نے کہا کہ میں نے ان سورتوں میں تلاش کیا تو میں نے جان لیا کہ یہ "الحى القيوم" ہے اور امام رازی نے اس کی تقویت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں اسم اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عظمت اور صفاتِ ربوبیت میں سے ہیں اور دوسرے اسماء عظمت اور ربوبیت پر اس طرح دلالت نہیں کرتے۔

(۶) "الحنان المنان، بديع السمٰوٰت والارض، ذوالجلال والاكرام، الحى القيوم" امام احمد، امام حاکم، امام ابوداؤد اور امام نسائی اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۷) "بدیع السمٰوٰت والارض، ذوالجلال والاکرام"، کیونکہ امام ابویعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ بنو طے کے ایک مرد سے روایت کی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ مجھے الاسم الاعظم دکھائے، تو مجھے دکھایا گیا کہ آسمانوں کے ستاروں کے درمیان یہ اسماء لکھے ہوئے تھے۔

(۸) "ذوالجلال والاکرام" کیونکہ امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد سے سنا، وہ دعا کررہا تھا "یا ذا الجلال والاکرام" تو آپ نے فرمایا: تیری دعا قبول ہوگئی اور تو سوال کر۔ اور امام فخر الدین رازی نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یہ اسماء ان تمام صفات پر مشتمل ہیں جو الوہیت میں معتبر ہیں کیونکہ جلال میں تمام سلوب کی طرف اشارہ ہے اور اکرام میں تمام اضافات کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) "اللہ لا الٰہ الا ھو الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد" کیونکہ امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حبان اور امام حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے۔ اور یہ سند کے اعتبار سے تمام اسماء کی روایات پر راجح ہے۔

(۱۰) "رب، رب" کیونکہ امام حاکم نے حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا اسم رب، رب ہے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب بندہ کہتا ہے "یا رب، رب" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لبیک عبدی" تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا۔

(۱۱) "لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین" کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان اسماء کے ساتھ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور جو مسلمان مرد جب بھی ان اسماء کے وسیلہ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

(۱۲) "ھو اللہ اللہ الذی لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم" کیونکہ امام فخر الدین رازی نے حضرت زین العابدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسمِ اعظم سکھائے تو انہوں نے خواب میں یہ کلمات دیکھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۵۔۴۶۶، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اسماءِ حسنیٰ کے احصاء کی تحقیق

ابن ابی عمر نے از سفیان روایت کی ہے: جس نے ان اسماءِ حسنیٰ کا احصاء کیا، وہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔ امام مسلم اور الاسماعیلی نے اس طریقہ سے روایت کی ہے۔ علامہ خطابی نے کہا: الاحصاء کے کئی معانی ہیں:

(۱) تمام اسماءِ حسنیٰ کو گنے اور ان میں سے کسی ایک اسم پر اقتصار نہ کرے اور تمام اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور تمام اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ثناء کرے تو پھر وہ جنت کا مستحق ہوگا۔

(۲) احصاء کا معنی ہے: طاقت رکھنا، جیسے قرآن مجید میں ہے:

عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ (المزمل: ۲۰) اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام کا شمار نہیں کرسکو گے۔

یعنی اس قیام کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ اسی طرح حدیث میں ہے "استقیموا ولن تحصوا" یعنی تم مستقیم رہو اور تم ہرگز استقامت کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان اسماءِ حسنیٰ کے تقاضوں پر بندہ عمل کرے اور ان کے معانی کا اعتبار کرے

اوراپنے نفس پران معانی کولازم رکھے۔ پس جب اس نے کہا''الرزاق'' تو اللہ کے رزق کے او پراعتماد رکھے علیٰ ھذا القیاس۔

(۳) احصاء سے مراد ہے: ان اسماءِ حسنیٰ کے معانی کا احاطہ کرنا اوران کے معانی کو عقل سے سمجھنا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ جس کو ان اسماء کا احصاء حاصل ہو گیا اور اس کی نیت صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ اور یہ مراتبِ ثلاثہ، سابقین اور صدیقین اور اصحابِ یمین کے لیے ثابت ہوتے ہیں۔ اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ احصاء کا معنی ہے: جس نے ان اسماءِ حسنیٰ کو پہچانا اور اس کو ان کی معرفت ہوئی، کیونکہ جس کو ان کی معرفت ہوگی وہ مومن ہی ہوگا اور مومن وہ ہے جو جنت میں داخل ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۶۶، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم بارگاہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی کو عظیم اجر عطا فرمائے جنہوں نے بہت وسیع اور گہرا مطالعہ کر کے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کے تمام پہلوؤں کی تحقیق کی اور متقدمین اور متاخرین شارحین میں سے کوئی بھی اسماءِ حسنیٰ کی اس پایہ کی شرح نہیں کرسکا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسماءِ حسنیٰ کے متعلق حدیث کی تحقیق

جس حدیث میں ان اسماءِ حسنیٰ کا بیان کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے، کیونکہ اس حدیث میں ایسے اسم بھی ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے مثلاً الرب، الشافی۔ اوران اسماء میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہیں جیسے المنتقم، المعز۔ کیونکہ المنتقم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر صرف قید کے ساتھ کیا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (السجدہ: ۲۲) بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ○

پس اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ہم ان اسماء کو کیسے حاصل کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسماء کا قرآن مجید میں بیان نہیں کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسماء کا بیان کیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن قبولیت کی ساعت کو ہم سے مخفی رکھا، اور رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو ہم سے مخفی رکھا تا کہ لوگ اس ساعت کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کریں، اسی طرح مسلمانوں اور علماء کو چاہیے کہ کتاب وسنت سے ان ننانوے اسماء کو حاصل کریں۔

پھر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس سے تو اس امت میں ان اسماءِ حسنیٰ کی تعیین میں اختلاف ہوگا۔

تو ہم کہیں گے: اس میں کوئی ضرر نہیں ہے، سو جس شخص نے بھی ننانوے اسماءِ حسنیٰ کتاب وسنت سے نکال لیے اگرچہ تمام ان اسماء پر متفق نہ ہوں تو اس کو بہر حال ثواب اور اجر حاصل ہوگا۔

باقی رہا یہ کہ ان اسماء کے احصاء سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان اسماء کی معرفت حاصل کرے اوران کے تقاضوں پر عمل کرے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۶ ص ۲۷۸، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۰۔ بَابُ: الْمَوْعِظَةِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ — وقفہ وقفہ سے نصیحت کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نصیحت وقفہ وقفہ سے ہونی چاہیے۔ الموعظة کا معنی ہے: نصیحت، کیونکہ اگر لگا تار اور مستقل نصیحت کی جائے تو اس سے سننے والے کے دل میں اکتاہٹ پیدا ہوگی اور یہی معنی اس حدیث کا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت میں ہماری حفاظت فرماتے تھے اور کئی ایام میں نصیحت فرماتے تھے، کیونکہ آپ ہماری اکتاہٹ کو ناپسند کرتے تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس باب کو کتاب الدعوات میں ذکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نصیحت کرنے میں غالباً اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی از قبیلِ دعا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ كُنَّا نَنْتَظِرُ عَبْدَ اللهِ إِذْ جَاءَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فَقُلْنَا أَلَا تَجْلِسُ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَدْخُلُ فَأُخْرِجُ إِلَيْكُمْ صَاحِبَكُمْ وَإِلَّا جِئْتُ أَنَا فَجَلَسْتُ فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِهِ فَقَامَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَمَا إِنِّي أُخْبَرُ بِمَكَانِكُمْ وَلَكِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے، اس وقت یزید بن معاویہ آئے، ہم نے کہا: کیا آپ بیٹھتے نہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں! لیکن میں اندر داخل ہوتا ہوں، پس تمہاری طرف تمہارے صاحب کو لے کر آتا ہوں، ورنہ پھر میں آ کر تمہارے پاس بیٹھوں گا، پھر حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ آئے اور وہ ان کا (یزید بن معاویہ کا) ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، پس ہمارے پاس کھڑے ہو گئے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تمہارے آنے کی خبر مل گئی تھی لیکن تمہاری طرف آنے سے مجھے اس چیز نے روکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ نصیحت کے معاملہ میں ہماری حفاظت فرماتے تھے۔ اور ہماری اکتاہٹ کو ناپسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۸، ۷۰، ۶۴۱۱، صحیح مسلم: ۲۸۲۱، سنن ترمذی: ۲۸۵۵، مسند احمد: ۴۲۱۶)

صحیح البخاری: ۶۴۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''وقفہ وقفہ سے نصیحت کرنا'' اور اس حدیث میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں روزانہ نصیحت نہیں کرتے تھے کہ کہیں ہم روز روز نصیحت سننے سے اکتا نہ جائیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں از سلیمان از الاعمش از شقیق بن سلمہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم عبداللہ کا انتظار کر رہے تھے'' اس سے مراد ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔
اور صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ ہم حضرت عبداللہ کے گھر کے دروازہ کے باہر بیٹھے ہوئے ان کا انتظار کر رہے تھے تو ہمارے پاس سے یزید بن معاویہ گزرے۔
یزید بن معاویہ النخعی الکوفی التابعی ثقہ اور عابد ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں فارس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کا ذکر صرف اسی مقام پر ہے۔
یہ یزید بن معاویہ وہ نہیں ہے جس کو حضرت معاویہ نے اپنا ولی عہد بنایا تھا اور اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور انجام کار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا گیا۔ کیونکہ اس کا پورا نام ہے یزید بن معاویہ بن ابوسفیان بن حرب، اور اس حدیث کے جو راوی ہیں ان کا نام یزید بن معاویہ النخعی الکوفی ہے، یہ ثقہ راوی ہیں اور عبادت گزار ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقفہ وقفہ سے نصیحت کرنے کا سبب

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور ملائمت کا بیان ہے کہ وہ اپنے اصحاب کو تعلیم اور تفہیم میں نرمی فرماتے تھے تاکہ وہ خوشی اور نشاط کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت حاصل کریں اور امت کو اس کی اقتداء کرنی چاہیے، کیونکہ جو تعلیم تدریجاً دی جائے اس میں مشقت کم ہوتی ہے اور وہ اس تعلیم کو یاد رکھنے اور حفظ کرنے کی زیادہ داعی ہوتی ہے۔
اور اس حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل میں آپ کی متابعت کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۶۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: کتاب الدعوات میں ایک سو پینتالیس (۱۴۵) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے اکتالیس (۴۱) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اوران میں مکررات ایک سو اکیس (۱۲۱) ہیں اور چوبیس (۲۴) احادیث خالص ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس مقام پر کتاب الدعوات ختم ہوگئی۔ اوراب ان شاءاللہ کتاب الرقاق شروع کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے کتاب الدعوات کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، اسی طریقہ سے کتاب الرقاق بلکہ پوری صحیح البخاری کی احادیث کی شرح کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۸۱۔ كِتَابُ الرِّقَاقِ

دلوں کو نرم کرنے والی احادیث پر مشتمل کتاب

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

''الرقاق'' کا معنی

لفظِ رقاق، رقیق کی جمع ہے اور یہ رقۃ سے ماخوذ ہے۔علامہ ابن سیدہ نے کہا ہے کہ رقۃ کا معنی رحمت ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رقۃ، غلظۃ کی ضد ہے۔صاحب التلویح نے کہا ہے: علماء کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے کہ یہ لفظ الرقائق ہے۔اسی طرح نسفی نے جو صحیح البخاری کا نسخہ لکھا ہے اس میں بھی الرقائق ہے اور یہ لفظ رقیقۃ کی جمع ہے۔اور دونوں کا معنی ایک ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي الرِّقَاقِ (وَالصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ) وَأَنْ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ

رقاق کا بیان (صحت اور فراغت کا بیان) اور اس کا بیان کہ زندگی درحقیقت وہی ہے جو آخرت کی زندگی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کا جو نسخہ المستملی اور الکشمیھنی سے منقول ہے اس میں اس باب کا عنوان ہے ''الصحۃ والفراغ'' اور ''لا عیش الا عیش الآخرۃ'' اور صحیح بخاری کا جو نسخہ کریمہ سے منقول ہے اس میں مذکور ہے ''باب ما جاء فی الرقاق وان لا عیش الا عیش الآخرۃ''۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۲۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ هُوَ ابْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ قَالَ عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن سعید نے خبر دی، وہ ابن ابی ہند ہیں از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ خسارہ میں ہوتے ہیں یا دھوکا کھاتے ہیں۔ان میں سے ایک صحت ہے اور دوسری فراغت ہے۔

اور العباس العنبری نے کہا: صفوان بن عیسیٰ نے ہمیں حدیث

بیان کی از عبداللہ بن سعید بن ابی ہند از والد خود، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل روایت کی۔

(سنن ترمذی: ۲۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۴۱۷۰، مسند احمد: ۳۱۹۷، سنن دارمی: ۲۷۰۷)

صحیح البخاری: ۶۴۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

نعمت کا معنی ہے حالتِ حسنہ، یعنی عمدہ حالت۔ امام فخر الدین رازی نے کہا ہے: نعمت اس منفعت کو کہتے ہیں جس میں کسی غیر کی طرف سے کوئی احسان ہوا ہو، اور مغبون کا معنی ہے بیع میں نقصان اور حقیقت میں یہ رائے کی کمی کو کہتے ہیں گویا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ دو امر ایسے ہیں کہ جب ان کو اس جگہ استعمال نہ کیا جائے جہاں استعمال کرنا چاہیے تو ان نعمتوں والے کو اس میں نقصان ہوگا یعنی وہ اس کو نقصان سے فروخت کرے گا جس کے انجام کی تعریف نہیں کی جائے گی، کیونکہ انسان جب صحت کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت نہیں کرے گا تو وہ مرض کے زمانہ میں بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت نہیں کرے گا، اور اسی پر فراغت کا حکم ہے یعنی فراغت کے زمانہ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور عبادت نہیں کرے گا تو وہ نقصان زدہ اور فریب خوردہ رہے گا۔ جب انسان تندرست ہوتا ہے اور عبادت کے لیے فارغ نہیں ہوتا کیونکہ وہ معاش کے اسباب کے حصول میں مشغول رہتا ہے۔ پس جب انسان صحت کے زمانہ میں اور فراغت کے زمانہ میں فضائل کے حصول میں کوتاہی کرے تو یہ اس کا پورا پورا غبن اور نقصان ہے۔ اور ایسا کیونکر نہیں ہوگا کیونکہ دنیا تو آخرت کی تجارت کی جگہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحت اور فراغت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور عبادت نہ کرنا ہی نقصان ہے

اس حدیث میں مذکور ہے "دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ خسارہ میں ہوتے ہیں یا دھوکا کھاتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحت ہے اور دوسری فراغت ہے"۔

بعض علماء نے کہا ہے: اس حدیث سے امت کو اس پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ صحت اور فراغت اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتیں ہیں، کیونکہ جب تک انسان کسب معاش میں مشغول ہو یا جب تک انسان بیماری میں رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت کے لیے فارغ نہیں ہوتا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بیماری سے محفوظ رکھا ہو اور اس کو فراغت عطا فرمائی ہو اور پھر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں کمی کی ہو تو اس کو بہت نقصان ہوا ہے اور اس نے بہت دھوکا کھایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو لوگوں کو صحت عطا

کی ہے جب کہ ان کا اس میں کوئی استحقاق نہیں تھا اور ان کی عقلوں کو سلامت رکھا ہے اور ان کے رزق کا متضمن ہو گیا اور پھر ان کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور یہ قیاس کریں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری نعمتیں دی ہیں اور کیا باطنی نعمتیں دی ہیں اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، پھر جتنی مدت وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں ان کو دائمی جنت عطا کی جس کی نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس میں ان کے لیے ایسی نعمتوں کو ذخیرہ کیا ہے جن نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ ہوا، پس جو شخص اس چیز کو بغور دیکھے تو وہ اپنی صحت اور فراغت کا وقت ضائع نہیں کرے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اس کا شکر بجالانے میں صرف کرے گا اور یہ اعتراف کرے گا کہ جتنا اس کے اوپر عبادت کرنے کا حق تھا وہ ادا نہیں کر سکا۔ پس جو شخص اس طرح نہیں ہو گا اور غفلت میں رہے گا اور جن امور کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے التزام سے سہو کرے گا اور اس کے ایام سہو اور لہو ولعب میں گزریں گے اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کے قیام سے عاجز رہے گا تو پھر اس نے اپنے دن نقصان میں گنوائے اور وہ عنقریب نادم ہو گا، جب کہ ندامت اس کو نفع نہیں دے گی۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے تو وہ نادم ہوتا ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کس چیز پر نادم ہوتا ہے، فرمایا: اگر وہ نیک ہو تو اس پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کی، اور اگر وہ بدکار ہو تو وہ اس پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے بدی سے توبہ کیوں نہیں کی اور بدی کو ترک کیوں نہیں کیا۔
(سنن ترمذی: ۲۴۰۳)

غبن کا معنی ہے نقصان اور دھوکا کھانا، سو جو انسان اپنی صحت کے ایام میں یہ خیال نہ رکھے کہ جب وہ بیمار ہو گا تو عبادت نہیں کر سکے گا اور جو اپنی فراغت کے ایام میں یہ یاد نہ رکھے کہ جب وہ کار معاش میں مشغول ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکے گا تو وہ نقصان زدہ ہو گا۔ پس جب انسان نماز، روزہ، حج، جہاد اور دیگر عبادات صحت اور جوانی کے ایام میں نہ کرے تو پھر بڑھاپے کے زمانہ میں تو بہ طریقِ اولیٰ ان عبادات کو نہیں کر سکے گا۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: کبھی انسان تندرست ہوتا ہے اور عبادت کے لیے فارغ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اسبابِ معاش میں مشغول ہوتا ہے۔ اور کبھی وہ اسبابِ معاش سے فارغ ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں ہوتا۔ اور جب آدمی تندرست بھی ہو اور فارغ بھی ہو تو پھر اس پر سستی غالب آجاتی ہے اور وہ عبادت اور اطاعت کے فضائل کو حاصل نہیں کر پاتا اور یہی خسارہ ہے۔ اور دنیا تو حصولِ نفع کا بازار ہے اور عمر تھوڑی ہے اور عبادت سے موانع بہت ہیں۔ سو انسان کو غور کرنا چاہیے اور صحت اور تندرستی اور کار معاش سے فراغت کو غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت میں صرف کرنا چاہیے اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو پھر یہی اس کا نقصان ہے اور یہی اس کا دھوکا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۹۷۔۳۹۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحت اور فراغت کے ضائع کرنے والے کو غبن کے ساتھ مثال دینے کی توجیہ

علامہ طیبی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکلف کی اس تاجر کے ساتھ مثال بیان فرمائی ہے جس کے پاس اصل پونجی ہو اور وہ

اصل پونجی کی سلامتی کے ساتھ نفع کو ڈھونڈتا ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انتہائی غور وفکر کے ساتھ اپنی اصل پونجی کو خرچ کرے اور صدق کو اور مہارت کو لازم رکھے تا کہ اسے نقصان نہ ہو۔ پس صحت اور فراغت اصل پونجی ہے اور اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کے ساتھ عمل کرے اور نفس اور دین کے دشمنوں کے ساتھ مجاہدہ کرے تا کہ اسے دنیا اور آخرت کی خیر کا نفع حاصل ہو، اور اسی کے قریب قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الصف: ۱۰۔۱۲)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے O تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے دریا بہتے ہیں اور عمدہ پاکیزہ مکانوں میں دائمی جنتوں میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

سو! مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی سے اور شیطان کی دسیسہ کاریوں سے اجتناب کرے تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کی اصل پونجی نفع کے ساتھ ضائع ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اکثر لوگ اس میں نقصان میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ (سبا: ۱۳)

اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو، اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O

قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی نعمت کون سی ہے؟ پس ایک قول یہ ہے کہ ایمان سب سے پہلی نعمت ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ زندگی سب سے پہلی نعمت ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ صحت سب سے پہلی نعمت ہے۔ اور ایمان کو سب سے پہلی نعمت قرار دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ نعمتِ مطلقہ ہے۔ اور زندگی اور صحت یہ دونوں دنیاوی نعمتیں ہیں۔ اور یہ اس وقت تک حقیقی نعمتیں نہیں ہوں گی جب تک ان کے ساتھ ایمان مقرون نہ ہو۔ اور اس وقت اس میں اکثر انسان دھوکا کھاتے ہیں اور ان کا نفع بالکل چلا جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے، پس جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس کے ساتھ چھوڑ دیا جو اسے برائی کا حکم کرتا ہے اور ہمیشہ راحت کی طرف اکساتا ہے اور اس نے حدود کی حفاظت کو ترک کر دیا اور اطاعت اور عبادت پر دوام کو چھوڑ دیا تو اس نے دھوکا کھایا اور اس کو اصل پونجی میں نقصان ہوا۔ اور اسی طرح جب انسان کارِ معاش سے فارغ ہو اور پھر وہ عبادت اور اطاعت نہ کرے تو وہ بھی فریب خوردہ ہے اور نقصان زدہ ہے۔ اور کبھی انسان کے لیے عذر ہوتا ہے، اس کے برخلاف جب وہ فارغ ہو تو اس سے عذر اٹھ جاتا ہے اور اس کے خلاف حجت قائم ہو جاتی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۳ اور ۶۴۱۴ میں یہ مذکور ہے کہ اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔ اس کی صحیح البخاری: ۶۴۱۲ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی کو دنیاوی عیش و آرام میں خرچ کرتے ہیں

اور آخرت کے لیے عبادت کی تیاری نہیں کرتے تو وہ اپنی صحت اور فراغت کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس میں نقصان اٹھاتے ہیں اور دھوکا کھاتے ہیں۔(فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۰-۴۷۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۴۱۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ

اللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ

فَأَصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معاویہ بن قرۃ، از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا:

اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے

سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

(صحیح البخاری: ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۹۶۱، ۳۷۹۵، ۳۷۹۶، ۴۰۹۹، ۴۱۰۰، ۶۴۱۳، ۷۲۰۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۵، سنن ترمذی: ۳۸۵۷، مسند احمد: ۱۲۵۳۹)

صحیح البخاری: ۶۴۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے دوسرے جز کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن بشار، وہ بندار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاویہ بن قرہ بن ایاس المزنی، اور قرہ کے لیے صحابیت ثابت ہے۔

یہ حدیث فضائل انصار میں از آدم گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۴- حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْخَنْدَقِ وَهُوَ يَحْفِرُ وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ وَيَمُرُّ بِنَا فَقَالَ

اللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ

فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ

تَابَعَهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن المقدام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سہل بن سعد الساعدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خندق میں تھے اور آپ خندق کھود رہے تھے اور ہم مٹی کو منتقل کر رہے تھے آپ نے ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے کہا:

اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔

سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۹۸، ۶۴۱۴، صحیح مسلم: ۱۸۰۴، سنن ترمذی: ۳۸۵۶، مسند احمد: ۲۲۳۰۸)

صحیح البخاری: ۶۴۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن المقدام، یہ العجلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الفضیل بن سلیمان، یہ النمیری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔

یہ حدیث بھی فضائل انصار میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھود رہے تھے۔ اور فضائلِ انصار میں یہ حدیث گزری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ اور بہ ظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ بعض صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھود رہے تھے اور بعض صحابہ وہ تھے جو مٹی کو منتقل کر رہے تھے۔

اور صاحب التلویح نے کہا ہے کہ یہ جواب غور و فکر کا محتاج ہے اور دوسروں نے کہا: صحیح بخاری کے نسخہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جب آپ نکلے تو صحابہ خندق کھود رہے تھے، لہٰذا اس کو ساقط کر دینا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: مَثَلِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ

دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی مثال

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاد رکھو! دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے، زیب و زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے، اور مال اور اولاد میں کثرت کو طلب کرنا ہے اس بارش کی مثل ہے جس کی پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب) تو اس کو زرد رنگ کی دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں (فساق کے لیے) سخت عذاب ہے اور (نیکوں کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت ہے اور خوش نودی ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "مثل الدنیا فی الاخرۃ" اصل عبارت یوں ہے: "دنیا کی مثال آخرت کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے" اور اس عنوان میں فی بمعنی الٰی ہے جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (ابراہیم: ۹) پس انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں کی طرف لوٹایا۔

اور یہ عنوان مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں مثال کچھ بھی نہیں ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس عنوان کی شرح میں لکھا ہے:

یہ عنوان اس حدیث کے بعض الفاظ پر مشتمل ہے جس کو امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ از المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے، پھر دیکھے کہ انگلی، پانی کی کتنی تراوٹ کے ساتھ رجوع کرتی ہے۔ اس کی سند تابعی تک امام بخاری کی شرط پر ہے کیونکہ امام بخاری نے حضرت المستورد رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت نہیں کی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۷۴، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے جو ذکر کیا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور نہ یہ امام بخاری کے دل میں گزرا۔ امام بخاری نے یہ عنوان ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد حضرت سہل کی حدیث روایت کی ہے، کیونکہ وہ حدیث معنی میں اس عنوان کے مطابق ہے۔ اور یہ اسی شخص پر مخفی رہے گا جس کی فہم میں قصور ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

فتح الباری میں اس عبارت کے متصل یہ عبارت ہے کہ "امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اقتصار کیا ہے کہ جنت میں چابک جتنی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" تو جنت میں چابک سے کم جگہ دنیا کی نعمتوں کے کیسے برابر ہوگی۔ پھر یہ حدیث حضرت المستورد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہوگی۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری، ج ۲ ص ۴۱۲، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

آیتِ مذکورہ کے مفردات کے معانی

اس آیت میں "لعب ولھو" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود، بے فائدہ اور بے مقصد کام۔ اور ایسی چیزیں جن سے دنیا

میں دل لگایا جائے۔

یہاں دنیا کی زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جس میں صرف دنیا داری کے کام ہوں، لیکن جس زندگی میں انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرے، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔

اور اس آیت میں "زینة" کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے انسان خوشنمائی حاصل کرے۔

اور "تفاخر" کا معنی ہے: ایک دوسرے پر فخر کرنا جیسے آدمی کہے: میرے پاس اتنا مال ہے اور تمہارے پاس اتنا مال نہیں ہے اور میری اتنی اولاد ہے اور تمہاری اتنی اولاد نہیں ہے۔

اور اس آیت میں مذکور ہے "غیث" اس کا معنی ہے کھیتی۔ اور اس آیت میں مذکور ہے "الکفار" یہ کافر کی جمع ہے اور کافر کسان کو کہتے ہیں، کفر کا معنی ہے چھپانا، کسان بھی بیج کو مٹی میں چھپا دیتا ہے اس لیے اس کو کافر کہتے ہیں۔ "اعجب الکفار" کا معنی ہے: کھیت کو کسان دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح کفار بھی دنیا کی زیب و زینت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

اس آیت میں مذکور ہے "ثم یھیج" اس کا معنی ہے: پھر وہ کھیت خشک ہو جاتا ہے اور لکڑیاں اور ڈنڈیاں رہ جاتی ہیں۔ اور اس میں دنیا کی مثال دی ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور اس کی خوشنمائی اور زیب و زینت بالآخر زائل ہو جاتی ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "عذاب شدید" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور اس آیت میں مذکور ہے "ومغفرة" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے مغفرت اور بخشش کو تیار کر رکھا ہے۔

اور پھر اس آیت میں فرمایا "کہ دنیا کی زندگی تو صرف دھوکہ کی پونجی ہے" یہ اس آیت کے پہلے جز کی تاکید ہے۔

باب میں مذکور آیت کی تفسیر از مصنف

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے دنیا کی زندگی مذموم ہے اور آخرت کی زندگی محمود ہے، حالانکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی اچھائی ہے، انبیاء علیہم السلام دنیا ہی میں مبعوث کیے گئے ہیں اور اولیاء اللہ بھی دنیا میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقرہ:۱۳۰)
بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہیں ○

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:۲۰۱)
اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ دنیا اور اس کی چیزیں مذموم نہیں ہیں کیونکہ دنیا میں کعبہ اور بیت المقدس بھی ہے، مسجد نبوی بھی ہے اور دیگر مساجد بھی ہیں، قرآن مجید اور دیگر دینی کتب بھی ہیں، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مزارات ہیں، دینی مدارس اور دینی لائبریریاں ہیں، اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے مراکز ہیں، دنیا صرف اس اعتبار سے مذموم ہے کہ اس میں اللہ کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کی جائے اور اس میں وہ چیزیں ہوں جو اللہ کی اطاعت سے غافل کرتی ہیں اور شیطان کی اطاعت کی طرف راغب کرتی ہیں جیسے شراب خانے، قحبہ خانے، قمار خانے، بت

کدے اور رقص وموسیقی کے کلب ہیں اور اس میں ایسی ہی چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

۶۴۱۵ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں چابک جتنی جگہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ اور ضرور اللہ کی راہ میں صبح کو نکلنا یا شام کو نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۹۲، صحیح مسلم: ۱۸۸۱، سنن ترمذی: ۱۶۶۴، سنن نسائی: ۳۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۰، ۲۷۵۶، مسند احمد: ۲۲۳۶۵)

صحیح البخاری: ۶۴۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز جو اپنے والد ابوحازم سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے اور وہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''سبیل اللہ'' کا ذکر ہے اور یہ عام ہے کہ مسلمان بندہ جہاد کے لیے نکلے یا علمِ دین کی طلب کے لیے نکلے یا نماز پڑھنے کے لیے جائے یا حج اور عمرہ کے لیے جائے علیٰ ھذا القیاس۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت کی نعمتوں کا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہونے کا سبب

اس کا سبب یہ ہے کہ جنت غیر فانی ہے اور دنیا کی مدت ختم ہونے والی ہے اور زائل ہونے والی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو بیان فرمایا کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے یا اللہ کے راستہ میں صبح نکلنا یا شام کو نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، آپ کی مراد یہ ہے کہ اس کا ثواب دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تاکہ آپ اپنی امت کو اس پر متنبہ کریں کہ اللہ کے نزدیک دنیا کی بہت کم حیثیت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے دنیا کے دار جزا ہونے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور نہ جنت کو اپنے دشمنوں کے لیے پسند فرماتا ہے بلکہ دنیا تو ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کھیل تماشا ہے اور زیب وزینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر ہے اور مال اور اولاد میں کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے۔

اور امام ترمذی حضرت مستورد بن شداد الفہری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا آخرت کے مقابلہ

میں ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنی ایک انگلی کو سمندر میں ڈالے، پھر وہ دیکھے کہ وہ انگلی کتنی تری کو لے کر لوٹی ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۲۳)

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو دنیا سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۲۰)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۰۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا اور آخرت کے تقابل کی مزید وضاحت

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ سورۃ الحدید کی آیت اور اس باب کی حدیث اس آیت کی مثل ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۗ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (النساء: ۷۷)

آپ کہیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت میں جو دنیا کی متاع کی قلت بیان فرمائی ہے یہ فی نفسہ دنیا کے اعتبار سے ہے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور اس کی کوئی عظمت نہیں ہے اور اس آیت کو لوگوں کی عقول کے قریب کرنے کے لیے اور تمثیل کے لیے بیان فرمایا ہے ورنہ دنیا متناہی ہے اور آخرت غیر متناہی ہے اور متناہی اور غیر متناہی میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور اسی طرف حضرت مستورد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر دیکھے انگلی میں کتنی تری لگتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اس پانی کی مثل ہے جو انگلی میں تری ہے۔ اور آخرت پورے سمندر کی مثل ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ۭ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ (محمد: ۳۶-۳۸)

دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان پر برقرار رہو اور متقی بن جاؤ تو وہ تمہارے اجر تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں فرمائے گا۔ اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے، پس شدت سے طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گا۔ ہاں! تم ہی وہ لوگ ہو جن کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پس تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم (سب اسی کے) محتاج ہو۔

اس مثال کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد پیدا ہوتا ہے، پھر پروان چڑھتا ہے، پھر طاقت حاصل کرتا ہے، پھر مال کماتا ہے اور اولاد کو حاصل کرتا ہے اور ریاست حاصل کرتا ہے، پھر اس کے بعد اس کے جسم میں انحطاط شروع ہوجاتا ہے، پس وہ بوڑھا ہوجاتا ہے اور کمزور ہوجاتا ہے اور بیمار ہوجاتا ہے اور اس کو بیماری کے اور مال کی کمی کے اور عزت کی کمی کے حوادث اور نوائب پیش آتے ہیں، پھر وہ مرجاتا ہے، پھر اس کا معاملہ مضمحل ہوجاتا ہے اور اس کا مال اس کے وارثوں کے پاس چلا جاتا ہے اور اس کے حالات متغیر ہوجاتے ہیں، پس اس کا حال ایسا ہے جیسے کسی زمین پر بارش آئی ہو اور اس سے سبزہ پیدا ہوا ہو جو دیکھنے والوں کو اچھا لگتا ہو، پھر وہ سبزہ خشک ہوجائے اور زرد ہوجائے اور چورا چورا ہوجائے اور بکھر کر مضمحل ہوجائے۔

حدیث مستورد کی ایک مثال

امام غزالی نے احیاء العلوم میں حضرت المستورد رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی اور اس کے بعد یہ لکھا کہ "جان لو! کہ اہل دنیا کی ان کی غفلت میں مثال ایسے ہے جیسے چند لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے، پھر وہ ایک جزیرے پر پہنچے جو سبزہ سے لہلہا رہا تھا، وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس جزیرہ میں اترے تو ملاح نے ان کو خبردار کیا کہ دیر نہ لگانا اور صرف اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں تم اپنی حاجت پوری کرسکو، اور ان کو اس سے خبردار کیا کہ ایسا نہ ہو کہ کشتی چل پڑے اور تم رہ جاؤ۔ پھر بعض لوگ تو جلدی لوٹ آئے اور ان کو کشتی میں اچھی جگہ مل گئی اور وہ وہاں پر ٹھہر گئے اور دوسرے لوگوں کے کئی فرقے ہیں، پہلا فرقہ وہ ہے جس نے جزیرہ میں پھلوں اور پھولوں کو دیکھا اور جزیرہ میں بہتی ہوئی نہروں کو دیکھا اور جواہر اور معدنیات کو دیکھا، پھر وہ بیدار ہوئے اور جلدی سے کشتی میں پہنچ گئے تو ان کو بھی کشتی میں جگہ مل گئی مگر وہ پہلے لوگوں کی جگہ سے کم تھی سو ان کو فی الجملہ نجات مل گئی۔ دوسرا فرقہ جزیرہ کے جواہر اور پھلوں اور پھولوں کو دیکھنے میں لگ گیا اور وہ وہاں سے پھل اور پھول چن چن کر اکٹھے کرنے لگا اور اس میں اس کو دیر ہوگئی، اور جب وہ کشتی پر پہنچا تو اس کو پہلے لوگوں سے بھی کم جگہ ملی، انہوں نے اپنے نفس کے ساتھ سخاوت نہیں کی تھی کہ وہ جزیرہ میں جو چیزیں دلوں کو لبھا رہی تھیں ان کو چھوڑ دیتے۔ پھر وہ پھل سوکھ گئے اور پھول مرجھا گئے اور تیز آندھیاں چلیں حتیٰ کہ جو کچھ وہ لے کر آئے تھے آندھیوں نے وہ سب کچھ گرا دیا۔ اور تیسرا فرقہ وہ تھا جو جزیرہ کی رعنائی، خوبصورتی اور دلفریبی میں ڈوب گیا، اور ملاح کی وصیت سے غافل ہوگیا۔ پھر انہیں ملاح کی آواز آئی کہ وہ کشتیوں کو لے کر جا رہا ہے۔ پھر کشتی نکل گئی اور وہ جزیرہ کی خشکی میں پڑے رہ گئے حتیٰ کہ ہلاک ہوگئے۔ اور چوتھا فرقہ وہ تھا جس کی غفلت زیادہ شدید تھی اور انہوں نے ملاح کی نداء کو بھی نہیں سنا اور کشتی چلی گئی اور وہ جزیرہ کے اندر رہ گئے، انہیں درندوں نے پھاڑ کھایا اور بعض اس جزیرہ میں بھوک و پیاس سے ہلاک ہوگئے اور بعض ایسے تھے جن کو سانپوں نے اور اژدھوں نے ڈس لیا۔ سو! یہ اہل دنیا کی مثال ہے جب وہ دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں میں مشغول ہوتے ہیں اور آخرت سے غافل ہوجاتے ہیں۔ پھر امام غزالی نے اس پر اپنی بات کو ختم کیا کہ یہ کتنی قبیح بات ہے کہ عقلمند آدمی سونے اور چاندی کو جمع کرتا ہے اور ان میں سے کسی چیز کو وہ موت کے بعد اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا اور اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۱۔ ۴۷۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح مسافر ہو یا کسی راستہ کو عبور کرنے والے ہو

۶۴۱۶- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَبُو الْمُنْذِرِ الطُّفَاوِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ-

(سنن ترمذی: ۲۳۳۳، سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۴، مسند احمد: ۴۷۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن ابوالمنذر الطفاوی نے حدیث بیان کی از سلیمان از الاعمش، انہوں نے کہا: مجھے مجاہد نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑا، پھر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جس طرح تم مسافر ہو یا رستہ عبور کرنے والے ہو، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے: جب تم شام کرلو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کرلو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اور اپنی تندرستی کے اوقات میں سے کچھ حصہ اپنی بیماری کے اوقات کے لیے رکھو اور اپنی زندگی کے ایام میں سے کچھ حصہ اپنی موت کے لیے رکھو۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الطفاوی، اس میں بنو طفاوہ کی طرف نسبت ہے اور طفاوہ بصرہ میں ایک جگہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بنوطفاوہ اس جگہ آ کر ٹھہرے ہوں تو اس وجہ سے ان کا نام بنوطفاوہ پڑ گیا، اور العقیلی نے اس کا انکار کیا ہے۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مجاہد، الاعمش نے اپنے صیغہ کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے، اسی طرح الاعمش کے اصحاب نے ان سے روایت کی ہے اور اسی طرح اصحاب طفاوی نے ان سے روایت کی ہے۔ اور ابن المدینی اس کی تصریح میں متفرد ہیں۔ اور الاعمش نے اس حدیث کو مجاہد سے نہیں سنا، اور انہوں نے اس حدیث کو لیث بن ابی سلیم سے سنا ہے سو انہوں نے اس میں تدلیس کی۔

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی حسن بن قزاعہ کی سند سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی نے یہ حدیث بیان کی از الاعمش از مجاہد اور امام احمد اور امام ترمذی نے اس حدیث کو سفیان ثوری کی سند سے از لیث بن ابی

سلیم از مجاہد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منکب کو پکڑا'' منکب کا معنی بازو اور کندھا ہے۔ اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑا، اور بخاری کی روایت اس مبہم کی تعیین کرتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو''۔ یہ حدیث نصیحتوں کی تمام اقسام کی جامع ہے، کیونکہ مسافر لوگوں کو بہت کم جانتا پہچانتا ہے، اس میں حسد، عداوت، کینہ، نفاق، نزاع اور باقی تمام رذائل کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان تمام رذائل کا منشاء لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ لوگوں کے درمیان رہتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعض لوگ اس سے زیادہ اچھے حال میں ہیں تو وہ ان سے حسد کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کا کسی اجنبی جگہ پہ رہنا بہت کم ہوتا ہے اور نہ اس کے وہاں باغات ہوتے ہیں نہ کھیت ہوتے ہیں اور نہ اہل وعیال ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزیں نہیں ہوتیں جو اللہ تعالیٰ سے اشتغال کا منشاء ہیں تو گویا دنیا میں دل لگانے کا کوئی سبب اسے میسر نہیں ہوتا۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ مسافر بھی تو راستہ عبور کرنے والا ہوتا ہے تو اس کو بطریق عطف لانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ راستہ عبور کرنا مسافرت کو مستلزم نہیں ہے اور اس میں زیادہ مبالغہ ہے، کیونکہ راستہ عبور کرنے والے کے تعلقات مسافر کے تعلقات سے کم ہوتے ہیں سو یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی تندرستی کے اوقات میں سے کچھ بیماری کا حصہ رکھ لو'' یعنی کچھ وقت اپنی بیماری کے لیے رکھو یعنی تندرستی کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رہو کیونکہ بیماری کے ایام میں تم اتنی عبادت اور اطاعت نہیں کر سکو گے، اور اپنی زندگی کے ایام میں سے موت کا حصہ رکھو، یعنی اپنی زندگی کے ایام کو غنیمت جانو اور اپنی زندگی کے ایام کو بے فائدہ کاموں میں اور سہو اور غفلت میں نہ گزارو کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کی امیدوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۰۔۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالزناد نے کہا ہے: اس حدیث میں لوگوں سے کم ملنے جلنے کی ترغیب ہے اور دنیا کی چیزوں سے کم فائدہ اٹھانے کی دلیل ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس کا بیان یہ ہے کہ مسافر لوگوں سے بہت کم واقف ہوتا ہے اور لوگوں سے بہت کم ملنے جلنے والا ہوتا ہے بلکہ وہ لوگوں سے غیر مانوس ہوتا ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو اور جس سے وہ مانوس ہو اور اس کے ساتھ زیادہ ملنا جلنا اختیار کرے، سو وہ اپنے نفس میں خوفزدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جو راستہ عبور کرنے والا ہے وہ بھی اپنے سفر میں زیادہ دور نہیں جاتا، اور اس کے پاس سامان کم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ سفر خرچ ہوتا ہے اور سواری ہوتی ہے جو اس کو اس کے مطلوب تک پہنچاتی ہے، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا میں بے رغبتی کو

اختیار کرنا چاہیے اور دنیا سے صرف اتنی مقدار لینی چاہیے جس سے گزر بسر ہو جائے جیسا کہ مسافر زیادہ سامان کو نہیں اکٹھا کرتا، اسی طرح مومن بھی دنیا میں زیادہ چیزوں کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی نصیحت میں فرمایا: جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو، اس میں یہ بتایا کہ تم موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو، کیا پتا تمہیں شام دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور دوسرا یہ کہ عمل صالح کی تیاری کرو۔ اور اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ لمبی امیدیں نہ باندھو، اور دنیا کی دلفریب اور دل نشیں چیزوں کی طرف مائل نہ ہو۔

نیز فرمایا: ''تم تندرستی کے ایام میں سے کچھ بیماری کے ایام میں رکھو'' یعنی تم صحت کے ایام کو غنیمت جانو۔ اور زیادہ عبادت کرو اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں تمہیں کوئی ایسی بیماری ہو جائے کہ تم زیادہ نیک عمل نہ کر سکو۔

اسی طرح فرمایا ''تم اپنی زندگی کے ایام میں سے موت کے لیے حصہ رکھو'' یعنی اپنی زندگی کے ایام کو غنیمت جانو اور ان کو فضول اور بے مقصد کاموں میں نہ گزارو، کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کو اپنے عمل کی کمی کے اوپر ندامت ہوتی ہے۔ سو! یہ حدیث کتنے خیر کے معانی کو جامع ہے۔ اور اسی وجہ سے علامہ نووی نے اس حدیث کو اپنی اربعین میں داخل کیا ہے۔ اور ہم نے اس کی شرح میں اس کی وضاحت کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۰۳۔ ۴۰۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا سے دل نہ لگانے کی وجوہ

علامہ یحییٰ بن شرف النووی نے کہا ہے کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہو اور دنیا کو اپنا وطن نہ بناؤ، اور تم اپنے دل میں یہ خیال نہ جماؤ کہ تم دنیا میں باقی رہو گے۔ اور دنیا سے تم صرف اتنا تعلق رکھو جیسا کہ مسافر کسی اجنبی جگہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا: راستہ عبور کرنے والا وہ شخص ہے جو راستہ عبور کر کے اپنے وطن کی طلب کرنے کے لیے جاتا ہے، پس جو مرد اس دنیا میں ہے وہ اس غلام کی طرح ہے جس کو اس کے مالک نے کسی کام سے دوسرے شہر بھیجا ہو، اور اس کو یہ کرنا چاہیے کہ جلدی سے وہ کام کرے جس کام کے لیے اس کو بھیجا گیا ہے، پھر وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ آئے اور کسی ایسی چیز کے ساتھ دل نہ لگائے جس کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔

اور دیگر علماء نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ مومن اپنے آپ کو دنیا میں اس طرح رکھے جس طرح مسافر ہوتا ہے، پس اپنا دل کسی اجنبی شہر میں نہ لگائے، بلکہ اس کا دل اپنے وطن ہی کے ساتھ متعلق رہے جہاں اس نے واپس جانا ہے، اور اس دنیا میں رہنے کو صرف اس لیے قرار دے تا کہ وہ اپنی حاجت پوری کر لے اور اپنے وطن کی طرف لوٹنے کی تیاری کرے اور مسافر کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ یا اس مسافر کی طرح ہو جو کسی معین جگہ پر قیام نہیں کرتا بلکہ وہ مسلسل سفر کرتا رہتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو نصیحت کی ہے اس کے موافق درج ذیل حدیث ہے

امام حاکم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو

غنیمت جانو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت جانو، بیماری سے پہلے تندرستی کو غنیمت جانو، تنگدستی سے پہلے خوش حالی کو غنیمت جانو، کارِ معاش کی مشغولیت سے پہلے فراغت کو غنیمت جانو، موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانو۔ اس حدیث کی امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں سندِ صحیح کے ساتھ عمرو بن میمون کی مرسل سے روایت کی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی یہ نصیحت حدیثِ مرفوع سے حاصل کی گئی ہے اور یہ نصیحت امیدوں کے کم کرنے کو متضمن ہے اور یہ کہ عقلمند آدمی کو چاہیے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرے اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرے بلکہ یہ گمان کرے کہ اس کی موت اس سے پہلے آ جائے گی۔

اور یہ جو فرمایا ہے ''صحت کے اوقات میں سے مرض کے اوقات کا حصہ رکھو''، یعنی ایسے عمل کرو جن کا نفع تمہیں موت کے بعد حاصل ہو اور صحت کے ایام میں نیک عمل کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ کبھی مرض آ جاتا ہے اور آدمی نیک عمل نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض جس میں مذکور ہے کہ بیماری کے ایام میں بندہ کے وہ اعمال لکھے جاتے ہیں جن کو وہ صحت کے ایام میں کرتا تھا اور اس تعارض کا جواب

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حدیث صحیح میں یہ وارد ہے کہ جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں وہ عمل لکھ دیتا ہے جو وہ صحت اور اقامت کے ایام میں عمل کرتا تھا، کیونکہ یہ حدیث اس شخص کے متعلق وارد ہے جو عمل کرتا ہو، اور اس باب کی حدیث میں جو مرض اور موت سے ڈرایا ہے یہ اس کے متعلق ہے جو بالکل عمل نہیں کرتا، کیونکہ جو بالکل عمل نہیں کرتا وہ اپنے عمل نہ کرنے پر نادم ہوگا اور اپنے مرض کی وجہ سے عمل کرنے سے جو عاجز ہو گیا ہے تو اس پر نادم ہوگا مگر یہ ندامت نفع نہیں دے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان صحت کے ایام میں کوئی نیک عمل کرتا ہو اور پھر بیماری طاری ہونے کی وجہ سے وہ عمل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ عمل لکھتا رہتا ہے جو صحت کے ایام میں وہ عمل کرتا تھا۔ اور یہاں اس شخص کے متعلق نصیحت کی ہے جو صحت کے ایام میں بالکل عمل نہیں کرتا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کندھے کو پکڑ کر یہ فرمایا تھا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو''۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معلم، متعلم کے اعضاء کو تعلیم کے وقت چھوئے اور واعظ لوگوں کو نصیحت کرتے وقت ان کو چھوئے تاکہ ان کا انس حاصل ہو اور تنبیہ حاصل ہو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حریص تھے کہ امت کو خیر پہنچائی جائے۔ اور آپ نے امت کو برانگیختہ کیا کہ وہ دنیا کو ترک کریں اور صرف قدرِ ضرورت پر اقتصار کریں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۳۔ ۴۷۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابٌ: فِي الْأَمَلِ وَطُولِهِ
امید اور اس کے طول کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آل عمران: ۱۸۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو، جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے ۝

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَ يَتَمَتَّعُوا وَ يُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ (الحجر ۳)

آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے، دیں یہ عنقریب جان لیں گے ۝

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَارْتَحَلَتِ الْآخِرَةُ مُقْبِلَةً وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُونَ فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ بِمُزَحْزِحِهِ: بِمُبَاعِدِهِ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا پیٹھ موڑتے ہوئے کوچ کر رہی ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، پس تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو، کیونکہ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہوگا۔

مزحزحہ کا معنی ہے: اس کو دور کرنے والا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امید عمل سے غافل کرتی ہے اور روکتی ہے اور تمام لوگوں کے لیے امیدیں رکھنا مذموم ہے سوائے علماء کے، کیونکہ اگر علماء کسی کام کی امید نہ رکھتے اور منصوبہ نہ بناتے تو پھر وہ کتابوں کی تصنیف اور تالیف نہ کرتے۔ علامہ ابن الجوزی نے اپنے شعر میں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے:

وآمال الرجال لهم فضوح سوى امل المصنف ذى العلوم

لوگوں کی امیدیں ان کے لیے باعثِ رسوائی ہیں سوائے مصنف کی امید کے جو علوم سے مزین ہے

اور امید میں اور تمنا میں یہ فرق ہے کہ امید کسی سبب سے قائم ہوتی ہے اور تمنا بغیر سبب کے ہوتی ہے۔ اور بعض حکماء نے کہا ہے کہ انسان امید سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر اس سے امید فوت ہو جائے تو پھر وہ تمنا پر اعتماد کرے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمناؤں کی کثرت عقل کو خراب کرتی ہے اور دین کو فاسد کرتی ہے اور قناعت کو دور کرتی ہے۔ اور شاعر نے کہا:

الله اصدق والآمال كاذبة وجل هذا المعنى فى الصدر وسواس

اللہ سب سے زیادہ سچا ہے اور امیدیں جھوٹی ہیں اور اس کا بڑا معنی سینہ میں وسواس ہیں

باب میں مذکور قرآن مجید کی آیات کی تفسیر از علامہ عینی

علامہ عینی لکھتے ہیں:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آل عمران: ۱۸۵)

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت کے دن ہی دی جائے گی، سو! جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے ۝

علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ امید کا جس چیز کے ساتھ تعلق ہے وہ بے کار چیز ہے۔

آل عمران: ۱۸۵ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہونا چاہیے کہ اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے اور جنت میں پہنچ جائے اور جو شخص دنیا کی رنگینیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے، اس کے لیے یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اور جس نے اللہ کے احکام کی اطاعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کے لیے دنیا سے تعلق رکھا، اس کے لیے دنیا اچھی متاع ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی لکھتے ہیں:

کیونکہ دنیا پیٹھ پھیر کر جانے والی ہے تو اس میں امید رکھنا مذموم ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسی قول سے بعض حکماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ دنیا پیٹھ پھیر کر جانے والی ہے اور آخرت سامنے سے آنے والی ہے اور اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو پیٹھ پھیر کر جانے والی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جو سامنے سے آنے والی ہے اس کی طرف پیٹھ کر لیتا ہے۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) کہا ہے: ہم نے ابو اللیث السمر قندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں یہ روایت دیکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے پہلوں کی نیکی زہد (دنیا سے بے رغبتی) کے ساتھ ہوگی اور یقین کے ساتھ ہوگی، اور اس امت کے آخری لوگ بخل اور امید سے ہلاک ہو جائیں گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور امام طبرانی اور امام ابن ابی الدنیا نے اس کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن المبارک نے اپنی کتاب الرقائق میں روایت کی ہے۔ اور اس کی نعیم بن حماد نے از سلیمان بن خلاد روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زبید الیامی از مہاجر الطبری۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آج عمل ہے'' اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ آج عمل نہیں ہے بلکہ آج کے دن میں عمل ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ حضرت علی نے آج کے دن کو نفسِ عمل از روئے مبالغہ کے قرار دیا جیسے کہا جاتا ہے: ابو حنیفہ فقہ ہیں اور ان کا دن روزہ دار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۱۔ ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۷۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ مُنْذِرٍ عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے خبر دی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از منذر از ربیع بن خثیم از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط بنایا اور اس کے

الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ وَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهٰذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا۔

درمیان میں ایک خط بنایا جو مربع سے خارج تھا اور اس مربع کے وسط میں چھوٹے چھوٹے خطوط بنائے مربع کی جانب سے وسط میں، آپ نے فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ اس کی اجل (موت) اس کا احاطہ کرنے والی ہے یا فرمایا: اس کا احاطہ کر چکی ہے، اور یہ خط جو اس مربع سے خارج ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط اعراض (دنیاوی مشکلات) ہیں، اگر وہ ایک مشکل سے نکل جائے تو دوسری مشکل اس کو ڈس لیتی ہے۔ اور اگر وہ اس سے نکل جائے تو یہ مشکل اس کو ڈس لیتی ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۵۴، سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۱، مسند احمد: ۳۶۴۴، سنن دارمی: ۲۷۲۹)

صحیح البخاری: ۶۴۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے انسان کی امید اور اس کا طول۔ اور اس حدیث میں یہ مثال دی ہے کہ انسان کی امید اور اس کی موت اور اس کی دنیاوی مشکلات اس کو عارض ہوتی رہتی ہیں، اور جب وہ ان مشکلات سے نکل لے تو اس کی موت آجاتی ہے جب اس کی زندگی کی میعاد پوری ہو جاتی ہے۔

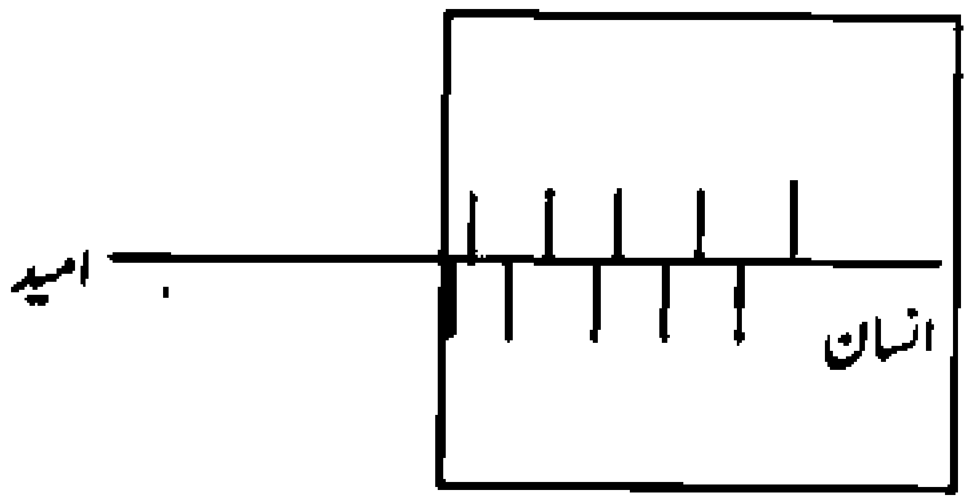
حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں، وہ اپنے والد سعید بن مسروق سے روایت کرتے ہیں اور سعید منذر بن یعلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور ثوری الکوفی ہیں، وہ ربیع بن خثیم سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ چاروں ثوری کوفی ہیں اور عبد اللہ سے مراد ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور وہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط کھینچا۔ مربع سے مراد یہ ہے کہ اس کے تمام زاویے برابر تھے اور اس کا طول اور عرض برابر تھا۔ اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے خط اس مربع میں کھینچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ انسان ہے، یعنی یہ خط مثال کے طور پر انسان ہے اور اس کی صفت یہ ہے۔ اور مربع کے وسط میں ایک خط آپ نے کھینچا جو مربع سے باہر نکلا ہوا تھا اور مربع کے جو چار خطوط ہیں یہ انسان کی اجل ہے یعنی انسان کی زندگی کا اس کی اجل نے احاطہ کیا ہوا ہے اور اس کی جو امیدیں ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ وہ اس کی زندگی سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔

اس مربع کے چاروں طرف جو خطوط ہیں وہ انسان کی اجل یا موت ہے جس نے انسان کو گھیرا ہوا ہے



یہ چھوٹے چھوٹے خطوط انسانی کی دنیاوی مشکلات ہیں

اس مثال سے یہ واضح کیا ہے کہ انسان کی امید اس کی زندگی سے باہر نکلی ہوئی ہے اور مشکلات نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کی امید پوری نہیں ہوتی اور اس کو موت آ جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۱۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۱۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خُطُوطًا فَقَالَ هَذَا الْأَمَلُ وَهَذَا أَجَلُهُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ جَاءَهُ الْخَطُّ الْأَقْرَبُ۔

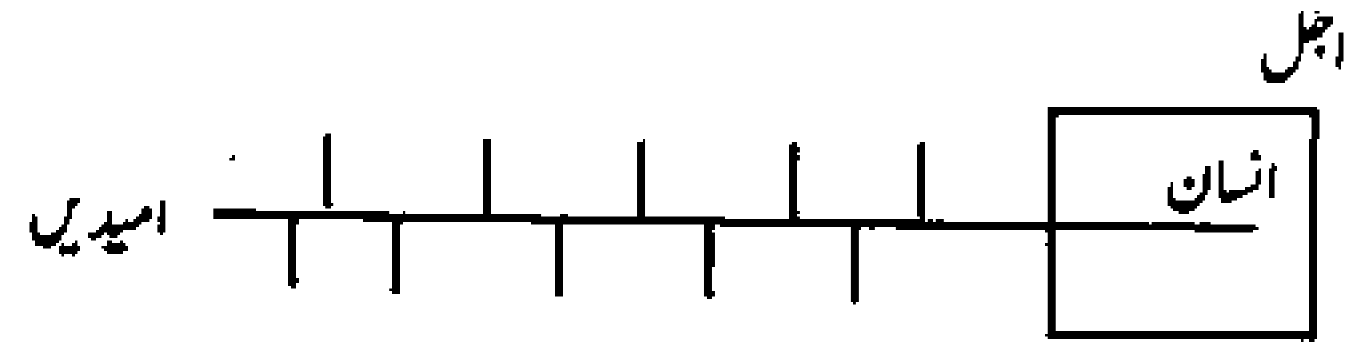
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے کئی خطوط کھینچے، آپ نے فرمایا: یہ امید ہے اور یہ انسان کی اجل (موت) ہے، پس جس وقت انسان اسی حال میں ہوتا ہے تو اس کے پاس وہ خط آ جاتا ہے جو زیادہ قریب ہوتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

نبی ﷺ نے کئی خطوط کھینچے اور ان کی درج ذیل صفت ہے:



ان خطوط سے ان آفات اور مصائب کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو عارض ہوتے ہیں وہ اسی طرح آفات میں مبتلاء ہوتا ہے کہ اچانک جو خط زیادہ قریب ہے وہ اس کے پاس آ جاتا ہے اور وہ اس کی اجل اور اس کی موت ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس نقشہ میں طویل نقشہ سے اختصار ہے اور دوسرے خطوط آفات ہیں اور جو خط زیادہ قریب ہے وہ اجل اور موت ہے کیونکہ کوئی شک نہیں ہے کہ جو خط محیط ہو وہی تمام خطوط سے زیادہ قریب ہے اور وہی انسان کی اجل اور موت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۳۔ ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امیدیں کم رکھنے کی ترغیب

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تنبیہ کی ہے کہ وہ امیدیں کم رکھیں اور ان کو موت کا خوف دلایا ہے کہ جس شخص سے اس کی موت کا وقت غائب ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جس حال میں وہ موت سے دھوکہ میں ہو اور غفلت میں ہو اچانک اس کے اوپر موت آ جائے نعوذ باللہ من ذالک۔ پس مومن کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں انہی کے استعمال پر راضی رہے اور اپنی امیدوں اور خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔ اور اس باب کے بعد یہ حدیث آئے گی کہ ہمیشہ بوڑھے آدمی کا دل دنیا کی محبت اور لمبی امید میں جوان ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۲۰)

قرآن مجید میں ہے:

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الحجر ۳)

آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں یہ عنقریب جان لیں گے ۝

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ ان مشرکین کو اس حال میں رہنے دیں کہ یہ دنیا کی چیزیں کھاتے ہیں اور دنیا کی لذات اور شہوات سے نفع اندوز ہوتے ہیں اور اسی حال میں یہ رہیں حتیٰ کہ ان کی موت کا وقت آ جائے۔ اور ان کی لمبی امیدیں ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل رکھیں اور اپنی آخرت کے لیے مغفرت کا سامان پہنچانے سے یہ عاجز رہیں جس کی وجہ سے یہ اپنے رب کا قرب حاصل کر سکیں، پس عنقریب یہ کل جان لیں گے جب یہ دوزخ کی آگ پر وارد ہوں گے اور جب یہ اللہ کا کفر کرنے کی وجہ سے عذاب کو دیکھیں گے کہ یہ دنیا کی لذات سے نفع حاصل کرنے کے اندر منہمک رہے اور اس انجام کو پہنچ گئے۔

ابو اللیث السمر قندی کی روایت میں ہے: اس امت کے پہلوں کی بہتری زہد اور یقین کے ساتھ تھی اور اس امت کا آخری حصہ بخل اور لمبی امیدوں کی وجہ سے ہلاک ہوگا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے اپنی امید کم رکھی، اللہ تعالیٰ اس کو چار کرامتیں عطا فرماتا ہے:

(۱) وہ شخص اللہ کی اطاعت پر قوی ہوتا ہے، کیونکہ جب اس کو معلوم ہو کہ وہ عنقریب مر جائے گا تو وہ اپنے مستقبل کے لیے ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرے گا جو ناپسندیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرے گا اور زیادہ اطاعت کرے گا۔

(۲) وہ شخص اپنے تفکرات کو چھوڑ دے گا، کیونکہ جب اسے معلوم ہوگا کہ وہ عنقریب مر جائے گا تو وہ مستقبل کے لیے پریشان نہیں ہوگا۔

(۳) وہ کم نعمتوں پر راضی ہوگا۔

(۴) اس کا دل منور ہوگا۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ اس کی امید کم ہو، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کس لحہ میں اور کونسا سانس لیتے وقت وہ مر جائے گا۔ اور مسلمان کو چاہیے کہ بہ کثرت موت کا ذکر کرے۔ کیونکہ چھ خصلتوں کے سوا کوئی مفر نہیں ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) ایسا علم جو اس کی آخرت پر رہنمائی کرے (۲) ایسا رفیق جو اس کی اطاعت کے اوپر مدد کرے (۳) اور دشمن سے بچائے (۴)

دن اور رات کے اختلاف میں جو اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں ان پر غور وفکر کرے (۵) اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرے، (۶) موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۰۸۔ ۴۱۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہد کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر آثار

امام ابن شیبہ نے المصنف میں اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں اپنی سند کے ساتھ از مہاجر بن عمیر روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف یہ ہے کہ تم خواہش کی پیروی کرو گے اور لمبی امید رکھو گے۔ رہا خواہش کی پیروی کرنا تو وہ تم کو حق کے راستہ سے روکتا ہے اور رہا لمبی امید رکھنا تو وہ آخرت کو بھلا دیتا ہے اور بے شک دنیا پیٹھ موڑ کر جا رہی ہے۔

اور امام ابن ابی الدنیا نے از الیمان بن حذیفہ از علی بن ابی حفصہ مولیٰ علی روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف دو خصلتوں کا ہے۔ پھر اس حدیث کا معنیٰ ذکر کیا۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس خواہش کی پیروی کرنا تمہارے دلوں کو حق سے موڑ دیتا ہے۔ اور لمبی امید رکھنا تمہاری ہمتوں کو دنیا کی طرف پھیر دیتا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں بدبختی سے ہیں، آنکھوں کا خشک ہو جانا، دل کی سختی، لمبی امید اور دنیا کی حرص کرنا۔ اس حدیث کی امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے پہلے لوگوں کی نیکی زہد اور یقین سے ہے اور اس امت کے آخری لوگوں کی ہلاکت بخل اور (لمبی) امید سے ہے۔ اس حدیث کی امام طبرانی اور امام ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے۔

زہد کی حقیقت اور زہد کا سبب

ایک قول یہ ہے کہ امیدیں کم رکھنا زہد کی حقیقت ہے، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ زہد کا سبب ہے کیونکہ جس نے امیدیں کم رکھیں وہ دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے اور لمبی امید رکھنے سے عبادت میں سستی پیدا ہوتی ہے اور توبہ میں تاخیر ہوتی ہے اور دنیا میں رغبت ہوتی ہے اور انسان آخرت کو بھول جاتا ہے اور دلوں میں سختی ہوتی ہے، کیونکہ دل کی نرمی اور دل کی صفائی موت کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور قبر کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور ثواب اور عقاب کو یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور قیامت کی خوفناک باتوں سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

کیا ابھی تک ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور اس حق کے لیے نرم ہو جائیں جو نازل

قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (الحدید:١٦)

ہو چکا ہے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل بہت سخت ہو گئے، اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں O

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی امید کم ہو اس کے تفکرات کم ہوتے ہیں اور اس کا دل روشن ہو جاتا ہے، کیونکہ جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ عبادت میں کوشش کر رہا ہوتا ہے اور اس کی تشویش کم ہوتی ہے اور تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۷۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۔ بَابُ: مَنْ بَلَغَ سِتِّيْنَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ

جس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کا کوئی موقع نہیں رکھا

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ (فاطر:٣٧)

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کی عمر ساٹھ سال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر اپنی حجت پوری کر دی ہے، اب اس کو چاہیے کہ وہ استغفار کرے اور اطاعت کرے اور بالکلیہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی حجت نہیں رہتی۔ اور حاصل معنی یہ ہے کہ لمبی عمر دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت بندہ پر پوری کر دی ہے اور اس کو عبادت کے لیے ایک مدت عطا فرمائی ہے۔

آیتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں فرمایا ہے" کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں انسان نصیحت کو قبول کرتا ہے":

علامہ زمخشری نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زجر و توبیخ کی ہے، اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتا ہے اور اس کا یہ قول ہر عمر کو شامل ہے جتنی عمر میں انسان اپنے حال کی اصلاح کر سکتا ہو خواہ وہ عمر کم ہو۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی" اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

مسروق نے کہا: اس سے مراد ہے چالیس سال۔ اور مجاہد نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد ہے چھیالیس سال۔ اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ہے ستر سال، اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس سے مراد ہے ساٹھ سال، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کی عمر ساٹھ سال یا ستر سال ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے متعلق اس پر حجت تمام کر دی۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے'' وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ '' یعنی تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔اس کے مصداق میں اختلاف ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ اس کا مصداق ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔اور زید بن علی نے کہا کہ اس کا مصداق قرآن ہے، اور عکرمہ،سفیان بن عیینہ اور وکیع نے کہا کہ اس سے مراد ہے بڑھاپا۔اور یہی صحیح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۴،دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فاطر: ۳۷ کی تفسیر از مصنف

انسان کی ہدایت اور نیکی کو اختیار کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کے لیے کتنی عمر کافی ہے،اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ساٹھ سال کی عمر کافی ہے،اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی موت کو مؤخر کر کے اس کی عمر ساٹھ سال کر دی گئی تو اللہ نے اس پر سب سے زیادہ حجت پوری کر دی (اور اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا)۔(صحیح البخاری:۶۴۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں، یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس عمر میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو۔(جامع البیان:۲۲۲۰۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم:۱۸۰۰۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی اللہ تعالیٰ نے عمر ساٹھ سال کر دی،اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا، کیونکہ ساٹھ سال انتہائی عرصہ ہے،اس عمر میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کا غلبہ ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چالیس سال کی بھی روایت ہے۔

مجاہد کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جتنی عمر میں ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے وہ چالیس سال ہے۔(جامع البیان:۲۲۲۰۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی عقل ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۱۶،دار الفکر، بیروت،۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال تھی اور آپ سے زیادہ کسی کی عقل کامل نہیں تھی بلکہ آپ کی عقل سب سے زیادہ کامل تھی۔ کتنے صحابہ،فقہاء، تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے دین ساٹھ،ستر اور اسی سال کی عمر پا کر مرحوم ہوئے اور آخر وقت تک ان کی عقل کامل رہی۔

امام مالک نے کہا: ہمارے شہروں میں لوگ دنیا داری میں مشغول رہتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی ہے تو دنیا داری کی مشغولیت اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنے آخرت سنوارنے میں مشغول ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ انہیں موت آجاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی اور بہت کم اس سے متجاوز ہوں گے۔(سنن ترمذی:۳۵۵۰،سنن ابن ماجہ:۴۲۳۶،صحیح ابن حبان:۲۹۸۰،مسند ابو یعلیٰ:۵۹۹۰،المستدرک

ج ۲ ص ۷۴۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۰)

نذیر (ڈرانے والا) کے محامل

پھر فرمایا: اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، زید بن علی اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ نے کہا: اس سے مراد بڑھاپا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل اور اقارب کی موت ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کمال عقل ہے۔

جب انسان پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب کھیل کود کی عمر گزر گئی ہے، اور جب اس کے اصحاب اور اقارب گزر جاتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کہ اب اس کی کوچ کا وقت بھی آپہنچا ہے اور جب اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے تو وہ حقائق امور میں غور و فکر کرتا ہے اور نیک کاموں اور برے کاموں میں فرق کرنے لگتا ہے۔ پس عقل والا آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اخروی عذاب سے بچنے کی فکر کرتا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۹۲۔ ۶۹۳، فرید بک اسٹال، لاہور)

۶۴۱۹۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَعْذَرَ اللَّهُ إِلَى امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّينَ سَنَةً تَابَعَهُ أَبُو حَازِمٍ وَابْنُ عَجْلَانَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ۔ (مسند احمد: ۷۶۵۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد السلام بن مطہر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی از معن بن محمد الغفاری از سعید بن ابی سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس مرد کا عذر زائل کر دیا جس کی موت کو مؤخر کیا حتیٰ کہ اسے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچا دیا۔

معن بن محمد کی متابعت ابو حازم اور ابن عجلان نے کی ہے از المقبری۔

صحیح البخاری: ۶۴۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد السلام بن مطہر، یہ ابن حسام ابو ظفر الازدی البصری ہیں۔ یہ رجب دو سو چوبیس (۲۲۴) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن علی، یہ ابن عطاء بن مقدم المقدمی ابو حفص البصری ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے معن، یہ ابن محمد الغفاری ہیں، ان کی نسبت غفار بن مقبل کی طرف ہے جو حضرت ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے سعید بن ابی سعید ذکوان المقبری، ان کی نسبت مدینہ کے مقبرہ کی طرف ہے کیونکہ یہ اس کے پاس رہتے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''اعذر الله الی امرء'': اعذر، باب افعال سے ہے اور اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مرد کا اطاعت اور عبادت میں کمی اور گناہوں سے اجتناب کے متعلق عذر زائل کر دیا، کیونکہ اس کی عمر لمبی کر دی حتیٰ کہ اسے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچا دیا۔

اطباء کہتے ہیں: انسان کے چار سن ہیں۔ ایک سن طفولیت ہے، یہ بچپن سے جوانی تک ہے۔ دوسرا سن الشباب ہے، یہ جوان ہونے کے بعد سے لے کر ادھیڑ عمر تک ہے۔ اور تیسرا سن کہولت ہے، یہ چالیس سال کی عمر سے لے کر ساٹھ سال کی عمر تک ہے۔ اور چوتھا سن شیخوخت ہے، پس جب انسان ساٹھ سال کی عمر تک پہنچ جائے تو یہ اس کی عمر کا آخر ہے۔ پھر اس کے اندر اس کی قوت کا ضعف ظاہر ہوتا ہے اور اس کے اعضاء کی قوت میں کمی نمودار ہوتی ہے اور وہ ڈھل جاتا ہے اور موت سے ڈرانے والا آ پہنچتا ہے، یہ وہ وقت ہے جس میں وہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے۔

راقم الحروف کا حال

اس سال یعنی ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء میری عمر چھہتر (۷۶) سال کی ہو چکی ہے۔ اور جیسا کہ علامہ عینی نے لکھا ہے اب مجھ پر ضعف کا غلبہ ہے اور تمام اعضاء میں قوت کی کمی نمودار ہو گئی ہے۔ صحیح البخاری کی شرح کی نویں جلد تک میں اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ پھر میرے ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں رہی کہ میں اپنے ہاتھ سے لکھ سکتا۔ میرے ہاتھ کپکپانے لگتے تھے اور صحیح نہیں لکھا جاتا تھا، الفاظ اور حروف ٹیڑھے لکھے جاتے تھے۔ مجھے انیس سو چوراسی (۱۹۸۴ء) میں ذیابیطس (شوگر) کے مرض کا عارضہ ہوا تھا جس کی وجہ سے میری شوگر اتنی بڑھ گئی کہ میں روٹی کھانے سے عاجز ہو گیا۔ میں صبح ناشتہ میں شوگر فری کے دو پاپے، دوپہر اور شام کو بران بریڈ کے دو سلائس کھا سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کھاؤں تو میری شوگر بڑھ جاتی ہے۔ اور انسان کو اصل قوت گندم کی روٹی سے حاصل ہوتی ہے وہ میں کھا نہیں سکتا۔ بعض اوقات دن کے دس بجے اور شام کے چار بجے دو کیلے کھا لیتا ہوں جس سے کچھ توانائی حاصل ہوتی ہے۔ سو! عمر کے تقاضے اور غذا میں کمی کی وجہ سے مجھے بہت زیادہ جسمانی کمزوری لاحق ہوئی ہے اور ایک لمبے عرصہ سے میری کمر میں درد ہے جس کی وجہ سے بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہے اور ہائی بلڈ پریشر ہے اور کولیسٹرول کی زیادتی ہے۔ ان دونوں امراض کی وجہ سے بھی بہت سارے پرہیز لازم ہیں۔ اور اب عرصہ ایک سال ہوا ایک نئی تکلیف پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے دونوں گھٹنوں کی ہڈیوں کے درمیان فاصلہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی بہت مشکل ہو گیا ہے اور نماز میں رکوع اور سجود نہیں ہو سکتا، اب کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں۔ ایک وقت تھا کہ میں نے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے منع کیا تھا لیکن اب بڑھاپے کی اور گھٹنوں کے درد کے عارضہ کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہوں۔ پہلے خود لکھتا تھا اب میرے عزیز شاگرد حافظ محمد جمشید سلمہ لیپ ٹاپ پر کمپوز کرتے ہیں اور میں بولتا ہوں، صبح ایک گھنٹہ بخاری شریف پڑھاتا ہوں اور دن میں ایک ایک گھنٹہ کی دو نشستوں میں صحیح بخاری شریف کی شرح لکھواتا ہوں، اس حال میں میری زندگی گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ (یٰس: ۶۸) اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) پلٹا دیتے ہیں۔

میں ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حالتِ ایمان میں چلتے ہاتھ پیروں کے ساتھ قائم رکھے اور مرتے وقت کلمہ طیبہ نصیب فرمائے۔ اور ہر وقت موت اور آخرت کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ صحیح البخاری کی :۶۴۱۹ کی شرح لکھوا رہا ہوں، اور اس کی کل احادیث: ۷۵۶۳ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے میں بھی دعا کرتا ہوں اور قارئین بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آسانی کے ساتھ یہ شرح مکمل کرادے اور جب تک سانس چلتا رہے اور مجھ میں ہمت اور استطاعت رہے، تصنیف و تالیف کا کام ہوتا رہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ مجھے انتیس سال سے شوگر کا عارضہ ہے اور میں شوگر اور دیگر میٹھی چیزیں نہیں کھا سکتا اور دماغ کی غذا اصل میں گلوکوز اور شوگر ہے، اور اس مرض کی وجہ سے میرے دماغ کو اتنا گلوکوز نہیں پہنچ سکتا جتنا گلوکوز پہنچنا چاہیے، اس وجہ سے دماغ بھی کمزور ہو گیا ہے اور نسیان کا عارضہ ہو گیا ہے۔ دماغی کام سے ذہن جلدی تھک جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے بہرحال یہ کام کرا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے حساب شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمر میں اتنی بیماریوں کے باوجود مجھے بہت لوگوں سے اچھے حال میں رکھا ہوا ہے، میں خواہ تکلیف ہو لیکن چل پھر لیتا ہوں اور اپنی ضروریات پوری کر لیتا ہوں، لوگوں کو شوگر کی وجہ سے جو سنگین بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان سے بچایا ہوا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے صرف اپنا محتاج رکھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے صرف اپنا محتاج رکھے اور لوگوں کی احتیاج سے بچائے رکھے۔ اور قارئین کرام دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تا دمِ حیات مجھ سے دین کا یہ کام کراتا رہے تا آنکہ میرا ایمان پر خیر و خوبی کے ساتھ خاتمہ ہو جائے۔ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم یہ ہے کہ ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ شرح صحیح مسلم کا انیسواں ایڈیشن شائع ہوا ہے اور تبیان القرآن کا دسواں ایڈیشن شائع ہوا ہے اور نعمۃ الباری کا پانچواں ایڈیشن شائع ہو چکا ہے اور ابھی حال میں جو ضیاء القرآن نے نعم الباری کی جلدیں شائع کی ہیں ان میں سے بھی آٹھویں اور نویں جلد کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ بھی اللہ عزوجل کا مجھ پر خصوصی فضل و کرم ہے کہ میری زندگی میں میری کتابوں کے اتنے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور آخرت کے تمام قسم کے عذاب سے اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

(غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۳۱ مارچ ۲۰۱۳ء

۶۴۲۰ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِي اثْنَتَيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْأَمَلِ قَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُوْنُسُ وَابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيْدٌ وَأَبُو سَلَمَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صفوان عبد اللہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہمیشہ بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں جوان ہوتا ہے: دنیا کی محبت میں اور لمبی امید میں۔ لیث بن سعد نے کہا ہے: مجھے یونس نے اور ابن وہب نے از

یونس حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید اور ابوسلمہ نے خبر دی۔

(صحیح مسلم: ۱۰۴۶، سنن ترمذی: ۲۳۳۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۴، مسند احمد: ۱۳۲۸۲)

صحیح البخاری: ۶۴۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قلب الکبیر" کبیر سے مراد ہے بوڑھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اثنتین" اس سے مراد ہے: دو خصلتوں میں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شابا" اس کا نام جوان رکھا، کیونکہ مال کی محبت میں اس کا دل مستحکم ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "طول الامل" اس کا معنی ہے لمبی امید، اور یہاں پر اس سے مراد ہے لمبی زندگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَكْبَرُ ابْنُ آدَمَ وَيَكْبَرُ مَعَهُ اثْنَانِ حُبُّ الْمَالِ وَطُولُ الْعُمُرِ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو خصلتیں بڑی ہوتی ہیں: مال کی محبت اور لمبی عمر۔ اس حدیث کی شعبہ نے از قتادہ روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۴۷، سنن ترمذی: ۲۳۳۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۳۴، مسند احمد: ۱۳۲۸۲)

صحیح البخاری: ۶۴۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یکبر" یعنی اس سن اور عمر میں بڑا ہو جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "یکبر معہ" یعنی اس کے ساتھ دو خصلتیں عظیم ہوتی ہیں۔

اس سے پہلی حدیث میں شباب کا ذکر کیا تھا اور شباب سے مراد ہے قوت میں اضافہ۔ اور اس حدیث میں کبر کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے عدد میں اضافہ۔ پس وہ باعتبار کیف کے ہے اور یہ باعتبار مقدار کے ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے: ان دو خصلتوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ابن آدم اپنے دل میں دو چیزوں کو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ ایک عمر ہے اور دوسرا مال کی بقا ہے۔ اور جب وہ محسوس کرتا ہے کہ اب اس کی زندگی سے کوچ کا وقت آ گیا ہے تو اس کی اس سے محبت بڑھ جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسانی زندگی کے ادوار

انسان کی زندگی کے چار دور ہیں، ایک دور بچپن کی عمر کا ہے، اس دور میں اس کی مسلسل نشوونما ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ دوسرا دور شباب کی عمر ہے جس عمر میں انسان کی نشوونما کامل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی قوت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ پینتیس سال کی عمر کو جب وہ پہنچ جاتا ہے تو قوت کا بڑھنا ٹھہر جاتا ہے اور جب وہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ اور تیسرا دور کہولۃ کی عمر ہے، یہ اس کی زندگی کا وہ دور ہے جس میں انحطاط اور کمی ظاہر ہوتی ہے اور قوت باقی رہتی ہے اور اس کی انتہاء اکثر احوال میں ساٹھ سال پر ہوتی ہے۔ پس جب وہ ساٹھ سال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اس میں قوت کا ضعف اثر انداز ہوتا ہے اور موت کے ڈرانے والے آ پہنچتے ہیں اور وہ بوڑھوں کی عمر میں آ پہنچتا ہے اور اس عمر میں اس کا انحطاط اور کمی زیادہ ہو جاتی ہے اور اخیر عمر تک اس کا ضعف ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اور یحییٰ بن یمان نے کہا کہ میں نے سفیان بن سعید سے سنا، وہ کہتے تھے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو پہنچ گیا اسے چاہیے کہ اپنے لیے کفن کو تیار کرے۔

امام مالک نے کہا ہے: ہم نے اپنے شہر کے اہلِ علم کو اس حال میں پایا کہ وہ دنیا کو طلب کرتے ہیں اور علم کو تلاش کرتے ہیں اور لوگوں سے مل جل کر رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی ایک کے چالیس سال مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر وہ لوگوں سے الگ ہو جاتے ہیں اور عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۱۳۔ ۴۱۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۱۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس عمر کے بعد عذر کی گنجائش نہیں ہے اس کے متعلق متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ انسان کو اتنی عمر عطا فرماتا ہے جس میں وہ نیکیاں کرے اور گناہوں سے بچے اور ثواب کا مستحق ہو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے۔ سو! اس کے لیے کتنی عمر کافی ہے اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ جتنی عمر کے بعد انسان کے پاس گناہوں سے بچنے کے لیے اور نیکیوں کے کرنے کے لیے عذر کی گنجائش نہیں رہتی تو وہ چالیس سال کی عمر ہے۔ اس کو امام طبری نے مسروق وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ (الاحقاف: ۱۵) حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ چھیالیس سال کی عمر ہے۔ امام ابن مردویہ نے اس کو از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی ہے۔ مگر اس حدیث کی سند میں ابن خثیم ہے وہ صادق ہے لیکن اس میں ضعف ہے۔

(۳) یہ ستر سال کی عمر ہے، اس کی امام ابن مردویہ نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے اور یہ آیت پڑھی ہے:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (فاطر: ۳۷) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص نصیحت قبول کرتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں ستر سال کی عمر والوں کو عار دلایا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن میمون راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(۴) یہ عمر ساٹھ سال ہے۔ اس قول کے قائلین نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور امام ابو نعیم نے المستخرج میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ عمر جس میں ابن آدم کا عذر زائل ہو جاتا ہے وہ ساٹھ سال ہے۔

(۵) ساٹھ اور ستر میں تردد ہے، اس کے متعلق بھی امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ جس کی عمر ساٹھ یا ستر سال ہو تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے متعلق اس کا عذر زائل فرما دیا۔ اور زیادہ صحیح قول وہی ہے جو اس باب کی حدیث ہے اور اس میں یہ حدیث بھی داخل ہو جاتی ہے کہ آرزوؤں کے لڑنے کی جگہ ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔ اس حدیث کی امام ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے۔

عذر زائل ہونے کا معنی

اس کا معنی یہ ہے کہ اب اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہے گا کہ اب اگر وہ یہ کہے کہ اگر اس کی عمر باقی رہتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاتا۔ اس سے یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں انتہائی لمبی عمر دے دی اور تمہیں اس عمر میں نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے پر قادر کر دیا۔ اور جب اس کے پاس اطاعت کے ترک کرنے کا کوئی عذر نہیں رہے گا جب کہ جو عمر اسے حاصل ہو چکی ہے اس میں وہ اس اطاعت کو کرنے پر قادر تھا تو اب سوائے استغفار کرنے کے اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہے اور سوائے اطاعت کرنے کے اور بالکلیہ آخرت کی طرف متوجہ ہونے کے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حجت پوری کیے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح کی ہے یہ وہی ہے جس کو علامہ عینی بیان کر چکے ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۷۴۔۷۸۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۔ بَابٌ: الْعَمَلِ الَّذِي يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ اس عمل کا بیان جس سے اللہ کی رضا کو طلب کیا جائے

فِيهِ سَعْدٌ اس باب کے مناسب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کونسا عمل ہے جس کو اللہ کی رضا کی طلب کے لیے قابلِ شمار قرار دینا چاہیے۔ یعنی جس عمل میں دکھاوا نہ ہو اور نہ سنانا ہو (یعنی وہ کسی کو دکھانے کے لیے یا کسی کو سنانے کے لیے کوئی نیک کام نہ کرے)۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ حدیث کتاب الجنائز میں اپنے طول کے ساتھ گزر چکی ہے "باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ" میں۔ یعنی حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مدینہ آئے، پھر مکہ آ کر بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر افسوس کیا کہ ان کی اسی جگہ وفات ہوگئی جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۶۔۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۲ ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ وَزَعَمَ مَحْمُودٌ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے محمود بن الربیع نے خبر دی اور حضرت محمود کا یہ زعم تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھا ہے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر سے ایک ڈول کے پانی سے ان کے منہ پر کلی کی تھی۔

(صحیح البخاری: ۷۷، ۱۸۹، ۸۳۹، ۱۱۸۵، ۶۳۵۴، ۶۴۲۲، سنن ابن ماجہ: ۶۶۰، مسند احمد: ۲۳۱۰۹)

صحیح البخاری: ۶۴۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے معاذ بن اسد، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "زعم" یہ اس لیے کہا کہ جب حضرت محمود بن ربیع کم عمر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ نے پانی پیا اور اس پانی سے حضرت محمود بن ربیع کے منہ کے اوپر (شفقت اور پیار سے) کلی فرمائی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٢٣ - قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَنْ يُوَافِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔

انہوں نے کہا: میں نے حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، پھر بنو سالم کے ایک شخص سے، انہوں نے کہا کہ صبح کو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی قیامت کے دن اس حال میں پیش ہوگا کہ اس نے یہ کلمہ پڑھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ، اور اس کو اس نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے پڑھا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کردے گا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۴، ۴۲۵، ۶۶۷، ۶۸۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۱۱۸۶، ۴۰۰۹، ۴۰۱۰، ۵۴۰۱، ۶۴۲۳، ۶۹۳۸، صحیح مسلم: ۳۳، سنن ابن ماجہ: ۷۵۴)

صحیح البخاری: ۶۴۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وجہ اللہ" یہ لفظ متشابہات میں سے ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ "وجہ" زائد ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ جس نے بطور حق یا بطور اخلاص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور بطور دکھاوے اور بطور سنانے کے نہیں کہا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "مگر اللہ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کردے گا"۔ اور اس سے پہلے کتاب الصلوٰۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس نے بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کردے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ وہاں یہ کہاں ہے کہ اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردے گا اور یہاں یہ فرمایا ہے کہ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کردے گا۔ پس ان دونوں جملوں میں کیا فرق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا جملہ حقیقت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ آگ ان چیزوں کو کھا جاتی ہے جو اس میں ڈالے جاتے ہیں اور تحریم فاعل کے مناسب ہے اور یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۷-۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٢٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةُ۔ (مسند احمد: ۹۱۲۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از عمرو بن سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندۂ مومن کیلئے میرے پاس اسکے سوا کوئی جزا نہیں ہے کہ جب میں اس کے صاف بچے کو اہل دنیا میں سے اٹھالوں پھر وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے تو میں اس کو جنت عطا کروں۔

صحیح البخاری: ۶۴۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ، یہ ابن سعید ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یعقوب بن عبدالرحمٰن ، یہ الاسکندرانی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ عمرو بن عمرو ہیں جو المطلب المخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں اور یہ حدیث امام بخاری کے تفرادات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم احتسبه "یعنی پھر وہ اس بچہ کی وفات کے او پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کو طلب کرے اور احتساب کا معنی ہے: اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اجر کو طلب کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صفیه "اس سے مراد ہے "الحبیب المصافی "یعنی خالص دوست جیسے بیٹا اور بھائی اور ہر وہ شخص جس سے انسان محبت کرتا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۸،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی باب سابق کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب سے پہلے باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی تو اس کے عمل نہ کرنے کے عذر کو اللہ تعالیٰ نے زائل کر دیا۔امام بخاری کو یہ خوف ہوا کہ اس سے یہ گمان کیا جائے گا کہ جس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر دائما کاربند رہا تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی وعید نافذ ہو جائے گی ،اس لئے اس کے بعد امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی جو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کلمہ طیبہ جب اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ پڑھنے والے کو نفع پہنچائے گا۔اور اس سے یہ اشارہ کیا کہ کلمۂ اخلاص کو پڑھنا کسی عمر والے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ دوسری عمر کے ساتھ اس کا فائدہ نہ ہو۔

اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ توبہ اس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک انسان اس حد پر نہ پہنچے جس حد کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اس حد تک پہنچنے کے بعد توبہ مقبول نہیں ہوتی اور وہ ہے کہ انسان غرغرہ موت تک پہنچ جائے ،یعنی جب روح اس کے جسم سے نکالی جائے اور وہ اس کے گلے تک پہنچ جائے اور اس کو آخرت کی نشانیاں دکھائی جارہی ہوں ۔اور ابن المنیر نے بھی اس کی پیروی کی ہے،انہوں نے کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اعذار تو بہ کو منقطع نہیں کرتے ۔اعذار اس جہت سے منقطع ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے اپنے فضل سے قائم کیا ہے اور اس کے باوجود امید باقی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۲۴ میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میرے مومن بندہ کی میرے پاس اس کے سوا کیا جزا ہے جب دنیا والوں میں سے میں اس کے محبوب بندہ کی روح قبوض کرلوں تو اس کو جنت عطا فرماؤں''۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے اپنے محبوب بندہ کی وفات کے او پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

جس شخص کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو تو اس کے متعلق جنت کی بشارت

علامہ ابن بطال نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا اور اس کا ایک بیٹا تھا تو وہ ان کے ساتھ مل جائے گا جو اس سے پہلے اس کے تین بیٹے یا دو بیٹے فوت ہو چکے ہوں۔ اسی طرح اس سے پہلے گزرا ہے صحابی کا قول ہے اس شخص کی فضیلت جس کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو۔ یہ باب کتاب الجنائز میں ہے۔ اس باب میں مذکور ہے: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جس کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو، کیونکہ حدیث میں آپ نے تین کم سن بیٹوں یا دو کم سن بیٹوں کی وفات پر صبر کرنے والوں کو اجر اور جنت کی بشارت دی ہے۔ اور یہ اس سے مانع نہیں ہے کہ جس کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہو۔ پس ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بعد یہ سوال کیا گیا ہو کہ جس شخص کا ایک بیٹا فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو تو اس کا کیا اجر ہوگا تو آپ نے اس کی خبر دی۔ یا آپ کو یہ علم دیا گیا ہو کہ ایک کا بھی وہی حکم ہے جو زیادہ بیٹوں کی وفات پر صبر کرنے کا حکم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے کہ یہ کس نے سوال کیا تھا اور وہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ پھر ہم نے آپ سے ایک کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔ اور مجھے اب تک یہ نہیں مل سکا کہ ایک کے متعلق سوال کرنے والا کون تھا۔ پھر میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت دیکھی جس کی امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، حضرت جابر بیان کرتے ہیں: ہم نے کہا: یا رسول اللہ! جس نے دو بیٹوں کی وفات پر صبر کیا ہو، تو آپ نے فرمایا: دو بیٹوں کی وفات پر بھی! محمود نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: میرا گمان ہے کہ اگر آپ لوگ ایک کے متعلق سوال کرتے تو آپ ایک کے متعلق بھی خبر دے دیتے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہی گمان کرتا ہوں۔ اور اس حدیث کی سند کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔

اور امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے تین بیٹے فوت ہو گئے اس نے جنت کو واجب کر لیا، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اور جس کے دو بیٹے فوت ہوئے ہوں تو آپ نے فرمایا: جس کے دو بیٹے فوت ہوئے ہوں۔ اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے یا ایک۔ اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

اور امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں اور المعجم الاوسط میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے تین بچوں کو دفن کیا اور ان پر صبر کیا۔۔۔ الحدیث۔۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے پس ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا ایک۔۔ پھر آپ خاموش رہے۔۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! جس نے ایک بیٹے کو دفن کیا اور اس پر صبر کیا اور اس میں ثواب کی نیت کی تو اس کے لیے بھی جنت واجب ہوگی۔ اور ان دونوں حدیثوں کی سند میں ناصح بن عبد اللہ ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔ اور اس باب کی حدیث کی اس پر دلالت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں الصفیہ کا لفظ ہے، وہ عام ہے کہ بیٹا ہو یا کوئی اور ہو،

کیونکہ اس کا معنی ہے: جو مرنے والا اس شخص کو محبوب ہو۔ اور آپ نے اس کا علیحدہ ذکر کیا اور اس پر جنت کے ثواب کو مرتب کیا جس کا وہ محبوب بندہ فوت ہو گیا ہو اور اس نے اس پر ثواب کی نیت سے صبر کیا ہو۔

اور اس حدیث میں وہ بھی داخل ہو جائے گا جس کو امام احمد اور امام نسائی نے حضرت قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا ہوا کرتا تھا، آپ نے پوچھا: کیا تم اس بیٹے سے محبت کرتے تھے، اس نے کہا: جی ہاں! پھر اس نے اس بیٹے کو گم پایا، آپ نے پوچھا: اس شخص کو کیا ہوا؟ صحابہ نے بتایا: یا رسول اللہ! اس کا بیٹا فوت ہو گیا، تو آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی جاؤ تو تمہارا بیٹا وہاں تمہارا انتظار کر رہا ہو، ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ بشارت اس شخص کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے؟ آپ نے فرمایا: یہ بشارت تم سب کے لیے ہے۔ اور اس کی سند صحیح حدیث کی شرط کے مطابق ہے۔ اور اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۹۔ ۴۸۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ ھ)

نفوسِ قدسیہ کا ایک وقت میں متعدد جگہوں پر حاضر ہونا

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے امام احمد اور امام نسائی کے حوالہ سے جو حضرت قرۃ بن ایاس کی حدیث ذکر کی ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ جنت کے ہر دروازہ کی یہ صفت ہوگی کہ اس شخص کا بیٹا وہاں اس شخص کے استقبال کے لیے کھڑا ہوگا، یعنی بہ یک وقت اس کا بیٹا جنت کے تمام دروازوں پر موجود ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں متعدد مقامات پر ہو سکتا ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ شب معراج حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر میں نماز بھی پڑھ رہے تھے اور مسجد اقصیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں بھی نماز پڑھ رہے تھے اور اسی وقت چھٹے آسمان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استقبال کے لیے بھی موجود تھے۔ سو! معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اور کاملین کو یہ فضیلت عطا فرماتا ہے کہ وہ ایک وقت میں اجساد مکتسبہ یا اجساد مثالیہ کے ساتھ متعدد جگہوں پر جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تارکِ نماز کی تکفیر یا عدم تکفیر کی بحث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کو طلب کرنے کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نماز کا تارک ہو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک اس کے دو جواب ہیں:

(۱) نماز کے ترک کی قید سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے صرف نماز کو ترک نہیں کیا بلکہ زکوٰۃ کو بھی ترک کیا اور روزہ کو بھی اور حج کو بھی تو اس پر بھی دوزخ حرام ہو جائے گی۔ تو کیا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ نماز کو ترک کرے۔ سو جو شخص نماز کو

ترک کرے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اخلاص سے پڑھتا ہے تو ہم کہیں گے: تم جھوٹ بولتے ہو: اگر تم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اخلاص سے پڑھتے تو تم نماز بھی پڑھتے۔

(۲) ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اور نماز کو ترک کرنے کی جو نصوص ہیں وہ خاص ہیں۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا وہ ان نصوص کی وجہ سے اس حدیث سے خارج ہو جائے گا جن میں یہ تصریح ہے کہ نماز کا ترک کرنا کفر ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۹۷۔۲۹۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار

شیخ ابن عثیمین نے وہ احادیث ذکر نہیں کیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نماز کا عمداً ترک کرنا کفر ہے۔ تاہم اس قسم کی احادیث موجود ہیں:

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے، سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(سنن ترمذی: ۲۶۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۱ ص ۳۴، مسند احمد: ج ۵ ص ۳۴۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۹، صحیح ابن حبان: ۱۴۵۴، الکامل لابن عدی: ج ۳ ص ۸۹۶، المستدرک ج ۱ ص ۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندے اور شرک کے درمیان صرف نماز کو ترک کرنا ہے اور جب بندہ نے نماز کو ترک کیا تو اس نے شرک کیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۰، مسند ابو یعلیٰ: ۴۱۰۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے ظاہراً کفر کیا۔

(المعجم الاوسط: ۳۳۴۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۸)

نیز علامہ سیوطی نے تارکِ نماز کے متعلق متعدد احادیث نقل کی ہیں:

(۱) امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے، جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(۲) امام طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سات چیزوں کی نصیحت فرمائی، فرمایا: اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تم کو جلا دیا جائے یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے، اور نماز کو عمداً ترک نہ کرو، کیونکہ جس نے نماز کو عمداً ترک کیا وہ ملتِ اسلام سے نکل گیا اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پیو کیونکہ اس میں تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

(۳) امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

(۴) امام طبرانی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان نماز ہے، جس

نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔

(۵) امام ابن حبان حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارش کے دن جلدی نماز پڑھ لو، کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(۶) امام اصبہانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ سے بری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔

(۷) امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے، اور ایک روایت میں ہے: اس نے کفر کیا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۴-۲۹۸، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

تارکِ نماز کے متعلق امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جس نے ایک وقت کی نماز ترک کی اور وقت گزر گیا تو اس کو قید کر دیا جائے اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو جائے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مسلمان جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتا ہو، اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کی شہادت دیتا ہو اس کو صرف تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے: اس نے کسی بے قصور مسلمان کو قتل کیا ہو، شادی شدہ زنا کرنے والا ہو یا دین سے نکلنے والا ہو یعنی جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۸، صحیح مسلم: ۱۶۷۶، سنن ترمذی: ۱۴۰۲، سنن نسائی: ۴۰۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۴، مسند احمد: ۳۶۱۴، سنن دارمی: ۲۲۹۸)

تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کی احادیث کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب

امام ابوحنیفہ تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کی احادیث کو تغلیظ اور زجر و توبیخ پر محمول کرتے ہیں اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ نماز کو ترک کرنا کافروں کا فعل ہے اور یہ صورتاً کفر ہے حقیقتاً کفر نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی تارکِ نماز کے حداً قتل کرنے کو واجب کہتے ہیں، ان کا قول ضعیف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ ایک ضعیف قیاس ہے کہ سب سے بڑا حکم نماز کا ہے اور سب سے بڑی ممانعت قتل کی ہے، اور امام محمد جو تارکِ نماز کو کافر کہتے ہیں یہ قول خارجیوں کے مذہب کے مشابہ ہے جو گناہوں کے سبب سے مومن کی تکفیر کرتے ہیں۔

۷- بَابُ: مَا يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَالتَّنَافُسِ فِيهَا
دنیا کی تر و تازگی اور اس کی خوش نمائی اور اس میں رغبت کرنے سے ڈرانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں ''زهرة الدنیا'' کا ذکر ہے، یعنی دنیا کی رونق اور اس کی تر وتازگی اور اس کی خوش نمائی۔ اور اس باب کے عنوان میں ''تنافس'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز میں رغبت کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۵ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ كَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِهِ فَوَافَتْهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا انْصَرَفَ تَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ رَآهُمْ وَقَالَ أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ وَأَنَّهُ جَاءَ بِشَيْءٍ قَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ، انہوں نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت عمرو بن عوف جو کہ بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے اور وہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو البحرین کی طرف بھیجا کہ وہ وہاں سے جزیہ لے کر آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اہل البحرین سے صلح کی تھی اور ان کے اوپر حضرت العلاء بن الحضرمی کو امیر بنایا تھا۔ پھر حضرت ابوعبیدہ بحرین سے مال لے کر آئے، انصار نے ان کے آنے کی خبر سنی تو وہ صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہنچ گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے مڑ کر دیکھا تو وہ آپ کے سامنے پیش ہوئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو آپ مسکرائے اور آپ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ تم کو یہ خبر مل گئی ہے کہ ابوعبیدہ آئے ہیں اور وہ کچھ مال لے کر آئے ہیں، تو انصار نے کہا: جی ہاں! یارسول اللہ، آپ نے فرمایا: پس خوشخبری لو اور اس کی امید رکھو جو تم کو خوش کرے، پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر تنگدستی کا خوف نہیں ہے لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر دنیا کشادہ کی گئی۔ پھر تم دنیا میں رغبت کرو گے جیسا کہ انہوں نے دنیا میں رغبت کی تھی، اور وہ (دنیا) تم کو عبادت سے غافل کر دے گی جیسا کہ ان کو عبادت سے غافل کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۸، ۴۰۱۵، ۶۴۲۵، صحیح مسلم: ۲۹۶۱، سنن ترمذی: ۲۴۶۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۷، مسند احمد: ۱۶۷۸۳)

صحیح البخاری: ۶۴۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''دنیا میں رغبت کرنے سے ڈرانا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کردی جائے گی، پھر تم دنیا میں رغبت کرو گے اور دنیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کردے گی۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن عبداللہ، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، یہ ابن ابی عیاش ہیں جو اپنے چچا موسیٰ بن ابی عیاش الاسدی سے روایت کرتے ہیں جو حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المسور، یہ ابن مخرمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عوف الانصاری۔

اس سند میں اسماعیل بن ابراہیم کا ذکر ہے جن سے روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔ اور اس میں ایک درجہ کے تین تابعی ہیں اور وہ ہیں موسیٰ، ابن شہاب اور عروہ بن الزبیر۔ اور اس سند میں دو صحابی ہیں اور وہ حضرت المسور اور حضرت عمر بن عوف رضی اللہ عنہما ہیں اور یہ سب مدنی ہیں۔

یہ حدیث ''باب الجزیۃ والموادعۃ مع اهل الذمۃ والحرب'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''البحرین'' کا ذکر ہے۔ یہ خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس کا رقبہ اڑھائی سو مربع میل ہے اور ۱۹۷۲ء میں اس کی آبادی دو لاکھ کے قریب تھی۔ (معجم البلدان اردو ص ۶۱)

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آئے''۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دس ہجری میں آئے تھے اور ایک لاکھ اسی ہزار درہم مالِ غنیمت لے کر آئے تھے۔ اور قتادہ نے کہا: یہ مال اسی ہزار تھا۔

الزہری نے بیان کیا کہ وہ رات کے وقت آئے تھے اور ابن حبیب نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال لایا گیا تھا یہ ان میں سب سے زیادہ مال تھا۔ قتادہ نے کہا: آپ نے تمام مال ایک چٹائی پر پھیلا دیا اور کسی سائل کو اس سے محروم نہیں کیا۔ اور بحرین کے رہنے والے مجوسی تھے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مجوس سے جزیہ لینا جائز ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وتلھیکم'' یعنی دنیا کے مال کی کثرت تم کو آخرت سے غافل کر دے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۹۔۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد برحق ہے۔ ہمارے دور میں لوگوں کے پاس دنیا کے مال کی بہت کثرت ہے، سعودی عرب، لیبیا اور ایران میں سیال تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر نکل آئے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے پاس مال و دولت کی بہت فراوانی ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بھی وڈیروں اور کارخانوں کے مالکان کے پاس بہت پیسہ ہے اور دولت مند لوگ یادِ خدا سے غافل ہیں، عبادت سے قاصر ہیں اور دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت میں مشغول رہتے ہیں، سعودی شہزادے یورپی ممالک میں جا کر جوا کھیلتے ہیں اور لاکھوں ریال میز پر ہار کر اٹھتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں لوٹ مار کا بازار گرم ہے، مختلف پارٹیاں بھتہ لیتی ہیں، اور اغواء برائے تاوان کرتی ہیں اور لوگوں کی جان، مال اور عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔ اور لوگ اسلحہ لے کر پھرتے ہیں، راہ چلتے لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور کسی کی بھی مال و دولت کی حرص کم نہیں ہوتی۔ ہمارے حکمران اربوں ڈالر سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں محفوظ کرا لیتے ہیں اور بین الاقوامی تجارت پر ناجائز کمیشن لیتے ہیں۔ اور یہ سب نتیجہ ہے دنیا میں رغبت اور مال میں حرص کا اور زہد اور قناعت کے نہ ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ اس صورتِ حال سے ہم سب کو محفوظ اور مامون فرمائے۔ آمین

۶۴۲۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطُكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب، از ابی الخیر از حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے باہر نکلے، پس آپ نے اہلِ احد کے اوپر نماز پڑھی جیسی جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر آپ منبر کی طرف واپس آئے، پس آپ نے فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں، اور میں تمہارے حق میں شہادت دینے والا ہوں، اور بے شک اللہ کی قسم! میں ضرور اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں، اور بے شک مجھے تمام زمینوں کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں، یا فرمایا: تمام زمینوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر اس کا خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴۴، ۳۵۹۶، ۴۰۴۲، ۴۰۸۵، ۶۴۲۶، ۶۵۹۰، صحیح مسلم: ۲۲۹۶، سنن نسائی: ۱۹۵۴، مسند احمد: ۱۶۸۹۳)

صحیح البخاری: ۶۴۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اللیث، یہ ابن سعد ہیں۔ اور بغیر الف لام کے لیث کی بھی روایت کی گئی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن ابی حبیب، اور ان کا نام سوید ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالخیر، یہ مرثد بن عبداللہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اہلِ احد کی طرف گئے اور آپ نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں نمازِ جنازہ سے مراد اہلِ احد کے لیے وہ دعا کرنا ہے جو میت کی نمازِ جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ اور یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداءِ احد کو ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے پہلے دفن کر دیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

فقہاءِ احناف کا مذہب بیان کرنے میں علامہ عینی کا تسامح

میں کہتا ہوں: یہاں پر علامہ عینی کو تسامح ہوا ہے، کیونکہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی کیونکہ وہ زندہ ہیں اور زندہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ اور اس کے برخلاف فقہاءِ احناف کا مذہب یہ ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہ زندہ ہیں تو ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ شہداء کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور زندہ کو تو دفن نہیں کیا جاتا۔ اور شہداء کی بیوی سے دوسرا مسلمان نکاح کر سکتا ہے اور زندہ کی بیوی سے تو نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور شہداء کا ترکہ تقسیم ہو جاتا ہے اور زندہ کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اور نمازِ جنازہ پڑھنا میت کا مسلمانوں پر حق ہے، اس لیے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور شہداءِ احد کی اس وقت نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی لیکن بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف گئے تو پھر آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اور اس حدیث میں فقہاءِ احناف کی دلیل ہے اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے، لہٰذا اس حدیث کی اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کہ یہاں نمازِ جنازہ سے مراد صرف دعا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

فقہائے احناف کے مذہب کی تصریح

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

شہید وہ شخص ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا یا وہ میدانِ جنگ میں پایا گیا اور اس پر زخم کا اثر تھا یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس کو قتل کرنے سے دیت واجب نہیں ہوئی۔ سو اس کو کفن دیا جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ شہدائے احد کے حکم میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: ان شہداء کو ان کے زخم اور ان کے خون سمیت ڈھانپ دو اور ان کو غسل نہ دو، پس ہر وہ شخص جس کو ہتھیار سے ظلماً قتل کیا گیا اور وہ پاک ہو اور بالغ ہو اور اس کے عوض کوئی

مالی عوض واجب نہ ہوتو وہ شہداء کے معنی میں ہے، پس ان کے ساتھ اس کو ملایا جائے گا اور اثر سے مراد زخم ہے کیونکہ وہ قتل پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح خون کا غیر عادی جگہ سے نکلنا مثلاً آنکھ سے تو وہ بھی زخم پر دلالت کرتا ہے اور امام شافعی نمازِ جنازہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے، پس وہ شفاعت سے مستغنی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا اس کی کرامت کے اظہار کے لیے ہے اور شہید اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے اور جو گناہوں سے پاک ہوتا ہے وہ دعا سے مستغنی نہیں ہوتا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نابالغ بچہ۔ (ہدایہ اولین ص ۱۹۸۔ ۱۹۷، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنا فقہاءِ احناف کا مذہب ہے اور علامہ عینی نے جو زیرِ بحث حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ شہید کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی، کیونکہ شہدائے احد کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تھا، سو یہ ان کا تسامح ہے اور علامہ عینی کے مزید مسامحات کو ہم درجِ ذیل عبارت میں واضح کر رہے ہیں۔

علامہ عینی کے تسامح پر دلائل

علامہ عینی حنفی نے صحیح البخاری: ۱۳۴۴، کی شرح میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہی اس پر استدلال کیا ہے کہ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کے متعدد جوابات دیے ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی نفی ہے اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا اثبات ہے اور اثبات کی حدیث نفی کی حدیث پر راجح ہوتی ہے۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد اور چچا کی تجہیز اور تکفین کے کاموں میں مشغول تھے اور اس سلسلہ میں مدینہ بھی گئے تھے، پھر جب انہوں نے یہ اعلان سنا کہ شہید کو وہیں دفن کیا جائے جہاں ان کی لاشیں گری ہیں تو انہوں نے ان کی تدفین میں جلدی کی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی تدفین کے وقت حاضر نہیں تھے، علاوہ ازیں الاکلیل میں یہ حدیث مذکور ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر دیگر شہداء کو لایا گیا اور ان کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ دیا گیا، پھر آپ نے ان سب کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۴۹۶، المستدرک ج ۳ ص ۱۹۹)

(۳) ہمارے اصحابِ احناف نے جن روایات سے شہید کی نمازِ جنازہ پر استدلال کیا ہے، ان کی تعداد شہید پر نماز کی نفی کی روایات سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) فوت شدہ مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا دین میں اصل ہے اور فرضِ کفایہ ہے اور یہ کسی کے فعل کے متعارض کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی۔

(۵) اگر شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنا ناجائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے جس طرح آپ نے شہید کو غسل دینے سے منع فرما دیا۔

(۶) بر تقدیرِ تنزل ہم یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ غزوۂ احد کے دن آپ نے شہداء کی نماز نہ پڑھی ہو اور دیگر صحابہ نے پڑھی ہو، اس لیے آپ نے خود بعد میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(۷) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس دن شہداء احد کی نماز نہ پڑھی ہو، کیونکہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی اور خون آلود تھا اور آپ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بہت رنج تھا، اور کسی اور دن آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہو، جیسا کہ صحیح البخاری: ۴۰۴۲ میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے آٹھ سال بعد شہداء احد کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(۸) یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے شہداء احد کے علاوہ دوسرے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے، کیونکہ آپ نے حضرت جعفر، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت رواحہ رضی اللہ عنہم کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی ہے۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۲۱۱، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۳۵، دار الفکر، ملا علی قاری نے لکھا ہے: یہ غائبانہ نماز ان کی خصوصیت تھی: مرقاۃ ج ۴ ص ۱۴۱، مکتبہ حقانیہ)

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا، وہاں ۱۳۰ مسلمان شہید ہوئے، ان کی نماز جنازہ حضرت عمرو بن العاص نے پڑھائی۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۱۹)

(۹) حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عقبہ کی حدیث میں ''صلی'' کا معنی ہے: آپ نے ان کے لیے دعا کی اور استغفار کیا، کیونکہ حضرت عقبہ نے فرمایا: آپ نے ان کی اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۴۔ ۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی عبارت کے اس حوالہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۲۳ میں اس حدیث کی شرح لکھتے وقت یہ بھول گئے کہ وہ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۵۔ ۲۲۴ میں اس حدیث کی شرح میں کیا لکھ چکے ہیں۔ غالباً علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح التوضیح میں دیکھی اور اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہاں ''صلی'' کا معنی دعا ہے، کیونکہ قبر پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی کیونکہ وہ شہداء ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۲۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سو! علامہ عینی نے اس مقام پر علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح دیکھ کر اسی کے مطابق یہاں شرح کر دی اور یہ بھول گئے کہ وہ عمدۃ القاری ج ۸ میں اس کے برخلاف لکھ چکے ہیں۔ اور اس پر بھی توجہ نہیں کی کہ جو کچھ انہوں نے یہاں لکھا ہے وہ شوافع کا مذہب ہے اور فقہاء احناف کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔

مصنف کی علامہ عینی کے مقابلہ میں تواضع اور انکسار

علامہ بدر الدین عینی حنفی بہت بڑے عالم ہیں اور میں ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم ہوں، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بڑوں کی کسی چیز کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور چھوٹوں کی اس چیز کی طرف توجہ ہو جاتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چھوٹا ان بڑوں سے بڑھ گیا۔ میں خود بہت ہلکو ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس مقام پر میرے ذہن میں فقہاء احناف کا مذہب اور علامہ عینی کی سابق شرح کو تازہ رکھا، لہٰذا میں نے اس پر تنبیہ کرنے کو ضروری سمجھا، اس سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ میرا علم علامہ عینی سے زیادہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۶ کے دیگر فوائد، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اور علم کی وسعت، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام خزانوں کا مالک ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ (تمام) مسلمان مشرک نہیں ہوں گے اور دنیا میں رغبت کریں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت

(۱) اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ یہ حوضِ کوثر تو قیامت کے دن میدانِ حشر میں قائم ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان موجود ہوتے تھے اور بہ ظاہر صرف صحابہ کو دیکھ رہے ہوتے تھے، اس وقت آپ کی نظر سے آئندہ ہونے والے واقعات اور میدانِ محشر میں قائم ہونے والا حوض بھی اوجھل نہیں تھا، کیونکہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں اب بھی ضرور اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نظر میں یہ وسعت عطا فرمائی ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں ہے اور ہزاروں سال بعد موجود ہوگی اس کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیتے تھے اور آپ کو اس دیکھنے پر یقین ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو دیکھنے پر قسم کھائی۔

حیرت ہے کہ بعض علماء دیوبند نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کمالِ رؤیت کا اور آپ کی وسعتِ علم کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روئے زمین کے تمام خزانوں کا مالک بنا دیا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی ہیں''۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ کے بعد بعض مسلمان دین سے مرتد ہو کر مشرک ہو گئے تھے خواہ جبراً ہوئے یا اختیاراً ہوئے، جیسے اندلس میں کئی مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا دیا گیا اور بھارت میں کئی مسلمانوں کو جبراً ہندو بنا دیا گیا، شدھی کر دیا گیا۔ اور اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی وسعت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کے بعد تمام مسلمان مشرک نہیں ہوں گے اور الحمدللہ! آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اور اس میں ان علماء دیوبند کا بھی رد ہے جو بات بات پر مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں اور یا رسول اللہ کہنے پر تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بعض علومِ غیبیہ کے ماننے کو بھی شرک قرار دیتے ہیں۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا کے اکثر مسلمان مشرک ہو چکے ہیں اور یہ اس حدیث کی تصریح کے خلاف ہے۔

(۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس علم غیب کا ثبوت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے اور ایسا ہی ہوا۔

(۵) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حوض کی خبر دی ہے اور یہ غیب کی خبر ہے اور آپ کا معجزہ ہے۔ یہ فائدہ علامہ عینی نے لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ أَكْثَرَ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید خدری

أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللهُ لَكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ قِيلَ وَمَا بَرَكَاتُ الْأَرْضِ قَالَ زَهْرَةُ الدُّنْيَا فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ هَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَصَمَتَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنَزَّلُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَعَلَ يَمْسَحُ عَنْ جَبِينِهِ فَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ لَقَدْ حَمِدْنَاهُ حِينَ طَلَعَ ذَلِكَ قَالَ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَإِنَّ كُلَّ مَا أَنْبَتَ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرَةِ أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ فَاجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ وَإِنَّ هَذَا الْمَالَ حُلْوَةٌ مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ۔

رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا مجھے تم پر زیادہ خطرہ ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے زمین کی برکتوں سے (پیداوار) نکالے گا، عرض کیا گیا: اور زمین کی برکتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی تروتازگی، رونق اور زیب وزینت، ایک مرد نے پوچھا: کیا خیر کے بدلہ میں شر آئے گی؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ اپنی پیشانی سے (پسینہ) پونچھنے لگے، آپ نے فرمایا: وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں حاضر ہوں، حضرت ابوسعید نے بیان کیا: ہم نے اس سائل کی تعریف کی جب وہ ظاہر ہوا، آپ نے فرمایا: خیر کے بدلہ میں صرف خیر آتی ہے، بے شک یہ مال سرسبز میٹھا ہے اور بے شک جس چیز کو نہر کا پانی اگاتا ہے وہ حرص کے ساتھ زیادہ کھانے والوں کا پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے سوائے اس جانور کے جس نے پیٹ بھر کر کھایا یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں بھر گئیں تو اس نے سورج کی طرف منہ کر کے جگالی کر لی، پھر اس نے لید اور پیشاب کر دیا، پھر لوٹ کر پھر کھانا شروع کر دیا اور یہ مال میٹھا ہے، جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور اس کو حق کی جگہ میں رکھا تو یہ اس کے لیے اچھی مدد ہے اور جس نے اس مال کو ناحق طریقہ سے لیا یہ اس کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۹۲۱، ۱۴۶۵، ۲۸۴۲، ۶۴۲۷ صحیح مسلم: ۱۰۵۲، سنن نسائی: ۲۵۸۱، مسند احمد: ۱۱۴۵۵)

صحیح البخاری: ۶۴۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "دنیا کی تروتازگی" اور اس حدیث میں بھی ذکر ہے کہ زمین کی برکات سے مراد ہے دنیا کی تروتازگی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوسعید خدری،

ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اور ان کی نسبت خدر کی طرف ہے، وہ انصار کی ایک شاخ ہے۔

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے اندر ''باب الصدقۃ علی الیتامی'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس چیز کا مجھے تم پر زیادہ خطرہ ہے'' اور کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے ''جس چیز کا مجھے اپنے بعد تم پر زیادہ خطرہ ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''زہرۃ الدنیا'' اور کتاب الزکوٰۃ میں یہ اضافہ ہے ''وزینتھا'' یعنی دنیا کی تروتازگی اور اس کی زینت۔ اور ''زَھو'' میں اگر زاء پر زبر ہو تو اس سے مراد ہے کسی چیز کا حسن۔ اور اگر زاء اور ہاء دونوں پر زبر ہو یعنی زَهَرَة تو پھر اس سے مراد ہے زینت اور رونق اور یہ ''زھرۃ الشجرۃ'' سے ماخوذ ہے۔ اور اس سے مراد ہے انواع واقسام کا سامان اور کپڑے اور کھیت اور ایسی دوسری چیزیں جن کے حسن کو دیکھ کر انسان دھوکہ میں پڑ جاتا ہے جب کہ ان چیزوں کی بقاء بہت کم ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سو! ایک مرد نے کہا'' اس مرد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا خیر کے بدلہ میں شر آئے گا؟'' یعنی کیا نعمت سزا بن جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ہم نے اس مرد کی تعریف کی جب وہ ظاہر ہوا''۔

یعنی ہم نے اس مرد کی تعریف کی جب وہ اس طرح ظاہر ہوا، اور کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے کہ پہلے صحابہ نے اس کی مذمت کی تھی اور کہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کر رہے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے بات نہیں کر رہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اس کی مذمت کی اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سوال سن کر خاموش ہو گئے تو پھر انہوں نے اس کی تعریف کی، کیونکہ اس کا سوال صحابہ کرام کا اس سے استفادہ کا سبب بن گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خضرۃ'' اس میں تاء یا تو مبالغہ کے لیے ہے جیسے رجل اور علامۃ میں ہے، یا یہ موصوف کی صفت ہے جیسے ''بقلۃ خضرۃ'' یعنی سرسبز سبزی، یا مال کی اقسام کے اعتبار سے۔ ابن الانباری نے کہا: یہ مال کی صفت نہیں ہے، یہ تشبیہ کے لیے ہے گویا کہ آپ نے فرمایا کہ مال سرسبز اور میٹھی سبزی کی طرح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الربیع'' اس کا معنی ہے چھوٹا دریا یعنی نہر، اور اس کی جمع الاربع آتی ہے۔ اور اگانے کی نسبت نہر کی طرف کرنا مجازِ عقلی ہے اور حقیقت میں پیدا کرنے والا اللہ عزوجل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حبطا'' اس کا معنی ہے بسیار خوری کی وجہ سے پیٹ کا پھول جانا۔ کہا جاتا ہے ''حبطت الدابۃ'' یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی جانور کسی اچھی چراگاہ میں خوب زیادہ کھائے حتیٰ کہ اس کا پیٹ پھول جائے، پھر وہ مر جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاجترت'' یہ لفظ اجترار سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: اونٹ اپنے معدہ سے کھائی ہوئی چیزوں کو منہ کی طرف لائے، پھر ان کو دوبارہ چبائے اور ہر لقمہ جرہ کہلاتا ہے، اس کو جگالی کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وثلطت'' علامہ ابن التین نے کہا: یعنی جو کچھ اس نے اپنے پیٹ میں کھایا تھا اس کو لید کی صورت میں نکال دے، اور اس سے غرض یہ ہے کہ تمام مال حرام نہیں ہے لیکن اس مال کو کثرت کے ساتھ حاصل کرنا مضر ہوتا ہے بلکہ ہلاکت

کا سبب بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فنعم المعونة هو" یعنی جس مال کو اس نے حق کے ساتھ حاصل کیا اور حق کے ساتھ خرچ کیا تو وہ مرد کے لیے دنیا اور آخرت میں اچھا مددگار ہے۔ صاحب المغرب نے کہا ہے کہ "المعونة" کا معنی ہے العون یعنی مدد۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ مصدر میمی ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں مومن کے لیے مثال دی ہے کہ وہ دنیا سے صرف اتنا حصہ لے جتنا اس کی ضرورت ہو اور دنیا کی رونق اور زیب وزینت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے ورنہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰۔ ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَمْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَمَا أَدْرِي قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَنْذُرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو جمرہ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے زہدم بن مضرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ)، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (یعنی تابعین)، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین)، حضرت عمران نے کہا: میں نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے بعد دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ فرمایا، پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے اور ان کی گواہی طلب نہیں کی جائے گی اور وہ خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے اور وہ نذر مانیں گے اور نذر پوری نہیں کریں گے، اور ان میں فربہی (یعنی موٹاپا) ظاہر ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۱، ۳۶۵۰، ۶۴۲۸، ۶۶۹۵، صحیح مسلم: ۲۵۳۵، سنن ترمذی: ۲۲۲۲، سنن نسائی: ۳۸۰۹، سنن ابو داؤد: ۴۶۵۷، مسند احمد: ۱۹۳۳۴)

صحیح البخاری: ۶۴۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ بلا طلب شہادت دینا اور امانت میں خیانت کرنا اور نذر پوری نہ کرنا، یہ وہ امور ہیں جو دنیا اور اس کی تر و تازگی کی طرف رغبت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، یہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو جمرہ، یہ نصر بن عمران الضبعی ہیں۔ اور شعبہ نے اس کو ابوحمزہ (حاء کے ساتھ) ذکر کیا ہے لیکن یہ صرف مسلم کی سند میں ہے بخاری کی سند میں نہیں ہے۔ اور بخاری کی سند میں ابو جمرہ ہی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہدم، یہ جعفر کے وزن پر ہے، یہ ابن مُضرِّب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ویخونون" یعنی وہ ظاہراً خیانت کریں گے حتیٰ کہ لوگوں کا ان پر اعتماد نہیں رہے گا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا" یعنی وہ تکبر کریں گے اور ان میں شرف نہیں ہوگا، یا مال کو جمع کریں گے، یا دین سے غافل ہو جائیں گے اور دین کا کم اہتمام کریں گے، کیونکہ جو شخص موٹا ہوتا ہے وہ ریاضت کا اہتمام نہیں کرتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۲۔ ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيئُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تمام لوگوں میں بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ ان کی شہادت ان کے ایمان پر سابق ہوگی اور ان کا ایمان ان کی شہادت پر سابق ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۲، ۳۶۵۱، ۶۴۲۹، ۶۶۵۸، صحیح مسلم: ۲۵۳۳، سنن ترمذی: ۳۸۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۶۲، مسند احمد: ۳۹۵۳)

صحیح البخاری: ۶۴۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح حدیث سابق کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحمزہ، یہ محمد بن میمون السکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیدہ، یہ ابن عمرو السلمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ان لوگوں کی شہادت ان کے ایمان پر سابق ہوگی اور ان کا ایمان ان کی شہادت پر سابق ہوگا"۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ دَور ہے۔ پھر یہ جواب دیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی شہادت کے اوپر حرص ہوگی اور وہ اپنی شہادت پر حلف اٹھائیں گے۔ اور کبھی شہادت سے پہلے حلف اٹھائیں گے اور کبھی اس کے برعکس کریں گے۔ یا یہ مثال دی ہے کہ بہت جلدی شہادت دیں گے اور قسم کھائیں گے اور یہ کہ مرد کو اس پر حرص ہوگی حتیٰ کہ اس کو پتا نہیں چلے گا کہ آیا وہ شہادت سے ابتداء کرے یا قسم سے ابتداء کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى يَوْمَئِذٍ سَبْعًا فِي بَطْنِهِ وَقَالَ لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِالْمَوْتِ إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا بِشَيْءٍ وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے اس دن اپنے پیٹ کے اوپر گرم لوہے سے سات داغ لگائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب دنیا سے چلے گئے اور دنیا نے ان کے اندر کوئی نقص پیدا نہیں کیا اور ہم نے دنیا سے اتنا زیادہ حاصل کیا ہے کہ ہم اس کے لیے مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۴۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں کے باوجود دنیا سے کچھ حاصل نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن موسیٰ، یہ ابن عبدربہ البلخی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی خالد ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس، یہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خباب، یہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب المرضیٰ میں "باب تمنی المریض الموت" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دنیا نے ان کے اندر کوئی نقص پیدا نہیں کیا"۔ یعنی دنیا نے ان میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں پیدا کیا۔ یعنی وہ مال کو جمع کرنے میں مشغول نہیں ہوئے حتیٰ کہ ان کے کمال میں کوئی کمی آتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم نے اتنا زیادہ مال حاصل کیا ہے کہ ہم اس کے لیے مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے"۔ مٹی سے مراد ہے چار دیواری، کیونکہ اس کے بعد کی حدیث میں ہے وہ چار دیواری بنا رہے تھے۔ اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو یہاں اس کی گنجائش تھی کہ اس سے مراد خزانہ ہوتا اور سونے چاندی کو زمین میں دفن کیا جاتا۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مال کے فتنہ سے نجات نہیں پائیں گے سوا اس کے کہ ان کو مٹی میں دفن کر دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۳۔ ۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ أَتَيْتُ خَبَّابًا وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ فَقَالَ إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ مَضَوْا لَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا شَيْئًا وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ شَيْئًا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ اس وقت چار دیواری بنا رہے تھے، انہوں نے کہا: ہمارے وہ اصحاب جو دنیا سے چلے گئے دنیا نے ان میں کوئی کمی نہیں کی، اور ہم نے ان کے بعد ایسی چیزیں پائیں کہ ان کے رکھنے کے لیے ہم مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

صحیح البخاری: ۶۴۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیث سابق کی ایک اور سند ہے، اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید القطان کا ذکر ہے، جو اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ خَبَّابٍ رضی الله عنه قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قِصَّتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از الاعمش از ابی وائل از حضرت خباب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ۔۔۔۔ (پھر آگے وہی قصہ بیان کیا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۲۶۷۶، ۱۲۶۷، ۳۸۹۷، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۴۰۴۷، ۴۰۸۲، ۶۴۳۲، ۶۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۴۰، سنن ترمذی: ۳۸۵۳، سنن نسائی: ۱۹۰۳، مسند احمد: ۲۶۶۷۲)

صحیح البخاری: ۶۴۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن کثیر۔ کثیر قلیل کی ضد ہے اور سفیان بن عیینہ ہیں، اور الاعمش، سلیمان ہیں۔ اور ابووائل، شقیق بن سلمہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کی تروتازگی اور مال کی کثرت کا فتنہ ہونا

ان احادیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دنیا کی تروتازگی کے انجامِ بد سے ڈرتا رہے اور اس کے فتنہ کے شر سے خبر دار رہے اور دنیا کی زیب وزینت کی چیزوں میں رغبت کرنے سے احتیاط کرے اور دنیا کی خوشنمائی جو فانی ہے اس کی طرف مطمئن نہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر ان چیزوں کا خوف تھا اور آپ نے اپنی امت کو ان چیزوں سے ڈرایا کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ خوشحالی کے ساتھ فتنہ ملا ہوا ہے۔

حضرت عمران اور حضرت عبداللہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیسرے قرن کے بعد دنیا کا فتنہ زیادہ شدید ہوگا، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ان کی شہادت سابق ہوگی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا اور آپ نے ان کے موٹاپے کو اور ان کی شہادت کو باطل قرار دیا اور ان کی امانت میں خیانت کرنے کا ذکر فرمایا اور دنیا میں ان کی رغبت کا ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ دنیا کو ناجائز طریقہ سے حاصل کریں گے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے دنیا کو ناحق لیا پس وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی مال کے فتنہ سے ڈرتے تھے، ان سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس کسریٰ کے اموال لائے گئے تو انہوں نے اور اکابر صحابہ نے ان اموال پر رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی اور دھوپ آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ رونے کا وقت نہیں ہے یہ تو شکر ادا کرنے کا وقت ہے، کیونکہ آپ کے پاس اتنا کثیر مال آیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے اوپر بھی اس مال کو عطا کیا اس قوم نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور رحم کے رشتوں کو منقطع کیا اور کہا: اے اللہ! تیرے رسول نے اس مال سے منع کیا ہے اور تو نے یہ مال مجھے عطا کیا ہے تاکہ تو مجھے آزمائش میں مبتلاء کرے، اے اللہ! مجھے اس مال کے فتنہ سے بچانا!

پس یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خوشحالی بلاء ہے اور فتنہ ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیٰ کے فتنہ سے پناہ طلب کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس معنی کی خبر دی ہے، اس نے اپنے رسول سے فرمایا:

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﳔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۳۱)

اور ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی جو چیزیں دے رکھی ہیں آپ ان کی طرف ہرگز آنکھیں نہ پھیلائیں، آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے O

طٰہٰ: ۱۳۱ کی تفسیر از مصنف

یعنی دوسروں کے پاس جو مال و متاع ہے اور دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں ہیں آپ ان کو اچھا سمجھتے ہوئے رغبت سے ان کی طرف لمبی نظر نہ کریں اور یہ تمنا نہ کریں کہ آپ کو بھی ان جیسی چیزیں مل جائیں۔

اس آیت میں ''ازواجا'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے اصنافا و اشکالا، یعنی مختلف اقسام اور مختلف شکل و صورت کی چیزیں۔

اور اس آیت میں ''زهرة الحيوة الدنيا'' کا ذکر ہے یعنی دنیاوی زندگی کی آرائش اور زیبائش کی پُر رونق اور چمکتی دمکتی چیزیں۔

اور اس آیت کے اخیر میں فرمایا ''و رزق ربك'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو اجر و ثواب کا ذخیرہ کر رکھا ہے، یا دنیا میں آپ کو جو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہدایت پر آپ کو برقرار اور ثابت قدم رکھا ہے وہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مال کو فتنہ کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا:

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال: ۲۸)

اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے O

الانفال: ۲۸ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت کی جن نعمتوں سے نوازا ہے اور تمہیں جو اولاد عطا کی ہے، وہ تمہارے لیے امتحان اور آزمائش ہیں تاکہ اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ تم مال اور اولاد میں سے اللہ کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور مال اور اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہے یا نہیں، اور تم یہ یقین رکھو کہ تم اپنے مال اور اولاد میں سے اللہ کے احکام کے مطابق جو عمل کرتے ہو اس کا اجر و ثواب اللہ ہی کے پاس ہے، سو تم اللہ ہی کی اطاعت کرو تا کہ تمہیں آخرت میں اجرِ جزیل مل جائے۔

اسی وجہ سے اس امت کے صالحین نے اکثر دنیا سے کم مقدار چیز لینے کو اختیار کیا اور صرف اتنی مقدار لی جو ان کی گزر بسر کے لیے کافی ہو، کیونکہ اپنے آپ کو فتنہ پر پیش کرنا محض دھوکہ ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دنیا کی طرف کم رغبت کرنے اور دنیا سے کم حصہ لینے کا ارشاد

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے'' آپ نے فرمایا: خیر کے بدلہ میں صرف خیر آتی ہے، بے شک یہ مال سرسبز میٹھا ہے اور بے شک جس چیز کو نہر کا پانی اگاتا ہے وہ حرص کے ساتھ زیادہ کھانے والوں کا پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے سوائے اس جانور کے جس نے پیٹ بھر کر کھایا یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں بھر گئیں تو اس نے سورج کی

طرف منہ کرکے جگالی کرلی، پھر اس نے لید اور پیشاب کر دیا، پھر لوٹ کر پھر کھانا شروع کر دیا"۔

یہ حدیث دنیا کے مال میں حرص کرنے سے ڈرانے کے لیے بہت کافی اور بہت بلیغ ہے اور دنیا کی تروتازگی کی طرف مائل کرنے سے بہت زیادہ روکنے والی ہے، کیونکہ مویشیوں کو زمین کی پیداوار بہت اچھی لگتی ہے تو اس کو بہت زیادہ کھاتے ہیں تو بسا اوقات موٹاپے سے ان کا جسم پھٹ جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کے لیے یہ مثال بیان کی کہ وہ دنیا سے صرف اتنا لے جس کی اس کو ضرورت ہو، اور دنیا کی تروتازگی کو دیکھ کر دنیا کو زیادہ حاصل نہ کرے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دنیا سے کم حصہ لینے کی ترغیب اور تنبیہ

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب دنیا سے چلے گئے اور دنیا نے ان کے اندر کوئی کمی پیدا نہیں کی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اتنی فتوحات نہیں ہوئی تھیں اور اتنے اموال حاصل نہیں ہوئے تھے جتنے آپ کے بعد لوگوں کو مال حاصل ہوئے اور فتوحات ہوئیں اور اس وقت صحابہ کے پاس صرف اتنی مقدار ہوتی تھی جس سے ان کا گزارا ہو سکے اور وہ بھوک کی حالت میں اپنی کمر سیدھی رکھ سکیں اور انہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں میں سے حصہ نہیں لیا، کیونکہ وہ اس سے ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں سے حصہ لیا تو آخرت کی لذیذ چیزیں کم ہو جائیں گی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک درہم کا گوشت خرید کر جا رہا تھا تو آپ نے اس سے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو اور تمہیں اس آیت کا خیال نہیں ہے:

اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا‌ۚ فَالۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ ۝ (الاحقاف:۲۰)

(ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے ۝

دنیا کے عیش اور لذیذ چیزوں سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتناب کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے: اس کے رہنے کے لیے گھر ہو، اتنا کپڑا ہو جو اس کی شرمگاہ چھپانے کے لیے کافی ہو، روٹی اور پانی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۴۱، مسند احمد: ج ۱ ص ۶۲)

(۲) مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے "اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝" (التکاثر:۱) "زیادہ کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا"۔ آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال۔ اور تمہارا مال صرف وہی ہے جس کو تم نے صدقہ کرکے روانہ کر دیا یا جس کو تم نے کھا کر فنا کر دیا، یا جس کو تم نے پہن کر پرانا کر دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۴۲، صحیح مسلم: ۲۹۵۸، سنن نسائی: ۳۶۱۵، مسند احمد: ج ۴ ص ۲۴)

(۳) حضرت محصن خطمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کو اٹھے کہ اس کی

جگہ پر امن ہو اور اس کا جسم عافیت سے ہو اور اس کو اس دن کی روزی میسر ہو تو گویا اس کے لیے تمام دنیا اکٹھی کر دی گئی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۴۶، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۱)

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادی سونے کی بنا دے، میں نے کہا: نہیں اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا، پھر جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲)

(۵) مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے میرے لیے کھانا منگایا اور فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی، پھر میں رونا چاہتی ہوں تو روتی ہوں، میں نے پوچھا: کیوں؟ آپ نے بیان فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حال یاد کرتی ہوں جس حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے تھے، اللہ کی قسم! آپ نے کبھی لگا تار دو دن روٹی اور گوشت سیر ہو کر نہیں کھایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۶، مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل نے کبھی مسلسل تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۸، صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۷۳۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴)

(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں خون بہایا اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہم صرف درخت کے پتے اور اس کی چھال کھاتے تھے اور ہم میں سے ہر شخص بکری کی طرح مینگنیاں کرتا تھا۔ یہ حدیث حسن، صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۶۵، صحیح البخاری: ۳۷۲۸، صحیح مسلم، الرقم المسلسل: ۷۳۵۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱)

(۸) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بھوک کی شدت سے وہ نماز میں گر جاتے تھے حتیٰ کہ اعرابی لوگ ان کو مجنون کہتے تھے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تو ان کی طرف مڑ کر فرماتے: ''اگر تم کو یہ پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارا کتنا اجر ہے تو تم یہ ضرور چاہو گے کہ تمہارے فقر اور فاقہ میں اور زیادتی کی جائے''۔ (سنن ترمذی: ۲۳۶۸، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین کے ساتھ لگائے ہوئے تھا اور میں بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے ہوئے تھا۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۶۴۵۲، صحیح مسلم: ۲۹۶۶، سنن ترمذی: ۲۳۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۱)

(۱۰) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر آپ کو اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر باندھے ہوئے دو پتھر دکھائے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۷۱)

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا تو آپ نے

فرمایا: یہ پہلا طعام ہے جس کو تمہارے باپ نے تین دن کے بعد کھایا ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳، المعجم الکبیر: ۷۵۰)

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاحیات چھلنی نہیں دیکھی، نہ کبھی چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۷۱)

(۱۳) حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے بھگوئے ہوئے) کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کے پاس ڈکار لی تو آپ نے فرمایا: اے ابوجحیفہ! "قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے تھے"۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۷۰)

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پیالہ میں دودھ اور شہد آیا، آپ نے فرمایا: تم ایک گھونٹ پی کر ایک پیالہ میں رکھ دو، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے، میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے دنیا کی زائد نعمتوں کے متعلق سوال کرے، میں اللہ کے لیے تواضع کرتا ہوں اور جو اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے، اور جو تکبر کرتا ہے اللہ عزوجل اس کو سرنگوں کرتا ہے، اور جو میانہ روی کرے اللہ تعالیٰ اس کو مستغنی کر دیتا ہے۔ اور جو موت کو زیادہ یاد کرے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۸۲۹۴)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں زہد کا بیان

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دس (۱۰) ہجری میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم مالِ غنیمت لے کر آئے تھے، اسی طرح جامع المختصر میں مذکور ہے اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ مجوس سے جزیہ لے کر آئے تھے۔ اور قتادہ نے کہا: وہ مال اسی ہزار درہم تھا۔ اور ابن حبیب نے کہا: یہ سب سے زیادہ مال تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اور زہری نے کہا: رات کو یہ مال آیا تھا۔ اور قتادہ نے کہا: یہ مال چٹائی پر رکھ کر پھیلا دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مال میں سے کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔ حضرت عباس آئے اور وہ ایک کپڑے میں اتنا مال اکٹھا کرنے لگے جس کو اٹھانے سے عاجز ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ میری مدد کریں یہ مال اٹھا کر میرے کندھے پر رکھ دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا حتیٰ کہ انہوں نے اس مال سے کچھ کم کیا اور اس کو اٹھانے پر قادر ہو گئے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۲۲۔ ۴۲۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۲۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیاوی مال کی محبت سے دور رکھنے کی وجوہ اور فقر کی غنیٰ پر فضیلت

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "پس اللہ کی قسم! مجھے تمہارے اوپر فقر کا خوف نہیں ہے"۔
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مسلمانوں پر فقر کا خوف نہیں تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ علم تھا کہ دنیا مسلمانوں کے اوپر کشادہ کر دی جائے گی اور ان کو مال سے غنیٰ حاصل ہوگا اور اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی غیب کی خبروں میں ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جس طرح فرمایا تھا اسی طرح واقع ہو گیا۔

علامہ طیبی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے، کیونکہ جو باپ اپنی اولاد پر شفیق ہوتا ہے تو وہ اپنی موت کے وقت اولاد کو مال عطا کرنے کی کوشش کرتا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب پر والد کی طرح شفیق تھے لیکن آپ کا حال مال کے معاملہ میں اس سے مختلف تھا جو والد کا حال اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر فقر کا خوف نہیں رکھتے تھے جیسا کہ باپ اپنی اولاد کے متعلق فقر کا خوف رکھتا ہے لیکن آپ کو یہ خوف تھا کہ ان کو بہ کثرت خوشحالی حاصل ہوگی جو کہ والد کا اپنی اولاد کے لیے مطلوب ہوتا ہے، اور یہاں فقر سے مراد وہ فقر ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے تھا، یعنی وہ کم چیزوں کو اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ فقر کا ضرر خوشحالی کے ضرر سے کم ہے، اس لیے کہ فقر کا ضرر دنیاوی ہے اور غنیٰ کا ضرر دینی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا'' کہ جب تمہیں دنیا کا مال زیادہ حاصل ہوگا تو تم دنیا میں رغبت کرو گے اور مال سے محبت کرو گے، سو یہ مال کی محبت تمہیں ہلاکت میں ڈال دے گی، کیونکہ مال مرغوب ہوتا ہے اور نفس اس کو طلب کرنے میں راحت حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو اس مال کے لینے سے منع کرتا ہے، اس وجہ سے اس کی لوگوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہوتی ہے جس کا تقاضا ہے ایک دوسرے کو قتل کرنا اور وہ ہلاکت تک پہنچاتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اس حدیث میں یہ فائدہ ہے کہ دنیا کی تروتازگی سے بچنا چاہیے، کیونکہ اس کا انجام برا ہے اور اس کا فتنہ ہلاکت کا موجب ہے، پس انسان دنیا کی زیب و زینت اور خوبصورتی سے مطمئن نہ ہو اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فقر غنیٰ سے افضل ہے، کیونکہ دنیا کا فتنہ غنیٰ کے ساتھ مقرون ہے اور غنیٰ سے فتنہ میں وقوع کا خوف ہے جو کبھی انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے اور فقیر ان چیزوں سے مامون رہتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٚ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ (فاطر: ۵۔۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے، اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے ○ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو، وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں ○

جَمْعُهٗ: سُعُرٌ۔ قَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْغَرُوْرُ: الشَّیْطَانُ

سعیر کی جمع سُعر ہے، مجاہد نے کہا: غرور سے مراد شیطان ہے۔

باب مذکور میں درج آیات کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب میں مذکور آیات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاطر: ۵ میں ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے''، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو مرنے کے بعد

دوبارہ زندہ کرے گا اور نیکوکاروں کو ثواب دے گا اور بدکاروں کو عذاب دے گا، اس کا یہ وعدہ برحق ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے''۔ شیطان کے دھوکہ کی وجہ سے انسان گناہ کے کام کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا رکھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غرور سے مراد شیطان ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے شیطان سے دھوکہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہمارے لیے شیطان کی دشمنی کو بیان فرمادیا ہے تا کہ ہم شیطان کے بہکانے کی طرف اور وہ جو برائیوں کو خوشنما بناتا ہے اس کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں۔

نیز فاطر: ۶ میں فرمایا ہے ''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سوتم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو''۔ یعنی شیطان کو تم اپنے دشمنوں کے مرتبہ میں قرار دو اور اس کی موافقت کرنے اور اس کی اطاعت کرنے سے اجتناب کرو۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں''۔ یعنی شیطان اپنے گروہ کے کافروں کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں بتایا ہے کہ لفظ ''سعیر'' کی جمع ''سُعر'' ہے اور اس کا معنی ہے: دوزخ کا بھڑکنا۔

نیز دوسری تعلیق میں ہے: مجاہد نے کہا: غرور، شیطان ہے۔

مجاہد کا یہ اثر یہاں صرف الکشمیھنی کی روایت میں ہے اور الفریابی نے اس کو اپنی تفسیر میں ورقاء سے وصل کیا ہے۔

''الغرۃ'' کا معنی ہے: بیداری میں غفلت، اور غرور کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو انسان کو دھوکہ میں ڈالے، اور شیطان کو غرور اس لیے فرمایا کہ وہ دھوکہ میں ڈالنے والوں کا سردار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۴۔ ۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر از مصنف

آخرت اور عذاب اور ثواب کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے، اس آیت میں ان کو نصیحت کی گئی ہے اور دنیا کی زندگی کا دھوکہ میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں، اس کی لذتیں، اس کی زیب و زینت اور اس کی رنگینیاں انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل کر دیتی ہیں، حتیٰ کہ حشر کے دن وہ کفِ افسوس ملتا رہ جائے، اور نہ شیطان تمہیں اللہ عزوجل کے متعلق دھوکہ میں رکھے، اور وہ دھوکہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو بھولا رہے اور مسلسل گناہ کرتا رہے اور امید یہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے گا، اس کا یہ بھی معنی ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تم اپنے گناہوں پر پریشان یا پشیمان نہ ہو، اللہ بہت غفور الرحیم ہے وہ تم کو معاف کر دے گا اور اس طرح شیطان انسان کو توبہ کرنے سے باز رکھے۔

۶۴۳۳۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْقُرَشِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُعَاذُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ أَخْبَرَهُ قَالَ أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِطَهُورٍ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمَقَاعِدِ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از محمد بن ابراہیم القرشی، انہوں نے کہا: مجھے معاذ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ بے شک حمران بن ابان نے ان کو خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ وَهُوَ فِي هٰذَا الْمَجْلِسِ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ هٰذَا الْوُضُوءِ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَغْتَرُّوا۔

پاس وضو کا پانی لے کر آیا اور وہ القاعد (مدینہ میں ایک جگہ) پر بیٹھے ہوئے تھے، پس انہوں نے اچھی طرح وضو کیا، پھر بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور وہ اسی مجلس میں تھے، سو آپ نے اچھی طرح وضو کیا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے اس وضو کی مثل کیا، پھر مسجد میں آیا، پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ کو معاف کر دے گا۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دھوکہ نہ کھانا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۹۳۴، ۶۴۳۳، صحیح مسلم: ۲۲۶، سنن نسائی: ۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۰۶، سنن دارمی: ۶۹۳)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں دھوکہ نہ کھانے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ تم دھوکہ نہ کھاؤ۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن حفص، یہ ابومحمد الطلحی الکوفی ہیں۔ ان کو الضخم بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبدالرحمٰن ابومعاویہ النحوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن ابراہیم القرشی، یہ ابن الحارث بن خالد التیمی ہیں اور ان کے دادا حارث صحابی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن عبدالرحمٰن، یہ ابن عثمان بن عبیداللہ التیمی ہیں اور عثمان ان کے دادا ہیں، وہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ صحابی کے بھائی ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، امام مسلم نے ان کی حدیث کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے ان کا لقب ''شارب الذہب'' تھا یعنی سونے کو پینے والے۔ یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ میں ایک ہی دن میں شہید کر دیے گئے تھے۔ اور رہے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عثمان جو حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے بھائی ہیں اور وہ بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، وہ جنگ جمل میں شہید کر دیے گئے تھے، اور یہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابن ابان کا ذکر ہے اور صحیح البخاری کے دوسرے نسخوں میں حمران بن ابان کا ذکر ہے، اور صرف جرجانی نے یہ روایت کی ہے کہ ابان نے اس کی خبر دی اور یہ خطا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی مثل وضو کیا''۔ یہ مثلیت اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کا وضو تمام وجوہ

کے اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی مثل ہو، کیونکہ یہ بہت مشکل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی"۔ اس حدیث میں ان دو رکعتوں کے فرض ہونے کی قید نہیں ہے اور امام مسلم نے ایک روایت میں یہ قید لگائی ہے، اس میں از نافع بن جبیر از حمران روایت ہے "پھر وہ فرض نماز پڑھنے کے لیے گیا اور لوگوں کے ساتھ فرض نماز پڑھی یا مسجد میں گیا"۔ اور عمران سے روایت ہے "پس اس نے فرض نماز پڑھی" اور ایک اور روایت حمران سے ہے "جو مسلمان بھی وضو کرے سو مکمل وضو کرے پھر اس وضو سے وہ پانچ نمازیں پڑھے تو وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائیں گی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔ یعنی جن گناہوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو، لیکن جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو، پس وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک کہ اس کے خصم کو راضی نہ کر دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تغتروا" یعنی تم دھوکہ نہ کھانا کہ تم گناہوں پر دلیری کرو اور یہ سمجھ کر عمداً گناہ کرو کہ گناہ تو بہر حال معاف ہو جائیں گے، کیونکہ گناہ کا معاف کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا کی زندگی اور اس کی فانی خوشنمائی سے دھوکہ کھانے سے منع فرمایا ہے اور شیطان سے دھوکہ کھانے سے منع فرمایا ہے اور ہمارے لیے شیطان کی عداوت کو بیان فرما دیا ہے تاکہ ہم شیطان کے ورغلانے اور وہ جو شہواتِ باطلہ کو ہمارے لیے مزین کرتا ہے اس کی طرف توجہ نہ کریں، اور ہمیں اس کی اطاعت کرنے سے ڈرایا ہے اور ہمیں یہ خبر دی ہے کہ شیطان کے پیروکار اور اس کی جماعت دوزخ والے ہیں، پس عقلمند مومن پر واجب ہے کہ وہ شیطان سے پرہیز کرے اور جس چیز سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اس کے نبی نے ڈرایا ہے اس سے اجتناب کرے، اور یہ کہ اگر بندہ سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً اس پر نادم ہو اور اس سے توبہ کرے اور یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ اس جیسے گناہ کو نہیں کرے گا۔ اور جب وہ کوئی نیک کام کرے تو اس نیک کام کو کم قرار دے اور اپنے عمل کو کم سمجھے۔ اور مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے عمل کے اوپر تکیہ نہ کرے۔ اور مجاہد نے غرور کی تفسیر میں کہا کہ اللہ سے دھوکہ کھانے کا معنی یہ ہے کہ بندہ نافرمانی کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا رکھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۲۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حمران کی دو روایتوں کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حمران نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ایک حدیث وہ ہے جس میں یہ قید ہے کہ بندہ دو رکعت نماز پڑھے اور اس نماز میں حدیثِ نفس نہ کرے۔یعنی کسی کام یا بات میں دل نہ لگائے اور اس کام کو کرنے کا منصوبہ نہ بنائے۔اور اس کو مطلقاً دو رکعت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور فرض نماز کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد بندہ فرض نماز جماعت میں پڑھے یا مسجد میں پڑھے اور اس میں حدیثِ نفس کو ترک کرنے کی قید نہیں ہے۔

نماز پڑھنے سے جو مغفرت حاصل ہوتی ہے وہ عام نہیں ہے

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں،اس کو تمام گناہوں کی مغفرت پر محمول نہیں کرنا چاہیے،کیونکہ جو نماز گناہوں کو مٹاتی ہے یہ وہ نماز ہے جو مقبول ہو اور کسی بندہ کو اس پر اطلاع نہیں ہے کہ اس کی نماز مقبول ہو گئی ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز ان گناہوں کو مٹاتی ہے جو صغیرہ ہوں،پس تم کبیرہ گناہوں کی مغفرت سمجھ کر دھوکہ نہ کھانا، اس بناء پر کہ نماز سے جو گناہ معاف ہوتے ہیں وہ صغیرہ ہیں اور اگر تم یہ سمجھو کہ اس سے عام گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم صغائر بھی زیادہ نہ کرو،کیونکہ صغائر پر اصرار کرنا اس صغیرہ کو کبیرہ کے حکم میں کر دیتا ہے۔پھر نماز سے وہ گناہ معاف نہیں ہوتا۔یا مطلب یہ ہے کہ یہ بشارت اطاعت گزاروں کے ساتھ خاص ہے اور یہ اس شخص کو حاصل نہیں ہوگی جو معصیت کا ارتکاب کرنے والا ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۶۔۴۸۷،دار المعرفہ،بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے آخری جواب میں بحث و نظر ہے،کیونکہ اطاعت گزار تو گناہ کرتے ہی نہیں ہیں نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ،تو یہ بشارت ان کے ساتھ کیسے خاص ہوگی؟ دراصل یہ بشارت گناہ گاروں کے لیے ہے کہ وہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی مغفرت سے مایوس نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نیکی کی توفیق دی ہے اور انہوں نے جو نمازیں پڑھی ہیں ان نمازوں کی وجہ سے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔(سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۳،کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کی زندگی کا بیان

فاطر:۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٜ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (فاطر:۵)

اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے،سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے،اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے ○

اس آیت میں جو دنیا کی زندگی کے دھوکہ میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے، اس سے مراد وہ ہے جس کا درج ذیل آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ (آل عمران:۱۴)

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے، یہ (سب) دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے O

آل عمران: ۱۴ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں جن چیزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کے لیے ان کی شہوات کی محبت مزین کی گئی ہے، یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور ان سے بہتر چیز آخرت کی نعمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ان چیزوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے یا ان چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں اشتغال اور انہماک نہیں ہونا چاہیے، حتیٰ کہ انسان دنیا کی زینت اور خوشنمائی میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے، بلکہ انسان معتدل طریقہ پر گامزن ہو، اسلام دینِ فطرت ہے اس میں دین و دنیا دونوں کے احکام موجود ہیں۔ اسلام دہریت اور رہبانیت دونوں کے خلاف ہے، عبادات، معاملات اور سیاسیات کا جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے افضل فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں، انسان کو جس وقت دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اس وقت بھی اس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ نہ جانے کب یہ نعمتیں اس کے ہاتھ سے جاتی ہیں، نیز دنیا میں انسان کو اگر کسی ایک وجہ سے راحت میسر ہوتی ہے تو کسی اور طرف سے مصیبت اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص بھی رنج و فکر سے خالی نہیں ہے اس کے برعکس آخرت کی نعمتوں میں کسی اعتبار سے فکر و رنج کی آمیزش نہیں ہوتی ہے۔

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ شیطان کے امر اور نفس امارہ بالسوء کی خواہش میں کس طرح فرق کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس امارہ بالسوء شیطان کے حکم کا پیروکار ہوتا ہے، کیونکہ نفس امارہ وہی کرتا ہے جس کا حکم شیطان دیتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۰۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابُ: ذَهَابِ الصَّالِحِیْنَ — نیک لوگوں کے چلے جانے کا بیان

وَیُقَالُ: الذِّهَابُ الْمَطَرُ — اور کہا جاتا ہے: ذہاب کا معنی ہے: بارش

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نیک لوگوں کے چلے جانے کا ذکر ہے یعنی ان کی موت کا۔ اور نیک لوگوں کا چلے جانا قیامت کی علامات میں سے ہے اور دنیا کے فنا ہونے کے قریب ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے کہ اس تعلیق سے مراد یہ ہے کہ لفظ ذہاب جانے میں اور بارش کے معنی میں مشترک ہے۔

علامہ عینی حنفی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جس ذہاب کا معنی جانا ہے وہ لفظ ذَھاب ہے، اور جس ذھاب کا معنی بارش ہے وہ ذِھاب ہے۔ صاحب المحکم نے کہا ہے "الذھبة بالکسر" کم بارش اور اس کی جمع ذِھاب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ اور بعض عبارت کو حذف کر کے اعتراض کر دیا۔ فتح الباری کی مکمل عبارت حسب ذیل ہے:

صرف السرخسی کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ لفظ ذہاب مشترک ہے جانے اور بارش کے معنی میں۔ اور بعض اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ ذھاب کا معنی ہے: کمزور بارش اور یہ ذِھبة کی جمع ہے اور ذھبة میں پہلے لفظ پر زیر ہے اور دوسرے میں جزم ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۷)۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۱۳۔ ۴۱۲، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۴۳۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ أَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللهُ بَالَةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يُقَالُ حُفَالَةٌ وَحُثَالَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، از بیان از قیس بن ابی حازم از مرداس الاسلمی، انہوں نے بیان کیا: نبی ﷺ نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے چلے جائیں گے، پھر لوگ جَو کی بھوسی یا کھجور کے کچرہ کی طرح باقی رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ کو بالکل پرواہ نہیں ہوگی۔ امام بخاری نے کہا: کہا جاتا ہے حُفالة اور حثالة۔ (حفالة اور حثالة دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے یعنی تلچھٹ یا بھوسی یا کھل)۔

(صحیح البخاری: ۴۱۵۶، ۶۴۳۴، مسند احمد: ۱۷۷۲۶، سنن دارمی: ۲۷۱۹)

صحیح البخاری: ۶۴۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نیک لوگوں کے چلے جانے کا بیان" اور اس باب کی حدیث میں ہے "نیک لوگ یکے بعد دیگرے دنیا

سے رخصت ہو جائیں گے''۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن حماد، یہ الشیبانی البصری ہیں۔امام بخاری نے کتاب الحیض میں الحسن بن مدرک کے واسطہ سے ان سے ایک حدیث کی روایت کی ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ،ان کا نام الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بیان، یہ ابن بشر الاحمسی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس بن ابی حازم، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مرداس، یہ ابن مالک الاسلمی ہیں اور یہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، پھر انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی اور ان کا اہلِ کوفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''نیک لوگ یکے بعد دیگرے چلے جائیں گے'' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی روحوں کو قبض فرمالے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اور حُفالة باقی رہ جائیں گے''۔''حُفالة'' کا معنی ہے: بھوسی یا تلچھٹ یا کھل، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اصل جوہر نکلنے کے بعد جو فاضل اور ردّی چیز باقی رہ جاتی ہے اس کو حُفالة کہتے ہیں۔علامہ داؤدی نے کہا ہے: حُفالة وہ ہے جو جَو کے چھلکوں میں سے چھلنی کے ذریعہ نیچے گر جاتی ہے یعنی بھوسی۔یعنی جب نیک لوگ وفات پا کر دنیا سے گزر جائیں گے تو ردّی اور خراب لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اللہ تعالیٰ کو ان کی بالکل پرواہ نہیں ہوگی''۔علامہ خطابی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوگی،ان کا کوئی مرتبہ نہیں ہوگا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۶۔۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کی علامت نیک لوگوں کا دنیا سے گزر جانا ہے

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نیک لوگوں کی اقتداء کرنے میں رغبت کی جائے اور ان کے طریقہ کی مخالفت سے اجتناب کیا جائے،اس خوف سے کہ اگر ان کی مخالفت کی تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کی اللہ تعالیٰ کو بالکل پرواہ نہیں ہوتی۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ حدیث اکثر اور غالب امور پر محمول ہے۔اور زمین ان لوگوں سے خالی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی حجت کو قائم کرنے والے ہیں۔پس بعض ان میں سے علم میں راسخ ہوتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب کہ بعض احادیث کے مطابق اخیر زمانہ کے بعض لوگ صحابہ سے افضل ہوں گے

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابوامیہ الشعبانی سے روایت کرتے ہیں،انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا،پس میں نے کہا: اے ابوثعلبہ! آپ اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ (المائدہ:۱۰۵) اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

تو حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو، اللہ کی قسم! میں اس کا سوال ان سے کر چکا ہوں جو اس آیت کی خبر رکھنے والے تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے رکھنے والا اپنی رائے پر خوش ہو رہا ہے تو تم صرف اپنی فکر کرنا اور عام لوگوں کو چھوڑ دینا، کیونکہ تمہارے بعد صبر کرنے کے ایام آئیں گے اور ان ایام میں صبر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی انگاروں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لے، ان میں عمل کرنے والوں کو پچاس مردوں کا اجر ملے گا جو اس کی مثل اجر کرتے ہوں گے اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ان میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس شخص کو ملے گا؟ آپ نے فرمایا: تم میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد:۴۳۴۱، سنن ترمذی:۳۰۵۸، سنن ابن ماجہ:۴۰۱۴)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخیر زمانہ میں جو لوگ صبر کے ایام میں عمل کریں گے ان میں سے ایک آدمی کو پچاس صحابہ کے اجر کی مثل اجر ملے گا۔ اور اس سے اخیر زمانہ کے لوگوں کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر افضلیت لازم آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام بہر حال بعد کے تمام مسلمانوں سے افضل ہیں خواہ وہ اخیر زمانہ کے ہوں یا نہ ہوں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میرے اصحاب کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ کی مثل سونا بھی خرچ کرے تو کسی ایک صحابی کے دیے ہوئے ایک کلو صدقہ یا آدھا کلو صدقہ کے اجر کے برابر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری:۳۶۷۳، صحیح مسلم:۲۵۴۰، سنن ترمذی:۳۸۶۱، سنن ابوداؤد:۴۶۵۸، سنن ابن ماجہ:۱۶۱، مسند احمد:۱۰۶۹۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۳۰-۴۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے قیامت کا واقع نہ ہونا

میں کہتا ہوں: متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ جب تک دنیا میں نیک لوگ اور اللہ کا نام لینے والے موجود ہوں گے، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ، اللہ نہ کہا جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے: قیامت اس وقت تک کسی شخص پر قائم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اللہ، اللہ کہہ رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم:۱۴۸، سنن ترمذی:۲۲۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت صرف بدکار لوگوں پر قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم:۲۹۴۹، سنن ابن ماجہ:۴۰۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے علم کو قبض نہیں فرمائے گا لیکن علماء کی روحوں کو قبض کر کے علم کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا پس وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح البخاری:١٠٠، صحیح مسلم:٢٦٧٣، سنن ترمذی:٢٦٥٢، سنن ابن ماجہ:٥٢، مسند احمد:٦٤٧٥، سنن دارمی:٢٣٩)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہل ثابت ہوگا، خمر پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری:٨٠، صحیح مسلم:٢٦٧١، سنن ترمذی:٢٢٠٥، سنن ابن ماجہ:٤٠٤٥، مسند احمد:٢١١٨)

نیز امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، میں تمہیں ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جس کو میرے بعد تمہیں کوئی بیان نہیں کرے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہوجائے گا اور جہل ظاہر ہوگا، زنا کا غلبہ ہوگا، عورتیں زیادہ ہوں گی مرد کم ہوں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہوگا۔

(صحیح البخاری:٨٠، صحیح مسلم:٢٦٧١، سنن ترمذی:٢٢٠٥، سنن ابن ماجہ:٤٠٤٥، مسند احمد:٢١١٨)

١٠- بَابُ: مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ — مال کے فتنہ اور آزمائش سے اجتناب کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن:١٥)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فتنہ کا معنی کلام عرب میں ہے: آزمائش اور ابتلاء۔ اور قصد سے پھیرنا بھی فتنہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ (الاسراء:٧٣)

اور قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تا کہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہم پر گھڑ دیں۔

الاسراء:٧٣ کی تفسیر از مصنف

ان آیتوں میں ان مصائب اور آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے جو کئی برسوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آرہے تھے، مشرکین مکہ سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے کہ آپ کو دین اسلام کی دعوت سے باز رکھیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کے استقلال اور عزم و ہمت میں کچھ لچک اور نرمی پیدا کریں، اور اگر آپ بالکل ان کے ہم نوا نہ ہوں تو کم از کم اتنا ہوجائے کہ آپ ان کے باطل خداؤں کی مذمت نہ کریں، اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے، آپ کو سیم و زر کے لالچ بھی دیے، عرب کی خوبصورت دوشیزاؤں کی پیش کش بھی کی، دھمکیاں بھی دیں، معاشی دباؤ بھی ڈالا، تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور باہر سے

غلہ پہنچنے پر پابندی لگادی، آپ اور آپ کے اصحاب پر ظلم وستم کی انتہا کر دی اور آپ کے ساتھ وہ سب کچھ کرڈالا جو آپ کے عزم اور حوصلہ کو پست کرنے کے لیے کیا جاسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام امتحانوں میں آپ کو کامیاب اور سرخرو رکھا، مشرکین طرح طرح کی ترغیبات سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کررہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ کوئی انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ صرف اپنی ذاتی طاقت کے بل بوتے پر باطل قوتوں سے مقابلہ نہیں کرسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو، انسان کسی امتحان اور کسی آزمائش میں کامیاب نہیں ہوسکتا، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پختہ حوصلہ اور عزم واستقلال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باطل کے سامنے حق وصداقت کے مسلک پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی بڑی سے بڑی آزمائش کا سیلاب بھی آپ کو اپنی جگہ سے سرمو ہٹا نہیں سکا۔

اور فتنہ کا معنی احتراق اور جلنا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿۱۳﴾ (الذریٰت: ۱۳) (آپ کہیے:) جس دن ان کو دوزخ میں جلایا جائے گاO

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اس آیت کا ذکر کیا گیا ہے:

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اموال اور اولاد فتنہ ہیں یعنی آزمائش ہیں، کیونکہ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشغول رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ (التکاثر: ۱) تم کو زیادہ مال کی حرص نے غافل کر دیاO

''الھا'' کا معنی ہے: زیادہ ضروری چیز سے غافل ہونا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مال اور اولاد کی کثرت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہوگئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۵۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمومی خطاب کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں مال اور اولاد کی محبت پیدا کر دی ہے۔ حدیث میں ہے:

امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام الحاکم نے حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بخل کی مذمت میں احادیث

میں کہتا ہوں: مال کی محبت کی وجہ سے انسان بخل کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مال اس کے پاس جمع رہے اور اسے خرچ نہ کرنا پڑے اور بخل کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہوتا تب بھی مجھے یہ پسند تھا کہ مجھ پر تین راتیں نہ گزریں اور میرے پاس اس میں سے کوئی چیز باقی ہو مگر وہ چیز جس کو میں قرض ادا کرنے کے لیے سنبھال کر رکھوں۔ (صحیح البخاری: ۲۳۸۹، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۵۶)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس خرچ کا بدل عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کے مال کو تلف کر دے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۴۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۵)

(۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور گن گن کر خرچ نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا، اور تم اپنی تھیلی کا منہ بند نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر رزق کو بند کر دے گا اور جتنا تم کر سکتی ہو اتنا خرچ کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۵۹۱، صحیح مسلم: ۱۰۲۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۴)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۵۲، صحیح مسلم: ۹۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

(۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کرے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لیے بہت برا ہے۔ اور اپنے اوپر بقدرِ ضرورت خرچ کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی اور اپنے عیال داروں سے خرچ کرنے کی ابتداء کرو۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۶)

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ظلم کرنے سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو، کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا، ان کو اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ خون بہائیں اور اپنے رشتہ داروں کے قتل کو حلال سمجھیں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۷۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! کونسا صدقہ کرنے کا زیادہ اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور بخیل ہو، تمہیں فقر کا خدشہ ہو اور خوشحالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری روح گلے تک پہنچ جائے پھر تم کہو: فلاں کے لیے یہ مال ہے اور فلاں کے لیے یہ مال ہے، وہ تو فلاں کے لیے ہو چکا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۱۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۲، سنن نسائی: ۲۵۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱)

(۸) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فدا ہوں، وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہے سوا ان کے جو اس طرح کریں اور اس طرح کریں اور اس طرح کریں، اپنے آگے سے اور اپنے پیچھے سے اور اپنے دائیں سے اور اپنے بائیں سے (یعنی ہر طرف خرچ کریں) اور وہ بہت کم ہیں۔ (صحیح البخاری: ۶۶۳۸، صحیح مسلم: ۹۹۰، سنن ترمذی: ۶۱۷، سنن نسائی: ۲۴۴۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۲)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سخاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے، جنت

کے قریب ہوتا ہے، لوگوں کے قریب ہوتا ہے، دوزخ سے دور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، جنت سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے، دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ اور ضرور سخی جاہل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔

(صحیح البخاری:۱۹۶۱)

(۱۰) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مرد اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اپنی موت کے وقت وہ سو درہم خرچ کرے۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۶۶)

۶۴۳۵ ـ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ۔ (صحیح البخاری: ۲۸۸۶، ۲۸۸۷، ۶۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے خبر دی از ابی حصین از ابی صالح، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دینار، درہم اور عمدہ ریشمی کپڑے اور سیاہ چادر کا غلام ہلاک ہو جائے، اگر اس کو دیا جائے تو وہ راضی ہوتا ہے اور اگر اس کو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے ضرر کو بددعا سے تعبیر کرنا سخت ترین بے ادبی ہے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''دنیا کے ایسے گرویدہ غلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی''۔ (کشف الباری، کتاب الرقاق، ص ۳۸۹، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے متعلق بددعا لکھنا سخت ترین بے ادبی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل بد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(الاحزاب:۲۱)

ان کو یوں لکھنا چاہیے تھا کہ مال سے محبت کرنے والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائے ضرر فرمائی یا ان کے لیے زجر و توبیخ فرمائی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مال کے فتنہ سے اجتناب کا بیان'' اور اس باب کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کے ساتھ محبت کرنے والوں کے لیے دعائے ضرر فرمائی ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن یوسف، یہ الزمی ہیں، یہ ان کے شہر زم کی طرف نسبت ہے اور ان کو ابن ابی کریمہ کہا جاتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کے والد کی کنیت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کے دادا کا نام ہے اور ان کا نام ہی ان کی کنیت ہے۔ امام بخاری نے ان کی حدیث کو ایک واسطہ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور بغیر واسطہ کے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکر، اور یہ ابن عیاش ہیں جو محدث تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحصین، ان کا نام عثمان بن عاصم ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوصالح، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تعس عبدالدینار والدرھم" یعنی دینار اور درہم کے بندے ہلاک ہو جائیں۔ "التعس" کا معنی ہے شر۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں شر کو لازم رکھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "التعس" کا معنی ہے البعد، یعنی ان کے لیے خیر سے دوری ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان کی زندگی کے لیے دعائے ضرر ہے۔

"عبدالدینار" سے مراد ہے جو دینار کا طالب ہو اور دینار کے حصول میں اور دینار کو جمع کرنے میں اور دینار کی حفاظت کرنے میں حریص ہو۔ اسی وجہ سے اسے عبدالدینار فرمایا۔

ہمارے شیخ کے شیخ الطیبی نے کہا ہے: یہاں عبد کے لفظ کو ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ وہ دنیا کی محبت اور دنیا کی شہوات میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے جیسے کوئی شخص کسی کی قید میں ہو اور اس سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہ پاتا ہو۔ اور مالک الدینار اور جامع الدینار نہیں فرمایا، کیونکہ مطلقاً مال کا مالک ہونا یا مال کو جمع کرنا مذموم نہیں ہے، مذموم یہ ہے کہ مال کو ضرورت سے زیادہ جمع کیا جائے۔

اس حدیث میں "القطیفة" کا ذکر ہے، القطیفة کا معنی ہے ریشمی کمبل۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "الخمیصة" اس کا معنی ہے: سیاہ چوکور چادر، جس کو کالی کملی کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا "اگر عبدالدینار کو دیا جائے تو وہ راضی ہوتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔"

یہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کے موافق ہے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ (التوبہ: ۵۸)	اور ان (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں، اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان صدقات سے نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں O

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

التوبہ: ۵۸ کی تفسیر از مصنف

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا دراں حالیکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں چاندی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مٹھی بھر بھر کر لوگوں کو دے رہے تھے، اس شخص نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں عذاب ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا! اگر میں عدل نہ کرتا تو میں (اپنے مشن میں) ناکام اور نامراد ہو جاتا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں، یہ شخص اور اس کے اصحاب قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترتا اور یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۱۶۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے جتنا ان کو عطا فرمایا تھا، اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے خواہ وہ مال کم ہوتا لیکن اس پر خوش ہوتے اور یہ کہتے کہ ہمیں یہ مال کافی ہے اور عنقریب ہمیں اللہ تعالیٰ کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو دوبارہ اس مرتبہ سے زیادہ عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فضل و کرم کی طرف رغبت کرتے ہیں تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا کی لذات کی وجہ سے دنیا کو طلب کرتا ہے یا دنیا برائے دنیا طلب کرتا ہے تو وہ نفاق کے خطرہ میں ہے اور جو شخص دنیا اس لیے طلب کرتا ہے کہ اس سے عبادات کی انجام دہی میں آسانی ہو، دین کی زیادہ اور موثر طریقہ سے تبلیغ کر سکے تو یہ مستحسن اور محمود ہے۔

۶۴۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم يَقُولُ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عطاء، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۰۴۹، سنن ترمذی: ۲۳۳۷، مسند احمد: ۳۴۹۱)

صحیح البخاری: ۶۴۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''مال کے فتنہ سے اجتناب کا بیان'' اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مثال سے دنیا کی حرص اور طمع کی مذمت فرمائی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا کی حرص اور طمع کرنا آفت ہے، سو! اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عاصم، یہ الضحاک بن مخلد النبیل البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، یہ ابن ابی رباح ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سن کر احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی ہے اور یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث کا سماع کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مکثرین صحابہ میں سے ہیں اور یہ حدیث ان کی کثیر روایات کے مقابلہ میں کم ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے''۔ یعنی قبر اور یہ موت سے کنایہ ہے۔ گویا کہ آپ نے یوں فرمایا کہ ابن آدم دنیا سے اس وقت تک سیر نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔

حدیث مذکور کی دیگر احادیث کے ساتھ مطابقت

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ ابنِ آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ ابن آدم کا نفس صرف مٹی بھر سکتی ہے، اور تیسری حدیث میں ہے کہ ابن آدم کا منہ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ اور پیٹ کا بھرنا واضح ہے، پھر نفس اور منہ اور آنکھ کے ذکر کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کا ذکر اس لیے ہے کہ عموماً ذات کو نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پیٹ کا ذکر جس حدیث میں ہے اس میں نفس کے ذکر سے پیٹ کا ارادہ کیا ہے اور یہ کل کا اطلاق جز و پر ہے۔ اور منہ کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ منہ کے ذریعہ کوئی چیز پیٹ تک پہنچتی ہے۔ اور آنکھ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ طلب میں اصل آنکھ ہے، جب آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے اور اس بندہ کو وہ چیز اچھی لگتی ہے تو پھر وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اکثر روایات میں پیٹ کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ انسان جو عموماً مال کو طلب کرتا ہے تو لذیذ چیزوں کی تحصیل کے لیے طلب کرتا ہے اور لذیز چیزوں کو پیٹ میں ڈالنا چاہتا ہے۔

علامہ طیبی نے کہا کہ ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ مٹی کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، سو مٹی ہی اس کا پیٹ بھر سکتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے''۔ یعنی جو شخص گناہ اور نافرمانی سے رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کی طرف تشدید سے تخفیف کی طرف رجوع فرماتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۹۔ ۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۷ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ مِثْلَ وَادٍ مَالًا لَأَحَبَّ أَنَّ لَهُ إِلَيْهِ مِثْلَهُ وَلَا يَمْلَأُ عَيْنَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا أَدْرِي مِنَ الْقُرْآنِ هُوَ أَمْ لَا قَالَ وَسَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ ذَلِكَ عَلَى الْمِنْبَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مخلد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے عطاء سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر ابنِ آدم کے لیے مال کی ایک وادی کی مثل ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے لیے اس کی مثل اور ہو، اور ابنِ آدم کی آنکھ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اس سے توبہ کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا کہ یہ حدیث قرآن سے ہے یا نہیں ہے؟۔

اور انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے اس حدیث کو منبر پر بیان فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۷۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۰۴۹، سنن ترمذی: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۳۴۹۱)

صحیح البخاری: ۷۴۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن سلام ہیں اور ابوزید المروزی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مَخلد کا ذکر ہے، یہ ابن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا کہ یہ حدیث قرآن سے ہے یا نہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن کی وہ آیت ہو جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۸ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْغَسِيلِ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِمَكَّةَ فِي خُطْبَتِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن سلیمان بن الغسیل نے حدیث بیان کی، از عباس بن سہل بن سعد، انہوں نے

يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ أُعْطِيَ وَادِيًا مَلْئًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَانِيًا وَلَوْ أُعْطِيَ ثَانِيًا أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَالِثًا وَلَا يَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

کہا: میں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے منبر پر مکہ میں دورانِ خطبہ سنا، وہ کہہ رہے تھے: اے لوگو! بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابنِ آدم کو ایک وادی عطا کی جائے جو سونے سے بھری ہوئی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اسے دوسری وادی ملے، اور اگر اسے دوسری وادی عطا کی جائے تو وہ پسند کرے گا کہ اسے تیسری وادی مل جائے، اور ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اس سے توبہ کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن سلیمان، یہ ابن عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر الغسیل ہیں۔ یعنی جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا اور وہ اس وقت جنبی تھے۔ اور غسیل، حضرت حنظلہ بن ابی عامر الاوسی تھے رضی اللہ عنہ۔ اور عبداللہ صغار صحابہ میں سے ہیں، ان کو حرہ کے دن شہید کر دیا گیا تھا اور یہ اس دن انصار کی ایک جماعت کے امیر تھے اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور وہ کبار صحابہ میں سے تھے اور ان کے والد ابو عامر راہب معروف تھے، یہ وہی ہیں جنہوں نے مسجدِ ضرار بنائی تھی اور اسی کے سبب سے قرآن مجید نازل ہوا۔ اور عبدالرحمٰن کا صغار تابعین میں ہوتا ہے۔

اس حدیث کی سند امام بخاری کی صحیح البخاری میں اعلیٰ اسانید میں سے ہے، کیونکہ یہ سند اگرچہ رباعی ہے مگر حکم میں ثلاثیات کے ہے۔ اسی طرح بعض شارحین نے کہا ہے، لیکن یہ حقیقۃً رباعیات میں سے ہے اور بعض شارحین نے جو کہا ہے کہ یہ ثلاثیات کے حکم میں ہے، اس میں بحث ونظر ہے۔ اور حضرت عباس بن حضرت سہل بن سعد ساعدی اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۴۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

(صحیح مسلم: ۱۰۴۸، سنن ترمذی: ۲۳۳۷، مسند احمد: ۱۲۳۰۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے لیے سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے لیے دو وادیاں ہوں، اور مٹی کے سوا ہرگز کوئی چیز اس کا منہ نہیں بھر سکے گی، اور جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اللہ

تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عوف، یہ بغداد میں قضاء کے عہدہ پر مقرر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح، وہ ابن کیسان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۰۔ وَقَالَ لَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أُبَيٍّ قَالَ كُنَّا نَرَى هَذَا مِنَ الْقُرْآنِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ (التکاثر:۱)

اور ہم سے ابوالولید نے کہا: ہمیں حماد بن سلمہ نے حدیث بیان کی، از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، از حضرت اُبی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو قرآن سے سمجھتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی "أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" (التکاثر:۱)

صحیح البخاری: ۶۴۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعلیقِ مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس تعلیق میں مذکور ہے ابوالولید، اور وہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ الحافظ المزی کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حدیث تعلیق ہے اور اس پر بعض شارحین نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث وصل میں صریح ہے۔ اور اس میں جو مذکور ہے "قال لنا"، اس میں اس کے حدیث ہونے کی تصریح ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح بات وہ ہے جو علامہ المزی نے کہی ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں حماد بن سلمہ کا ذکر ہے اور ان کا شمار ان میں نہیں کیا گیا جن سے امام بخاری نے حدیثِ موصول کی روایت کی ہے اور نہ وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے "عن ثابت" یہ ابن اسلم البنانی ابو محمد البصری ہیں۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے "عن ابی" یہ حضرت ابی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس تعلیق میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔ (یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ حدیث قرآن سے ہے حتیٰ کہ سورۃ التکاثر نازل ہوگئی"۔

آیا حدیثِ مذکور سورۃ التکاثر سے منسوخ ہے یا نہیں؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ التکاثر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ سورت اس حدیث کے لیے ناسخ نہیں ہے کیونکہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے: جب حکم منسوخ ہو تو پھر تعارض کی شرط ہے، لیکن جب الفاظ منسوخ ہوں تو پھر تعارض کی شرط نہیں ہے۔ پس اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جب وہ سورت نازل ہوئی جو اس حدیث کے معنی میں ہے (یعنی سورۃ التکاثر) تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اس حدیث کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے اور اس کے معنی پر اکتفاء کی۔ اور اس حدیث کی قرآن مجید کے معنی کے ساتھ جو موافقت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ہے:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (التکاثر: ۱۔۲) تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا ۝ حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے ۝

اور قبروں کی زیارت کی تفسیر موت کے ساتھ کی گئی ہے، یعنی تم کو مال کی کثرت حاصل کرنے نے اتنا مشغول کر دیا ہے حتیٰ کہ تم مر گئے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ ہم گمان کرتے تھے کہ یہ حدیث قرآن ہے حتیٰ کہ اس حدیث کے معنی میں سورت نازل ہوئی۔ اس وقت ہم نے ان دونوں کے درمیان قیاس کیا اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ قرآن نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث سورۃ التکاثر سے منسوخ نہیں ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن تھی اور اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی جب سورۃ ''اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ'' نازل ہوئی۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ حدیث، احادیثِ قدسیہ میں سے ہے، پس اس کی تلاوت قطعاً منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم دائماً باقی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۱۔ ۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۳۵۔۔۔۔ ۶۴۴۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کی شدتِ حرص کا بیان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مال اور اولاد کی محبت پر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے لیے سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا۔۔۔ الحدیث۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ بندے مال میں اضافہ کی حرص کرتے ہیں اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے جس پر جا کر انسان قناعت کر لے اور پھر مزید اضافہ کی تمنا سے رک جائے، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور ابن آدم کے پیٹ کو تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے، یعنی جب انسان مر جاتا ہے اور قبر میں پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کے پیٹ کو مٹی بھر دیتی ہے اور اس کو دوسری مٹی سے غنی کر دیتی ہے حتیٰ کہ اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مثال سے دنیا کی حرص اور طمع اور اس میں اضافہ کی خواہش کی مذمت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر سلف صالحین دنیا کی بہت تھوڑی چیزیں رکھتے تھے اور قناعت کرتے تھے اور زیادہ مال کے حصول سے بھاگتے تھے، کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ مال کے فتنہ کا شران کو کس طرح عارض ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشحالی کے فتنہ کے شر سے پناہ طلب کی ہے۔ اور آپ نے ہر مومن کو یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر فتنہ کے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ کے شر سے حفاظت کی دعا کی، یہ آپ کی اللہ کے لیے تواضع ہے اور امت کے لیے تعلیم ہے اور ان کو دنیا سے بے رغبتی پر برانگیختہ کرنا ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری، ج ۱۰ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے شروع میں امام بخاری نے اس آیت کا ذکر کیا ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

اولاد کی محبت کا آزمائش ہونا

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے، وہ دو سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر فرمایا: اللہ عزوجل نے حق ارشاد فرمایا ہے: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں، میں نے ان بچوں کی طرف دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات منقطع کی اور ان کو اٹھایا، اس کے بعد آپ نے خطبہ شروع کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۱۱۰۹، سنن ترمذی: ۳۷۷۴، سنن ابن ماجہ: ۳۶۰۰، صحیح ابن حبان: ۶۰۳۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ خطبہ کو منقطع کرنا اور منبر سے اترنا ایسا فتنہ ہے جس کی طرف اولاد کی محبت دعوت دیتی ہے، سو یہ مرجوح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر کے لیے ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو فعل تھا وہ بیانِ جواز کے لیے تھا، تو آپ کے حق میں یہ راجح ہے۔ اور کسی کام کا بیانِ جواز کے لیے ہونا اس کو لازم نہیں کرتا کہ اس کا ترک اولیٰ ہو، کیونکہ اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ اولاد کی محبت کے کئی مراتب ہیں۔ اور یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اور کبھی اولاد کی محبت کی وجہ سے انسان زیادہ خیر کو ترک کر دیتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۸۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اہل وعیال کی محبت کی وجہ سے نیک کاموں کے ترک کرنے کا بیان

التغابن: ۱۵ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے: یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کی

بیوی اور اولاد تھی اور جب وہ جہاد کے لیے جانے لگتے تو وہ رونے لگتے اور کہتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ مسلمان ہوئے، پھر انہوں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے ان کو ہجرت کرنے سے منع کیا اور روکا۔ (سنن ترمذی: ۳۳۱۴، المستدرک ج ۴ ص ۲۹۰)

حرص اور طمع کو ترک کرنے کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی چیز عطا فرمارہے تھے تو میں کہہ رہا تھا: آپ اس کو دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ ضرورت اور احتیاج ہے حتیٰ کہ آپ نے مجھے دوسری بار مال دیا تو میں نے کہا: اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس کا ضرورت مند اور محتاج ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مال کو لے لو، اور تمہارے پاس جو یہ مال آئے اور تم اس کی طرف جھکنے والے نہ ہو اور نہ سوال کرنے والے ہو تو اس کو لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کی طلب میں اپنے نفس کو نہ تھکاؤ۔ (صحیح البخاری: ۷۱۶۳، صحیح مسلم: ۱۰۴۵)

ابن کعب بن مالک الانصاری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں کے ریوڑ میں بھیجے گئے ہوں وہ ان بکریوں کو اتنا زیادہ خراب کرنے والے نہیں ہیں جتنا کوئی شخص اپنے مال پر حرص کرتا ہے اور اپنے دین کے شرف پر حرص کرتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۷۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۶۔ ۴۶۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو قسم کے حریص سیر نہیں ہوتے، ایک وہ شخص جو علم میں حرص کرتا ہو وہ سیر نہیں ہوتا، دوسرا وہ شخص جو دنیا میں حرص کرتا ہو وہ سیر نہیں ہوتا۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۹۲، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم احادیث کی زیادہ روایت کرنے سے اجتناب کرو سوا ان حدیثوں کے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ عزوجل سے ڈراتے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل جس شخص کے ساتھ نیکی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں صرف خازن ہوں، پس جس کو میں خوش دلی سے عطا کروں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے گا اور جس کو میں اس کے سوال اور اس کے حرص کی وجہ سے عطا کروں، وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۳۷)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین باتیں فرماتے ہوئے سنا ہے: (۱) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ (۲) اور جو شخص بھی کسی ظلم اور زیادتی کو اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے۔ (۳) اور جو بندہ سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: "اے حکیم! یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جس نے اس مال کو سخاوتِ نفس سے لیا، اس کے لیے اس مال میں برکت دی جائے گی اور جس نے اپنے نفس کو جھکا کر اس مال کو لیا اس کے لیے اس مال میں برکت

نہیں کی جائے گی، وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے"۔ حکیم بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں آپ کے بعد کسی سے سوال کر کے اس کے لیے کمی نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں دنیا سے جدا ہو جاؤں۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حکیم کو دینے کے لیے بلاتے تھے تو وہ قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دینے کے لیے بلاتے تھے تو وہ انکار کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مسلمانو! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس مالِ فئے سے حکیم کے اوپر اس کا حق پیش کیا اور اس نے اس کو لینے سے انکار کیا، پس حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کے مال میں سے کسی کے مال کو کم نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۴۷۲، صحیح مسلم: ۱۰۳۵)

حافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جس نے ان کو پالیا تو وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا: (۱) جس شخص کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو، (۲) اور جو شخص کسی مرد سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے اس سے محبت کرے، (۳) اور جس شخص کو آگ میں ڈالا جانا اس سے زیادہ محبوب ہو کہ اس کو کفر کی طرف لوٹایا جائے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات دے دی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۶، صحیح مسلم: ۴۳، سنن ترمذی: ۲۶۲۴، سنن نسائی: ۴۹۸۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۳، مسند احمد: ۱۱۵۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (صحیح البخاری: ۱۵، صحیح مسلم: ۴۴، سنن نسائی: ۵۰۲۴)

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ صحیح البخاری کے اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں پر ایک باریک نکتہ ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن آدم کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر ابنِ آدم کو سونے کی دو وادیاں مل جائیں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ الحدیث۔

اور ابن آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکڑنا اور خشک ہونا ہے اور اس کا ازالہ اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے اوپر اپنی توفیق کے بادلوں سے بارش نازل فرمائے تو اس میں پاکیزہ اوصاف کے پھل لگ جائیں اور پسندیدہ عادتیں پیدا ہو جائیں اور جو پاکیزہ شہر ہوتا ہے وہ اپنے رب کے اذن سے سبزہ نکالتا ہے اور جو زمین خبیث ہوتی ہے وہ تھوڑی سی چیز نکالتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ (الاعراف: ۵۸)

اور جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے اپنی پیداوار نکالتی ہے اور جو خراب زمین ہوتی ہے وہ تھوڑی سی چیز نکالتی ہے۔

پس جس شخص کی توفیق تلافی نہ کرے اور اس کو اس کی حرص کے ساتھ چھوڑ دے تو اس کی حرص اس کو صرف مال کے جمع کرنے پر لگائے رکھتی ہے اور وہ اسی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۵۱۲، دار الفکر، بیروت ۱۴۲۱ھ)

١١- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: هٰذَا الْمَالُ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ یہ مال سرسبز میٹھا ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ (آل عمران: ١٤)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے، یہ (سب) دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔

قَالَ عُمَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ إِلَّا أَنْ نَفْرَحَ بِمَا زَيَّنْتَهُ لَنَا، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ أَنْ أُنْفِقَهُ فِيْ حَقِّهِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! بے شک ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ جن چیزوں کو تو نے ہمارے لیے خوشنما بنایا ہے ان پر ہم خوش نہ ہوں اور مسرت کا اظہار نہ کریں۔ اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں ان چیزوں کو حق کے راستہ میں خرچ کروں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ مال سرسبز میٹھا ہے۔ اس سے کس مال کی طرف اشارہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اس مال کی طرف اشارہ ہے جس میں لوگ تصرف کرتے ہیں۔ خضرۃ میں تاء مبالغہ کے لیے ہے یعنی بہت سرسبز ہے۔ اور اسی طرح حلوۃ میں بھی تاء مبالغہ کے لیے ہے یعنی بہت زیادہ میٹھا ہے۔

آل عمران: ۱۴ کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں فرمایا ہے: "زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين" یہ دنیا لوگوں کے لیے خوش نما بنادی گئی ہے، یعنی اس دنیا میں لذیذ چیزوں کی متعدد اقسام ہیں۔ ان میں سے عورتیں بھی ہیں۔ اللہ عزوجل نے خوشنما اور لذیذ چیزوں کے بیان میں عورتوں کے ساتھ ابتداء فرمائی، کیونکہ عورتوں کا فتنہ اور ان کے ساتھ آزمائش بہت شدید ہے، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے اوپر عورتوں سے زیادہ مضر فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔

اگر عورتوں سے مقصود ان کی لذت سے پاک دامن رہنا ہو اور نکاح کے بعد کثرتِ اولاد ہو تو یہ چیز مطلوب ہے اور مرغوب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔ الحدیث۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کا ذکر کیا اور بیٹوں کی محبت یا تو ایک دوسرے پر فخر کے لیے ہوتی ہے اور زینت کے لیے ہوتی ہے تو یہ بھی اس میں داخل ہے۔ اور یا بیٹوں سے اس لیے محبت کی جاتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے نسل میں کثرت ہو اور سیدنا محمد ﷺ کی امت زیادہ ہو، تو یہ قصد بھی محمود اور ممدوح ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہوں اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوں، کیونکہ میں تمہارے سبب سے قیامت

کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا ہے: ''والقناطیر المقنطرۃ''۔ مفسرین نے قنطار کی تفسیر میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں: ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے بہت زیادہ مال۔ ایک قول ہے ایک ہزار دینار۔ اور ایک قول ہے بارہ ہزار دینار، ایک قول ہے چالیس ہزار دینار، ایک قول ہے ستر ہزار دینار، ایک قول ہے اسی ہزار دینار۔

اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ ہیں، جس میں سے ہر اوقیہ آسمان اور زمین کی چیزوں میں سے زیادہ بہتر ہے۔ اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔

اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: بیل کی کھال میں مشک بھری ہوئی ہو تو یہ قنطار ہے۔

اور اس آیت میں ''الخیل المسومۃ'' کا ذکر ہے یعنی جن گھوڑوں پر نشان لگے ہوئے ہوں۔ اور ''الانعام'' یعنی آٹھ قسم کے مویشیوں کا ذکر ہے۔ ''والحرث'' یعنی وہ زمینیں جنہیں درخت اگانے اور کھیتی باڑی کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

اور امام احمد نے حضرت سوید بن حبیرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد کا بہترین مال وہ گھوڑا ہے جس سے زیادہ نسل پیدا ہو یا باغوں میں کھجور کے وہ شگوفے ہوں جن میں پیوند لگایا گیا ہو یا قلم لگایا گیا ہو۔

اس کے بعد فرمایا: جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہیں، یعنی یہ دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائی ہے، فانی ہے، زائل ہونے والی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین ثواب اور بہترین اجر ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ ہم اس پر قادر نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں ہمارے لیے مزین فرمائی ہیں ہم ان پر اظہارِ مسرت کریں۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مال کے فتنہ اور آزمائش کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ جن لوگوں کو یہ مال حاصل ہوا وہ اس مال کی خوشنمائی اور زینت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے تب انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں اس مال کو حق کے راستہ میں خرچ کروں، کیونکہ جس شخص نے مال کو حق کے طریقہ سے لیا اور اس کو حق کے طریقہ میں خرچ کیا تو وہ اس مال کی آزمائش سے محفوظ ہو گیا اور سلامت رہا۔

اور امام مالک کے غرائب میں سے یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سند کے ساتھ از یحییٰ بن سعید انصاری روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مشرق سے مال آیا جس مال کے متعلق کہا گیا کہ یہ کسریٰ کا زیادہ جمع کیا ہوا مال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اس مال کو زمین میں پھیلا دیا جائے اور چھپا دیا جائے، پھر آپ نے لوگوں کو بلایا، سو لوگ جمع ہوئے، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس مال سے پردہ ہٹا دیا جائے، سو اس مال سے پردہ ہٹا دیا گیا، اس مال میں بہ کثرت زیورات تھے اور جواہر تھے اور ساز و سامان تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور آپ نے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی، لوگوں نے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ مالِ غنیمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اور اس مال کے لوگوں سے چھین لیا ہے، پھر فرمایا: جن لوگوں پر بھی یہ مال کھولا جاتا ہے وہ ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں اور ایک دوسرے کی حرمتوں کو حلال کرتے ہیں۔

امام مالک نے کہا: مجھے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی کہ اس مال میں سے مناطق اور انگوٹھیاں بچ گئیں اور ان کو اٹھا دیا گیا، تو حضرت عبداللہ بن ارقم نے کہا: آپ کب تک اس مال کو روکے رکھیں گے اور تقسیم نہیں کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم مجھے فارغ دیکھو تو مجھے خبر دینا، پس جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فارغ دیکھا تو وہ سامان کھول کر ایک ٹوکرے میں ڈالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بہت کثیر جانا، پھر دعا کی: اے اللہ! تو نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے لیے عورتوں اور بیٹوں کی محبت کو مزین کر دیا گیا ہے، پھر دعا کی کہ جس چیز کی محبت کو تو نے ہمارے لیے مزین کیا ہے، ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے تو تو ہمیں اس کے شر سے بچا اور مجھے یہ توفیق دے کہ میں اس کو حق کے راستہ میں خرچ کروں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نہیں اٹھے حتیٰ کہ اس مال میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی سب کو انہوں نے تقسیم کر دیا۔

ابوزید المروزی کی روایت میں یہ تعلیق ساقط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۔ ۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۱۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِیَّ يَقُولُ أَخْبَرَنِی عُرْوَةُ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَعْطَانِی ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِی ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِی ثُمَّ قَالَ هٰذَا الْمَالُ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ قَالَ لِی يَا حَكِيمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِطِيبِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِی يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰی۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے عروہ اور سعید بن المسیب نے خبر دی از حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا سو آپ نے مجھے عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے پھر عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے پھر عطا کیا، پھر آپ نے فرمایا: یہ مال اور بسا اوقات سفیان نے کہا: مجھ سے فرمایا: اے حکیم یہ مال سرسبز میٹھا ہے، سو! جس نے اس مال کو نفس کی پاکیزگی سے لیا اس کو اس مال میں برکت دی جائے گی، اور جس نے اس مال کو نفس جھکا کر لیا تو اس کو اس مال میں برکت نہیں دی جائے گی۔ اور وہ اس شخص کی مثل ہوگا جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۷۲، ۲۷۵۰، ۳۱۴۳، ۶۴۴۱، صحیح مسلم: ۱۰۳۵، سنن ترمذی: ۲۴۶۳، سنن نسائی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۱۵۱۴۶)

صحیح البخاری: ۶۴۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے" اور اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عروہ، یہ ابن الزبیر بن العوام ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حکیم، یہ حضرت حکیم بن حزام ہیں جو خویلد الاسدی کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال لی یا حکیم!" یہ مال سرسبز میٹھا ہے۔اس کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے حکیم! اور یہ گمان نہ کیا جائے کہ سفیان بن عیینہ نے یہ کہا: اے حکیم۔ کیونکہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی وفات اور سفیان کی ولادت کے درمیان پچاس سال کا عرصہ ہے تو سفیان کیسے کہہ سکتے ہیں: اے حکیم، اس لیے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جو اس مال کو نفس جھکا کر لے گا"۔"اشراف نفس" کا معنی ہے کہ آدمی کسی چیز پر مطلع ہو اور اس کو حاصل کرنے کے درپے ہو مثلاً اپنا ہاتھ بڑھائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وہ اس کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا"۔یعنی وہ اس کی مثل ہے جس کو جھوٹی بھوک لگی ہو، اور کبھی کتے کو کہا جاتا ہے کہ اس کو جھوٹی بھوک لگی ہے، وہ جتنا بھی کھائے سیر نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۴۔۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کے سرسبز میٹھے مال سے حصہ لینے والوں کے تین مراتب

بنو آدم کے دلوں میں مال کی اچھائی اور زینت کو پیدا کر دیا گیا ہے اور یہ ان کی فطرت میں ہے، لیکن ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی طبیعت میں اس مال کی اچھائی اور خوبصورتی ہمیشہ جاگزین رہتی ہے اور یہ مذموم ہے۔اور بعض وہ ہیں جو مال دنیا کی زیب و زینت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت کرتے ہیں اور اس حد پر ٹھہر جاتے ہیں جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے اور یہ مرتبہ نفس کے ساتھ جہاد کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ مذموم نہیں ہے۔اور تیسرا مرتبہ وہ ہے جو اس مرتبہ سے ترقی کرتے ہیں اور دنیا کے مال میں بے رغبتی رکھتے ہیں اور دنیا کے مال کے حصول پر قادر ہونے کے باوجود اس سے اعراض کرتے ہیں، سو! یہ مقامِ محمود ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی مرتبہ کے تھے جیسا کہ اس باب کی تعلیق میں بیان کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۹۳، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۲۔ بَابٌ: مَا قَدَّمَ مِنْ مَالِهِ فَهُوَ لَهُ — انسان نے جو مال آگے بھیجا ہے وہی اس کا مال ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو انسان اپنے مال میں تصرف کرنے کا مکلف کیا گیا ہے تو وہ قیامت کے دن اسی مال کا ثواب پائے گا جس مال کو اس نے صدقہ و خیرات کر کے آگے بھیج دیا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنی موت سے پہلے عبادت کی جن مواضع میں اپنا مال بھیجا ہے اسی کا اس کو ثواب ملے گا۔ اور بہ ظاہر اس باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے راستہ میں مال کو خرچ کرنا اس سے افضل ہے کہ اس مال کو اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس کے معارض ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے وارثوں کو فقراء چھوڑو، وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنی بیماری کے ایام میں تمام مال کو صدقہ کر دیں۔ اور ان کی وارث ان کی ایک بیٹی تھی اور بیٹی اس پر قادر نہیں تھی کہ وہ بازار میں جا کر مال کماتی، تو آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ترکہ میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیں اور باقی دو تہائی ان کی بیٹی کو اور بیت المال کو مل جائے۔ اور اس باب کی حدیث میں آپ نے اپنے اصحاب کو ان کی صحت کے ایام میں مخاطب کیا ہے اور ان کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ آخرت کے لیے آگے بھیجیں تا کہ اس مال کا انہیں قیامت کے دن نفع حاصل ہو۔

اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صحابہ اپنے تمام مال کو بیماری کے ایام میں اللہ کی راہ میں خیرات کر دیں کیونکہ ایسا کرنا ان کا اپنے وارثوں کو محروم کرنا ہے اور ان کو فقراء چھوڑنا ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر سوال کریں اور شارع علیہ السلام نے ان کے لیے صرف تہائی مال کی وصیت کو جائز رکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۲۔ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ قَالَ فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ۔

(سنن نسائی: ۳۶۱۲، مسند احمد: ۳۶۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم التیمی نے حدیث بیان کی از الحارث بن السوید، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے، آپ نے فرمایا: پس بے شک اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا، اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔

صحیح البخاری: ۶۴۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ جو باب کا عنوان ہے وہی حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان الاعمش، جو ابراہیم بن یزید بن شریک تیمی سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ الحارث بن سوید التیمی سے روایت کرتے ہیں اور یہ تمام راوی کوفی ہیں اور حضرت عبداللہ سے مراد ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے ارشاد فرمایا: انسان کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا" یعنی انسان نے اپنی زندگی میں جس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کر دیا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اور وارث کا مال وہ ہے جس کو اس نے اپنے پاس رکھا" یعنی جس مال کو اس نے مؤخر کیا، اس کو چھوڑ دیا اور اس میں سے صدقہ اور خیرات نہیں کی حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے مال کو آخرت کے لیے روانہ کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں مومن کو اس پر متنبہ کیا ہے اور ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے مال میں سے آخرت کے لیے روانہ کرے۔ اور اس مال کا خازن اور محافظ نہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس مال کو خرچ کرنے سے روکنے والا نہ بن جائے۔ پھر جس دن اس کو اس مال کے صدقہ کے ثواب کی ضرورت ہوگی اس دن وہ اس سے ناکام اور نامراد ہوگا۔ اور بعض اوقات اس کا وارث اس کے چھوڑے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور نیکی کے راستہ میں خرچ کرے گا اسے اس کا ثواب ملے گا۔

اس حدیث کی یہ تاویل ہے کہ تہائی مال کو صدقہ کیا جائے اور نیکی کے راستہ میں خرچ کیا جائے اور باقی مال کو وارثوں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کی تائید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس سے بھی ہوتی ہے کہ ارباب سیرت نے ذکر کیا ہے از ابن شہاب کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے اس گھر کو چھوڑ دوں جس گھر میں میں نے گناہ کیا تھا اور اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کر دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے اور آپ نے ان کو یہ حکم نہیں دیا کہ کل مال کا صدقہ کریں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶۴۔۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۱۳۔ بَابٌ: اَلْمُكْثِرُوْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ — زیادہ مال دار لوگ اجر و ثواب میں کم تر ہوں گے

وَقَوْلُهُ تَعَالٰى: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی

نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود:۱۵۔۱۶)

آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان کا معنی ہے: جن لوگوں کے پاس مال زیادہ ہوگا وہ کم ثواب حاصل کریں گے یعنی مال کی کثرت اس مال دار کی نیکیوں کو قیامت کے دن کم کرے گی، جب کہ وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نہیں خرچ کرے گا، اور اگر اس نے اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا تو وہ قیامت کے دن نیکیوں سے غنی ہوگا۔

باب مذکور کی آیات کی تفسیر از علامہ عینی

سعید بن جبیر نے کہا ہے: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے عمل سے اللہ کے غیر کا ارادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا میں ان کے عمل کی جزاء دے دی جاتی ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: وہ یہود اور نصاریٰ ہیں، اگر وہ کسی مانگنے والے کو عطا کریں یا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کریں تو ان کو ان کے ان نیک اعمال کی جزاء دنیا میں دے دی جاتی ہے، ان کا رزق وسیع کر دیا جاتا ہے اور ان کے بدن کو تندرست رکھا جاتا ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ منافق لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت عطا کر دیا۔

اور ضحاک نے کہا: یہ وہ مشرکین ہیں جنہوں نے جب کوئی عمل کیا تو ان کو دنیا میں اس عمل کی جزاء دے دی گئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۵۔۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَمْشِي وَحْدَهُ وَلَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ قَالَ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ قَالَ فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ فَالْتَفَتَ فَرَآنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن رفیع از زید بن وہب از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں راتوں میں سے کسی رات میں باہر نکلا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چل کر جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ کوئی انسان نہیں تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں میں نے یہ گمان

فَقَالَ مَنْ هٰذَا قُلْتُ أَبُو ذَرٍّ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَائَكَ قَالَ
يَا أَبَا ذَرٍّ تَعَالَهْ قَالَ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ إِنَّ
الْمُكْثِرِينَ هُمُ الْمُقِلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ
خَيْرًا فَنَفَحَ فِيهِ يَمِينَهُ وَشِمَالَهُ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَائَهُ
وَعَمِلَ فِيهِ خَيْرًا قَالَ فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ لِي
اجْلِسْ هَا هُنَا قَالَ فَأَجْلَسَنِي فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ
فَقَالَ لِي اجْلِسْ هَا هُنَا حَتّٰى أَرْجِعَ إِلَيْكَ قَالَ
فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتّٰى لَا أَرَاهُ فَلَبِثَ عَنِّي فَأَطَالَ
اللُّبْثَ ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ وَهُوَ يَقُولُ وَإِنْ سَرَقَ
وَإِنْ زَنٰى قَالَ فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ
جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَائَكَ مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ مَا
سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ ذٰلِكَ جِبْرِيلُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ قَالَ بَشِّرْ
أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ
الْجَنَّةَ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى قَالَ نَعَمْ
قَالَ قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنٰى قَالَ نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ
الْخَمْرَ قَالَ النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي
ثَابِتٍ وَالْأَعْمَشُ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رُفَيْعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ
بْنُ وَهْبٍ بِهٰذَا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ
عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مُرْسَلٌ لَا يَصِحُّ إِنَّمَا أَرَدْنَا لِلْمَعْرِفَةِ
وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ قِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ حَدِيثُ
عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ مُرْسَلٌ أَيْضًا لَا
يَصِحُّ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ وَقَالَ اضْرِبُوا عَلٰى
حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ هٰذَا إِذَا مَاتَ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ
عِنْدَ الْمَوْتِ۔

کیا کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی شخص چلے، انہوں نے بیان کیا: پس میں چاند کے سایہ میں چلتا رہا، سو آپ نے مجھے دیکھ لیا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ابوذر ہوں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کر دے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! آگے بڑھو، پس میں ایک ساعت تک آپ کے ساتھ چلتا رہا، آپ نے فرمایا: جو دنیا میں زیادہ مال دار ہیں وہی قیامت کے دن اجر و ثواب کے لحاظ سے کم ہوں گے، سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر عطا کی، پس اس نے اپنے دائیں جانب اور بائیں جانب اور آگے اور پیچھے اس مال میں سے عطا کیا اور اس میں نیک کام کیے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس میں کچھ دیر آپ کے ساتھ چلا، پس آپ نے مجھ سے فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ، پھر آپ نے مجھے ایسی زمین میں بٹھایا جس کے اردگرد پتھر تھے، آپ نے مجھ سے فرمایا: تم یہاں بیٹھ جاؤ حتیٰ کہ میں تمہاری طرف واپس لوٹوں، پھر آپ پتھریلی زمین میں چلے گئے حتیٰ کہ میں آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ آپ مجھ سے کچھ دیر وہاں ٹھہرے رہے اور آپ کا ٹھہرنا طویل ہو گیا۔ پھر میں نے آپ کی آواز سنی اور آپ میری طرف یہ کہتے ہوئے آ رہے تھے: خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے زنا کیا ہو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب آپ آئے تو میں صبر نہیں کر سکا، حتیٰ کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فداء کرے، آپ پتھریلی زمین کی جانب میں کس سے بات کر رہے تھے، میں نے نہیں سنا کہ کوئی آپ کی بات کا جواب دے رہا ہو، آپ نے فرمایا: یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو پتھریلی زمین کے ایک جانب میں میرے سامنے پیش ہوئے، انہوں نے کہا: آپ اپنی امت کو یہ بشارت دیجئے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے کہا: اے جبریل! خواہ اس نے چوری کی ہو خواہ اس نے زنا کیا

ہو؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جی ہاں!، میں نے کہا: خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے زنا کیا ہو؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جی ہاں، خواہ اس نے شراب پی ہو۔ اور نضر نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حبیب بن ابی ثابت نے اور الاعمش نے اور عبدالعزیز بن رُفیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے اسی حدیث کی خبر دی۔

امام ابوعبداللہ (امام بخاری) نے بتایا کہ ابوصالح کی حدیث از ابوالدرداء مرسل ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ہم نے اس کا ذکر صرف معرفت کے لیے کیا ہے اور صحیح حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے، ابوعبداللہ سے کہا گیا کہ عطاء بن یسار کی از ابوالدرداء جو حدیث ہے؟ امام بخاری نے کہا: وہ بھی مرسل ہے صحیح نہیں ہے اور صحیح حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اور انہوں نے کہا: ان حدیثوں کو حضرت ابوالدرداء کی ان حدیثوں کی طرف راجع کردو کہ جب بندہ مرتا ہے اور موت کے وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے۔ (یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مرتے وقت شرک نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ مرتے وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے)

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۶۴۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور اور قرآن مجید کی آیاتِ مذکورہ کے درمیان مطابقت

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا تو اگر اس کو اس گناہ پر آخرت میں عذاب دیا گیا تو بالآخر وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، کیونکہ جو مومن ہے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اور ان آیات میں بھی اس کی نفی نہیں ہے کہ وہ اپنی معصیت پر عذاب دیے جانے کے بعد جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، اور وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، وہ ابی رفیع الاسدی المکی ہیں، یہ کوفہ میں رہتے تھے اور یہ صغار تابعین میں سے ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث کا

سماع کیا ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن وہب ابوسلیمان الہمدانی الکوفی، ان کا تعلق قضاعہ سے تھا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکل کر گئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ راستہ میں تھے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ، ان کے نام کے متعلق زیادہ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں راتوں میں سے ایک رات میں باہر نکلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے جا رہے تھے'' اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حرۃ المدینہ یعنی مدینہ کی پتھریلی زمین میں عشاء کے وقت جا رہا تھا تو انہوں نے جگہ اور وقت کو بیان کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں چاند کے سایہ میں چلتا رہا'' یعنی میں ایسی جگہ میں چلتا رہا جہاں چاند کی روشنی تھی تاکہ میں اپنے آپ کو مخفی رکھوں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے مسلسل چلتے رہے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ آپ کے قریب ہی ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے کہا ابوذر'' یعنی میں نے کہا: میں ابوذر ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فنفحہ فیہ'' ''نفح فلان بشیء'' کا معنی ہے: فلاں نے اس کو کوئی چیز دی اور ''النفح'' کا معنی ہے: دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الحرۃ'' اس کا معنی ہے: سیاہ پتھریلی زمین، گویا کہ وہ آگ سے جلائی گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ جنت میں داخل ہوگیا'' یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس نے چوری کی ہو یا زنا کیا ہو۔اس کے دو معنی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ اس امت کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، دوسرا معنی یہ ہے کہ اگرچہ اس کو اس کے بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا پھر دوزخ سے نکال کر اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ۔ (الجن: ۲۳)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔

سو اگر وہ اپنے کسی گناہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کر دیا گیا تب بھی اپنے ایمان کی وجہ سے اس کی نجات ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مذکور سورۂ ہود کی آیتوں کی تفسیر میں اختلاف اور اس باب میں ان آیتوں کے ذکر کی مناسبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ (ہود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

اس آیت میں اختلاف کیا گیا ہے کہ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے کفار کے متعلق ہے یا مسلمانوں میں سے جو شخص اپنے عمل کا دکھاوا کرتا ہے اس کے متعلق بھی یہ آیت ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے ساتھ اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجاہد قاری اور متصدق کے متعلق روایت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق فرمایا کہ تم نے یہ عمل اس لیے کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے: یہ عمل کرنے والا ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روئے جب انہوں نے اس حدیث کو سنا، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو طول کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم میں بھی ہے۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

شفی الاصبحی بیان کرتے ہیں کہ وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک مرد تھا جس کے پاس لوگ جمع ہو گئے تھے، انہوں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابو ہریرہ ہیں، پس میں ان کے قریب پہنچا حتیٰ کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا، اور وہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے، جب وہ خاموش ہو گئے اور تنہا ہوئے تو میں نے ان سے کہا: میں آپ کو حق کی قسم دیتا ہوں آپ وہ حدیث بیان کریں جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو اور آپ نے اس کو سمجھا ہو اور آپ نے اس کو جانا ہو، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسا کرتا ہوں، میں تمہیں ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی، میں نے اس کو سمجھا اور جانا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے تھوڑی دیر بے ہوش رہے اور پھر ہوش میں آ گئے، پھر انہوں نے کہا: میں تمہیں ضرور وہ حدیث بیان کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس گھر میں بیان کی اور ہمارے ساتھ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسری بار بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے، پھر انہوں نے اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیرا، پھر کہا: میں تمہیں ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کی ہے اور میں اس وقت اس گھر میں تھا اور ہمارے ساتھ میرے اور آپ کے سوا اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے، پھر تھوڑی دیر بے ہوش رہے، پھر ہوش میں آ گئے اور کہا: میں تمہیں ضرور وہ حدیث بیان کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس گھر میں بیان کی اور ہمارے ساتھ آپ کے اور میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت شدید بے ہوش ہو گئے، پھر اپنے چہرہ کے بل جھک گئے، میں نے ان کو سہارا دیا، پھر ہوش میں آ گئے، پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے درمیان اترے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے اور ہر امت دوزانو بیٹھی ہوگی، پس پہلے جس شخص کو اللہ تعالیٰ بلائے گا وہ ایک مرد ہوگا جس نے قرآن کو جمع کیا اور ایک وہ مرد ہوگا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور ایک وہ مرد ہوگا جس کے پاس بہت مال ہوگا، اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے سے کہے گا: کیا میں نے تجھ کو اس کا علم نہیں دیا تھا جو میں نے اپنے رسول کو دیا تھا،

وہ کہے گا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں اس قرآن کے ساتھ دن اور رات قیام کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا، فرشتے بھی کہیں گے: تم نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ فرمائے: گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے اور قرآن کا پڑھنے والا ہے، سو یہ کہا گیا۔ پھر مالدار کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھ پر مال کی وسعت نہیں کی تھی حتیٰ کہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں کیا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو میں نے جو کچھ تمہیں دیا تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں رشتہ داروں کے ساتھ میل جول رکھتا تھا اور صدقہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا، فرشتے بھی کہیں گے: تم نے جھوٹ بولا، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلکہ تم نے ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت سخی ہے، سو یہ کہا گیا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم کو کس چیز میں قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا: مجھے تیرے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا، سو میں نے جہاد کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا، فرشتے کہیں گے: تم نے جھوٹ بولا، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے، سو یہ کہا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! یہ تین اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے وہ پہلے تین ہیں جن پر قیامت کے دن جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔

الولید ابو عثمان نے کہا: مجھے عقبہ بن مسلم نے خبر دی کہ شُفَی یہ وہ شخص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا اور اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سنائی تھی۔ ابو عثمان نے کہا: مجھے العلاء بن ابی حکیم نے حدیث بیان کی کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاف تھے تو ان کے پاس ایک مرد آیا اور انہوں نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ان لوگوں کو یہ سزا دی گئی تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت روئے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے اور ہم نے کہا: یہ آدمی بری خبر لے کر آیا ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے اور اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور کہا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

(سنن ترمذی: ۲۳۸۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱)

امام ابو موسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت خصوصیت سے کفار کے حق میں ہے، کیونکہ ہود: ۱۶ میں ہے کہ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ

کرتے تھے وہ برباد ہے''۔

اور مومن کا بالآخر ٹھکانا اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض کی وجہ سے جنت میں ہوگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں ہوگا۔ اور اس آیت میں جو دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور اعمال کے ضائع کرنے کی وعید فرمائی ہے، یہ تو صرف کافر کے لیے ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ وعید اس عمل کے اعتبار سے ہے جس میں ریا واقع ہوا تھا۔ پس اس عمل کرنے والے کو یہ سزا دی جائے گی سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے۔ اور اعمال ضائع کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کے تمام اعمالِ صالحہ ضائع کر دیئے جائیں گے جن میں وہ اعمال بھی ہیں جن میں ریا نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اپنے عمل سے فقط دنیا کے ثواب کا ارادہ کیا اس کو جلدی وہ ثواب دنیا میں دے دیا جائے گا اور آخرت میں اس کو عذاب دیا جائے گا، کیونکہ اس کا قصد صرف دنیا تھی اور اس نے آخرت سے اعراض کیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت خصوصیت سے مجاہدین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔

اور اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ یہ آیت عام ہے اور ہر ایک کو شامل ہے تو اس عموم سے ان کو خاص کر لیا جائے گا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس سزا کو مقدر نہ کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۸)

جو شخص (صرف) دنیا کا طلب گار ہو ہم اس کو اسی دنیا میں سے جتنا ہم چاہیں دے دیتے ہیں جس کے لیے ہم ارادہ کریں، پھر ہم اس کا ٹھکانا دوزخ کو بنا دیتے ہیں جس میں وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہوگا O

اسی طرح اس قید سے درج ذیل مطلق آیت کو بھی مقید کیا جائے گا:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝ (الشوریٰ:۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O

اور اس تقریر سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ کہا گیا ہے: بعض کفار دنیا میں بہت تنگدست اور مفلوک الحال ہوتے ہیں ان کے پاس مال بھی نہیں ہوتا، صحت بھی نہیں ہوتی اور لمبی عمر بھی نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آیت کے مصداق ہوتے ہیں:

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ (الحج:۱۱)

اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا، یہی کھلا ہوا نقصان ہے O

اور اس باب میں اس آیت کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جس وعید کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ وعید وقتی طور پر ہے دائمی طور پر نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ جس مسلمان نے کسی کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس میں یہ نہیں ہے کہ دخولِ جنت سے پہلے اس کو عذاب نہیں ہوگا جیسا کہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے کہ ریا کار

ریا کی معصیت پر عذاب ملنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۹۴۔۴۹۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابٌ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میرے لیے احد پہاڑ کی مثل سونا ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان اس طرح مذکور ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے لیے احد پہاڑ سونا بن جائے، اور بعض نسخوں میں اس طرح مذکور ہے کہ مجھے اس سے خوشی نہیں ہوتی کہ میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٤٤ ـ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ فَاسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا تَمْضِي عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ ثُمَّ مَشَى فَقَالَ إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْأَقَلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ثُمَّ قَالَ لِي مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيَكَ ثُمَّ انْطَلَقَ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ حَتَّى تَوَارَى فَسَمِعْتُ صَوْتًا قَدِ ارْتَفَعَ فَتَخَوَّفْتُ أَنْ يَكُونَ قَدْ عَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ فَذَكَرْتُ قَوْلَهُ لِي لَا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيَكَ فَلَمْ أَبْرَحْ حَتَّى أَتَانِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتًا تَخَوَّفْتُ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ وَهَلْ سَمِعْتَهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي فَقَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی از الاعمش از زید بن وہب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کی پتھریلی زمین میں چل رہا تھا، پس ہمارے سامنے احد پہاڑ آیا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مجھے اس سے خوشی نہیں ہوتی کہ میرے پاس اس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو اور مجھ پر تین دن گزر جائیں اور اس وقت میرے پاس ایک دینار ہو جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں مگر یہ کہ میں اللہ کے بندوں میں اس (سونے کے پہاڑ) کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح تقسیم کروں، اپنی دائیں طرف اور اپنی بائیں طرف اور اپنے پسِ پشت، پھر آپ چلتے رہے، پس آپ نے فرمایا: جو (دنیا میں) زیادہ مال والے ہیں وہ قیامت کے دن (اجر میں) کم ہوں گے، مگر وہ جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح (مال کو تقسیم) کرے، اپنی دائیں جانب اور بائیں جانب اور اپنے پسِ پشت، اور وہ بہت کم ہیں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: تم اسی جگہ رہو، یہاں سے نہ جانا حتیٰ کہ میں تمہارے پاس واپس آؤں۔ پھر آپ رات کی سیاہی

دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ۔

میں چلے گئے حتیٰ کہ آپ غائب ہو گئے، پس میں نے ایک آواز سنی جو بہت بلند تھی۔ پس میں خوف زدہ ہوا کہ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی چیز پیش نہ آئی ہو، میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کے پاس جاؤں، پھر میں نے آپ کا یہ ارشاد یاد کیا جو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ یہاں سے نہ جانا حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آؤں، پس میں نہیں گیا حتیٰ کہ آپ میرے پاس آئے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک آواز سنی تھی جس سے میں ڈر گیا تھا، پس میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا، سو آپ نے فرمایا: کیا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو میرے پاس آئے تھے، انہوں نے کہا: آپ کی امت میں سے جو بھی اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے کہا: خواہ وہ زنا کرے، خواہ وہ چوری کرے؟ تو حضرت جبریل نے کہا: خواہ وہ زنا کرے، خواہ وہ چوری کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۶۴۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے لیے احد پہاڑ کی مثل سونا ہو"۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو"۔ اور ان میں مناسبت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن بن الربیع، یہ ابوعلی البورانی ہیں۔ الرشاطی نے کہا ہے: یہ البواری کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالاحوص، یہ سلام بن سلیم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ باب سابق میں جو حدیث گزری تھی یہ بھی وہی حدیث ہے اور اس میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں اس سونے کے پہاڑ میں سے ایک دینار کو رکھ لوں تاکہ اس سے قرض کو ادا کروں"۔ یعنی میں

نے اگر کسی سے کسی مدت کے ادھار کے لیے کچھ قرض لیا ہو تو اس دینار سے وہ قرض ادا کر دوں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ان الاکثرین ھم الاقلون یوم القیامۃ الا من قال ھکذا وھکذا وھکذا عن یمینہ وعن شمالہ'':

اس حدیث میں ''الا من قال'' کا معنی کہنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے صرف کرنا، یعنی جو لوگ دنیا میں مال دار ہیں وہ آخرت کے اندر نیکی اور اجر کے اعتبار سے کم ہوں گے سوا ان کے جنہوں نے دنیا میں اپنے مال کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح صرف کیا، یعنی اپنی دائیں طرف اور اپنی بائیں طرف اور اپنے پس پشت۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مبالغہ کے فرمایا، کیونکہ عطیہ میں اصل یہ ہے کہ جو سامنے ہو اس کو دیا جائے اور یہ چار جہات میں سے ایک جہت ہے۔ اور احمد بن ملاعب کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے ہاتھ سے چاروں جہت کا ذکر فرمایا۔ یعنی دائیں بائیں سامنے اور پیچھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر آپ چلے گئے حتیٰ کہ رات کی سیاہی میں غائب ہو گئے''۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ چاند ان راتوں میں چھپ چکا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۰۔۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۵۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِي أَنْ لَا تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن شبیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس، اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، (انہوں نے کہا:) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی ہوگی کہ میرے اوپر تین راتیں نہ گزریں اور میرے پاس ان میں سے کوئی چیز باقی بچے سوا اس چیز کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے محفوظ رکھوں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸۹، ۶۴۴۵، ۷۲۲۸، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد: ۹۶۹۴)

صحیح البخاری: ۶۴۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن شبیب، یہ ابن سعید الحبطی ہیں، یہ حبطات بنی تمیم کی طرف نسبت ہے اور یہ بصری ہیں

امام بخاری ان سے روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مومن کو مال کی کثرت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی اطاعت میں مال کے خرچ کرنے پر مسلط کر دے تا کہ شارع علیہ السلام کی اقتداء اس کو حاصل ہو۔

(۲) اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مومن کو اس طاعت کے ادا کرنے کی طرف جلدی کرنی چاہیے جو مطلوب ہو، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہ کثرت قرض ہوتا تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی مدد کرنے کے لیے اور ان کی غم گساری کرنے کے لیے اپنی حاصل شدہ روزی میں سے ان کو عطا فرماتے تھے اور اپنی ضرورت کے اوپر ضرورت مندوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس مال قلیل ہو تو اس پر راضی رہنا چاہیے اور عیش پرستی کے ترک پر صبر کرنا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۵) میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو قرض لے کر ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے اور غریبوں کی غم گساری کرتے تھے، ہم کم از کم اتنا تو کریں کہ ہمارے پاس جو فاضل مال ہو اور ہماری ضرورت سے زائد ہو وہ ہم دیگر ضرورت مندوں کو دے دیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کثرتِ مال کی تمنا سے ممانعت

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مال کی کثرت کسی شخص کو قیامت کے دن نیکیوں کی کمی کی طرف لے جاتی ہے جب کہ وہ اس مال کو اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرے، اور اگر وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو وہ قیامت کے دن نیکیوں سے مالا مال ہوگا۔

اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اغنیاء کی فقراء پر فضیلت ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس مال دار کا استثناء فرمایا ہے جو اپنے مال سے دائیں جانب، بائیں جانب اور آگے پیچھے نفع پہنچائے۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ فقیر اور غنی میں کون افضل ہے اور اس کو ان شاء اللہ میں باب فضل الفقر میں ذکر کروں گا۔

سورہ ہود کی آیت: ۱۵۔۱۶ کے متعلق مفسرین نے کہا ہے: ان آیتوں کے الفاظ تو عام ہیں لیکن یہ خصوصیت سے کفار کے متعلق ہیں، کیونکہ ہود: ۱۶ میں فرمایا ہے کہ "ان لوگوں کو آخرت میں صرف دوزخ کا عذاب ہوگا اور ان کے کیے ہوئے کام ضائع ہو جائیں گے"۔ اور امام بخاری نے اس باب میں ان آیتوں کا ذکر مومنین کو ڈرانے کے لیے کیا ہے تا کہ وہ اپنے افعال میں کفار کے افعال کے مشابہ نہ ہوں کہ وہ دنیائے فانی کی زینت کے حصول میں مشغول ہو جائیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال نے جو اس حدیث کے فوائد ذکر کیے ہیں ان کو علامہ ابن ملقن نے نقل کیا ہے اور ان سے علامہ عینی نے نقل کیا ہے اور ان فوائد کو ہم علامہ عینی کی شرح میں بیان کر چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۴۴۵ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مناسب دیگر احادیث

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر یہ آیت پڑھ رہے تھے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس شخص نے زنا کیا ہو، خواہ اس شخص نے چوری کی ہو؟ تو آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو، میں نے دوبارہ عرض کیا تو آپ نے دوبارہ فرمایا، میں نے پھر تیسری مرتبہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں! خواہ اس نے یہ کام کیے ہوں وہ ابوالدرداء کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں چلا جائے گا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں تصریح کی ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ ہے اگرچہ اس کا معنی وہی ہے۔

اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا وہ جنت میں داخل ہو گیا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو وہ ابوالدرداء کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں چلا جائے گا۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے آنے والا آیا، پس اس نے پڑھا:

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ (النساء: ۱۱۰) اور جو شخص برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا ○

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر میں نے جب یہ تین بار کہا تو آپ نے فرمایا: عویمر (حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا وہ جنت میں چلا جائے گا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پس میں نے دیکھا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی ناک پر انگلیاں مار رہے تھے۔

اور واہب بن عبداللہ المغافری نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پڑھا "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" وہ جنت میں داخل ہوگیا، میں نے عرض کیا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، میں نے پھر کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ اس نے چوری کی ہو، وہ ابوالدرداء کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں لوگوں میں اس بشارت کی نداء کرنے کے لیے نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور انہوں نے کہا: واپس جاؤ، کیونکہ لوگ جب یہ بشارت سن لیں گے تو اسی پر تکیہ کرلیں گے، پھر میں واپس گیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بتایا تو آپ نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: یہ آخری اضافہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے۔ اور عنقریب اس کی تفصیل سے شرح باب "من جاھد فی طاعۃ اللہ" میں آئے گی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت ادب کرتے تھے اور آپ کے احوال کا مطالعہ کرتے تھے اور آپ سے محبت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے اوپر کوئی ایسی چیز نہ عارض ہو جس سے آپ کو ایذاء پہنچے۔

(۲) اس حدیث سے اکابر کے ساتھ حسنِ ادب کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ کہ جب چھوٹا یہ دیکھے کہ بڑا اکیلا ہے اور اس کے ساتھ حفاظت کے لیے کوئی نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور بیٹھا ہوا ہے اور نہ کوئی اور لازم ہے تو وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس نہ جائے، اس کے برخلاف جب بڑا کسی مجمع میں ہو مثلاً مسجد میں یا بازار میں تو وہ اس کے ساتھ جہاں جگہ مناسب ہو بیٹھ جائے۔

(۳) اس حدیث کے شروع میں ہے "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا" اس سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کو کسی غرضِ صحیح کی وجہ سے اس کی کنیت کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے، جب کہ اس کی کنیت اس کے اسم سے زیادہ مشہور ہو خاص طور پر اس وقت جب اس کا اسم اس کے اور دوسروں کے درمیان مشترک ہو اور اس کی کنیت منفرد ہو۔

(۴) کسی بڑے کے جواب میں چھوٹے کا لبیک اور سعدیک کہنا ادب کے زیادہ قریب ہے۔

(۵) جب کسی شخص نے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے جانا ہو تو اس کا اکیلے جانا جائز ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو وہاں ٹھہرا کر خود اکیلے چلے گئے تھے۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا اور یہاں سے مت جانا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ کہیں اکیلے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نامناسب امر نہ پیش آجائے، تو ان کی رائے یہ تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود جاکر دیکھیں، لیکن پھر انہیں یاد آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سے نہ جانے کا حکم دیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کے حکم پر عمل کرنا اپنی رائے اور مصلحت کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے بلکہ واجب ہے۔

(۷) نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب طالب اپنے شیخ سے کوئی ایسی بات سنے جو اس کے نزدیک دلائلِ شرعیہ کے خلاف ہو تو وہ اپنے شیخ کی طرف مراجعت کرے حتیٰ کہ اس کا حل معلوم ہو، کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیات اور آثار سے یہ ثابت تھا

کہ مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں عذاب ہوگا، اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جس نے شرک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوگا تو انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا کہ خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان دو کبیرہ گناہوں پر اقتصار کیا کیونکہ یہ دو گناہ حقوق اللہ کی معصیت اور حقوق العباد کی معصیت میں دو مثالیں ہیں۔ اور ایک اور روایت میں ہے خواہ اس نے خمر پی ہو، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ بھی بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے عقل میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور عقل ہی کی وجہ سے انسان کو جانوروں کے اوپر شرف عطا کیا گیا ہے، اور جب عقل میں خلل ہو جائے تو پھر عقل ہی تو انسان کو بقیہ کبائر سے روکنے والی ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق استفسار کیا۔

(۸) جب شیخ یہ دیکھے کہ طالب سوال کرنے میں اصرار کر رہا ہے تو وہ اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ خواہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو وہ ابوذر کی ناک کو خاک میں لتھیڑتا ہوا جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۹) امام بخاری نے کتاب اللباس میں اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب کوئی شخص موت کے وقت توبہ کرے، اور دوسروں نے اس پر محمول کیا ہے کہ اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا یہ عام ہے کہ ابتداءً جنت میں داخل ہو یا اپنی معصیت کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو، اور پہلا محمل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے اور دوسرا محمل زیادہ اولیٰ ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو۔

(۱۰) اس حدیث میں اہل سنت کی دلیل ہے اور خوارج اور معتزلہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ جب بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا لیکن اس حدیث سے ان کا رد کرنے میں یہ اعتراض ہے کہ کعب بن ذهل نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے کوئی برا کام کیا یا اپنی جان پر ظلم کیا، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ اور اس حدیث کی سند امام طبرانی کے نزدیک جید ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص جنت میں صرف کلمہ شہادت کی وجہ سے داخل نہیں ہوگا بلکہ توبہ کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا، اور خوارج اور معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۱) بعض علماء نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اس امت کی خصوصیت ہے، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنی امت کو بشارت دیجئے کہ آپ کی امت میں سے جو بھی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہے کہ اس امت کے بعض گناہ گاروں کو عذاب دیا جائے گا، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کا اشارہ لکھا ہے اور مکمل حدیث ذکر نہیں کی، مکمل حدیث درج ذیل ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں اور روزے اور زکوٰۃ کو لے کر آئے گا۔ اور اس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی، کسی شخص پر تہمت لگائی ہوگی، اور کسی شخص کا مال کھایا ہوگا، کسی شخص کا خون بہایا ہوگا، کسی شخص کو مارا ہوگا، پس اس کو بٹھایا جائے گا اور اس کی نیکیاں اس شخص کو دی جائیں گی اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ابھی اس شخص کا حق پورا

نہیں ہوا ہوگا تو پھر اس شخص کے گناہ اس کے اوپر ڈالے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۲۴۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳)

امام ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض گناہ گار لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ سو مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جس نے بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(۱۲) بعض احادیث میں ہے کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو گیا، اور بعض احادیث میں ہے: جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دی اس کو دوزخ پر حرام کر دیا گیا۔ بعض علماء نے ان حدیثوں کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حدیثیں فرائض اور امر اور نہی کے نزول سے پہلے کی ہیں اور یہ تاویل سعید بن المسیب اور الزہری سے مروی ہے۔ یہ تاویل اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں زنا اور چوری کا بھی ذکر ہے یعنی احکام کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت تھی۔

(۱۳) علامہ نووی نے کہا ہے کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہ گار اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے، اور بے شک جو شخص توحید اور رسالت کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پس اگر وہ دین دار ہو یا گناہوں سے محفوظ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائے گا اور دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا اور اگر اس نے بعض احکام کو ضائع کیا ہو یا بعض ممنوعہ چیزوں پر عمل کیا ہو اور بغیر توبہ کے مر گیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے اوپر وعید نافذ ہو جائے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنا چاہے، پس اگر وہ اس کو عذاب دینا چاہے گا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں چلا جائے گا۔

(۱۴) اس حدیث میں اس کی ترغیب دی ہے کہ تمام نیکی کے راستوں میں اپنے مال کو خرچ کرنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم زہد کے اعلیٰ درجات میں تھے، کیونکہ آپ نے اس کو پسند نہیں کیا کہ دنیا میں سے کوئی چیز آپ کے پاس ہو مگر آپ اس کو اس کے مستحقین میں خرچ کریں، یا جس کا آپ کے اوپر حق ہو اس کے حق کی ادائیگی میں خرچ کریں۔

(۱۵) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کے اوپر قرض کی ادائیگی کو مقدم کرنا چاہیے۔

(۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرض کا لینا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم ہو تو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں گا۔ علامہ ابن بطال نے یہ قید لگائی ہے کہ تھوڑا قرض لیا جائے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں ایک دینار کو قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں گا، کیونکہ اگر آپ کے اوپر ایک دینار سے زیادہ قرض ہوتا تو آپ صرف ایک دینار کو قرض کی ادائیگی کے لیے نہ رکھتے، کیونکہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ عمدہ قرض ادا کرنے والے تھے۔

(۱۷) اور علامہ ابن بطال نے کہا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اتنا قرض نہیں لینا چاہیے کہ جو اس پر محیط ہو جائے اور اس کے پاس اس قرض کو ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو جائے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ علامہ ابن بطال نے لفظ "ایک دینار" سے یہ سمجھا ہے، حالانکہ دوسری روایت میں تین دینار کے الفاظ بھی ہیں۔ اور تین دینار کا محمل یہ ہے کہ ایک دینار کو آپ قرض کی ادائیگی کے لیے رکھیں، ایک دینار کو اپنے اہل پر خرچ کرنے کے لیے رکھیں، اور ایک دینار کو آپ مہمان پر خرچ

کرنے کے لیے رکھیں۔

(۱۸) اس حدیث میں اس کی بھی ترغیب ہے کہ قرضہ جات کی ادائیگی کرنی چاہیے اور امانات کو ادا کرنا چاہیے۔

(۱۹) قاضی عیاض نے کہا ہے: اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ فقر غنیٰ پر افضل ہے اور بعض علماء نے اسی حدیث سے غنیٰ کی فقر پر افضلیت کو ثابت کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا ماخذ واضح ہے۔

(۲۰) اور اس حدیث میں اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ آدمی اپنی زندگی اور صحت کے اندر مال کو خرچ کرے اور یہ انتظار نہ کرے کہ موت کے وقت اپنے مال کی وصیت کر دے گا، اور حدیث میں ہے کہ تم صدقہ کرو جب کہ تم تندرست ہو اور مال کے خرچ کرنے پر بخیل ہو، کیونکہ اکثر اغنیاء اپنے پاس سے مال کے نکالنے میں بخل کرتے ہیں جب تک کہ وہ عافیت میں رہیں اور انہیں امید ہو کہ وہ زندہ رہیں گے اور انہیں فقر کا خوف ہو گا۔ پس جو شخص شیطان کی مخالفت کرے اور اپنے نفس پر قہر کرے اور آخرت کو ترجیح دے وہ کامیاب ہو گیا۔ اور جس نے اس میں بخل کیا وہ وصیت میں ظلم کرنے سے محفوظ نہیں رہے گا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۱۔ ۵۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے اور بھی بہت زیادہ فوائد ذکر کیے ہیں، لیکن ہم نے زیادہ اہم فوائد کا انتخاب کیا ہے۔

۱۵۔ بَابُ: اَلْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

غنیٰ حقیقت میں وہ ہے جس کا دل غنی ہو

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ (المؤمنون: ۵۵۔ ۶۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں O تو ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے O بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے O اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں O اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O (نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: لَمْ يَعْمَلُوهَا لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَعْمَلُوهَا۔ ہیں O ابن عیینہ نے کہا: انہوں نے ان احکام پر عمل نہیں کیا جن پر عمل کرنا ان کے لیے ضروری تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غنی درحقیقت وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو، خواہ اس شخص کے پاس مال کثیر ہو یا قلیل ہو۔

باب میں مذکور آیات کی شرح از علامہ عینی

یہ سورہ مومنون کی نو آیات ہیں اور امام بخاری کی ان آیات کو ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ مطلقاً مال میں خیر نہیں ہے۔

المومنون: ۵۵ اور ۵۶ میں فرمایا: ''اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمۡ۔۔۔ الآیہ''۔ ''کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں، تو ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے''۔

یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے معارض نہیں ہے جس میں آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا کی تھی۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا یہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں جو کچھ مال عطا کرتے ہیں اور ان کے مال میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کی اولاد میں اضافہ کرتے ہیں وہ ان کے کاموں کی جزاء ہے اور خیر ہے، نہیں! بلکہ وہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ نیکیوں میں جلدی کرنے والے کون ہیں، سو فرمایا: ''بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں'' (المومنون: ۵۷۔۵۸)

اور یہ آیت اور اس کے بعد کی آیات میں ان متقین کی مدح ہے۔

نیز فرمایا: ''اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے O اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O'' (المومنون: ۵۹۔۶۰)۔ یعنی وہ لوگ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں دراں حالیکہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں، انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے یہ صدقات قبول نہ کیے جائیں۔

نیز فرمایا: ''وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں'' (المومنون: ۶۲)۔ یعنی وہ لوگ نیک کاموں میں سبقت کرتے ہیں اپنی وسعت کے مطابق۔

نیز فرمایا: ''اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا'' O (المومنون: ۶۳) اور ہمارے پاس کتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتی ہے یعنی ان کے عمل کی حق کے ساتھ شہادت دیتی ہے۔

نیز فرمایا: ''(نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ

کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۶۳)۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر چھوڑ کر کفار کا ذکر شروع کیا یعنی وہ قرآن پر ایمان لانے سے غافل ہیں۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ اور ان کے اور بھی برے کام ہیں جو شرک کے علاوہ ہیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جس میں فرمایا ہے ''اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں'' (المومنون: ۶۳)۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے برے اعمال لکھے گئے جن پر مرنے سے پہلے ان پر عمل کرنا ضروری تھا تاکہ ان کے اوپر کلمۂ عذاب ثابت ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۲۔ ۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب میں مذکور کی آیات کی شرح از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں O تو وہ ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے۔'' (المومنون: ۵۵۔۵۶)

کافروں کے کفر کے باوجود ان کو نعمتیں دینے کی وجوہ

یہ امداد تو ان کو صرف گناہوں میں ڈھیل دینے کے لیے ہے اور ان کو معاصی کی دلدل میں زیادہ کھینچنے کے لیے ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی زیادہ نیکیوں کا ان کو صلہ مل رہا ہے، نہیں نہیں یہ تو حیوانات اور بہائم کے مشابہ ہیں، ان میں کوئی سمجھ اور شعور نہیں ہے کہ یہ اس پر غور کرتے کہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے یا ان کی نیکیوں کا انعام ہے۔

امام رازی نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سے کسی نبی کی طرف یہ وحی کی: کیا میرا بندہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی حالانکہ وہ مجھ سے بہت دور ہوتا ہے اور وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ میں اس سے دنیا اٹھا لیتا ہوں حالانکہ وہ میرے قریب ہوتا ہے۔

مومنین کی تحسین کی پانچ وجوہ

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے O اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں O'' (المومنون: ۵۷۔۶۱)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیتوں میں حسب ذیل پانچ وجوہ سے مومنین کی تحسین فرمائی ہے:

(۱) مومنین اپنے رب سے ڈرتے ہیں، مقاتل اور کلبی وغیرہ نے کہا کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اور بعض مفسرین نے کہا: وہ اپنے رب کے ڈر سے دائماً اس کی اطاعت کرتے ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اپنے رب کا خوف کامل

درجہ کا ہوگا، وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے حد خوفزدہ ہوگا، اور جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت دور رہے گا۔

(۲) اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات اور صفات پر نشانیاں بکھری ہوئی ہیں، جو لوگ نشانیوں میں غور اور فکر کر کے صاحب نشان تک پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لاتے ہیں۔

(۳) اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے، اس سے مراد شرک جلی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کو مستلزم ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی وہ ریاکاری نہیں کرتے، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے۔

(۴) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں، اس سے مراد وہ تمام کام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کر دیے ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور خواہ ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو جیسے لوگوں کی امانتیں ادا کرنا اور ان کے قرض ادا کرنا اور ان کے معاملات میں عدل و انصاف کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اس آیت (المومنون:۶۰) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اے صدیق کی بیٹی! اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی عبادتیں قبول نہ کی جائیں۔ (سنن ترمذی: ۳۱۷۵، سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۸، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۴)

(۵) وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت رغبت اور اہتمام سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں یہ عبادت اپنے وقت سے موخر نہ ہو جائے اور کہیں اس عبادت کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے، اور فرمایا: ''وہی نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں'' یعنی وہ دوسرے لوگوں سے پہلے نیکی کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ظلم نہ کرنے کی وجوہ

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O (نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۶۲۔ ۶۳)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں کی صفات اور ان کے اعمال کی کیفیت کا بیان فرمایا تھا، اور بندوں کے اعمال کے احکام میں سے دو حکم بیان فرمائے، ایک حکم یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں کرتا، اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب میں بندوں کے اعمال لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور وہ کتاب حق کے ساتھ کلام کرتی ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ظلم اس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ ان کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے یا ان کی نیکی سے کم ثواب دیا جائے یا ان کو اس

جرم کی سزا دی جائے جو انہوں نے نہیں کیا، یا ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف کیا جائے۔ اور اس قسم کا ظلم وہی کر سکتا ہے جو بندوں کی طاقت سے بے خبر ہو یا بندوں کے کیے ہوئے کاموں اور اس پر مرتب ہونے والی سزا یا جزا سے لاعلم ہو، اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا علم مخفی نہیں اور اس کا بے خبر ہونا محال ہے اور اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنا بھی محال ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی بندہ کا کوئی حق نہیں ہے اور اجر و ثواب دینا اس کا فضل ہے اور گناہوں پر گرفت کرنا اور سزا دینا اس کا عدل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی طرح بھی ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا۔

۶۴۴۶ ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحصین نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: سامان کی کثرت سے غنیٰ نہیں ہوتا لیکن غنیٰ دل کے مستغنی ہونے سے ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۵۱، سنن ترمذی: ۲۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۷، مسند احمد: ۷۳۱۴)

صحیح البخاری: ۶۴۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور اور قرآن مجید کی آیاتِ مذکورہ کے درمیان مناسبت

مال کا خیر ہونا لذاتہ نہیں ہوتا بلکہ متعلق کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر مال کا متعلق خیر ہو تو وہ مال خیر ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کے پاس مال کثیر ہو وہ لذاتہ غنی نہیں ہوتا بلکہ اپنے تصرف کے اعتبار سے غنی ہوتا ہے۔ اگر وہ فی نفسہٖ غنی ہو تو واجبات اور مستحبات اور دیگر نیکی کے راستوں میں اور عبادت کے طریقوں میں خرچ کرنے میں توقف نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ فی نفسہٖ فقیر ہو تو وہ اپنے مال کو اپنے پاس روک کر رکھے گا اور اس کے خرچ کرنے سے باز رہے گا اس خوف سے کہ کہیں وہ مال ختم نہ ہو جائے، سو وہ صورتاً بھی فقیر ہے اور معنیً بھی فقیر ہے اور اگر مال اس کے ہاتھ میں ہو لیکن وہ نہ اس سے دنیا کا نفع حاصل کرے اور نہ آخرت کا نفع حاصل کرے تو وہ مال اس کے اوپر عذاب بن جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، وہ احمد بن عبداللہ بن یونس التیمی الیربوعی الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوبکر کا ذکر ہے، وہ ابن عیاش القاری ہیں، مشہور یہ ہے کہ وہ کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحصین کا ذکر ہے، ان کا نام عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوصالح کا ذکر ہے، وہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''غنیٰ کثرتِ عرض سے نہیں ہوتا'': عَرَض (اس میں عین اور راء دونوں پر زبر ہے) سے مراد ہے دنیا کا ساز وسامان اور متاع۔ امام ابوعبید نے کہا ہے: العروض ساز وسامان ہیں اور یہ حیوان اور زمین کے ماسوا ہیں، وہ چیزیں جو کیل اور وزن میں داخل نہیں ہوتیں، اور ابن فارس نے کہا: عرض ہر وہ مال ہے جو نقد نہ ہو اور اس کی جمع عروض ہے۔ اور اگر اس میں صرف عین پر زبر ہو یعنی عَرْض تو اس کا معنی ہے: انسان کو جو دنیا میں حصہ ملتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال:٦٧)

تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الاعراف:١٦٩)

اور اگر ان کے پاس اس طرح کا اور سامان آ جائے تو وہ اس کو بھی لے لیں گے، کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے، اور انہوں نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے، کیا تم (یہ بات) نہیں سمجھتے O

اس حدیث کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی غنیٰ کثرتِ مال سے معتبر نہیں ہوتا بلکہ وہ نفس کا مستغنی ہونا ہے اور نفس کا دنیا پر حرص نہ کرنا ہے۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ اکثر مال دار لوگوں کا دل فقیر ہوتا ہے اور وہ زیادہ مال کے حصول کی کوشش کرتے ہیں، اس کی وجہ ان کی مال جمع کرنے پر شدتِ حرص ہے تو گویا کہ وہ فقیر ہیں، اور جس کا نفس غنی ہوتا ہے، وہ بابِ رضا سے متعلق ہے، وہ اللہ کی قضاء کے اوپر راضی ہوتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے وہ ختم ہونے والا نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٨٣۔ ٨٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٤٤٦، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مالِ دنیا پر حرص کرنے والے کا غنی نہ ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی شخص مال اور اسباب اور ساز وسامان کی کثرت کی وجہ سے غنی نہیں ہوتا، کیونکہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن وہ فی نفسہٖ فقیر ہوتے ہیں، ان کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے وہ اس پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ مال میں اضافہ اور زیادتی کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ پرواہ نہیں کرتے کہ یہ مال ان کے پاس کہاں سے آتا ہے، پس گویا کہ وہ مال کے اعتبار سے فقیر ہیں کیونکہ ان کو مال کے جمع کرنے پر بہت زیادہ طمع، لالچ اور حرص ہوتی ہے، اور حقیقت میں غنی وہ ہے جو دل سے مستغنی ہو، جس شخص کے پاس تھوڑا مال ہو اور وہ اس پر قناعت کرے اور زیادہ کی حرص نہ

کرے اور نہ اس کی طلب میں بہت زیادہ مبالغہ کرے، پس گویا کہ وہ ہمیشہ غنی ہے اور جس کا نفس مستغنی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء پر اور تقدیر پر راضی ہے اور اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر ہے وہ ابرار کے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نیک اولیاء کے لیے مقدر کیے وہ بہت عمدہ ہیں۔

حسن بصری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر راضی رہو جو تمہارے لیے تقسیم کیا گیا ہے تو تم تمام لوگوں سے زیادہ شکر گزار ہو گے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۰)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (المومنون: ۵۵۔۵۶)

کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں O تو وہ ان کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے O

یہ آیت کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے جو مال اور اولاد کی کثرت کی دعا کی تھی، سو یہ آیت اس کے معارض نہیں ہے۔ اور مفسرین نے اس کے معنی میں یہ کہا ہے کہ یہ لوگ کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے جو ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کیا ہے وہ ان کی بہترین جزاء ہے؟ نہیں بلکہ وہ استدراج ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ (المومنون: ۶۳)

(نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں O

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمت سے غافل ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دینے کے لیے جو ان کے مال اور اولاد میں کثرت کی ہے، اس کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ راضی ہے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۴۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دل کے مستغنی ہونے کی وضاحت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''غنی حقیقت میں وہ ہوتا ہے جس کا دل مستغنی ہے'' اور اس کی اصل صحیح مسلم میں اور صحیح ابن حبان میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال کی کثرت غنیٰ ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! اور آپ نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال کی قلت فقر ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: غنیٰ دل کا غنی ہونا ہے اور فقر دل کا فقر ہے۔

علامہ القرطبی نے لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو غنیٰ نفع بخش ہو یا جس کا نفع عظیم ہو یا جس غنیٰ کی مدح کی گئی ہو، وہ

نفس کا مستغنی ہونا ہے،اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب نفس مستغنی ہوگا تو وہ زیادہ طمع نہیں کرے گا اور اس کو جو بھی چیز حاصل ہوگی وہ اس کو عظیم سمجھے گا اور غنی کی زیادہ مدح اس لیے کی گئی ہے کہ جس کا نفس فقیر ہوتا ہے وہ دنیا پر حریص ہوتا ہے اور وہ اس کو رذائل امور میں مبتلاء کر دیتا ہے اور گھٹیا افعال میں مشغول کر دیتا ہے، کیونکہ اس کی ہمت پست ہوتی ہے اور اس کا بخل زیادہ ہوتا ہے اور اس کی مذمت بہت زیادہ کی گئی ہے۔اور وہ شخص ہر حقیر سے زیادہ حقیر ہوتا ہے اور ہر ذلیل سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نفس کے مستغنی ہونے سے متصف ہوتا ہے، وہ اللہ کے دیے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہوتا ہے، اور بغیر ضرورت کے زیادتی اور اضافہ کی حرص نہیں کرتا اور لوگوں سے سوال نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے، گویا کہ ہمیشہ وہ مال کو پانے والا ہے، اور جو شخص نفس کے فقر کے ساتھ متصف ہو، وہ اس کے برخلاف ہوتا ہے، کیونکہ اس کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، وہ اس پر قناعت نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ زیادتی اور اضافہ کا طالب رہتا ہے، پھر جب اس کو مطلوب نہیں ملتا تو وہ غمگین ہوتا ہے اور افسوس کرتا رہتا ہے، گویا کہ وہ مال کا محتاج ہے اور اس کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ اس سے مستغنی نہیں ہے، پس وہ غنی نہیں ہے، پھر نفس کا غنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرے، اور اس کو یہ یقین ہو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ خیر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، پس وہ حرص سے اعراض کرنے والا ہے۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: انسان کو چاہیے کہ اپنے اوقات کو غنیٰ حقیقی میں صرف کرے اور تحصیل کمالات میں خرچ کرے نہ کہ مال کو جمع کرنے میں، کیونکہ مال کو جمع کرنے میں لگا رہے گا تو اس سے اس کا فقر زیادہ ہوگا۔اور نفس کا غنیٰ اس کے دل کے مستغنی ہونے سے حاصل ہوگا بایں طور کہ وہ تمام معاملات میں اپنے رب کا محتاج ہو اور اس کے نزدیک یہ محقق ہو کہ دینے والا اور منع کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، پس وہ اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اور مصائب کے دور کرنے میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو، پھر اس کا دل اپنے رب کی طرف محتاج ہوگا اور اپنے رب کے علاوہ دوسروں سے وہ مستغنی ہوگا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۳۔ ۵۰۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۶۔ بَابُ: فَضْلِ الْفَقْرِ — فقر کی فضیلت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں فقر کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو اور اس پر صابر ہو اور اس کے قول اور فعل سے کوئی ایسی چیز ظاہر نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی موجب ہو، اور وہ کوشش اور جد و جہد کو ترک نہ کرے۔اور ایسے سوال میں مشغول نہ ہو جو انجام کار ذلت اور رسوائی ہے۔اور جو اس زمانہ کے فقراء ہیں ان میں سے اکثر ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں ہوتے۔اور ان لوگوں کا فقر وہی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ طلب کی ہے۔رہا اس میں اختلاف کہ فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر افضل ہے تو یہ بہت مشہور ہے اور اکثر جماعت نے اس میں بحث کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۷- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٍ مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ هَذَا وَاللهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا رَأْيُكَ فِي هَذَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ هَذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هَذَا۔

(صحیح البخاری: ۶۴۴۷، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ نے دوسرے مرد سے کہا جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا: اس مرد کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ مرد معزز لوگوں میں سے ہے، اللہ کی قسم! یہ اس بات کے لائق ہے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح کر دیا جائے، اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک اور مرد گزرا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا: اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مرد فقراء مسلمین میں سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے، اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ قبول کی جائے، اور اگر یہ کوئی بات کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص اس دنیاوی معزز شخص سے بہتر ہے خواہ ایسے معزز شخص تمام روئے زمین میں بھرے ہوئے ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۴۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "فقر کی فضیلت" اور اس حدیث میں دو مردوں کا ذکر ہے، ایک مرد معزز تھا اور دوسرا مرد پسماندہ تھا اور یہ باب اس دوسرے مرد کے متعلق ہے، سو اس طرح حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن ابی حازم، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''حری''اس کا معنی ہے: جدیر اور لائق۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لایشفع''یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''لایسمع''یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے، یعنی اس کی بات کی طرف توجہ نہ کی جائے اور اس کی بات کو نہ سنا جائے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۴۔۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۸۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ عُدْنَا خَبَّابًا فَقَالَ هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم نُرِيدُ وَجْهَ اللهِ فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ يَأْخُذْ مِنْ أَجْرِهِ مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ نَمِرَةً فَإِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ وَنَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْئًا مِنَ الْإِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: میں نے ابووائل سے سنا، انہوں نے کہا: ہم نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کی، انہوں نے بتایا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ہم اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے تھے، سو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا، پس ہم میں سے بعض دنیا سے گزر گئے اور انہوں نے اپنے اجر میں سے کچھ بھی نہیں لیا، ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ غزوۂ احد میں شہید کر دیے گئے، انہوں نے ایک چادر چھوڑی تھی، جب ہم اس چادر سے ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پیر کھل جاتے تھے، اور جب ان کے پیروں کو ڈھانپتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانپ دیں اور ان کے پیروں کے اوپر اذخر گھاس رکھ دیں، اور ہم میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کے اجر کا پھل پک گیا اور وہ اس کو چن رہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۷۶، ۳۸۹۷، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۴۰۴۷، ۴۰۸۲، ۶۴۳۲، ۶۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۴۰، سنن ترمذی: ۳۸۵۳، سنن نسائی: ۱۹۰۳، مسند احمد: ۲۶۶۷۲)

صحیح البخاری: ۶۴۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور ان کے

فقر کا بیان ہے کہ انہوں نے صرف ایک چھوٹی چادر چھوڑی تھی جس سے ان کا پورا جسم نہیں ڈھانپا جا سکتا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، ان کا نام عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہے جو اپنے اجداد میں سے ایک کی طرف منسوب ہیں جن کا نام حُمید تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو وائل، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی تو آپ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ ساتھ نہیں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہجرت کی۔ اور معیت سے مراد ہجرت کے حکم میں مشترک ہونا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نرید وجہ اللہ" یعنی ہم اللہ عزوجل کی رضا کو طلب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو ہجرت کا ثواب تیار کر رکھا ہے اس کو طلب کرتے تھے۔ پس وہ اجر ثابت ہو گیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے چونکہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اجر عطا فرمائے گا تو اس کے وعدہ کے اعتبار سے وہ اجر ہمارے لیے ثابت ہو گیا، یا از راہِ کرمِ الٰہی ثابت ہو گیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کے جواب میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اس لیے اس کے وعدہ کے اعتبار سے ہماری جزاء ثابت ہو گئی ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

اس حدیث میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام ہے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قصی میں جمع ہو جاتے ہیں، یہ غزوۂ احد میں شہید کر دیئے گئے تھے اور یہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا اٹھانے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نمرۃ" اس کا معنی ہے: چادر۔ اور یہ اصل میں اون کا دھاری دار تہبند تھا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۵۔۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۴۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلم بن زریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وہ بیان کرتے

أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ تَابَعَهُ أَيُّوبُ وَعَوْفٌ وَقَالَ صَخْرٌ وَحَمَّادُ بْنُ نَجِيحٍ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل جنت فقراء ہیں اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو میں نے دیکھا اکثر اہلِ دوزخ عورتیں ہیں۔
ابورجاء کی متابعت ایوب اور عوف نے کی ہے۔
اور صخر اور حماد بن نجیح نے کہا از ابی رجاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۱، ۵۱۹۸، ۶۴۴۹، ۶۵۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۷، سنن ترمذی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۲۰۸۷)

صحیح البخاری: ۶۴۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، ان کا نام ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلم بن زریر، زریر، عظیم کے وزن پر ہے اور یہ العطاردی البصری ہیں، اور ابورجاء کا نام عمران بن تیم العطاردی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۰- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ لَمْ يَأْكُلِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى خِوَانٍ حَتَّى مَاتَ وَمَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتَّى مَاتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی عروبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز نما تخت پر کھانا نہیں کھایا، اور آپ نے کبھی باریک چپاتی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۵، ۶۴۵۰، سنن الترمذی: ۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۲۹۳، مسند احمد: ۱۱۹۱۶)

صحیح البخاری: ۶۴۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث بھی فقر پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابومعمر کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن محمد بن عمرو بن الحجاج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں خوان کا لفظ ہے، یہ وہ چیز ہے جس کے اوپر کھانا رکھ کر عیش پرست لوگ کھاتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات ہوگئی اور میری دیوار کی الماری میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جو کسی جاندار کے کھانے کے قابل ہوتی، سوا جو کے جو میری الماری میں رکھے ہوئے تھے، میں اس سے کھاتی رہی حتیٰ کہ مجھ پر کافی عرصہ گزر گیا، پھر میں نے ان کو ناپ کر دیکھا کہ کتنے ہیں تو وہ ختم ہوگئے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۷، ۶۴۵۱، صحیح مسلم: ۲۹۷۳، سنن ترمذی: ۲۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۵، مسند احمد: ۲۴۲۴۷)

صحیح البخاری: ۶۴۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بھی اختیاری فقر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ابی شیبہ، یہ ابوبکر ہے اور ابوشیبہ ان کے علاتی (باپ شریک) دادا ہیں اور وہ ابن محمد بن ابی شیبہ ہیں اور ان کا نام ابراہیم ہے، اور وہ اصل میں واسط کے رہنے والے تھے پھر کوفہ میں رہنے لگے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، ان کا نام حماد بن ابواسامہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے باپ عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رف" یہ ایک چوڑی لکڑی ہے جس کی دو طرفیں دیوار میں نصب ہوتی ہیں اور یہ گھروں میں بنے ہوئے طاق کے مشابہ ہوتی ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ حدیث کتاب الوصایا کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی

وفات کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم اور نہ کوئی اور چیز۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی اس سے کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جو آپ کے ساتھ مخصوص ہوتی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بیان کیا ہے، یہ وہ چیز ہے جو ان کے ساتھ مخصوص تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ذو کبد" کبد کے معنی ہیں جگر اور یہ تمام جانداروں کو شامل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کتاب البیوع میں یہ حدیث گزری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے طعام کو ناپا کرو تا کہ تمہیں اس میں برکت دی جائے" اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپنے کی وجہ سے برکت چلی گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو برکت کا اثبات ہے وہ بیع کے وقت ہے، اور جو برکت کی نفی ہے وہ خرچ کرنے کے وقت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۷۔ ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقر اور غنیٰ کی ایک دوسرے پر افضلیت کا بیان

بہ ظاہر ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقر کی غنیٰ پر فضیلت ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شارع علیہ السلام نے فقر کو اعمال کے اعتبار سے افضل قرار دیا ہے اور غنیٰ زیادہ عزت والا ہے۔ اور فضیلت کفاف میں ہے یعنی سوال نہ کرنے میں اور بھوک روکنے کے لائق کھانا کھانے میں۔ اور علماء نے اس مسئلہ میں بہت طویل بحث کی ہے اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بعض علماء نے فقر کو غنیٰ پر فضیلت دی ہے اور جن لوگوں نے اس میں کتابیں لکھی ہیں ان میں ابن الفخار ہیں۔ اور دوسرے علماء نے غنیٰ کو فقر پر فضیلت دی ہے۔ اور جن علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں ان میں علامہ ابن قتیبہ ہیں۔

فقر کی غنیٰ پر فضیلت میں احادیث

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا فرمانا، اور میرا مساکین کے گروہ میں حشر کرنا"۔

(سنن ترمذی: ۲۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۶، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۲۱)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میرے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی تو تو اس کے مال میں اور اولاد میں کمی کرنا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۳)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے ۔۔۔۔۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۲۳۵۴)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں مال والے قیامت کے دن اجر کے اعتبار سے کم ہوں گے سوا اس کے جو اس طرح اور اس طرح مال کو صدقہ کرے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۴۴) اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس سے خوشی

نہیں ہوگی کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزوں میں رشک کرنا مناسب ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس مال کو حق کے راستہ میں ختم کر دے۔ (صحیح البخاری: ۷۳، صحیح مسلم: ۸۱۶)

(۶) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم نے اپنے وارثوں کو اغنیاء چھوڑا تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑ دو وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنا بعض مال اپنے پاس رکھو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

مؤخر الذکر دونوں حدیثوں کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: وہ مفلس ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کی مذمت نہیں فرماتے تھے جس میں فضیلت ہو۔

فی نفسہٖ فقر میں فضیلت ہے نہ غنیٰ میں فضیلت ہے بلکہ فضیلت میانہ روی میں ہے

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس مسئلہ میں سب سے بہتر جو میں نے دیکھا وہ علامہ احمد بن نصر الداؤدی کا قول ہے، انہوں نے کہا: فقر اور غنیٰ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بہترین بندوں کی آزمائش کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ صابرین کے صبر کو ظاہر فرمائے، اور مال پر اترانے والوں کی سرکشی کو ظاہر فرمائے۔ اور یہ مسئلہ غیر راسخ علماء پر مشکل ہو گیا۔ پس بعض علماء نے غنیٰ کی فقر پر فضیلت میں کتابیں لکھیں، اور دوسرے بعض علماء نے اس کے برعکس کیا۔ اور وہ اس طریقہ سے غافل ہوئے جس پر برانگیختہ کرنا واجب ہے اور مستحب ہے۔

اور مجھے توقع ہے کہ جس شخص کی نیت صحیح ہوگی اور وہ اخلاص سے عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی نیت کے مطابق اچھی جزاء دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (الانبیاء: ۳۵)

اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا (بنی اسرائیل: ۸۳)

اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے O

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (المعارج: ۱۹-۲۱)

بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے O جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے O

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۭ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (الفجر: ۱۵-۱۶)

پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دی O اور جب اس کا رب اس کو (مصیبت سے) آزمائے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر

دے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا O

وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ (الشوریٰ: ۲۷)

اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے، لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ (الزخرف: ۳۳)

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O

كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (العلق: ۶-۷)

بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O

نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں ہے، مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ دنیا تم پر کھول دی جائے گی۔۔۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۳۱۵۸، ۶۴۲۵، صحیح مسلم: ۲۹۶۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقر کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے اور غنیٰ کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ بقدرِ ضرورت سے زائد جتنی چیز ہو وہ آزمائش ہے اور اس آزمائش سے وہی سلامت رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے رکھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قلیل ہو اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کثیر ہو اور غافل کرنے والا ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۷، صحیح ابن حبان: ۳۳۲۹، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۴۴)

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب کسریٰ کے اموال لائے گئے تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے اوپر بھی اس مال کو کھول دیا وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائے گی اور رحم کے رشتوں کو قطع کرے گی، اے اللہ! ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے مگر یہ کہ ہم اس سے خوش ہوں جس کو تو نے ہمارے لیے خوش نما بنا دیا۔ اے اللہ! تو نے اس مال کو اپنے رسول سے روک لیا ان کے اکرام کے لیے، اور تو نے اس مال کو مجھ پر کھول دیا تا کہ تو مجھ پر آزمائش کرے، اے اللہ! اس مال کو حق کے راستہ میں خرچ کرنے پر مجھے مسلط فرما دے اور مجھے اس مال کے فتنہ سے بچا۔

یہ احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ فضیلت بقدرِ ضرورت مال میں ہے نہ کہ فقر کی فضیلت ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے، بلکہ غنیٰ اور فقر دونوں آزمائشیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے فتنوں سے پناہ طلب کرتے تھے۔ اور اس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں:

وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل: ۲۹)

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو O

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں

بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ (الفرقان:۶۷)

اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہے O

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۶﴾ (النساء:۵۔۶)

اور کم عقلوں کو اپنے مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو O اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھ داری (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، اور ان کے مال کو فضول خرچ کر کے ان کے بڑے ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ، اور جو (یتیم کا ولی) مال دار ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے، اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق کھالے، پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنالو، اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا O

اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے لیے مال کی تحسین کی، اور یہ اس غنی کے متعلق ہے جس میں سرکشی نہ ہو۔ اور اگر ان کے پاس اس سے زیادہ مال ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے۔ اور لوگوں کے ہاتھ صدقات سے کوتاہ ہو جاتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ باز رہتے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے میں تم کو ایک ایسے لشکر میں بھیجوں کہ جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے ساتھ لے آئے اور تمہیں مالِ غنیمت ملے اور میں تمہارے لیے مال میں رغبت کروں تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا ہجرت کے وقت جو بھی مال تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، تو آپ نے فرمایا: جو مال صلاحیت والا ہو وہ اس مرد کے لیے ہوتا ہے جو صلاحیت والا ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۷، صحیح ابن حبان: ۳۲۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مال کے حصول پر برانگیختہ کیا اور آپ کسی شخص کو اس چیز پر برانگیختہ نہیں کرتے تھے جس سے اس کا حصہ اللہ کے نزدیک کم ہو جائے۔

لہٰذا یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فقر اور غنیٰ میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے، کیونکہ یہ دونوں آزمائشیں ہیں۔ اور اس قول کا قائل گویا کہ یوں کہتا ہے کہ انسان کے ہاتھ کا چلا جانا اللہ کے نزدیک اس کی ٹانگ کے چلے جانے سے افضل ہے۔ اور اس کی سماعت کا چلا جانا اس کی بصارت کے چلے جانے سے افضل ہے۔ پس یہاں کوئی نعمت دوسرے سے افضل نہیں ہے، بلکہ یہ آزمائش ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلاء کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ صابرین اور شاکرین کو دوسروں سے ممتاز کرے۔ اور میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے فقر کی دعا کی ہو اور نہ کسی ایک کے لیے فقر کی دعا کی ہو جس کے لیے آپ خیر کا ارادہ کرتے تھے، بلکہ آپ یہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بقدرِ ضرورت عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے آپ فقر کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے اور غنیٰ کے فتنہ سے بھی پناہ طلب کرتے تھے۔

فقر کو افضل نہ قرار دینے پر ایک اعتراض کا جواب

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے ''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے حالتِ مسکینی میں وفات دے اور میرا حشر مساکین میں کرنا''۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۲)

اگر اس حدیث کی نقل ثابت ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ایسی مسکینی میں زندہ رکھ جو میانہ روی سے تجاوز نہ کرے یا آپ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کو ظاہر فرماتے تھے۔ اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے اموال کو اور فدک اور خیبر میں جو آپ کا حصہ تھا اس کو ترک کر دیا تھا، پس یہ جائز نہیں ہے کہ آپ کے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوں کہ آپ کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے اور آپ اس پر قادر ہوں کہ آپ اپنے ہاتھ سے اموال کو خرچ کریں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لایا ہو اور اس نے میرے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی ہو تو اس کے مال اور اس کی اولاد میں کمی کر۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۳)

اس حدیث کی نقل صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور اگر آپ نے قلتِ مال کی دعا کی ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا کی کہ ان کو بقدرِ ضرورت رزق عطا فرما۔ اور رہا یہ کہ آپ نے قلتِ اولاد کی دعا کی ہو تو یہ دعا آپ مسلمانوں کے لیے کیسے کر سکتے ہیں اور جس چیز کو مشاہدہ رد کرتا ہو تو اس کی نقل صحیح نہیں ہے اور احادیث باہم متناقض اور مخالف نہیں ہوتیں اور آپ کیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے اور حضرت ابولبابہ کو اور حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہما کو یہ حکم دیتے کہ ان کے پاس جو مال ہے اس کو اپنے پاس باقی رہنے دیں اور فرماتے کہ یہ مال خیر ہے۔ پھر اس حدیث کے مخالف وہ حدیث ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کی دعا کی اور یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عطا فرمایا ہے اس میں برکت نازل فرمائے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری بیٹی نے شمار کر کے بتایا کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری پشت سے ایک سو بیس سے زائد بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پیدا ہوئے اور اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ ساٹھ سال زندہ رہے اور ان کی اولاد ہوئی۔ اور آپ نے ان کے لیے کثرتِ مال کی دعا کی اور یہ بھی دعا کی کہ جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس میں برکت نازل فرمائے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۳۴)

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر علامہ ابن ملقن کا یہ کہنا مشکل نظر آتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے بصرہ آنے کے بعد حضرت انس ساٹھ سال زندہ رہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں اور حجاج ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد بصرہ گیا ہے تو اس کے بعد وہ بیس (۲۰) سال زندہ رہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس سوال کا جواب کہ جو شخص فقر یا غنیٰ کی آزمائش میں مبتلا ہو ان میں سے کون زیادہ افضل ہے جب کہ ان میں سے ہر ایک کا حال درست ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال صحیح نہیں ہے، کیونکہ کبھی ان لوگوں کے لیے فقر اور غنیٰ کی آزمائش کے علاوہ اور بھی اعمال ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے شخص سے افضل ہوتا ہے۔

پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ان دونوں کا حال برابر ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فقیر پر فقر کی وجہ سے صبر اور تھوڑے مال پر قناعت اور اللہ کی تقسیم پر رضا واجب ہوتی ہے اور وہ اس واجب کو ادا کرتا ہے اور غنی پر مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور شکر بجالانا اور تواضع کرنا واجب ہوتا ہے اور وہ اس واجب پر عمل کرتا ہے تو ان دونوں مردوں میں کون زیادہ افضل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور جن کے پاس مال کا حصہ ہے وہ رو کے گئے ہوں گے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۵۴)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان مالداروں کو جنت میں جانے سے روک لیا جائے گا جو مال پر فخر کرتے ہوں گے اور اپنے پاس مال جمع کرتے ہوں گے، لیکن جو مال میں اللہ کا حق سے ادا کرتے ہیں اور اس پر فخر نہیں کرتے اور مالی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس کی حفاظت کرتے ہیں، پس یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن سے پہلے فقراء کو جنت میں داخل کیا جائے۔

اس تاویل کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو گزر چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشک کرنا صرف دو خصلتوں میں مستحسن ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اس مال کو اسے حق کے راستہ میں خرچ کرنے پر مسلط کردے۔ (صحیح البخاری: ۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ان دو مرتبوں سے کوئی اور مرتبہ بلند نہیں ہے ورنہ شارع علیہ السلام اس پر رشک کرنے کی ترغیب نہ دیتے۔

نیز ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں، ایک گھوڑا مرد کے لیے اجر کا سبب ہوتا ہے، دوسرا گھوڑا مرد کے گناہوں پر ستر کا سبب ہوتا ہے، اور تیسرا گھوڑا اس کے اوپر گناہ کا سبب ہوتا ہے۔ پس جو گھوڑا اس کے لیے گناہوں کا بوجھ ہے، سو یہ وہ مرد ہے جس نے گھوڑے کو فخر اور دکھاوے کے لیے باندھا۔ (صحیح البخاری: ۲۸۶۰)

پس یہ تیسری قسم والا یوم حساب میں دخولِ جنت سے روکا جائے گا لیکن جس نے گھوڑا اجر کے لیے رکھا اور یا گناہوں پر پردہ کے لیے رکھا تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ غنٰی کی آفات بہت زیادہ ہیں اور مال داروں میں سے نجات پانے والے بہت کم ہیں، کیونکہ غنٰی کی آفات میں سے وہی شخص سلامت رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سوالِ مذکور کا ایک اور جواب

علامہ مہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ فقراء کا اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہونا فقر کی غنٰی پر افضلیت کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ جنت میں پہلے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں کوئی فضیلت ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور آپ جنت میں پہلے نہیں جائیں گے حتیٰ کہ آپ اپنی امت کی شفاعت کریں گے، اسی طرح نیک مومنین بھی اپنے لوگوں کی شفاعت کریں گے جو ان سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور قیامت کے دن دیکھا جائے گا اور جس کا حساب کم سے کم ہوگا اس کو پہلے جنت میں بھیجا جائے گا، تو اسی وجہ سے فقراء کو پہلے بھیجا جائے گا کیونکہ ان کے اوپر اموال کے حساب کا غلبہ نہیں ہوگا۔ تو ان کا اغنیاء سے پہلے جنت میں جانا اس وجہ سے ہوگا۔ پھر اس کے بعد مال داروں سے حساب لیا جائے گا پھر، وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہ جنت کے اندر ان درجات کو پائیں گے جن درجات کو فقراء نے نہیں پایا تھا۔

جنت میں اکثر فقراء کے ہونے سے فقر کی فضیلت کا جواب

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ میں جنت پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا جنت میں اکثر فقراء ہیں۔ (صحیح البخاری: ۶۴۴۹)

یہ حدیث بھی فقیر کی افضلیت کو واجب نہیں کرتی اور اس کا معنی صرف یہ ہے کہ فقراء کی تعداد دنیا میں اغنیاء کی تعداد سے زیادہ ہے، تو اسی طرح وہ جنت میں بھی زیادہ ہوں گے۔ جیسا کہ تم کہو کہ دنیا میں فقراء زیادہ ہیں تو یہ تعداد کے اعتبار سے ہے فضیلت کے اعتبار سے نہیں ہے اور ان کی حالت کے اعتبار سے ہے، اور ان کو ان کے فقر نے جنت میں داخل نہیں کیا، وہ فقر کے باوجود نیک کام کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے، کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ جب فقیر نیک نہ ہو تو فقر کی وجہ سے اس کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فقر کی فضیلت کا جواب

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا تو آپ نے اس شخص سے پوچھا جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تمہاری اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ مرد معزز لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم! یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دیا جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر یہ شفاعت کرے تو اس کی شفاعت قبول کی جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک اور مرد گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلق پوچھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مرد فقراء مسلمین میں سے ہے، یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اگر یہ سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کی مثل لوگوں سے (یعنی معززین میں سے) تمام روئے زمین کو بھر دیا جائے تب بھی یہ (مسلمان فقیر) ان سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۴۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف فقر کی وجہ سے اس کا افضل ہونا لازم نہیں آتا اور حدیث میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ اپنے فقر کی وجہ سے افضل ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر فقیر نیک نہ ہو تو ہر نیک مالدار اس سے افضل ہوگا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور ہم صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے تھے تو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ثابت ہو گیا، پس ہم میں سے بعض نے اپنے اجر میں سے کوئی حصہ نہیں لیا، ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر تھے جو غزوۂ احد میں شہید کر دیئے گئے اور انہوں نے ایک ایسی چادر چھوڑی کہ اگر ہم اس سے ان کا سر ڈھانپیں تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیروں کو ڈھانپیں تو ان کا سر کھل جاتا تھا، تو ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے سر کو ڈھانپ دیا جائے۔ اور ان کے پیروں پر اذخر گھاس رکھ دیں اور ہم میں سے بعض وہ ہیں جن کے عمل کا پھل پک گیا اور وہ اس کو چن رہے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۶۴۴۸)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے نہیں تھی اور نہ کسی نعمت کو جلد حاصل کرنے کے لیے تھی، ان کی ہجرت محض اللہ کی رضا کے لیے تھی تا کہ ان کو آخرت میں جنت کا ثواب ملے اور دوزخ سے نجات ہو جائے۔ پس ان میں سے جو

صحابی اس سے پہلے شہید ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر شہروں کو فتح کرتا تو انہوں نے کہا: وہ دنیا سے گزر گئے اور انہوں نے دنیا میں کوئی اپنے اجر کا حصہ نہیں لیا اور ان کا اجر آخرت میں بہت زیادہ ہے۔ اور جو صحابہ ان میں سے باقی رہ گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا فتح کر دی اور انہوں نے دنیا کی پاکیزہ چیزیں حاصل کیں، انہیں یہ خوف ہوا کہ کہیں ان کی طاعت کا اجر انہیں دنیا میں نہ مل گیا ہو اور ان کی ہجرت کا ثواب انہیں دنیا میں مل گیا ہو، کیونکہ وہ آخرت کی نعمتوں پر زیادہ حریص تھے۔

میں کہتا ہوں: یہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا کمالِ تواضع ہے اور اللہ رب العالمین سے کمال درجہ کا خوف ہے ورنہ جن صحابہ پر شہر فتح کیے گئے اور اللہ کی نعمتوں کو کھولا گیا ان میں حضرات خلفاء راشدین ہیں جو افضلیت میں تمام صحابہ سے آگے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تخت نما میز پر کھانا نہ کھانے کا جواب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تخت نما میز پر کھانا نہیں کھاتے تھے اور پتلی چپاتی کھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس لیے کرتے تھے کیونکہ آپ نے پاکیزہ چیزوں کو اور حلال چیزوں کو آخرت کی دائمی حیات کے لیے چھوڑ دیا تھا اور آپ اس پر راضی نہیں تھے کہ آپ فانی دنیا میں ان سے کوئی نعمت حاصل کریں، کیونکہ آپ افضلِ دارین کو اختیار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ نبی اور بندے ہوں یا نبی اور بادشاہ ہوں تو آپ نے بندہ رہنے کو اختیار کیا۔ پس آپ پر لازم تھا کہ آپ اللہ کے لیے اس چیز کو پورا کریں جس کو آپ نے اختیار کیا تھا۔ اور دینی عبادات کو بجالانے کے لیے مال میں رغبت کی جاتی ہے تا کہ اس سے آخرت کے ثواب پر مدد حاصل کی جائے اور شارع علیہ السلام مغفور ہیں، ان وجوہ سے آپ کو مال کی ضرورت نہ تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تھوڑے سے جَو کھائے تھے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی اور المباری میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھاتا سوائے تھوڑے سے جَو کے جو ایک المباری میں تھے، پس میں اس سے کھاتی رہی حتیٰ کہ عرصہ گزر گیا، پھر میں نے ایک دن ان کی پیمائش کی تو وہ ختم ہو گئے۔ (صحیح البخاری: ٦٤٥١)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میانہ روی کو بیان کرنے کے لیے ہے اور آپ صرف اتنی مقدار کھاتے تھے جس سے بھوک مٹ سکے۔

علامہ ابن الملقن کے نزدیک غنیٰ فقر سے افضل ہے

علامہ ابن الملقن شافعی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے، کیونکہ غنیٰ وہ حالت ہے جس حالت میں شارع علیہ السلام کی وفات ہوئی اور وہ اکمل الحالات ہے۔

اور سیدی ابوعلی الدقاق سے سوال کیا گیا کہ غنیٰ یا فقر میں کون زیادہ افضل ہے تو انہوں نے کہا: غنیٰ زیادہ افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غنیٰ کے ساتھ کی ہے اور فقر مخلوق کی صفت ہے اور حق تعالیٰ کا وصف مخلوق کے وصف سے افضل ہے اور یہ بہت عمدہ استدلال ہے۔

اور رہا تھوڑی مقدار پر قناعت کرنا تو یہ بلند درجہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کا سوال کرتے تھے جو افضل الاحوال ہو۔ حدیث میں ہے:

امام ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر غنی اور ہر فقیر قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ اس کو گزارہ کے لائق دیا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۰)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس بناء پر جو لوگ مقدارِ ضرورت کے اوپر قناعت کرتے ہیں تو وہی اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے، کیونکہ وہ متوسطین ہیں اور وسط کو اللہ تعالیٰ نے عدل فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۵۵۔ ۴۶۸ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بہ قدرِ ضرورت حصولِ مال کی فضیلت

بعض علماء نے بقدرِ ضرورت مال کے حصول کو افضل قرار دیا ہے۔

علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے تین حالات رکھے ہیں: (۱) فقر (۲) غنی (۳) بقدرِ ضرورت مال کا ہونا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حالت فقر تھی، آپ نے اس کے واجبی حقوق کو نفس کے مجاہدہ کے ساتھ قائم کیا، دوسری حالت یہ تھی کہ آپ کو بکثرت فتوحات حاصل ہوئیں جس سے آپ اغنیاء کی حد کو پہنچ گئے، پھر آپ نے غنی کے حقوقِ واجبہ کو ادا کیا اور مستحقین کے اوپر مال کو خرچ کیا اور غرباء کی غم گساری کی اور باوجود اس کے کہ آپ کے پاس صرف اتنا مال تھا جو آپ کے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا کرتا پھر بھی آپ ضرورت مندوں کے لیے ایثار فرماتے تھے۔

اور تیسری حالت آپ کی یہ تھی کہ آپ کے پاس بقدرِ ضرورت مال تھا اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہوئی اور یہ وہ حالت ہے جو اس غنی سے سلامت ہے جو سرکشی کا موجب ہوتا ہے اور اس فقر سے بھی سلامت ہے جو درد اور تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جس شخص کے پاس صرف بقدرِ ضرورت مال ہو اس کا بھی فقراء میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ وہ دنیا کی لذیذ چیزوں سے بے نیاز رہتا ہے بلکہ وہ بقدرِ ضرورت سے زیادہ کے حصول پر اپنے نفس سے مجاہدہ کر کے صبر کرتا ہے۔ پس اس کا حال فقر سے فوت نہیں ہوتا مگر وہ ضرورت کے قہر اور سوال کی ذلت سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے پہلے احادیث میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کے مستغنی ہونے کی ترغیب دی ہے۔ حدیث میں ہے:

امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چیز پر راضی ہو جاؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تقسیم کی ہے تو تم تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو گے۔

اور اس سے زیادہ صحیح وہ ہے جس کی امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو اسلام کی ہدایت دی گئی اور اس کو بقدرِ ضرورت رزق دیا گیا اور اس نے قناعت کی۔

اس حدیث کی مثل امام ترمذی اور ابن حبان نے بھی روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ان اوصاف میں فضیلت ہے اور حصول بقدرِ ضرورت بغیر زیادتی اور نقصان کے کفاف ہے۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے: الکفاف وہ ہے جو حاجات سے روکے اور ضروریات کو پورا کرے اور مال داروں کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو اس کو اپنا مطلوب حاصل ہوگا اور وہ دنیا اور آخرت میں اپنے مرغوب کے ساتھ کامیاب ہوگا اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! آلِ محمد کا رزق قوت بنا، یعنی اتنا بنا جو ان کی رمقِ حیات کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو اور جو ان کو سوال کی ذلت تک نہ پہنچائے اور اس میں ایسا زائد مال نہ ہو جو ان کو عیش و عشرت پر اور دنیا کی تر و تازگی اور زیب و زینت پر برانگیختہ کرے۔ اور اس میں ان کی دلیل ہے جو الکفاف یعنی بقدرِ ضرورت مال کے حصول کو افضل قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے اور اپنی آل کے لیے اسی حال کی دعا کرتے تھے جو افضل الاحوال ہو اور آپ نے یہ دعا کی ہے: اے اللہ! آلِ محمد کا رزق قوت بنا دے یعنی ان کو بقدرِ ضرورت مال عطا فرما۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بہترین امور وہ ہیں جو درمیانی ہوں۔

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی امام عبداللہ بن المبارک نے کتاب الزہد میں سندِ صحیح کے ساتھ القاسم بن محمد بن ابی بکر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: ایک مرد وہ ہے جس کے عمل کم ہیں اور گناہ بھی کم ہیں وہ افضل ہے، یا وہ مرد افضل ہے جس کے عمل کثیر ہیں اور گناہ بھی کثیر ہیں؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں کسی چیز میں سلامتی سے تجاوز نہیں کروں گا۔ پس جس شخص کو اتنا مال حاصل ہوا جو اس کے لیے کافی ہو اور اس نے اس پر قناعت کی ہو اور وہ مال کی آفات سے بچا رہا اور فقر کی آفات سے بھی بچا رہا تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

اور اس سلسلہ میں ایک ایسی حدیث ہے جو اس مسئلہ میں نص کا درجہ رکھتی ہے۔

امام ابن ماجہ نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر غنی اور ہر فقیر قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں بقدرِ ضرورت مال دیا گیا ہوتا۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام حقائق درست ہیں، لیکن ان مذکورہ امور سے اصل سوال کا جواب نہیں ملتا اور وہ یہ ہے کہ غنی یا فقر میں سے کونسی چیز افضل ہے؟، کیونکہ نزاع اس کے متعلق ہے جو ان دو میں سے کسی ایک وصف کے ساتھ متصف ہو۔ اسی لیے علامہ داؤدی نے اس کلام کے آخر میں یہ کہا کہ یہ سوال کرنا کہ فقر اور غنی میں سے کون افضل ہے، درست نہیں۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ فقیر کے پاس کوئی ایسا عملِ صالح ہو جو غنی کے پاس نہ ہو تو فقیر افضل ہو جائے گا، اسی طرح غنی کے پاس کوئی ایسا افضل عمل ہو جو فقیر کے پاس نہ ہو تو غنی افضل ہو جائے گا۔ سوال اس وقت پیدا ہوگا جب دونوں برابر ہوں، یعنی ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایسا عمل ہو جو دوسرے کے عمل کے مقابلہ کا ہو۔ انہوں نے کہا: اس صورت میں ان میں کون افضل ہوگا اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

اسی طرح ابن تیمیہ نے کہا ہے، لیکن انہوں نے کہا: جب فقیر اور غنی دونوں تقویٰ کے اندر مساوی ہوں تو وہ فضیلت میں بھی برابر ہیں۔

اور اس سے پہلے ابن دقیق العید کی بحث گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس طرح ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اسی طرح اغنیاء بھی نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں لیکن کچھ ایسی عبادات ہیں جو وہ کر سکتے ہیں اور ہم نہیں کر سکتے وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں، صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور ہم یہ عبادات نہیں کر سکتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو ان کی فضیلت کو پالو گے اور وہ تم سے بڑھ نہیں سکیں گے اِلّا یہ کہ وہ بھی وہی عمل کریں۔ پھر آپ نے بتایا کہ تم نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ (صحیح البخاری: ۸۴۳)

امام مسلم نے اس حدیث کے بعد یہ اضافہ کیا ہے: پھر فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے یہ عمل سنا تو انہوں نے بھی یہ عمل کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۹۵)

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ غنی فقیر سے افضل ہے، کیونکہ غنی کو مالی عبادات کرنے کی وجہ سے زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے اِلّا یہ کہ افضل کی تفسیر اشرف کے ساتھ کی جائے، یعنی جو وصف نفس کی صفات میں سے اشرف ہے پس نفس فقر کے سبب سے جن اخلاقِ مذمومہ سے متصف ہوتا ہے سو فقیر ریاضت کر کے ان اخلاق مذمومہ کو زائل کرے تو ایسا کرنا اس کے لیے باعثِ شرف ہے اور اس اعتبار سے فقر کو غنی پر ترجیح ہو جائے گی۔ اور اسی معنی کے اعتبار سے جمہور صوفیاء نے یہ کہا ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے، کیونکہ اس کا مدار نفس کی تہذیب اور اس کی ریاضت پر ہے۔ اور یہ غنی کی بہ نسبت فقر میں زیادہ ہوتی ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: اختلاف کی صورت اس فقیر میں ہے جو حریص نہ ہو اور اس غنی میں ہے جو بخیل نہ ہو، کیونکہ یہ بات مخفی نہیں کہ جو فقیر قانع ہو وہ غنی بخیل سے افضل ہے۔ اور یہ کہ جو غنی نیکی میں خرچ کرنے والا ہو وہ اس فقیر سے افضل ہے جو حریص ہو۔ پس انہوں نے کہا کہ فی نفسہٖ مال ممنوع نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادات سے مانع ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے۔ پس کتنے غنی ایسے ہیں جن کو ان کا غنی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں رکھتا اور کتنے فقیر ایسے ہیں جو اپنے فقر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اور اگر تم یہ دیکھو کہ اکثر اور زیادہ کون ہے تو فقیر خطرات سے غنی کی بہ نسبت زیادہ دور ہوتا ہے، کیونکہ غنی کا فتنہ فقر کے فتنہ سے زیادہ شدید ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صابر کی آزمائش شاکر کی آزمائش سے زیادہ شدید ہوتی ہے، البتہ میں اس طرح کہتا ہوں جیسا کہ مطرف بن عبداللہ نے کہا کہ اگر میں مال کے حصول پر شکر کروں تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں مصیبت میں مبتلاء ہو کر صبر کروں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ مرکوز ہے کہ وہ صبر کم کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق صبر کرنے والے کم پائے جاتے ہیں بہ نسبت ان کے جو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فقر کو فضیلت دی اور بعض نے غنی کو فضیلت دی اور بعض نے بقدرِ ضرورت مال کے حصول کو فضیلت دی، اور یہ

محلِ خلاف سے خارج ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ افضل ہے، آیا بندہ کے پاس مال کم ہو یہ افضل ہے تا کہ اس کا دل مالی غفلات سے فارغ ہو اور وہ مناجات کی لذت کو پائے، یا یہ افضل ہے کہ وہ مال کو حاصل کرے تا کہ وہ نیکی اور صلۂ رحمی اور صدقہ وخیرات کی زیادہ عبادات ادا کر سکے۔ اور جب یہ معاملہ ہے تو افضل وہ ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جمہور صحابہ نے اختیار کیا کہ دنیا کا مال کم لیا جائے اور دنیا کی تر و تازگی اور لذائذ سے اعراض کیا جائے۔

رہا یہ امر کہ جس شخص کو اس کی کوشش کے بغیر دنیا کا مال حاصل ہو مثلاً میراث سے حاصل ہو یا غنیمت سے حاصل ہو تو کیا اس کے لیے یہ افضل ہے کہ وہ جلدی سے اس تمام مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کر دے حتیٰ کہ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے یا اس کے لیے یہ افضل ہے کہ وہ اس مال کو صدقہ وخیرات میں صرف کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آدمی اپنے پاس بقدرِ ضرورت مال رکھے اور یہ دعویٰ کرنا کہ جمہور صحابہ دنیا کا مال کم لیتے تھے اور زہد اختیار کرتے تھے، یہ ممنوع ہے، کیونکہ فتوحات کے بعد ان کا حال دو قسم پر تھا، بعض صحابہ وہ تھے جنہوں نے اس مال کو اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے میں خرچ کیا، نیکی کے کاموں میں مال کو صرف کیا، رشتہ داروں کو عطا کیا، غرباء کی غم گساری کی اور اپنے دل سے مستغنی بھی رہے۔ اور بعض وہ تھے کہ جو اپنے پہلے حال پر قائم رہے جس طرح فتوحات سے پہلے ان کے پاس کم مال تھا اسی کیفیت پر قائم رہے اور جس نے سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ کیا اس سے یہ چیز مخفی نہیں ہوگی۔ اس معاملہ میں ان کی خبریں بے شمار ہیں۔

امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس غنی سے محبت کرتا ہے جو متقی ہو اور اپنے آپ کو مخفی رکھے۔ متقی سے اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ وہ گناہوں کو ترک کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرے اور خفی سے مراد یہ ہے کہ وہ ریاکاری اور دکھاوے کو ترک کرے۔ اور یہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ کمال اس میں ہے کہ انسان میانہ روی کو اختیار کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۵۔۵۰۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

فقر اور غنیٰ میں موازنہ کے متعلق حرفِ آخر

ہم نے فقر اور غنیٰ کے متعلق جو ابحاث نقل کی ہیں ان سے ہم نے یہی سمجھا ہے کہ غنی کو فقیر پر افضلیت حاصل ہے، اور واضح رہے کہ غنی سے مراد یہ نہیں ہے جس کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو خواہ وہ اس مال و دولت میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرے یا نہ کرے، بلکہ غنی سے مراد ایسا غنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال و دولت سے مال و دولت کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ان پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے اور بندوں کے جو اس پر حقوق ہیں ان کو بھی ادا کرے اور خود سادگی سے زندگی گزارے اور عیش و عشرت میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل نہ ہو اور غریبوں کی امداد کرنے سے بے پرواہ نہ ہو اور مال و دولت پر مغرور نہ ہو۔ سو ایسا غنی فقیر پر حسبِ ذیل تین وجوہ سے افضل ہے:

(۱) غنی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور فقیر مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت مخلوق کی صفت سے افضل ہے، اس لیے غنی چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے متصف ہے اس لیے وہ فقیر سے افضل ہے۔

(۲) فقیر کے پاس چونکہ مال نہیں ہوتا اس لیے وہ بہت ساری مالی عبادات کرنے سے قاصر ہوتا ہے مثلاً حج اور عمرہ کرنا، زکوٰۃ ادا

کرنا، قربانی کرنا اور نفلی صدقات وخیرات کرنا اور اس قسم کی دوسری مالی عبادات فقیر نہیں کرسکتا جب کہ غنی یہ تمام عبادات بجالاتا ہے، اس لیے بھی وہ فقیر سے افضل ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی حال فقر تھا اور آپ کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے ذریعہ آپ کو بکثرت مال فئے عطا فرمایا حتیٰ کہ وفات سے پہلے آپ کی ملکیت میں فدک کے باغات تھے اور بنو نضیر کی آمدنی بھی آپ کو حاصل تھی اور آپ کا یہ حال غنی کا حال تھا۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی غنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت بھی غنی ہے اس لیے غنی فقیر سے افضل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۵۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غنی کی فقیر پر افضلیت کا بیان

کتنے غنی ایسے ہوتے ہیں جو ہزاروں فقیروں سے افضل ہوتے ہیں اور کتنے فقیر ایسے ہوتے ہیں جو ہزاروں اغنیاء سے افضل ہوتے ہیں، پھر اگر عوارض سے قطع نظر کر کے فی نفسہٖ فقر اور غنٰی کی طرف نظر کی جائے تو غنٰی احسن اور افضل ہے، کیونکہ اس سے خاص نفع اور عام نفع حاصل ہوتا ہے جو فقر کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیرِ صابر۔ بعض علماء نے کہا: غنی شاکر افضل ہوتا ہے، کیونکہ غنی سے امت کو وہ خیر اور نفع حاصل ہوتا ہے جو فقیر سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور بعض علماء نے کہا کہ بلکہ فقیرِ صابر افضل ہوتا ہے، کیونکہ وہ مصائب اور قلتِ مال پر صبر کرتا ہے، سو وہ صابرین میں سے ہے، لیکن جب ہم نے اس پر من حیث الاطلاق نظر کی تو غنی شاکر افضل ہے، کیونکہ مال کے ساتھ مبتلاء ہونا بھی ایک مصیبت ہے، مال سے متعلق اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ پس اگر وہ مال کے حقوق بجالائے اور ان کا شکر ادا کرے تو اس کی مشقت فقیر کے صبر کرنے کی مشقت سے زیادہ ہوگی، کیونکہ بہت سارے اغنیاء وہ ہیں جو فخر اور غرور میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۲۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۷۔ بَابٌ: كَيْفَ كَانَ عَيْشُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ وَتَخَلِّيهِمْ مِنَ الدُّنْيَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کس طرح زندگی بسر کرتے تھے اور دنیا کو چھوڑے رکھتے تھے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی کیفیت اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی زندگی کی کیفیت کا بیان ہے اور اس کا بیان ہے کہ انہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں کو اور دنیا کی عیش پرستی کو ترک کر رکھا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۲۔ حَدَّثَنِي أَبُو نُعَيْمٍ بِنَحْوٍ مِنْ نِصْفِ هَذَا الْحَدِيثِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ أَللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنْ كُنْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابونعیم نے یہ حدیث نصف کے قریب بیان کی اور نصف دوسرے راوی نے بیان کی، ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں

لَأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ وَإِنْ كُنْتُ لَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي فَمَرَّ فَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي وَعَرَفَ مَا فِي نَفْسِي وَمَا فِي وَجْهِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْحَقْ وَمَضَى فَتَبِعْتُهُ فَدَخَلَ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لِي فَدَخَلَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ قَالُوا أَهْدَاهُ لَكَ فُلَانٌ أَوْ فُلَانَةُ قَالَ أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي قَالَ وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ إِلَى أَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَلَا عَلَى أَحَدٍ إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا فَسَاءَنِي ذَلِكَ فَقُلْتُ وَمَا هَذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ كُنْتُ أَحَقُّ أَنَا أَنْ أُصِيبَ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا فَإِذَا جَاءَ أَمَرَنِي فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِمْ وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هَذَا اللَّبَنِ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ صلی اللہ علیہ وسلم بُدٌّ فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا فَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ قَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ خُذْ فَأَعْطِهِمْ قَالَ فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ

مجاہد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے تھے: اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، بے شک میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر (پیٹ) کو زمین پر لگا لیتا تھا اور بے شک میں بھوک کے سبب سے اپنے پیٹ پر پتھر کو باندھ لیتا تھا، اور ایک دن میں اس راستہ پر بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ نکلتے تھے، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت سے متعلق سوال کیا، میں نے ان سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، سو وہ گزر گئے اور انہوں نے ایسا نہیں کیا، پھر میرے پاس سے حضرت عمر گزرے، میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی آیت سے متعلق سوال کیا، میں نے ان سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، سو وہ بھی گزر گئے اور انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا، پھر میرے پاس سے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے اور آپ نے جان لیا جو کچھ میرے دل میں ہے اور جو میرے چہرہ میں تاثرات تھے، پھر آپ نے فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: میرے ساتھ چلو، اور آپ چل پڑے، میں آپ کے پیچھے آیا، آپ گھر میں داخل ہوئے، پس آپ نے اجازت طلب کی، پھر آپ نے مجھے اجازت دی، آپ گھر میں گئے تو آپ کو ایک پیالہ میں دودھ ملا، آپ نے پوچھا: یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے بتایا کہ یہ فلاں مرد نے یا فلاں عورت نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے، آپ نے فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اہل صفہ سے جا کر ملو اور ان کو میرے لیے بلا کر لاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اہلِ صفہ اسلام کے مہمان تھے، وہ گھر والوں کے ساتھ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی اور کے ساتھ اور نہ ان کے پاس مال تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ

عَلَيَّ الْقَدَحَ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ قُلْتُ صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اقْعُدْ فَاشْرَبْ فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ فَقَالَ اشْرَبْ فَشَرِبْتُ فَمَا زَالَ يَقُولُ اشْرَبْ حَتَّى قُلْتُ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا قَالَ فَأَرِنِي فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللهَ وَسَمَّى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ۔

آتا تو آپ اس صدقہ کو اہل صفہ کے پاس بھیجتے اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیتے تھے اور جب آپ کے پاس کوئی ہدیہ آتا، تو آپ ان کو بلاتے اور خود بھی اس میں سے لیتے اور ان کو بھی اس میں شریک کرتے، سو یہ مجھے برا لگا، میں نے دل میں کہا: یہ اتنا سا دودھ اہلِ صفہ کے مقابلہ میں کیا ہوگا اور میں زیادہ حق دار تھا کہ میں اس دودھ سے کوئی گھونٹ پاتا اور اس سے قوت حاصل کرتا، پھر جب اہل صفہ آجائیں گے تو آپ مجھے حکم دیں گے تو پھر میں ان کو یہ دودھ پیش کروں گا اور یہ توقع نہیں ہے کہ پھر اس دودھ سے مجھے بھی کچھ ملے گا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا، پس میں اصحابِ صفہ کے پاس آیا اور ان کو بلایا، سو وہ آئے، پس انہوں نے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دی اور وہ گھر کے اندر اپنی اپنی مجالس میں بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ دودھ لو اور ان کو دو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے وہ دودھ کا پیالہ لیا اور ایک مرد کو میں دیتا وہ پیتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھ کو پیالہ واپس کر دیتا، پھر میں دوسرے مرد کو وہ دیتا سو وہ پیتا حتیٰ کہ سیر ہو جاتا، پھر وہ مجھے پیالہ لوٹا دیتا، حتیٰ کہ وہ دودھ پی کر سیر ہو جاتا، پھر مجھ پر پیالہ لوٹا دیتا، حتیٰ کہ میں اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور سب لوگ سیر ہو چکے تھے، آپ نے وہ پیالہ پکڑا اور اس کو میرے ہاتھ پر رکھا، پھر میری طرف دیکھا، پھر آپ مسکرائے، پھر آپ نے فرمایا: اے اباہر! میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اب میں باقی ہوں اور تم باقی ہو، میں نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: بیٹھو، سو پیو، پس میں بیٹھا اور میں نے پیا، آپ نے فرمایا: پیو، سو میں نے پھر پیا، آپ مسلسل فرماتے رہے پیو حتیٰ کہ میں نے کہا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں تو اس دودھ کے لیے

اب کوئی راستہ ہی نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: پس مجھے دکھاؤ، پس
میں نے آپ کو پیالہ دیا، سو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ
پڑھی اور باقی ماندہ دودھ پی لیا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۷۵، ۶۲۴۶، ۶۴۵۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۷، مسند احمد: ۱۰۳۰۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بسر کرنے کے طریقہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی زندگی بسر کرنے کے طریقہ کی خبر دی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کا بعض حصہ کتاب الاستئذان میں مختصراً روایت کیا ہے، وہاں اس کی روایت از ابونُعیم از عمر بن ذر از محمد بن مقاتل از حضرت عبداللہ از عمر بن ذر سے کی ہے۔ پھر یہاں کتاب الرقاق میں اس حدیث کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور یہاں اس کی فقط ابونعیم سے طویل روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الزہد میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الرقاق میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ "ابونعیم نے یہ حدیث نصف کے قریب بیان کی اور نصف دوسرے راوی نے بیان کی"۔

علامہ کرمانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں اشکال ہے کہ باقی نصف حدیث بغیر سند کے باقی رہے گی اور پھر وہ نصف مبہم ہے، آیا وہ نصف اول ہے یا آخر ہے۔

پھر اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ امام بخاری نے اس پر اعتماد کیا ہے جو انہوں نے کتاب الاطعمہ میں یوسف بن عیسیٰ المروزی سے روایت کی ہے۔ اور وہ اس حدیث کے نصف کے قریب ہے۔ پس شاید کہ امام بخاری نے نصفِ مذکور سے اس کا ارادہ کیا ہے جو ابونعیم کی روایت ہے جس کو کتاب الاطعمہ میں ذکر نہیں کیا تھا۔ پس یہ پوری حدیث مسند ہو جائے گی۔ حدیث کا بعض حصہ یوسف سے مروی ہے اور بعض حصہ ابونعیم سے مروی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ الذی لا الٰہ الا ھو" اس جملہ سے پہلے واؤ قسمیہ محذوف ہے، اصل میں یوں ہے "واللہ الذی" یعنی اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لاعتمد بکبدی علی الارض" یعنی میں اپنے پیٹ کو زمین کے ساتھ چپکا رہا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "لاشد الحجر علی بطنی" یعنی میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے: ہم میں سے کسی ایک پر ضرور ایسے ایام آتے تھے کہ اسے ایسی کوئی چیز میسر نہیں ہوتی تھی جس سے وہ اپنی پشت کو سیدھا رکھ سکے حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک پتھر لیتا اور اس کو اپنے پیٹ کے گڑھے میں رکھتا، پھر اس کے اوپر کپڑا باندھ دیتا تاکہ پشت سیدھی رہے۔ اور پیٹ پر پتھر باندھنے کا فائدہ یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں کمر سیدھی رہے، یا اس لیے کہ پیٹ میں جو غذاء موجود ہے وہ جلدی جسم میں حلول نہ کرے۔ اور کبھی انتڑیوں کی ایک طرف مستور ہو جاتی اور ضعف کم ہو جاتا، یا پتھر کی ٹھنڈک سے بھوک کی گرمی کم ہو جاتی۔ یا اس میں کسرِ نفس کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ابنِ آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: پیٹ پر پتھر باندھنے کو بعض لوگوں نے سببِ اشکال قرار دیا، انہوں نے یہ وہم کیا کہ حجر کا لفظ غلط لکھا گیا ہے، اصل میں یہ حجز تھا زاء کے ساتھ، راء کے ساتھ نہیں تھا۔ اور حجز اس پٹی کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنی کمر کو باندھ لیتا ہے، لیکن حجاز کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں بھوک بہت زیادہ لگتی اور ان کا پیٹ دوہرا ہو جاتا یا اس میں گڑھا پڑ جاتا اور ان کا سیدھا کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا تو اس وقت وہ پتلے پتلے پتھروں کے پرت اپنے پیٹ پر باندھ لیتے تاکہ وہ سیدھے کھڑے ہو سکیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جن لوگوں نے پیٹ پر پتھر باندھنے کا انکار کیا، ان میں امام ابن حبان بھی ہیں، انہوں نے اپنی صحیح میں اس کا انکار کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "علی طریقھم" یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا جو راستہ تھا جس راستہ سے وہ اپنے گھروں سے مسجد کی طرف جاتے تھے وہاں بیٹھ گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیشبعنی" یہ لفظ الاشباع سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلا دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میرے پاس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے اور انہوں نے مجھے کھانا نہیں کھلایا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے، انہوں نے بھی کھانا نہیں کھلایا" اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوال کو ظاہر پر محمول کیا، گویا وہ واقعی اس آیت کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ کہ ان دونوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس وقت وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھلا سکتے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعد میں افسوس ہوا کہ وہ کیوں نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں لے گئے اور ان کو کھانا کھلاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واخذوا مجالسھم من البیت" یعنی اصحابِ صفہ میں سے ہر ایک آکر اس جگہ بیٹھ گیا جو جگہ اس کے بیٹھنے کے لائق تھی۔ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اصحابِ صفہ کا عدد کتنا تھا اور کتاب الصلوٰۃ کے ابواب المساجد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا۔ الحدیث۔ اور حلیۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ ان کی تعداد اس وقت سو کے قریب تھی۔ اور ابو نعیم نے کہا ہے کہ اہلِ صفہ کی تعداد مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی، بسا اوقات وہ جمع ہوتے تو زیادہ ہوتے تھے، بسا اوقات وہ کسی غزوہ میں یا کسی سفر میں گئے ہوتے تھے تو ان کی تعداد کم ہوتی تھی۔ اور کہا گیا ہے کہ یہاں پر ان کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ دیا تو آپ مسکرائے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ گمان تھا کہ ان

کے لیے دودھ نہیں بچے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال بقیت انا وانت" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! اب میں اور تم باقی رہ گئے ہو۔ یہ اہلِ صفہ کے حاضرین کے اعتبار سے ہے۔ رہے وہ لوگ جو گھر میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل تو ان کا اس روایت میں تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت گھر میں اور کوئی نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گھر والے اپنے حصہ کا دودھ پہلے پی چکے ہوں۔ اور جواب پیالہ میں دودھ رکھا ہوا تھا وہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تھا۔

اس روایت میں مذکور ہے "فحمد اللہ وسمی" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور دودھ پیا۔ آپ نے حمد اس لیے کی تا کہ اللہ تعالیٰ کی برکت حاصل ہو، اور بسم اللہ اس لیے پڑھی تا کہ کسی مشروب کو پیتے وقت سنت قائم ہو۔

اس حدیث میں بہ کثرت فوائد ہیں جسے وہ شخص نکال سکتا ہے جس کی نظر میں وسعت ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۹۔۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا يَقُولُ إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ وَرَأَيْتُنَا نَغْزُو وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ وَهٰذَا السَّمُرُ وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهُ خِلْطٌ ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ سَعْيِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: ہمیں قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر مارا اور ہم نے اپنے آپ کو دیکھا، ہم اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور ہمارے پاس کھانا نہیں ہوتا تھا سوائے کیکر کے پتوں کے اور اس درخت کے، اور ہم میں سے کوئی ایک بکری کی طرح قضائے حاجت میں مینگنیاں کرتا تھا، وہ مینگنیاں خشک ہوتی تھیں جڑی ہوئی نہیں ہوتی تھیں۔ اب یہ بنو اسد میرے اسلام کے عمل پر ملامت کرتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے تو) پھر تو میں ناکام ہوگیا اور میری کوشش رائیگاں ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۳۷۲۸، ۵۴۱۲، ۶۴۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۶۶، سنن ترمذی: ۲۳۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۱، مسند احمد: ۱۶۲۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی زندگی بسر کرنے کی کیفیت کا بیان ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جہاد کے دوران کیکر کے درخت کے پتے کھاتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور قیس کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لاول العرب" یعنی میں ضرور پہلا عرب ہوں۔ اور سنن ترمذی کی روایت میں مذکور ہے: میں وہ پہلا مرد ہوں جس نے اللہ کی راہ میں کفار کا خون بہایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الحبلة" یہ کیکر کے درخت کا پھل ہے یا عام کانٹے دار درختوں کا پھل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "السمر" اس سے مراد ہے کیکر یا ببول کا درخت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ماله خلط" یعنی وہ مینگنیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی یا جڑی ہوئی نہیں ہوتی تھیں کیونکہ بہت زیادہ خشک ہوتی تھیں، تری نہیں ہوتی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تعزرنی" یعنی بنو اسد مجھے دین کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور احکام اور فرائض پر واقف کرتے ہیں۔ یہ "تعزیزالسلطان" سے ماخوذ ہے یعنی ادب سکھا کر کسی کو سیدھا کرنا۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ اپنی مدح کریں، حالانکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی مدح کو ترک کرے، کیونکہ اپنی مدح کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب جاہلوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر یہ طعن کیا کہ وہ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھتے تو پھر وہ اپنی فضیلت اور اپنی مدح کا ذکر کرنے اور اس کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۴۔ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتّٰى قُبِضَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے فرمایا: جب سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ آئے کبھی آل محمد نے مسلسل تین دن گندم کا طعام سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱۶، ۶۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۶۳۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی گزران اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے تین دن مسلسل سیر ہو کر گندم نہیں کھایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عثمان کا ذکر ہے، وہ ابن ابی شیبہ ہیں۔ اور جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالحمید ہیں، اور منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور ابراہیم کا ذکر ہے، وہ النخعی ہیں۔ اور الاسود کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں۔ اور یہ تمام راوی کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ قبض" اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اقامت کی پوری مدت اسی حالت پر برقرار رہے اور وہ دس سال ہیں۔ اور ان دس سالوں میں آپ کے سفر کے ایام ہیں اور آپ کے غزوات کے ایام ہیں اور حج اور عمرہ کے ایام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قلتِ خوراک کے متعلق دیگر روایات

امام محمد بن سعد نے اس حدیث کو ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان سے روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہیں اٹھایا گیا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر کبھی نہیں کھائی۔

نیز امام مسلم کی ایک اور روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی روٹی اور زیتون کے تیل کو ایک دن میں دو مرتبہ نہیں کھایا۔

نیز ایک اور سند کے ساتھ روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: اللہ کی قسم! کبھی آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور گوشت کو سیر ہو کر نہیں کھایا۔

اور امام محمد بن سعد نے شعبی کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر چار ماہ ایسے آئے جن میں آپ نے گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۵۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ هُوَ الْأَزْرَقُ عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ عَنْ هِلَالٍ الْوَزَّانِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا أَكَلَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی الله علیه وسلم أَكْلَتَيْنِ فِي يَوْمٍ إِلَّا إِحْدَاهُمَا تَمْرٌ۔ (صحیح مسلم: ۲۹۷۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی اور وہ الازرق ہیں از مسعر بن کدام از ہلال الوزان از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ کھانا نہیں

کھایا مگران دو کھانوں میں سے ایک کھانا کھجوریں ہوتی تھیں۔

۶۴۵۶۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ أَدَمٍ وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(صحیح مسلم: ۲۰۸۲، سنن ترمذی: ۱۷۶۱، سنن ابوداؤد: ۴۱۴۶، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۱، مسند احمد: ۲۳۹۳۰)

صحیح البخاری: ۶۴۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''فراش'' کا لفظ ہے اور دوسری حدیث میں اس کی جگہ ''ضجاع'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی بھی بستر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۷۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَخَبَّازُهُ قَائِمٌ وَقَالَ كُلُوا فَمَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى رَغِيفًا مُرَقَّقًا حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطًا بِعَيْنِهِ قَطُّ۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۳۳۹، مسند احمد: ۱۱۸۸۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کی روٹی پکانے والا کھڑا ہوا تھا، انہوں نے کہا: کھاؤ، میں نہیں جانتا کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پتلی چپاتی دیکھی ہو حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے، اور نہ کبھی آپ نے اپنی آنکھوں سے بھنی ہوئی مسلم بکری دیکھی۔

صحیح البخاری: ۶۴۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مرققا'' علامہ ابن الاثیر نے بیان کیا: یہ وہ روٹیاں ہیں جو بڑی بڑی اور پتلی ہوں، ان کو رقیق اور

رقاق کہا جاتا ہے جیسا کہ طویل اور طوال ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سمیطا" یعنی بھنی ہوئی۔ بکری کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اور اون کو اتار لیا جاتا ہے، پھر اس کو گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ بکری کا گوشت گل جائے یا بھن جائے۔ اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے میں لذیذ نعمتوں کو اختیار نہیں فرماتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كَانَ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نُوقِدُ فِيهِ نَارًا إِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنْ نُؤْتَى بِاللُّحَيْمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے اوپر ایسا مہینہ آتا جس میں ہم آگ نہیں جلاتے تھے، اس مہینہ میں صرف کھجور اور پانی ہوتا تھا، سوا اس کے کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جائے۔

(صحیح مسلم: ۲۹۷۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۴، مسند احمد: ۲۴۷۱۲)

صحیح البخاری: ۶۴۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کی زندگی بسر کرنے کی کیفیت کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ ابن عروہ ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری کی متفرد روایات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لحیم" یہ لحم کی تصغیر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ اشارہ کیا کہ وہ گوشت بہت تھوڑا سا ہوتا تھا۔ اور ایک روایت میں لحم بھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۵۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن

عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَارٌ فَقُلْتُ مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ قَالَتِ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم جِيرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَبْيَاتِهِمْ فَيَسْقِينَاهُ

ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از یزید بن رومان از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے عروہ سے کہا: اے میرے بھانجے! بے شک ہم دو مہینوں میں تین مرتبہ چاند کی پہلی تاریخ کو دیکھتے تھے اور ان مہینوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے عرض کیا: پھر آپ کی زندگی کس چیز سے بسر ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: دو سیاہ چیزیں: کھجور اور پانی، مگر یہ کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں سے کچھ پڑوسی تھے جن کو دودھ دینے والی اونٹنیاں بطورِ عطیہ دی گئی تھیں اور وہ اپنے گھروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ کا عطیہ دیتے تھے، سو ہم اس کو پیتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۶۷، ۶۴۵۸، ۶۴۵۹، صحیح مسلم: ۲۹۷۲، سنن ترمذی: ۲۴۷۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۵، مسند احمد: ۲۴۰۴۰)

صحیح البخاری: ۶۴۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، وہ عبدالعزیز ہیں اور ان کے والد سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یزید بن رومان کا ذکر ہے، یہ ابوروح الاسدی المدنی ہیں جو حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من ابیاتھم" اور کتاب الھبہ میں یہ حدیث ہے اس میں "من البانھم" کا لفظ ہے، یعنی وہ اپنے دودھ میں سے ہمیں دودھ بھیجتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن اختی" یعنی اے میرے بھانجے اور اس میں حرفِ نداء محذوف ہے۔ اور عروہ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "منائح" یہ منیحۃ کی جمع ہے اور "منیحۃ" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو کوئی مرد دوسرے کو دے کہ اس کا دودھ نکال کر پی لیا کرو، یا کوئی بکری ہو جس کو اس لیے دیا جائے کہ دودھ پینے کے بعد وہ اونٹنی یا بکری واپس کر دی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیسقیناہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وہ دودھ پلاتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اللَّهُمَّ ارْزُقْ آلَ مُحَمَّدٍ قُوتًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از والد خود از عمارہ از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! آل محمد کو قُوت عطا فرما، (یعنی اتنا رزق دے جس سے ان کی رمق حیات برقرار رہے)۔

(صحیح مسلم: ۱۰۵۵، سنن ترمذی: ۲۳۶۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۹، مسند احمد: ۹۴۶۱)

صحیح البخاری: ۶۴۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث باب کے عنوان کے اس طرح مطابق ہے کہ اس میں کھانے کے لیے صرف اتنی مقدار کی طلب کا بیان ہے جس سے رمقِ حیات برقرار رہے۔ اور زہد کا مرتبہ اس سے زیادہ ہے۔ اور نبی ﷺ کی زندگی اسی سادگی سے بسر ہوتی تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن فضیل کا ذکر ہے اور فضیل، فضل کی تصغیر ہے۔ یہ ابن غزوان الضبی الکوفی ہیں۔ اس حدیث کی سند میں جس محمد کا ذکر ہے، یہ اپنے والد فضیل سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد عمارہ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن القعقاع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو زرعہ، وہ بوڑھے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''قُوت'' کا ذکر ہے، یعنی وہ رزق جو تھوڑی مقدار میں ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی سادہ حیات اور بھوک و پیاس برداشت کرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری نے کہا ہے: شارع علیہ السلام، صحابہ اور تابعین میں سے سلف صالحین نے سادہ زندگی اختیار کی اور فقر اور فاقہ کی تلخی پر صبر کیا اور سخت اور موٹے کپڑے پہننے کی مشقت کو برداشت کیا اور غنیٰ کی حلاوت اور اس کی نعمتوں کو ترک کر دیا اور صرف اتنی مقدار خوراک پر گزارہ کیا جس سے ان کی کمر سیدھی رہ سکے اور رمقِ حیات قائم رہے، جیسے ہمارے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی

کئی دن بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور زندگی کی سختی کو ترجیح دیتے تھے اور اس پر صبر کرتے تھے، حالانکہ آپ کو یقین تھا کہ اگر آپ اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ وہ آپ کے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادے اور چاندی بنادے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسا کرتا اور ہمیشہ سے نیکوکار اسی طریقہ پر گامزن رہے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے اور گزرنے والے صحابہ سے قرآن کی آیت پوچھتے تھے تاکہ وہ ان کے حال پر مطلع ہو کر انہیں کچھ کھانا کھلائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کی شدت والی حدیث کے فوائد

(۱) صحیح البخاری: ۶۴۵۲ سے معلوم ہوا کہ اپنی حاجت کو مخفی رکھنا اس کے ظاہر کرنے سے بہتر ہے اور صالحین اور صابرین کے اخلاص کے مشابہ ہے۔ اگرچہ یہ جائز ہے کہ انسان اپنے باطنی حال کی خبر دے اور اس سے اپنی ضرورت کو بیان کرے جس سے یہ توقع ہو کہ وہ اس کی حاجت کو پورا کرے گا۔

(۲) اس میں نبوت کے علوم میں سے عظیم علم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا ہے جس کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نہیں جان سکے تھے۔

(۳) اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ تھوڑا سا دودھ آپ کی برکت سے اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کو تمام اصحابِ صفہ نے پی لیا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے لیے ایثار کرتے تھے اور تمام عرب سے زیادہ آپ جواد تھے، کیونکہ آپ نے خود نہیں پیا اور اصحابِ صفہ کو دودھ پلایا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اصرار کر کے دودھ پلایا۔ اور آپ نے دنیا کی کوئی چیز اپنے لیے خاص نہیں کی۔

(۵) نیز ایک حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو حکیم بننے سے خوشی ہو اسے چاہیے کہ کم خوراک کھائے، کیونکہ جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ حکمت کے نور کو چھپا دیتا ہے۔

(۶) مالک بن دینار نے کہا: میں نے عبداللہ رازی سے سنا کہ اللہ کا علم رکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ سیر ہو کر کھانا دل میں شقاوت کو پیدا کرتا ہے اور بدن کو کمزور کرتا ہے۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ سے سوال کیا، آپ نے پوچھا: بھوک سے سوال کر رہے ہو، سو میں رونے لگا، آپ نے فرمایا: مت روؤ، کیونکہ حساب کی شدت بھوکے شخص کو نہیں پہنچے گی جب اس سے حساب لیا جائے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۷۵۔۴۸۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور (صحیح البخاری: ۶۴۵۲) کے مزید فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسلسل دودھ پینے کے لیے فرمایا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں تو اب اس دودھ کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں پاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کا بہت زیادہ پیٹ بھر کر کھانا پینا بھی جائز ہے، اتنا زیادہ کہ اس کے بعد مزید کھانے پینے کی گنجائش نہ رہے۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ بہت زیادہ سیر ہو کر کھانا پینا جائز نہیں ہے، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور جب دودھ زیادہ پینا جائز ہے تو بہت رقیق ہوتا ہے اور آسانی سے جسم میں نفوذ کر جاتا ہے تو جو اس سے کثیف غذائیں ہوں گی، ان کو کھانا کیوں نہیں جائز ہوگا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہو، کیونکہ اس حال میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔ اور اسی باب میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور امام احمد نے اس کو ضعیف قرار دیا، اور نیز اس باب میں حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے بھرے ہوئے پیٹ سے اور کوئی برابر تن نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن احادیث میں پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو عادتاً بہت زیادہ پیٹ بھر کر کھاتے ہوں، کیونکہ اس کی وجہ سے عبادت میں سستی ہوتی ہے (اور اس سے متعدد موذی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً ذیابطیس (ڈائبیٹیز) بلند فشار دم (ہائی بلڈ پریشر) اور فالج۔ سعیدی غفرلہ)۔

اور جواز اس صورت پر محمول ہے جو کبھی کبھار بہت زیادہ بھوک کے غلبہ سے زیادہ سیر ہو کر کھائے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی حاجت اور ضرورت چھپانی چاہیے اور اشارہ کے ساتھ اپنی ضرورت کو بیان کرنا اس کو ظاہر کرنے اور صراحتاً بیان کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے قرآن مجید کی آیت کے متعلق دریافت کیا کہ شاید وہ ان کے بھوکے ہونے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی ضرورتوں کے اوپر اپنے احباب اور اپنے خدام کی ضرورتوں کو ترجیح دے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے خود دودھ پینے کے اصحاب صفہ کو دودھ پلایا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔

(۴) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ بہت تنگدست تھے اور اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ انہوں نے شدید بھوک کے باوجود کسی کے آگے اپنا ہاتھ نہیں پھیلایا اور کسی سے صراحتاً یہ سوال نہیں کیا کہ ان کو کھانا کھلائے اور صرف تعریض اور اشارہ پر اکتفاء کیا۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت اپنی ذاتی ضرورت کو پورا کرنے پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی، اس کے باوجود جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ اور ان کو دودھ پلاؤ، تو

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی اور اپنی بھوک پیاس کی پرواہ نہیں کی۔

(۶) اس حدیث میں اہل الصفہ کی فضیلت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر بلا کر انہیں دودھ پلایا۔

(۷) اصحاب صفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی کو بلایا جائے اور وہ بلانے والے کے گھر پہنچ جائے تو اس کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہو۔

(۸) اس حدیث میں مذکور ہے: اصحاب صفہ آنے کے بعد ان میں سے ہر ایک اپنی مناسب جگہ پر بیٹھ گئے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اس جگہ پر بیٹھنا چاہیے جو اس کے لیے مناسب ہو۔

(۹) اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس جگہ بیٹھ گئے جہاں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما گزرے اور ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو ہر! اس سے معلوم ہوا کہ اپنے خادم کو کنیت کے ساتھ بلانا جائز ہے اور کنیت میں ترخیم کرنا بھی جائز ہے۔ (ترخیم کا مطلب ہے منادیٰ کے آخری حرف کو تخفیف کی غرض سے حذف کر دینا)۔

(۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ شخص کا اپنے خادم کو بلانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔

(۱۲) اس حدیث میں فراست کا ثبوت ہے، فراست کا مطلب ہے: قرائن کی بناء پر کسی امر غیبی کو معلوم کر لینا، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر جو بھوک کے آثار تھے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک کو جان لیا۔

(۱۳) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو انہوں نے کہا: لبیک، اس سے معلوم ہوا کہ لبیک کے ساتھ جواب دینا جائز ہے۔

(۱۴) جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر پہنچے تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خادم کو مخدوم کے گھر اجازت لے کر جانا چاہیے۔

(۱۵) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے تو آپ نے وہاں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا تو آپ نے گھر والوں سے پوچھا: یہ دودھ کا پیالہ کہاں سے آیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ فلاں نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس میں سے بعض فقراء کو بھی عطا فرماتے تھے اور اگر صدقہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول نہیں فرماتے اور جو صدقہ کا مستحق ہوتا آپ اس کو عطا فرما دیتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ کے متعلق معلوم کیا کہ دودھ کہاں سے آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب گھر میں کوئی کھانے پینے کی چیز آئے تو اس کے متعلق تفتیش اور تحقیق کرنی چاہیے۔

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کو دودھ پلا رہے تھے تو جب وہ ان کو دودھ پلا چکے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تم پیو، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم کا ساقی ہو اس کو آخر میں پینا چاہیے۔

(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد دودھ پیا، اس سے معلوم ہوا کہ گھر کے مالک کو سب کے آخر میں کھانا چاہیے۔

(۱۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کر کے اور بسم اللہ پڑھ کر دودھ پیا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی

چاہیے اور بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

(۱۹) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نادار صحابہ کا اور اپنے خدام کا خیال رکھتے تھے، اسی وجہ سے جب آپ کے پاس دودھ آیا تو آپ نے اصحاب صفہ کو بلایا اور ان کو دودھ پلایا۔

(۲۰) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے کہ ایک پیالہ دودھ میں اتنی برکت ہوگئی کہ وہ تمام اصحاب صفہ کے لیے کافی ہوگیا اور پھر بھی اتنا بچ گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اتنا زیادہ سیر ہو کر پیا کہ مزید پینے کی ان کے جسم میں گنجائش نہیں رہی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۸۔ بَابُ: الْقَصْدِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ — میانہ روی اور کسی (نیک) عمل پر مداومت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میانہ روی مستحب ہے اور یہ کسی کام میں اعتدال کو قائم رکھنا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ کو اختیار کرنا صحیح ہے۔ اور مداومت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک عمل پر مداومت کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَشْعَثَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتِ الدَّائِمُ قَالَ قُلْتُ فَأَيَّ حِينٍ كَانَ يَقُومُ قَالَتْ كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے خبر دی از شعبہ از اشعث، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے مسروق سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کونسا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: الدائم، میں نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس وقت اٹھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: آپ اس وقت اٹھتے تھے جب آپ مرغ کی اذان سنتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۳۲، ۶۴۶۱، ۶۴۶۲، ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۷۴۱، سنن نسائی: ۱۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۷، مسند احمد: ۲۵۱۴۳، موطا امام مالک: ۴۲۲)

صحیح البخاری: ۶۴۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: میانہ روی اور دائمی عمل۔ اور حدیث مذکور عنوان کے دوسرے جز کے مطابق ہے یعنی دائمی

عمل کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اشعث، یہ ابن ابی شعثاء ہیں اور ان کا نام سلیم بن الاسود ہے۔ یہ حدیث کتاب التہجد میں باب ''من نام عند السحر'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس وقت اٹھتے تھے یعنی نیند سے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: جب آپ صارخ کو سنتے تھے، صارخ کا معنی ہے: بلند آواز سے چیخنا اور پکارنا۔ یہاں اس سے مراد ہے مرغ کی اذان کی آواز۔ علامہ الکرمانی نے کہا ہے: یا موذن کی آواز۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موذن کی اذان سے بہت پہلے اٹھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از مالک از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل وہ تھا جس پر عمل کرنے والا ہمیشہ عمل کرے۔

(صحیح البخاری: ۴۳، ۱۱۳۲، ۶۴۶۱، ۶۴۶۲، صحیح مسلم: ۷۴۱، سنن نسائی: ۱۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۷، مسند احمد: ۲۵۱۴۳، موطا امام مالک: ۴۲۲)

صحیح البخاری: ۶۴۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی عنوان کے جز ثانی کے مطابق ہے یعنی کسی عمل پر دوام کرنا۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَةٍ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاغْدُوا وَرُوحُوا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۷۱۶۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو ہرگز اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے پوچھا: آپ کو بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور مجھ کو بھی، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، تم درست کام کرو اور درمیانی کام

کرو، اور صبح کے وقت میں عمل کرو اور شام کے وقت میں عمل کرو،
اور کچھ رات کے اندھیرے کے وقت میں اور میانہ روی کو لازم
رکھو، میانہ روی کو لازم رکھو (منزل پر) پہنچ جاؤ گے۔

صحیح البخاری: ۶۴۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کا پہلا جز ہے القصد یعنی میانہ روی، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے میانہ روی کا حکم دیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، یہ ابن ابی ایاس ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ذئب، ذئب کا معنی بھیڑیا ہے اور ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے۔ اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لن ینجی" یعنی تم میں سے کوئی شخص ہرگز نجات نہیں پا سکتا یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا انا" علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب تمام لوگ جنت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل ہوں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر کے ساتھ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کے متعلق قطعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ آپ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ اللہ کی رحمت سے ہی جنت میں داخل ہوں گے تو جو آپ کے علاوہ کوئی شخص ہے وہ تو بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ" یعنی سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے چھپا لے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے چھپا لے تو کہا جاتا ہے "تغمدہ اللہ برحمتہ" اور جب تم کسی شخص کو چھپا لو تو کہا جاتا ہے "تغمدت فلانا" اور اسی سے ماخوذ ہے "غمد السیف" یعنی تلوار کی میان، کیونکہ جب تم نے تلوار کو میان میں رکھ لیا تو تم نے تلوار کو اس کے غلاف میں چھپا لیا۔ اور سہیل کی روایت میں ہے "الا ان یتدارکنی" سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا تدارک کرے اور اس کی تلافی کرے۔

ایک سوال کا جواب

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الزخرف: ۷۲) یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو ○

اس جگہ سوال یہ ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو۔ سو اس حدیث میں اور قرآن مجید کی آیت میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

علامہ ابن بطال نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے درجات اور مراتب اعمال کی وجہ سے ملیں گے اور جنت کے درجات اعمال کے اعتبار سے مختلف ہیں اور حدیث اس پر محمول ہے کہ جنت میں نفسِ دخول اور اس میں دوام اللہ کے فضل کے بغیر نہیں ہوگا۔ البتہ جنت کے درجات اعمال کے اعتبار سے ملیں گے۔

پھر اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۳۲)

تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○

اس آیت میں تصریح ہے کہ جنت میں دخول بھی اعمال کے سبب سے ہوگا۔

اس کا جواب علامہ ابن بطال نے اس طرح دیا کہ یہ لفظ مجمل ہے اور حدیث نے اس کو بیان کر دیا ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ تم جنت کے منازل اور جنت کے محلات میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کی وجہ سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سددوا" یعنی سداد کا قصد کرا اور سداد کا معنی ہے ثواب۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ قول اور عمل میں میانہ روی کو اختیار کرو اور وہی صواب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقاربوا" یعنی تم عمل میں افراط اور زیادتی نہ کرو، تم عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرو گے تو وہ تم کو تھکا دے گی، پھر تم عبادت کرنے سے اکتا جاؤ گے اور عمل کو چھوڑ دو گے، اس لیے تم حد سے زیادہ عمل نہ کرو بلکہ درمیانی عمل کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القصد القصد" یہ برانگیختہ کرنے کے لیے منصوب ہے، یعنی طریق متوسط کو لازم رکھو اور اس منزل پر پہنچ جاؤ جو تمہارا مقصود ہے۔ اس میں عبادت گزاروں کو مسافروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے گویا کہ فرمایا کہ تم تمام اوقات میں عبادت نہ کرو بلکہ خوشی کے اوقات میں عبادت کرنے کو لازم رکھو، کچھ صبح کے وقت کچھ شام کے اخیر میں اور کچھ رات کے بعض حصہ میں، اور اپنے نفسوں پر رحم کرو۔

اس حدیث میں اس آیت سے اقتباس ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ہود: ۱۱۴)

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ○

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۴ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے

الرَّحْمَنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔

حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ از ابی سلمہ بن عبدالرحمن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درست کام کرو اور درمیانی کام کرو، اور جان لو کہ تم میں سے ہرگز کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور بے شک تمام اعمال میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ وہ کام ہیں جن میں سب سے زیادہ دوام ہو خواہ وہ تھوڑے ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۲۸۱۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۲۴۴۲۰)

صحیح البخاری: ۶۴۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی باب مذکور کے دوسرے جز کے ساتھ مطابقت ہے یعنی درمیانی عمل۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، وہ ابن یحییٰ بن عمرو بن اویس العامری الاویسی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، وہ ابن بلال ابو ایوب القرشی التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن عقبہ، وہ ابن ابی عیاش الاسدی المدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں جو مذکور ہے "سددوا وقاربوا" ان کے معانی بیان ہو چکے ہیں۔ اور اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ "تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا" اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ادومها" یہ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ جس چیز میں ہمیشہ دوام ہوگا وہ قلیل کیسے ہوگی جب کہ دوام کا معنی ہے: تمام زمانوں کو شامل ہونا اور اس کی مقدار معین نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دوام سے مراد ہے عرف کے موافق کسی کام کو ہمیشہ کرنا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر مہینہ وہ کام کیا جائے یا ہر دن وہ کام کیا جائے اور اس پر عرف میں دوام اور مواظبت کا اطلاق آ جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۶۵ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سعد بن ابراہیم از ابی سلمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان

الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ قَالَ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ وَقَالَ اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ۔

(صحیح مسلم: ۷۸۲، سنن نسائی: ۷۶۲، مسند احمد: ۲۴۹۰۳)

کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جن میں زیادہ دوام ہو خواہ وہ تھوڑے ہوں۔ اور آپ نے فرمایا: اتنے اعمال کو کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔

صحیح البخاری: ۶۴۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب سابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن ابراہیم، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ یہ بھی تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے فقہاء اور صالحین میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اکلفوا" علامہ کرمانی نے کہا ہے: تکلیف کا معنی ہے: اس کام کا حکم دینا جو تم پر دشوار ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ماتطیقون" اس کا معنی ہے: کسی کام کے حصول کے لیے اپنی کوشش کو صرف کرنا اور اس سے مراد ہے جس کام کی تم ہمیشہ طاقت رکھو اور مستقبل میں اس کام کے کرنے سے عاجز نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۴۶۶۔ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ قُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ كَيْفَ كَانَ عَمَلُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم هَلْ كَانَ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ قَالَتْ لَا كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَطِيعُ۔

(صحیح مسلم: ۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۳۷۰، مسند احمد: ۲۳۶۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از علقمہ، انہوں نے کہا: میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المومنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کس طرح تھا؟ کیا آپ کسی عمل کو کسی دن کے لیے خاص کر لیتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نہیں! آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا، اور تم میں سے کون اتنی طاقت رکھتا ہے جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرنے میں طاقت رکھتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۴۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علقمہ، یہ علقمہ بن قیس ہیں اور وہ ابراہیم نخعی کے ماموں تھے، اور اس حدیث کی سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "هل كان يخص شيئا من الايام" یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن کوئی مخصوص عبادت کرتے تھے جس عبادت کو وہ دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے معارض دوسری حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ کے علاوہ کسی اور مہینہ میں نفلی روزے رکھتے ہوں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ سفر کرتے تھے، پس ہر مہینہ جو آپ تین روزے رکھا کرتے تھے وہ سفر کی وجہ سے بعض مہینوں میں نہیں رکھ سکتے تھے تو ان روزوں کو آپ شعبان میں جمع کر لیتے تھے، اور آپ عبادت تازگی اور خوشی کے ساتھ کرتے تھے جب آپ جہاد سے فارغ ہوتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ديمة" اس کا معنی ہے دائماً اور ديمة اصل میں اس بارش کو کہتے ہیں جو مسلسل ہوتی رہتی ہے اور اس کے اندر نہ بادل کی گرج ہوتی ہے اور نہ بجلی کی چمک ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تم میں سے کوئی شخص عمل کی اتنی طاقت نہیں رکھتا جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت رکھتے تھے"۔ یعنی عبادت کی مقدار اور عبادت کی کیفیت جس میں خشوع اور خضوع ہوتا تھا، اس کی تم لوگ طاقت نہیں رکھتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٤٦٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الزِّبْرِقَانِ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ قَالَ أَظُنُّهُ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَقَالَ عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَدِّدُوا وَأَبْشِرُوا قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن الزبرقان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از ابی سلمہ از عبدالرحمٰن از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: درست کام کرو اور میانہ روی سے کرو اور بشارت لو، کیونکہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے عرض کیا اور نہ آپ کو یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اور نہ مجھے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے۔

مُجَاهِدٌ قَوْلًا سَدِيدًا وَسَدَادًا صِدْقًا.

امام بخاری نے کہا: میرا گمان ہے از ابی النضر از ابی سلمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

اور عفان نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: درست کام کرو اور بشارت لو۔

اور مجاہد نے کہا: قولا سدیدًا و سدادًا اس کا معنی ہے: صدقًا

(صحیح البخاری: ۶۴۶۳، صحیح مسلم: ۲۸۱۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۱، مسند احمد: ۲۴۴۲۰)

صحیح البخاری: ۶۴۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی آخری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی مجاہد نے کہا: سداد اور سدید کا معنی ہے: "العدل المعتدل الکافی" جو خلل کو بھر دے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے:

مغلطائی کا یہ زعم ہے اور ہمارے شیخ ابن الملقن بھی ان کے تابع ہوئے ہیں کہ طبری نے مجاہد کی تفسیر کو از موسیٰ بن ہارون از عمرو بن طلحہ از اسباط از السدی از ابن نجیح از مجاہد وصل کیا ہے اور یہ وہمِ فاحش ہے۔ سدی کی ابن ابی نجیح سے کوئی روایت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس سے متصل حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت اس طرح ہے:

اور نہ امام طبری نے اس سند سے کوئی روایت نقل کی ہے، امام طبری نے ایک دوسری سند کے ساتھ لکھا ہے: از سدی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس، ان کے اس قول کی شرح میں "قولا سدیدا" اور قولِ سدید وہ ہے جب کوئی ان سے کہے جو اس کی موت کے وقت حاضر ہوں، اپنے نفس کو مقدم رکھو اور اپنی اولاد کے لیے ترکہ چھوڑو۔ اور انہوں نے مجاہد کے اثر کی روایت کی از ورقاء از ابن ابی نجیح اور انہوں نے یزید بن زریع سے بھی روایت کی از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۶، دارالمعرفہ، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، کی اس عبارت پر علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ، درج ذیل اعتراض کرتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ادب کی رعایت کرنا مطلوب ہے اور کاش کہ ابن حجر یوں کہتے: شیخ مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا یا شیخ علاؤ الدین نے کہا، کیونکہ ان کو علاؤ الدین بھی کہا جاتا ہے حالانکہ وہ ان کے شیخ کے شیخ ہیں، کیونکہ کتنی مرتبہ ابنِ حجر اپنے شیخ کا ذکر اپنی شرح میں تعظیم کے ساتھ کرتے ہیں حالانکہ انہیں علم ہے کہ جب مثبت اور نفی جمع ہوں تو مثبت کے قول کو لیا جاتا ہے کیونکہ اس کو زیادہ علم ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ مثبت نافی پر اس وقت مقدم ہوتا ہے جب نفی کا عدد معین ہو، لیکن جب کہ وہ عدد غیر معین ہو جیسا کہ طبری میں ہے اور طبری میں اس کے خلاف موجود ہے، پس اب مثبت نفی کے اوپر مقدم نہیں ہوگا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۱۷، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۴۶۸ ۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى لَنَا يَوْمًا الصَّلَاةَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدِهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ قَدْ أُرِيتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قُبُلِ هَذَا الْجِدَارِ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھ گئے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا، پس فرمایا: ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی تھی تو مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی، اور ان دونوں کی صورتوں کی اس دیوار کے سامنے مثال بنائی گئی تھی اور میں نے آج کے دن کی مثل خیر اور شر کو نہیں دیکھا۔ میں نے آج کے دن کی مثل خیر اور شر کو نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۳۳)

صحیح البخاری: ۶۴۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے: کسی عمل کو ہمیشہ کرنا اور اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کو جنت اور دوزخ کی مثال دکھائی گئی، کیونکہ جنت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور دوزخ سے ڈرایا گیا ہے اور ان دونوں کو نمازی کے سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ نمازی جنت کی طلب میں اور دوزخ کے ڈر سے ہمیشہ عمل کرے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن فُلیح، یہ اپنے والد فُلیح بن سلیمان المغیرہ الخزاعی سے روایت کرتے ہیں اور ایک قول ہے کہ وہ اسلمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہلال بن علی، اور یہ ہلال بن ابی میمونہ ہیں اور ان کو ہلال بن ابی ہلال بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم رقی'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''قبلة المسجد'' یعنی مسجد کے قبلہ کی جہت کی طرف۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فی قبل هذا الجدار'' یعنی اس مسجد کی دیوار کے آگے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دائمی عمل خواہ کم ہوں ان کی ترغیب کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو میانہ روی پر اور دائمی عمل کرنے پر برانگیختہ کیا ہے خواہ عمل کم ہوں، اس خوف سے کہ اگر امت زیادہ عمل کرے تو کہیں تھک کر اصلاً عمل کو چھوڑ نہ دے۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں کوئی ایسا عمل نہیں کرتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ کریں، پھر اس پر شعبان کے روزوں سے اعتراض کر کے اس کا جواب دیا ہے جس کو علامہ عینی نے اپنی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۶۴۶۸ میں جنت اور دوزخ کی مثال دکھانے کی توجیہ

اس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ لوگ جنت کو دیکھ کر اس کی رغبت کی وجہ سے عمل میں کوشش کریں اور دوزخ کو دیکھ کر اس کے ڈر کی وجہ سے برے اعمال کو ترک کریں۔ سو لوگوں کو چاہیے کہ جب وہ نماز پڑھیں تو اپنے ذہن میں جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر کر لیں جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور دوسرے تفکرات کو چھوڑ دیں جو شیطان ان کو مختلف چیزیں نماز میں یاد دلاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ دوزخ کی مثال کو دیکھیں اور جنت کی مثال کو دیکھیں تو یہ ان کے لیے صبر کا باعث ہو اور نیک عمل کو دائماً کرنے کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت تک پہنچانے کا اور دوزخ سے نجات کا باعث ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی وجہ سے جنت میں دخول

صحیح البخاری: ۶۴۶۴ میں مذکور ہے ''تم میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا''۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور اس کا فضل ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی وجہ سے بندوں کو جنت میں درجات اور منازل ملتے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر دیتا ہے اور ایک گناہ پر ایک ہی سزا دیتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً بندوں کو غیر متناہی نعمتیں دی ہیں جب کہ بندوں کا ان نعمتوں کے مقابلہ میں کوئی فعل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو معتدل بشر پیدا کیا، پھر اس کو نعمتِ اسلام سے مشرف کیا، اس کو صحت اور عافیت کی نعمت دی، اس کو اپنی نعمت سے رزق عطا کیا اور اپنے نفس کے اوپر

رحمت کو لازم کر لیا۔ اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتیں ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۸۵۔۴۸۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۴۶۴ میں مذکور ہے ''تم میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمل سے جنت نہیں ملتی اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل سے جنت ملتی ہے، اس اعتراض کے متعدد جوابات

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الزخرف: ۷۲)

یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو ○

اور فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۳۲)

تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○

قاضی عیاض نے کہا: اس آیت اور حدیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آیت میں جو اجمال تھا حدیث نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ اور طاعت کی وجہ سے عمل کی توفیق اور ہدایت ہوتی ہے اور ان میں سے ہر چیز کا عمل کرنے والا اپنے عمل سے مستحق نہیں ہوتا، یہ توفیق محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ملتی ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا: اس سے چار جواب حاصل ہوتے ہیں:

(۱) عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملتی ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ سابقہ نہ ہو تو انسان کو نہ ایمان حاصل ہوگا اور نہ طاعت حاصل ہوگی جس کی وجہ سے نجات ہوتی ہے۔

(۲) بندہ کے منافع اس کے مالک کے لیے ہوتے ہیں، پس اس کے عمل کا مستحق بھی اس کا مالک ہوتا ہے۔ پس جب بھی بندہ کو کوئی جزا دی گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔

(۳) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں نفسِ دخول تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے اور درجات کا حصول بندہ کے اعمال سے ہوتا ہے۔

(۴) اطاعت کے اعمال تھوڑے زمانہ میں ہیں اور ان کا ثواب کبھی ختم نہیں ہوتا، پس جو انعام کبھی ختم نہیں ہوتا اس عمل کی جزاء میں جو ختم ہو جاتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگا اعمال کے سبب سے نہیں ہوگا۔

علامہ کرمانی کا یہ جواب کہ ''بما کنتم تعملون'' میں باء سببیت کی نہیں ہے الصاق اور مصاحبت کی ہے

نیز علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ''بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' (النحل: ۳۲) میں باء سببیت کی نہیں ہے بلکہ الصاق اور مصاحبت کے لیے ہے یعنی تم جنت میں داخل ہو جاؤ جب کہ تمہارے ساتھ تمہارے اعمال ملے ہوئے ہوں یا تمہارے اعمال تمہارے مصاحب ہوں۔ یعنی بندہ کے جنت میں دخول کے مقابلہ میں کوئی عمل نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی بندہ پر رحمت نہ ہوتی تو وہ بندہ کو جنت میں داخل نہ فرماتا، کیونکہ عمل دخولِ جنت کو واجب نہیں کرتا اور نہ دخولِ جنت کا عوض ہے۔ اور نہ بندہ کا عمل اللہ تعالیٰ کی نعمت کے مقابلہ میں ہے بلکہ بندہ کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کے مقابلہ میں بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں اس کے شکر کو واجب کرتی ہیں اور بندہ ان تمام نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکتا، چاہیے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے مقابلہ میں بندوں کے نیک اعمال ہوں لیکن بندہ کے نیک عمل کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو بے شمار نعمتیں عطا کر دی ہیں۔ سو اگر اللہ تعالیٰ اس حالت میں بندہ کو عذاب دے تو وہ اس کو عذاب دے گا اور اس کا ظلم نہیں ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ اس حالت میں بندہ پر رحم فرمائے تو یہ رحمت اس کے عمل سے بہتر ہے جیسا کہ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے مسئلہ میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا، اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیے بہتر ہے۔

بندہ کی مغفرت کے متعلق جبریہ اور قدریہ کا مذہب

جبریہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ عمل کسی اعتبار سے بھی دخولِ جنت کا سبب نہیں ہے اور قدریہ یہ کہتے ہیں کہ جنت بندہ کے اعمال کا سبب ہے اور حدیث سے ان دونوں کے دعویٰ کا بطلان ظاہر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر بندہ کے اعمال دخولِ جنت کا سبب ہیں اور حقیقت میں عمل جنت میں دخول کا سبب نہیں ہے، جنت میں دخول کا سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ واللہ اعلم

علامہ نووی کا یہ جواب کہ ظاہر آیات کا معنیٰ ہے جنت میں دخول عمل سے ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنت میں دخول اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے

علامہ نووی نے کہا ہے: کہ ظاہر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں دخول اعمال کے سبب سے ہے اور اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ اعمال کی توفیق اور ہدایت اور اخلاص اور اعمال کو قبول فرمانا یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے ہے، پس یہ کہنا صحیح ہے کہ بندہ محض عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوا اور یہی حدیث کی مراد ہے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ عمل کے سبب سے داخل ہوا کیونکہ اس کا عمل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے ہے۔

علامہ المازری نے کہا ہے: اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اطاعت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ثواب عطا فرمانا اس کا فضل ہے، اس طرح نافرمانوں سے انتقام لینا اور ان کو سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ اطاعت گزار کو عذاب دے اور نافرمان پر انعام فرمائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی خبر صادق ہے اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، اور یہ حدیث اہل سنت کے موقف کی تقویت کرتی ہے اور معتزلہ کا رد کرتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ بندہ کے عمل کی وجہ سے

اس کو جنت ملتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۳۔ ۵۲۴، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۹۔ بَابُ: الرَّجَاءِ مَعَ الْخَوْفِ

امید کے ساتھ خوف کا بیان

وَقَالَ سُفْيَانُ مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ: لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (المائدہ:۶۸)

اور سفیان نے کہا: مجھ پر قرآن مجید کی کوئی آیت اتنی زیادہ سخت نہیں ہے جتنی یہ آیت ہے" تم (دینِ برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے ساتھ عذاب کے خوف کو رکھنا مستحب ہے، اور امید کو خوف سے منقطع نہ کیا جائے اور خوف کو امید سے منقطع نہ کیا جائے، کیونکہ اگر امید کو خوف سے منقطع نہ کیا تو اس سے تکبر کا خطرہ ہے اور اگر خوف کو امید سے منقطع نہ کیا تو اس سے اللہ کی رحمت سے مایوسی کا خطرہ ہے اور ان میں سے ہر ایک مذموم ہے۔ اور امید سے مقصود یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھے اور یہ امید رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا، اسی طرح اگر اس نے کوئی اطاعت کی ہے تو یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس اطاعت کو قبول فرمائے گا۔ رہا وہ شخص جو گناہ میں ڈوبا رہا اور بغیر ندامت کے اور اس گناہ کو ترک کیے بغیر یہ امید رکھتا رہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا تو یہ غرور اور دھوکا ہے۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ (المومنون:۶۰)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O

کیا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو شخص چوری کرتا ہے اور زنا کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس سے مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اس سے یہ عبادات قبول نہیں کی جائیں گی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں۔
اس آیت کے شروع میں اس طرح مذکور ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (المائدہ:٦٨)

آپ کہیے کہ اے اہلِ کتاب! تم (دینِ برحق کی) کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔

اور یہ آیت ان پر زیادہ سخت اس وجہ سے تھی کیونکہ یہ اس کو مستلزم ہے کہ جو کچھ کتب الٰہیہ میں لکھا ہوا ہے اس کا علم ہو اور اس کے تقاضا پر علم ہو اور اس کی تفسیر سورۃ المائدہ میں گزر چکی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ زیادہ سخت خوف والی آیت درج ذیل ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۚ (آل عمران:١٣٠۔١٣١)

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ O اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے O

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آیت جس سے سفیان بن عیینہ کو زیادہ خوف تھا وہ یہ ہے:

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ۝ (النساء:١٢٣)

(اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار O

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت کی باب کے عنوان کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص ان احکام پر عمل نہ کرے جو اس کتاب میں مذکور ہیں جو اس میں نازل کی گئی ہیں تو اس کو نجات حاصل نہیں ہوگی اور اس کی امید بغیر ان احکام پر عمل کیے اس کو نفع نہیں دے گی۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٠١، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٤٦٩۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْئَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از عمرو بن ابی عمرو از سعید بن ابی سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو اس نے سو رحمتیں پیدا کیں، اس نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور ایک رحمت تمام مخلوق میں بھیج دی، اگر کافر کو ان تمام رحمتوں کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا۔ اور اگر مومن کو ان تمام عذاب کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ دوزخ سے بے خوف نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری:٦٠٠٠، ٦٤٦٩، صحیح مسلم:٢٧٥٢، سنن ترمذی:٣٥٤١، سنن ابن ماجہ:٤٢٩٣، مسند احمد:٩٣٦٢، سنن دارمی:٢٧٨٥)

صحیح البخاری: ۶۴۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" ثواب کی امید کے ساتھ عذاب کا خوف ہونا" اور اس حدیث میں مذکور ہے" اگر کافر کو اللہ کی ان تمام رحمتوں کا علم ہو جائے جو اس کے پاس ہیں تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا اور اگر مومن کو ان تمام عذاب کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو وہ دوزخ سے بے خوف نہیں ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکلف کو اگر متحقق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی رحمت ہے تو وہ اپنی امید کو بالکل منقطع نہیں کرے گا اور اگر اس کو متحقق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنا عذاب ہے تو وہ عذاب کے خوف کو بالکل ترک نہیں کرے گا۔ پس اس لیے یہ چاہیے کہ بندہ خوف اور امید دونوں کے درمیان رہے۔ پس نہ تو وہ بہت زیادہ امید رکھے حتیٰ کہ وہ مرجئہ میں سے ہو جائے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کسی معصیت کا کوئی ضرر نہیں ہوتا اور نہ خوف میں افراط کرے حتیٰ کہ خوارج اور معتزلہ میں سے ہو جائے جو کہتے ہیں کہ جس نے گناہِ کبیرہ کیا جب وہ بغیر توبہ کے مر گیا تو دوزخ میں رہے گا بلکہ خوف اور امید دونوں کے درمیان ہونا چاہیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۵۷)

جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے O

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری کی منفرد روایات میں سے ہے اور یہ حدیث کتاب الادب میں اس باب میں گزر چکی ہے" باب جعل الله الرحمة مائة جزء"۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" جب اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو سو رحمتوں کو پیدا کیا"۔ اس رحمت سے وہ رحمت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں میں رکھی ہے اور یہ رحمت مخلوق ہے۔ اور جو رحمت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" سو رحمتیں" اس کا مطلب ہے کہ سو قسم کی رحمتیں پیدا کیں یا ایک رحمت کے سو اجزاء پیدا کیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" اگر کافر ان تمام رحمتوں کو جانتا ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں" تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوتا۔ اس حدیث میں کافر کے ذکر کو مقدم کیا ہے، کیونکہ رحمت کی کثرت اور وسعت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر ایک اس رحمت کی توقع رکھے۔ اور اس حدیث میں مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے ماضی کا نہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ کافر کو یہ علم نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رحمت کے سو افراد ہیں۔ اور اس حدیث کے ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ افراد کی تعمیم کی جائے، اس پر یہ سوال ہے کہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ رحمت کے سو جز و ہیں، لہٰذا تعمیم عموم اجزاء کے لیے ہوگی نہ کہ عموم افراد کے لیے اور اجزاء کو مبالغۃً افراد کے منزلہ میں نازل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۶۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کا بیان

حدیث میں ہے "تم میں سے کوئی شخص ہرگز نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہو"۔ یہ حدیث عنقریب صحیح البخاری کی کتاب التوحید میں آئے گی۔

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان پر داخل ہوئے اور وہ موت کے قریب تھا، آپ نے اس سے پوچھا: تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو وصف کسی بندہ کے دل میں ایسے وقت میں جمع نہیں ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرے گا جس کی وہ امید رکھتا ہو اور اس سے وہ محفوظ رکھے گا جس سے وہ ڈرتا ہو، اور شاید کہ امام بخاری نے اپنے باب کے عنوان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن جب کہ یہ حدیث ان کی شرط کے موافق نہیں تھی تو انہوں نے اس حدیث کو وارد نہیں کیا، لیکن وہ حدیث روایت کی جس سے یہ چیز اخذ کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ مقصود کی تصریح میں اس کے برابر نہیں ہے۔

کافر کا جنت کی طمع کرنا

یہ حدیث برائی سے اجتناب کرنے کی محرک ہے خواہ برائی صغیرہ ہو اور اطاعت کو لازم رکھنے کی ترغیب دیتی ہے خواہ اطاعت تھوڑی سی ہو۔ یہاں پر ایک اشکال ہے کہ جنت کافر کے لیے پیدا نہیں کی گئی اور کافر کو جنت کی طمع اور خواہش بھی نہیں ہے تو وہ جنت کی تمنا کیسے کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اپنے کفر کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کا جنت کی تمنا کرنا بعید نہیں ہے اور یہ حدیث مومن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت میں ترغیب دینے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی وسیع رحمت ہے کہ اگر کافر کو اس کی وسعت کا علم ہو جائے جس کے لیے یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا اور اس کے لیے رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ہے تب بھی وہ جنت کی امید رکھے گا اور اس سے مایوس نہیں ہوگا۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس کو جو یہ یقین ہے کہ وہ باطل پر ہے اور اسی پر عناداً وہ مستمر رہا ہے تو اس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو وہ بھی جنت کی توقع رکھے گا اور جب کافر کا یہ حال ہے تو مومن جنت کی تمنا کیوں نہیں کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی ہدایت دی ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جب قیامت کے دن ابلیس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو دیکھے گا تو وہ بھی شفاعت کی توقع رکھے گا۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے حضرت جابر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے المعجم الاوسط میں

روایت کی ہے اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جوانی اور صحت کے زمانہ میں خوف کا غلبہ رہنا چاہیے تا کہ آدمی گناہوں سے بچتا رہے۔ اور بڑھاپے اور ضعف میں اور کمزوری میں اللہ تعالیٰ سے امید کا غلبہ رہنا چاہیے۔

خوف کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۹۹-۹۸)

اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت آ جائے جب وہ کھیل کود میں مشغول ہوں O تو کیا وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہوں O

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الاعراف: ۵۶)

اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے O

اور رجاء (امید) کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَايْــــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْــــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (یوسف: ۸۷)

اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں O

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۷-۵۲۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۰- بَابٌ: الصَّبْرِ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، ان سے صبر کرنا

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰)

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

وَقَالَ عُمَرُ: وَجَدْنَا خَيْرَ عَيْشِنَا بِالصَّبْرِ

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے صبر کے ساتھ اپنی بہترین زندگی پائی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے صبر کرنے میں کوشش کرنی چاہیے۔ اور المحارم محرمۃ کی جمع ہے۔ الجوہری نے کہا: حرمت کا معنی ہے جس چیز کا کرنا جائز نہ ہو اور اسی طرح المحرمۃ ہے۔

اور صبر کے معنی ہیں: نفس کو روکنا، اور کبھی یہ عن کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور یہ معاصی میں ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "صَبَرَ عَنِ

الزنا" اس نے زنا کرنے سے اپنے آپ کو روکا، اور کبھی یہ علیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "صَبَرَ علی الصلوٰۃ" اس نے نماز پڑھنے پر صبر کیا، اور کبھی صبر کا لفظ فی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے: مصائب کے اوپر جزع فزع کرنے، بے چینی اور گھبراہٹ کا اظہار کرنے اور رونے اور چلانے سے اپنے آپ کو روکنا۔

امام بخاری نے یہاں تعلیق میں الزمر: ۱۰ کو ذکر کیا ہے اور اس آیت کا "الصبر عن محارم اللہ" پر عطف ہے۔ اور اس کا مطلب بھی ہے کہ جو لوگ عبادت کی مشقت پر صبر کرتے ہیں یا جو لوگ مصائب میں جزع فزع کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔

دوسری تعلیق میں امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا: "ہم نے اپنی بہترین زندگی صبر کے ساتھ پائی"۔ یہاں پر صبر کا لفظ باء کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور یہ باء الصاق کے لیے ہے یعنی ہماری بہترین زندگی صبر کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس اثر کو امام احمد نے کتاب الزہد میں سندِ صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَسْأَلْهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا أَعْطَاهُ حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ نَفِدَ كُلُّ شَيْءٍ أَنْفَقَ بِيَدَيْهِ مَا يَكُنْ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ لَا أَدَّخِرْهُ عَنْكُمْ وَإِنَّهُ مَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید اللیثی نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ انہیں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس ان میں سے جس کسی نے بھی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عطا فرمایا حتیٰ کہ آپ کے پاس جتنا بھی مالِ غنیمت تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر جب اپنے ہاتھوں سے خرچ کرنے سے ہر چیز ختم ہو گئی تو آپ نے ان سے فرمایا: میرے پاس جو مال بھی ہوگا میں اس کو تم سے جمع کر کے نہیں رکھوں گا اور بے شک جو سوال سے رکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو روک کے رکھتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتا ہے۔ اور جو مستغنی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتا ہے۔ اور تمہیں ہرگز کوئی عطاء نہیں دی جائے گی جو صبر سے اچھی اور وسیع ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۹، ۶۴۷۰ صحیح مسلم: ۱۰۵۳، سنن ترمذی: ۲۰۲۴، سنن نسائی: ۲۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۱۶۴۴، مسند احمد: ۱۱۴۸۰، موطا امام مالک: ۱۸۸۰، سنن دارمی: ۱۶۴۶)

صحیح البخاری: ۶۴۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں اور ان کا ذکر بخاری میں بہت زیادہ ہے۔اور اس حدیث کی سند میں ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ضرورت کے وقت سوال کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سائل کو ایک مال سے دو مرتبہ دینے کا ثبوت ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس سے اچھے طریقہ سے عذر پیش کیا جائے، اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم اور آپ کی جود وسخا کا بیان ہے کہ آپ بار بار دینے سے اکتاتے نہیں تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے لوگوں کو صبر کرنے اور بے نیازی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے پر وصیت کی ہے اور اللہ عزوجل کے رزق کا انتظار کرنے کی ترغیب دی ہے اور آپ نے یہ بتایا ہے کہ مومن کو جو چیزیں دی گئی ہیں ان میں سب سے اچھی چیز صبر ہے، کیونکہ صبر کی جزاء لامحدود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰) صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے سوال کیا تو آپ نے ان کو عطا فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے، تاہم ضرورت کے باوجود سوال نہ کرنا اور صبر کرنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے تاکہ اس کے پاس بغیر سوال کے اللہ تعالیٰ کا رزق آئے۔(شرح ابن بطال ج ۳ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

سوال کی ممانعت اور سوال کی حدِ جواز کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اس کو سوال سے مستغنی کر دے، پھر بھی اگر اس نے لوگوں سے سوال کیا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر خراشیں ہوں گی، آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! سوال سے مستغنی ہونے کی کیا مقدار ہے، آپ نے فرمایا: اس کے پاس پچاس درہم ہوں یا اتنی مقدار کا سونا ہو۔(سنن ابوداؤد: ۱۶۲۶، سنن ترمذی: ۶۵۰، سنن نسائی: ۲۵۹۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اس حال میں سوال کیا کہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو اس کو سوال سے غنی کر سکے تو وہ صرف آگ کی کثرت کر رہا ہے، مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! سوال سے غنی کرنے والے مال کی کیا مقدار ہے، یا پوچھا: اس غنیٰ کی کتنی مقدار ہے جس کے باوجود سوال نہیں کرنا چاہیے، آپ نے فرمایا: جس سے وہ

ایک رات اور ایک دن سیر ہو کر کھانا کھا سکے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غنی کے لیے صدقہ حلال ہے اور نہ اس شخص کے لیے جو قوی ہو اور اس کے اعضاء صحیح ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۳۴، سنن ترمذی: ۶۵۲)

صبر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

عبادات پر صبر کرنا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ: ۴۶-۴۵)

اور صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے مدد حاصل کرو اور بے شک نماز ضرور دشوار ہے، سوا ان لوگوں کے (جو اللہ کی طرف) جھکنے والے ہیں O جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ (آل عمران: ۱۲۰)

اگر تمہیں کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر وفریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے O

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۲-۱۴۱)

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے O کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا O

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۴۶)

اور کتنے نبیوں کے ساتھ (مل کر) اللہ والوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا، تو اللہ کی راہ میں مصائب پہنچنے کی وجہ سے نہ وہ ست ہوئے اور نہ کمزور پڑے اور نہ دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے O

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (یونس: ۱۰۹)

اور آپ اسی کی اتباع کیجیے جس کی آپ پر وحی کی جاتی ہے حتیٰ کہ اللہ فیصلہ فرمائے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (المدثر: ۷)

اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے O

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ (ہود: ۱۱۴۔۱۱۵)

کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O اور صبر کیجئے، پس بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا O

مصائب پر صبر کرنا

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۷)

اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر، بھوک اور (تمہارے) مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان میں ضرور مبتلا کریں گے، اور ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے O جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پر ثابت قدم ہیں O

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (آل عمران: ۱۸۶)

بے شک تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور مشرکوں سے ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے O

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰىٓ اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ (الانعام: ۳۴)

آپ سے پہلے بھی کتنے ہی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی، سو انہوں نے اس تکذیب اور ایذاء رسانی پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے، اور بے شک آپ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں O

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ (یوسف: ۱۶۔۱۸)

اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے O انہوں نے کہا: اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے ساتھ چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں O اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے، (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے O

صبر کی جزاء

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل:۹۶)

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے نیک کاموں کی ضرور جزاء دیں گے O

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (المومنون:۱۰۹۔۱۱۱)

بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے O تو (اے کافرو!) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے O بے شک میں نے آج ان کے صبر کی اچھی جزاء دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں O

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ (الفرقان:۷۳۔۷۵)

اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے O اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے O یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزاء میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی اور وہاں ان کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا O

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر:۱۰)

آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً

بے شک نیکوکار ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے O اس چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے O وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے O وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O بے

وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ (الدہر: ۵۔۱۲)

شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور سخت ہے ۝ سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچالیا اور ان کو تروتازگی اور فرحت عطا فرمائی ۝ اور ان کے صبر کی جزاء میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا ۝

صبر کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عثمان بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت میں رکھے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں دعا کردوں اور اگر تم چاہو تو تم صبر کرو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اس نے کہا: آپ دعا کر دیجئے، تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا کرے:

اللهم انی اسالك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة يا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی، اللهم فشفعه فی۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی الرحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری حاجت پوری کی جائے، اے اللہ! پس تو آپ کی شفاعت کو میرے متعلق قبول فرما۔

(سنن ترمذی: ۳۵۷۸، سنن ابن ماجہ ص ۹۹ طبع کراچی، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸، مستدرک ج ۱ ص ۵۱۹)

(۲) حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملا، اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح عامل نہیں بناتے جس طرح آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ عنقریب میرے بعد اپنے اوپر دوسروں کی ترجیح کو پاؤ گے سو تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم حوض پر مجھ سے ملاقات کرو۔ (صحیح البخاری: ۳۷۹۲، صحیح مسلم: ۱۸۴۵)

(۳) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض ان ایام میں جن میں آپ کا دشمن سے مقابلہ ہوا، آپ انتظار فرما رہے تھے حتیٰ کہ جب سورج غروب کے قریب ہو گیا تو آپ صحابہ میں کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو، پس جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم صبر کرنا، اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۲۴، صحیح مسلم: ۱۷۴۲)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عطاء سے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسی عورت نہ دکھاؤں جو اہل جنت میں سے ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، تو انہوں نے کہا: یہ سیاہ فام عورت، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: مجھ پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو تم صبر کرو اور تمہیں جنت مل جائے گی اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تندرست کر دے، اس عورت نے کہا: میں صبر کروں گی، پھر کہا: میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میں برہنہ نہ ہوں، تو آپ نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ (صحیح البخاری: ۵۶۵۲، صحیح مسلم: ۲۵۷۶)

(۵) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں کھڑے ہوئے، پس آپ نے ان سے ذکر کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل اعمال ہیں، ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو مجھ سے میرے گناہ مٹا دیئے جائیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: میں نے کس طرح کہا تھا، اس نے کہا: یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مٹ جائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، سوائے قرض کے، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ابھی بتایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۸۸۵)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ بیان کرتی ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی کہ طاعون ایک عذاب تھا جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا بھیج دیتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس طاعون کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا۔ پس جو بندہ بھی طاعون میں مبتلاء ہوا اور وہ اس شہر میں صبر کرتا ہوا ٹھہرے اور یہ یقین رکھے کہ اس کو وہی مصیبت پہنچے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے تو اس کو شہید کی مثل اجر ملے گا۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۴)

(۷) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو ان کو مصیبت میں مبتلاء کر دیتا ہے، سو جو صبر کرے تو اس کے لیے صبر کا اجر ہوگا اور جو بے قرار ہو تو اس کے لیے بے قراری ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۸۳)

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: جب میں اپنے بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں کی مصیبت میں مبتلاء کرتا ہوں، سو وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض میں اس کو جنت عطا کرتا ہوں، آپ کی مراد اس کی دونوں آنکھیں تھیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۵۳)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا اس کے منزلہ میں ہے جو روزہ رکھنے والا صبر کرنے والا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۸۶، سنن ابن ماجہ: ۱۷۶۴، مسند احمد: ۷۷۹۳)

(۱۰) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے، اس کا ہر حال خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے، اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۹۹)

(۱۱) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ عزوجل کی مومن کے لیے قضاء وقدر پر تعجب کرتا ہوں، اگر اس کو خیر حاصل ہو تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے، اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے، اور مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جو لقمہ وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں رکھتا ہے اس میں بھی۔

(مسند احمد: ۱۴۸۷۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی اسانید اور رجال سب صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۹)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا تو ایک مرد نے کہا: یہ وہ تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی، سو آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے چہرہ میں ناراضگی کے آثار دیکھے، پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی تھی سو انہوں نے صبر کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۰۵، صحیح مسلم: ۱۰۶۲)

(۱۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں بیمار تھا، پس میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں یہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ! اگر میری مدتِ حیات پوری ہوگئی ہے تو مجھے اس میں راحت عطا فرما اور اگر وہ موخر ہے تو اس کو مجھ سے اٹھا لے اور اگر کوئی مصیبت ہے تو مجھے اس پر صبر کرنے والا بنا دے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کس طرح دعا کی تھی؟ تو میں نے وہ دعائیہ کلمات دہرائے، تو آپ نے اپنے پیر سے ان کو مارا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو عافیت عطا فرما یا کہا: اس کو شفاء عطا فرما، پھر اس کے بعد مجھے کبھی درد نہیں ہوا۔ (سنن ترمذی: ۳۵۶۴)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی ہوئی رو رہی تھی، آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر کر، اس نے کہا: آپ میرے پاس سے ہٹیں، کیونکہ آپ کو میری جیسی مصیبت نہیں پہنچی اور اس نے آپ کو نہیں پہچانا تھا، اسے بتایا گیا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی، وہاں اس نے آپ کے دربانوں کو نہیں پایا اس نے کہا: میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ نے فرمایا: صبر تو صرف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب پہلی بار صدمہ پہنچا ہو۔
(صحیح البخاری: ۱۲۸۳، صحیح مسلم: ۹۲۶)

(۱۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش کے ساتھ مبتلاء ہوا اور اس نے ان پر صبر کیا تو وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔ (سنن ترمذی: ۱۵۶۱)

(۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے امیر سے کوئی ناگوار بات دیکھی تو وہ اس پر صبر کرے، کیونکہ جو شخص جماعتِ مسلمین سے ایک بالشت بھی باہر نکلا اور مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔
(صحیح مسلم: ۱۸۴۹)

(۱۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتا ہے اس کو اس مومن سے زیادہ اجر ملتا ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۰۷، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۲، مسند احمد: ۵۰۲۲)

۶۴۷۱ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ أَوْ تَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ فَيُقَالُ لَهُ فَيَقُولُ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن علاقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑھتے حتیٰ کہ آپ کی

پنڈلیوں پر ورم آ جاتا یا آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا (آپ اتنی عبادت کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے) تو آپ فرماتے: کیا پس میں اللہ کا زیادہ شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح البخاری: ۱۱۳۰، ۴۸۳۶، ۶۴۷۱، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۷۴)

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے صبر اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر صبر کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں قدم سوج گئے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خلاد بن یحییٰ، یہ ابن صفوان ابومحمد السلمی الکوفی ہیں، انہوں نے مکہ میں رہائش رکھی اور مکہ ہی میں ۲۱۳ھ میں فوت ہو گئے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسعر، یہ ابن قدام الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زیاد، یہ ابن عِلاقہ ہیں (عین پر کسرہ اور لام پر زبر)۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی ترم" یہ اصل میں تورم تھا، واؤ کسرہ اور علامتِ مضارع کے درمیان واقع ہوئی تو اس کو حذف کر دیا کیونکہ یہ ورم یرم کے باب سے ہے۔ اور ورم کا معنی ہے سوج جانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او تنتفخ" علامہ کرمانی نے کہا کہ اَو کا لفظ تنویع کے لیے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی کو شک ہو۔ اور دوسروں نے وثوق سے کہا کہ شک کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقال لہ" یعنی آپ سے کہا جاتا "انک قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر" اس کا معنی ہے: آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ تو آپ جواب میں فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کے اس فضلِ عظیم اور اس نعمت پر شکر ادا نہ کروں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ خاص کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۴۔۱۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی مغفرت کے اعلان کا آپ کے ساتھ مخصوص ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی یہ خصوصی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کی کلی مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے تاکہ آپ آخرت

میں اطمینان اور تسلی کے ساتھ اپنی امت کی شفاعت کر سکیں ورنہ جن انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں مغفرت کا اعلان نہیں فرمایا وہ قیامت کے دن طلبِ شفاعت پر اپنا عذر پیش کریں گے۔

حدیث میں ذکر ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے تو وہ عذر پیش کریں گے، وہ کہیں گے: میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ خلیل الرحمٰن ہیں، پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں، پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں: میں اس کے لیے نہیں ہوں تم عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کی (پسندیدہ) روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے: میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ، تو وہ میرے پاس آئیں گے، سو میں کہوں گا: میں ہی اس کے لیے ہوں، پس میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، سو مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسے حمد کے کلمات الہام فرمائے گا جن کے ساتھ میں اس کی حمد کروں گا اس وقت مجھے وہ کلمات مستحضر نہیں ہیں، پس میں اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے حمد کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا تو مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۷۵۱۰، صحیح مسلم: ۱۹۳)

چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرتِ کلی کا اعلان فرما دیا ہے اس لیے آپ اطمینان اور تسلی کے ساتھ اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے ورنہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام شفاعت کرنے سے گریز فرمائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی آپ کے اوپر بہت بڑی نعمت ہے اور بہت خاص انعام ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کی عظیم اور خصوصی نعمت کا زیادہ شکر ادا نہ کروں!

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبر اور شکر کا موازنہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت پر صبر کرنے کا بیان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اتنی زیادہ نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے دونوں قدم سوج جاتے تھے اور آپ فرماتے تھے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

سلف صالحین نے شکر کی تعریف میں اختلاف کیا ہے، امام طبری نے کہا: بعض علماء نے کہا ہے: بندہ اپنے رب کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثناء کرے تو یہ رب کا شکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو کچھ مقدر کیا ہے اس پر راضی رہے۔ اور اس کے لیے جو خیر اور شر کو مقدر کیا ہے اس کو تسلیم کرے تو یہ شکر ہے۔

اور ربیع بن انس نے اور دوسروں نے کہا ہے: بندہ کا شکر یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کرے، یہ السدی اور محمد بن کعب سے مروی ہے۔ اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یہ اقرار کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے ساتھ اس پر فضل کیا ہے اس کا کوئی حق نہیں تھا کہ اس کو یہ نعمتیں دی جاتیں، یہ محض اس کا فضل ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا شکر

ہے۔ اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا دونوں کا ایک معنی ہے، یہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور امام طبری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کے غیر نے نہیں دی۔ قرآن مجید میں ہے:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ (سبا: ۱۳)

سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے، قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب، اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں، اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو، اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O

اگر تم یہ سوال کرو کہ صبر اور شکر میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے، تو کہا جائے گا: ان میں سے ہر ایک کا بلند درجہ ہے اور شریف مرتبہ ہے، اور جو عافیت اور آسانی میں ہو وہ اس کی مثل نہیں ہے جو فاقہ اور مصیبت میں مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰)

صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

صبر کی فضیلت کے متعلق یہ حدیث ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اہلِ عافیت یہ پسند کریں گے کہ دنیا میں ان کی کھالوں کو قینچی سے کاٹ دیا جاتا جب وہ مصیبت میں مبتلاء لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ثواب دیکھیں گے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۰۲)

اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، پس فرمایا: تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے کل خیر کو نازل فرما دیا ہے۔ بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، میں نے عرض کیا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہوں، وہ نیکیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: پانچ نمازیں، اور میرے پاس آپ تشریف لائے، پس فرمایا: تمہیں بشارت ہو کہ بے شک اللہ عزوجل نے ایسی خیر نازل فرمادی ہے کہ اس کے بعد شر نہیں ہوگا، میں نے عرض کیا: آپ پر میرا باپ اور میری ماں فداء ہوں، وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "جو بھی ایک نیکی لے کر آیا اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیوں کی مثل اجر عطا فرمائے گا"۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! میری امت کے اجر کو اور زیادہ کر، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے O

میں نے عرض کیا: اے میرے رب! میری امت کو اور زیادہ اجر عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گاO (الزمر:۱۰)

اور امام طبرانی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام ہے شجرۃ البلوئ، قیامت کے دن وہ مصیبت زدہ لوگوں کو دیا جائے گا، پس ان کے لیے کوئی صحیفہ اعمال بلند نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے لیے میزان کو نصب کیا جائے گا، پس ان کے اوپر ان کا اجر انڈیل دیا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ '' (الزمر:۱۰)۔

(المعجم الکبیر: ۲۷۶۰، حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی سعد بن طریف ہے اور یہ بہت ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۴۹۵۔۴۹۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

صبر کا مقام اور مرتبہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صبر کرنے والوں میں سب سے زیادہ مرتبہ ان کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب پر صبر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت برداشت کرنے پر صبر کرتے ہیں اور جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے خالص اور پسندیدہ بندوں میں سے ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں صبر سے زیادہ اچھی اور صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت نہیں دی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب ایمان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: صبر اور سخاوت۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳، شعب الایمان: ۹۷۱۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو سوال کرنے سے رکے گا اللہ تعالیٰ اس کو روک کر رکھے گا اور جو صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرمائے گا۔ اور جو استغناء کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا۔ اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہاO اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہاO (اللیل:۵۔۶)

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: اس کے بعد ہم نے جو علامہ ابن الملقن کی شرح ذکر کی ہے، وہ تمام کی تمام علامہ ابن بطال کی اسی حدیث کی شرح سے نقل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبر کے متعدد معانی

صبر کے مفہوم میں فرائض اور واجبات کا کرنا اور مکروہات اور محرمات سے رکنا بھی داخل ہے۔اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ کو مکروہات اور محرمات کے قبیح ہونے کا علم ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے حرام کیا ہے تا کہ اس کا بندہ رذائل کے ارتکاب سے محفوظ رہے، پس یہ علم عقلمند کو ان رذائل کے ترک کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ سے اور بندوں سے حیاء بھی ہے اور یہ خوف ہے کہ کوئی اس کو رذیل کام کرتے ہوئے دیکھے گا تو اس کی مذمت کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر ناراض ہوگا تو پھر وہ اس رذیل کام کو اپنے انجام کی خرابی کی وجہ سے ترک کر دیتا ہے۔اور بندہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کی جگہ میں ہوتا ہے۔سو یہ خوف بندہ کو ان برے کاموں کے ارتکاب سے روکتا ہے۔اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندہ کو نعمتیں عطا کی ہیں، بندہ ان کی رعایت کرتا ہے، کیونکہ معصیت اور گناہ عموماً نعمت کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، کیونکہ محب اپنے آپ کو اپنے محبوب کے ناپسندیدہ کاموں سے روکتا ہے اور اس کام پر اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہوتا ہے۔اور صبر کی تعریف جو سب سے عمدہ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نفس کو ناپسندیدہ چیز سے روکنا صبر ہے۔اور زبان کو اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے سے روکنا صبر ہے اور مصائب کو برداشت کرنا اور کشادگی کا انتظار کرنا صبر ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں صبر کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے۔اور کتاب الایمان کے شروع میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ''صبر نصف ایمان ہے''۔

امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: صبر کا معنی ہے تنگی کے وقت میں اپنے آپ کو روکنا۔سو صبر کا معنی ہے کہ عقل یا شرع جس چیز کا تقاضا کرتی ہے اس پر اپنے نفس کو روکنا۔اور اس کے متعلقات کے اعتبار سے اس کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔اگر فقط مصیبت میں گھبراہٹ اور بے قراری سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو مطلقاً صبر کہا جاتا ہے۔اگر دشمن کے مقابلہ میں فرار سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو شجاعت کہا جاتا ہے۔اور اگر فحش کاموں سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو عفت کہا جاتا ہے۔اور اگر فضول کلام سے اپنے آپ کو روکنا ہو تو اس کو کتمان کہا جاتا ہے۔

صبر اور شکر کے محامل

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک کرنا حرام ہے۔اور نفس کو واجب کے فعل کے ساتھ مشغول رکھنا فعلِ حرام سے صبر کرنا ہے۔اور حاصل یہ ہے کہ شکر کرنا طاعت پر صبر کرنے کو متضمن ہے اور معصیت سے صبر کرنے کو متضمن ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے: صبر شکر کو مستلزم ہے، کیونکہ شکر صبر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔اور ان میں سے ایک چلا جائے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے، پس جس شخص کو کوئی نعمت حاصل ہو تو اس پر فرض ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرے اور صبر کرے۔رہا شکر تو واضح ہے اور رہا صبر تو وہ معصیت سے اپنے آپ کو روکے رکھے، اور جو شخص کسی مصیبت میں مبتلاء ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ صبر کرے، اور رہا شکر تو وہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کے اوپر مصیبت میں بھی عبادت کا حق ہے جیسا کہ بندہ کے اوپر حالتِ نعمت میں عبادت کا حق ہے۔

پھر صبر کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم ہے معصیت اور گناہ سے صبر کرنا، پس وہ گناہ اور معصیت کا ارتکاب نہ کرے اور دوسری قسم

ہے: طاعت پر صبر کرے، یعنی اطاعت اور عبادت کو ادا کرے، اور تیسری قسم ہے: مصیبت پر صبر کرے، یعنی مصیبت کے حال میں اپنے رب کی شکایت نہ کرے۔ اور مرد کے لیے ان تینوں میں سے کوئی ایک قسم ضروری ہے۔ پس صبر اس کو ابداً لازم ہے اور اس سے اس کا خروج نہیں ہے اور صبر ہر کمال کے حصول کا سبب ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے: کبھی صبر اللہ کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صابر ہو اور اس کی رضا کا طالب ہو، پس اطاعت اور عبادت کی مشقت پر صبر کرے اور معصیت سے رک کر صبر کرے، کیونکہ شہواتِ باطلہ اس کو معصیت پر ابھارتی ہیں اور وہ شہوت کے ان تقاضوں پر صبر کرے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ (یوسف: ۳۳)

اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ (عورتیں) دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا ○

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دے بایں طور کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے حوالے ہو۔

اور بعض علماء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صبر کرنا اس کی تقدیر پر راضی ہونا ہے اور اللہ کے لیے صبر کرنا اس کی محبت پر صبر کرنا ہے اور اس کے ساتھ صبر کرنا وہ اس کی مشیت اور ارادہ کے ساتھ متعلق ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۲۹۔۵۳۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبر کی اقسام

صبر کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم ہے اللہ کی طاعت پر صبر کرنا، دوسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کی معصیت سے صبر کرنا، اور تیسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیروں پر صبر کرنا، عام ازیں کہ وہ تقدیریں رنج پہنچانے والی ہوں یا خوشی دینے والی ہوں۔

رہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر صبر کرنا تو وہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی اطاعت اس طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو اس عبادت کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اطاعت صبر کی محتاج ہوتی ہے، خاص طور پر وہ اطاعت جس میں مشقت ہو مثلاً روزہ، اور بے شک روزہ نفوس پر دشوار ہوتا ہے، اسی وجہ سے رمضان کے مہینہ کو شہر الصبر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جہاد بھی نفوس پر مشکل اور دشوار ہوتا ہے اور اس میں بھی صبرِ طویل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دشمن سے ملاقات کے وقت ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، اور انہی میں سے حج کرنا ہے کیونکہ اس میں مشقتِ مالیہ بھی ہے اور مشقتِ بدنیہ بھی ہے، خاص طور پر اس لیے کہ جب انسان مکہ جاتا ہے تو اپنے وطن سے دور ہوتا ہے اور اطاعت پر صبر یہ ہے کہ نفس کو اطاعت پر روکے رکھے حتیٰ کہ اس کو بر طریقِ مطلوب ادا کر دے، اور یہ نفس کی مشقت اور بدن کی مشقت پر مشتمل ہے۔ اور بدن کی مشقت یہ

ہے کہ اس میں بہت زیادہ نقل وحرکت کرنی پڑتی ہے اور نفس کی مشقت یہ ہے کہ اس میں انسان اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے۔
دوسری قسم ہے معصیت پر صبر کرنا: یعنی نفس کو گناہوں اور معاصی کے افعال سے روکنا جب اس کا نفس چاہتا ہے کہ وہ زنا کرے تو وہ اپنے آپ کو زنا سے روکے یا اس کا نفس چاہتا ہے کہ وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے تو وہ اپنے نفس کو روکے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو یہ معاصی پر صبر کرنا ہے۔
تیسری قسم ہے تقدیر پر صبر کرنا کیونکہ تقدیر میں جو مرض لکھا ہوا ہے یا فقر لکھا ہوا ہے یا جلدی موت لکھی ہوئی ہے تو ان سب چیزوں کے لیے صبر کی مشقت کی ضرورت ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر صبر کرنا یہ افضل ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی معصیت سے رک کر نفسانی خواہشات پر صبر کرنا اس کا مرتبہ ہے، اور پھر تیسرا مرتبہ ان تقدیروں پر صبر کرنے کا ہے جو اس کے لیے رنج کا باعث ہیں۔
(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱۔ بَابٌ: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۳)

اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے

قَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ: مِنْ كُلِّ مَا ضَاقَ عَلَى النَّاسِ۔

ربیع بن خثیم نے کہا: (توکل) ہر اس چیز سے ہے جو لوگوں کے اوپر تنگ اور دشوار ہو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کا عنوان ہے "جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے"۔
توکل کا لغوی معنی ہے: کسی چیز کی پناہ لینا اور اس پر اعتماد کرنا۔ اور اصطلاح میں توکل کا معنی ہے: اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اسباب سے قطع نظر کرنا۔ اور توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ اسباب کو چھوڑ دیا جائے اور جو چیز مخلوق سے حاصل ہونے والی ہے اس پر اعتماد کیا جائے، کیونکہ یہ بسا اوقات توکل کی ضد کی طرف لے جاتی ہے۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی گھر میں بیٹھا یا مسجد میں اور اس نے کہا کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا حتیٰ کہ میرے پاس میرا رزق آ جائے، تو امام احمد نے کہا: یہ آدمی علم سے جاہل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے رزق کو میرے نیزوں کے سائے کے نیچے رکھا ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا: اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جو توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے، صبح کو وہ بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ واپس آتے ہیں، پس آپ نے بتایا کہ وہ صبح اور شام رزق کی طلب میں نکلتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم تجارت کرتے تھے اور باغات میں کام کرتے تھے اور ان کی اقتداء کرنا واجب ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق الربیع بن خثیم سے منقول ہے، یہ کوفی ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں سندِ جید کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے یہ کہتے تھے: اگر تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیتے تو تم سے محبت کرتے۔

اور الربیع بن خثیم نے کہا: توکل ہر اس چیز سے ہے جو لوگوں پر تنگ اور دشوار ہو، ان کی مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ پر توکل کیا تو وہ اس کو کافی ہے، یہ ہر اس چیز سے ہے جو لوگوں پر تنگ اور دشوار ہو۔ علامہ کرمانی نے کہا: یعنی اللہ پر توکل کرنا ہر اس چیز سے عام ہے جو لوگوں پر دشوار ہو، یعنی توکل کی کسی ایسے کام میں خصوصیت نہیں ہے جو مشکل اور دشوار ہو بلکہ تمام ان امور میں توکل کرنا چاہیے جن میں لوگ تنگ ہوتے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۲۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ حُصَيْنَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حصین بن عبد الرحمٰن سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں سعید بن جبیر کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے ہوں گے اور نہ بد فال نکالتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۰۵، ۶۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۲۰، سنن ترمذی: ۲۴۴۶، مسند احمد: ۲۴۴۴)

صحیح البخاری: ۶۴۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ الغسانی نے کہا ہے کہ میں نے اس نام کو اپنے مشائخ کے پاس منسوب نہیں پایا (یعنی یہ لکھا ہوا نہیں پایا کہ اسحاق کس کے بیٹے تھے اور کس کی طرف منسوب تھے)۔ لیکن امام بخاری کی الجامع الصحیح میں بہ کثرت روایات اسحاق بن ابراہیم سے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ اسحاق بن منصور ہیں۔

دم کرانے کی ممانعت اور جواز کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یسترقون" یعنی وہ دم کرنے کو طلب نہیں کرتے، اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی آفت میں مبتلاء

ہو یا بیماری میں مثلاً اس کو بخار ہو یا مرگی ہو یا کوئی اور آفت ہو اور وہ تعویذ کو طلب کرے، یا کسی بزرگ کے پاس جائے اور کہے کہ اس بیماری میں مجھے دم کر دو۔ اور بعض احادیث میں دم کرنے کا جواز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو نظر لگ جائے تو اس کے لیے دم کو طلب کرو، یعنی ایسے بندہ کو طلب کرو جو اس کو دم کرے۔ اور اس حدیث میں ممانعت ہے کہ وہ لوگ دم کرانے کو طلب نہیں کرتے ہوں گے۔ اور اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ ان کلمات کے ساتھ دم کرنے سے منع فرمایا ہے جو عربی زبان کے بغیر ہوں، یا اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات اور اس کے کلام اور اس کی کتابوں میں جو کلام ہے اس کے بغیر ہوں، اور اس صورت میں منع ہے کہ جب وہ اعتقاد یہ رکھے کہ دم کرنے سے لامحالہ قطعی طور پر مرض زائل ہو جائے گا یا بیماری دور ہو جائے گی۔ اور دم کو طلب کرنے کا ثبوت اس صورت میں ہے جب کہ قرآن کے الفاظ سے دم کیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے یا عربی الفاظ سے، اور اس میں یہ ارادہ نہ ہو کہ یقینی اور قطعی طور پر دم کرنے سے وہ آفت دور ہو جائے گی۔

بدفالی کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "لا یتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے بدفالی نہیں نکالتے ہوں گے، کیونکہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ پرندہ کو اڑاتے، اگر وہ دائیں طرف اڑتا ہوا جاتا تو اس سے نیک فال لیتے اور اگر وہ بائیں طرف اڑتا ہوا جاتا تو اس سے بدفال لیتے۔ اور "طیرۃ" اسے کہتے ہیں جو برائی میں ہوتی ہے اور فال اس کو کہتے ہیں جو نیکی میں ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۵۔۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ لوگ دم نہیں کراتے ہوں گے": علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے: اس حدیث میں اس دم کی نفی ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں دم کراتے تھے (جس دم میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے)، لیکن جس دم میں کتاب اللہ کے الفاظ ہوں تو ایسا دم جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا دم کیا ہے اور ایسا دم کرانے کا حکم دیا ہے اور یہ دم توکل کے منافی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے بدفالی نہیں نکالتے ہوں گے، جیسا کہ ظہورِ اسلام سے پہلے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ پرندوں کے اڑنے سے بدفالی نکالتے تھے، اور بدفالی کو "الطیرہ" کہا جاتا ہے اور نیک فال کو فال کہا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال کو پسند کرتے تھے۔

نظرِ بد لگنے اور دم کرانے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا یا آپ نے حکم فرمایا کہ نظر لگنے کے بعد دم کو طلب کیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۳۸، باب: رقیۃ العین)

اور امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے اہل بیت کے لیے ہر زہریلے جانور کے ڈسنے سے دم کرانے کی رخصت دی۔ (صحیح البخاری: ۵۷۴۱، باب: رقیۃ الحیۃ والعقرب)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو یا اپنے مال کو یا اپنے بھائی کو دیکھے اور وہ اس کو اچھا لگے تو اس کو چاہیے برکت کی دعا کرے، کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۲۵۶)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! جعفر کے بچوں کو نظر بہت جلد لگ جاتی ہے تو کیا ہم ان کے لیے دم کرالیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرسکتی ہے تو نظر کا لگنا تقدیر پر سبقت کرے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۰۵۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نظر لگنے کے سوا دم نہ کراؤ۔ (الموطا ص ۵۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے کہا: تم مجھ پر دم کرو، میں تم پر اللہ کی کتاب سے دم کروں گا۔ (الموطا ص ۵۸۴)

حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، تو آپ نے فرمایا: تم ان کو (یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو) پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۸۷)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سانپ کے ڈسنے میں بنو عمرو بن حزم کو دم سکھایا، اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں: تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، تو وہ اس کو نفع پہنچائے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۹۹، ۲۲۰۰)

نظرِ بد کی تعریف میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: جو شخص کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے دیکھے، اور اس کے دیکھنے میں حسد کی ملاوٹ ہو اور دیکھنے والا خبیث الطبع ہو جیسے زہریلے جانور ہوتے ہیں تو اس کے دیکھنے سے نظر لگ جاتی ہے۔ اور اگر یہ قید نہ ہو تو ہر عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھے تو اس کو نظر لگ جائے، کیونکہ وہ بھی اس کو اچھا سمجھتے ہوئے دیکھتا ہے، مگر ہر عاشق کے دیکھنے میں حسد کی ملاوٹ نہیں ہوتی اور وہ خبیث الطبع بھی نہیں ہوتا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق مشہور ہو کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے تو اس سے اجتناب اور احتراز کرنا چاہیے اور امام اور سربراہ کو چاہیے کہ اس شخص کو لوگوں کے پاس جانے سے روکے اور اس کو یہ کہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے اور اگر وہ تنگدست ہو تو اس کے کھانے پینے کی چیزیں اور اس کی ضروریات کی چیزیں اس کو مہیا کرے، کیونکہ اس کا ضرر کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے زیادہ ہے، جس کو کھا کر مسجد آنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں داخل ہونے سے منع فرما دیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو ایذاء نہ دے، اور اس کا ضرر جذام والی عورت سے بھی زیادہ ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا تھا۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا ہے: کبھی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے اور نظر لگنے کا تعلق نہ نیکی کے ساتھ ہے اور نہ فسق کے ساتھ ہے۔ (التمہید ج ۱۳ ص ۶۹)

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: اگر کسی شخص کی نظر لگنے سے نقصان ہوتا ہو اور یہ بات معلوم ہو گئی ہو کہ جب بھی وہ کسی چیز کے متعلق اس کو عظیم قرار دیتے ہوئے کلام کرتا ہے یا اس کو اچھا سمجھتے ہوئے کلام کرتا ہے تو اس چیز پر اس کی نظر لگ جاتی ہے اور اگر بار بار ایسا ہوتا ہے اور یہ اس کی عادت ہو جاتی ہے تو جو چیز اس کی نظر لگنے سے ضائع ہو جائے گی اسے اس کا تاوان دینا ہوگا اور اگر وہ عمداً اپنی نظر لگا کر کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، جیسے جادوگر اپنی نظر لگنے سے کسی کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جاتا ہے۔
(المفہم ج ۵ ص ۵۶۸)

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ نظر لگانے والا جب کسی چیز پر نظر لگاتا ہے تو اس کی قوت سے اس چیز میں تاثیر ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظر لگانے والے کی آنکھ میں زہر ہوتا ہے تو جب وہ اپنی آنکھ کھول کر کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے تو وہ زہر اس چیز پر اثر انداز ہوتا ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۲۱۵۔۲۱۶)

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نظر سے کوئی چیز فاسد بھی ہوتی ہے اور کوئی چیز ضائع بھی ہو جاتی ہے جب نظر لگانے والا اس چیز کو دیکھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب ایسا شخص کسی چیز کو دیکھے تو اس چیز میں اللہ تعالیٰ ضرر پیدا کر دیتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۹۸۔۴۰۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۷۴۲، کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نظر بد کی تعریف اور اس کے ازالہ کا طریقہ

نظرِ بد حسد کرنے والا لگاتا ہے اور یہ معروف ہے اور حسد کرنے والا وہ شخص ہے جس کے دل میں برائی کی محبت بھری ہوئی ہوتی ہے، اور جب وہ کسی شخص کو خوش دیکھتا ہے تو وہ مغموم ہوتا ہے اور جب کسی شخص کو بدحالی میں مبتلا دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس خبیث ہوتا ہے، ان کے منہ سے خبیث ہوا نکلتی ہے حتیٰ کہ جس چیز پر وہ نظر لگاتے ہیں اس چیز پر وہ خبیث ہوا پہنچ جاتی ہے اور اس کو ہلاک یا ضائع کر دیتی ہے۔

اس مصیبت کو زائل کرنے کا طریقہ: اس مصیبت کو زائل کرنے کا طریقہ یا تو قرآن مجید کی آیتیں پڑھنا ہے، یعنی قرآن مجید کی آیات پڑھ کر دم کیا جائے۔ اور یا یہ طریقہ ہے کہ جس نے نظر لگائی ہے اس کو وضو کرایا جائے، پھر اس کے وضو سے جو قطرات گریں ان قطرات کو اس کے سر پر ڈالا جائے جس کو اس نے نظر لگائی ہے یا وہ قطرات اس کی کمر پر ڈالے جائیں، یا وہ قطرات اس کو پلائے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاء ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے "لا یسترقون" یعنی وہ لوگ کسی سے دم نہیں کرائیں گے، صحیح مسلم کے بعض الفاظ میں مذکور ہے "ولا یرقون" یعنی وہ دم نہیں کریں گے، لیکن یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ انسان کا کسی دوسرے انسان کو دم کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ یہ امور

مسنونہ مستحبہ میں سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دم کرتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ بدفالی نہیں نکالیں گے، بدفالی کبھی زمانہ سے متعلق ہوتی ہے اور کبھی جگہ سے متعلق ہوتی ہے۔ زمانہ سے بدفالی کے متعلق ہونے کی مثال یہ ہے جیسا کہ عرب کہتے تھے کہ شوال کے مہینہ میں عقدِ نکاح بدفالی ہے، اور بدھ کے دن کسی کام کے کرنے میں بھی بدفالی نکالتے تھے اور ان میں سے کسی بات کی کوئی اصل نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شوال کے مہینہ میں نکاح کیا اور ان کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام ازواج سے زیادہ تھا۔ اور جگہ کے ساتھ بدفالی کا تعلق یہ ہے کہ جیسے کوئی کہے: فلاں جگہ جانے سے نقصان ہوگا، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی نکالنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ بدفالی اوہام اور تخیلات کے دروازے کو کھولتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل سے دور کرتی ہے اور نیک فال نکالنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نیک فال نکالتے تھے، کیونکہ اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اسی طرح ہمارے ہاں رواج ہے کہ صفر کے مہینے میں نکاح یا نکاح کی بات کو بدفالی تصور کیا جاتا ہے، سو اس کی بھی دین میں کوئی اصل نہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۲۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنْ قِيلَ وَقَالَ — لوگوں کی باتیں نقل کرنے کی کراہت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیل اور قال مکروہ ہے، یعنی یہ بات کہی گئی تھی اور فلاں نے یہ کہا۔ اس سے مقصود ہے لوگوں کی باتوں کو نقل کرنا فلاں نے اس طرح کہا اور فلاں نے اس طرح کہا۔ اور اس طرح کہا گیا اور اس طرح کہا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مُغِيرَةُ وَفُلَانٌ وَرَجُلٌ ثَالِثٌ أَيْضًا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ إِلَى الْمُغِيرَةِ أَنِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ الْمُغِيرَةُ إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ وَكَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ وَمَنْعٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایک سے زیادہ لوگوں نے خبر دی ان میں سے مغیرہ ہیں اور فلاں ہیں اور ایک تیسرا مرد بھی ہے اور شعبی سے روایت ہے از وَرّاد کاتب المغیرہ بن شعبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ وہ ان کی طرف ایسی حدیث لکھ کر بھیجیں جس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، انہوں نے بیان کیا، پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا

وَهَاتِ وَعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدِ الْبَنَاتِ وَعَنْ هُشَيْمٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ وَرَّادًا يُحَدِّثُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب آپ نماز پڑھ کر مڑ رہے تھے، آپ تین مرتبہ ذکر کر رہے تھے: "لا اله الا الله وحدہٗ لاشریک لہٗ له الملك وله الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" اور انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل اور قال سے اور زیادہ سوال کرنے سے اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے اور اپنی چیز کو منع کرنے سے اور دوسروں کی چیزوں کو مانگنے سے اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے۔

اور از ہشیم، وہ بیان کرتے ہیں: ہمیں عبد الملک بن عمیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے ورّاد سے سنا وہ یہ حدیث بیان کرتے تھے از حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن داری: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۶۴۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن مسلم، یہ طوسی ہیں پھر بغدادی۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشیر الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مغیرہ کا ذکر ہے، یہ ابن مقسم الضبی ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "فلاں" یہ مجالد بن سعید ہیں۔ امام ابن خزیمہ نے اپنی سند میں از زیاد بن ایوب اور یعقوب بن ابراہیم الدورقی روایت کی ہے، ان دونوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایک سے زیادہ لوگوں نے خبر دی، ان میں سے مغیرہ اور مجالد ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "اور ایک تیسرا مرد": کہا گیا ہے کہ یہ داؤد بن ابی ہند ہیں، کیونکہ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں داؤد بن ابی ہند وغیرہ سے از شعبی روایت کی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زکریا بن ابی زائدہ ہوں، یا اسماعیل بن ابی خالد ہوں، کیونکہ امام طبرانی نے از طریق الحسن بن علی بن راشد روایت کی ہے از ہشیم بن مغیرہ از زکریا بن ابی زائدہ۔ اور مجالد اور اسماعیل بن ابی خالد یہ سب شعبی سے روایت کرتے ہیں اور شعبی کا نام عامر بن شراحیل ہے۔ اور ورّاد حضرت مغیرہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے کاتب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ سوال سے منع فرمایا ہے" یعنی ان مسائل سے منع فرمایا ہے جن کی ضرورت نہیں ہوتی، یا لوگوں کے اموال کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا ہے، یا لوگوں کے احوال کے متعلق سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے" یعنی مال کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے یا مال کو ناحق خرچ کیا جائے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "منع" اور "ھات" سے منع فرمایا ہے، یعنی اپنی چیز دینے سے منع کرے اور دوسروں کی چیز طلب کرے، یعنی تم پر یہ حرام کیا گیا ہے کہ جس چیز کا دینا تم پر واجب ہے اس کو منع کرو اور جس چیز کا لینا تمہارے لیے جائز نہیں ہے اس کو تم طلب کرو۔ اور آپ نے بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ وہ بیٹی ہے جس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے، جب کسی تنگدست کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو وہ اس کو مٹی میں دبا دیتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ سبحان اللہ کہا اور سو مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (سنن نسائی: ۱۳۵۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا، اس کو موت کے سوا کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۰، موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۷۳ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیل وقال سے ممانعت کی توجیہ

قیل وقال سے مراد ہے: کسی بات کو بغیر ثبوت کے نقل کرنا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ کہا گیا یا فلاں نے کہا اور اس کا ثبوت ذکر نہیں کیا۔ اور اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ انسان بسا اوقات دوسرے کی بات نقل کرنے میں لغزش کھاتا ہے اور قیل وقال کا دوسرا معنی یہ ہے کہ زیادہ باتیں کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ جب انسان زیادہ باتیں کرتا ہے تو اس سے لغزش زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے، پس خاموش رہنا زیادہ باتیں کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

کثرتِ سوال سے ممانعت کی توجیہ

کثرتِ سوال سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کے متعلق زیادہ سوالات کیے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ سوالات کرتے تھے اور اختلاف کرتے تھے۔ اور اس کا محمل یہ ہے کہ جس سوال کی ابھی ضرورت پیش نہیں آئی اس کے متعلق سوال کیا جائے، کیونکہ اس میں بلا ضرورت وقت کو ضائع کرنا ہے۔

کثرتِ سوال کی دوسری قسم یہ ہے کہ لوگ مباحثہ اور مناظرہ کریں اور احتمالاتِ عقلیہ نکالیں مثلاً یہ سوال کریں کہ رحمٰن عرش پر مستوی

ہے تو کیسے؟ کیونکہ یہ سوال بدعت ہے۔اسی طرح حدیث میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جائے۔تو اس پر سوالات کرنا کہ رب آسمانِ دنیا پر کیسے نازل ہوتا ہے۔

ماؤں کی نافرمانی کرنے سے ممانعت

اس حدیث میں ''عقوق'' کا لفظ ہے،یہ''عقٌ'' سے بنا ہے جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں،یعنی ماں کا حق قطع کرنا۔اور اس کی تصریح اس لیے کی ہے کہ ماں کا باپ کی بہ نسبت حسنِ صحبت میں زیادہ حق ہے،کیونکہ ماں کمزور ہوتی ہے اور وہ اپنے حق کو غالباً وصول نہیں کرسکتی،اس کے مقابلہ میں باپ قوی ہوتا ہے اگر بیٹا اس کا حق منقطع کرے تو باپ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے اور ماں اپنے ضعف اور رقت اور نرمی کی وجہ سے اپنا حق نہیں لے سکتی،اس لیے آپ نے ماؤں کی نافرمانی سے منع فرمایا ورنہ باپوں کی نافرمانی کرنا بھی ممنوع ہے۔

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں ''واد'' کا لفظ ہے،اس کا معنی ہے: بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی جہالت اور بیوقوفیوں کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے،کیونکہ وہ اس میں اپنی ہتک اور عار محسوس کرتے تھے کہ وہ بیٹی کا باپ کہلائیں۔قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۞ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ (النحل:۵۸۔۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے O وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے، سنو! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں O

یعنی وہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے کہ کیا وہ اس لڑکی کو ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنے پاس رکھ لے یا زمین میں دبا دے، اور اکثر زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹی کو زمین میں دبا دیتے تھے حتیٰ کہ ذکر کیا ہے کہ ان میں سے اپنی بیٹی کے لیے گڑھا کھودتا اور جب غبار اڑ کر اس کی ڈاڑھی پر گرتا تو وہ غبار اپنی ڈاڑھی سے جھاڑتا اور پھر اپنی بیٹی کو دفن کرتا،اور بعض اوقات وہ اپنی بیٹی کو دفن کر رہا ہوتا اور بیٹی پکار رہی ہوتی ابا ابا،اور وہ اپنی بیٹی کو دفن کر دیتا۔قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۞ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۞ (التکویر:۸۔۹)

اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا O وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ O

بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ قاتل سے سوال کیا جاتا کہ تم نے اس لڑکی کو کس گناہ کی وجہ سے زندہ درگور کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب اس قاتل کی تذلیل کے لیے کیا جائے گا جیسے عیسائیوں کی تذلیل کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ (المائدہ:۱۱۶)

کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا اور معبود بنالو؟ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقتولہ سے اس لیے سوال کیا جائے گا کہ وہ قاتل کے خلاف کیا دعویٰ کرتی ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۵۶۔ ۳۶۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۳- بَابُ: حِفْظِ اللِّسَانِ

زبان کی حفاظت کرنے کا بیان

وَقَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا أَوْ لِیَصْمُتْ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

وَقَوْلِهِ تَعَالٰی: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ (ق:۱۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہے ○

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زبان کو ان باتوں کے کہنے سے محفوظ رکھا جائے جو باتیں شرعاً جائز نہیں ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں اس پر ہم سے مواخذہ کیا جائے گا، آپ نے فرمایا: تمہیں تمہاری ماں روئے اے ابن جبل! اور لوگوں کو ان کے نتھنوں کے بل دوزخ میں صرف ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل گرائے گی۔ (سنن ترمذی: ۲۶۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۳)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

آیت مذکورہ میں جو ''رقیب'' اور ''عتید'' کے الفاظ ہیں اس سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو تمام چیزوں کو لکھتے ہیں، اسی طرح حسن اور قتادہ نے بیان کیا ہے۔ اور عکرمہ نے اس کو خیر اور شر کے ساتھ خاص کر لیا ہے، یعنی وہ صرف خیر اور شر کی باتیں لکھتے ہیں۔

اور پہلی تفصیل کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۖۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (الرعد:۳۹)

اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے، اور (جس چیز کو چاہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ○

اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان جو بھی کلام کرتا ہے فرشتے اس کو لکھ لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے جس میں انسان کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی نقصان اور اس میں اس کو ثابت رکھتا ہے جس میں اس کا کوئی فائدہ یا کوئی نقصان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۷۔ ۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ سَمِعَ أَبَا حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۰۷، سنن ترمذی: ۲۴۰۸، مسند احمد: ۲۲۳۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابو حازم سے سنا، از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: جو میرے لیے اس چیز کا ضامن ہو جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے اور اس چیز کا ضامن ہو جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان میں ہے تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "زبان کی حفاظت کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے "جو میرے لیے اس چیز کا ضامن ہو جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے" اس سے مراد ہے کہ وہ زبان کی حفاظت کرے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المقدمی، یہ محمد بن ابی بکر مذکور کے اجداد میں سے ایک ہیں اور ان کا نام ہے محمد بن ابی بکر بن علی بن عطاء بن مقدم ابو عبداللہ، جو المقدمی البصری کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن علی، یہ اس محمد مذکور کے چچا ہیں اور یہ مدلس ہیں، لیکن امام بخاری نے ان کے سماع کی تصریح کی ہے اور "حدثنا" کہا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل بن سعد، یہ حضرت سہل بن سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جو میرے لیے اس کا ضامن ہو گیا جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان میں ہے" اور اس سے مراد زبان ہے۔ یعنی اس نے زبان سے کوئی جھوٹ نہیں بولا، چغلی نہیں کی، غیبت نہیں کی، کوئی خلاف شرع بات نہیں کی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "جو اس چیز کا ضامن ہو گیا جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے" یعنی شرمگاہ۔ اور اس نے اپنی شرمگاہ کو ناجائز محل میں استعمال نہیں کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی آزمائش دنیا میں بندہ کے اوپر زبان اور شرمگاہ ہے اور جو ان کے شر سے بچ گیا تو وہ کسی بڑے شر سے بھی بچ جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد العزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن

أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ.

سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ نیکی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مہمان کی تکریم کرے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۸۵، ۶۰۱۸، صحیح مسلم: ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۲، سنن دارمی: ۲۰۳۶، مسند احمد: ۷۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۴۷۵ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے کی خصوصیت کی توجیہ اور نیک بات کہنے اور پڑوسی کو ایذاء نہ دینے اور مہمان کی تکریم، ان تین اوصاف کی خصوصیت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے"۔ اس حدیث میں اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان کی تخصیص کی گئی ہے، اس میں مبدأ اور معاد کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انسان کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتی ہے اور اس دنیا میں انسان کی انتہا آخرت کے دن ہوگی۔

نیز اس حدیث میں تین چیزوں کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ نیک بات کہے اور دوسری یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے، اس میں قول اور فعل کی اصلاح کی طرف اشارہ ہے، اور یا مقیم اور مسافر کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ "وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے" اس میں برے اوصاف کو خالی کرنے کا ذکر ہے اور یہ جو فرمایا "وہ نیک بات کہے" یا فرمایا "مہمان کی تکریم کرے" اس میں اچھے اوصاف کے ساتھ مزین کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۸۔۱۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۶ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا لَيْثٌ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ سَمِعَ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ جَائِزَتُهُ قِيلَ مَا جَائِزَتُهُ قَالَ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید المقبری نے حدیث بیان کی از حضرت ابی شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے

وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ۔

دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہمانی تین دن تک ہے (اور اسی میں اس کا) جائزہ ہے، (یعنی اس کی خصوصی مہمان نوازی)، آپ سے پوچھا گیا: اس کے جائزہ کی کیا مدت ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات، اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے مہمان کی تکریم کرے اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۹، ۶۱۳۵، ۶۴۷۶، صحیح مسلم: ۴۸، سنن ترمذی: ۱۹۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۸، مسند احمد: ۲۶۶۲۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۸)

صحیح البخاری: ۶۴۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، اور وہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوشریح، ان کا نام خویلد الخزاعی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جائزته'' یعنی مہمان کو اس کا جائزہ یعنی خصوصی مہمان نوازی عطا کرو۔ اور یہ فعل محذوف ''اعطوا'' کی وجہ سے منصوب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یوم ولیلة'' یعنی اس کی خصوصی مہمان نوازی ایک دن اور ایک رات ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مہمان کی مہمان نوازی تین دن تک کی جائے، اور ایک دن اور ایک رات اس کی خصوصی مہمان نوازی کی جائے یعنی اس میں اچھے اچھے کھانے کھلائے جائیں اور باقی دو دن جو گھر میں عام کھانا پکا ہوا ہو وہ کھلا دیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۴۷۷۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از یزید از محمد بن ابراہیم از عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ التیمی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ کسی بات کے

بَيْنَ الْمَشْرِقِ۔
(صحیح البخاری: ۶۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۸، مسند احمد: ۸۷۰۳)

ساتھ کلام کرتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا (کہ وہ کتنی بری بات ہے) اس بات کی وجہ سے وہ دوزخ میں پھسل کر گرتا جاتا ہے اور مشرق سے بھی زیادہ دوری کے فاصلہ پر چلا جاتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''زبان کی حفاظت'' اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ انسان تدبر کے بغیر کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ پھسل کر دوزخ میں بہت دور چلا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت کرنی چاہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن حمزہ، یہ الاسدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی حازم، یہ عبدالعزیز ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن عبداللہ ہیں اور ابن الہاد کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن ابراہیم، یہ التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیسیٰ بن طلحہ یہ ابن عبیداللہ التیمی ہیں۔ اور طلحہ بن عبیداللہ تیمی، یہ صحابی ہیں اور ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت دی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مایتبین فیھا'' یعنی کوئی بندہ کوئی بات کہتا ہے اور اس کی برائی میں تدبر اور تفکر نہیں کرتا اور یہ کہ اس برائی کی وجہ سے اس کے اوپر کیا عذاب مرتب ہوگا۔

اس حدیث میں کلمہ کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مراد کلام ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''کلمۃ الشھادۃ''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یزل بھا'' یعنی وہ اس بات کی وجہ سے پھسل کر دوزخ میں جا گرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابعد مما بین المشرق'' یعنی اس کے اور مشرق کے درمیان جتنی مسافت ہے اس سے بھی زیادہ دور جا کر وہ دوزخ میں گرتا ہے۔

اس جگہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ لفظِ بین کا تقاضا ہے کہ اس کا متعدد اسماء پر دخول ہو۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مشرق متعدد ہیں، کیونکہ گرمیوں کا مشرق اور ہے اور سردیوں کا مشرق اور ہے اور ان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے اور وہ کرہ فلک کا نصف ہے۔ یا ایک ضد کا اطلاق کیا ہے اور اس کے مقابل دوسری ضد کا ارادہ کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب آدمی کوئی بات کہے تو بات کہنے سے پہلے اس کے اوپر غور کر لے کہ کہیں اس کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب کا موجب تو نہیں ہے۔ پھر اگر مصلحت کا تقاضا ہو کہ وہ بات کہی جائے تو کہے ورنہ خاموش رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۰۹۔۱۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۷۸۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرْفَعُهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ۔

(مسند احمد: ۸۲۰۶، موطا امام مالک: ۱۸۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن منیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابوالنضر سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ یعنی ابن دینار نے حدیث بیان کی از والد خود از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: بے شک بندہ ایک بات کہتا ہے جس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے، اور ایک بندہ کوئی بات کہتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور وہ اس بات کی وجہ سے جہنم میں جا گرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن منیر کا ذکر ہے، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالنضر کا ذکر ہے، یہ ہاشم بن القاسم التیمی الخراسانی ہیں۔ ان کا ذکر کتاب الوضو میں ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، جو اپنے والد عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوصالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں۔ اس حدیث کی سند میں تین تابعی ایک درجہ کے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من رضوان اللہ" یعنی وہ بات ایسی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا باعث ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یلقی لھا بالا" بال کے معنی ہیں: دل اور اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ اس کے دل میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بات بہت عمدہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من سخط اللہ" یعنی بندہ ایسی بات کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے، اس کے دل میں اس کے سنگین نتائج کا خیال نہیں ہوتا اور اس بات کی وجہ سے پھسل کر دوزخ میں جا گرتا ہے کیونکہ دوزخ کے طبقات نیچے کی طرف ہیں، پس وہ نیچے جا گرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زبان کی حفاظت کی اہمیت اور ضرورت

زبان کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ وہ بات نہ کہے جو بات نہیں کہنی چاہیے اور جو بات حق ہو اس کو ضرور کہے اور اس میں خاموش رہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ان لوگوں کے گناہ زیادہ ہوں گے جو لوگ بے مقصد باتوں میں غور وفکر کرتے رہے۔

(الطبرانی: ۸۵۴۷، شعب الایمان: ۱۰۸۷)

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی آدمی کے اچھے اسلام کی صفت یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کردے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۱۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۶)

امام مالک نے کہا ہے: جو شخص اپنی باتوں کو اپنے اعمال میں شمار نہیں کرتا وہ زیادہ باتیں کرتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس کو یہ علم ہو کہ اس کی باتیں بھی اس کے عمل میں سے ہیں تو وہ باتیں کم کرتا ہے۔

اور بعض متقدمین نے کہا کہ اگر ہمارے صحائفِ اعمال جن میں ہمارے اعمال لکھے جاتے ہیں ہمارے پاس ہوتے تو ہم باتیں کم کرتے۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے، وہ کہتے یہ بات اس طرح ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اور یہ بات اس طرح ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

کم باتیں کرنے کے متعلق سلف صالحین کے اقوال

حسن بصری یہ کہتے تھے: اے ابنِ آدم! تمہارا دن تمہارا مہمان ہے، اس کی اچھی ضیافت کرو، اگر تم اس کی اچھی ضیافت کرو گے تو وہ تمہاری تعریف کرتا ہوا رخصت ہوگا اور اگر تم اس کی بری ضیافت کرو گے تو وہ تمہاری مذمت کرتا ہوا رخصت ہوگا۔

عمر بن عبدالعزیز نے رباح بن عبید سے کہا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک مرد رات کے اندھیرے میں ظلم کرتا ہے، پھر وہ مظلوم مسلسل ظالم کو بددعائیں دیتا ہے حتیٰ کہ اس سے اپنا حق پورا کر لیتا ہے اور ظالم اپنی نیکیاں اس پر ڈال دیتا ہے۔

نیز حسن بصری نے کہا: کوئی بندہ اس وقت تک حقیقتِ ایمان کو نہیں پاسکتا حتیٰ کہ کسی شخص کا ایسا عیب نہ بیان کرے جو عیب خود اس میں بھی موجود ہے حتیٰ کہ وہ اپنے نفس سے اس عیب کی اصلاح کرلے، کیونکہ جب وہ ایسا کرے گا تو وہ اپنے نفس میں پائے جانے والے عیب کی اصلاح کرلے گا۔

بعض اہل علم نے کہا ہے: کوئی شخص سلطان کے سامنے کسی مسلمان کی چغلی نہ کھائے، کیونکہ وہ چغلی بسا اوقات اس مسلمان کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے اگرچہ چغل خور کا یہ ارادہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے وہ ہلاکت میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

کم گوئی کے متعلق احادیث

امام ابن ابی الدنیا نے خاموشی کے فوائد کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''الصمت'' ہے، اس میں درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! نجات کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور

اپنے گھر کو وسیع رکھو اور اپنے گناہوں پہ روؤ۔ (سنن ترمذی:۲۴۰۶)

حضرت اسود بن اصرم المحاربی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے تو آپ نے پہلے فرمایا: اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو، پھر فرمایا: سوائے خیر کے اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤ اور اپنی زبان سے نیکی کے سوا کوئی بات نہ کہو۔

(الطبرانی:۸۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک مستقیم نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کا دل مستقیم ہو جائے اور اس کا دل اس وقت تک مستقیم نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کی زبان مستقیم ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو خاموش رہا اس نے نجات پالی۔

(سنن ترمذی:۲۵۰۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۰۲۔۵۰۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم گوئی کے متعلق مزید احادیث

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کس چیز کا مجھ پر سب سے زیادہ خوف کرتے ہیں، تو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اس کا۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور صحیح البخاری کی کتاب الایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے، کامل مسلمان وہ شخص ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ کے شر اور ضرر سے محفوظ رہیں۔

اور امام احمد اور امام ابن حبان نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اپنی زبان کو خیر کی بات کے سوا روکے رکھو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کے اوپر ہر چیز کا دارومدار ہے، آپ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس کو روک کے رکھو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہمارا اپنی باتوں کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اور لوگوں کو دوزخ میں جو منہ کے بل گرایا جائے گا وہ ان کی زبانوں کی کٹی ہوئی فصلوں کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

اور امام طبرانی نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: پھر تم ہمیشہ سلامت رہو گے جب تک زبان خاموش رہے گی۔ اور جب تم کلام کرو گے تو یا تمہارے حق میں لکھا جائے گا یا تمہارے خلاف۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لمبی خاموشی کو لازم کرلو، کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام طبرانی اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۳۴، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۴۔ بَابٌ: اَلْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ — اللہ عزوجل کے خوف سے رونے کا بیان

اس باب میں اللہ عزوجل کے خوف سے رونے کی فضیلت کا بیان ہے۔

۶۴۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے خبیب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حفص بن عاصم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی (میدانِ حشر میں) اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے۔ (ان میں سے) ایک وہ مرد ہے جو اللہ عزوجل کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسو بہائیں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷)

صحیح البخاری: ۶۴۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ قطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن عمر، وہ العمری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خُبیب بن عبدالرحمٰن، یہ الخزرجی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث ایک حدیث کا قطعہ ہے اور مکمل حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات مردوں کو اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔ (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا (۳) وہ شخص جس کا دل مساجد میں معلق رہے (۴) وہ دو مرد جو اللہ سے محبت رکھیں اسی کی محبت میں جمع ہوں اور اسی کی محبت میں جدا ہوں (۵) جس مرد کو کوئی خوبصورت اور اقتدار والی عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ مرد کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ مرد جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) جو مرد تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ کے سائے کی توجیہ

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ''ظل'' یعنی سائے کا ذکر ہے، جس چیز سے سورج کی روشنی یا دن کی روشنی چھپ جائے وہ چیز اس کا سایا ہوتی ہے۔ (قاموس ص ۱۰۲۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت) عرف میں سایہ کسی جسم کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، اس لیے اس کا سایا ہونا محال ہے، اس لیے اس حدیث کی تاویل میں کہا جاتا ہے: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایا ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اور سائے کی اضافت جو اللہ کی طرف ہے یہ تعظیم اور تشریف کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے لیے خوشی ہو جو اپنے نفس کا مالک ہو اور اس کا گھر وسیع ہو اور وہ اپنے گناہ پر روتا ہو۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۳۲)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے اصحاب کی طرف سے کوئی چیز پہنچی، سو آپ نے خطبہ دیا، پس فرمایا: مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں، پس میں نے آج کی مثل خیر اور شر کی کوئی اور چیز نہیں دیکھی اور اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں آیا تھا، انہوں نے کہا: صحابہ نے اپنے سر ڈھانپ لیے اور ان سے رونے کی آواز آرہی تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۶۲۱، صحیح مسلم: ۲۳۵۹)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ عزوجل کے خوف سے روتی ہو اور دوسری وہ آنکھ جس نے اسلام کی سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے رات گزاری۔ (سنن ترمذی: ۱۶۳۹۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دودھ تھن میں واپس لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں اڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔

(سنن ترمذی: ۱۶۳۳، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۴)

(۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو اثروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے: ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ اور رہے دو اثر تو ایک وہ اثر ہے جو اللہ کے راستہ میں جسم پر لگا ہو، اور دوسرا وہ اثر ہے جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی پر آیا ہو۔

(سنن ترمذی: ۱۶۶۹)

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھوں نے اللہ کے خوف سے آنسو بہائے حتیٰ کہ زمین پر اس کے آنسو گرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عذاب نہیں دے گا۔
(المستدرک ج ۴ ص ۲۶۰)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! روؤ، اگر تم کو رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ، کیونکہ دوزخی دوزخ میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح بہہ رہے ہوں گے: گویا کہ وہ پانی کی نہریں ہیں، پھر ان کے آنسو منقطع ہو جائیں گے، پس ان کی آنکھوں سے آنسو بہیں گے، پس اگر چشمے ان آنسوؤں میں چلائے جائیں تو وہ چل سکیں گے۔ (مسند ابویعلیٰ: ۴۱۳۴، شرح السنہ للبغوی ۴۴۱۸)

صحیح البخاری: ۶۴۷۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین کا خوفِ خدا سے رونا

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی پسنے کی آواز ہوتی ہے۔ (یا جیسے دیگچی میں پانی کے جوش کی آواز ہوتی ہے)۔
(سنن ابوداؤد: ۹۰۴، سنن نسائی: ۱۲۱۳)

یہ انبیاء اور صالحین کی سیرت ہے، اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں بلایا ہوا ہوتا ہے اور ان پر خوفِ خدا غالب ہوتا ہے گویا کہ وہ حساب کا معائنہ کر رہے ہیں۔

یزید رقاشی بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہائے افسوس! عبادت گزار مجھ پر سبقت لے گئے اور انہوں نے اپنے گناہ پر نوحہ کیا، وہ اپنے گناہ پر رو رہے تھے اور یزید اپنے گناہ پر نہیں روتے تھے انہوں نے اس کا نام نوحہ اس لیے رکھا کہ وہ اپنے نفس کے اوپر روتے ہوئے بہت افسوس کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۰۔۵۱)

امام ابن المبارک نے از مجاہد ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا طعام خشک گھاس تھا، وہ خوفِ خدا سے اس قدر روتے تھے کہ اگر ان کی آنکھوں پر آگ رکھی جاتی تو وہ آگ نہ جلتی۔ اور آنسو ان کے چہرہ پر بہتے رہتے تھے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک: ۴۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو سرگوشی میں بات کی تھی وہ یہ تھی کہ عبادت گزاروں نے ایسی عبادت نہیں کی جیسے کوئی بندہ میرے خوف سے روتا ہے اور جو لوگ میرے خوف سے روتے ہیں ان کا ایسا رفیق ہوتا ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔
(الطبرانی ج ۱۲ ص ۱۲۰۔۱۲۱، شعب الایمان للبیہقی ج ۷ ص ۳۴۵، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۳)

وہیب بن الورد بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کچھ کہا، تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: اے ابا جان! بے شک حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ خبر دی ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک غار ہے جس کو وہی قطع کر سکتے ہیں جو خوفِ خدا سے رونے والے ہیں۔

اور حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی ہے کہ جب تم دیکھو کہ فضول لوگ ہنس رہے ہیں تو تم اپنے آنکھوں میں رونے کا سرمہ پہناؤ۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام مسلسل اپنی خطاء پر پوری زندگی روتے رہے اور وہ اون کے کپڑے پہنتے تھے اور بالوں کے بستر پر لیٹتے تھے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ چھوڑتے تھے، اور جو کی روٹی نمک کے ساتھ کھاتے تھے اور اپنے مشروب کو آنسوؤں کے ساتھ ملاتے تھے اور وہ اپنی (ظاہری) خطاء کے بعد کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے، اور نہ وہ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تھے اپنے رب سے حیاء کرتے ہوئے۔ اور یہ ان کی مغفرت کے اعلان کے بعد ہوا۔ اور جب وہ اپنی (ظاہری) خطاء کا ذکر کرتے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے اور مضطرب ہو جاتے۔

اور محمد بن کعب اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ (ص:۲۵) اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O

انہوں نے کہا "زلفیٰ" وہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے پیالہ سے پانی پیے گا وہ حضرت داؤد اور ان کے بیٹے ہیں علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

بعض علماء نے کہا: یہ ان کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آنسوؤں کو پیتے تھے۔

اور حضرت عثمان جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو روتے حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی، ان سے کہا جاتا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو اس قدر نہیں روتے اور قبر پر آ کر اتنا روتے ہیں تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ کو یہاں نجات ہوگئی تو بعد کی منازل آسان ہیں اور اگر یہاں نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ سخت ہیں۔ (سنن ترمذی: ۲۳۰۸، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۷، مشکوٰۃ: ۱۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جن کا مجھے علم ہے تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: اور تم پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کو بلند آواز سے پکار رہے ہو۔

(سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ترمذی: ۲۳۱۲)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: (اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:) مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے! جس بندہ کی آنکھ دنیا میں میرے خوف سے روئے گی مگر میں جنت میں اس کو زیادہ ہنساؤں گا۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۴۸۹)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کی کھال میں اللہ کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے سوکھے پتے جھڑتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۲۵، مسند البزار ج ۴ ص ۱۴۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۰۸۔ ۵۱۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابُ: اَلْخَوْفِ مِنَ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے خوف اور ڈرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف اور ڈرنے کا بیان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس پر ایمان کے لوازم میں سے ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ (آل عمران:۱۷۵)

وہ شیطان ہی ہے جو اپنے چیلوں کے ذریعہ ڈراتا ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو بہ شرطیکہ تم مومن ہو O

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُسِيئُ الظَّنَّ بِعَمَلِهِ فَقَالَ لِأَهْلِهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَخُذُونِي فَذَرُّونِي فِي الْبَحْرِ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَفَعَلُوا بِهِ فَجَمَعَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى الَّذِي صَنَعْتَ قَالَ مَا حَمَلَنِي إِلَّا مَخَافَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ربعی از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک مرد تھا جو اپنے عمل کے بارے میں بدگمانی کرتا تھا، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے پکڑنا اور سمندر میں کسی گرمی کے دن میں بکھیر دینا، سو انہوں نے ایسا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے (اس کے ذرات) کو جمع کر لیا، پھر فرمایا: تو نے جو کام کیا ہے اس پر کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: مجھے صرف تیرے خوف نے برانگیختہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۵۲، ۳۴۷۹، ۶۴۸۰، سنن نسائی: ۲۰۸۰، مسند احمد: ۲۲۸۴۴)

صحیح البخاری: ۶۴۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف'' اور اس حدیث کے آخر میں ہے ''اس شخص نے کہا کہ اے اللہ! مجھے تیرے خوف نے اس وصیت یا اس کام پر برانگیختہ کیا''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، وہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔

اور اس حدیث کی سند میں ربعی کا ذکر ہے، یہ ربعی بن حراش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حذیفہ کا ذکر ہے، یہ حذیفہ بن یمان ہیں۔ اور اس سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم سے پہلی امتوں میں ایک مرد تھا'' یعنی وہ مرد بنی اسرائیل میں سے تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ اپنے عمل کے متعلق بدگمانی کرتا تھا''۔ یعنی وہ شخص گناہ کے کام کرتا تھا اور وہ مردوں کے کفن چراتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مجھے سمندر میں بکھیر دینا''۔ یعنی میرے جسم کے ذرات کو کسی گرمی کے دن سمندر میں بکھیر دینا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۱۔ ۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ رَجُلًا فِيمَنْ كَانَ سَلَفَ أَوْ قَبْلَكُمْ آتَاهُ اللهُ مَالًا وَوَلَدًا يَعْنِي أَعْطَاهُ قَالَ فَلَمَّا حُضِرَ قَالَ لِبَنِيهِ أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ قَالُوا خَيْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ عِنْدَ اللهِ خَيْرًا فَسَّرَهَا قَتَادَةُ لَمْ يَدَّخِرْ وَإِنْ يَقْدَمْ عَلَى اللهِ يُعَذِّبْهُ فَانْظُرُوا فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُونِي أَوْ قَالَ فَاسْهَكُونِي ثُمَّ إِذَا كَانَ رِيحٌ عَاصِفٌ فَأَذْرُونِي فِيهَا فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَرَبِّي فَفَعَلُوا فَقَالَ اللهُ كُنْ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ أَيْ عَبْدِي مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ قَالَ مَخَافَتُكَ أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ اللهُ فَحَدَّثْتُ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ سَمِعْتُ سَلْمَانَ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ فَأَذْرُونِي فِي الْبَحْرِ أَوْ كَمَا حَدَّثَ وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از عقبہ بن عبد الغافر از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے ایک مرد کا ذکر کیا جو ان لوگوں میں سے تھا جو پہلے گزر چکے ہیں، یا فرمایا: جو تم سے پہلے گزر چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا کیا تھا اور اولاد دی تھی یعنی اس کو مال اور اولاد عطا کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب اس پر موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میں تمہارے لیے کیسا باپ تھا؟ اس کے بیٹوں نے کہا: آپ ہمارے لیے بہترین باپ تھے، اس نے کہا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی خیر جمع نہیں کی۔ قتادہ نے اس کی تفسیر کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کسی خیر کو ذخیرہ نہیں کیا۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا، پس غور سے سنو! جب میں مر جاؤں تو تم مجھ کو جلا دینا حتیٰ کہ جب میں کوئلہ ہو جاؤں تو مجھ کو کوٹ کر پیس دینا یا کہا: مجھ کو پیس دینا، پھر جب گرمیوں میں آندھی چلے تو اس آندھی میں مجھے اڑا دینا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے اس پر پکا وعدہ لیا اور کہا: میرے رب کی قسم کھاؤ (کہ تم ایسا کرو گے) سو اس کے بیٹوں نے ایسا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے (اس

کے ذرات سے) فرمایا: ہوجا، سو وہی مرد کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تجھے اس کام پر کس نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف نے، یا تجھ سے ڈرنے کی وجہ سے ایسا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تلافی کی کہ اس پر رحم فرمایا۔

سو میں نے یہ حدیث ابوعثمان کو بیان کی تو انہوں نے کہا: میں نے یہ حدیث سلمان سے سنی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے "تم میرے ذرات کو سمندر میں اڑا دینا" یا جس طرح انہوں نے حدیث بیان کی۔

اور معاذ نے کہا: اور مجھے شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا کہ میں نے عقبہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۸، ۶۴۸۱، ۷۵۰۸، صحیح مسلم: ۲۷۵۷، مسند احمد: ۱۱۳۲۷)

صحیح البخاری: ۶۴۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بھی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابق ہے کہ اس میں پچھلی امتوں کے ایک مرد کے خوف خدا کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، اور وہ ابن اسماعیل التبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معتمر کا ذکر ہے، جو اپنے والد سلیمان التیمی سے روایت کرتے ہیں۔ اور عقبہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالغافر ابونہار الازدی العوذی البصری ہیں۔ اور ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث مذکور ہے "فلما حضر" یعنی جب اس مرد کے پاس موت کی علامات آگئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یبتئر" یہ فعل الابتئار سے بنا ہے اور یہ البار سے باب افتعال ہے، اس کا معنی ہے: اس نے نہیں ذخیرہ کیا یا نہیں چھپایا۔ اسی طرح اس کی قتادہ نے تفسیر کی ہے۔ اور "البئیرۃ" کا اصل معنی ہے: الذخیرۃ اور الخبیئۃ یعنی چھپائی ہوئی چیز۔ اہل لغت نے کہا ہے "بئرت الشیء" اور "ابتئرت" کا معنی ہے: اس نے کسی چیز کو چھپایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وان یقدر علی اللہ یعذبہ" یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ اسی ہیئت اور اسی حال

میں قیامت کے دن اٹھایا گیا اور ہر شخص نے اس کو پہچان لیا، پس جب وہ پانی میں بکھری ہوئی راکھ ہو جائے گا یا ہوا میں بکھری ہوئی راکھ ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے وہ مخفی رہے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ "اگر مجھ پر میرا رب قادر ہوا تو مجھے نہیں بخشے گا"۔

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد کی کیسے مغفرت کر دی جس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا، جس نے یہ وصیت کی کہ اگر اللہ مجھ پر قادر ہوا تو نہیں بخشے گا اور وہ اس سے جاہل تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے معاف کر دیا کہ اس نے اپنی صحت کے ایام میں معاصی سے توبہ کی اور اس پر نادم ہوا، اسی لیے اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو آگ میں جلا دیں اور اس کی راکھ کو سمندر میں یا ہوا میں اڑا دیں اس وجہ سے کہ اس کو اپنے رب کے عذاب کا خوف تھا اور ندامت توبہ ہوتی ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ ندامت کا توبہ ہونا اس امت کی خصوصیت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قابیل سے یہ حکایت فرمائی ہے:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (المائدہ: ۳۰۔۳۱)

تو اس (قابیل) نے اپنے بھائی (ہابیل) کے قتل کا منصوبہ بنایا، سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۝ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا تا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے، اس نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا ۝

ان آیات سے واضح ہوا کہ قابیل بھی اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنے پر نادم ہوا تھا، لیکن اس کی یہ ندامت توبہ قرار نہیں پائی اور وہ عذاب کا مستحق ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مذکور ہے "ان یقدر علی ربی لا یغفرلی" کہ اگر میرا رب مجھ پر قادر ہوا تو میری مغفرت نہیں فرمائے گا۔ تب یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں شک کرنا تو کفر ہے۔ اس صورت میں اس کا یہ جواب ہوگا کہ اس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے کسی کافر یا مشرک کو بخش دے۔ ہم اس کو ناجائز اس لیے کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرما چکا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فضلِ عمیم اور اس کے وسیع غنی سے یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر یا مشرک کو بخش دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی کافر کا کفر ضرر نہیں دیتا اور نہ کسی مومن کے ایمان سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب "ان یقدر علی ربی" میں یقدر کو قدرت سے ماخوذ مانا جائے، لیکن قدر کا معنی تنگی بھی آتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللهُ ط اور جس پر اس کے رزق کو تنگ کیا جائے تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ (الطلاق: ۷)

اور اب اس حدیث کا یہ معنی ہوگا کہ اگر اللہ نے مجھ پر تنگی کی یعنی اپنی رحمت کو مجھ پر تنگ کر دیا، اور اس نے اپنے خالق کو عجز اور عدم قدرت کے ساتھ متصف نہیں کیا۔

اور اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے بخش دیا کیونکہ اس کی عقل پر یہ معنی غالب تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے ایسی بے قراری طاری تھی جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو معذور قرار دیا۔ اور یہ اس صورت میں کفر ہوتا ہے جب کوئی کفر کا قصد کرے اور وہ ان الفاظ کے معانی کو سمجھتا ہو۔

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ اصل میں موحد تھا تو اس کی اصلِ توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور اس توحید کے ساتھ اس کی معصیت نے اس کو ضرر نہیں پہنچایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس کو امام بخاری نے بنی اسرائیل کے قصہ میں ذکر کیا ہے اس میں اس طرح ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لیے لکڑیاں جمع کرو اور اس میں آگ جلاؤ حتیٰ کہ جب میرا گوشت آگ کھا لے اور ہڈیاں رہ جائیں تو ان ہڈیوں کو اٹھا لینا اور ان کو کوٹنا اور پیسنا اور پھر گرمی کے دن تیز ہوا میں بکھیر دینا یا سمندر میں ڈال دینا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۲۔ ۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے متعلق احادیث اور آثار

امام بخاری نے اس حدیث کو بنی اسرائیل کے قصص میں ذکر کیا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص کفن چور تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کفن چور کو اس کے خوف کی شدت کی وجہ سے بخش دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۵۲، کتاب الانبیاء)

پس اللہ تعالیٰ کا سب سے قریب وسیلہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور بے شک مومن اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے سے بے خوف نہیں ہوتا۔

الربعی نے کہا: میں نے حضرت داؤد کی زبور کی ابتداء میں یہ لکھا ہوا پایا: حکمت کی اصل رب تبارک وتعالیٰ کا خوف ہے، اور سلف صالحین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پلایا گیا تھا۔ وہ اپنے نیک اعمال کو کم خیال کرتے تھے اور اس سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ان کی نیکی غیر مقبول نہ ہو، اس کے باوجود کہ وہ گناہِ کبیرہ سے بچتے رہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (المومنون: ۶۰) اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف

لوٹنے والے ہیں O

انہوں نے پوچھا: کیا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو شخص چوری کرتا ہے اور زنا کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس سے مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اس (کی طرف) سے یہ عبادات قبول نہیں کی جائیں گی۔

اور مطرف بن عبداللہ نے کہا کہ مجھ پر دوزخ کے عذاب کا اتنا زیادہ خوف ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنے سے روک دیتا ہے۔

سو یہ ان علماء ربانیین کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے اور اپنے آپ کو ظالمین اور خاطئین سے شمار کرتے تھے حالانکہ وہ عبادت میں بہت زیادہ کوشش کرنے والے ہوتے تھے لیکن وہ اپنے نیک اعمال پر اعتماد نہیں کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے تھے۔

اور حکماء میں سے ایک حکیم نے کہا: جب تم یہ جاننا چاہو کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کیا قدر ومنزلت ہے تو تم یہ دیکھو کہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کتنی قدر ومنزلت ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس سے ڈراتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر چیز سے ڈراتا ہے۔ (مسند الشہاب: ۴۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کے اوپر ان کا خوف مسلط کر دیا جن سے ابن آدم ڈرتا ہے اور اگر ابنِ آدم صرف اللہ سے ڈرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر کسی کا خوف مسلط نہ فرماتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کو اس کے سپرد کر دیا جس کی وہ امید رکھتا ہے، پس اگر ابنِ آدم صرف اللہ سے امید رکھتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے غیر کے سپرد نہ فرماتا۔ (کنز العمال: ۵۸۶۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس گئے جو مرض الموت میں تھا، آپ نے اس سے پوچھا: تمہاری کیا کیفیت ہے؟ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ (سے مغفرت) کی امید رکھتا ہوں یا رسول اللہ! اور اپنے گناہوں پر عذاب سے ڈرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کے دل میں یہ کیفیت نہیں ہوگی مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرمائے گا جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے بے خوف رکھے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۱)

اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامات

علامہ ابواللیث نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامتیں سات چیزوں میں ظاہر ہوتی ہیں:

(۱) زبان میں خوف کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف زبان کو جھوٹ بولنے سے اور غیبت کرنے سے اور چغلی کرنے سے اور فضول باتیں کرنے سے روکتا ہے اور بندہ کی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت اور علمی مباحث کے مذاکرہ میں مشغول رکھتا ہے۔

(۲) پیٹ میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ پیٹ میں کم غذا جائے اور وہ بھی حلال ہو اور ضرورت کے مطابق کھائے۔

(۳) آنکھوں میں خوفِ خدا کی علامت یہ ہے کہ حرام چہروں کی طرف اور حرام چیزوں کی طرف نہ دیکھے اور نہ دنیا کی طرف رغبت

کی آنکھ سے دیکھے، دنیا کی طرف اس کا دیکھنا عبرت کے لیے ہو۔

(۴) کانوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ فضول اور بے مقصد باتوں کو نہ سنے۔

(۵) قدموں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کسی جگہ چل کر نہ جائے۔اور اس کا چل کر جانا صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہو۔

(۶) بندہ کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو کسی حرام چیز کی طرف نہ بڑھائے، صرف اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھائے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو۔

(۷) دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ وہ دل سے لوگوں کی دشمنی اور بغض اور حسد کو نکال دے اور دل میں نصیحت کو داخل کرے اور مسلمانوں کے لیے شفقت اور خیر خواہی کو داخل کرے۔اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملہ میں ڈرتا رہے اور اس کی اطاعت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور وہ ریا کاری اور نفاق سے ڈرتا رہے۔

جب بندہ ان ساتوں امور کو حاصل کرلے گا تو وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ (الزخرف:۳۵) اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس (صرف) متقین کے لیے ہے○

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۱۴۔ ۵۲۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خوف کے متعلق آیات، احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ:۴۴) سو تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت بیان فرمائی ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (النحل:۵۰) وہ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے○

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صفت بیان فرمائی ہے:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ (الاحزاب:۳۹) جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کا ذکر اس حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا علم رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

اور علماء کی صفت اس آیت میں ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ (فاطر: ۲۸)

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے O

مقربین کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف اس لیے ہوتا ہے کہ ان سے اس کا مطالبہ ہوتا ہے جس کا مطالبہ ان کے غیر سے نہیں ہوتا۔ پس وہ اس مرتبہ کی رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں تو چونکہ ان کا مرتبہ بہت بڑا ہوتا ہے اس لیے ان پر شکر کا وجوب بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔

پس اگر بندہ مستقیم ہو تو وہ خراب عاقبت سے ڈرتا رہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (الانفال: ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو، اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے O

اور اگر وہ کم درجہ کا ہو اور گناہوں کی طرف مائل ہو تو وہ اپنے برے کاموں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور ان برے کاموں پر جب وہ نادم ہوتا ہے تو اس ندامت سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور جب وہ توبہ کر کے ان گناہوں کو اپنے نفس سے اکھاڑ پھینکتا ہے تو ان کو اس سے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ جب کسی کام کی برائی کی معرفت ہو جائے تو پھر اس برے کام کے کرنے کی وجہ سے دل میں خوف ہوتا ہے اور جو اس برے کام پر اللہ تعالیٰ کی وعید ہوتی ہے، اس وعید کی تصدیق کی وجہ سے دل میں خوف ہوتا ہے اور اس وجہ سے خوف ہوتا ہے کہ وہ توبہ سے محروم نہ ہو جائے، اور اس وجہ سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں کرنا چاہتا، تو وہ اپنے گناہ سے ڈرتا ہے اور اپنے رب سے اس بات کا طالب ہوتا ہے کہ وہ اس کو ان میں داخل کر دے جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔ اور اس باب میں وہ حدیث داخل ہے کہ ایک مرد کو ایسی عورت گناہ کی دعوت دیتی ہے جو خوبصورت ہو اور مال دار ہو اور وہ مرد یہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور گناہ کے ارتکاب سے باز رہے۔ اور وہ حدیث جو اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ تین اصحاب غار میں بند ہو گئے تو ہر ایک نے اپنے کسی نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس غار سے نجات عطا فرمائے، سو ایک مرد اللہ کے خوف کی وجہ سے ایک عورت کے ساتھ بے حیائی کے ارتکاب سے باز رہا اور وہ مال بھی چھوڑ دیا جو مال اس نے اس عورت کو عطا کیا تھا، اور اس کا داعیہ محض اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔ اور اس میں وہ قصہ بھی داخل ہے جو ایک مرد نے وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اس کو جلا کر اس کی راکھ ہوا میں بکھیر دی جائے یا سمندر میں ڈال دی جائے اور اس وصیت کا باعث بھی اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۳۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

''نعم الباری'' جلد ثالث عشر (۱۳) کی تکمیل

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری جلد ثالث عشر کا افتتاح 2 رجنوری 2013ء بروز بدھ، ۱۹ صفر المظفر / 1434ھ کو ہوا اور آج اس کا اختتام 14 اپریل 2013 بروز اتوار / ۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ کو ہو گیا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو یہ عظیم نعمت عطا فرمائی کہ میرے ہاتھوں نعم الباری کی تیرہویں (۱۳) جلد کی تکمیل کرا دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کمال فضل اور احسان ہے اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے حال پر کمال توجہ اور عنایت ہے۔ میں انتہائی نا کارہ اور گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ مجھ پر مسلسل اپنی نعمتوں کی بارش فرماتا رہتا ہے۔

اس جلد میں دو سو پچپن (۲۵۵) احادیث کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ آ گئی ہے۔ بارہویں جلد میں، میں نے شرح کم کی تھی اس وجہ سے اس میں (۵۴۸) احادیث کی شرح آ گئی تھی، لیکن اس جلد میں میں نے زیادہ توسع سے کام لیا ہے، کیونکہ قارئین جب کتاب پڑھتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ اس میں ان کو حدیث کی شرح میں خاطر خواہ مواد مل جائے، اس لیے میں نے عواقب سے بے پرواہ ہو کر اس جلد کو شرح وبسط کے ساتھ کمپوز کرایا۔ اس جلد کی کمپوزنگ یہیں پر حافظ محمد جشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ بھی یہیں پر ہمارے معزز اور مکرم عزیز سید عمیر الحسن البرنی زید حبہٗ نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے کی ہے۔ اس جلد کی تکمیل تین مہینے اور بارہ ایام میں ہوئی ہے۔

نعم الباری جلد ثالث عشر (۱۳) کتاب الاستئذان سے شروع ہوئی ہے اور اس کے بعد کتاب الدعوات ہے اور پھر اس کے بعد کتاب الرقاق ہے، اس جلد میں کتاب الرقاق مکمل نہیں ہو سکی اور کتاب الرقاق میں کل ترپن (۵۳) ابواب ہیں اور ان میں سے پچیس (۲۵) ابواب کی شرح اس تیرہویں جلد میں آ گئی ہے۔ بقیہ ابواب کی شرح ان شاء اللہ چودھویں جلد میں آئے گی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو مقبول اور مشکور فرمائے اور صحیح البخاری کے بقیہ ابواب اور احادیث کی شرح مجھے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس جلد میں میں نے جو مباحث لکھے ہیں محبین اور موافقین کو ان کی وجہ سے دین پر استقامت عطا فرمائے اور مخالفین اور معاندین کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

میں اس جلد کی تکمیل میں اپنے تمام معاونین اور محسنین کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں۔ خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم و لطفہم اور محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ سعیہم اور صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ فورڈ) اور مشہور عالمی اسکالر حافظ عبد المجید (برسٹل) اور مولانا حامد قیوم (ناروے) اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہٗ (پروف ریڈر)، مولانا مختار احمد صاحب، مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہم، حافظ محمد جشید ہاشمی سلمہ، علاوہ ازیں اندرونِ ملک وبیرون ملک کے تمام معاونین کے لیے دعا گو ہوں۔

خصوصاً میری دینی بہن ثمینہ ہیں اور میری سگی بہن شمیم اختر ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو سلامت رکھے اور ان کی دعاؤں اور محبتوں سے مجھے مستفید رکھے۔

میں تقریباً تیس سال سے شوگر، ہائی بلڈ پریشر اور کمر کے درد کے عوارض میں مبتلاء ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ کولیسٹرول اور

اس کے لواحق بھی ہیں اور ابھی تقریباً ایک سال سے گھٹنوں کی دو ہڈیوں کے درمیان فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے گھٹنوں میں شدید تکلیف ہے جس کی وجہ سے میں چلنے پھرنے سے تقریباً معذور ہو گیا ہوں، عصاء کے سہارے تھوڑا بہت چل پھر لیتا ہوں۔ میں نے نعم الباری کی کسی جلد میں غالباً لکھا تھا کہ کرسی پر بیٹھ کر عذرِ شدید کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، لیکن اب گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے میں رکوع اور سجود کرنے پر قادر نہیں ہوں اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہوں۔ مسجد تک چل کر جانا میرے لیے بے حد مشکل اور تقریباً ناممکن ہے اس لیے اپنے کمرہ کے برابر والے کمرہ میں نماز پڑھتا ہوں، دو تین ساتھی میرے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور ایک ساتھی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح مجھے جماعت کے ثواب کی امید ہے۔ بہر حال لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں بے حد مشکلات، تکلیفوں اور بیماریوں میں نعم الباری کا یہ کام کر رہا ہوں اور خواہش یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے اس قابل رکھے کہ میں یہ شرح لکھوا تا رہوں تو میں لکھوا تا رہوں۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان یہ ہے کہ میری سماعت اور بصارت درست ہے، میں چشمہ کے بغیر لکھنے پڑھنے کا کام کر لیتا ہوں اور آلۂ سماعت کے بغیر سن لیتا ہوں اگرچہ دور سے کوئی بات کرے یا پست آواز ہو تو سننے میں دشواری ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور تمنا بھی یہی ہے کہ جب تک میں دین کا کام کر سکتا ہوں کرتا رہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے معاونین اور قارئین کو اور میرے تلامذہ کو دنیا میں کسی کا محتاج نہ کرے، صحت اور عافیت کے ساتھ حالتِ ایمان میں ہم سب کا خاتمہ فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنا دے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے، اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرما دے، قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور میدانِ محشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے بے پایاں فضل و کرم سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والآخرین شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثالث عشر (۱۳) کی ڈائری

افتتاح: ۱۹ صفر المظفر / 1434ھ / 2 / جنوری 2013ء بروز بدھ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
2جنوری2013ء	۱۹صفر المظفر ۱۴۳۴ھ	بدھ	=	=	=	۶۲۲۶
یکم فروری2013ء	۱۹ربیع الاول ۱۴۳۴	جمعۃ المبارک	۲۱۰	۲۱۰	۳۹	۶۲۶۵
یکم مارچ2013ء	۱۸/ربیع الثانی	جمعۃ المبارک	۲۹۰	۵۰۰	۵۶	۶۳۲۱
یکم اپریل2013ء	۱۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	پیر	۳۱۲	۸۱۲	۱۰۵	۶۴۲۶
14اپریل2013	۳جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴	اتوار	۱۹۶	۱۰۰۸	۲۵۵	۶۴۸۱

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبد الرزاق بن ھمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبد الرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دار المعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن علی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ

۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی 385ھ، سنن الدارقطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1427ھ

۸۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۸۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۸۲۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۸۳۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ

۸۴۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ

۸۶۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سیدالابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۸۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۸۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ

۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۹۰۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیرالانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن

۹۱۔ تاج الدین علی بن عبداللہ بن الحسن الاردبیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشہد بہا الفقہاء، دارالاصلاح 2009ء

۹۲۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۹۳۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۹۴۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور، دارالکتب العربی، بیروت 1418ھ

۹۵۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر،

بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دار الباز، مکہ مکرمہ، در الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام بن عبد الرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابو الفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفی 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبد اللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبد السلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابو المظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء
۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ
۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع، مصر
۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ
۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبّر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوہ للطباعۃ والنشر، 1421ھ
۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ
۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بریلوی، متوفی 1367ھ خزائن العرفان
۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ
۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہٗ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ
۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہٗ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت 1424ھ

۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ

۱۸۰۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دار النور 1431ھ

۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ

۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ

۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت

۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ

۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1420ھ

۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۹۴۔ علامہ ابویحیٰی زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۹۵۔ علامہ ابویحیٰی زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۹۷۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحیدالزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۹۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی المتوفّٰی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفّٰی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفّٰی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفّٰی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفّٰی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفّٰی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفّٰی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفّٰی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفّٰی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفّٰی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفّٰی 852ج، تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفّٰی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفّٰی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ

۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفّٰی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ

۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفّٰی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی

۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ

۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ

۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق

۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ

۲۴۵۔ یوسف عبد الرحمن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ

۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ

۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ

۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،

۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء

۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۲۵۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکیہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنۃ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت

۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت

۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران

۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ

۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ

۲۹۰۔ حافظ علاؤ الدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ و تاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ

۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ

۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ

۲۹۵۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ

۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ

۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی، متوفّٰی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ،

۳۰۵۔ امام ابو بکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفّٰی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی، المیاۃ مختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفّٰی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابو الحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفّٰی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفّٰی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفّٰی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفّٰی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفّٰی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفّٰی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفّٰی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفّٰی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفّٰی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفّٰی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفّٰی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبد اللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفّٰی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفّٰی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفّٰی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفّٰی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفّٰی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفّٰی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفّٰی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفّٰی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفّٰی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی التوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبدالعزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دارالاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نوراللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفّٰی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی المتوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ

۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبدالغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفّٰی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمر قندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والخارج المسمی بھجۃ الاحکام وحجۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبدالحمید محمود طہماز، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفّٰی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفّٰی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفّٰی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفّٰی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفّٰی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفّٰی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفّٰی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفّٰی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفّٰی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابوالبرکات، احمد دردیر مالکی، متوفّٰی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ

۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۳۸۹۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاوی، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ

۳۹۰۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ

۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۳۹۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ

۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ

۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۰۳۔ علامہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۴۰۴۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفی، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ

۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۴۱۵۔ الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ

۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ

۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران

۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران

۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ

۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ

۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور

۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفّٰی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابو المعالی عبد الملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفّٰی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفّٰی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابو بکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفّٰی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفّٰی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبد الواحد بلگرامی حنفی، متوفّٰی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفّٰی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفّٰی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفّٰی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفّٰی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفّٰی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفّٰی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفّٰی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفّٰی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ

۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ

۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، مدینۃ الرسول ﷺ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ

۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ

۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی

۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، جمال الاولیاء

۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفّٰی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ

۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء

۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفّٰی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفّٰی 1346ھ، المہند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ

۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفّٰی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی

۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفّٰی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفّٰی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفّٰی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفّٰی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفّٰی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۸۰۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتی اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ

۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حیات استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام لاہور 1433ھ

۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقامِ ولایت و نبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تاریخ نجد و حجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم و دقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ

۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ